بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابنِ کثیر

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

زیرِ اہتمام: اِدارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد دوم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیرنگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2630411-221201 فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

سورۂ مائدہ

سورۂ مائدہ مدنی ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو بیس (120) ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی مہار تھامے ہوئی تھی جب آپ ﷺ پر مکمل سورۂ مائدہ اتری، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں گے (1)۔ ام عمرو رضی اللہ عنہا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی، یوں لگتا تھا کہ وحی کے بوجھ سے گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے تو اس وقت سورۂ مائدہ آپ ﷺ پر نازل کی گئی، اونٹنی کے لئے (وحی کے بوجھ کے سبب) آپ ﷺ کو اٹھانا مشکل ہو گیا، اس لئے آپ ﷺ اس سے نیچے اتر گئے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں جو سورت اتری وہ سورۂ مائدہ اور فتح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے وہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ہے (3)۔

حضرت جبیر بن نفیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے پوچھا: اے جبیر! (کیا) تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی! جی ہاں۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یاد رکھو، سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی سورت ہے، اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال جانو، اور جو چیز تم اس میں حرام پاؤ، پس اسی کو حرام سمجھو (4)، مسند امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے! پھر میں نے آپ رضی اللہ عنہا سے رسول خدا ﷺ کے اخلاق کی بابت دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہی (کا عملی نمونہ) تو تھے (5)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 455

2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 176

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ مائدہ، جلد 11، صفحہ 185

4۔ المستدرک للحاکم تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311

5۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 188

''اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو، حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں، نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کئے ہوئے ہیں بیت حرام کا، طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا۔ اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو یہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا فرماتے ہوئے سنو تو کان لگا کر اس کی طرف پوری توجہ مبذول کر دو کیونکہ اس کے بعد مذکور حکم یا تو خیر ہوگا جس کی بجا آوری مقصود ہے یا شر ہوگا جس سے ممانعت مطلوب ہے۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا فرمائے تو مطلوبہ فعل کو کر گزرو، کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت خثیمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے اہل ایمان کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا جبکہ تورات میں اس کی بجائے ''یَا اَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ'' کے الفاظ سے خطاب ہے۔

ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا آیا ہے ان تمام مقامات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل ایمان کے سردار، شریف اور امیر ہیں، صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم میں عتاب ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات ایسی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نہیں ہوا۔

یہ اثر غریب ہے، اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی محل نظر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے۔ میری رائے میں ایک اور راوی علی بن بذیمہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن غالی شیعہ ہے۔ اس کے اپنے عقائد کے موافق اس قسم کی روایت ناقابل قبول ہے۔

اس روایت میں یہ قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام صحابہ کو ڈانٹا گیا، اس میں اشارہ اس آیت کی طرف ہے جس میں صحابہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے کچھ صدقہ دیا کریں۔ کہتے ہیں کہ اس آیت پر عمل صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی کیا، پھر یہ فرمان اترا ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ (المجادلہ:13) ''کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہئے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی) یہ کہنا کہ اس آیت میں صحابہ کو عتاب ہے، محل نظر ہے، کیونکہ یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ یہاں امر استحباب اور اختیار کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لئے، پھر اس پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور کسی صحابی سے بھی اس کی خلاف ورزی کا صدور نہیں ہوا۔ اور یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم میں کہیں بھی عتاب نہیں ہوا یہ بات بھی محل اعتراض ہے۔ آیت انفال دیکھیں جس میں تمام صحابہ کو

عتاب ہوا جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کر دینے کا مشورہ دیا تھا تو سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی بھی عتاب سے محفوظ نہ رہا۔ یہ تمام چیزیں اس اثر کے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت محمد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب پڑھا جو عمرو بن حزم کے لئے اس وقت لکھا گیا جب انہیں آپ ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا۔ یہ مکتوب ابی بکر بن حزم کے پاس تھا اس میں تحریر تھا: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس میں اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ تک آیات لکھی ہوئی تھیں (1)۔ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ گرامی نامہ ہمارے پاس موجود تھا جو آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن روانہ کرتے ہوئے تحریر کر کے دیا تھا تا کہ وہ اس کے مطابق وہاں کے لوگوں کو دین سمجھائیں، حدیث کی تعلیم دیں اور صدقات وصول کریں، اس وقت یہ مکتوب لکھ کر دیا تھا جس میں احکام اور عہد و پیمان کا اندراج تھا، آپ ﷺ نے تحریر فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کتاب ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے عہد ہے جب انہیں یمن بھیجا، تمام معاملات میں انہیں اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں'' (2)۔

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ عقود سے مراد عہود ہیں، ابن جریر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عقود سے مراد وہ تمام عہد ہیں جن کی پابندی کرنے کا لوگ عزم کر لیتے ہیں خواہ یہ قسمیہ ہوں یا غیر قسمیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ عقود سے مراد اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد ہیں یعنی حلال وحرام، فرائض اور حدود جن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے انہیں پامال نہ کرو اور نہ ان میں عہد شکنی کرو، بلکہ اس سے بھی شدید حکم سنئے: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (الرعد: 25)۔ ''اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کئے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے''۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام اور اس عہد کو ایفاء کرنا جو ایمان لانے کے بعد ہر مومن کے ذمہ آ جاتا ہے اور اسی طرح تمام فرائض (حلال وحرام) کی پابندی کرنا۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ عقود کی چھ اقسام ہیں: 1۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد، 2۔ آپس میں یکجہتی کا قسمیہ عہد، 3۔ مشارکت کا عہد، 4۔ بیع کا عہد، 5۔ نکاح کا عہد، 6۔ قسمیہ عہد۔

محمد بن کعب کہتے ہیں کہ عقود پانچ ہیں جن میں زمانہ جاہلیت کے حلف اور تجارت میں مشارکت کے عہد و پیمان شامل ہیں۔

وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ بیع وشراء مکمل ہو جانے کے بعد مجلس بیع برخاست ہو جانے سے پہلے اور خرید و فروخت کرنے والوں کے جدا ہونے سے پہلے بھی چیز کو واپس لوٹانے کا اختیار نہیں، وہ اس آیت اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت صرف عقد بیع کے لزوم اور ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور خیار مجلس کی نفی کا تقاضا کرتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہی مسلک

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 49 2۔ دلائل النبوۃ از امام البیہقی، جلد 5، صفحہ 413

شخص کی مثل اجر ملے گا اور اس کے اجر میں ذرا کمی نہ ہوگی۔ اسی لئے جب حضور ﷺ حج کے ارادہ سے نکلے تو آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ (وادی عقیق) میں رات گزاری، صبح ہوئی تو آپ ﷺ باری باری اپنی ازواج کے پاس گئے، ان کی تعداد نو تھی، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی اور دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر اپنی ہدی کی کوہان پر نشان لگایا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ آپ ﷺ کے پاس قربانی کے ساٹھ سے زائد بڑے خوش شکل اور خوش رنگ اونٹ تھے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: 32)۔ ''اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے''۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ تعظیم سے مراد یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی خوب دیکھ بھال کی جائے، خوب کھلایا پلایا جائے اور موٹا تازہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانوروں کی) آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں(1)۔

وَلَا الْقَلَآىِٕدَ یعنی انہیں بھی حلال نہ سمجھو۔ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب وہ حرام مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں اپنے وطن سے نکلتے تو بالوں اور اون کا پٹہ ڈال لیتے جبکہ حرم میں رہنے والے مشرکین اپنے اوپر حرم کے درختوں کی چھال لپیٹ لیتے، اس طرح باقی عرب انہیں امن دے دیتے اور کوئی گزند نہ پہنچاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں، ایک آیت قلائد اور دوسری یہ آیت۔ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (مائدہ: 42) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا سورۂ مائدہ میں سے کوئی آیت منسوخ ہے؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں سے قلادہ بنا کر پہن لیتے تھے اس طرح وہ لوگوں کی ایذاء سے مامون رہتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنے کی ممانعت فرمادی۔

وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا جو لوگ بیت اللہ کے ارادہ سے نکلیں ان کے ساتھ لڑائی کو بھی حلال نہ جانو، اس میں داخل ہونے والا ہر شخص مامون اور محفوظ ہو جاتا ہے، اسی طرح اس شخص سے بھی لڑائی نہ کرو جس نے اللہ کے فضل اور رضا کی طلب میں بیت اللہ کا قصد کیا۔ ایسے شخص کو نہ تو بیت اللہ سے روکو اور نہ پریشان کرو۔

مجاہد، عطاء اور بہت سے حضرات یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ سے مراد تجارت لیتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: 198)۔ ''نہیں ہے تم پر کوئی حرج کہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل یعنی رزق''۔

اور ''رِضْوَانًا'' کا معنی ہے کہ بیت اللہ کے قصد (حج و عمرہ) میں اللہ کی رضا جوئی، عکرمہ، سدی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ آیت حطم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ بول دیا اور مویشی چرا کر لے گیا۔ اگلے سال جب یہ عمرہ کے ارادہ سے بیت اللہ شریف کی طرف جا رہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا راستہ روکنا چاہا تو اس پر یہ وحی اتری: وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ .....

ابن جریر اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ جب کسی مشرک کو مسلمانوں کی امان حاصل نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے اگرچہ وہ بیت اللہ یا بیت المقدس کے ارادہ سے جا رہا ہو، ان کے حق میں یہ حکم (جو آیت میں ہے) منسوخ ہے۔ البتہ وہ شخص جو وہاں الحاد پھیلانے اور

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 97، ابن ماجہ صفحہ 1050، مسند احمد جلد 1 صفحہ 95

شرک و کفر کے ارادہ سے جا رہا ہوا سے ضرور روکا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ:28)۔ "اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی ہونے پائیں"۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے 9ھ میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا تو ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ بطور نیابت، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے براءت کا اعلان کردیں اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے گا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے فرمان: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پہلے مومن اور مشرک سب حج کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی مومن یا کافر کو نہ روکیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل کیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اور فرمایا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ (توبہ:17)۔ "مشرکین کیلئے روا نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں"۔

اور فرمایا: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:18)۔ "صرف وہی آباد کرسکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر"۔

پس مشرکین کو مسجد حرام سے روک دیا گیا(2)۔

قتادہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ: وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ منسوخ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص حج کے ارادہ سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ کا قلادہ پہن لیتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا۔ جب وہ واپس لوٹتا تو بالوں کا ہار پہن لیتا تو بھی اسے کوئی گزند نہ پہنچاتا اور اس وقت مشرکین کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع نہیں تھا، اس وقت مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ نہ حرام مہینوں میں لڑائی کریں اور نہ بیت اللہ کے پاس۔ پھر یہ حکم اس آیت نے منسوخ کردیا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5)۔ "قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں"۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ وَلَا الْقَلَآئِدَ کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ حرم کا قلادہ پہن لیں تو انہیں امن دے دو۔ عرب ہمیشہ اس کا خیال رکھتے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو برا سمجھتے۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب تم احرام کھول دو تو اب تمہارے لئے وہ شکار مباح ہے جو حالت احرام میں حرام تھا۔ یہ امر ممانعت کے بعد ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ حکم وہی ثابت ہوگا جو نہی سے پہلے تھا۔ اگر نہی سے پہلے واجب تھا تو اب بھی وجوب کیلئے ہوگا اور اگر وہ حکم مستحب تھا تو اب بھی مستحب ہوگا اور اگر پہلے مباح تھا تو اب بھی مباح۔ بعض نے کہا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صرف اباحت کیلئے لیکن دونوں کے خلاف قرآن کریم کی آیات موجود ہیں۔ صحیح موقف جس میں تمام دلائل مل جائیں وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اسی طرح بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ... بعض قراء نے "اَنْ صَدُّوْكُمْ" میں اَنْ کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے(3)۔ اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 477-478　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 61　　3۔ البحر المحیط، جلد 3، صفحہ 422

لوگ جو تمہیں مسجد حرام تک پہنچنے سے روکتے تھے ان کے ساتھ بغض تمہیں زیادتی پر برانگیختہ نہ کردے۔ یہ حدیبیہ والے سال کی بات ہے جب انہوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ یہ بلاشبہ زیادتی ہے لیکن اے مسلمانو! اس کے باوجود تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم قصاص پر آمادہ ہو کر ان پر زیادتی کرو بلکہ ہر ایک کے حق میں عدل کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو جیسا کہ اس فرمان میں ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:8)۔ "اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے"۔

بعض سلف کا قول ہے اگر کوئی تیرے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کرے تو تجھ پر ضروری ہے کہ تو اس کے بارے میں اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے، کیونکہ عدل سے ہی زمین و آسمان قائم ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر تشریف فرما تھے، مشرکین نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیت اللہ شریف سے روک رکھا تھا اور یہ صورت حال صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے سخت تشویش اور تکلیف کا باعث بنی ہوئی تھی۔ تو مشرق سے چند مشرک جو عمرہ کے ارادہ سے جا رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے تو وہ کہنے لگے کہ جیسے ان کے ساتھی مشرکین نے ہمیں روکا ہے اس طرح ہم بھی انہیں روکیں گے تو اس وقت یہ آیت اتری۔

شنآن کا معنی ہے بغض، یہ مصدر ہے اس کے تمام حروف متحرک ہیں، بعض نے پہلی نون کو ساکن کر کے بھی پڑھا ہے، لیکن مجھے علم نہیں کہ کسی قاری نے اس طرح پڑھا ہو۔ ہاں شعر میں ایسا ممکن ہے جیسا کہ یہ شعر ہے:

وَمَا الْعَيْشُ اِلَّا مَايُحَبُّ وَيُشْتَهٰى وَاِنْ لَامَ فِيْهِ ذُوالشَّنَاٰنِ وَفَنَّدَا (1)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى .... بر کا معنی ہے نیک کام کرنا اور تقویٰ کا معنی ہے برائیوں کو ترک کر دینا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیکی اور تقویٰ میں تعاون کا حکم دیتا ہے اور باطل، گناہ اور محارم میں باہمی تعاون سے اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے۔

اثم سے مراد ہے اس کام کو ترک کر دینا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض سے تجاوز کرنے کا نام عدوان ہے(2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔" عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم کی مدد کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ فرمایا: "اسے اس کے ظلم سے باز رکھیں، یہی اس کی مدد ہے"(3)۔

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے، وہ اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور نہ ہی ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے"(4)۔

فرمایا: اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ "خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہی ہے جس طرح اسے انجام دینے والا"۔

اس کی مؤید یہ حدیث بھی ہے: "جس نے ہدایت کی دعوت دی تو اسے قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا سا اجر ملتا رہے گا جبکہ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 65، الشعر والشعراء: 519 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 66

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 99۔ صحیح مسلم، کتاب البر، 1998-1999 4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 365۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن 1338

کے اجر میں بھی ذرا کمی نہیں ہوگی، اور جس نے گمراہی کی طرف لوگوں کو بلایا تو قیامت تک جس قدر لوگ اس کی پیروی کرتے رہیں گے اسے ان کے برابر گناہ پہنچتے رہیں گے اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی'' (1)۔

حدیث میں آتا ہے: ''وہ شخص جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی اعانت کے لئے چلا حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ ظالم ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا'' (2)۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

''حرام کئے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے) جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے، یہ سب نافرمانی کے کام ہیں، آج مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے، سو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے، آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین، پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس آیت میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کا کھانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ مَيْتَةٌ (مردار) سے مراد وہ جانور ہے جو طبعی موت مر جائے، نہ اسے ذبح کیا جائے اور نہ اس کا شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لئے حرام ہے کہ اس میں جمع شدہ خون انتہائی مضر ہے، ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے۔ یہ جانور کے جسم کے اندر رکا ہوا خون بدن اور دین دونوں کے لئے ضرر رساں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مردار سوائے مچھلی کے حرام قرار دے دیا۔ مچھلی ہر صورت میں حلال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندری پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے'' (3)۔ اسی طرح ٹڈی بھی حلال ہے اگرچہ از خود مر گئی ہو، اس کے متعلقہ حدیث عنقریب آ رہی ہے۔

وَ الدَّمُ اس سے مراد دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ حضرت ابن عباس

1۔ صحیح مسلم، کتاب العلم: 2060۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 201 2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 1، صفحہ 227

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 21، سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 176، موطا امام مالک، کتاب الطہارۃ: 22، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 237، 361، ابن ماجہ: 136

رضی اللہ عنہما سے تلی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے کھا سکتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو خون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف وہ خون حرام ہے جو (ذبح کے وقت) بہنے والا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہنے والا خون حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، دو مردے، مچھلی اور ٹڈی اور دو خون، کلیجی اور تلی'' (1)۔

حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی قوم کی طرف بھیجا تا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلاؤں اور اسلام کے احکام ان پر پیش کروں۔ میں ان کے پاس گیا لیکن اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ایک دن اچانک ایسا ہوا کہ وہ خون کا بھرا ہوا پیالہ لے آئے اور اس کے ارد گرد کھانے کی غرض سے بیٹھ گئے اور مجھے بھی دعوت دی اور کہنے لگے: آؤ صدی! تم بھی کھاؤ، میں نے کہا کہ مقام افسوس ہے! میں تو ان کے پاس سے تمہارے پاس آیا ہوں جو اس کا کھانا سب پر حرام کرتے ہیں، اس لئے تم بھی اس کو پیش نظر رکھو۔ وہ تمام میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ مسئلہ ذرا تفصیل سے بتاؤ تو میں نے یہی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ انہیں پڑھ کر سنا دی۔

حافظ ابو بکر بن مردویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے: ''میں انہیں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے اور اسلام نہ لائے۔ ایک دن مجھے سخت پیاس لگی تو میں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے مجھے پانی پلاؤ، مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ انہوں نے پانی پلانے سے بھی انکار کر دیا، کہنے لگے کہ ہم تمہیں اسی طرح پیاسا ہی رکھیں گے یہاں تک کہ تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ میں بہت پریشان ہوا۔ سخت گرمی میں اپنا کمبل لیا اور منہ لپیٹ کر تپتی ہوئی زمین پر لیٹ گیا، مجھے نیند آ گئی، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص شیشے کا جام لئے ہوئے میرے پاس آیا۔ جام ایسا تھا کہ لوگوں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت کبھی نہ دیکھا ہوگا اور اس میں مشروب ایسا تھا جس سے بڑھ کر لذیذ لوگوں نے کبھی نہ پایا ہوگا۔ اس شخص نے جام مجھے تھما دیا۔ میں نے خوب پیا۔ جب پی کر فارغ ہوا تو میری آنکھ کھل گئی۔ اللہ کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی نہ مجھے پیاس لگی اور نہ پیاس نے ستایا۔ میں نے سنا کہ وہ لوگ آپس میں کہہ رہے ہیں کہ یہ تمہاری قوم کا سردار ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔ اتنا ظلم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اسے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیں۔ چنانچہ وہ لوگ میرے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان لے آئے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کھلا پلا دیا ہے اور انہیں اپنا سیر شدہ پیٹ دکھایا تو سب کے سب یہ کرامت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (2)۔ اعشیٰ نے اپنے قصیدہ میں کیا خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب تک نہ پھٹکو اور نہ ہی تیز ہڈی سے کسی جانور کی رگ کاٹ کر اس کا خون پیو۔ اور پرستش گاہوں کا چڑھاوا بھی نہ کھاؤ اور نہ بتوں کی عبادت کرو، عبادت صرف اللہ کی کرو (3)۔

وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ یہ بھی حرام ہے خواہ سور وحشی ہو یا پالتو۔ لفظ ''لحم'' خنزیر کے تمام اجزاء کو شامل ہے حتیٰ کہ چربی کو بھی۔ یہاں ظاہریہ کی طرح تکلف اور تعسف کی ضرورت نہیں جو فرمان الٰہی إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ (الانعام: 145) میں ''انه'' کی ضمیر کا مرجع خنزیر (مضاف الیہ) کو بناتے ہیں تا کہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں شامل ہو جائیں لیکن لغت کے اعتبار سے یہ بہت بعید ہے کیونکہ ضمیر مضاف کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مضاف الیہ کی طرف۔ اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ لفظ لحم تمام اجزاء کو شامل

1۔ مسند الامام از امام شافعی، جلد 6، صفحہ 256، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 97، ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ: 1102

2۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 642-641 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 386

ہے جس طرح لغت عرب اور عرف عام کا بھی یہی تقاضا ہے۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شطرنج کھیلی گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون کے ساتھ آلودہ کیا'' (1)۔ غور فرمائیں کہ جب صرف مس کرنے میں شریعت نے اس قدر نفرت دلائی ہے تو پھر اس کے کھانے میں کس قدر شدید دھمکی اور وعید ہوگی۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ لحم چربی وغیرہ سمیت تمام اجزاء کو شامل ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دے دیا ہے''۔ عرض کی گئی! یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے، یہ تو کشتیوں پر طلاء کرنے، چمڑوں کو رنگنے اور اسے جلا کر روشنی کے حصول میں کام آتی ہے؟ فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے'' (2)۔

حدیث ابی سفیان میں آتا ہے کہ انہوں نے ہرقل شاہ روم سے کہا تھا کہ وہ (نبی کریم ﷺ) ہمیں مردار اور خون سے منع کرتے ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وہ جانور بھی حرام ہے جسے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ اسی کے عظیم نام پر جانور ذبح کئے جائیں، جب کوئی اس سے روگردانی کرے اور ذبح کرتے وقت کسی بت، شیطان یا مخلوق میں سے اور کسی کا بھی نام لے لے تو وہ جانور بالاجماع حرام ہے، ہاں جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے، جان بوجھ کر یا بھولے سے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ انعام میں ہوگا۔

حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام چار چیزوں کی حرمت لے کر زمین پر تشریف لائے: مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور بوقت ذبح جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ یہ چار چیزیں ہمیشہ حرام رہیں، کسی وقت بھی حلال نہیں ہوئیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک ہمیشہ ان کی حرمت قائم رہی۔ البتہ بنی اسرائیل کی کارستانیوں اور گناہوں کے باعث کچھ حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آپ وہی امر لے کر آئے جو حضرت آدم علیہ السلام لائے تھے چنانچہ آپ کے ذریعے مذکورہ چار حرام اشیاء کے علاوہ باقی سب حلال کر دی گئیں لیکن یہ بدبخت پھر بھی آپ کو جھٹلانے لگے اور نافرمانی پر کمربستہ ہو گئے۔

ان دنوں کی بات ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے حاکم تھے، قبیلہ بنی ریاح کے ایک شخص ابن وثیل کا جو شاعر بھی تھا، فرزدق کے باپ غالب سے مقابلہ ہو گیا، طے یہ ہوا کہ وہ کوفہ کے پیچھے چشمہ پر جب وارد ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک سو سو اونٹوں کی کونچیں کاٹے گا۔ جب ان کے اونٹ اس چشمہ پر پہنچے تو وہ تلواریں لے کر اپنے اپنے اونٹوں کی کونچیں کاٹنے لگے۔ مقصود ریاکاری اور فخر و نمائش تھی۔ لوگ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے ارادے سے نکلے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ اعلان کرتے ہوئے آ پہنچے کہ اے لوگو! ان اونٹوں کا گوشت نہ کھانا کیونکہ ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

یہ اثر غریب ہے لیکن اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث کرتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اعراب کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر: 1770
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ: 1206، فتح الباری کتاب البیوع، جلد 4، صفحہ 424

طرح (مقابلہ میں) کونچیں کاٹنے سے منع فرمایا تھا(1)۔ ایک اور حدیث ہے جو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے(2)۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ اس سے مراد وہ جانور ہے جو گلا گھونٹنے سے مر جائے خواہ کسی نے جان بوجھ کر گلا گھونٹا ہو یا اتفاقاً ایسا ہو گیا مثلاً رسی وغیرہ کا پھندا لگ گیا جس کے باعث وہ مر گیا، تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ یہ ایسا جانور ہے جو بغیر دھار والی کسی ثقیل چیز کی ضرب سے مر گیا مثلاً لکڑی وغیرہ، تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ وہ جانور کو لاٹھیوں کے ساتھ مارتے، جب مر جاتا تو کھا لیتے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں معراض (بغیر پر کے درمیان سے موٹا تیر) کے ساتھ شکار کھیلتا ہوں تو وہ نشانے پر جا لگتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''جب تو معراض پھینکے اور وہ شکار کو چھید ڈالے (زخم لگائے) تو کھا سکتا ہے لیکن اگر وہ تیر چوڑائی کی طرف سے لگے تو یہ چوٹ لگائے ہوئے جانور کے حکم میں ہے، اسے مت کھاؤ''(3)۔

آپ ﷺ نے اس جانور کے درمیان جسے تیر، نیزہ وغیرہ کی دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس جانور کے درمیان فرق کیا ہے جو چوڑائی کی جانب سے چوٹ کھا کر شکار ہوا۔ پہلا حلال جبکہ دوسرا حرام۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی زخمی کرنے والی چیز نے صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا اس کے بوجھ سے ہے اور زخمی بھی نہیں ہوا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اوپر والی حدیث کے پیش نظر حرام ہے اور یہ موقوذہ کے حکم میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حلال ہے صید کلب کی اباحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہم مندرجہ ذیل فصل میں بیان کرتے ہیں۔

فصل:۔ علمائے کرام رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے شکار پر اپنا کتا چھوڑا، کتے نے شکار کو اپنے بوجھ سے مار ڈالا لیکن زخمی نہ کیا یا اسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا، کیا ایسا شکار حلال ہے یا حرام؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

1۔ ایسا شکار حلال ہے، کیونکہ آیت کریمہ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ:4) ''تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے'' کا حکم عام ہے۔ اسی طرح حدیث عدی رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی عام ہے۔ یہ ایسا قول ہے جسے اصحاب شافعی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ اور رافعی جیسے متاخرین نے اس کی صحت کا فیصلہ دیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ''الاُمّ'' اور ''المختصر'' میں کلام سے صراحۃً یہ ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں جگہ آپ نے کہا ہے کہ ان دونوں معنوں کا احتمال ہے، پھر ہر ایک کی توجیہہ بیان کی۔ یہ بات لے کر اصحاب الشافعی نے کہہ دیا کہ علی الاطلاق اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حلال ہونے کے قول کی بحث کو قدرے ترجیح دی ہے ورنہ انہوں نے دونوں میں سے نہ تو کسی کی صراحت کی ہے اور نہ کسی کے بارے میں قطعی فیصلہ دیا ہے۔ ابن صباغ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے، اس کے علاوہ کچھ نقل نہیں کیا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرات سلمان فارسی، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے۔ صراحت کے ساتھ یہ قول ان حضرات سے منقول ہی نہیں، یہ ان کا اپنا تصرف ہے۔

2۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا جانور حلال نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دو قولوں میں سے ایک یہ ہے، مزنی نے بھی اسی کو پسند کیا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 101　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 344　　3۔ صحیح مسلم، کتاب الصید: 1530

ہے۔ ابن صباغ کے کلام سے بھی اسی کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، اور اسی قول کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے اور یہی درست ہونے کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ یہ اصولی قواعد اور شرعی احکام سے زیادہ میل کھاتا ہے۔ ابن صباغ نے اس قول کے حق میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ! کل ہماری دشمن سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں، کیا ہم تیز بانس یا نرکل سے ذبح کر لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھاؤ'' (1)۔

اگرچہ یہ ایک خاص موقع و محل کے لئے ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ علمائے اصول و فروع کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار کیا جائے گا، اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے بتع (شہد کی نبیذ) کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کُلُّ شَرَابٍ اَسْکَرَ فَھُوَ حَرَامٌ (2)۔ یعنی ہر نشہ آور شراب حرام ہے۔ سوال خاص تھا لیکن جواب عام دیا، کیا کوئی فقیہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ صرف شہد کی شراب کے ساتھ مخصوص ہیں؟ اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی کہ وہاں سوال تو ایک خاص صورت ذبح کے متعلق تھا لیکن آپ ﷺ نے عام اور جامع کلام فرمائی جس میں یہ صورت شامل ہے اور اس کے سوا اور بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ''جوامع الکلم'' (ایسی کلام جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) سے نوازا تھا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اب اگر کتے نے شکار کو صدمہ پہنچایا یا اس کے بوجھ سے مر گیا تو یہ ان جانوروں میں نہیں شمار ہوگا جن کا خون بہایا گیا ہو، اس لئے اس حدیث کے پیش نظر حلال نہیں ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کا کتے کے شکار کے مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ انہوں نے سوال تو ذبح کرنے والے آلے کی بابت کیا تھا، ان کا سوال ذبح کی جانے والی چیز کے متعلق نہیں تھا، اسی لئے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: سوائے دانت اور ناخن کے، اور میں تمہیں اس کے متعلق آگاہ کروں گا۔ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری'' (3)۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے ورنہ اسے متصل نہیں کہا جا سکتا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسئول عنہ آلہ تھا۔ تو اب تمہارے قول کی دلیل باقی رہتی ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کلام تم پر بھی مشتبہ ہوگئی ہے، حدیث کے الفاظ پر غور کریں ''مَا اَنْھَرَ الدَّمَ وَذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَکُلُوْہُ'' اس میں آپ ﷺ نے ''فَاذْبَحُوْا بِہٖ'' نہیں فرمایا۔ سو اس ایک جملہ سے ایک ساتھ دو حکم ثابت ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے والے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خون کا بہانا ایسے آلہ کے ساتھ ہو جو دانت اور ناخن کے علاوہ کوئی اور ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔

دوسرا مسلک مزنی رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر وہ چوڑائی کی جانب سے لگا اور شکار مر گیا تو اسے مت کھاؤ اور اگر اس نے (اپنی دھار یا انی کے ساتھ) زخم کیا پھر مر گیا تو اسے کھا لو۔ کتے کے بارے میں مطلق حکم ہے۔ اسے بھی اس مقید (تیر زخمی کرے پھر جانور مر جائے) پر محمول کیا جائے گا کیونکہ دونوں موجب (شکار) میں شریک ہیں اس لئے مطلق کا حکم مقید

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558 2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ: 1585 3۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558

پر محمول کرنا واجب ہے اگر چہ سبب مختلف ہو جس طرح کفارۂ ظہار میں مطلق اعتاق (غلام آزاد کرنا) کے حکم کو کفارۂ قتل میں ایمان کے ساتھ مقید اعتاق پر محمول کیا جاتا ہے۔ بلکہ شکار کے مسئلہ میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو تسلیم کرتے ہیں، چونکہ اس قاعدہ کے مسلم ہونے میں ان لوگوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں اس لئے یا تو وہ اسے تسلیم کرلیں ورنہ کوئی مضبوط جواب دیں۔ یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس شکار کو کتے نے اپنے بوجھ سے مار ڈالا ہے تو اس شکار پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی حلال نہیں ہے جسے تیر چوڑائی کی جانب سے لگا اور مار ڈالا۔ دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ دونوں (تیر، کتا) شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ سے شکار کو مارا ہے تو یہ آیت کے عموم کے معارض نہیں کیونکہ قیاس عموم پر مقدم ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب ہے، یہ مسلک بھی اچھا ہے۔

ایک اور مسلک یہ ہے کہ فرمان الٰہی: فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (مائدہ:4) عام ہے۔ کتے جسے زخمی کریں اور جسے نہ کریں دونوں کو یہ حکم شامل ہے لیکن اس متنازعہ فیہ صورت میں یہ مرا ہوا جانور یا تو نطیح (ٹکر، سینگ وغیرہ لگنے سے جو مر جائے) ہوگا یا اس کے حکم میں، یا "منخنقہ" (جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو) ہوگا یا اس کے حکم میں۔ جو بھی ہو ہر صورت اس آیت کی اس پر تقدیم ان وجوہات کی بناء پر ضروری ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "اگر وہ تیر عرض کی جانب سے لگے تو وہ چوٹ لگا ہوا جانور ہے اسے مت کھاؤ" ہمیں نہیں معلوم کہ کسی عالم نے دونوں میں فرق کر کے کہا ہو کہ ضرب اور زور سے مرا ہوا جانور تو شکار کی حالت میں معتبر ہے لیکن سینگ اور ٹکر لگا ہوا جانور معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ متنازعہ فیہ جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنے کے مترادف ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور نہ اسے کوئی جائز سمجھتا ہے بلکہ اکثر علماء کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (مائدہ:4) اپنے عموم پر باقی نہیں، اس پر اجماع اور اتفاق ہے بلکہ یہ صرف حلال حیوان کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کے عام الفاظ سے بالاتفاق وہ وہ حیوان نکل گئے جن کا کھانا حلال نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ عموم محفوظ عموم غیر محفوظ پر مقدم ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں ایک اور مسلک بھی ہے کہ اس قسم کا شکار مَیتہ کے حکم میں ہے کیونکہ اس کا خون اور فاسد رطوبتیں اس میں رکی رہیں، اس لئے مردار پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی حلال نہیں۔

ایک مزید مسلک یہ ہے کہ آیت تحریم حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ محکم ہے اس میں نہ نسخ کی گنجائش ہے اور نہ تخصیص کی، اسی طرح آیت تحلیل يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ (المائدہ:4)۔ "پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے۔ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں"۔ بھی محکم ہی ہونی چاہئے اور دونوں آیتوں میں تعارض بھی نہیں ہونا چاہئے اور حدیث اس کے بیان اور وضاحت کے لئے آئی ہے، تیر کا قصہ اس پر شاہد ہے کیونکہ اس میں وہ حکم بیان کیا گیا ہے جو اس آیت تحلیل میں داخل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر تیر نے اپنی دھار اور انی سے زخم لگایا تو وہ جانور حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں سے ہے، اسی طرح اس حدیث میں وہ حکم بھی آ گیا جو آیت تحریم میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ اگر تیر کی چوڑائی لگنے سے جانور کی موت واقع ہوئی تو وہ حلال نہیں اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے۔ یہی مسئلہ کتے کے شکار کا ہے۔ اگر اس نے شکار کو زخمی کیا تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں داخل ہے

اور اگر زخمی نہ کیا بلکہ صدمہ پہنچایا یا اپنے بوجھ سے مار ڈالا تو یہ نطیحہ ہوگا یا اس کے حکم میں، اس لئے حلال نہیں ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مقصود یہی تھا تو کتے کے شکار میں تفصیل کیوں بیان نہیں کی اور یہ کیوں نہیں کہا جو تم نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ زخمی کرے تو حلال ہے اور اگر زخمی نہ کرے تو حرام؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے شکار کو مار ڈالنا بہت نادر ہے، بلکہ عموماً وہ اپنے پنجوں یا کچلیوں یا دونوں سے ایک ساتھ ہی شکار کو مارتا ہے، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شکار کو ٹکر مار کر یا اپنے بوجھ سے مارے، اس لئے اس کے نادر ہونے کی بناء پر اس کا حکم بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کے شکار کا حکم اس شخص کے سامنے بالکل عیاں ہے جو مَیۡتَۃُ، مُنۡخَنِقَۃُ، مَوۡقُوۡذَۃُ، مُتَرَدِّیَۃُ اور نَطِیۡحَۃُ کی حرمت کے متعلق علم رکھتا ہے۔ جہاں تک تیر اور معراض میں الگ الگ حکم بیان کرنے کا تعلق ہے تو اس میں بسا اوقات تیر انداز کی ناپختہ کاری یا غفلت وغیرہ کے سبب تیر خطا جاتا ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے اس لئے دونوں حکم بالتفصیل بیان کئے۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ کتے کے شکار میں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا، صحیحین میں حدیث ہے: ''اگر وہ (کتا) خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار پکڑا ہو''(1)۔

یہ صورت بھی اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا کہنا ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حسن، شعبی اور نخعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحبین (امام ابو یوسف، محمد)، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی (مشہور روایت میں) رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت علی، سعید، سلمان، ابو ہریرہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ اگر چہ کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو پھر بھی اسے کھالینا جائز ہے۔ بلکہ حضرات سعید، سلمان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چہ کتے کے کھانے کے بعد تھوڑا سا حصہ بھی باقی بچ جائے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی (قول قدیم میں) کا یہی مذہب ہے اور قول جدید میں دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ابن صباغ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ سند جید کے ساتھ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کے شکار کے متعلق فرمایا: ''جب تو کتے کو شکار پر چھوڑے اور اللہ کا نام لے لے تو (اس کے کئے ہوئے شکار کو) کھاؤ اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو اور اس کو بھی کھالے جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹائے''(2)۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنا کتا شکار پر چھوڑے تو وہ شکار کو پکڑ کر اس میں سے کچھ کھالے تو وہ باقی ماندہ شکار کھالے''(3)۔

یہ روایت موقوف ہے اور جمہور نے حدیث عدی کو اس پر ترجیح دی ہے اور ابو ثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب کتے نے شکار پکڑا، کافی دیر تک مالک کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آیا تو کتے نے بھوک وغیرہ کے باعث اس میں سے کچھ کھالیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں یہ حکم ہے کہ مالک باقی ماندہ گوشت کھالے، کیونکہ اس حالت میں یہ اندیشہ نہیں کہ کتے نے اپنے لئے شکار پکڑا ہوگا لیکن اگر کتے نے شکار پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس کا حکم برعکس ہے کیونکہ اس سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید: 1530 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3، صفحہ 109 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 97

پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی خاطر شکار کیا ہے۔

جہاں تک شکاری پرندوں کا تعلق ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں۔ اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو جمہور کے نزدیک اس شکار کا کھانا حرام ہے لیکن دیگر حضرات کے نزدیک حلال ہوگا۔ مزنی کا پسندیدہ مسلک یہی ہے کہ جس شکار میں سے شکاری پرندوں نے کھالیا اس کا کھانا حرام نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھانا ممکن نہیں اور شکار کھائے بغیر یہ سیکھتے بھی نہیں، اس لئے ان کے بارے میں یہ بات قابل معافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکم کتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابوعلی ''الافصاح'' میں فرماتے ہیں کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شکار میں سے کتا کھالے وہ حرام ہے، تو جس شکار میں سے پرندہ کھالے اس کی تحریم میں دو وجہیں ہیں، لیکن قاضی ابوطیب نے اس تفریع اور ترتیب کو ناپسند کیا ہے کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً ان دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وہ جانور ہے جو کسی پہاڑی یا بلند جگہ سے گر کر مر جائے، یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی کہنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو کنویں میں گر جائے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ جانور جو پہاڑ سے گرے یا کنویں میں گرے۔

وَالنَّطِيحَةُ وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ کی ٹکر سے مر جائے، یہ بھی حرام ہے اگرچہ سینگ لگنے سے زخم بھی ہوا اور خون بھی نکلا ہو، حتیٰ کہ اگر ذبح کرنے والی جگہ پر بھی لگا اور خون نکل آیا تو بھی حرام ہے۔ نَطِيحَةٌ فَعِيلَةٌ کے وزن پر بمعنی مَفْعُولَةٌ یعنی مَنْطُوحَةٌ ہے۔ کلام عرب میں یہ صیغہ اکثر بغیر تاء کے (فعیل بمعنی مفعول) آتا ہے جیسے عَيْنٌ كَحِيلٌ (سرگیں آنکھ) اور كَفٌّ خَضِيبٌ (رنگین ہاتھ)۔ ان مقامات پر كَحِيلَةٌ اور خَضِيبَةٌ نہیں کہتے۔ جب مسئلہ اس طرح ہے تو یہاں پھر تاء کیوں لگائی؟ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہاں ''تاء'' کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں اسم کے قائم مقام ہے جس طرح کہتے ہیں، ''طَرِيقَةٌ طَوِيلَةٌ''۔ بعض نے کہا ہے کہ تاء تانیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ ابتداء ہی سے یہ تانیث پر دلالت کرے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ جس جانور پر شیر، چیتا، بھیڑیا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کر کے شکار کر لے اور اس کا کچھ حصہ کھالے، اس وجہ سے وہ مر گیا تو یہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس میں سے خون بہا ہو، حتیٰ کہ ذبح والی جگہ سے بھی خون نکل آئے تب بھی بالاجماع وہ جانور حرام ہے۔ اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ درندوں کے بچے ہوئے شکار کو کھالیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ حرام قرار دے دیا۔

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قبل ازیں مذکور جانوروں میں سے جس کی موت کا کوئی سبب پیدا ہو جائے لیکن اس میں ابھی زندگی باقی ہو اور ذبح کے ذریعے تدارک ممکن ہو تو ذبح کرنے سے وہ حلال ہو جائے گا۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا یعنی الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان میں سے جس کو تم ذبح کر لو جبکہ ابھی روح باقی ہو اور جان نہ نکلی ہو تو پھر ایسا جانور حلال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر یہ جانور بوقت ذبح دم ہلائیں یا پاؤں رگڑیں، یا آنکھ پھیریں تو ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اگر تمہیں مَوْقُوذَةٌ، مُتَرَدِّيَةٌ اور نَطِيحَةٌ ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے مل جائیں تو انہیں ذبح کر کے کھالو(1)۔ اسی طرح طاؤس، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر ذبح کے وقت ایسے جانور سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 72

کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے جو اس بات کی غماز ہو کہ اس میں ابھی جان باقی ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ اس بکری کا کیا حکم ہے جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو اور اس کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے، بھلا اس میں کیا ہے جسے ذبح کیا جائے؟ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر بجو مینڈھے پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اسے جان نکلنے سے پہلے پہلے ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ بالکل آخر تک پہنچ گیا تو میری رائے یہ ہے کہ اسے نہ کھایا جائے اور اگر اس کے اطراف کو ہی زخمی کیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا کہ اس نے تو حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کا کھانا مجھے پسند نہیں کیونکہ اس قدر شدید حملہ سے جانبر ہونا بہت مشکل ہے۔ پھر آپؒ سے پوچھا گیا کہ ایک بھیڑیا بکری پر جھپٹ پڑتا ہے اور اس کا پیٹ پھاڑ دیتا ہے لیکن آنتیں نہیں نکلیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: جب اس نے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا تو میری رائے یہی ہے کہ اسے نہ کھایا جائے۔ یہ ہے مذہب امام مالک رحمہ اللہ، لیکن چونکہ آیت کا حکم عام ہے اس لئے امام مالکؒ نے جن صورتوں کی استثناء کی ہے ان کے لئے دلیل مخصص کی ضرورت ہے جو آیت کے حکم کو خاص کر دے۔ صحیحین میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل دشمن سے ہمارا سامنا ہونے والا ہے جبکہ ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں، کیا ہم بانس کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے۔ اس کی وجہ میں تمہیں بتاؤں گا، دانت اس لئے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے''(1)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہوتا ہے''(2)۔ وہ حدیث جو مسند امام احمد اور سنن میں ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور نرخرہ میں ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے''(3)۔ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اسے اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو حلق اور نرخرہ میں صحیح طریقے سے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ مجاہد اور ابن جریج کہتے ہیں کہ نُصُب وہ پتھر تھے جو کعبہ کے ارد گرد مشرکین نے نصب کر رکھے تھے، ان کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ زمانہ جاہلیت میں عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور بیت اللہ سے متصل بتوں پر ان جانوروں کا خون چھڑک دیتے تھے اور گوشت کاٹ کر ان بتوں پر چڑھاوا چڑھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس فعل شنیع سے منع فرما دیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام قرار دے دیا، اگرچہ ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو، کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ وحدہ لاشریک اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت اس کی تحریم گزر چکی ہے۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یہ بھی حرام ہے۔ اَزْلَام، زَلَم کی جمع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب انہوں نے کوئی کام کرنا ہوتا تو تیروں سے فال نکالتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے تین تیر تیار کر رکھے تھے، ایک پر لکھا تھا: اِفْعَلْ (کر)، دوسرے پر: لَا تَفْعَلْ (نہ کر) اور تیسرا تیر خالی ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک پر لکھا ہوتا: اَمَرَنِی رَبِّی (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے)، دوسرے پر لکھا ہوتا: نَهَانِی رَبِّی (میرے رب نے مجھے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ جب انہیں کوئی کام در پیش ہوتا تو بطور قرعہ ان تیروں کو نکالتے۔ اگر تو حکم کا تیر نکل آتا تو کام کر گزرتے۔ اگر ممانعت کا نکلتا تو اس کام سے باز رہتے، اگر خالی تیر نکل آتا تو دوبارہ قرعہ اندازی کرتے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558 2۔ سنن دار قطنی، جلد 4، صفحہ 283
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 334، سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 103

اِسْتِقْسَام کا لفظ ان تیروں کے ذریعے طلب تقسیم سے ماخوذ ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اَزْلَام سے مراد وہ تیر ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے امور کی تقسیم کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ قریش کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر، اس کنوئیں پر نصب کیا گیا تھا جس میں کعبہ کے ہدیئے اور اموال رکھے جاتے تھے۔ اس بت کے پاس سات تیر پڑے ہوئے تھے جن پر کچھ تحریر تھا۔ قریش اپنی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں سے کوئی تیر نکال لیتے، اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے، ذرا بھی اس سے انحراف نہ کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے نصب شدہ مجسمے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے، ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی بھی تیروں کے ذریعے فال نہیں پکڑی''(2)۔

حدیث صحیح میں ہے کہ سراقہ بن مالک جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (جب دونوں حضرات مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے) کی تلاش میں نکلا تو اس نے اس طرح تیروں کے ذریعے فال نکالی۔ سراقہ کا کہنا ہے کہ پہلی مرتبہ قرعہ میں وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے اس فال کو رد کر کے دوبارہ قرعہ نکالا تو بھی یہی نکلا، تیسری مرتبہ بھی یہی تیر نکلا کہ تو انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سراقہ بال بھی نہ بیکا کر سکا۔ اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا، بعد میں اسلام لے آیا(3)۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص کبھی بھی (جنت کے) درجات کو نہیں پا سکے گا جو کہانت کا ارتکاب کرے یا تیروں سے فال نکالے یا بدشگونی کے باعث سفر سے واپس لوٹ آئے''(4)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں اَزْلَام سے مراد عرب کے وہ تیر، ایرانیوں اور رومیوں کے وہ پانسے ہیں جن کے ساتھ وہ جوا کھیلا کرتے تھے(5)۔ مجاہد کا یہ کہنا کہ اَزْلَام جوئے کے لئے ہی تیار کئے گئے تھے محل نظر ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان تیروں کو استخارہ کے لئے استعمال کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان سے جوا بھی کھیل لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں جوئے کو بھی اس کے حکم کے ساتھ ملا کر حرام کیا ہے، فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ: 91-90)۔ ''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟'' اسی طرح یہاں فرمایا: وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ: 3) یعنی ایسا کرنا فسق، نافرمانی، گمراہی، ضلالت، جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی معاملہ میں انہیں تردد ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ (طلب خیر) کر لیا کریں یعنی پہلے اس کی عبادت کریں پھر مطلوبہ معاملہ میں اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 76-75
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 387
3۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 229-228، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 175
4۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 118
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 77-76

سے خیر کا سوال کریں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے امور میں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ - وَیُسَمِّیْهِ بِاسْمِهٖ - خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ مَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ، اَللّٰهُمَّ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ (1)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ بھلائی کا خواستگار ہوں اور تیری قدرت کے طفیل تجھ سے قدرت کا طلب گار ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا اور تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام۔ یہاں کام کا نام لے۔ میرے لئے میرے دین، دنیا، معاش اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر فرمادے اور اسے میرے لئے آسان بنادے۔ یا اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ یہ کام میرے دین، دنیا، معاش اور عاقبت میں میرے لئے باعث شر ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے دور فرمادے اور میرے لئے خیر مقدر فرمادے جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے راضی کردے''۔

اَلْیَوْمَ یَىِٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ کفار اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ گڑبڑ کریں۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان نمازی جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں گے، البتہ انہیں ایک دوسرے کے خلاف اکساتا رہے گا'' (2)۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین اور کفار مسلمانوں کی مشابہت سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ مسلمان اہل شرک کی مخالف صفات کے باعث ان سے ممتاز ہو گئے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو حکم دیا کہ وہ صبر کریں اور کفار کی مخالفت کے باوجود ڈٹے رہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں، فرمایا: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی ان کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاؤ بلکہ صرف مجھ سے ڈرو، میں تمہاری مدد کروں گا، اپنی تائید سے تمہیں نوازوں گا ان کے مقابلے میں تمہیں فتح و نصرت سے شاد کام کروں گا، ان سے تمہارے سینوں کو شفا دوں گا اور دنیا و آخرت میں تمہیں ہی سربلند رکھوں گا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ...... یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور گرانقدر نعمت ہے کہ اس نے ان کے لئے ان کے دین کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا نہ انہیں اب کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اور نبی کی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور آپ ﷺ کو تمام جن و انس کی طرف مبعوث فرمایا۔ حلال وہی ہے جسے آپ ﷺ حلال کہیں اور حرام وہی ہے جسے آپ ﷺ حرام قرار دیں اور دین وہی جو آپ ﷺ مقرر فرمادیں۔ آپ ﷺ کی تمام باتیں حق و صداقت پر مبنی ہیں جن میں نہ جھوٹ کا شائبہ ہے اور نہ ان میں خلاف ورزی ممکن ہے، اسی لئے فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: 115)۔ ''اور مکمل ہو گئی

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 344۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الاقامۃ: 440
2۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین: 2166

آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے" یعنی اخبار میں صدق، اوامر ونواہی میں عدل۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لئے دین کو مکمل فرمایا تو ان پر نعمت بھی تمام ہوگئی اس لئے فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... تم بھی اپنے لئے اسی دین کو پسند کرلو کیونکہ یہ اللہ کا محبوب دین ہے، اسی کو اس نے پسند کیا ہے اور یہی دین عطا فرما کر افضل الرسل سید الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر سب سے افضل کتاب اتاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ دین سے مراد اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مؤمنین کو خبر دے دی ہے کہ اس نے دین اسلام کی تکمیل کر کے ان کے لئے ایمان کو مکمل کردیا، اس لئے انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل فرمادیا ہے۔ اس میں کبھی بھی وہ کمی نہیں کرے گا، وہ اس پر راضی ہے، کبھی اس سے ناراض نہیں ہوگا(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت یوم عرفہ (9/ذی الحجہ) کو نازل ہوئی اس کے بعد کوئی حکم نہیں اترا، نہ حلال نہ حرام۔ رسول اللہ ﷺ اس حج سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس حج میں میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ اس اثناء میں کہ ہم چل رہے تھے جبریل علیہ السلام آگئے، حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر جھک گئے، اونٹنی وحی کے بوجھ کو اٹھانے سے قاصر تھی۔ اس وقت میں نے اپنی چادر آپ ﷺ پر اوڑھا دی۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفہ کے اکیاسی دن بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حج اکبر والے دن جب یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو نبی کریم ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی کہ مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ دین زیادہ ہو رہا ہے، اب وہ مکمل ہوگیا اور جب بھی کوئی چیز مکمل ہوجاتی ہے تو نقصان شروع ہوجاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے"(2)۔ اور حدیث بھی اس حدیث کے معنی کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اسلام غربت اور اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب اسی حالت میں لوٹ جائے گا پس غرباء کیلئے خوشخبری ہے"(3)۔

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے امیر المؤمنین! تم اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہو، اگر ہم یہود پر وہ آیت اترتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے بخوبی علم ہے کہ یہ آیت کس دن اور کس وقت نازل ہوئی یہ جمعہ کے دن عرفہ کی شام کو اتری۔ میں اللہ کی قسم عرفہ میں موجود تھا(4)۔ تمام اہل سیر، فقہاء وغیرہ کا اتفاق ہے کہ حجۃ الوداع والے یوم عرفہ کو جمعہ تھا ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسی بات کہی تھی کہ اگر کسی اور امت پر یہ آیت اترتی تو وہ اس دن کو عید بنا کر خوشیاں مناتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس دن اور جگہ کا علم ہے جہاں یہ آیت اتری۔ یہ جمعہ کے دن یوم عرفہ کو اتری اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عیدیں ہیں(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید بنالیتے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو اس دن اتری جب دو عیدیں تھیں، یوم عید اور یوم جمعہ (6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن شام کو اتری۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 79 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 79-80 | 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 130
4۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، صفحہ 2312-2313 | 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 83 | 6۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 82

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت یوم عرفہ جمعہ کو نازل ہوئی (1)۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت یوم عرفہ کو اتری، اس وقت حضور نبی کریم ﷺ موقف میں وقوف کئے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر کو پیدا ہوئے، پیر کے دن مکہ سے ہجرت کی، پیر کو مدینہ پہنچے، پیر کے دن فتح بدر ہوئی اور پیر کے دن ہی مائدہ کی یہ آیت اتری (2)، یہ روایت غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی، پیر کے دن ہی آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، پیر کے دن ہی ہجرت کر کے مکہ سے نکلے، پیر کو ہی مدینہ پہنچے، پیر کو ہی آپ ﷺ کا وصال ہوا اور پیر کے دن ہی حجر اسود رکھا گیا (3)۔ اس میں سورۂ مائدہ کے نزول کا ذکر نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن اتری۔ اصل عبارت یوں ہو، یوم عیدین اثنین۔ گویا اثنین سے مراد پیر کا دن نہیں بلکہ اس سے مراد ''دو'' ہے اور راوی کو شبہ ہو گیا اور اس نے پیر کا دن سمجھ لیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو یہ دن معلوم نہیں تھا، عوفی کے ذریعے سے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کو جاتے ہوئے راستہ میں اتری۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے دن اتری جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا تھا: ''جس کا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولا ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت ہے جس میں یہ بھی ہے کہ یہ 18 ذی الحجہ کی بات ہے جب آپ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آ رہے تھے۔ لیکن نہ یہ بات صحیح ہے اور نہ وہ بلکہ صحیح وہی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اور اس دن جمعہ بھی تھا۔ جیسا کہ حضرات امیر المؤمنین عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، اسلام کے پہلے بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان، ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اسی طرح شعبی، قتادہ، شہر بن حوشب اور دیگر ائمہ وعلماء نے بھی یہی بیان کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ ...... اگر کوئی شخص لاچار ہو کر شدید ضرورت کے پیش نظر مذکورہ حرام چیزوں میں سے کچھ کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس اضطراری حالت میں کچھ لے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ اپنے بے بس اور نا چار بندے کی حاجت اور ضرورت کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ بندے کی اس اضطراری حالت میں اس سے درگزر فرماتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے'' (4)۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں یہ الفاظ ہیں: ''جس نے اللہ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کی تو اس پر عرفات کے پہاڑوں کی مثل گناہ ہے'' (5)۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ کبھی کبھی مردار کھانا واجب ہو جاتا ہے وہ اس وقت جب بھوک کی وجہ سے جان نکلنے کا اندیشہ ہو اور مردار کے علاوہ کچھ نہ پائے۔ کبھی مردار کا کھانا مستحب ہوتا ہے اور کبھی مباح یعنی حسب حال حکم ہوگا۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ضرورت جب حلال چیز نہ ہو تو حرام کی کتنی مقدار لے سکتا ہے؟ کیا صرف اتنی مقدار لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے یا پیٹ بھر کر کچھ مقدار بطور زاد راہ ساتھ رکھ لے؟ تو یہ سب اقوال موجود ہیں جن کی تفصیل احکام کی کتابوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 83　2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 12، صفحہ 237　3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 277

4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب المسافر، جلد 4، صفحہ 182　5۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 71، جلد 4، صفحہ 158

میں مذکور ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ اگر بھوکے شخص کے پاس اضطراری حالت میں مردار اور کسی غیر کا کھانا موجود ہو یا حالت احرام میں شکار موجود ہو تو کیا وہ مردار کھالے یا محرم اس شکار میں سے کھالے اور فدیہ ادا کردے یا دوسرے کا کھانا بلا اجازت کھالے اور جب ممکن ہو اسے واپس کردے۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں، یہ دونوں قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مردار کے کھانے کے جواز کی یہ کوئی شرط نہیں کہ اس بھوکے مجبور آدمی پر تین دن فاقے میں گزریں جس طرح عوام الناس میں مشہور ہے، یہ شرط بالکل غلط ہے، اصل بات یہی ہے کہ جب بھی وہ مجبوری اور اضطرار کی حالت میں ہو مردار کھا سکتا ہے۔ مسند امام احمد کی حدیث ہے جسے ابی واقد اللیثی نے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں ہمیں فاقہ کی نوبت آجاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھانا وہاں کب جائز ہو جاتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہیں صبح کو کچھ نہ ملے، شام کو کچھ نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تم اسے تناول کر سکتے ہو''(1)۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب دیکھی جسے میں انہیں پڑھ کر سناتا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ صبح وشام کچھ نہ ملنا اضطرار ہے۔ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ حرام کھانا کب حلال ہوتا ہے؟ فرمایا: جب تک تو اپنے اہل وعیال کو دودھ سے سیر نہ کر سکے اور جب تک ان کی خوراک نہ آجائے۔''

ایک اعرابی حلال وحرام کے متعلق فتویٰ لینے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور تمام خبیث چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں، ہاں صرف ضرورت کے وقت تم ان میں سے کھا سکتے ہو حتی کہ ان سے بے نیاز ہو جاؤ'' اس آدمی نے پوچھا کہ وہ ضرورت کیا ہے جس میں وہ حرام چیز میرے لئے حلال ہو جائے گی اور وہ غناء (بے نیازی) کیا ہے جو مجھے حرام سے بے نیاز کر دے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم غناء کے خواہش مند ہو تو جو میسر آئے اپنے گھر والوں کو کھلاؤ یہاں تک کہ اس کی ضرورت نہ رہے''۔ اس نے پھر پوچھا کہ وہ غناء کیا ہے جس کے باعث میں حرام کھانے کو ترک کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اپنے بال بچوں کو رات کے وقت دودھ سے سیر کر دے تو حرام چیز سے پرہیز کر''(2)۔

حضرت فجیع عامری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مردار میں سے کیا ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تمہارا کھانا کیا ہے؟ ہم نے کہا: صبح ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شام کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس یہی ہے اور کونسی بھوک ہو گی؟'' اور اس حالت میں انہیں مردار کھانے کی اجازت دے دی(3)۔ معاملہ یوں تھا کہ صبح وشام ایک ایک پیالہ ان کے لئے ناکافی تھا اس لئے بھوک مٹانے کے لئے انہیں اجازت دے دی کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں۔ اسی سے بعض حضرات نے دلیل پکڑی ہے جو اضطراری حالت میں پیٹ بھر کر مردار کا کھانا جائز سمجھتے ہیں اور صرف جان بچانے کے لئے تھوڑی سی مقدار کے ساتھ مقید نہیں کرتے۔

ابوداؤد کی ایک اور حدیث ہے کہ ایک آدمی اپنے اہل وعیال سمیت حرہ میں آکر ٹھہرا، کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، اگر تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ یہ اونٹنی تو اسے مل گئی لیکن اس کا مالک نہ ملا۔ اونٹنی بیمار ہوگئی تو اس شخص کی بیوی نے کہا کہ اسے ذبح کر دو لیکن اس نے انکار کر دیا حتیٰ کہ اونٹنی مرگئی۔ اب اس کی بیوی نے کہا کہ اس کی کھال اتار دو، اس کی چربی اور گوشت کے ٹکڑے خشک کر کے رکھ لیں گے، یہ ہمارے کھانے کے کام آئیں گے۔ اس عورت کے خاوند نے کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 218 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 87 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 358-359

کرلوں ایسا نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہارے کھانے کو کچھ ہے جو تمہیں مستغنی کردے؟" عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر تم کھا سکتے ہو" اس کے بعد اونٹنی کا مالک آ گیا تو اس نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مالک نے اسے کہا کہ تم نے اونٹنی کو ذبح کیوں نہ کیا؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ تیرے حیا کی وجہ سے ایسا نہ کیا(1)۔ اس حدیث سے وہ حضرات دلیل پکڑ سکتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حالت اضطرار میں بھوکے شخص کے لئے مردار کا پیٹ بھر کر کھانا اور ضرورت کے لئے رکھ لینا جائز ہے۔

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ حالت اضطرار میں حرام کا کھانا اس شخص کے لئے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔ اس سے لئے اسے مباح قرار دے دیا اور دوسرے سے سکوت فرمایا جیسے سورۂ بقرہ میں ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ: 173)۔ "لیکن جو مجبور ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے"۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نیت سے سفر کر رہا ہو تو اسے سفر کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

"پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے۔ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ نے۔ تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیز ہے حساب لینے میں"۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبیث چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا جو جسمانی، یا دینی یا دونوں اعتبار سے ضرر رساں ہیں۔ پھر ان میں سے ضرورت کی حالت میں استعمال کو مستثنیٰ قرار دے دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام: 119) "حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف"۔ حرام چیزوں کے ذکر کے بعد اب حلال چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ جس طرح سورۂ اعراف میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفت بیان کی کہ آپ ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو تو حرام قرار دے دیا ہے، اب حلال کیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد ہر حلال رزق

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 358

ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بطور دوا پیشاب پینے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ طیبات میں سے نہیں ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کو بیچنے کا کیا حکم ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا: وہ طیبات میں داخل نہیں۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ یعنی تمہارے وہ جانور بھی حلال ہیں جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور پاکیزہ رزق بھی اور اسی طرح وہ شکار بھی جو تم شکاری جانوروں کے ذریعے کرتے ہو مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ سے مراد سدھائے ہوئے کتے، باز، شکرے، چیتے وغیرہ اور ہر وہ پرندہ ہے جسے شکار کی تعلیم دی جاسکتی ہو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے باز اور شکرہ کو جوارح میں شامل کیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ سمجھتے تھے اور بطور دلیل یہ آیت پڑھتے: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پرندوں میں سے باز وغیرہ جو شکار پکڑلیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو وہ تمہارا ہے، ذبح کر کے کھالو ورنہ مت کھاؤ(1)۔ لیکن جمہور سے یہ منقول ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعے شکار، کتوں کے ذریعے کئے گئے شکار کی طرح ہے یعنی دونوں کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ جس طرح کتا شکار کرتا ہے اسی طرح پرندے بھی اپنے پنجوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، اس لئے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ائمہ اربعہ وغیر کا یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ ''وہ جو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اسے کھالو''(2)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کا پالنا بھی حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گدھا، عورت اور سیاہ کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں'' میں نے عرض کی کہ سیاہ کتے کا سرخ سے کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ سیاہ کتا شیطان ہے(3)۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا: ''انہیں کتوں سے کیا سروکار ان میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو''(4)۔ جن جانوروں کے ذریعہ شکار کھیلا جاتا ہے ان کو جوارح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ ''جرح'' سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسب اور کمائی۔ عربوں کا قول ہے: ''فُلَانٌ جَرَحَ اَهْلَهٗ خَيْرًا'' یعنی فلاں نے اپنے گھر والوں کی بھلائی حاصل کی۔ اسی طرح کہتے ہیں: ''فُلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ'' یعنی فلاں کا کوئی کمانے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام: 60)۔ ''اور وہ جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو''۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! جس امت کو آپ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت اتری: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ...... حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے کتے کو چھوڑے اور بسم اللہ پڑھ لے تو جو وہ شکار پکڑ کر اس کے پاس لائے اسے کھا سکتا ہے جب تک اس نے نہ کھایا ہو''۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل امین نے نبی کریم ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 90
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 91
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 191۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 365
4۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، صفحہ 1200-1201

سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی لیکن پھر بھی وہ داخل نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داخل کیوں نہیں ہوتے ہم تو تمہیں اجازت دے چکے۔ جبریل نے کہا: ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مدینہ کے تمام کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ میں تمام کتوں کو قتل کرنے لگا یہاں تک کہ ایک عورت کے پاس پہنچا، اس کا ایک کتا تھا جو اس کے سامنے فریاد کناں ہو کر بھونکنے لگا، مجھے اس پر ترس آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بات بتا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا، میں نے حکم کی تعمیل کی اور اسے بھی قتل کر دیا۔ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس امت کے قتل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس کا کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مدینہ کے کتوں کو مارنے کے بعد آس پاس کی بستیوں تک پہنچ گئے تو عاصم بن عدی، سعد بن خیثمہ اور عویم بن ساعدہ حاضر ہوئے اور عرض کی! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ان کا کوئی فائدہ حلال ہے؟ تو اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول قتل کلاب ہے۔

مُكَلِّبِيْنَ یہ "عَلَّمْتُمْ" کی ضمیر فاعل سے بھی حال بن سکتا ہے اور مفعول (الْجَوَارِحِ) سے بھی یعنی جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اس حال میں کہ انہیں شکار کی تعلیم دی گئی ہو کہ وہ اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کریں۔ اس سے بھی یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ جب شکاری جانور شکار کو اپنے صدمہ سے ہی مار ڈالے نہ کہ پنجے اور ناخن سے تو وہ حلال نہیں ہوگا جس طرح کہ علماء کی ایک جماعت کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دو میں سے ایک قول ہے، اسی لئے فرمایا: تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ یعنی جب اسے چھوڑو تو جائے اور جب اسے شکار پر اکساؤ تو اس کی طرف بھاگ پڑے اور جب شکار کر لے تو اسے پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے، اپنے لئے نہ پکڑ رکھے اسی لئے فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو اور شکار کو پکڑ کر اپنے مالک کے پاس لائے اور اسے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو تو بالاجماع شکار حلال ہے، اگرچہ وہ اسے مار ڈالے۔ اس آیت کریمہ کی تائید میں صحیحین کی ایک حدیث ہے جو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ علیہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں سدھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتا ہوں اور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اسے کھا لو" میں نے عرض کی: اگرچہ کتے اسے مار ڈالیں؟ فرمایا: اگرچہ مار ڈالیں بشرطیکہ کوئی اجنبی کتا ان کے ساتھ شریک نہ ہوا ہو کیونکہ تم نے اپنا کتا چھوڑتے وقت تو بسم اللہ پڑھ لی تھی لیکن دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔" میں نے عرض کی کہ میں نوکدار لکڑی کے ساتھ شکار کھیلتا ہوں؟ فرمایا: "اگر تو اسے پھینکے اور یہ زخمی کر دے تو کھا لے، اور اگر چوڑائی کی جانب سے لگے تو یہ جانور چوٹ لگے جانور کے حکم میں ہے اسے مت کھاؤ" (2) دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں: "جب تو اپنے کتے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑے اور وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اگر تو اس کو زندہ پائے تو ذبح کر لے اور اگر مرا ہوا پائے اور کتے نے اس میں سے نہ کھایا ہو تو کھا لے، کیونکہ کتے کا پکڑنا ذبح کرنے کے مترادف ہے" (2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اگر وہ کھا

1۔ مستدرک امام حاکم، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311

2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح والصید، جلد 9، صفحہ 604,603,598۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، صفحہ 1531-1529

لے تو تو نہ کھا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہوگا"۔ یہ جمہور کی دلیل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے وہ یہ کہ اگر کتا شکار میں سے کھا لے تو شکار مطلقاً حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ یہ شکار مطلقاً حرام نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کے متعلقہ آثار

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم (اس شکار میں سے) کھاؤ اگرچہ کتے نے اس کا دو تہائی حصہ کھا لیا ہو۔ قاسم بن سیمان رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس شکار کے متعلق دریافت کیا گیا جس میں سے کتے نے کھا لیا ہو تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھاؤ اگرچہ اس کا ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور وہ شکار میں سے کھا لے، اگر تو اس نے دو تہائی کھایا اور ایک تہائی باقی رہ گیا تو اسے کھا سکتے ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب تو اپنے سکھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑے اور بسم اللہ پڑھ لے تو جو شکار وہ تمہارے پاس لائے اسے کھا سکتے ہو، اس نے بذات خود اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ تو یہ آثار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ حضرات عطاء اور حسن بصری رحمہما اللہ سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری، ربیعہ، مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے اور جدید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی آدمی اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے، پھر شکار کو ایسی حالت میں پائے کہ کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہے تو باقی ماندہ وہ کھا سکتا ہے"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند محل نظر ہے۔ اس کے راوی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ دوسرے ثقہ راوی اسے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول سمجھ کر روایت کرتے ہیں(2)۔ ابن جریر کا یہ کہنا درست ہے لیکن اور متعدد روایات سے اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ ایک اعرابی ابو ثعلبہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس شکار کے سکھائے ہوئے کتے ہیں ان کے شکار کے بارے میں مجھے فتویٰ دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہارے پاس سدھائے ہوئے کتے ہیں تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لے آئیں تم اسے کھا سکتے ہو" اس نے عرض کی کہ ذبح کر سکوں یا ذبح نہ کر سکوں اور اگرچہ اس میں سے کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اور اگرچہ کتے نے اس میں سے کھا لیا ہو" اس نے دوبارہ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! تیر کمان کے ذریعے کئے گئے شکار کے بارے میں مجھے فتویٰ دیجئے فرمایا: "اس کے ذریعہ جو تمہیں حاصل ہوا سے کھا سکتا ہے" عرض کی کہ ذبح کر سکوں یا ذبح نہ کر سکوں پھر بھی؟ فرمایا: "اگرچہ وہ غائب ہو جائے اور تلاش کرنے سے مل جائے بشرطیکہ کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو" اس نے پھر سوال کیا کہ مجھے بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کے استعمال سے متعلق فتویٰ عنایت فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پہلے دھو لو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو"(3)۔ اسی طرح ایک اور روایت حضرت ابی ثعلبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تو اللہ کا نام لے کر اپنے کتے کو چھوڑے تو اس کا شکار کھا سکتا ہے، اگرچہ اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو وہ بھی حلال ہے"(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 95 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 97

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3، صفحہ 110-111 — 4۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 109

ان دونوں حدیثوں کی سندیں جید اور عمدہ ہیں۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا شکاری کتا جو شکار پکڑ کر تمہارے پاس لائے اسے کھاؤ" میں نے عرض کی کہ اگر چہ اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو؟ فرمایا: ہاں۔ تو یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر چہ شکاری کتے نے کچھ شکار کھا لیا ہو پھر بھی باقی شکار شکاری کے لئے حلال ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والے مندرجہ بالا روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ چند دوسرے حضرات نے بین بین راہ اختیار کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر شکار کرنے کے فوراً بعد وہ (کتا) کھانے لگ گیا تو وہ بقیہ حرام ہوگا جیسا کہ حدیث عدی بن حاتم میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اس کی حرمت کی علت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا تھا، حدیث یہ ہے: "اگر وہ کھا لے تو تم نہ کھاؤ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے"۔ لیکن اگر کتا شکار کرنے کے بعد اپنے مالک کا انتظار کرتا رہا، کافی دیر انتظار کے بعد بھی وہ نہ آیا اور بھوک کی وجہ سے کتے نے اس شکار میں سے کچھ کھا لیا تو بقیہ حرام نہیں ہوگا، اور انہوں نے ابوثعلبہ خشنی کی حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے۔ یہ فرق بہت اچھا ہے، اس سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔ استاد ابوالمعالی الجوینی نے اپنی کتاب "النہایۃ" میں یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس مسئلہ میں تفصیل اور تفریق کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کر دیا اور بہت سے لوگوں نے یہ تفریق کی۔

بعض حضرات کا اس مسئلہ میں چوتھا قول بھی ہے کہ کتے کا کھایا ہوا شکار حرام ہے جیسا کہ حدیث عدی میں ہے، جبکہ شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں کیونکہ وہ تو کھا کر ہی سیکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تو شکاری پرندہ چھوڑے اور وہ شکار کو مار ڈالے تو اسے کھا سکتا ہے۔ اگر اس نے واپس آکر پر نوچے اور کچھ کھا لیا تو بھی کوئی حرج نہیں، اس کو کھا لو (1)۔ حضرت ابراہیم نخعی، شعبی اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی یہی قول ہے۔

یہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ کتوں اور بازوں کے ذریعے شکار کھیلتے ہیں تو کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے؟ فرمایا: ان شکاری جانوروں کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جنہیں تم نے شکار کی تعلیم دی ہو، وہ طریقہ سکھاتے ہوئے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، کھاؤ اس میں سے جو وہ تمہارے پاس پکڑ لائیں اور اس پر اللہ کا نام ذکر کرو، پھر فرمایا کہ اگر تو اللہ کا نام لے کر کتا چھوڑے تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لائے اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کی کہ اگر چہ اس نے مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چہ اس نے مار ڈالا ہو بشرطیکہ اس نے خود نہ کھایا ہو۔ میں نے پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر چہ ہمارے کتوں کے ساتھ دوسرے کتے مل گئے ہوں؟ فرمایا: یہ تسلی کئے بغیر کہ تمہارے کتے نے ہی شکار کیا ہے مت کھاؤ۔ میں نے عرض کی کہ ہم لوگ تیر کے ذریعے بھی شکار کرتے ہیں تو کیا یہ حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تو نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑا اور اس نے (شکار کو) زخمی کر دیا تو اسے کھا لے"۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتے کے شکار کی حلت میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ خود نہ کھائے اور باز میں یہ شرط عائد نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کے حکم میں فرق ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیں۔ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) میں ہے۔ اسی لئے ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شکار کے لئے کتے کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 93

اس آیت سے مراد شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو اپنے شکاری جانور کو چھوڑے تو بسم اللہ کہہ دے اور اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں(1)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھیں جس طرح صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربیب (سوتیلا بیٹا) عمرو بن ابی سلمہ کو کھانے کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا: "اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ کے ساتھ اور اپنے سامنے سے کھاؤ" (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کچھ نو مسلم لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو" (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور دو لقموں میں ہی سارا کھا گیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو، اگر یہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا تم سب کے لئے کافی ہو جاتا۔ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے، اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو (جب یاد آ جائے) یہ کہے: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ (4)۔ ایک دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث، امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے، ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

جابر بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ میں نے مثنیٰ بن عبدالرحمٰن خزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واسط کا سفر کیا۔ کھانا کھاتے وقت ان کا یہ معمول تھا کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھتے لیکن آخری لقمہ لیتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ کہتے۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے دادا جان امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ (جو صحابی تھے) کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا اور نبی کریم ﷺ اسے دیکھ رہے تھے، اس نے بسم اللہ نہ پڑھی یہاں تک کہ جب وہ آخری لقمہ کھانے لگا تو اس نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! شیطان اس کے ساتھ مل کر کھا تا رہا، جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا پیٹ سے نکال دیا" (5)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں کھانا کھاتے تو ہم اس وقت تک اپنے ہاتھ کھانے میں نہیں ڈالتے تھے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ آغاز نہ فرماتے اور ہاتھ نہ ڈالتے۔ ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے دھکا دیا جا رہا ہو۔ آتے ہی اس نے اپنا ہاتھ کھانے میں ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اسی طرح ایک اعرابی آیا گویا کہ اسے کوئی دھکا دے رہا ہو، اس نے بھی کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو شیطان اس کھانے کو اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کو لایا تاکہ اس کے ذریعے کھانے کو اپنے لئے حلال کر لے لیکن میں نے اس (لڑکی) کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر اس اعرابی کو لے آیا تاکہ اس کے ذریعے کھانا حلال کر لے، میں نے اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے" (6)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان (اپنے چیلوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہارے لئے نہ رات گزارنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 99
2۔ فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9، صفحہ 521، صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، صفحہ 1599
3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 379
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، صفحہ 1086
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 347-348
6۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1597

کی جگہ ہے اور نہ رات کا کھانا، اور جب وہ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور رات کا کھانا بھی'' (1)۔

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، کھانا مل کر کھاؤ اور بسم اللہ پڑھ لیا کرو، اس میں (اللہ کی طرف سے) تمہارے لئے برکت ڈال دی جائے گی'' (2)۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

''آج حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے اور (حلال ہیں) پاک دامن مومن عورتیں اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے جب دے دو تم انہیں مہر ان کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

حلال و حرام کی وضاحت کے بعد بطور نتیجہ فرمایا کہ آج تمہارے لئے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں (کی حلّت) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو امامہ، مجاہد، ابن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ طعام سے مراد، یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانور ہیں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے ہاتھوں ذبح شدہ جانور مسلمانوں کے لئے حلال ہیں کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام سمجھتے ہیں اور ذبح کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا نام نہیں لیتے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جو سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر چربی سے بھری ہوئی ایک مشک میرے ہاتھ لگ گئی، میں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور کہا کہ میں آج اس میں سے کسی کو نہیں دوں گا، ادھر متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ (پاس کھڑے) مسکرا رہے ہیں (3)۔ اس روایت سے فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کھانے پینے اور اس قسم کی دوسری چیزیں لینا جائز ہے۔ یہ استدلال واضح ہے۔ اسی روایت سے فقہائے احناف، شوافع اور حنابلہ نے مالکیوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو (مالکی) مسلمانوں کے لئے اس چیز کا کھانا ممنوع قرار دیتے ہیں جو یہودی اپنے عقیدہ کے مطابق حرام سمجھتے ہیں مثلاً چربی، یہودی اسے اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں اس لئے اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے لئے بھی اس کا کھانا جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ اور یہ (چربی) ان کے کھانے میں سے ہے ہی

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1598 3۔ سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 346
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 65، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، صفحہ 1393

نہیں۔ لیکن جمہور نے مذکورہ روایت سے دلیل پکڑی ہے کہ وہاں ایک مسلمان چربی لے رہا ہے، حضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ یہ ایک شخصی واقعہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایسی چربی ہو جسے یہودی خود بھی حلال سمجھتے ہوں جیسے پشت کی چربی اور آنتوں وغیرہ کے ساتھ چمٹی ہوئی چربی۔ لیکن اس سے بہتر دلیل ایک اور روایت ہے کہ اہل خیبر نے بھنی ہوئی ایک بکری رسول اللہ ﷺ کو بطور تحفہ بھیجی جس کے شانے کو انہوں نے زہر آلود کر دیا تھا اور (انہیں بھی معلوم تھا کہ) شانے کا گوشت آپ ﷺ کو بہت پسند تھا۔ چنانچہ یہی گوشت لے کر جب آپ ﷺ نے دانتوں سے توڑا تو (بحکم الٰہی) اس شانے نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں زہر آلود ہوں، تو آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور اس کا اثر آپ ﷺ کے سامنے کے دانتوں اور شہ رگ میں رہ گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے وہ گوشت کھا لیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ زہر ملانے والی یہودن جس کا نام زینب تھا اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی قاتلہ تھی(1)۔ اس میں وجہ دلالت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس گوشت کے کھانے کا عزم کر لیا اور یہودیوں سے یہ نہیں پوچھا کہ جس چربی وغیرہ کی حرمت کا تم عقیدہ رکھتے ہو اسے نکالا بھی ہے یا نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی خشک چربی پیش کی (2)۔ حضرت مکحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ کھانا حرام قرار دے دیا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، پھر اس حکم کو منسوخ کر کے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دے دیا گیا۔ مکحول رضی اللہ عنہ کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے مباح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ جانور حلال ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ وہ (اہل کتاب) اپنے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے تھے اور وہ اس کے مکلف تھے، لہٰذا ان کے علاوہ مشرکین وغیرہ کے ذبیحہ جانور مباح نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ وہ ذبیحہ جانوروں پر ہی موقوف نہیں تھے بلکہ مردار بھی کھا جاتے تھے بخلاف اہل کتاب کے۔ اسی طرح جو مشرکین کے مشابہ تھے یعنی سامرہ، صائبہ، دین ابراہیم وشیث وغیرہ کے پیروکار اور عرب کے نصاریٰ جیسے بنی تغلب، تنوخ، بہرا، جذام، لخم، عاملہ اور ان جیسے دوسرے، جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ کیونکہ وہ شراب نوشی کے لئے نصرانیت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں(3)۔ متعدد خلف اور سلف کا یہی قول ہے۔ لیکن حضرات سعید بن مسیّب اور حسن بصری رحمہما اللہ قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کے ذبیحہ کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (3)۔ جہاں تک مجوسیوں کا تعلق ہے اگرچہ انہیں اہل کتاب کے ساتھ لاحق کر کے ان سے جزیہ وصول کیا گیا ہے لیکن نہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کو کھانا جائز ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لیکن اصحاب شافعی و احمد میں سے ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی اس کے خلاف ہیں۔ انہوں نے جب یہ بات کہی اور یہ بات لوگوں میں شہرت پکڑ گئی تو فقہاء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کی تردید کی۔ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ابوثور (بیل کا باپ) اپنے نام کی طرح ہے۔ شاید ابوثور نے اس حدیث کے عموم سے حجت پکڑی ہو جس میں نبی کریم ﷺ نے مجوسیوں کے بارے میں فرمایا: سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ(4)۔ کہ ان کے ساتھ بھی اہل کتاب کا سا طریقہ برتو۔ لیکن یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 173　2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 210-211　3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 101

4۔ مؤطا امام مالک، کتاب الزکوۃ، صفحہ 278

ثابت ہی نہیں۔ صحیح بخاری میں صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا(1)۔ اگر بالفرض ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی اس کا عموم اس آیت: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ سے مخصوص ہو جائے گا اور اس آیت کا مفہوم مخالف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ باقی سب اہل ادیان کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ہوگا۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یعنی اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے۔ یہ اس بات کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔ ہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بھی یہ حکم تھا کہ وہ بھی اس جانور کا گوشت کھائیں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو خواہ ذبح کرنے والا انہی کی ملت میں سے ہو یا کسی اور ملت میں سے، لیکن پہلی بات زیادہ واضح ہے کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنے ذبیح کھلاؤ جس طرح ان کے ذبیح تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا بدلے، جزا اور مقابلہ کے طور پر ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) کو جب وہ مر گیا، اپنا کرتا بطور کفن پہنایا اور اسی میں اسے دفنایا گیا، علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور کے چچا) مدینہ میں آئے تھے تو اس نے آپ کو اپنا کرتا پہنایا تھا تو حضور ﷺ نے بدلے کے طور پر اسے اپنا کرتا دیا۔ البتہ وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کے سوا کسی کے ساتھ ہم نشینی نہ کرو اور متقی کے سوا کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے“(2)۔ اسے استحباب اور افضلیت پر محمول کیا جائے گا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ پاکدامن آزاد مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ مابعد کیلئے تمہید ہے، اسی لئے بعد میں فرمایا: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ بعض نے کہا ہے کہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں نہ کہ لونڈیاں۔ یہ مجاہد کا قول ہے(3)۔ ان کے اس قول میں یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے وہی مراد لیا ہو جو ان سے منقول ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد آزاد پاکدامن عورتیں لیتے ہوں۔ جس طرح ان سے منقول ایک دوسری روایت میں آتا ہے(4) اور یہی جمہور کا قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اگر وہ غیر عفیفہ بھی ہو تو خاوند کا معاملہ ہی تلپٹ ہو جائے اور ایسی عورت مسلمان خاوند کے لئے وجہ فساد بن جائے اور خاوند کو ”اَحَشَفاً وَسُوْءَ كَيْلَةٍ“ کے مصداق دوہری مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ آیت کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد وہ عفت مآب عورتیں ہیں جو زنا سے پاکدامن ہوں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء:25)۔ ”وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زناکار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ دوست“ پھر مفسرین اور علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ کو شامل ہے خواہ آزاد ہو یا لونڈی؟ ابن جریر نے سلف کی اس جماعت سے یہ قول نقل کیا ہے جو محصنۃ سے مراد پاکدامن عورت لیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں نہ کہ حربی۔ کیونکہ ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ:29)۔ ”جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر“۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصرانی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ نصرانیہ یہ کہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے۔ تو جب یہ مشرک ٹھہریں تو قرآن کریم کے مطابق مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں،

1۔ فتح الباری، کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 257
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 38
3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 104
4۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 105

فرمایا: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ (بقرہ: 221)۔ ''اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔
حضرت ابو مالک غفاری سے مروی ہے کہ جب یہ فرمان نازل ہو: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ تو صحابہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد یہ آیت اتری۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں سے شادی کی تھی اور وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس آیت میں جواز نکاح کی دلیل موجود ہے اور وہ اس آیت کو سورہ بقرہ والی آیت وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ کے لئے مخصص سمجھتے تھے۔ یہ بات اس وقت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کتابیات بھی پہلے مشرکات کے حکم میں داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ متعدد مقامات پر اہل کتاب کا ذکر مشرکین سے الگ ہوا جیسا کہ فرمان ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینۃ: 1)۔ ''جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفار سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آ جائے ان کے پاس ایک روشن دلیل''۔ اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ (آل عمران: 20)۔ ''اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ ہدایت پا گئے''۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی جس طرح وہ پاکدامن ہیں، انہوں نے اپنے گوہر عصمت کی حفاظت کی اسی طرح تم بھی رضامندی کے ساتھ ان کے مہر ادا کرو۔ حضرات جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، عامر بن شعبی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لے لیکن دخول سے پہلے وہ عورت زنا کا ارتکاب کر لے تو دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور عورت کو دیا ہوا مہر واپس لیکر خاوند کو لوٹا دیا جائے گا۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ جس طرح عورتوں میں پاکیزگی اور پاکدامنی کی شرط لگائی اسی طرح مردوں میں بھی یہ شرط عائد کی کہ وہ بھی پاکدامن ہوں، بدکار نہ ہوں اور نہ ہی چوری چھپے عشق لڑاتے رہیں۔ مُسٰفِحِيْنَ سے مراد زانی ہیں جو معصیت سے باز نہیں آتے اور جو بھی ان کے ہاتھ چڑھ جائے اس سے مطلب برآری کر لیتے ہیں۔ ''مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ'' سے مراد وہ بدکردار ہیں جنہوں نے چوری چھپے آشنا اور معشوقائیں بنا رکھی ہوں صرف ان کے ساتھ ہی یہ حرام کاری کرتے ہیں جس طرح سورۂ نساء میں گزرا۔(1)
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زانیہ عورت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے، اور ایسی عورت کو کسی پاکدامن مرد کے نکاح میں دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بدکار مرد کا عقد کسی پاکدامن عورت سے جائز نہیں جب تک وہ توبہ کر کے زنا سے باز نہ آ جائے۔ ان کی دلیل آیت کریمہ کے علاوہ یہ حدیث بھی ہے: ''کوڑوں کا سزا یافتہ زانی اپنے مثل سے ہی نکاح کر سکتا ہے''(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں کسی بدکار مسلمان کو پاکدامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ شرک تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور مشرک جب توبہ کر لے تو قبول کر لی جاتی ہے(3)۔ ہم اس مسئلہ کی پوری وضاحت اس آیت کریمہ کے تحت کریں گے: اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ

1۔ سورۃ نساء، کی آیت: 25 کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ 2۔ سنن ابی داؤد کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 221، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 324
3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 105

مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (النور:3) '' زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر۔''

اسی لئے یہاں فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

'' اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کرلو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر تا کہ تم شکر یہ ادا کرتے رہو''۔

اکثر سلف کہتے ہیں کہ نماز کیلئے حکم وضو اس وقت ہے جب آدمی کو حدث لاحق ہو جائے یعنی بے وضو ہو۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھولو۔ یہ دونوں اقوال قریب قریب ہیں۔ جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آیت کا حکم عام ہے۔ اس میں نماز کے ارادہ کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بے وضو کے حق میں وضو کرنے کا حکم واجب ہے جبکہ باوضو کیلئے مستحب۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے لئے وضو کرنا واجب تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے، فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے وضو کیا، خُفَّین (موزے) پر مسح کیا اور ایک ہی وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا: '' اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے''(1)۔

فضل بن مبشر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک ہی وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ جب پیشاب کرتے یا وضو ٹوٹ جاتا تو پھر تازہ وضو کرتے اور وضو کے بچے ہوئے پانی سے موزوں پر مسح کرلیا کرتے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ یہ اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، میں اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے(2)۔

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ صفحہ 232 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 170

کے متعلق ہم نے حضرات عمار، عائشہ، ام سلمہ اور علی رضی اللہ عنہم سے روایات کی ہیں اور خلال لحیہ کے ترک کی رخصت حضرات ابن عمر، حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے نخعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے مروی ہے۔

صحاح ستہ وغیرہ میں متعدد طرق سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وضو کرتے تو کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے۔ ان دونوں کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مستحب سمجھتے ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحیح نماز نہ پڑھنے والے شخص سے کہا تھا کہ اس طرح وضو کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں غسل میں واجب ہیں اور وضو میں مستحب۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور کلی کرنا مستحب، اس کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو وضو کرے چاہئے کہ وہ ناک میں پانی ڈالے''۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: ''جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو وہ اپنے دونوں نتھنوں میں اچھی طرح پانی ڈالے''(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے منہ دھویا، ایک چلو پانی لیکر کلی کی اور ناک صاف کیا، پھر ایک چلو پانی لیکر دوسرے ہاتھ کے ساتھ ملا کر منہ دھویا، پھر ایک چلو لیکر دایاں ہاتھ دھویا، پھر ایک چلو لیکر بایاں ہاتھ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر ایک چلو بھر کر دائیں پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا، بائیں پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا، پھر فرمایا کہ اس طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے(2)۔

وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ''اِلٰی'' بمعنی ''مَعَ'' ہے یعنی کہنیوں سمیت، اسی طرح مندرجہ ذیل آیت میں بھی اِلٰی بمعنی مَعَ ہے: ''وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا(النساء:2)۔'' اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے(3)۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ کہنیوں سے تجاوز کر کے آگے اپنے بازو کو بھی وضو میں دھولے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری امت آئے گی تو وضو کے اثرات سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، پس تم میں سے جو اپنی چمک کو طویل کرسکتا ہے تو ضرور کرلے''(4)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے خلیل ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مؤمن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں جہاں اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے''(5)۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ بِرُءُوْسِكُمْ کی باء کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ الصاق (ملانا) کے لئے ہے اور یہ زیادہ واضح ہے یا تبعیض (بعضیت) کیلئے۔ تبعیض (بعض حصہ کے لئے ہونا) کے لئے کہنا محل نظر ہے۔ بعض علمائے اصول کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجمال ہے

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 262-263، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 212-213

2۔ فتح الباری، کتاب الوضوء جلد 1، صفحہ 240-241، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 268

3۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 83

4۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 235، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 216

5۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 219

جس کی وضاحت کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ ہمیں دکھا سکتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کے لئے پانی منگوایا۔ اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دو دو مرتبہ دھویا، پھر تین تین دفعہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین دفعہ منہ دھویا، پھر دو مرتبہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کیا۔ دونوں ہاتھ سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے، پھر وہاں سے اس جگہ تک لے آئے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا پھر دونوں پاؤں دھوئے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کے وضو کی کیفیت اسی طرح منقول ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کے وضو کا طریقہ مروی ہے (2)۔ ان احادیث میں ان حضرات کے لئے دلیل ہے جو پورے سر کے مسح کے وجوب کے قائل ہیں جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ان حضرات کے لئے دلیل ہے جو گمان کرتے ہیں کہ آیت میں اجمال ہے اور ان احادیث نے وضاحت کر دی۔ احناف کا کہنا ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے یعنی پیشانی کے بالوں کی مقدار۔ اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض مسح صرف اتنا ہے جس پر مسح کا اطلاق ہو جائے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں اگر سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرض پورا ہو گیا۔ دونوں فریقوں نے حدیث مغیرہ بن شعبہ سے دلیل پکڑی ہے کہ نبی کریم ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں پانی کا لوٹا لے آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا پھر آپ ﷺ اپنی کلائیوں سے کپڑا ہٹانے لگ گئے، جبہ کی آستین چونکہ تنگ تھی اس لئے جبہ کے نیچے سے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال لئے اور جبہ کندھوں پر ڈال لیا، پھر کلائیوں کو دھویا اور پیشانی کے بالوں پر مسح کیا، اسی طرح پگڑی اور موزوں پر بھی مسح کیا (3)۔ حنابلہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف پیشانی کے بالوں کے مسح پر اکتفاء کیا اس لئے کہ آپ ﷺ نے باقی سر کا مسح پگڑی کے مسح کے ذریعے مکمل کر لیا۔ احادیث میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ پگڑی اور موزوں پر مسح کیا کرتے تھے، پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں تمہارے موقف کی کوئی دلیل نہیں کہ پیشانی کے بالوں یا سر کے بعض حصے پر ہی مسح کرنا واجب ہے جبکہ اس کی تکمیل پگڑی پر نہ کی ہو۔

پھر علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا تین مرتبہ سر کے مسح کا تکرار کرنا مستحب ہے جس طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

حمران بن ابان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر تین مرتبہ منہ دھویا پھر تین دفعہ دایاں ہاتھ کہنی سمیت دھویا پھر اسی طرح بایاں ہاتھ، پھر سر کا مسح کیا پھر تین مرتبہ دایاں پاؤں دھویا پھر اسی طرح بایاں پاؤں، پھر فرمایا کہ میں نے اس اپنے وضو کی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا، وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جو میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے جن میں وہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں'' (4)۔ ابوداؤد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وضو کی جو

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 289، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 210-211
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 31،30،27
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 230
4۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 59

کیفیت منقول ہے اس میں یہ ہے کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

جو لوگ تین مرتبہ سر کے مسح کے تکرار کو مستحب قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا(1)۔ اسی طرح حمران کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا پھر اس طرح روایت کی اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا پھر تین دفعہ اپنے پاؤں دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے اس طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس طرح وضو کیا اسے کافی ہے لیکن صحاح میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے تو صرف ایک بار سر کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے(2)۔

وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ یہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ پر عطف کے باعث منصوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے تھے اور فرماتے کہ اس کا تعلق ''اِغْسِلُوْا'' کے ساتھ ہے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عروہ رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم تیمی کا بھی یہی قول ہے اور یہ قراءت پاؤں کے دھونے کے واجب ہونے میں ظاہر اور واضح ہے جس طرح سلف کا قول ہے۔

یہاں سے جمہور نے وضو میں ترتیب کے وجوب پر دلیل پکڑی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ترتیب کو شرط قرار نہیں دیتے بلکہ اگر کسی نے پہلے پاؤں دھو لئے، پھر سر کا مسح کیا اور ہاتھ دھوئے پھر منہ دھویا تب بھی جائز ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ان اعضا کے دھونے کا حکم ہے اور واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ جمہور نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو نمازی وضو کرتے وقت سب سے پہلے منہ دھوئے کیونکہ فا، تعقیب جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے، کے ذریعے اسی چیز کا حکم ہے اور کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ چہرے کو تو سب سے پہلے دھونا واجب ہے پھر اس کے بعد ترتیب واجب نہیں، بلکہ قائل تو دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو آیت کے مطابق ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں اور دوسرے ترتیب کو مطلقاً واجب نہیں سمجھتے۔ آیت کریمہ کے الفاظ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا سب سے پہلے دھونا واجب ہے، اب اس کے بعد باقی اعضاء میں ترتیب کا وجوب اجماع سے ثابت ہے جس میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی اسے ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ ترتیب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ بعض نحویوں، لغویوں اور فقہاء کا مذہب ہے، بالفرض اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ واؤ ترتیب لغوی پر دلالت نہیں کرتی تو شرعاً ان چیزوں کی ترتیب پر تو ضرور دلالت کرتی ہے جن میں ترتیب ہونی چاہئے، اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو یہ آیت کریمہ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ (بقرہ:158) پڑھتے ہوئے باب صفا سے نکلے اور فرمایا: ''میں بھی اسی سے (سعی) شروع کروں گا جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمایا ہے''(3)۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں: ''وہاں سے شروع کرو جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں کیا ہے''۔ اس کی سند صحیح ہے اور اس میں امر کا صیغہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہوا اسے پہلے کرنا واجب ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر واؤ شرعی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 207 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 27-26 3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 888

ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض جمہور کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں اس کیفیت سے ترتیب کو بیان کیا گیا اور نظیر کو نظیر سے الگ کر دیا اور سر کے مسح کو ہاتھوں اور پیروں کے دھونے کے درمیان داخل کر کے ذکر کیا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں ترتیب مراد ہے۔ چوتھی دلیل میں بعض جمہور کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک دفعہ دھو کر وضو کیا پھر فرمایا: "یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا" (1)۔ کہتے ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا تو ترتیب واجب ہوئی، یا آپ ﷺ نے بغیر ترتیب کے وضو فرمایا، تو ترتیب واجب نہ ہوئی، لیکن کوئی بھی اس کا قائل نہیں، اس طرح ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہی (ترتیب) واجب ہے۔

ایک دوسری قراءت میں "اَرْجُلِكُمْ" لام کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس سے شیعہ نے اپنے اس موقف کے لئے استدلال کیا ہے کہ پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف مسح راس پر ہو رہا ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے روایت ہے جس سے مسح کے قول کا شبہ پڑتا ہے۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا اور اس وقت ہم بھی وہاں موجود تھے اے ابوحمزہ! ہم اھواز میں حجاج کے ساتھ تھے اس نے وہاں خطبہ دیتے ہوئے وضو اور طہارت کا ذکر کیا اور کہا کہ اپنے منہ ہاتھ دھوؤ، سر کا مسح کرو اور پاؤں کو بھی دھویا کرو کیونکہ ابن آدم کے پاؤں پر ہی زیادہ گندگی لگتی ہے اس لئے پاؤں کا اندرونی حصہ، بیرونی حصہ اور ایڑی کو خوب دھویا کرو۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حجاج نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ یعنی اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو (2)۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے پاؤں کا مسح کرتے تو انہیں اچھی طرح تر کر لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ قرآن کریم میں مسح کا حکم ہے اور حدیث شریف میں (پاؤں کے) دھونے کا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ سر اور پاؤں کا مسح کرو۔ ایوب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاؤں کا مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوجعفر محمد بن علی اور ایک روایت میں حسن رحمۃ اللہ علیہ، جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہد اور دیگر حضرات پاؤں کے مسح کے قائل ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام پیروں کے مسح کا حکم لیکر اترے آپ کہتے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جن دو چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تیمم کے وقت مسح کا حکم ہوا اور (وضو میں) جن دو چیزوں کے مسح کا حکم تھا تیمم میں انہیں چھوڑ دیا گیا (3)۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے عامر سے پوچھا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جبریل پاؤں کے دھونے کا حکم لیکر آئے تو انہوں نے کہا کہ مسح کا حکم لیکر آئے (3)۔

یہ سب آثار بہت ہی غریب ہیں اور انہیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مسح سے مراد خفیف دھونا ہے کیونکہ پاؤں دھونے کا وجوب سنت سے ثابت ہے جسے عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ جہاں تک اس جر والی قراءت کا تعلق ہے یا تو یہ مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جس طرح عربوں کے اس قول میں جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ (گوہ کی ویران بل) اور اس آیت کریمہ میں ہے: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ (الدھر: 21)۔ "ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا"۔ تو مجاورت اور مناسبت کی وجہ سے دونوں متقارب الفاظ کو ایک ہی اعراب دینا لغت عرب میں عام اور جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ جب موزے پہنے ہوئے ہوں تو پاؤں کے مسح کا حکم ہے۔ بعض حضرات

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 145　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 128　　3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 129

کہتے ہیں کہ اس کی دلالت تو پاؤں کے مسح ہی پر ہے لیکن مراد اس سے ہلکا دھونا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ بہر صورت جو بھی ہو پاؤں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر چارۂ کار نہیں کیونکہ آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ عنقریب جن کا ذکر ہونے والا ہے، سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ سب سے بہترین دلیل جس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ مسح کا اطلاق خفیف دھونے پر ہوتا ہے۔ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر لوگوں کی ضروریات اور مسائل کے حل کے لئے کوفہ میں کھلی جگہ تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا، چنانچہ پانی کا کوزہ منگوایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک چلو لیکر چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں کا مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر بقیہ پانی پی لیا اور فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں نے اسی طرح کیا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جسے حدث لاحق نہ ہوا ہو (بے وضو نہ ہوا ہو)(1)۔ شیعہ میں سے جس نے موزوں کی طرح پاؤں کا مسح واجب قرار دیا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی طرح جس نے پاؤں کے مسح اور پاؤں کے دھونے دونوں چیزوں کو جائز کہا اس نے بھی غلطی کی۔ جن لوگوں نے ابن جریر سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ احادیث کے پیش نظر پاؤں کا دھونا واجب قرار دیتے اور آیت کو پیش نظر رکھ کر پاؤں کے مسح کو واجب کہتے ان لوگوں نے ان کے مذہب کی صحیح تحقیق نہیں کی، کیونکہ ان کی تفسیر میں ان کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ صرف پیروں کو رگڑنا واجب ہے، باقی اعضاء وضو کو نہیں، کیونکہ پاؤں زمین، مٹی وغیرہ پر لگتے رہتے ہیں اس لئے انہوں نے ان کا رگڑنا واجب قرار دیا تاکہ ان پر جو کچھ لگا ہو دور ہو جائے۔ لیکن رگڑنے کے لئے انہوں نے مسح کا لفظ استعمال کیا، اس پر غور نہ کرنے والے شخص نے یہ سمجھ لیا کہ ان کے نزدیک پاؤں کو دھونا اور ان کا مسح کرنا دونوں واجب ہیں۔ اسی طرح یہ بات نقل ہوتی رہی اور معاملہ بہت سے فقہاء پر مشتبہ ہو گیا حالانکہ مسح اور غسل کو جمع کرنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔ بہر کیف امام ابن جریر کا ارادہ وہی ہے جسے میں نے ذکر کر دیا ہے، پھر میں نے ان کی کلام میں مزید غور و فکر کیا تو مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ وہ تو ''اَرْجُلَكُمْ'' کی دونوں قراءتوں میں تطبیق کی کوشش کر رہے ہیں۔ پس زیر کی قراءت (مسح) کو تو وہ ''دَلْكٌ'' (رگڑنا) پر محمول کرتے ہیں اور زبر کی قراءت (دھونا) کو دھونے پر محمول کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے دونوں کو واجب قرار دے دیا تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔

پاؤں دھونے کے وجوب کے متعلقہ احادیث

حضرات امیر المؤمنین عثمان، علی، ابن عباس، معاویہ، عبداللہ بن زید اور مقداد بن معد یکرب رضی اللہ عنہم کی روایات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں کو ایک مرتبہ، دو مرتبہ یا تین مرتبہ (حسب روایات) دھویا۔ عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر فرمایا: ''یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو نماز عصر میں ہمیں دیر ہو رہی تھی اور ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اور پیروں کو بس پانی کے ساتھ چھو رہے تھے تو آپ ﷺ نے

1۔ سنن بیہقی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 75۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، صفحہ 10 صفحہ 81

بلند آواز سے فرمایا: ''وضو کو کامل طریقہ سے کرو (خشک رہ جانے والی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے''(1)۔ یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے(2)۔ حاکم اور بیہقی کی روایت میں یہ آتا ہے: ''ایڑیوں اور پاؤں کے تلووں کے لئے آگ کا عذاب ہے''(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹخنوں کے لئے آگ کی بربادی ہے''(4)۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے پاؤں کو دیکھا کہ وہ ایک درہم کے برابر دھلا ہوا نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہلاکت ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے''(5)۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جن کی ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان ایڑیوں کے لئے آگ سے خرابی ہے''(6)۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں(7)۔ حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر تو مسجد میں کوئی بھی چھوٹا بڑا ایسا نہ رہا جو پلٹ پلٹ کر اپنی ایڑیاں نہ دیکھتا ہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا، ان میں سے کسی کی ایڑی یا ٹخنے میں ایک درہم یا ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تھی اور وہاں تک پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔'' پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ جب کوئی آدمی اپنے پاؤں میں کوئی خشک جگہ دیکھتا تو دوبارہ وضو کرتا(8)۔ تو یہ احادیث صراحۃً پاؤں کے دھونے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر فرض پاؤں کا مسح کرنا ہوتا یا یہ جوازی صورت ہوتی تو حدیث شریف میں پاؤں کے دھونے کو ترک کرنے والے کے لئے اس قدر وعید نہ آتی، اس لئے کہ مسح تو تمام پاؤں کو شامل ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی صورت وہی ہے جو موزوں پر مسح کرنے کی ہے۔ اسی طرح امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کے خلاف یہ دلیل پیش کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے وضو کیا، اس کا پاؤں ناخن کی مقدار کسی جگہ سے خشک رہ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو''(9)۔ اسی قسم کی روایت بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے(10)۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے(11)۔ نبی کریم ﷺ نے کسی آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے پاؤں کی پشت میں ایک درہم کے برابر جگہ خشک رہ گئی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا(12)۔ ابوداؤد کی روایت میں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کے ساتھ نماز لوٹانے کا بھی حکم دیا(13)۔ حضور ﷺ کے وضو کی جو کیفیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کا خلال کیا۔ اہل سنن نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت صبرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضو کو پورے اور کامل طریقے سے کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں اچھی طرح پانی ڈالو، سوائے روزے کی حالت کے''(14)۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 265، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 214
2۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 267، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 216-215
3۔ مستدرک امام حاکم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 214
4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 369
5۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 390، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 155
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 155
7۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 426
8۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 134
9۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 215
10۔ سنن بیہقی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 70
11۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 44
12۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 424
13۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 45
14۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 35

روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی جب وضو کا پانی لیتا ہے، پھر کلی کرتا ہے، ناک میں پانی ڈالتا ہے اور ناک صاف کرتا ہے تو پانی کے ساتھ ہی اس کے منہ اور نتھنوں سے ناک صاف کرتے وقت تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے گناہ پانی کے ساتھ داڑھی کے اطراف سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ انگلیوں کے پوروں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوتا ہے جیسا کہ اسے اللہ نے حکم دیا تو اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں سے جھڑ جاتی ہیں۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد وثنا کرتا ہے پھر دو رکعتیں نماز ادا کرتا ہے تو اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ پیدائش کے وقت تھا"۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ کہنے لگے: اے عمرو! دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سن رکھا ہے؟ کیا ایک مقام میں ہی ایسے آدمی کو اس قدر عطا کیا جاتا ہے؟ تو عمرو بن عبسہ کہنے لگے: اے ابوامامہ! میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور موت قریب آ چکی ہے، بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں۔ میں نے اس حدیث کو ایک، دو یا تین مرتبہ نہیں بلکہ سات سے بھی زائد مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں یہ ایک اور سند سے مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ "پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے پاؤں دھوتا ہے"(1)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن (پاؤں کو) دھونے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا کرو"(2)۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے نعلین (جوتے) کے اندر ہی اپنے پاؤں تر کر لئے اور انہیں رگڑا، اس سے مراد خفیف دھونا ہے۔ پاؤں جوتے کے اندر ہوں تو انہیں دھویا جا سکتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں۔ لیکن اس میں مبالغہ کرنے والے شیعوں اور دیگر لوگوں کا رد ہے جو حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے جسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلاف وارد کیا ہے، یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قوم کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر آئے، وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی منگوایا، وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا"(3)۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ثقات اور حفاظ حدیث نے اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا"(4)۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے موزے پہن رکھے ہوں گے اور ان پر نعلین تھے۔ اسی طرح اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے جو مسند احمد رضی اللہ عنہ میں اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے(5)۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی جگہ پر آئے، آپ ﷺ نے پیشاب کیا، وضو کیا اور اپنے نعلین اور پاؤں پر مسح کیا(6)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شعبہ اور ہشیم سے الگ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، صفحہ 570-571		2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 128		3۔ فتح الباری، کتاب الوضو، جلد 1، صفحہ 328
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 135		5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 8		6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 41

ایک روایت کیا ہے پھر فرماتے ہیں کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس طریقے سے آپ ﷺ نے جو وضو کیا تھا اس وقت آپ ﷺ بے وضو نہیں تھے، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے فرائض اور اس کے رسول ﷺ کی سنن باہم متعارض اور ایک دوسرے کے منافی ہوں۔ نبی کریم ﷺ سے قطعی اور متعدد احادیث کے ذریعے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں پانی کے ساتھ پاؤں دھونا فرض ہے۔ جس تک یہ روایات پہنچیں اس کا عذر ختم ہو گیا۔

جب قرآن کریم میں ("اَرْجُلَكُمْ" کی) زبر والی قراءت کے مطابق پاؤں کا دھونا فرض ہے اور زیر والی قراءت کے مطابق بھی یہی ثابت ہوتا ہے تو اس قطعی فرضیت کے پیش نظر بعض سلف کا قول بے دلیل ہے۔ یہ آیت مسح علی الخفین کی رخصت کے لئے ناسخ ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ سے جو بات ثابت ہے وہ اس کے برعکس ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا اور میں نے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا(1)۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، آپ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا(2)۔ حدیث کے راوی حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ لوگوں کو یہ حدیث اچھی لگتی تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نزول مائدہ کے بعد اسلام لائے۔ موزوں پر مسح کرنا تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول اور فعل سے ثابت ہے جو کہ احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے، اسی طرح مسح کی مدت وغیرہ اور دیگر تفصیلات ان کتابوں میں موجود ہیں۔

رافضیوں نے اس مسئلہ میں محض اپنی جہالت اور گمراہی کے باعث بغیر کسی وجہ کے اختلاف کیا ہے حالانکہ صحیح مسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے(3)۔ جس طرح صحیحین میں آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نکاح متعہ سے منع فرمایا ہے(4)۔ لیکن یہ رافضی اسے بھی مباح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ وضو میں پاؤں دھونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، مزید برآں اس آیت کی موافقت میں حضور نبی کریم ﷺ کے فعل سے بھی یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے، لیکن یہ نادان ان سب چیزوں کے مخالف ہیں حالانکہ درحقیقت ان کے پاس کوئی صحیح اور واقع دلیل نہیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے کعبین (ٹخنے) کے بارے میں بھی ائمہ اور سلف سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ پاؤں کی پشت پر ہیں اور ان کے نزدیک ہر پیر میں صرف ایک ہی ٹخنہ ہے جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ کعبین سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان جوڑ پر ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی آدمی اس بات میں اختلاف کرتا ہو کہ کعبین جن کا ذکر آیت وضو میں ہوا ہے، سے مراد پنڈلی اور قدم کے جوڑ پر ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں۔ حضرات ائمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہر قدم میں دو کعب (ٹخنے کی ہڈی) ہیں جس طرح لوگوں میں مشہور ہے اور سنت سے ثابت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے

7۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 363
1۔ فتح الباری، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 494۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 227-228
2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 232
3۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 166۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، صفحہ 1026

وضو کیا، پھر دایاں پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا پھر اسی طرح بایاں پاؤں (1)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اپنی صفیں درست کرلو۔ تین بار فرمایا۔ اللہ کی قسم! یا تم اپنی صفوں کو درست کرو گے یا (بصورت دیگر) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا'' (2)۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ہر آدمی ٹخنے سے ٹخنا، گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملالیا کرتا تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبین سے مراد پنڈلی اور قدم کے درمیان جوڑ کی ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے، نہ کہ پنڈلی کی وہ ہڈی مراد ہے جو قدم کی پشت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس کھڑے شخصوں میں ممکن ہی نہیں۔ یحییٰ بن حارث تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید کے وہ شیعہ ساتھی دیکھے جو قتل ہو گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کا ٹخنا قدم کی پشت پر ہے۔ یہ ایسی سزا ہے جو قتل کے بعد انہیں دی گئی۔ مخالفت حق کی پاداش میں یہ ان کے لئے عبرتناک سزا ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (النساء:43) اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے) تیمم کے احکام کی وضاحت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے، طوالت کے خوف سے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں ہم نے آیت تیمم کا شان نزول بیان کر دیا تھا لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس آیت کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں: بیابان مقام میں میرا ہار گم ہو گیا جبکہ ہم مدینہ میں داخل ہونے ہی والے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی سواری بٹھادی۔ اتر کر آپ ﷺ میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ (والد محترم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) آئے انہوں نے مجھے شدید کچوکا لگایا اور کہنے لگے کہ تم نے ایک ہار کے بدلے لوگوں کو روک رکھا ہے، مجھے سخت تکلیف ہوئی لیکن اس خوف سے کہ حضور ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے، میں نے حرکت نہ کی۔ پھر نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ پانی تلاش کیا گیا لیکن نہ مل سکا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے آل ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہارے اندر برکت ڈال دی ہے، تم تو لوگوں کے لئے سراپا برکت ہو (3)۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ''نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی'' تمہیں تنگی اور مشکل میں نہیں ڈالا بلکہ بیماری کے وقت اور جب پانی میسر نہ ہو تو آسانی اور رحم فرماتے ہوئے تیمم کو مباح قرار دے دیا اور اسے وضو کے قائم مقام بنا دیا۔ اس کے مفصل احکام، احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکر یہ ادا کرتے رہو''۔

حدیث شریف میں وضو کے بعد دعا پر رغبت دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ وضو کرنے والے کو ان پاکیزہ لوگوں میں سے کر دے جو اس آیت کریمہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ (باری باری) اونٹ چرانا ہمارے ذمہ تھا۔ میری باری

4۔ فتح الباری، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 158، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 204-205

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 211، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 178

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ المائدہ، جلد 8، صفحہ 272

آئی تو میں شام کے وقت اونٹوں کو لیکر نکلا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے لوگوں سے گفتگو کر رہے ہیں، میں نے اس وقت آپ ﷺ کی گفتگو میں سے یہ سنا: "جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کھڑے ہو کر پوری دلجمعی اور توجہ کے ساتھ دو رکعتیں نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے"۔ میں نے کہا: کیا خوب بات ہے! یہ سن کر میرے سامنے ایک شخص کہنے لگا کہ اس سے پہلے جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی تمہیں آتے دیکھا تھا، تمہارے آنے سے قبل حضور ﷺ نے فرمایا تھا: تم میں سے جو کوئی عمدگی اور کامل طریقے سے وضو کرتا ہے پھر کہتا ہے: "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو" (1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مومن وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے تمام گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ گر جاتی ہیں۔ اور جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے (2)۔ فرمایا: "جو آدمی وضو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان کی تمام خطائیں نکل جاتی ہیں۔ جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے غلطیاں زائل ہو جاتی ہیں اور جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔" (3) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں سر کے مسح کا ذکر نہیں (4)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو آدمی اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو اس کے گناہ کان، آنکھ اور پاؤں کے رستے نکل جاتے ہیں" (5)۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وضو نصف ایمان ہے، "الحمد لِلّٰه" میزان کو بھر دیتی ہے، "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" سے زمین و آسمان کا درمیان بھر جاتا ہے، روزہ ڈھال ہے، صبر روشنی ہے، صدقہ دلیل ہے، قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت ہے، تمام لوگ صبح نکلتے ہیں اور اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں یا تو وہ اپنے آپ کو آزاد کرا لیتے ہیں یا ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں" (6)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ حرام مال والے کا صدقہ قبول نہیں فرماتا اور نہ بغیر وضو کے نماز قبول فرماتا ہے" (6)۔

ابو الملیح ھذلی اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں فرماتا اور نہ مال حرام سے صدقہ" (7)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 209-210
2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 215
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 138
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 234-235
5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 138
6۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 203-204
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 16، صحیح مسلم، کتاب الامارہ 4700

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اپنی نعمت عظمیٰ یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں عظیم الشان دین اور بلند مرتبت رسول ﷺ عطا فرمایا اور اس عہد اور پختہ وعدہ کی بھی یاد دہانی کرا رہا ہے جو عہد مسلمانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع، آپ ﷺ کی تائید و نصرت، دین کے معاملات انجام دینے، اس کا پیغام دوسروں تک پہنچانے، اسے مضبوطی سے تھامنے اور آپ ﷺ کے ہر حکم کو قبول کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ اس نعمت اور پختہ وعدہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے ہم نے سن لیا اور مان لیا''۔ یہ بیعت ہے جسے رسول خدا ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسلام قبول کرتے وقت لیا کرتے تھے، ان کی بیعت ان الفاظ میں ہوتی تھی: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ ہم طوعاً و کرھاً (احکام) سنتے رہیں گے اور (ان کی) اطاعت کرتے رہیں گے، خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دی جائے، اور یہ کہ کسی معاملہ میں مستحق شخص سے تنازع نہیں کریں گے''۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الحدید: 8) ''آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو''۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو وہ وعدے اور عہد یاد دلائے جا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے

حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی شریعت کی اطاعت کے سلسلے میں لئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جبکہ مجاہد اور مقاتل کا کہنا ہے کہ یہاں ذریت آدم کو اپنا وعدہ یاد دلایا جارہا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور انہیں اپنے اوپر گواہ بنا کر یہ اقرار لیا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ڔ شَهِدْنَا ڔ (الاعراف:172)'' کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی''۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی پسند کیا ہے(1)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہر حال میں تقویٰ کی پابندی کرنے پر تاکید اور ترغیب ہے پھر انہیں آگاہ فرمادیا کہ '' اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ ...... یعنی اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ، لوگوں کی خاطر نہیں اور نہ ہی شہرت حاصل کرنے کے لئے اور عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ نہ کہ ظلم و جور کے ساتھ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد گرامی نے مجھے عطیہ دیا، میری والدہ، عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو اس وقت تک خوش نہیں ہوں گی جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنالیں، چنانچہ میرے والد محترم اس مقصد کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے پوچھا: '' کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو، پھر فرمایا کہ میں تو ظلم پر گواہ نہیں بنتا''(2)۔ چنانچہ میرے والد صاحب نے وہ عطیہ واپس لے لیا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ یعنی اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل کو کام میں لاؤ خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن، اسی لئے فرمایا: اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى '' عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے'' اس آیت میں ھو ضمیر اس مصدر (عدل) کی طرف لوٹ رہی ہے جو اعدلوا فعل سے ماخوذ ہے، قرآن کریم میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ فرمان ہے: '' وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ (النور:28)'' اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے''۔ یہاں ھو کا مرجع فعل سے ماخوذ مصدر (رجوع) ہے۔

یہاں اسم تفضیل (اقرب) کا استعمال اس طرح ہوا ہے کہ اس کے دوسری جانب کوئی چیز مذکور نہیں یعنی مفضل علیہ کا ذکر نہیں کیا گیا، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا (الفرقان:24)'' اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔ اور اسی طرح کسی صحابیہ کا قول بھی اسی طرح ہے جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(3)۔'' یعنی آپ تو رسول اللہ ﷺ سے سخت مزاج ہیں''۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے اور اعمال کے مطابق وہ تمہیں جزا دے گا۔ خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلے میں شر، اسی لئے بعد میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... '' وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 57-58 2۔ فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5، صفحہ 211، صحیح مسلم، صفحہ 1242-1244

3۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 239، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1863-1864

ان لوگوں سے جو ایمان لائے'' کہ وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور جنت کی صورت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا جو کہ اللہ کی بندوں پر رحمت ہے، اپنے اعمال کے سبب وہ جنت نہیں پا سکتے بلکہ یہ تو محض اس کا فضل و کرم اور رحمت ہے۔ بہر صورت اس کی رحمت تک پہنچنے کا سبب اعمال ہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے بذات خود اعمال کو اپنی رحمت، فضل و کرم، عفو اور رضا کے حصول کا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا...... '' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں'' یہ اس کا عدل ہے، اس کی حکمت اسی میں ہے اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس میں ظلم و جور نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ حکیمانہ اور عین عدل ہوتا ہے کیونکہ وہ عادل حکیم اور قدیر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ...... '' اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کسی جگہ اترے۔ لوگ سایہ دار درختوں کی تلاش میں ادھر ادھر چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا اسلحہ اتار کر درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ ایک بدو نے آپ ﷺ کی تلوار لیکر سونت لی پھر آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ '' اس بدو نے دو تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ یہ جواب دینے پر بدو کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر سارا واقعہ سنا دیا، بدو بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس ہی بیٹھا تھا، اسے آپ ﷺ نے کوئی سزا نہیں دی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کچھ عربوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تھی اور اس مقصد کے لئے اس بدو کو بھیجا لیکن یہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس بدو کا نام غورث بن حرث تھا۔ اس کا قصہ صحیح حدیث میں ثابت ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کی دعوت پر بلایا، مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت شہید کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور اس طرح آپ ﷺ محفوظ رہے (2)۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف (یہودی) اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری جب انہوں نے کعب کے گھر میں آپ ﷺ کو بلا کر (آپ ﷺ کو شہید کرنے کی) اپنی گھناؤنی سازش کا ارتکاب کرنا چاہا۔

محمد بن اسحاق، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری جب انہوں نے چکی کا پاٹ آپ ﷺ کے سر مبارک پر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کرنا چاہا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک مسلمان نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو غلط فہمی کی بناء پر قتل کر دیا تھا۔ ان کے لواحقین دیت کا مطالبہ کر رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ حسب معاہدہ ان یہودیوں کے ساتھ اس مسئلہ میں بات چیت کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی اور یہ کام عمرو بن جحش بن کعب کے سپرد کیا اور اسے حکم دیا کہ جب نبی (ﷺ) اس دیوار کے نیچے آ کر بیٹھیں اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جائیں تو چکی کا یہ پاٹ آپ ﷺ کے اوپر سے گرا دینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس سے آگاہ کر کے ان کی سازش کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ صحابہ سمیت واپس پلٹ آئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (3)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 96۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1786-1887   2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 146

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 190۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 144

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ " اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔ تو یہ مشکل میں وہی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اسے ہر قسم کی شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان بدبخت یہودیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ کچھ یہودی قتل کر دیئے گئے اور بقیہ کو جلاوطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

"اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کردوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے تو معاف فرماتے رہیئے ان کو اور درگزر فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی سو انہوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روز قیامت تک اور آگاہ کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اپنے مؤمن بندوں کو حضور ﷺ کی زبانی کئے گئے پختہ عہد کے ایفاء، حق کو قائم کرنے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے کا حکم دیا اور انہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان عہود و مواثیق کی کیفیت بیان فرما رہا ہے جو ان سے قبل اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے لئے گئے تھے، جب انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ کئے ہوئے

عہد و پیمان پس پشت ڈال دیئے تو ان کا حشر یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون ٹھہرے، اللہ تعالیٰ نے انہیں در رحمت سے دور کر دیا اور اپنی جناب سے دھتکار دیا۔ یہ چیز ان کے دلوں کے لئے ہدایت اور دین حق کی طرف پہنچنے سے حجاب بن گئی۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار''۔ ان میں سے بارہ نقیب مقرر کئے گئے۔ نقیب سے مراد سردار ہیں جو قبائل پر مقرر کئے گئے ان کے ذمہ یہ تھا کہ وہ بیعت کو پورا کروائیں اور اللہ، اس کے رسول علیہ السلام اور اس کی کتاب کے احکامات کی لوگوں سے تعمیل کروائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب نافرمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گئے تو آپ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک نقیب (سردار) مقرر کرنے کا حکم دیا۔ روبیل قبیلہ کا نقیب شاموں بن زکور تھا، شمعون قبیلہ کا شافاط بن حری، یہوذا قبیلہ سے کالب بن یوفنا، اذین قبیلہ سے فیخائیل بن یوسف، یوسف قبیلہ سے یوشع بن نون یہی سبط افرائیم ہے۔ سبط بنیامین سے فلطمی بن رفون، سبط زبلون سے جدی بن سودی، سبط منشا بن یوسف سے جدی بن سوسی، سبط دان سے حملائیل بن جمل، سبط اُسیر سے ساطور بن ملکیل، سبط نفتالی سے نحی بن وفسی اور سبط جاد سے جوالیل بن میکی۔ میں نے تورات کے سفر رابع (چوتھے جز) میں بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد اور اسماء دیکھے ہیں لیکن یہ اسماء ابن اسحاق کے ذکر کئے ہوئے ان اسماء سے مختلف ہیں۔ اس میں یہ نام ہیں: بنی روبیل کا سردار صونی بن سادون، بنی شمعون پر شموال بن صورشکی، بنی یہوذا کا حکشون بن عمیاذاب، بنی یساخر پر شال بن صاعون، بنی زبلون کا یاب بن حالوب، بنی افرائیم کا منشا بن عمنہور، بنی منشا پر حملیائیل بن یرصون، بنی بنیامین پر ابیدن بن جدعون، بنی دان پر جعیذر بن عمیشذی، بنی اُسیر پر نحایل بن عجران، بنی حاز پر سیف بن دعواسیل، اور بنی نفتالی پر اجذع بن عمینان کو نقیب مقرر کیا گیا۔

اسی طرح جب رسول خدا ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں انصار سے بیعت لی تھی تو ان میں بھی بارہ نقیب (سردار جو اپنی قوم کے حالات کی خبر رکھے اور بھلائی کے کاموں کا انہیں پابند بنائے) مقرر فرمائے۔ تین اوس میں سے اور نو خزرج میں سے۔ قبیلہ اوس میں سے یہ حضرات تھے۔ اُسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر، بعض روایتوں میں ان کے بجائے ابوالہیثم بن تیہان کا نام آتا ہے، اور قبیلہ خزرج میں سے یہ حضرات تھے: ابوامامہ اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک بن عجلان، براء بن معرور، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہم۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں ان سعادت مندوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں ابن اسحاق نے نقل کیا ہے(1)۔ مقصد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے انصار میں بارہ سردار مقرر کئے گئے جو اپنی قوم کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنے اور آپ ﷺ کے احکام کی بجا آوری پر بیعت کرنے کے پابند تھے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ ہمیں قرآن کریم پڑھا رہے تھے، ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی پوچھا کہ اس امت کے کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: جب سے میں عراق میں آیا ہوں تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر بارہ ہوں گے''(2)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 443-445 　 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 398

اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کا مضمون صحیحین کی اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "لوگوں کا معاملہ اس طرح چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ شخص ان کے والی نہ بن جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ گفتگو کی جو میں نہ سن سکا، میں نے دوسروں سے پوچھا کہ اب آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے" (1)۔ اس حدیث میں بارہ صالح خلفاء کی بشارت دی گئی ہے جو حق کو قائم کریں گے، لوگوں میں عدل کو عام کریں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خلفاء لگاتار ہوں گے اور ان کے عہد متصل ہوں گے۔ چار خلفائے راشدین تو لگاتار ہوئے: حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ انہی بارہ میں سے پانچویں خلیفہ ہیں۔ اسی طرح بنو عباس کے بعض خلفاء بھی ہوئے ہیں۔ اور جب تک یہ تمام کے تمام منصب خلافت پر فائز نہیں ہو جاتے قیامت نہیں آئے گی۔ انہی میں سے امام مہدی بھی ہیں جن کی بشارت احادیث میں دی گئی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نام نبی کریم ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام آپ ﷺ کے والد جیسا ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس سے مراد شیعوں کا وہ امام منتظر نہیں جس کے بارے میں شیعوں کا یہ خیال ہے کہ سامرا کی غار سے اس کا ظہور ہوگا۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی عقل عیار اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہے۔ اور نہ ہی ان بارہ خلفاء سے شیعوں کے فرقہ اثنا عشریہ کے بارہ امام مراد ہیں جن کے بارے میں شیعہ اپنی جہالت، کوتاہ بینی اور کم عقلی کے باعث یقین رکھتے ہیں۔ تورات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ یہ بھی خوشخبری مرقوم ہے کہ آپ کی نسل میں سے بارہ عظیم لوگ ہوں گے۔ اس سے مراد بھی یہی بارہ خلفاء ہیں جن کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں ہوا ہے۔ یہودیوں کے بعض جہلاء جب اسلام لے آئے تو وہ شیعوں کو یہ باور کرانے لگے کہ اس سے مراد انہی کے بارہ امام ہیں تو ان میں سے اکثر نے جہالت، بے وقوفی اور قلت علم کے باعث تشیع اختیار کر لیا حالانکہ بات وہی حق ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ ۔۔۔ یہودیوں سے عہد و پیمان لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم میری حفاظت، نگہبانی اور نصرت میں ہو، اگر تم نماز قائم کرتے رہے، زکوٰۃ دیتے رہے، میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے، ان کے پیغام کو دل و جان سے قبول کرتے رہے، ان کی تائید اور مدد کرتے رہے اور اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے رہے تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر دوں گا، انہیں بالکل مٹا دوں گا، ان پر اپنی مغفرت کی چادر ڈال دوں گا اور ان کا تم سے بالکل مواخذہ نہیں کروں گا۔ مزید برآں تمہیں جنت میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور تمہارا ہر مقصود حاصل ہو جائے گا۔ جو شخص پختہ وعدہ کرنے کے بعد کفر کا مرتکب ہوا اور عہد شکنی کی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور ہدایت سے گمراہی کی طرف راغب ہو گیا۔

ان لوگوں نے اپنے عہد کا پاس نہ کیا بلکہ اپنے ہی کئے ہوئے معاہدوں کو توڑ ڈالا۔ اس عہد شکنی و مخالفت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی جس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ۔۔۔ ہمارے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے کے باعث ہم نے انہیں حق سے دور کر دیا، راہ ہدایت سے دھتکار دیا اور ان کے دل سخت بنا دیئے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت، کوئی پند و موعظت ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ان کی عقلیں اس قدر فساد کا شکار ہو چکی ہیں کہ یہ بدبخت اللہ کی آیات میں برے طریقے سے تصرف کرنے لگے

1۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 211۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، صفحہ 1452

ہیں، انہوں نے کلام الٰہی میں تحریف اور تغیر و تبدل شروع کر دیا ہے۔ من گھڑت تاویلیں کر کے آیات الٰہی کو غیر مقصود معانی پر محمول کرتے ہیں اور کبھی الفاظ میں ہی ہیرا پھیری شروع کر دیتے ہیں اور اللہ کے نام پر ایسے ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں بتائے ہی نہیں ہوتے اور انہوں نے اس بڑے حصے کو فراموش کر دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، کتاب الٰہی سے منہ موڑ لیا، اس پر عمل کرنا ترک کر دیا اور روگردانی کرنے لگے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دین کی اصل اور ان فرائض کو ترک کر دیا جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں فرماتا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عمل ترک کر دیا پھر ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہوگئی نہ دل سلیم رہے، نہ فطرت سیدھی رہی اور نہ عمل درست رہا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ ..... آپ ان کی خیانت، مکر و فریب اور ان سازشوں پر مطلع ہوتے رہیں گے جو یہ بدبخت آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ خیانت سے مراد ان کا رسول خدا ﷺ کو شہید کرنے کی سازش پر اتفاق ہے۔ فرمایا کہ اس خیانت کے باوجود آپ ﷺ انہیں معاف فرما دیں، ان سے درگزر فرمالیں اور ان کی زیادتیوں سے چشم پوشی کر لیں۔ یہی حقیقی فتح و نصرت اور کامیابی ہے، جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا کہ جو شخص تیرے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو تو اس کی مثل اس کے معاملہ میں اللہ کی اطاعت کر۔

دوسرا اس میں یہ مصلحت بھی کارفرما ہے کہ ممکن ہے نرم رویہ کے ذریعے ان کے دل حق کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہت محبوب رکھتا ہے جو ناروا سلوک کرنے والوں سے درگزر کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اس آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ: 29) کے ساتھ منسوخ ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ..... وہ لوگ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں اور حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے پیروکار ہیں حالانکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے ان سے ہم نے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور مدد کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے اور اسی طرح ہر اس نبی پر ایمان لائیں گے جسے اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی اور اپنے تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ انہیں اس کی سزا یہ دی گئی کہ ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑکا دی، ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ان میں بہت سے فرقے بن گئے، ایک دوسرے کو کافر اور ملعون ٹھہرانے لگے، ان کی آپس میں دشمنی اور عداوت اس قدر شدید ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے عبادت خانہ میں بھی آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ملکیہ فرقہ یعقوبیہ کو کافر گردانتا ہے، اسی طرح باقی نسطوریہ اور آریوسیہ وغیرہ۔ ان کی باہمی نفرت، عداوت اور دشمنی کی آگ کے شعلے قیامت تک بھڑکتے رہیں گے۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ اس میں نصاریٰ کو ان کی کارستانیوں اور ہرزہ سرائیوں پر وعید اور دھمکی دی جارہی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور یہ کہنے لگے کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے حالانکہ وہ تو یکتا، ایک، بے مثل اور بے نیاز ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ فرما دے گا۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ يَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۛ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَ يَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

"اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔ دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی، سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ اس نے اپنے پیارے عظیم الشان رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام اہل زمین خواہ عربی ہوں یا عجمی، امی ہوں یا کتابی، کی طرف رسول ﷺ بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو معجزات اور روشن دلائل عطا فرمائے جن سے حق و باطل کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا... یعنی وہ رسول کریم ﷺ ان چیزوں سے پردہ اٹھاتا ہے جو اہل کتاب نے بدل ڈالیں تھیں، جن میں تحریف کرتے، من گھڑت تاویلیں کرتے اور اپنے مطلب کے لئے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے اور یہ رسول عظیم ﷺ ان کی تبدیل کردہ ایسی بہت سی باتوں سے خاموشی اختیار کرتا ہے جنہیں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے رجم کا انکار کیا تو گویا اس نے نا سمجھی میں قرآن کا انکار کیا۔ اس آیت میں رجم کا ہی ذکر ہے جسے اہل کتاب چھپاتے تھے(1)۔

پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جو اس نے اپنے پیارے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائی، یہ کتاب ہدایت ہے جو متلاشیان حق کے لئے نجات، سلامتی اور استقامت کی راہوں کو روشن کردیتی ہے، انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور صراط مستقیم پر گامزن کردیتی ہے۔ یہ کتاب انہیں بلاکتوں اور آفتوں سے نجات دلاتی ہے یہ انعامات خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کا سبب۔ یہ گمراہی کو مٹاتی ہے اور ہدایت کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 359

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

''یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہی ان کے خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اور ان کے اس قول سے بہت ارفع اور برتر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت قاہرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرمائے کہ وہ مسیح بن مریم، ان کی والدہ اور روئے زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو ہلاک کردے تو کیا کسی کے بس میں ہے کہ وہ اسے روک لے؟ پھر فرمایا: وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ یعنی تمام موجودات کو اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کا مالک ہے، ہر چیز اس کے قبضہ اختیار میں ہے، وہ جو چاہے کرنے پر قادر ہے، اس کی قدرت، عظمت، سلطنت اور عدل ہر چیز پر حاوی ہے، کسی معاملہ میں اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہے۔ تا قیامت ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے کذب و افتراء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ یعنی ہماری نسبت اللہ کے نبیوں کی طرف ہے اور وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق ہے، اس لئے ان انبیاء کے امتی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا محبوب رکھتا ہے۔ ہم اس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب سے نقل کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا: ''اَنْتَ اِبْنِیْ بِكْرِیْ'' (تو میرا پہلا بیٹا ہے)، پھر تاویل اور تحریف کرکے الٹ پلٹ مطلب نکال کر کہتے کہ ہم بھی خدا کے فرزند ہوئے، حالانکہ انہی میں جو عقلمند اسلام لے آئے انہوں نے اس دعویٰ کی تردید کی اور بتایا کہ یہ لفظ (ابن) ان کے ہاں تشریف، فضیلت اور اکرام کو ظاہر کرتا ہے یعنی وہ اللہ کے لاڈلے اور مقرب ہیں نہ کہ یہ معنی ہے کہ وہ صلبی بیٹے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اپنی کتابوں سے نقل کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْكُمْ'' اس (اب) سے مراد بھی سگا باپ نہیں بلکہ رب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، اپنے لئے وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ''اَبْنَآءُ اللّٰهِ'' کہہ کر مراد یہ لیتے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت، عظمت اور قرب حاصل ہے اسی لئے انہوں نے کہا: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ۔

اللہ تعالیٰ ان کے رد میں فرماتا ہے: قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے

ہیں تو پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے کفر، کذب اور افتراء کی پاداش میں تمہارے لئے نارِ جہنم کیوں تیار کی گئی ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہہ سے پوچھا کہ کیا قرآن کریم میں کہیں یہ بھی ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا؟ فقیہہ جواب نہ دے سکا تو اس صوفی نے اس آیت قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ کی تلاوت کی۔ یہ قول بہت اچھا ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ گزر رہے تھے، رستہ میں ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ بچے کی ماں نے جب ان حضرات کو آتے دیکھا تو اسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کا بچہ نہ روند دیا جائے۔ وہ دوڑتی ہوئی اور میرا بیٹا، میرا بیٹا پکارتی ہوئی آئی اور فوراً اپنے بچے کو اٹھا لیا۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ عورت تو اپنے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اور اللہ بھی اپنے محبوب کو آگ میں نہیں ڈالے گا'' (1)۔

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ...... ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب! تم بھی اس کی مخلوق میں بشر ہی ہو، تمہیں دوسروں پر کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے تمام بندوں کے بارے میں فیصلہ فرمانے والا ہے، جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب میں مبتلا کر دے، وہ جو چاہے کرتا ہے اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ سب کچھ اسی کے زیر تصرف ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے پھر وہ عدل و انصاف سے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمان بن اُضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی (یہودی علماء) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ باہم گفت و شنید ہوئی۔ آخر میں آپ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اس کے شدید عذاب سے انہیں خبردار کیا تو وہ کہنے لگے: یا محمد ﷺ! آپ ہمیں کیا ڈرا رہے ہیں، ہم خدا کی قسم، اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ بھی یہی کہتے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی (2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ'' کہنے کی وجہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کی طرف وحی کی کہ تمہارا بیٹا میرا پہلا بیٹا ہے اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی۔ اس عرصہ میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کے گناہوں کو کھا جائے گی پھر منادی ہوگی کہ اسرائیل کی اولاد میں سے ختنہ شدہ نکال دیئے جائیں چنانچہ وہ جہنم سے باہر نکال دیئے جائیں گے، یہی مفہوم ہے ان کے اس قول کا: لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹

''اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الٰہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس نے تمہاری طرف اپنا عظیم رسول ﷺ بھیج دیا ہے جو خاتم النبیین ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ کوئی رسول، بلکہ یہ سب کے بعد تشریف لانے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ''عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ'' یعنی ایک طویل مدت کے بعد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ ﷺ کی بعثت کے درمیان گزری۔ اس دوران اور کوئی نبی یا

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 104 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 164، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 514

رسول نہیں آیا۔ اس فترۃ کی مدت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔ امام بخاری نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہی مدت نقل کی ہے (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدت پانچ سو ساٹھ سال تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ پانچ سو چالیس سال، کوئی کہتا ہے کہ چار سو تیس برس سے کچھ زائد۔ ابن عساکر نے شعبی سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہجرت نبی ﷺ کے درمیان نو سو تینتیس برس کا فاصلہ تھا لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے کہ فترۃ کی مدت چھ سو سال تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو بیس سال، لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ پہلا قول شمسی حساب سے ہے اور دوسرا قمری حساب سے۔ ہر شمسی اور قمری صدی میں تقریباً تین سال کا فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل کہف کے قصہ میں فرمایا: وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (الکہف: 25)'' اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال''۔ یعنی قمری تین سو نو سال، تاکہ یہ اس شمسی تین سو سال کی مدت کے موافق ہو جائے جو اہل کتاب کے ہاں معروف تھی۔ فترۃ (انقطاع رسل) کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے درمیان ہے، اس عرصہ میں کوئی نبی نہیں آیا جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ ابن مریم کے قریب یقیناً میں ہوں، میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں'' (2)۔

اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان دو جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی کوئی نبی آیا ہے، جس کا نام خالد بن سنان بتاتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویل عرصہ کے بعد حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت کیفیت یہ تھی کہ سلامتی کی راہیں معدوم ہو چکی تھیں، ادیان بدل چکے تھے، تعلیمات الٰہی فراموش ہو چکی تھیں، اصنام پرستی، آتش پرستی اور صلیب پرستی بکثرت مروج تھی، فساد کا دور دورہ تھا، سرکشی اور جہالت نے ہر جگہ اپنے ڈیرے جما رکھے تھے سوائے چند ایک سعادت مندوں کے کہ جو سابقہ انبیاء کی شریعتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، تو ان سنگین حالات میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح احوال اور ہدایت کے لئے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں، عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور وہ مجھے آج ہی سکھائی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ حلال ہے، اور میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف رغبت کرنے والا) پیدا کیا ہے لیکن شیاطین ان کے پاس آتے ہیں، انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، ان پر میری حلال کردہ چیزیں حرام قرار دے دیتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کی کوئی دلیل میں نے نازل نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم کو سب کو ناپسند کیا سوائے چند بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) اور (مجھے) فرمایا کہ میں نے تمہیں منصب نبوت پر فائز کیا ہے تاکہ تمہیں بھی آزماؤں اور تمہاری وجہ سے اوروں کو بھی اور میں نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جسے پانی نہیں دھو سکتا، جسے تم سوتے جاگتے پڑھ سکتے ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو تبلیغ کروں۔'' میں نے عرض کی: اے پروردگار! وہ تو میرا سر کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں نکالو جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا تھا، ان کے ساتھ جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے، ان پر خرچ کرو ہم آپ کو عطا فرمائیں گے، ان

1۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 277　　2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 477-478

کے مقابلہ میں لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے، اپنے اطاعت گزاروں کو لیکر نافرمانوں کے ساتھ لڑائی کرو۔ جنتی تین قسم کے لوگ ہیں: (1) بادشاہ عادل توفیق یافتہ اور اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کرنے والا، (2) رحم دل انسان جو ہر قرابت دار اور مسلمان کے ساتھ رحم اور نرمی کرنے والا ہو اور (3) فقیر حرام سے بچنے والا عیالدار (اس کے باوجود) صدقہ کرنے والا۔ اور جہنمی پانچ قسم کے لوگ ہیں: (1) گھٹیا کمینے بے دین اور ماتحت لوگ جن کا نہ کوئی گھر بار ہے اور نہ مال و دولت، (2) خائن لوگ جن کا طمع چھپائے بھی نہیں چھپتا، چھوٹی موٹی چیز میں خیانت سے بھی نہیں باز آتے، (3) مکار دھوکے باز جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں، (4) بخیل یا کذاب اور (5) بدخلق اور فحش گو" (1)۔

اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو دیکھا سوائے چند بنی اسرائیل کے سب عرب و عجم کو ناپسند فرمایا"۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے دین اسلام لوگوں پر مشتبہ ہو گیا تھا، لوگ طرح طرح کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ راہ ہدایت معدوم ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر کرم فرمایا اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمادیا، آپ ﷺ کو روشن شریعت عطا فرمائی تاکہ لوگوں کا عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہتے رہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں جو ہمیں ہدایت کی طرف بلاتا، تو یہ دیکھو تمہارے پاس بشیر و نذیر نبی محمد ﷺ تشریف لا چکا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہ نافرمانوں کو سزا دینے اور اطاعت گزاروں کو ثواب دینے پر پوری طرح قادر ہے (2)۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

"اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں اے میری قوم! داخل ہو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2197-2198، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 162-266 　 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 167-168

جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہونگے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہونگے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے، عظیم رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دنیاوی اور اُخروی نعمتوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے راہ راست پر گامزن رہنے کی تلقین کی۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ...... یعنی یکے بعد دیگرے تم میں سے ہی نبی مبعوث فرمائے، ایک نبی رخصت ہو جاتا تو دوسرا تشریف لے آتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کا سلسلہ چلتا رہا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ سب حضرات اللہ کی طرف بلاتے رہے اور اس کے عذاب سے خبردار کرتے رہے۔ پھر نبوت و رسالت کا شرف اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔ آپ ﷺ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور آپ ﷺ تمام انبیاء و رسل سے اشرف اور افضل ہیں۔

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تمہیں خود مختار بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ تمہیں خدام، بیویاں اور گھر بار عطا فرمائے۔ ملوک کا معنی یہاں بادشاہ نہیں (1)۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ انعامات تم پر کئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جب کسی شخص کے پاس بیوی، خادم اور گھر بار ہوتا تو اسے ''مَلِک'' (حکمران) کا نام دیتے۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا رہنے کے لئے گھر ہے؟ کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو تو اغنیاء میں سے ہے (2)۔ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس تو خادم بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سواری، خادم اور گھر ہو تو وہی بادشاہت ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے پاس گھر اور خادم ہوتا اور اس کے پاس آنے کے لئے اجازت طلب کرنا پڑتی تو اسے بادشاہ سمجھا جاتا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدام کا رواج پہلے پہل ان بنی اسرائیل نے ہی دیا تھا، سدی ''مَلِک'' کا

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورہ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311-312، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 169
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 169

معنیٰ بتاتے ہیں جو اپنی ذات، اپنے مال اور اہل کا مالک ہو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جس کے پاس خادم، سواری اور بیوی ہوتی اسے بادشاہ لکھا جاتا۔ حضرت زید بن اسلم سے بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: ''جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو، وہ اپنے گھر میں مامون ہو، اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لئے سمٹ آئی'' (1)۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی بنی اسرائیل کے زمانہ کے عالمین (جہان)۔ وہ اپنے زمانے کی یونانی، قبطی اور دوسری اقوام سے اشرف تھے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۞ (جاثیہ: 16) ''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر''۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشرکین جیسے خدا کی فرمائش کی تو اس کے متعلق فرمایا: قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۞ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۞ (الاعراف: 138-140) ''موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کررہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر''۔

مقصود یہی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل تھے، کیونکہ یہ حقیقت اور امر واقع ہے کہ حضور ﷺ کی امت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے اشرف، افضل اور برتر ہے، شریعت میں ان سے کامل، راہ راست پر گامزن ہونے میں ان سے درست، نبی اس کا سب سے معزز و محترم، بادشاہت ان کی عظیم، ارزاق، اموال و اولاد ان کے زیادہ، مملکت ان کی وسیع اور عزت وغلبہ اس امت کا دائمی ہے، یہ سعادتیں انہیں حاصل نہیں ہیں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: 143) ''اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر''۔

ہم نے اس امت کی فضیلت، شرف اور عظمت کے متعلق احادیث متواترہ سورۂ آل عمران میں آیت کریمہ: كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) کی تفسیر کے ضمن میں ذکر کردی ہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ میں خطاب بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ امت محمدیہ کو بھی ہے (2)۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اس میں خطاب صرف قوم موسیٰ کو ہے اور انہیں فضیلت صرف ان ''عالَمِینَ'' پر حاصل ہے جو ان کے زمانہ میں تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ بعض چیزوں میں انہیں واقعۃً فضیلت دی گئی جیسے من وسلویٰ کا اترنا، بادلوں کا سایہ کرنا وغیرہ، اس قسم کی خارق عادت چیزوں سے انہیں مخصوص کیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ابھارا اور رغبت دلائی کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے نکل پڑیں اور بیت المقدس میں داخل ہو جائیں۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن تو شام ہی تھا۔ بیت المقدس حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 208۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 1387　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 170

انہی کے قبضہ میں تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں اور اہل وعیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے اور وہاں ہی رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل مصر میں ہی سکونت پذیر رہے۔ اس اثناء میں عمالقہ نے شام پر قبضہ کرلیا۔ یہ بہت جابر قوم تھی، قد وقامت اور قوت وجبروت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں اور انہیں اپنے آبائی وطن سے نکال باہر کریں اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فتح ونصرت کی بشارت دی لیکن ان نامرادوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور نافرمانی پر اتر آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک سزا دی وہ تیہ کی وادی میں حیران وسرگرداں پھرتے رہے، چالیس سال تک صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانتے پھرے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض مقدسہ سے مراد کوہ طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس سے مراد اریحاء ہے، اسی طرح بعض مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اریحاء کو نہ تو فتح کرنا مقصود تھا اور نہ وہ بیت المقدس کی طرف جانے والے رستہ میں آتا تھا کیونکہ فرعون کے غرق ہوجانے کے بعد وہ تو مصر سے آرہے تھے ہاں اگر اریحاء سے مراد بیت المقدس ہو تو درست ہے جیسا کہ سدی کا قول ہے لیکن اگر اس سے مراد وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کی مشرقی جانب تھا تو یہ درست نہیں ہے(1)۔

الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ یعنی وہ ارض مقدسہ جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی زبانی تم سے کیا تھا کہ یہ ان لوگوں کی وراثت ہے جو تم میں سے اہل ایمان ہوں گے۔

وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِکُمۡ...... جہاد سے اعراض نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے لیکن وہ عذر پیش کرنے لگے کہ یا حضرت! جس شہر میں آپ نے داخل ہونے اور وہاں کے مکینوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے اس شہر میں تو بڑی جابر قوم آباد ہے، وہ تو بڑی شان وشوکت والی ہے، ہم تو ان کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اور جب تک وہ اس شہر میں ہیں ہم اس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم اس میں داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس جابر قوم کے شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا تو آپ اپنے ساتھیوں کو لیکر چل پڑے۔ جب آپ اریحاء کے قریب پہنچے تو آپ نے بارہ جاسوس معین کئے، ہر قبیلہ سے ایک ایک جاسوس لیا اور انہیں ان جابروں کے شہر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ان کے حالات کا مشاہدہ کر کے آگاہ کریں۔ جب وہ جاسوس ان کے شہر میں داخل ہوئے تو ان کے قد وقامت اور قوت وجبروت کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ سب ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوگئے۔ اتفاق سے باغ کا مالک پھل توڑنے کے لئے وہاں پہنچ گیا، وہ پھل توڑنے لگا تو اسے کچھ قدموں کے نشانات دکھائی دیئے، وہ نشانات کے پیچھے چلتا چلتا انہیں ڈھونڈنے لگا۔ تلاش کرتے کرتے ان میں سے جو اسے مل جاتا اسے پھلوں کے ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیتا، اس طرح اس نے تمام کے تمام بارہ جاسوسوں کو پھلوں کے ساتھ باندھ لیا اور انہیں بادشاہ کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے یہ سارے جاسوس ڈھیر کردیئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ اب تو تمہیں ہماری قوت اور شان وشوکت کا اندازہ ہو ہی گیا ہے، جاؤ اور یہ سب کچھ اپنے سردار کو بتادو، چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارا

1۔ اس ضمن میں سورۂ بقرہ: 58 کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

واقعہ کہہ سنایا(1)۔اس کی سند محل نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں کو بھیجا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا۔ وہ چل پڑے، اس جابر قوم کا ایک آدمی انہیں ملا تو اس نے تمام کو اپنی چادر میں باندھ کر اٹھالیا اور اپنے شہر میں لے گیا اور منادی کر دی۔ سارے شہر والے وہاں جمع ہو گئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ میں سے ہیں، انہوں نے ہمیں تمہارے حالات کا مشاہدہ کرنے اور تمہارے متعلق خبریں لانے کے لئے بھیجا ہے۔ انہوں نے ان کو انگور کا ایک دانہ دیا جو ایک آدمی کے لئے کافی تھا، پھر وہ کہنے لگے کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ یہ ہے ہمارے پھلوں کی قدر۔ چنانچہ وہ نقیب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لوٹے اور چشم دید حالات سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ یہ سن کر بنی اسرائیل دہشت زدہ ہو گئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ان کے شہر میں داخل ہونے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تو کہنے لگے: اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک لمبی لکڑی لی اور اسے اپنے بازو کے ساتھ ناپا، پھر اس کے ساتھ پچاس یا پچپن ہاتھ زمین کی پیمائش کر کے فرمایا کہ عمالقہ کے قد اس قدر لمبے تھے۔ اکثر مفسرین نے ان کے بارے میں بہت سی اسرائیلی روایات نقل کی ہیں جن میں ان کے قد کاٹھ کا ذکر ہے، کہا جاتا ہے کہ ان میں عوج بن عنق بنت آدم علیہ السلام تھا، اس کا طول تین ہزار تین سو تینتیس گز تھا اور جسم کی چوڑائی تین گز تھی لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کے ذکر سے حیا مانع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح کے بھی مخالف ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، پھر اس کے بعد سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے"(3)۔ اس شخص (عوج بن عنق) کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کافر اور ولد الزنا تھا۔ طوفان نوح کے وقت اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا، پھر بھی طوفان اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا۔ یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔ قرآن کریم اس کے خلاف ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو تمام کافر اہل زمین کے لئے بددعا کی تھی اور کہا تھا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:26)۔ "اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا"۔

یہ دعا قبول ہوئی، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ (الشعراء:119-120)۔ "پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو" اور فرمایا: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ہود:43)۔ "آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے"۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا غرق ہو گیا تو عوج بن عنق بد اصل کافر کی کیا مجال تھی کہ وہ باقی زندہ رہتا یہ عقل اور شریعت کے منافی ہے بلکہ ہمیں تو یہ بھی یقین نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص ہوا ہو گا۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ...... جب بنی اسرائیل نے اتباع الٰہی اور اطاعت موسیٰ علیہ السلام سے منہ موڑ لیا تو ان دو آدمیوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 174 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 177-178

3۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 362، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2183-2184

نے انہیں کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم اور انعام فرمایا تھا اور ان کے دلوں میں خوف خدا تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں بنی اسرائیل کی نافرمانی کی پاداش میں اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔ ایک دوسری قراءت میں "یَخَافُوْنَ" کی بجائے "یُخَافُوْنَ" (مجہول) آیا ہے (1)۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور لوگوں کے ہاں ان کا وقار اور ہیبت تھی۔ ان دونوں کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا تھے۔

اُدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ...... ان دونوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو گے، اس کے حکم کو بجالاؤ گے اور اس کے رسول کی موافقت کرو گے تو اللہ تمہیں بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا، تمہیں تائید ونصرت اور فتح وظفر عطا فرمائے گا اور تم یقیناً اس شہر میں داخل ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اس لئے ذرا ہمت کر دو، نامرد نہ بنو اور اس شہر کے دروازے میں تو داخل ہو کر دیکھو کیسے تمہیں فتح نصیب ہوتی ہے لیکن یہ وعظ اور فہمائش بے سود ثابت ہوئے۔ یہ نامراد اپنی پہلی ہی بات پر اڑے رہے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم ہرگز قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس شہر میں ہیں، جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یہ جہاد میں شرکت سے بزدلی اور مخالفت رسول کا اظہار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے جہاد سے روگردانی کی اور واپس مصر جانے کا پختہ عزم کر لیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے انہیں بڑی نرمی اور رقت سے سمجھایا اور اپنے اس عزم سے باز رکھنے کی کوشش کی، یہ حال دیکھ کر یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنی قوم کو لعن طعن اور ملامت کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان بدبختوں نے ان دو بزرگوں کو پتھر مار مار کر شہید کر دیا، ایک بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ سبحان اللہ! جنگ بدر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا خوب جانثاری کا مظاہرہ کیا تھا! ابوسفیان کے قافلہ کو بچانے کے لئے مشرکین کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا تھا جس کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک تھی، خود اور زرہیں پہنے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس بڑے گھمنڈ میں مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابوسفیان کا قافلہ تو رستہ بدل کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن یہ لشکر جنگ پر مصر رہا اور اس نے مسلمانوں کو کچل ڈالنے اور اسلام کو مٹا دینے (نعوذ باللہ من ذلک) کے ارادہ سے مدینہ کا رخ کیا۔ نبی کریم ﷺ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی پیاری گفتگو کی اور اپنی جانثاری کا اظہار کیا، پھر چند دوسرے مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم نے گفتگو کی لیکن آپ ﷺ یہی فرما رہے تھے کہ "مسلمانو! مجھے مشورہ دو" اس میں اشارہ انصار کی طرف تھا کہ وہ بھی اپنی رائے دیں کیونکہ اس وقت ان کی اکثریت تھی۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں لیکر سمندر میں کود جائیں تو ہم آپ کے ساتھ کود جائیں گے، ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے نہیں رہے گا، آپ ہمیں دشمن کے ساتھ جنگ میں لے چلیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، ہم تو جنگ میں ڈٹ جانے والے اور دشمن کے خلاف ثابت قدم رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری جانثاری کے باعث آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا، اللہ کا نام لے کر چلیں (2)۔ تو آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے اس جذبہ پر بہت مسرور ہوئے اور یہ بات آپ ﷺ کو بہت پسند آئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا تو

1۔ البحر المحیط: جلد 4، صفحہ 455　　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 615

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار کہنے لگے: اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کی (اس سے) مراد تمہی لوگ ہو، پھر وہ کہنے لگے، یہ بات ہے تو سنئے ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ برک الغماد کی طرف بھی چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے(1)۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا: ''کیا تم جنگ نہیں کرو گے؟'' انہوں نے عرض کی: ضرور کریں گے اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ آپ بھی چلئے اور آپ کا رب بھی، ہم آپ کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہیں۔ اس دن جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جان نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ جواب دیا تھا ان میں سے حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا منظر دیکھا ہے میری تمنا ہے کہ یہ مجھے نصیب ہوتا اور یہ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا، وہ یہ ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر جنگ کرو بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے جنگ کریں گے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک یہ بات سن کر خوشی سے کھل گیا(3)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا: یا رسول اللہ! تشریف لے چلئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں(4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ بات صلح حدیبیہ کے دن کی تھی، جب مشرکین نے مسلمانوں کا رستہ روک لیا، قربانی کے جانور بھی آگے نہ جانے دیئے اور مسلمانوں اور مناسک عمرہ کی ادائیگی میں حائل ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں تو اپنی قربانی کا جانور لے کر بیت اللہ شریف پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں'' تو اس وقت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جنہوں نے اپنے نبی سے کہہ دیا تھا: ''اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' بلکہ ہم تو آپ کی معیت میں لڑیں گے، جب دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات سنی تو وہ بھی اسی طرح جان نثاری کا اظہار کرنے لگے(5)۔ اگر حدیبیہ والی اس روایت میں یہ بات ہو تو ممکن ہے پہلے بدر میں انہوں نے یہ بات کہی ہو اور حدیبیہ والے دن پھر دوبارہ یہی بات کی ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ...... جب بنی اسرائیل نے جہاد سے منہ پھیر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضبناک ہو کر ان کے حق میں بددعا کی۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے، اے پروردگار! میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے کسی کا مالک نہیں ہوں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو میری اطاعت کرے، تیرے فرمان کو بجا لائے اور میری دعوت پر لبیک کہے بجز میرے اور میرے بھائی کے۔ اس لئے یا اللہ! ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ...... ان کی روگردانی، نافرمانی اور نامردی کے باعث جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی تو اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 188، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، جلد 7، صفحہ 109　　2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 314

3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 389-390　　4۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 287، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 273

5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 180

تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے یہ فیصلہ فرما دیا کہ اب اس سرزمین میں ان کا داخلہ چالیس سال تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ وادی تیہ میں سرگرداں بھٹکتے رہے، صحراؤں کی چالیس سال تک خاک چھانتے رہے، کوئی راہ انہیں سجھائی نہیں دیتی تھی اور نہ اس صورت حال سے رہائی کی کوئی سبیل نظر آتی تھی۔ یہاں بہت سے خارق عادت امور رونما ہوئے۔ مثلاً ان پر بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا، ان کے ساتھ جانور پر لدے ہوئے ٹھوس پتھر سے پانی کا جاری ہونا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اپنا عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے ہر ایک قبیلہ کے لئے ایک چشمہ۔ اس طرح اور متعدد معجزات تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید کی۔ یہاں ہی تورات اتری اور احکام نازل ہوئے اور قبۃ العہد بنایا گیا جسے قبۃ الزمان بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ اس صحراء میں چالیس سال تک بھٹکتے رہے، صبح اٹھ کر چلتے لیکن انہیں کوئی قرار نصیب ہی نہ تھا، پھر اسی وادی میں بادل ان پر سایہ کرتا، ان پر من وسلویٰ اتارا گیا۔ یہ حدیث فتون کا حصہ ہے(1)۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی، پھر اس کے تین سال بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا وصال ہوا، پھر آپ کے خلیفہ یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا۔ اس مدت میں اکثر اسرائیلی لقمہ اجل بن گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور حضرت کالب باقی رہ گئے۔ اس لئے بعض مفسرین قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ پر وقف تام کرتے ہیں اور '' اَرْبَعِيْنَ سَنَةً '' کا تعلق مابعد فعل (يَتِيْهُوْنَ) کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی یہ اس فعل کا معمول ہے اور یہی فعل اسے نصب دے رہا ہے۔ چنانچہ جب چالیس سال کی مدت ختم ہوگئی تو حضرت یوشع علیہ السلام ان میں سے باقی ماندہ لوگوں اور (آزادی کی فضا میں پروان چڑھنے والی) نئی نسل کو لیکر نکلے اور بیت المقدس کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور بروز جمعہ عصر کے بعد اسے فتح کر لیا۔ جب جمعہ کے دن سورج غروب ہونے لگا اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ ہفتہ کا دن آ جائے گا (جس کی عظمت کے باعث لڑائی ممکن نہ تھی) تو آپ نے سورج سے فرمایا: یعنی تو اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی پابند ہوں، اے اللہ! اسے تھوڑی دیر کے لئے روک دے۔ چنانچہ فتح ہونے تک اللہ تعالیٰ نے سورج کو روکے رکھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوں تو اس کے دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور '' حِطَّةٌ '' (ہمارے گناہ معاف فرما دے) کہتے ہوئے داخل ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کو بدل ڈالا اور اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور '' حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ '' کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ ساری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ چالیس سال تک ٹامک ٹوئیاں کھاتے رہے، اسی وادی تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور ہر اس شخص کی وفات ہوگئی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز تھی۔ جب چالیس سال گزر گئے تو ان کی باگ ڈور حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ میں آ گئی۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر بیت المقدس فتح کیا۔ جمعہ کا دن تھا، فتح کا ارادہ کیا لیکن سورج غروب ہونے لگا، انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر ہفتہ کا دن آ گیا تو انہیں رکنا پڑے گا اس لئے انہوں نے سورج کو ندا دی کہ میں بھی اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور تو بھی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کے حسب ارشاد سورج ٹھہر گیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے بیت المقدس فتح کر لیا۔ وہاں آپ علیہ السلام کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس قدر کبھی نہ دیکھا تھا۔ بمطابق حکم الٰہی اسے جلانے کے لئے آگ میں ڈالا لیکن آگ نے نہ جلایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں کوئی خائن ہے جس نے مال غنیمت میں سے کچھ چرایا ہے۔ آپ علیہ السلام

1۔ یہ حدیث سورۂ طٰہٰ:40 کی تفسیر میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ:58

نے تمام قبائل کے سرداروں کو بلالیا جن کی تعداد بارہ تھی، ان سے بیعت لی۔ ان میں سے ایک سردار کا ہاتھ آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ خیانت کا مال تیرے پاس ہے، جاؤ لے کر آؤ۔ اس نے گائے کا سونے سے بنا ہوا سر پیش کیا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ رکھ دیا۔ اب آگ نے سارا مال غنیمت جلا ڈالا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ "فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ"، "اَرْبَعِيْنَ سَنَةً" کا عامل ہے اور بنی اسرائیل کا یہ گروہ چالیس سال تک بیت المقدس میں نہ داخل ہوسکا بلکہ میدان تیہ میں بھٹکتا رہا، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور اس طرح بیت المقدس فتح ہوا۔ اس کی دلیل ابن جریر کے نزدیک پہلے علماء اہل کتاب کا یہ اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا، اگر اس کا قتل واقعہ تیہ سے پہلے کا ہوتا تو بنو اسرائیل عمالقہ کے ساتھ جنگ کرنے سے اس طرح خوفزدہ نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ تیہ کے بعد ہوا۔ اس بات پر بھی ان پہلے علماء کا اتفاق ہے کہ بلعام بن باعورا نے حضرت موسیٰ کے لئے بددعا کر کے جابر قوم کی اعانت کی تھی، یہ واقعہ بھی تیہ کے بعد کا ہے کیونکہ وہ جابر قوم واقعہ تیہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم سے ڈرتی ہی نہ تھی۔ یہ ہے ابن جریر کا استدلال۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قدم بھی دس ہاتھ کا تھا اور آپ کی چھلانگ بھی دس ہاتھ پر محیط تھی۔ آپ نے اچھل کر عوج بن عنق کو اپنا عصا مارا، وہ اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جسم کو نیل پر رکھ کر پل بنا دیا گیا، سال بھر اہل نیل اس پر آتے جاتے رہے(1)۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ عوج کا تخت آٹھ سو ہاتھ کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد دس ہاتھ تھا اور عصا بھی دس ہاتھ۔ آپ اوپر فضا میں دس ہاتھ چھلانگ لگا لیتے۔ آپ نے عوج کو عصا مارا جو اس کے ٹخنے پر لگا تو وہ مر کر گر پڑا۔ اس کے جسم کو پل بنا لیا گیا جس پر لوگ گزرتے۔

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی ہے کہ ان کے متعلق جو فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اس پر آپ افسوس اور غم نہ کریں یہ اس عذاب کے مستحق ہیں۔ اس قصہ میں یہودیوں کے لئے لعن طعن اور زجر و توبیخ ہے اور ان کی رسوائیوں، برائیوں، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت، نافرمانی اور جہاد سے روگردانی کا بیان ہے، یہ ایسے نامرد اور کم ہمت تھے کہ دشمن کے خلاف ڈٹ جانے اور میدان جنگ میں ثابت قدمی اور جوانمردی کے جوہر دکھانے سے عاجز آ گئے حالانکہ اللہ کے رسول اور کلیم اس وقت ان میں موجود تھے اور آپ انہیں فتح وظفر کا وعدہ بھی دے رہے تھے، مزید برآں فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی اور تباہی کا منظر یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا اور فرعونیوں کو عبرتناک عذاب سے دوچار کیا۔ اس واقعہ کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے روگردانی کرنے لگے جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہ تھے۔ چنانچہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، ان کے کرتوت عیاں ہو گئے، ایسی رسوائی اور ذلت کا انہیں سامنا کرنا پڑا جسے نہ کوئی رات ڈھانپ سکتی ہے اور نہ کوئی پردہ چھپا سکتا ہے، مزید برآں وہ اپنی جہالت میں بھٹک رہے ہیں اور اپنی گمراہی میں سرگرداں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور اس کے دشمن ٹھہرے۔ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے در رحمت سے دھتکار دیا، ان کے چہروں کو مسخ کر کے انہیں خنزیر اور بندر بنا دیا، ان پر ایسی لعنت مسلط کر دی جو انہیں دہکتے ہوئے جہنم کے ابدی عذاب کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 186-185

نذر کر دے گی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لئے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی کہنے لگا ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان کر کے سرکشی، حسد اور ظلم کے انجام بد کو بیان فرما رہا ہے کہ کس طرح ایک بھائی نے دوسرے پر ظلم روا رکھا، سرکشی اور حسد کی آگ نے اسے اپنے سگے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اس کی اپنی قربانی تو بارگاہ خداوندی میں مسترد کر دی گئی لیکن اس کے بھائی کے نذرانہ عقیدت و عبودیت کو شرف قبول سے نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر جل بھن گیا اور اپنے بھائی کو قتل کرنے پر کمربستہ ہو گیا۔ مقتول کو تو جنت کی ابدی آرام گاہ مل گئی جب کہ قاتل دونوں جہانوں میں نامراد اور خائب و خاسر رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان سرکش، حاسد خنزیروں اور بندروں کے بھائی یہود وغیرہ کو آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل اور قابیل) کا قصہ ٹھیک ٹھیک اور بے کم و کاست سنائیں جس میں نہ کوئی شک وشبہ ہو، نہ جھوٹ نہ توہم، نہ تغیر و تبدل اور نہ کمی بیشی جیسا کہ فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ (آل عمران: 62)۔ ''بے شک یہی ہے واقعہ سچا'' اور فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ (الکہف: 13)۔ ''اے حبیب! ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک'' اور فرمایا: ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ (مریم: 34)۔ ''یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات''۔

ہابیل اور قابیل کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائی دور میں حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مشروع قرار دیا تھا کہ

وہ ضرورت کے پیش نظر اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کیا کریں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپ کے ہاں ہر ایک حمل سے لڑکا لڑکی دونوں ہوتے۔ آپ ایک حمل کے لڑکے کی شادی دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ ہابیل کی بہن خوبصورت نہیں تھی جبکہ قابیل کی بہن خوبصورت تھی۔ اس نے ارادہ کیا وہ اپنی جڑواں بہن کے ساتھ شادی کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے منع فرمایا۔ آخر طے یہ ہوا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ نذر پیش کریں جس کی نذر قبول کر لی گئی اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی نذر مقبول ہوئی اور قابیل کی نامنظور ہوئی۔ باقی ان کا قصہ وہی ہے جو قرآن کریم کی مذکور آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اس قصہ کے بارے میں مفسرین ؒ نے کچھ اقوال ذکر کئے ہیں وہ یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کے ساتھ لڑکی بھی ہوتی۔ وہ اس طرح کرتے کہ ایک حمل کے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاں دو بیٹے ہابیل اور قابیل پیدا ہوئے۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل جانور پالتا تھا۔ قابیل بڑا تھا اور اس کی بہن ہابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ہابیل نے قابیل کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا چاہا لیکن قابیل نے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ میری بہن ہے، میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور تیری بہن سے بھی زیادہ خوبصورت اس لئے اس کے ساتھ شادی کرنے کا مجھے زیادہ حق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے کہنے کے باوجود اس نے اپنی بہن ہابیل کے نکاح میں نہ دی۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کون اس لڑکی کے ساتھ شادی کا زیادہ حقدار ہے، ان دونوں نے بارگاہ خداوندی میں قربانی (خیرات) پیش کی۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت وہاں موجود نہیں تھے بلکہ آپ مکہ شریف دیکھنے کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں اس زمین پر میرے گھر کے بارے میں علم ہے؟ عرض کی: یا اللہ! نہیں۔ فرمایا: مکہ میں میرا گھر ہے وہاں جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے فرمایا کہ دیانتداری کے ساتھ میرے بچوں کی حفاظت کرنا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر آپ نے زمین سے فرمایا، اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر پہاڑوں سے کہا، انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ آخر اپنے بیٹے قابیل کو حکم دیا تو اس نے تعمیل کی حامی بھر لی اور اپنے والد ماجد سے کہا کہ آپ جائیں، واپس آئیں تو اپنے اہل کو آپ حسب خواہش حالت میں پائیں گے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام روانہ ہو گئے تو دونوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی۔ قابیل تو اتراتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کا میں زیادہ مستحق ہوں، یہ میری بہن ہے اور میں تجھ سے بڑا بھی ہوں اور والد محترم کا وصی بھی۔ چنانچہ ہابیل نے ایک موٹا تازہ جانور بطور نذرانہ عبودیت پیش کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی میں سٹوں کا ایک بنڈل پیش کیا جس میں اچھی اچھی بالیاں نکال کر اس نے کھالیں۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر کو کھا گئی جبکہ قابیل کی نذر کو ویسے ہی چھوڑ دیا (آگ کا کھانا اس دور میں قبولیت کی علامت تھا) چنانچہ قابیل غضبناک ہو گیا اور اپنے بھائی کو دھمکیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن کے ساتھ نکاح نہ کر سکے، ہابیل نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے، اللہ تعالیٰ تو پرہیزگاروں کی نذر قبول فرماتا ہے (1)۔

جڑواں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح ممنوع تھا جبکہ ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے مشروع تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں بہترین، خوبصورت، سینگوں والا مرغوب مینڈھا اللہ کے نام پر پیش کیا جبکہ قابیل نے اپنی کھیتی سے غلہ کا ردی ڈھیر نذر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی کو شرف

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 188-189

قبول بخشا اور اس جانور کو چالیس سال تک جنت میں رکھا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبح کیا تھا۔ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ ہابیل نے رضامندی کے ساتھ نہایت اچھا جانور پیش کیا تھا اور قابیل نے بادل نخواستہ نہایت ردی قسم کا غلہ نذر میں پیش کیا تھا۔ ہابیل زیادہ طاقتور اور توانا تھا لیکن خوفِ خدا اور گناہ کے ڈر سے اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے باز رہا(1)۔

اسماعیل بن رافع مدنی کہتے ہیں کہ ہابیل نے جو مینڈھا نذر میں پیش کیا تھا وہ ہابیل کو بہت محبوب تھا، شدید محبت کے باعث وہ اپنی کمر پر اٹھائے رکھتے۔ جب قربانی کا حکم ہوا تو اسے ہی پیش کر دیا، یہ مینڈھا جنت میں چرتا اور پلتا رہا یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اسے زمین پر اتارا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے ذبح کر دیا(1)۔

محمد بن علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں ہابیل اور قابیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ میری اولاد میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو نذرانہ عبودیت پیش کریں گے، اس لئے تم اپنی اپنی قربانی پیش کرو تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جب تمہاری قربانی مقبول ہو تو مجھے قرار نصیب ہو، ہابیل نے بہترین جانور پیش کیا جبکہ قابیل نے کھیتی کا کچھ ردی حصہ۔ حضرت آدم علیہ السلام دونوں کو اپنی اپنی نذر سمیت لیکر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں اپنی اپنی چیزیں رکھ دیں۔ آگ آئی، ہابیل کی نذر کو کھالیا جبکہ قابیل کی نذر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ بہت برافروختہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ کو تو ہابیل سے محبت ہے، اس کے حق میں آپ نے دعا کی اس لئے اس کی قربانی مقبول ہوگئی اور میری قربانی مسترد ہوگئی۔ پھر ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تمہیں ٹھکانے لگا دوں گا تاکہ تجھ سے چھٹکارا پاسکوں اس طرح وہ قتل کی دھمکی دینے لگا۔ ہوا یوں کہ ایک شام ہابیل اپنے جانوروں کے پاس ہی رکا رہا، گھر آنے میں دیر ہوگئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے پوچھا کہ تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا کہ وہ ہابیل کو بلا لائے۔ قابیل نے سوچا کہ آج بڑا سنہری موقعہ ہے، آج رات تو ضرور ہی میں ہابیل کا قصہ تمام کر دوں گا، یہ منصوبہ بنایا اور چھری لیکر نکل پڑا۔ رستہ میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی۔ قابیل کہنے لگا کہ اے ہابیل! تیری قربانی مقبول ہوئی اور میری قربانی نامنظور ہوئی، میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ میں نے تو عمدہ اور مرغوب چیز پیش کی تھی جبکہ تو نے ردی چیز اور اللہ تعالیٰ تو صرف عمدہ چیز ہی قبول فرماتا ہے اور وہ بھی متقین سے۔ یہ سن کر قابیل غضبناک ہوگیا اور چھری گھونپ دی۔ ہابیل کہنے لگا کہ تو خدا کو کیا جواب دے گا؟ تمہیں پتہ ہے کہ اس جرم کا اللہ تعالیٰ تمہیں کیسا بدلہ دے گا؟ لیکن اس نے ہابیل کی ایک نہ سنی اور اسے قتل کر ڈالا۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ قابیل نے اس بناء پر بھی اپنا استحقاق پیش کیا تھا کہ ہماری ولادت جنت میں ہوئی اور ان (ہابیل اور اس کی بہن) کی زمین پر ہوئی(2)۔

اس وقت چونکہ کوئی مسکین نہ تھا جسے صدقہ دیا جاتا اس لئے اس وقت یہ دستور تھا کہ جس آدمی کی نذر اور قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی، آسمان سے آگ اتر کر اسے جلا ڈالتی، یہ قبولیت کی علامت تھی، اور جس آدمی پر اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو اس کی نذر کو آگ نہ جلاتی بلکہ وہ جوں کی توں رہتی اور آگ اس پر بھسم ہو جاتی۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی تو ایسا ہی ہوا۔ آگ آسمان سے اتری، ایک کی قربانی کو جلا دیا اور دوسری کو باقی رکھا۔ قابیل اپنے بھائی سے کہنے لگا: یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں تو یہ کہیں کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 186-187　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 188

اس کی قربانی مقبول ہوئی اور میری قربانی مسترد ہوئی، قسم بخدا! یہ نہیں ہوسکتا کہ لوگ تمہیں مجھ سے بہتر سمجھیں، اس لئے میں ضرور تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا تو اس کے بھائی نے اسے کہا کہ بھلا، میرا کیا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ تو صرف پرہیزگاروں کی نذر قبول فرماتا ہے۔ یہ اثر ابن جریر نے روایت کیا ہے(1)۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نذر اور قربانی نکاح کے تنازع کو ختم کرنے یا کسی اور سبب کے باعث نہ تھی جس طرح ایک جماعت کا موقف ہے اور الفاظ قرآن کے ظاہری مفہوم کا تقاضا بھی ہے لیکن آیت کریمہ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ قابیل کے حسد اور غضب کی اصل وجہ قربانی کی عدم قبولیت تھی نہ کہ کچھ اور۔ پھر مشہور یہی ہے کہ ہابیل نے جانور کی اور قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نذر پیش کی تھی، کچھ لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں لیکن یہ خلاف مشہور ہے، ممکن ہے راوی کو کچھ فرق لگ گیا ہو۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو اپنے عمل میں اللہ سے ڈرتے ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز ہی قبول فرمائی ہے تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

میمون بن ابی حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابی وائل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے پاس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک ابوعفیف نامی شخص آ گیا، شقیق بن سلمہ نے اسے کہا: اے ابوعفیف! کیا معاذ بن جبل کی کوئی بات ہمیں نہیں سناؤ گے؟ اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں، میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: لوگ (قیامت کے دن) ایک بڑے میدان میں جمع ہوں گے، ایک منادی ندا دے گا کہ متقین کہاں ہیں؟ پس متقین اللہ تعالیٰ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے نہ اللہ تعالیٰ ان سے حجاب فرمائے گا اور نہ پردہ۔ میں نے ابوعفیف سے پوچھا کہ متقین کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو شرک اور اصنام پرستی سے باز رہے اور خالص اللہ کی عبادت کرتے رہے، انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ ...... وہ صالح بھائی جس کی قربانی مقبول ہوئی اسے جب اس کے بھائی نے ناحق قتل کی دھمکی دی تو اس نے اپنے تقویٰ اور پارسائی کے موجب یہ بات کہی یعنی اے میرے بھائی! میں تمہاری طرح فعل بد کا ارتکاب نہیں کروں گا ورنہ ہم دونوں ایک جیسے خطا کار ٹھہریں گے، مجھے تو اپنے رب سے ڈر لگتا ہے کہ میں بھی تمہاری طرح برائی سے ملوث ہو جاؤں، بلکہ میں تو خالص رضائے الٰہی کے لئے صبر کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ (ہابیل) زیادہ طاقتور تھا لیکن تقویٰ نے اسے اس گناہ سے باز رکھا۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لیکر آمنے سامنے (لڑائی کے لئے) آ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! اس قاتل کا دوزخی ہونا تو قابل فہم ہے لیکن اس مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: "وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا"(2)۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب فتنہ برپا ہوگا جس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، کسی نے پوچھا حضور! اگر کوئی میرے گھر میں گھس کر مجھے قتل کرنا

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 187

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9، صفحہ 64، صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 8، صفحہ 169

چاہے تو؟ فرمایا: پھر آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا"(1)۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ آیت کی تلاوت بھی فرمائی(2)۔

حضرت ابوایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اس امت میں سے جس شخص نے اس آیت پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا، مجھے فرمانے لگے: اے ابوذر! بتاؤ، اگر لوگ بھوک اور فاقے کا شکار ہو جائیں اور (بھوک کے باعث صورتحال یہ ہو) کہ تو اپنے بستر سے اٹھ کر مسجد میں بھی نہ آسکے تو تو کیا کرے گا؟" عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا (بلکہ صبر کرنا)، پھر آپ ﷺ نے پوچھا! اے ابوذر! بتاؤ، اگر لوگوں کو شدید موت سے دوچار ہونا پڑے جس میں گھر ہی قبر بن جائے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس وقت صبر کرنا۔" پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اے ابوذر!" بتاؤ، اگر لوگوں میں اس قدر خونریزی ہو کہ پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تم کیا کرو گے؟" عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہے۔ فرمایا: "اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے گھر میں ہی بیٹھے رہنا۔" میں نے عرض کی کہ اگر مجھے پھر بھی نہ چھوڑا جائے تو؟ فرمایا: تو ان کے پاس چلے جانا جن میں سے ہے اور انہی میں سے ہو جانا۔" میں نے عرض کی: اگر میں اپنا اسلحہ لیکر نکل پڑوں تو؟ فرمایا: "تب تو بھی ان کے ساتھ شریک جرم ہو جائے گا بلکہ اگر کسی کی تلوار کی شعاعیں تمہیں خوفزدہ کریں تو بھی اپنی چادر اپنے چہرہ پر اوڑھ لے تاکہ وہ اپنے اور تمہارے گناہ (کے بوجھ) کو اٹھالے"(3)۔

حضرت ربعی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شریک تھے، میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ان (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) سے یہ بھری محفل میں سنا ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: "اگر تم آپس میں لڑائی کرو گے تو خدا کی قسم! میں اپنے سب سے دور دراز گھر کو دیکھ رہا ہوں، میں اس میں داخل ہو جاؤں گا، اگر وہاں کوئی (شرپسند) آگھسے تو میں اسے کہوں گا کہ میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح بن جاؤں گا"(4)۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے قتل کا گناہ اور تیرے وہ گناہ جو تجھ سے پہلے سرزد ہوئے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے گناہوں کا بھی تو ہی سزاوار ہو جائے اور ان کا بوجھ اٹھالے اور میرے قتل کے گناہ کا بھی۔ یہ قول مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے یہ غلط ہے کیونکہ صحیح روایت جو ان سے منقول ہے وہ اس کے برعکس ہے(5)۔ یہ بھی اسی معنی کے قائل ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔

بہر کیف آپ رحمتہ اللہ علیہ سے یہ معنی بھی منقول ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میری خطاؤں اور میرے خون ناحق کا گناہ تو اپنے سر لے لے۔ اس بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے تمام گناہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں، حدیث یہ ہے: "قاتل مقتول کا کوئی گناہ نہیں چھوڑتا (یعنی اپنے سر لے لیتا ہے)"

حافظ ابوبکر بزار نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 185　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 99　　3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 149

4۔ یہ حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے　　5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 193

''کسی کو باندھ کر ناحق قتل کرنا اس کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے''(1)۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے اگر صحیح ہو بھی تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قتل کی تکلیف کے باعث مقتول کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ مقتول کے گناہوں کا بوجھ قاتل کے سر پر لاد دیا جاتا ہے یہ درست نہیں۔ ممکن ہے بعض قاتلوں کے بارے میں ایسا اتفاق ہو جائے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو مقتول قاتل سے اپنے خون ناحق کے بدلہ کا مطالبہ کرے گا تو بدلہ میں قاتل کی نیکیاں مقتول کو دے دی جائیں گی، بقدر زیادتی وظلم نیکیاں مقتول کو مل جائیں گے۔ اگر اس کی نیکیاں ظلم کی تلافی نہ کر سکیں اور ختم ہو گئیں تو مقتول کے گناہ لیکر قاتل پر ڈال دیئے جائیں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ مقتول کے سارے گناہ قاتل کے سر پڑ جائیں۔ حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مظالم میں ایسا کیا جائے گا اور قتل تو سب سے بڑا اور گھناؤنا جرم ہے۔

امام ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ سب لے جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تیرے ذمہ لگ جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دے گا، جب معاملہ یہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مقتول کے تمام گناہ قاتل کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں بلکہ قاتل سے خون ناحق اور ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا جن کا ارتکاب خود اس نے کیا۔ مقتول کے گناہوں کا وہ ذمہ دار نہیں ہوگا(2)۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر ہابیل نے اپنے بھائی سے یہ بات کیونکر کہی کہ تجھ پر میرے قتل اور گناہ کا بوجھ ہوگا حالانکہ قتل تو حرام تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہابیل نے یہ بتا دیا کہ اگر اس کے بھائی نے اس پر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے قتل کرنے کے درپے ہوا تو وہ جواباً اسے قتل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ اپنا ہاتھ روکے رکھے گا تاکہ اگر زیادتی ہو تو اس کے بھائی کی طرف سے ہو اس کی طرف سے نہ ہو۔ اس کلام میں قابیل کے لئے نصیحت ہے۔ ہابیل نے اسے کافی سمجھایا کہ اس فعل بد سے باز رہنا ورنہ میرے اور اپنے گناہ کا بوجھ اپنے سر لو گے اور دوزخی بن جاؤ گے، لیکن اس تنبیہ سے بھی وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا، اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا، اپنے بھائی کے قتل کو خوشنما صورت میں پیش کیا اور اسے قتل پر آمادہ کر دیا، چنانچہ باوجود پندوموعظت اور زجروتوبیخ کے اس نے لوہا لیکر اپنے بھائی کا کام تمام کر دیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ہابیل قتل کی دھمکی کے بعد اپنی بکریاں لیکر پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے تھے۔ قابیل ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں جا پہنچا۔ ایک بڑا پتھر اٹھایا اور ہابیل کے سر پر دے مارا، اس طرح وہ مر گئے اور ان کی لاش کو کھلے میدان میں چھوڑ دیا(3)۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ قابیل نے گلا دبا کر اور درندوں کی طرح کاٹ کاٹ کر انہیں موت کی نیند سلایا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب قابیل نے قتل کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی کی گردن مروڑنے لگا، شیطان نے دیکھا کہ اسے تو قتل کرنے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ چنانچہ اس نے ڈھنگ سکھانے کے لئے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ دیا، پھر ایک اور پتھر لیکر اس کے سر پر ضربیں لگانے لگا یہاں تک کہ اس جانور کو مار ڈالا۔ قابیل نے یہ دیکھا تو اسی طریقہ کو اپنا کر اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ قابیل نے قتل کے ارادے سے اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور زمین پر گرا کر کبھی اس کو طمانچے مارتا اور کبھی گھونسے اور کبھی سر کو پیٹتا۔ اسے قتل کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ یہ پتھر لیکر اس کے سر پر مارو۔ چنانچہ قابیل نے ایسا ہی کیا اور اپنے بھائی کا سر پتھر مار کر کچل دیا۔ پھر ابلیس تیزی سے حضرت حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے حواء! قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا ہے۔ تو وہ کہنے لگیں: قتل کیا ہوتا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ وہ نہ کھاتا پیتا ہے اور نہ ہی کوئی حرکت کرتا ہے، تو حضرت حواء کہنے لگیں کہ یہ تو موت ہے، ابلیس نے کہا ہاں واقعی موت

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 214 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 193 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 195

ہے، پھر وہ چیخنے چلانے لگیں، اسی اثناء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی آ گئے، حضرت حواء سے فرمانے لگے کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ لیکن وہ جواب نہ دے سکیں، دوبارہ پھر وجہ پوچھی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ تو اور تیری بیٹیاں اسی طرح چیختی چلاتی رہیں گی، میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ قابیل دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والا ہو گیا اور اس سے بڑا خسارہ کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو انسان ظلم کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون (ناحق) کا بوجھ آدم (علیہ السلام) کے اس پہلے بیٹے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اسی نے پہلے قتل کو رواج دیا''(1)۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس دن سے قاتل کے ایک پاؤں کی پنڈلی کو ران کے ساتھ لٹکا دیا گیا، اور اس کا چہرہ سورج کے سامنے کر دیا گیا، سورج کے گھومنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی گھومتا رہتا ہے، موسم گرما میں سخت گرمی اور سرما میں برف کا عذاب اسے ملتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قاتل (قابیل) جہنمیوں کے ساتھ آگ کے عذاب میں برابر کا شریک ہے، جہنم کا آدھا عذاب اس کو ہو رہا ہے، سب سے زیادہ بدبخت یہی ہے کیونکہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ اپنے بھائی کے قتل سے لیکر قیامت تک جو خون بہتا رہے گا اس میں سے بھی اسے گناہ کا حصہ ملتا رہے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی نے قتل کا طریقہ رائج کیا(2)۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو بھی آدمی ناحق قتل کیا جاتا ہے اس کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے (قاتل) بیٹے اور شیطان کے ذمہ ہوتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا...... جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا تو چونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جو بھائی بھائی تھے، وہ دونوں لڑنے لگے، ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر اس نے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں لاش رکھی اور اس پر مٹی ڈال دی۔ جب قابیل نے یہ دیکھا تو کہنے لگا: ہائے افسوس! میں تو اس کوے جیسا ہونے سے بھی قاصر رہا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ اس طرح دفن کرنے کی ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ ایک کوا ایک دوسرے از خود مرے ہوئے کوے کی طرف آیا اور اس پر مٹی ڈال کر اسے چھپا دیا۔ یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سال تک اپنے بھائی کی لاش کو اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جن سے اس نے دفن کرنے کا طریقہ سیکھا۔ اس طریقہ کو بروئے کار لا کر اس نے اپنے بھائی کو دفن کر دیا(3)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک سو سال تک اپنے بھائی کی میت کو کندھے پر اٹھائے سرگرداں رہا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کرے، کبھی لاش کو اٹھاتا اور کبھی زمین پر رکھ دیتا یہاں تک کہ دیکھا کہ ایک کوا دوسرے کو دفن کر رہا ہے۔ سو اس نے بھی ایسا ہی کیا اور کف افسوس ملنے لگا(4)۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ جب وہ قتل کر بیٹھا تو بہت نادم ہوا، اپنے بھائی کی لاش کو اپنی گود میں رکھ لیا، پرندے اور درندے انتظار کرنے لگے کہ کب یہ اس لاش کو پھینکتا ہے تاکہ وہ اسے کھائیں(5)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب اس نے قتل کیا تو بہت شرمندہ ہوا اور اس کی لاش کو چھپانے کی کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روئے زمین پر یہ پہلا قتل تھا اور یہ پہلی میت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کوا بھیج کر دفن کا طریقہ سمجھایا۔ اہل تورات کا گمان ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے قابیل سے پوچھا کہ تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا:

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 383، فتح الباری کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 364 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 193 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 198 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197

مجھے نہیں معلوم، میں کوئی اس کا نگہبان تھوڑا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے بھائی کا خون مجھے زمین میں سے پکار رہا ہے، اس زمین کے باعث تجھ پر میری لعنت ہے جس زمین کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بھائی کا خون پلایا۔ اب تو اگر زمین میں محنت کرے گا بھی تو بھی یہ تمہیں اس وقت تک اپنی کھیتی نہیں دے گی جب تک کہ تو زمین میں سرگرداں بھٹکتا نہ پھرے۔

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خسارہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر ندامت مسلط کر دی۔

یہ ہیں اس قصہ کے بارے میں مفسرین کے اقوال۔ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے اور اس حدیث شریف سے بھی کہ روئے زمین پر جو ناحق قتل ہوتا ہے اس کے گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر بھی ڈال دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے یہ طریقہ رائج کیا۔ یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے۔ لیکن ابن جریر حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ دونوں آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے نہیں تھے بلکہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے، قربانی اول اول انہی سے شروع ہوئی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا(1)۔ یہ قول بہت عجیب وغریب ہے اور اس کی سند میں بھی شبہ ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ اس امت کے لئے بطور مثال کے بیان ہوا ہے، ان میں سے بہتر کی تقلید کرو(2)۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بھی یہی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آدم علیہ السلام کے فرزندوں کی مثال بیان فرمائی ہے، تم ان سے خیر کو لے لو اور شر کو ترک کر دو۔ سالم بن ابی الجعد کا کہنا ہے کہ جب ایک نے اپنے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک غمزدہ رہے، اس دوران بالکل نہیں ہنسے، آخر کار فرشتوں نے ان کے لئے ہنسی کی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہنسائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس قتل پر حضرت آدم علیہ السلام بہت روئے اور آپ نے چند شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

شہر اور شہروں کی سب چیزیں بدل گئیں، زمین کا رنگ مٹیالا اور بدصورت ہو گیا، ہر چیز کا رنگ اور ذائقہ متغیر ہو گیا اور خوبصورت چہروں کی شگفتگی اور بشاشت جاتی رہی۔

اس پر آپ کو یہ جواب دیا گیا:

اے ہابیل کے والد ماجد! دونوں چل بسے، اس زندہ نے بھی اس مردہ کی راہ لی، اس نے شر کا ارتکاب کیا جس کے باعث وہ چیخنے چلانے اور ندامت کا اظہار کرنے لگا(3)۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قابیل بھی جلد اپنے انجام کو پہنچا اور اس نے اپنی سزا پالی۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران کے ساتھ لٹکا دی گئی اور چہرہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی گھومتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "دنیا میں جتنے بھی گناہ اس لائق ہیں کہ انہیں اُخروی عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی جلد سزا دی جائے ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے" (4)۔ قابیل میں تو یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 189
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 199
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 190، الامالی الشجریۃ، جلد 1، صفحہ 383
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 276

الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْۤا اَوْ يُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

''اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن) کر قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیے جائیں یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم قابو پالو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس بناء پر کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے ناحق اپنے بھائی کا خون کیا تھا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لاگو کر دیا اور ان پر یہ لکھ دیا کہ جس شخص نے کسی شخص کو بغیر کسی سبب کے قتل کر ڈالا، یعنی وہ (مقتول) قتل کا مرتکب نہیں ہوا تھا کہ قصاص میں اسے دھر لیا جاتا اور نہ ہی زمین میں اس نے فساد برپا کرنے کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، یعنی بغیر کسی سبب اور جرم کے جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا کیونکہ ساری مخلوق یکساں ہے اور جس نے قتل کو حرام جان کر کسی جان کو بچا لیا تو گویا اس اعتبار سے (کہ سب لوگ یکساں ہیں) سارے لوگ محفوظ ہو گئے، اسی لئے فرمایا: فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو میں ان کے پاس گیا۔ میں نے انہیں کہا کہ اے امیر المؤمنین! میں (باغیوں کے خلاف) آپ کی مدد کرنے کے لئے آیا ہوں، اب انہیں مارنا تو ضروری ہو گیا ہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ مجھ سمیت تمام لوگوں کو قتل کر ڈالو؟ میں نے عرض کی: نہیں نہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے ایک بھی آدمی کو قتل کر دیا تو گویا تم نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ اس لئے واپس چلے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے اور گناہ سے محفوظ رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں واپس لوٹ گیا اور لڑائی میں حصہ نہ لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ کسی نفس کے احیاء کا یہ مطلب ہے کہ انسان کسی ایسے

دوسرے انسان کو قتل نہ کرے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ تو یہ ہے وہ شخص جس نے سب انسانوں کو بچالیا، یعنی ایک ناحق خون کو بچانے کے باعث گویا سب لوگ زندگی پا گئے اور محفوظ ہو گئے (1)۔ اور جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کا قتل حرام تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس نے کسی نبی یا عادل مسلمان امام کو قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا خون کیا اور جس نے کسی نبی یا عادل امام کے ہاتھ مضبوط کئے گویا اس نے پوری انسانیت کو محفوظ کر دیا (2)۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا اس نے سب کو قتل کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ناحق قتل کرنے والا جہنمی ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے تمام لوگوں کو مار ڈالا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا تو وہ جہنمی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، مزید برآں اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو بھی اس سے زیادہ عذاب اسے نہ ملتا۔ اور جو آدمی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا تو گویا اس سے تمام لوگوں کی زندگی محفوظ ہو گئی۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ جس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اس پر قصاص واجب ہے خواہ ایک کو قتل کرے یا زیادہ ہوں، کوئی فرق نہیں۔ اور اگر ولی قاتل کو معاف کر دے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا۔ ایک روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس نے ڈوبنے، جلنے یا ہلاکت سے کسی جان کو بچالیا تو گویا اس نے سب کو بچالیا۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قتل کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ بہت عظیم اور غیر معمولی معاملہ ہے، قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور کسی جان کو بچالینا عظیم اجر کا موجب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل کی طرح ہم بھی اس حکم کے مکلّف ہیں؟ فرمایا: ہاں، معبود برحق کی قسم! بنی اسرائیل کے خون اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے خونوں سے کوئی زیادہ معزز اور محترم تو نہ تھے۔ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا سب لوگوں کے قتل کا بوجھ اور گناہ اس نے اپنے ذمہ لیا اور جس نے ایک آدمی کی جان بچائی گویا وہ سب لوگوں کو محفوظ رکھنے کے اجر کا مستحق ٹھہرا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ایسی چیز کی طرف میری رہنمائی فرمائیے جس کے باعث میں پرسکون زندگی گزار سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حمزہ! کسی جان کو مار ڈالنا تمہیں محبوب ہے یا بچالینا؟'' عرض کی کہ کسی نفس کا بچالینا مجھے محبوب ہے، فرمایا: ''اپنی فکر اور اصلاح کرو'' (3)۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ...... ان کے پاس ہمارے رسول ﷺ دلائل و براہین اور روشن معجزات لیکر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ زیادتی سے باز نہ آئے۔ اس آیت میں یہود کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جا رہی ہے کہ باوجود علم کے وہ محارم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مدینہ میں رہنے والے یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کو ہی دیکھ لیجئے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں لڑتے پھر جب میدان جنگ ٹھنڈا ہو جاتا اور جنگ ختم ہو جاتی تو قیدیوں کو فدیہ دیکر چھڑا لیتے اور مقتول کی دیت ادا کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 200 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 175

وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿ (البقرہ:85-84)'' اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے، پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم وہی ہونا (جنہوں نے یہ وعدے کئے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا۔ تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا۔ (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو''۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ...... ''مُحَارَبَة'' کا مطلب ہے مخالفت کرنا اور برعکس کام کرنا۔ اس کا اطلاق کفر، راہزنی، بدامنی پیدا کرنا اور زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانا اور اس جیسی شر کی تمام انواع پر ہوتا ہے۔ بعض سلف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ درہم اور دینار (نقدی) کو توڑنا یہ بھی فَسَادٌ فِی الْاَرْضِ کے زمرے میں آتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿ (البقرہ:205)'' اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر ان مشرکین میں سے کوئی مسلمانوں کے اس پر قابو پا لینے سے پہلے پہلے فساد سے توبہ کر لے تو پھر اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی لیکن اگر کوئی مسلمان ان قبائح کا ارتکاب کرے، یعنی اگر قتل کرے یا زمین میں فساد برپا کرے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرے پھر گرفتار ہونے سے پہلے مشرکین کے ساتھ جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کچھ اہل کتاب اور نبی کریم ﷺ کے مابین معاہدہ ہوا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور فساد پھیلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر ڈالیں اور اگر چاہیں تو مختلف اطراف سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں(2)۔ حضرت سعد رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حروریہ (خوارج) کے بارے میں اتری۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، جو بھی ان چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اس حکم میں شامل ہیں خواہ وہ مشرکین ہوں یا اور کوئی۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر کاربند رہنے کی آپ ﷺ سے بیعت کی، انہیں مدینہ کی فضا راس نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے، اس کی شکایت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ جا کر اونٹوں کا دودھ اور پیشاب نہیں پیو گے؟'' انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت مند ہو گئے۔ لیکن ان ظالموں نے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹ بھگا کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 206، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 132 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 206

اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے بھیجا۔ چنانچہ وہ پکڑ لئے گئے۔ انہیں گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور پھر آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں پھر دھوپ میں پھینک دیا گیا جہاں وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے(1)۔ صحیحین دونوں کی روایت میں آتا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ عکل کے ساتھ تھا یا عرینہ کے ساتھ۔ ان کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ ان لوگوں کو میدان میں پھینک دیا گیا تو یہ پانی مانگنے لگے لیکن انہیں پانی نہ دیا گیا اور نہ ہی ان کے زخم داغے گئے۔ یہ وہ بدبخت تھے جنہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان لانے کے بعد مرتد بھی ہو گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس لئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم دیا تھا کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں۔ مدینہ کی آب وہوا اس وقت اچھی نہ تھی۔ برسام کی بیماری تھی۔ اس وقت حضور ﷺ کے پاس تقریباً بیس انصاری شاہسوار تھے۔ جنہیں آپ ﷺ نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا اور ان کے ساتھ ایک قیافہ شناس کھوجی بھی روانہ کیا جو قدموں کے نشانات دیکھ کر رہنمائی کرتا(2)۔

یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابوداؤد، ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جو پیاس کی شدت کے باعث زمین کاٹ کھا رہا تھا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے بیان کرنے پر ندامت ہوئی جو حجاج نے مجھ سے پوچھی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ سخت سزا کس کو دی؟ تو میں نے اسے یہی واقعہ سنایا۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ پیلے پڑ گئے اور پیٹ پھول گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حجاج جب منبر پر بیٹھتا تو اس حدیث کو بیان کر کے کہتا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس ظالم قوم کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے پھر انہیں دہکتی ہوئی زمین پر پھینک دیا جہاں وہ مر گئے۔ حجاج اپنے مظالم اور زیادتیوں پر اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ سات افراد تھے چار قبیلہ عکل سے اور تین عرینہ سے۔ ان کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے راستے بند کر دیئے تھے اور اس کے علاوہ انہوں نے زنا کا بھی ارتکاب کیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جب آئے تھے تو بھوکے ننگے اور بیمار ہو گئے تو حضور ﷺ نے ان کے اصلاح احوال کا حکم دیا۔ جب یہ صحت مند اور توانا ہو گئے تو انہوں نے اپنے وطن واپس جاتے ہوئے چرواہوں کو قتل کر دیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے پیچھے بھیجا۔ یہ اپنے وطن کے پاس پہنچنے ہی والے تھے کہ ہم نے انہیں جالیا۔ ہم انہیں لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں، وہ پانی پانی پکارتے تھے لیکن آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تمہارے لئے آگ ہے، اسی حالت میں وہ مر گئے۔ ان کی آنکھوں میں

1۔ صحیح بخاری، جلد 9، صفحہ 12، صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 102

2۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12، صفحہ 230، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، صفحہ 1296-1298

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود جلد 4، صفحہ 130، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 94-95، سنن نسائی، کتاب تحریم الدم جلد 7، صفحہ 93-107

سلائیاں پھیرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو مذکورہ آیت اتری(1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں ایک شخص ربذی ضعیف ہے لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ گرفتار کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس گروہ کے سردار حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ تھے اور جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اس لشکر میں انصار سے تعلق رکھنے والے بیس شاہسوار تھے۔ لیکن یہ قول کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو اس وقت مذکورہ آیت اتری، یہ قول منکر ہے حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں گزر چکا ہے کہ چونکہ انہوں نے ایسا کیا تھا اس لئے اس کے بدلے اور قصاص میں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جو کمزوری کے باعث مرا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے انہوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت مند ہو گئے۔ پھر یہی اونٹ چرا کر چلتے بنے۔ انہیں واپس لایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں، ان کے بارے میں یہ آیت محاربہ اتری، اس کے بعد حضور ﷺ نے آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے والی سزا ترک کر دی۔ سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک یسار رضی اللہ عنہ نامی غلام تھا۔ چونکہ یہ نماز بڑے اچھے طریقے سے پڑھتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اونٹوں کی نگرانی کرنے کے لئے بھیج دیا، عرینہ کے کچھ لوگ آئے اور اسلام کا اظہار کیا، ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں یسار کی طرف روانہ کر دیا۔ اونٹوں کا دودھ پینے کے باعث ان کے پیٹ درست ہو گئے۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو ذبح کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں کانٹا چبھو دیا اور اونٹ لیکر فرار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں گھوڑ سوار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ ان کے پیچھے روانہ کیا، یہ انہیں پکڑ کر لے آئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں لگائی گئیں(2)۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ اس حدیث میں عرنیین کا قصہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اس روایت کے تمام طرق کو جمع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ عبدالکریم سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان محاربین والی روایت بیان کی کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ ہم اسلام پر کاربند رہنے کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، یہ جھوٹے لوگ تھے، اسلام لانا ان کا مقصود نہ تھا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہمیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہ اونٹ صبح و شام تمہارے پاس آتے ہیں ان کا پیشاب اور دودھ پیو۔ وہ اس پر عمل کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ایک فریادی آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ انہوں نے راعی کو قتل کر دیا ہے اور اونٹ چرا کر لے گئے ہیں تو حضور ﷺ کے حکم سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اے اللہ کے شاہسوارو! سوار ہو جاؤ اور انہیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ جلدی جلدی صحابہ رضی اللہ عنہم تیار ہوئے۔ جو تیار ہوتا وہ دوسرے کا انتظار کئے بغیر نکل پڑتا۔ حضور ﷺ بذات خود ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ تلاش کرتے کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت انہیں جا لیا جب وہ جائے امن تک پہنچنے والے تھے۔ ان میں سے جو گرفتار ہوئے انہیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں دیار اسلام سے نکال باہر کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں قتل کروا دیا، سولی پر چڑھا دیا، ہاتھ پاؤں کاٹے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیریں۔ آپ ﷺ نے نہ اس سے پہلے کسی کا مُثلہ (اعضاء بدن کاٹنا) کیا اور نہ بعد میں۔ بلکہ مثلہ سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''وَلَا تَمَثَّلُوْا بِشَيْءٍ'' (کسی چیز کا بھی مثلہ نہ کرو)۔ ایک

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207　　2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 7، صفحہ 7، الاصابۃ، جلد 6، صفحہ 351

روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ انہیں قتل کرنے کے بعد جلا دیا گیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا تعلق بنوسلیم کے ساتھ تھا۔ اس قبیلہ کے ساتھ عرینہ کا تعلق ہے(1)۔

ان عرنیین کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم منسوخ ہے یا محکم؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہے اور اس میں آپ ﷺ کو عتاب ہے جس طرح اس آیت میں ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ:43)۔ ''درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی''۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مثلہ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن یہ بات ذرا محل نظر ہے، پھر اس کے قائل سے یہ سوال بھی ہے کہ ناسخ کی منسوخ سے تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حدود کی تعیین سے قبل کا ہے لیکن یہ قول درست نہیں لگتا کیونکہ یہ قصہ حدود کے تعین کے بعد ہوا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں انہوں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام قبول کیا اس لئے ان کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر ہونے سے قبل حدود اسلام مقرر ہو چکی تھیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری نہ تھیں بلکہ صرف اس کا عزم کیا تھا لیکن پھر قرآن کریم کی یہ آیات اتر آئیں جن میں ان محاربین کے حکم سے آگاہ کر دیا گیا۔ یہ قول بھی درست نہیں ہے کیونکہ صحیحین کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے لیث بن سعد سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائی تھیں اور انہیں (ان کے زخم) داغے بغیر چھوڑ دیا گیا تو وہ کہنے لگے کہ میں نے محمد بن عجلان سے سنا ہے کہ مذکورہ آیت میں حضور ﷺ کو عتاب ہوا اور سزا کا طریقہ اور نوعیت بتا دی گئی اور اس کے بعد آنکھوں میں سلائیاں پھیرنے والی سزا آپ ﷺ نے کسی کو نہ دی، اس قول کا ذکر امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی عتاب نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو سزا انہیں ملی یہ ان کے ساتھ خاص تھی۔ اب ان کے علاوہ جو ان جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کا حکم اس مذکورہ آیت کریمہ میں بیان فرما دیا اس میں سلاخیں پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا(2)۔

اسی آیت کو دلیل بنا کر جمہور علماء کہتے ہیں کہ رستوں کو بند کر کے لڑنے اور شہروں کے اندر لڑنے کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا امام مالک، اوزاعی، لیث بن سعد، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی کو دھوکے سے اپنے گھر بلا کر قتل کر ڈالتا ہے اور اس کے تمام مال و اسباب جو اس کے پاس ہے پر قبضہ کر لیتا ہے تو ایسا شخص بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے، اس کا فیصلہ حاکم وقت کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیاء بلکہ اگر وہ اولیاء قاتل کو معاف بھی کر دیں تو بھی معاف نہیں ہوگا اور نہ ان کی معافی کا کوئی اعتبار کیا جائے گا کیونکہ یہ جرم سلطنت کے خلاف ہے جس میں فریق ثانی حکومت ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ محاربہ یہ ہے کہ کوئی شہر سے باہر رستوں کو بند کر کے فساد برپا کر دے۔ شہروں کے اندر کوئی ایسا کرے تو اس پر محاربہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہروں کے اندر تو امداد پہنچانا اور فریاد رسی کرنا ممکن ہوتا ہے، لیکن شہر سے باہر رستوں میں فریاد رسی اور امداد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا...... اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں پر اسلحہ لہرائے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207 2۔ التوبہ: 43۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 209

رستوں میں خوف و ہراس پھیلائے، جب یہ امام وقت کے ہتھے چڑھ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اسے قتل کی سزا دے، یا سولی کی اور چاہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا فیصلہ دیدے۔ تینوں سزاؤں میں اسے اختیار ہے(1)۔ سعید بن مسیّب، حسن بصری، مجاہد، عطاء ،ضحاک اور ابراہیم نخعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''اَوْ'' تخییر کے لئے ہے، اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں ''اَوْ'' اختیار کے لئے آیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: جزائے صید کے متعلق فرمایا: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا (المائدہ:95) '' تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے، وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے''۔ فدیہ کے کفارہ میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ (البقرہ:196) ''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ دے دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے''۔

اسی طرح کفارۂ یمین کے متعلق فرمایا: اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ:89) '' کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام''۔

جمہور کہتے ہیں کہ یہ آیت متعدد احوال پر مشتمل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ڈاکوؤں اور راہزنوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ قتل اور ڈاکہ زنی دونوں کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا قتل اور سولی ہوگی۔ اگر وہ صرف قتل کریں، مال نہ لوٹیں تو انہیں صرف قتل کیا جائے، سولی کی سزا نہ ہوگی، اگر صرف مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر وہ رستہ کو پرخطر بنا دیں اور لوگوں کو ہراساں کریں لیکن مال نہ لوٹیں تو انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا(2)۔ بہت سے سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ کیا اسے زندہ ہی سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور اسی طرح بھوکا پیاسا چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ اپنی موت آپ مر جائے یا دوسرے فسادیوں کی عبرت کے لئے اسے نیزہ وغیرہ سے قتل کرنے کے بعد سولی چڑھایا جائے گا اور کیا تین دن تک اسے سولی پر لٹکنے دیا جائے پھر اتار لیا جائے یا اسی طرح چھوڑ دیا جائے؟ ان سب باتوں میں اختلاف ہے جن کی تفصیلات کا یہ مقام نہیں، البتہ ایک حدیث میں قدرے تفصیل ہے اگر اس کی سند صحیح ہو تو۔ وہ یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی وضاحت پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ بھیجا کہ یہ آیت عرنیین کے متعلق اتری جو مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے قتل کا ارتکاب کیا، اونٹ چرا کر لے گئے اور زنا کے مرتکب ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین سے ان محاربین کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جس نے مال چرایا ہے اور رستہ کو پرخطر بنایا ہے، چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹ دیں اور خوف و ہراس پھیلانے کے باعث اس کی ٹانگ کاٹ دیں، جو قتل کا مرتکب ہوا اسے قتل کر دیں۔ جو قتل، خوف و ہراس پھیلانے اور زنا کا مرتکب ہوا ہے اس کو سولی پر لٹکا دیں(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 214 2۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 2، صفحہ 86 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 208-216

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دار اسلام سے بھاگ کر کہیں اور چلے جائیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ، ضحاک رحمتہ اللہ علیہ، ربیع رحمتہ اللہ علیہ، زہری رحمتہ اللہ علیہ اور مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جلا وطن کر دیا جائے یا حاکم یا اس کا نائب اس کے معاملہ سے بالکل لاتعلق ہو کر اسے نکال دے۔ شعبی کہتے ہیں کہ اسے بالکل نکال باہر کیا جائے، عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اسے دار اسلام سے خارج نہ کیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جاتا رہے یونہی کئی سال اس اضطراب میں رہے۔ بعض کہتے ہیں اسے جیل میں ڈال دیا جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ جبکہ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اسے اس کے شہر سے کسی دوسرے شہر منتقل کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا...... یہ جوان کی سزا کا بیان ہوا کہ ایسے شر پسندوں کو قتل کر دیا جائے، سولی چڑھا دیا جائے، ہاتھ پاؤں مختلف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں اور جلاوطن کر دیا جائے تو یہ اس دنیا میں لوگوں کے اندر ان کی رسوائی اور تذلیل ہے۔ آخرت میں جو عذاب ان کے لئے تیار ہے وہ تو اس سے بھی بہت بڑا ہے۔

آیت کے اس حصہ میں ان لوگوں کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کا حکم حدیث صحیح میں بیان ہوا ہے جس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور ﷺ نے اسی طرح کا عہد ہم سے لیا جو آپ ﷺ نے عورتوں سے لیا تھا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، نہ چوری کریں گے، نہ زنا کریں گے، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں گے، جس نے اس عہد کو ایفاء کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے، لیکن اگر کوئی ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے سزا دی جائے گی اور یہ سزا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ جس کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے تو عذاب دے، چاہے تو معاف فرما دے(1)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے بہت بالاتر ہے کہ وہ اسے اس گناہ کی دوبارہ سزا دے، اور جس نے اس دنیا میں گناہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی اور اسے معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ اسے اس گناہ کی سزا دے جو وہ معاف کر چکا ہے"(2)۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ "خِزْيٌ" سے مراد شر، عار، عبرت، ذلت اور عقوبت ہے۔ آخرت سے قبل دنیا میں یہ سزا ہو گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے مرتے دم تک توبہ نہ کی۔ تو ایسے شخص کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں سزا اور عتاب ہے۔ اگر توبہ کر لے تو اُخروی عذاب ٹل جائے گا(3)۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا...... اس صورت میں ان لوگوں کا قول ظاہر اور واضح ہے جن کا کہنا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں تک مسلمان محاربین کا تعلق ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل، سولی اور پاؤں کٹنے کی سزا ختم ہو جاتی ہے، لیکن کیا ہاتھ کٹنے کی سزا بھی ساقط ہو جائے گی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کا ظاہر تو اسی بات کا مقتضی ہے کہ سب سزائیں ساقط ہو جائیں گی، صحابہ کا عمل بھی اسی پر تھا جس طرح حارثہ بن بدر تمیمی بصری کے بارے میں ہے کہ اس نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1333 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10، صفحہ 63، سنن ابی ماجہ، کتاب الحدود، 868

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 219

فساد برپا کیا، مسلمانوں سے جنگ کی۔ اس بارے میں حضرات ابن عباس، حسن بن علی اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے اس نے سفارش کروائی۔ ان حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی سفارش کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی کرے اور زمین میں فساد بپا کرے۔ پھر اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ تک ان آیات کی تلاوت کی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے لئے امان ہے۔ سعید بن قیس نے کہا کہ یہ حارثہ بن بدر ہے۔ اس کے بعد حارثہ نے ان کی مدح میں کچھ اشعار بھی کہے(1)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے گورنر تھے تو قبیلہ مراد کا ایک شخص ان کے پاس آیا۔ آپ فرض نماز پڑھ چکے تھے۔ وہ کہنے لگا: اے ابوموسیٰ! آپ کی پناہ لینے والا شخص کھڑا ہے، میں فلاں بن فلاں قبیلہ مراد سے ہوں۔ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑتا رہا اور زمین میں فساد بپا کرتا رہا، لیکن اب میں نے گرفتار ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی ہے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا: اے لوگو! یہ فلاں ابن فلاں ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتا رہا اور زمین میں فساد برپا کرتا رہا اور اب اس نے ہمارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لی ہے، خبردار! اب کوئی اس سے تعرض نہ کرے، اگر تو یہ اپنی توبہ میں سچا ہے تو "فَبِهَا" ورنہ یہ اپنے گناہوں کے باعث ہی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ شخص کچھ مدت تک ٹھہرا رہا، پھر وہ نکل کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کی پاداش میں اسے غارت کر دیا اور یہ قتل ہو گیا(2)۔ بنو اسد کا علی نامی ایک شخص بغاوت پر اتر آیا، اس نے لڑائی کی، رستے پرخطر بنا دیئے، لوگوں کو قتل کیا اور مال لوٹا۔ قائدین لشکر اور عوام الناس سب اسے تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہ لگا سکے۔ آخر کار توبہ تائب ہو کر خود ہی پیش ہو گیا۔ اس کی توبہ کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر: 53) "اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اس آیت کی تلاوت سنی تو ٹھہر گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! ایک بار پھر تلاوت کر، اس نے دوبارہ اس آیت کو دہرایا۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لیا اور توبہ کرتے ہوئے سحری کے وقت مدینہ شریف پہنچ گیا۔ مسجد نبوی شریف میں آیا، صبح کی نماز ادا کی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے نہیں پکڑ سکتے کیونکہ تمہارے قابو میں آنے سے پہلے پہلے میں تائب ہو کر خود ہی آ گیا ہوں، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، پھر آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا اور آپ سے فرمانے لگے کہ یہ علی ہے، یہ تائب ہو کر آیا ہے اس لئے تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی قتل کر سکتے ہو، چنانچہ اس سے کچھ بھی نہ تعرض کیا گیا اور یہ ان مجاہدین میں شامل ہو گیا جو سمندری رستہ سے رومیوں کے خلاف جہاد کے لئے جا رہے تھے۔ سمندر میں رومیوں کی بھی چند کشتیاں آ گئیں۔ انہوں نے اپنی کشتی ایک رومی کشتی کے ساتھ ملائی اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 221 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 222

رومیوں کو مارنے کے لئے ان کی کشتی میں گھس گئے۔ رومی ڈر کر دوسرے کنارے کی طرف بھاگے۔ بھاگنے کی کوشش میں کشتی ڈول گئی، ایک طرف کو جھکی اور غرق ہوگئی، ساتھ ہی سارے رومی بھی غرق ہو گئے، اور حضرت علی اسدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ڈوب کر جام شہادت نوش کیا(1)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۳۶ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۷

”اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا بہت چاہئیں گے کہ نکلیں اس آگ سے اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لئے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا“۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے، جب یہ اطاعت الٰہی کے ساتھ مل جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے محارم سے اجتناب اور نواہی کا ترک کر دینا، تقویٰ کے حکم کے بعد وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے، فرمایا: وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وسیلہ کا معنی قرب بتاتے ہیں، اسی طرح حضرات مجاہد، ابو وائل، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابن زید وغیرہ کے نزدیک بھی یہی معنی ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطاعت الٰہی اور اس کی خوشنودی کے حامل اعمال کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو۔ ابن زید نے یہ آیت پڑھی: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (بنی اسرائیل:57) ”وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں، وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ“(2)۔

ان ائمہ حضرات نے وسیلہ کا جو معنی بتلایا ہے اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابن جریر نے عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے جس میں وسیلہ قرب اور نزدیکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس شعر کا مفہوم یہ ہے: جب چغل خور اور رقیب ہم سے غافل ہو جاتے ہیں تو پھر وصل نصیب ہو جاتا ہے اور ہماری باہمی محبت اور قرب کا رشتہ پھر سے استوار ہو جاتا ہے(3)۔

وسیلہ سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ مقصود حاصل کیا جائے۔ وسیلہ جنت میں اس اعلیٰ مقام کا نام بھی ہے جہاں نبی کریم ﷺ جلوہ فرما ہوں گے اور یہی آپ ﷺ کا گھر ہوگا۔ یہ مقام عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اذان سن کر یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ“ اے اللہ، اے اس دعوت کاملہ اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب، حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کر رکھا ہے) اس کے لئے میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 223 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 227 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 226

شفاعت حلال ہو جاتی ہے'' (1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مؤذن کو (اذان دیتے ہوئے) سنو تو جو وہ کہہ رہا ہو تم بھی وہی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے شایان شان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت لازم ہو گئی'' (2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: ''جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ جسے صرف ایک ہی شخص پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں'' (3)۔

اسی طرح کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ایک دوسری سند سے مروی ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے (اللہ سے) وسیلہ کا سوال کیا کرو، جس نے بھی میرے لئے اس دنیا میں وسیلہ کا سوال کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ یا سفارشی بنوں گا''۔

ابن مردویہ نے دو سندوں سے روایت کی ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا درجہ ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ وہ مجھے یہ وسیلہ عطا فرمائے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''جنت میں ایک درجہ ہے جسے وسیلہ کہا جاتا ہے، جب تم اللہ سے مانگو تو میرے لئے وسیلہ بھی مانگا کرو'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہاں آپ کے ساتھ اور کون سکونت پذیر ہوگا؟ فرمایا: ''علی، فاطمہ، حسن اور حسین''۔ یہ حدیث اس سند سے غریب اور منکر ہے۔ اسی قسم کی ایک اور غریب روایت بھی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر کوفہ پر فرمایا: اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں: ایک سفید اور دوسرا زرد، زرد تو عرش کے نیچے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا بنا ہوا ہے جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں۔ ہر گھر تین میل کا ہے، اس کے کمرے، دروازے، تخت اور رہائشی گویا ایک ہی اصل سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ اس میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت رہائش پذیر ہوں گے۔ اسی طرح پیلے رنگ کا موتی ہوگا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ سکونت پذیر ہوں گے۔

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ محارم سے اجتناب اور احکام کی بجا آوری کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو ان مشرکین اور کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جو مسلمانوں کے اور اللہ کے دشمن ہیں، جو راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں اور دین اسلام کو ترک کئے ہوئے ہیں اور ابدی فلاح کا مژدہ سنا کر مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ ان مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ایسی عظیم اور دائمی فلاح اور سعادت تیار کر رکھی ہے جو نہ ختم ہوگی اور نہ زوال پذیر ہوگی۔ بڑے عالی شان، دلکش اور خوش منظر بالا خانوں

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 94 و کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 399 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 289

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 101، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 265

میں بیہ رہائش پذیر ہوں گے، ہر قسم کی نعمت سے شاد کام ہوں گے۔ ہر قسم کے رنج والم سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا، نہ وہاں کوئی مایوسی ہو گی اور نہ تکلیف، نہ بیماری ہوگی اور نہ موت۔ نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ شباب ختم ہوگا۔

اپنے نیک بندوں کے اچھے انجام کو ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کافروں کے عبرتناک انجام کو بیان فرمارہا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا...... یعنی یہ کفار روئے زمین کے مالک بن جائیں اور اتنا ہی اور ان کی ملکیت میں آجائے پھر یہ سب کچھ وہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں تا کہ یہ فدیہ دیکر وہ اس عذاب سے رہائی حاصل کرلیں جو انہیں گھیرے میں لے چکا ہوگا، پھر بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جہنم کے عذاب سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ اسی لئے فرمایا: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں فرمایا: كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (الحج:22) ''جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں''۔

وہ انتہائی کوشش کریں گے اور شدید خواہش کریں گے کہ انہیں جہنم کی شدت اور دردناک عذاب سے خلاصی مل جائے لیکن بے سود۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے انہیں اپنے ساتھ اوپر لے جائیں گے لیکن زبانیہ (جہنم کے محافظ فرشتے، داروغے) انہیں لوہے کے گرزوں سے مار مار کر نیچے جہنم میں پھینک دیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، کبھی بھی وہ اس میں سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک جہنمی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! بتا، تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا: بہت برا ٹھکانہ۔ اسے کہا جائے گا کہ کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے سکتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، یا رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، میں نے اس سے بھی کم تجھ سے مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ دیا۔ پھر اسے جہنم رسید کرنے کا حکم دیا جائے گا''(1)۔

ابن مردویہ نے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قوم جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی''۔ یہ سن کر یزید بن صہیب فقیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے پہلے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بھی تو پڑھو۔ یہ کافروں کے متعلق ہے جو کبھی جہنم سے نہ نکلیں گے۔

ایک اور روایت میں یزید الفقیر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کو جہنم میں سے نکال دیا جائے گا، یہ سن کر میں نے غصہ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو کوئی تعجب نہیں لیکن اے صحابیو! تم پر تعجب ہے تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو جہنم سے نکال دے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ بہت حلیم الطبع تھے، فرمانے لگے اس آدمی کو کچھ نہ کہیں۔ پھر فرمایا یہ آیت تو کفار کے لئے ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ...... پھر آپ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں، مجھے تو سارا قرآن یاد ہے۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے۔ وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:79) ''اور رات کے بعض

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 400، صحیح مسلم، کتاب صفۃ یوم القیامۃ، صفحہ 2162، سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 36

حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر"۔ یہی مقام شفاعت ہے۔ اللہ کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کے باعث جہنم میں رکھے گا اور جب اس کا ارادہ ہوگا تو انہیں جہنم میں سے نکال دے گا۔ حضرت یزید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا نظریہ درست ہو گیا(1)۔

طلق بن حبیب کہتے ہیں کہ میں شفاعت کا شدید منکر تھا۔ میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ اہل نار کے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے متعلق جس قدر آیات مجھے یاد تھیں میں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پڑھ ڈالیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے طلق! کیا تم اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ کتاب وسنت کا عالم سمجھتے ہو؟ جو آیتیں تم نے پڑھی ہیں ان میں اہل نار مشرکین ہیں لیکن جو لوگ نکلیں گے وہ تو گنہگار اہل ایمان ہیں، گناہوں کی سزا پا لینے کے بعد ان لوگوں کو جہنم سے نکال دیا جائے گا، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ " جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ اس میں سے نکال لئے جائیں گے"۔ جس طرح تم قرآن کی آیات پڑھتے ہو اسی طرح ہم بھی پڑھتے ہیں(2)۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰

" اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لئے جو انہوں نے کیا (اور) عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ پھر جس نے توبہ کر لی اپنے (اس) ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا اس پر بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم فرما رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں " فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا " (دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹ دو) آیا ہے(3)۔ لیکن یہ قراءت شاذ ہے۔ اگرچہ حکم تمام علماء کے نزدیک اس کے مطابق ہے لیکن یہ حکم اس قراءت کی وجہ سے نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ اس کے ثبوت کے اور دلائل ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی قطع ید کا طریقہ تھا جسے اسلام نے جاری رکھا اور چند مزید شروط کا اضافہ کر دیا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ کریں گے۔ اسی طرح قسامت، دیت اور قراض وغیرہ جیسے مسائل اسلام سے پہلے بھی تھے لیکن ناقص اور نامکمل تھے۔ اسلام نے مصلحت اور حکمت کے پیش نظر کچھ اضافہ کے ساتھ ان مسائل کو ثابت رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں سب سے پہلے قریش نے ہاتھ کاٹنے کی رسم ڈالی جب انہوں نے چوری کے الزام میں دویک خزاعی کے ہاتھ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 355　　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 280

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 228

کاٹے تھے۔ اس نے کعبہ کا خزانہ چرایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چرایا تو کچھ اور لوگوں نے تھا لیکن وہ اس کے پاس رکھ گئے (1)۔

بعض اہل ظاہر فقہاء کا خیال ہے کہ جب بھی کوئی چور کوئی بھی چیز چرا لے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ اس میں چوری شدہ چیز کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ ہی یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ محفوظ جگہ سے مال چرائے بلکہ صرف چوری کرنا قطع ید کا موجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ یہ آیت کریمہ خاص ہے یا عام؟ آپ نے فرمایا: یہ آیت عام ہے (2)۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ممکن ہے کہ اس کا وہی معنی ہو جو یہ علماء لیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ معنی نہ ہو۔ ان حضرات نے ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی اس چور پر لعنت ہو جو انڈا چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے اور ایک رسی چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے'' (3)۔

لیکن جمہور نے مال مسروقہ کی حد مقرر کی ہے اگرچہ اس کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کا الگ الگ قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی حد تین درہم خالص سکے، جب وہ انہیں چرا لے یا ان کی قیمت کے برابر یا زیادہ قیمت کی کوئی اور چیز چرا لے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث پیش کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ڈھال جس کی قیمت تین درہم تھی، اس کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (4)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ترنجبین کی چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے جس کی قیمت صرف تین درہم تھی (5)۔ اصحاب مالک کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل گویا صحابہ کا اجماع سکوتی ہے۔ اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ پھلوں کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ احناف کا مسلک اور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مال مسروقہ دس درہم کے برابر ہو تو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ جبکہ شوافع ایک چوتھائی دینار کی حد مقرر کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک چوتھائی دینار یا اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد قیمت کی کوئی شخص چوری کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ہے: ''ایک چوتھائی دینار اور اس سے زائد کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے'' (6)۔ مسلم کے یہ الفاظ ہیں: ''چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں اور اس سے اوپر میں'' (7)۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے۔ اس میں نص ربع دینار پر ہے نہ کہ اس کی مساوی چیز پر۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا جس کی قیمت تین درہم تھی وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کا تھا۔ تو تین درہم ربع دینار کی قیمت بنی۔ اس لئے اصل چوتھائی دینار ہے۔ حضرات عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز، لیث، اوزاعی، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور داؤد رحمہم اللہ سب کا مسلک یہی ہے۔

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ (ایک دوسری روایت میں) فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کا شرعی نصاب ربع دینار اور تین درہم دونوں ہیں۔ جس نے دونوں میں کسی کو چرا لیا یا اس کے مساوی کوئی اور چیز چرا لی تو ہاتھ کاٹا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 193، المنمق لابن حبیب 59-64　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 229

3۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 81، صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1314

4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 97، صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1314　　5۔ موطا امام مالک، کتاب الحدود، صفحہ 832

6۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 96، صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 1312　　7۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1313

الفاظ یہ ہیں: ''چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹو، اس سے کم پر ہاتھ نہ کاٹو''(1)۔ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کا تھا اس لئے ربع دینار تین درہم کے برابر ہوا۔ نسائی کی ایک روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا: چوتھائی دینار(2)۔ تو یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دس درہم کی شرط لگانا درست نہیں۔

امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، اور سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کا نصاب دس درہم خالص سکے ہیں۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ڈھال کی چوری میں جس چور کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت دس درہم تھی اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم چوری پر چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی(3)۔ دیکھیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ڈھال کی قیمت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اختلاف کر رہے ہیں۔ پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اکثر پر عمل کیا جائے کیونکہ حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ اور ابوجعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سارق کا ہاتھ کاٹنے کے لئے نصاب (حد) دس درہم یا ایک دینار یا ان میں سے کسی کے مساوی چیز کی چوری ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ پانچ (انگلیاں) نہ کاٹی جائیں مگر پانچ میں یعنی پانچ دینار یا پچاس درہم میں۔

جمہور نے ظاہر یہ مذہب کی اپنے حق میں پیش کردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کہ ''چور ایک انڈا چراتا ہے تو ہاتھ کٹوا لیتا ہے اور ایک رسی چوری کر کے ہاتھ کٹوا لیتا ہے'' کے کئی جوابات دیئے ہیں:

1۔ یہ حدیث حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ جواب محل نظر ہے کیونکہ تاریخ نسخ کا کوئی علم نہیں۔

2۔ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور اس سے مراد کشتی کا رسہ ہے(4)۔

3۔ یہ فرمان انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے ہے یعنی چھوٹی چھوٹی اور معمولی چیزوں کی چوری سے آگے بڑھتے بڑھتے غیر معمولی اور قیمتی چیزیں چرانے لگ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس میں زمانہ جاہلیت کے معمول کی خبر دی گئی ہو کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا کرتے تھے۔ گویا آپ ﷺ نے اس چور کو ملامت کی جو معمولی اور حقیر چیزوں کے عوض اپنا قیمتی ہاتھ گنوا بیٹھتا ہے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ابوالعلاء معری (مشہور اندھا ملحد شاعر) جب بغداد آیا تو اس کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا کہ ایک چوتھائی دینار نصاب سرقہ کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ فقہاء پر اعتراض کرتا ہے، اس کے متعلق اس نے کچھ اشعار بھی کہے جو اس کی جہالت اور کم عقلی پر دلالت کرتے ہیں۔ ان اشعار کا مفہوم یہ ہے:

کیا تعجب خیز معاملہ ہے کہ ایک ہاتھ کٹنے پر دیت پانچ سو دینار ملے اور اسی ہاتھ کو چوتھائی دینار کی چوری پر کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ یہ سمجھ سے بالاتر تناقض ہے جس پر سوائے سکوت کے اور کوئی چارہ کار نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 80
2۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 8، صفحہ 80
3۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الحدود، جلد 9، صفحہ 474، سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 257-259
4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 81

جب اس کی یہ ہرزہ سرائی مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اسے جواب دینا چاہا لیکن یہ راہ فرار اختیار کر گیا۔ پھر علماء نے اسے جواب دیئے۔ قاضی عبدالوہاب مالکی رحمتہ اللہ علیہ کا جواب یہ تھا: جب یہ (ہاتھ) امین ہو تو ثمین (قیمتی) ہوتا ہے اور جب یہ خیانت کا مرتکب ہو جائے تو بے وقعت ہو جاتا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ حکمت، مصلحت اور شریعت کے عظیم اسرار کا یہی تقاضا ہے، جنایات کے باب میں ایک ہاتھ کاٹنے کی قیمت پانچ سو دینار رکھی تاکہ لوگ زیادتی سے باز رہیں اور سرقہ کے باب میں تھوڑی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تاکہ اس خوف سے لوگ چوری کے جرم سے اجتناب کریں اسی لئے فرمایا: جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ہے۔ اس میں مناسب یہی ہے کہ جس عضو کے ساتھ اس نے یہ فعل بد کر کے لوگوں کو نقصان پہنچایا تھا اسے ہی کاٹ دیا جائے تاکہ اسے بھی اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے انتقام میں غالب بھی ہے اور اپنے اوامر و نواہی میں حکیم بھی۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ...... جو شخص اس گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ لیکن جو مال اس نے چرایا تھا۔ اگر وہ موجود ہے تو وہ اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہاتھ کٹ جائے اور مال تلف ہو چکا ہو تو اس کا بدل دینا اس پر ضروری نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے ایک چادر چرائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ کر داغ دو پھر میرے پاس لانا"۔ چنانچہ ہاتھ کاٹنے کے بعد اسے حضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ توبہ کر۔ اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی(1)۔

حضرت عمرو بن سمرہ بن حبیب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! میں نے بنی فلاں کا اونٹ چرالیا ہے، مجھے پاک فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک اونٹ گم ضرور ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے (اے ہاتھ) تجھ سے پاک کر دیا تو تو چاہتا تھا کہ مجھے بھی جہنم میں لے جائے(2)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیورات چرا لئے۔ جن لوگوں کی چوری ہوئی تھی وہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اس عورت نے ہماری چوری کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالو" ہاتھ کٹنے کے بعد عورت نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے لئے توبہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے گناہ سے اس طرح پاک ہوگئی ہو جیسا کہ آج ہی پیدا ہوئی ہو" تو اس وقت یہ آیت اتری: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ...... (3)۔

مسند امام احمد رحمتہ اللہ علیہ میں یہ روایت ذرا وضاحت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک عورت نے چوری کر لی۔ جن کی چوری ہوئی تھی وہ آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اس عورت نے ہماری چوری کر لی ہے۔ اس عورت کے گھر والے کہنے لگے کہ ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو۔" انہوں نے پھر اس کا پانچ سو دینار فدیہ دینے کی پیشکش کی لیکن آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔ چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اس کے بعد وہ کہنے لگی: یارسول اللہ! کیا میرے

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 103 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 863 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 230

لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ فرمایا: ''ہاں، تو اس گناہ سے آج ایسے پاک ہوگئی ہے جیسے پیدائش کے وقت''(1)۔ تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ یہ چوری کرنے والی مخزوم قبیلے کی عورت تھی۔ اس کا واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اس چور عورت کے معاملہ سے قریش کو بہت تشویش لاحق ہوئی وہ کہنے لگے کہ اس عورت کی بابت کون رسول اللہ ﷺ سے بات کرے گا؟ پھر کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بغیر کون ایسا شخص ہوسکتا ہے جو اس کی جرأت کر سکے۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ معاملہ لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس عورت کی سفارش کی۔ اس پر آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور آپ ﷺ نے غصہ میں فرمایا: ''کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو''۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! (اس غلطی پر) میرے لئے استغفار کیجئے۔ جب شام کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، حمد وثناء کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ضرور ہاتھ کاٹ دیتا''۔ پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس عورت نے پھر توبہ کرلی اور بڑی عمدہ اور پختہ توبہ کی، پھر شادی بھی کرلی۔ جب یہ عورت میرے پاس آتی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے بیان کردیا کرتی تھی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ مخزومی عورت لوگوں سے ادھار مال ومتاع لیتی، پھر انکار کردیا کرتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ زیور ادھار لیکر اپنے پاس ہی رکھ لیتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ''یہ عورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور غصب شدہ تمام چیزیں واپس کرے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو، اس کا ہاتھ پکڑو اور کاٹ دو''(3)۔ چوری کے متعلقہ بہت سی احادیث کتاب الاحکام میں مذکور ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یعنی وہ تمام چیزوں کا مالک ہے اور وہی حقیقی حاکم ہے جس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 177-178 2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 86۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1315-1316

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 132-133، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 151

تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۗ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۗ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں، جاسوسی کرنے والے ہیں، جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس، بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے، کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو اور جس کا ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی، یہ وہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو، بڑے حرام خور ہیں، تو اگر وہ آئیں آپ کے پاس تو چاہے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں وہ ایمان دار، بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے، حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ، پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں''۔

یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو کفر میں بڑے تیز ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کئے ہوئے ہیں اور اپنی آراء اور خواہشات کو شریعت کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں جن کے دل ویران ہیں۔ اور اسی طرح یہودی بھی ہیں، یہ بھی اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ یہ سب ایسے بدبخت ہیں جو جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سن کر قبول کرتے ہیں اور اس سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور یہ ایسے لوگوں کے جاسوس ہیں جو آپ کی مجلس میں نہیں آتے۔ آپ کی باتیں سن کر ان تک پہنچاتے ہیں۔ یا

یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی باتوں پر کان دھرتے ہیں اور دل و جان سے انہیں قبول کرتے ہیں۔

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی باتوں کو تبدیل کر دیتے ہیں، من گھڑت تاویلیں کرتے ہیں اور سمجھنے کے باوجود غلط معانی پہناتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا...... بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت کچھ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ کہنے لگے کہ چلیں محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ اگر تو آپ ﷺ نے دیت کا فیصلہ کر دیا تو قبول کر لینا اور اگر قصاص کا فیصلہ کیا تو بالکل قبول نہ کرنا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت دو شادی شدہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے اپنے ہاں تورات میں شادی شدہ زانی کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم موجود تھا لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا اور اس کے بجائے اس پر اتفاق کر لیا کہ ایسے زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے سو دُرّے لگائے جائیں، منہ کالا کر دیا جائے اور گدھے پر سواری کرائی جائے۔ ہجرت کے بعد جب یہ واقعہ رونما ہوا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ چلو، محمد (ﷺ) سے یہ فیصلہ کرواتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ نے سو درے اور منہ کالا کرنے کا فیصلہ دیا تو اسے قبول کر لینا اور اسے اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنا لینا کیونکہ یہ ایک نبی کا فیصلہ ہوگا اور اگر آپ ﷺ رجم کا فیصلہ سنائیں تو ہرگز آپ ﷺ کی پیروی نہ کرنا۔ اس سلسلہ میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ ان کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تورات میں تو رجم کا حکم ہے۔ لاؤ، تورات پیش کرو۔ وہ تورات لے آئے اسے کھولا تو ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا اور آگے پیچھے کی ساری عبارت پڑھ ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو سامنے آیت رجم موجود تھی۔ تو وہ کہنے لگے کہ یہ سچ ہے، اس میں آیت رجم موجود ہے۔ یہ حکم تورات میں بھی ثابت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں زانیوں کو سنگسار (رجم) کرنے کا حکم دے دیا(1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت پر جھکا اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ تم ایسے (زانی) لوگوں کے بارے میں کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کا منہ کالا کر کے اور ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ تورات، اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔ وہ تورات لے آئے اور اپنے ایک کانے یہودی سے کہا کہ پڑھو۔ اس نے تورات پڑھنا شروع کر دی۔ جب آیت رجم تک پہنچا تو اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو سامنے آیت رجم عیاں تھی۔ وہ کہنے لگا: یا حضرت اس میں آیت رجم ہے لیکن آپس میں ہم اسے چھپا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے حکم سے ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا(2)۔ مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت لائے گئے۔ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ جب یہود آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں زانی کا کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اس کا منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر شہر میں گھماتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں تورات لانے کا حکم دیا۔ وہ تورات لے آئے، ان میں سے ایک نوجوان پڑھنے لگا۔ جب آیت رجم آئی تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن

1۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 169
2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 166 و کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 516

سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے آیت رجم نکلی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے دونوں زانیوں کو رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بھی رجم کرنے والوں میں شریک تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ زانی اپنی آڑ سے زانیہ کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا(1)۔

ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے مدرسہ میں بلایا تھا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے لئے ایک گدی بچھائی جس پر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے ایک مرد نے عورت سے زنا کیا ہے اس کا فیصلہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تورات لاؤ" تورات لائی گئی۔ آپ ﷺ نے گدی نکال کر اس پر تورات کو رکھ دیا اور فرمایا کہ تجھ پر بھی اور تیرے نازل کرنے والے پر بھی میرا ایمان ہے۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے سب سے بڑے عالم کو لاؤ۔ وہ ایک نوجوان کو لے آئے(2)۔ پھر وہی قصہ ہے جو گزر چکا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس نبی ﷺ کے پاس چلو، انہیں تخفیف اور نرمی کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر تو انہوں نے رجم سے کم اور ہلکا فیصلہ دے دیا تو قبول کر لیں گے لیکن اگر رجم کا فیصلہ دیا تو قبول نہیں کریں گے۔ رجم کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ ہوا تو اسے ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور سند اور دلیل پیش کریں گے کہ تیرے نبی نے یہ فیصلہ کیا تھا، چنانچہ وہ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ کا ان کے ایک مرد اور عورت کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو زنا کے مرتکب ہوئے؟ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ کوئی کلام نہ کی۔ یہاں تک کہ ان کے مدرسہ میں چلے آئے۔ دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کہ تورات میں شادی شدہ زانی کا کیا حکم ہے وہ کہنے لگے کہ ایسے شخص کا منہ کالا کیا جاتا ہے، دونوں زانیوں کی پیٹھوں کو بالمقابل کر کے انہیں گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان خاموش رہا۔ جب آپ ﷺ نے اسے خاموش دیکھا تو اسے قسم دے کر پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ چونکہ آپ نے قسم دی ہے اس لئے میں آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ تورات میں تو رجم کا حکم ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا وجہ تھی جس کے باعث تم نے اللہ کے حکم (رجم) میں رخصت پیدا کر لی؟ اس نے کہا کہ ہمارے کسی بادشاہ کے رشتہ دار نے زنا کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اس سے رجم کو ساقط کر دیا۔ پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اس نے اسے رجم کرنے کا ارادہ کیا لیکن قوم آڑے آ گئی۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک تمہارے رشتہ دار کو رجم نہیں کیا جاتا ہم اپنے آدمی کو رجم نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ طے یہی ہوا کہ رجم کی بجائے کوئی اور سزا معین کر دی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تورات کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ تو آپ ﷺ کے حکم سے انہیں رجم کر دیا گیا اور اسی بارے میں یہ آیت اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۔۔۔ نازل ہوئی اور حضور ﷺ ان احکام جاری کرنے والوں میں سے ہیں(3)۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی گزرا جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا اور یہودی اسے کوڑے مار رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہ حد ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا اور کہا: "میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہ حد پاتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا: نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1326 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 155

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 155، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 232

اللہ کی قسم! اگر آپ اللہ کی قسم دیکر نہ پوچھتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ ہماری کتاب میں زانی کی سزا رجم ہے لیکن بات یہ ہوئی کہ شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی۔ جب ہم کسی بڑے کو پکڑتے تو چھوڑ دیتے اور جب کوئی عام آدمی قابو چڑھ جاتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ پھر ہم نے سوچا کہ سب کے لئے ایک ہی حد ہونی چاہئے تو ہمارا اتفاق درے لگانے اور منہ کالا کرنے پر ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب سے تم نے اس حکم کو مردہ بنادیا ہے، میں اسے زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں۔'' پھر آپ ﷺ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔ اس پر یہ وحی اتری یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ...... فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ یہ آیات یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ آیت کریمہ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (مائدہ: 47) تمام کفار کے بارے میں اتری۔(1)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت میں آتا ہے کہ اہل فدک میں سے کسی نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ تو اہل فدک نے مدینہ کے یہود کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کا حکم محمد (ﷺ) سے پوچھیں۔ اگر تو آپ ﷺ کوڑوں کا حکم دیں تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا فیصلہ دیں تو بالکل قبول نہ کرنا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے دو بڑے عالم میرے پاس بھیجو۔ وہ دو عالم لے آئے۔ ایک ان میں سے کانا تھا جس کا نام ابن صوریا تھا ایک اور شخص تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم بڑے عالم ہو، انہوں نے کہا کہ ہمارے لوگ ہمیں بلالائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس تورات نہیں ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ ڈالا، تم پر بادلوں کا سایہ کیا، تمہیں آل فرعون سے رہائی دلوائی اور بنی اسرائیل پر من وسلوٰی نازل کیا، کہ رجم کے متعلق تورات میں کیا حکم ہے؟ ان میں سے ایک دوسرے کو کہنے لگا کہ ایسی قسم میں نے پہلے نہیں سنی۔ پھر دونوں کہنے لگے کہ تورات میں یہ حکم ہے کہ نظر بازی بھی زنا ہے، بوسہ لینا بھی زنا ہے اور گلے لگانا بھی زنا ہے۔ جب چار آدمی انہیں اس طرح دخول خروج کرتا دیکھ لیں جس طرح سلائی سرمہ دانی کے اندر باہر آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی مسئلہ ہے۔'' تو آپ ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ س پر یہ آیت اتری فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ......(2)۔

ایک اور روایت میں یہ آتا ہے کہ وہ ابن صوریا کے دو عالم بیٹے لائے تھے۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے تورات کا حکم بتایا کہ جب چار آدمی اس بات کی گواہی دے دیں کہ انہوں نے آلہ تناسل کو عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے کہ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر رجم کے نفاذ سے کون سی چیز تمہیں مانع ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سلطنت جاتی رہی اس لئے ہم یہ نہیں چاہتے کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے رہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے چار گواہ بلوائے۔ انہوں نے آکر گواہی دی کہ واقعی ہم نے ایسی صورت دیکھی ہے جیسی سرمہ دانی میں سلائی۔ تو اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دے دیا(3)۔

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے عقیدہ کے احترام میں آپ ﷺ نے ایسا کیا تھا کیونکہ وہ بھی شریعت محمدی ﷺ کے مکلّف ہیں۔ بلکہ یہ فیصلہ تو خاص وحی الٰہی کے نتیجہ میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس مسئلہ کے متعلق آپ ﷺ کا یہود سے سوال کرنا اس حکمت کی بناء پر تھا تا کہ وہ بھی اس حکم کا بذات خود

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1327، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 286 — 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 78

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 156، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2، صفحہ 780

اعتراف کرلیں جو ان کے پاس تورات میں موجود تھا اور جسے عرصہ دراز سے انہوں نے پس پشت ڈالا ہوا تھا۔ جب انہوں نے خود اس کا اعتراف کرلیا تو ان کا عناد اور جھوٹ عیاں ہو گیا اور کتاب اللہ کی تکذیب بھی ظاہر ہو گئی۔ اب رہی یہ بات کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیوں کیا تھا تو اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہش اور مطلب برآری کے پیش نظر آپ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ شاید آپ ﷺ ان کے موافق فیصلہ دے دیں اور یہ ان کے لئے دلیل بن جائے، یہ بات نہیں تھی کہ وہ آپ ﷺ کے فیصلہ کی صحت کا یقین رکھتے تھے، اسی لئے فرمایا: اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ یعنی اگر دِرّے اور منہ کالا کرنے کا حکم تمہیں ملے تو قبول کر لینا۔ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ اور اگر حسب خواہش فیصلہ نہ ملے تو اتباع اور قبول کرنے سے احتراز کرنا۔ پھر ان کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ......۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ...... یہ باطل کو خوب انہماک سے سننے والے ہیں اور حرام (رشوت) خور ہیں۔ تو جس شخص کی یہ حالت ہو کہ حرام خوری سے وہ نجس ہو چکا ہو بھلا اس کا دل کیونکر اللہ تعالیٰ پاک فرمائے گا۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ اگر وہ فیصلہ کروانے کے لئے آپ کے پاس آجائیں تو آپ کی مرضی ہے، فیصلہ کریں یا اعراض کرلیں، آپ ﷺ پر کوئی مواخذہ نہیں۔ کیونکہ آپ سے فیصلہ کروانے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ حق کی پیروی کریں گے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ حسب خواہش آپ سے فیصلہ مل جائے تا کہ ان کا مطلب نکل آئے۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ...... منسوخ ہے، اس کی ناسخ یہ آیت ہے وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ(1)۔

وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ ......اگر آپ فیصلہ کرنا چاہئیں تو اگر چہ یہ ظالم اور بے دین ہیں پھر بھی آپ ان کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان یہودیوں پر ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہا ہے کہ یہ ایسے بد بخت ہیں کہ انہیں تورات عطا کی گئی، اس کے احکام کا پابند بنایا گیا۔ یہ تورات کی حقانیت کے قائل بھی ہیں، اس کے باوجود خبث باطنی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ خواہشات نفسانی کی تکمیل میں اور مطلب برآری کے لئے تورات میں تحریف، من گھڑت تاویل اور تغیر و تبدل بھی کرنا پڑ جائے تو اس سے بھی نہیں چوکتے فرمایا: وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ ...... گویا ان کا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے۔ اگر انہیں حقیقت کی تلاش ہوتی تو وہ تورات میں بھی موجود ہے۔

پھر تورات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ...... یعنی یہ تورات سراپا ہدایت اور نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء اس کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے، پھر بعد میں اللہ والے زاہد و عابد اور علماء بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے کیونکہ انہیں اس کتاب کا امین بنایا گیا تھا اور اس کے اظہار اور اس پر عمل کرنے کا انہیں مکلّف بنایا گیا تھا اور وہ اس پر شاہد تھے۔ اب تمہیں ان سے نہیں ڈرنا چاہئے بلکہ صرف مجھ سے ڈرو اور میری آیات کا تھوڑی قیمت کے بدلے سودا نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا وہی لوگ کافر ہیں۔ اس میں دو قول ہیں جن کا بیان عنقریب آئے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 245-246

ان آیات کا اور شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں قرآن کریم میں کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ آیات یہودیوں کے دو گروہوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آ گیا اور دوسرا مغلوب ہو گیا۔ دونوں میں طے یہ پایا کہ اگر غالب گروہ کا کوئی فرد مغلوب قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دے تو اس کی دیت پچاس وسق ہو گی اور اگر مغلوب اور ذلیل گروہ کا کوئی فرد غالب اور اعلیٰ گروہ کے کسی فرد کو قتل کر ڈالے تو اس کی دیت ایک سو وسق ہو گی۔ حضور علیہ السلام کی مدینہ شریف تشریف آوری تک یہی معمول رہا۔ پھر ایک دفعہ یوں ہوا کہ ذلیل گروہ نے شرفاء کے گروہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا۔ انہوں نے ان سے سو وسق دیت (حسب معاہدہ) کا مطالبہ کیا۔ مغلوب قبیلہ نے کہا کہ یہ عجب تماشہ ہے، ہمارا تعلق ایک ہی قبیلہ، ایک ہی نسب، اور ایک ہی شہر کے ساتھ ہے پھر دیت مختلف کیوں؟ تم نے ہم پر ظلم روا رکھا، ہم برداشت کرتے رہے۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، مزید زیادتی برداشت نہیں کر سکتے۔ اب جبکہ محمد (علیہ السلام) عادل نبی تشریف لا چکے ہیں اس لئے ہم بھی تمہیں اس قدر ہی دیت دیں گے جس قدر تم ہمیں دیا کرتے ہو۔ اس پر دونوں قبیلے طیش میں آ گئے، قریب تھا کہ دونوں میں جنگ کی آگ بھڑکنے لگے، پھر سب اس بات پر رضامند ہو گئے کہ رسول اللہ علیہ السلام سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ پھر شرفاء کا گروہ آپس میں کہنے لگا کہ اللہ کی قسم؟ یہ کبھی نہیں ہو گا کہ محمد (علیہ السلام) فریق مخالف کی نسبت تمہیں دو گنی دیت دلوائیں گے۔ یہ ناانصافی وہ نہیں کر سکتے اور نچلے طبقے والے بھی سچے ہیں کہ وہ ہم سے مغلوب ہو کر دو گنی دیت دیتے رہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلے چپکے سے محمد (علیہ السلام) کی رائے معلوم کر لی جائے۔ اگر تو تمہاری خواہش کے مطابق ان کا فیصلہ ہوا تو انہیں منصف مقرر کر لینا، ورنہ احتراز کرنا اور ان سے فیصلہ نہ کروانا۔ انہوں نے کچھ منافقین کو اس غرض کے لئے تیار کیا اور چپکے سے آپ علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا تا کہ وہ آپ علیہ السلام کی رائے معلوم کر کے آئیں ان جاسوسوں کے پہنچنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو یہودیوں کے برے ارادہ سے آگاہ فرما دیا اور مذکورہ بالا آیات نازل فرما دیں۔ ان یہود کے بارے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ وجہ یہ تھی کہ بنو نضیر کو شرف اور برتری حاصل تھی اس لئے ان کے مقتولین کی پوری دیت تھی جبکہ بنو قریظہ نچلے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے ان کے مقتولوں کی نصف دیت تھی(2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بنو قریظہ کا کوئی فرد بنو نضیر کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔ اس کے برعکس کوئی نضیری قرظی کو قتل کر دیتا تو سو وسق کھجور دیت ادا کر دی جاتی۔ ایک مرتبہ بنو نضیر کے ایک آدمی نے قریظہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو اس کا جھگڑا وہ رسول اللہ علیہ السلام کے پاس لیکر آئے تو مذکورہ آیات اتریں۔ ان کے مطابق آپ علیہ السلام نے عادلانہ فیصلہ فرمایا(3)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کا یہ شان نزول بھی بیان ہوا اس کے علاوہ پہلے اور بھی شان نزول بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیات

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 246، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 299

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 303، سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 19

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 246، سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 168، مستدرک حاکم، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 366-367

ان یہودی عورت اور مرد کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ دونوں اسباب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اس پر یہ آیات اتری ہوں۔ بہرصورت دوسرے شان نزول کو یہ آیت وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدۃ:45) تقویت پہنچاتی ہے۔

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ مسلمان بھی اس میں شامل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رشوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال حرام ہے۔ رشوت لیکر کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ دیا بلکہ جان بوجھ کر اسے ترک کر دیا یا کسی پر ظلم کیا تو وہ جان لے کہ وہ کافر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل کیا جاتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ جس نے اقرار تو کیا لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ ابن جریر نے یہ معنی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب اور ہر وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب میں نازل کردہ حکم کا انکار کرے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہود کے حق میں ہے، اور یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ نصاریٰ کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اس آیت کے باعث ہے۔ ابن طاؤس کہتے ہیں یہ کفر وہ کفر نہیں جس میں اللہ، ملائکہ، کتابوں اور رسولوں کا انکار ہوتا ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ کفر، کفر میں تفاوت ہے، اسی طرح ظلم ظلم میں اور فسق فسق میں بھی تفاوت ہوتا ہے، طاؤس کہتے ہیں کہ یہ ایسا کفر نہیں ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وہ کفر نہیں جو تم مراد لے رہے ہو(2)۔

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لئے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لئے قصاص تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں''۔

اس آیت میں بھی یہود کو زجر و توبیخ اور سرزنش کی جارہی ہے کہ ان کی کتاب تورات میں قصاص کا واضح حکم موجود ہے اس کے باوجود وہ جان بوجھ کر سرکشی اور لاپرواہی سے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ نضری (بنونضیر سے تعلق رکھنے والا) کے قتل کا قرظی (بنوقریظہ کا آدمی) سے قصاص لیتے ہیں لیکن قرظی کے قتل کا نضری سے قصاص نہیں لیتے بلکہ دیت لیکر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح رجم کے بارے میں تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کی سزا تو رجم مقرر کی گئی ہے لیکن انہوں نے ازخود درے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا طے کر لی ہے۔ اس لئے وہاں فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ کیونکہ انہوں نے سرکشی کے باعث جان بوجھ کر اللہ کے حکم کا انکار کیا تھا۔ اور یہاں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 257 2۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 313

ان کے بارے میں فرمایا: فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہیں حکم دیا کہ وہ فیصلہ کرتے وقت عدل اور مساوات کو ملحوظ خاطر رکھیں لیکن انہوں نے مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کیا نہ اس کی دادرسی کی بلکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ مظلوم پر بھی ظلم کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آیت کریمہ میں ''النَّفْس'' کو زبر کے ساتھ اور ''الْعَیْن'' کو پیش کے ساتھ پڑھا (1)۔

بہت سے علمائے اصول اور فقہاء اس آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ جب ہم سے پہلی کوئی شریعت کسی حکم کو ثابت رکھے اور یہ حکم منسوخ نہ ہو تو ایسا حکم ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسا کہ جمہور علماء سے یہ مشہور ہے مثلاً جنایات کے احکام ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں تین مسلک نقل کرتے ہیں: ایک تو وہی جو بیان ہوا، دوسرا اس کے برعکس اور تیسرا مسلک یہ ہے کہ شریعت سیدنا ابراہیم علیہ السلام حجت ہے اور کوئی نہیں۔

امام ابونصر بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب، الشامل میں اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت جس مفہوم پر دلالت کرتی ہے اس کے لئے یہ دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔ مرد عورت دونوں قصاص کے معاملہ میں یکساں ہیں کیونکہ قرآنی لفظ (نفس) دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح نسائی وغیرہ کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمرو بن حزم کو لکھے گئے مکتوب میں ہے کہ '' مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔''(2)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاءُ ھُمْ'' (مسلمانوں کے خون باہم مساوی ہیں)(3)۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مرد کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس عورت کے ولی کو نصف دیت دی جائے گی کیونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک روایت میں یہی مذہب ہے۔ حسن اور عثمان بستی سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور نے ان دونوں چیزوں میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔ ایک حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ''(4)۔ ''کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا''۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس بارے میں سلف سے متعدد آثار منقول ہیں کہ اگر کوئی آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس آزاد سے غلام کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اسے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس ضمن میں احادیث بھی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس مسئلہ میں اجماع نقل کیا ہے لیکن اس سے ان کے مسلک کا بطلان لازم نہیں آتا جب تک کہ کوئی دلیل ایسی نہ ہو جو اس آیت کے حکم کو خاص کر دے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب القرأت، جلد 4، صفحہ 33، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 236

2۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 58　3۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 24، سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 895

4۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 204 و کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 167

ابن صباغ کے قول کی تصدیق اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے۔ اِن لوگوں نے معافی طلب کی لیکن انکار کر دیا گیا۔ لونڈی کے مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے قصاص (بدلہ) کا حکم جاری کر دیا۔ اس پر اس عورت کے بھائی حضرت انس بن نضر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے''۔ یہ سن کر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہ ہوا کہ وہ لوگ معاف کرنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے قصاص کا مطالبہ ترک کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے نام پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کرتا ہے'' (1)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پہلے انہوں نے دیت پیش کی لیکن نہ وہ معاف کرنے پر آمادہ ہوئے اور نہ دیت لینے پر۔ بعد میں معافی ہو گئی۔

غرباء کی ایک جماعت کے غلام نے کسی مالدار گروہ کے غلام کا کان کاٹ دیا۔ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہم فقیر لوگ ہیں (ہمارے پاس کچھ نہیں)۔ تو آپ ﷺ نے کوئی چیز واجب نہ کی (2)۔ یہ حدیث ذرا مشکل ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ قاتل غلام ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ ایسی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہی نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو یا معاف کروا دی ہو۔

وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان کے بدلے جان ہو گی، آنکھ پھوڑنے کے بدلہ میں آنکھ پھوڑی جائے گی، ناک کے بدلے میں ناک کاٹا جائے گا، دانت اکھیڑا تو اس کے بدلہ میں دانت اکھیڑ دیا جائے گا اور زخم کا بدلہ زخم سے لیا جائے گا۔ اس میں تمام مسلمان مرد عورتیں باہم برابر ہیں بشرطیکہ یہ کام عمداً کئے گئے ہوں۔ اسی طرح غلام مرد عورتیں بھی باہم یکساں ہیں جب کہ انہوں نے قصداً ایسا کام کیا ہو۔

اہم قاعدہ: اعضاء کو زخمی کر کے کاٹ دینا کبھی تو جوڑ میں ہوتا ہے، اس میں قصاص واجب ہے جیسے ہاتھ، پاؤں، ہتھیلی، قدم وغیرہ کا کاٹنا۔ لیکن اگر زخم جوڑ میں نہ ہو بلکہ ہڈی میں ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی قصاص ہے سوائے ران وغیرہ کے، کیونکہ یہ خطرناک ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد) فرماتے ہیں کہ بجز دانت کے کسی بھی ہڈی میں قصاص نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلق کسی ہڈی میں قصاص واجب نہیں ہے۔ یہی حضرات عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرات عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے حق میں حدیث ربیع بنت نضر بطور دلیل پیش کی ہے کہ سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں۔ لیکن حدیث ربیع اس مسلک کے حق میں دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ کسی لونڈی کے دانت توڑ دیئے گئے۔ ممکن ہے کہ بغیر توڑنے کے خود بخود گر گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہوتا ہے۔ ان کی دلیل کا تتمہ ابن ماجہ کی

1۔ فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5، صفحہ 306، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، صفحہ 1302
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 196

روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو پر کہنی کے جوڑ سے نیچے تلوار ماری اور بازو کاٹ دیا۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے آیا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے دیت کا فیصلہ کیا۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں قصاص لینا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیت لے لو، اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت ڈالے!'' اس مقدمہ میں آپ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ نہ دیا(1)۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی صرف یہی سند ہے اور اس کا ایک راوی دہثم بن قران عکلی اعرابی ضعیف ہے۔ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔ اسی طرح دوسرا راوی نمران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ زخم کا قصاص اس وقت تک نہیں لیا جائے گا جب تک کہ وہ زخم مندمل اور درست نہ ہو جائے۔ اگر زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لے لیا، اس کے بعد زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ نہیں دلوایا جائے گا۔ اس کی دلیل مسند امام احمد کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کے گھٹنے میں سینگ مار کر زخمی کر دیا۔ وہ شخص اپنا مقدمہ لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے قصاص دلوایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے ٹھیک ہو جا پھر۔'' وہ پھر حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے قصاص دلوایئے تو آپ ﷺ نے اسے قصاص (بدلہ) دلوا دیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں تو لنگڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے بات نہ مانی۔ اب تیرے اس لنگڑے پن کا کوئی بدلہ نہیں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے زخم کے درست ہونے سے پہلے قصاص کی ممانعت فرما دی(2)۔

مسئلہ: ۔ زخمی کرنے والے سے قصاص لیا گیا تو وہ اس میں مر گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی، احمد اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر دیت واجب ہے جو اس کے مال میں سے لی جائے گی۔ حضرات عامر شعبی، عطاء، طاؤس، عمرو بن دینار، حارث عکلی، ابن ابی لیلیٰ، حماد بن ابی سلیمان، زہری، اور ثوری فرماتے ہیں کہ ''مُقْتَصٌّ لَہٗ'' (جس کے لئے قصاص لیا گیا) کی عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر دیت واجب ہوگی۔ حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم بن نخعی، حکم بن عُیَیْنَہ اور عثمان بستی فرماتے ہیں کہ ''مُقْتَصٌّ لَہٗ'' سے بقدر اس کے (زخم کے) بدلے تو ساقط ہے باقی اس کے مال میں سے واجب ہے۔

فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ؛ جو شخص قصاص کو معاف کر دے اور بطور صدقہ اپنے بدلے سے درگزر کرے تو یہ زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور زخمی کو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زخمی کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ہیثم بن عریان نخعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اس آیت فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بقدر معافی وصدقہ اس (زخمی) کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں(3)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آیت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کا دانت توڑ دیا جائے یا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا کوئی اور عضو، یا اس کے بدن کا کوئی حصہ زخمی کر دیا جائے تو وہ اسے معاف کر دے تو اس کی مقدار گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر چوتھائی دیت واجب ہوتی تھی تو (درگزر کرنے سے) ایک چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک تہائی دیت تھی تو ایک تہائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر پوری دیت تھی تو سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک قریشی نے ایک انصاری کو دھکا دیا جس سے اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ انصاری اپنا مقدمہ حضرت امیر معاویہ رضی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 880 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 217 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260

اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ جب اس نے (قصاص کا) کچھ زیادہ ہی اصرار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاؤ، اس آدمی کو پکڑ لو (اور بدلہ لے لو) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس مسلمان کو اس کے جسم میں ایذاء پہنچائی جائے تو وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث اس کے درجے بلند فرما دیتا ہے اور اس کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔'' وہ انصاری آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان سنا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے کانوں نے اسے سنا اور میرے دل نے محفوظ رکھا۔ یہ سن کر اس انصاری نے قریشی کو معاف کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری کو کچھ مال دینے کا حکم دیا(1)۔ حضرت عدی بن ثابت کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے دانت توڑ دیئے۔ اسے تین گنا دیت تک کی پیشکش کی گئی لیکن وہ قصاص پر ہی مصر رہا تو وہاں موجود ایک صحابی نے یہ حدیث بیان کی: جو شخص خون یا اس سے کم معاف کر دے تو یہ اس کی ساری زندگی (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے برابر اتنے ہی اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے''(2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''جس شخص کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی گئی تو اس نے اللہ کی خاطر معاف کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے''(3)۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پہلے گزر چکا ہے کہ ظلم، کفر اور فسق کے مختلف درجے ہیں جن میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

''اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لئے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انبیاء بنی اسرائیل کے بعد عیسیٰ بن مریم کو لائے جو تورات پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جو سراپا ہدایت و نور تھی۔ یہ کتاب لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی، شبہات کے ازالہ اور مشکلات کے حل میں لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے اور یہ کتاب تورات کے موافق تھی۔ سوائے یہود کے چند ایک مختلف فیہ مسائل کے انجیل تورات کے مخالف نہ تھی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 448، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدیات، جلد 6، صفحہ 168-169

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 316، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260 3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 412

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران:50) ''اور تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر''۔ اسی لئے علماء کا مشہور قول ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے۔

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی ہم نے انجیل کو سراپا ہدایت اور نصیحت بنایا۔ متقی لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں اور اس کے ذریعے گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ ہدایت اور نصیحت صرف اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرا اور اس کی وعید اور عقاب سے لرزہ براندام رہا۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ''لِيَحْكُمَ'' نصب کے ساتھ بھی ایک قراءت ہے۔ اس صورت میں ''لِيَحْكُمَ'' میں لام، لام کَیْ (ناصبہ) ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں انجیل دی تا کہ اپنے زمانہ میں اس کے متبعین اس کے مطابق فیصلے کریں۔ دوسری مشہور قراءت ''وَلْيَحْكُمْ'' جزم کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں لام، لام امر ہوگا، معنی یہ ہوگا: چاہئے کہ وہ انجیل کے تمام احکام پر ایمان لائیں اور اس کے مطابق فیصلے دیں۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (آل عمران:50) ''آپ فرمایئے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے''۔ اور فرمایا: ''اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف:157) ''(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں......''

اس لئے یہاں فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہیں، باطل کی طرف مائل ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ یہ آیت نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

''اور (اے حبیب) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر، تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے، ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو، تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے، پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کردیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے''۔

تورات وانجیل کی مدح وثناء، تعریف وتوصیف اور ان کے پیروکاروں کو ان کی اتباع اور اطاعت کے حکم کے بعد اب اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے پیارے بندے اور عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی ہم نے اس کتاب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حق وصداقت کے ساتھ نازل کیا ہے، اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یہ کتاب پہلی ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جن میں اس کا ذکر، صفت اور مدح بیان کی گئی تھی اور ان میں یہ بھی مذکور تھا کہ یہ عظیم الشان کتاب بلند مرتبت رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے گی، چنانچہ یہ کتاب ویسے ہی اتری جس طرح انہیں خبر دی گئی تھی، اس طرح ان صاحب بصیرت اہل کتاب کے نزدیک بھی ان کتب کی سچائی میں اضافہ ہوگیا جو احکام الٰہی کی اطاعت کرتے، شریعت کی پیروی کرتے اور رسولوں کی تصدیق کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: (109-108)) ''بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے پیغمبروں کی زبانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا جو وعدہ کر رکھا تھا وہ سچا ثابت ہوا۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی امین بتاتے ہیں یعنی یہ کتاب پہلی ہر (آسمانی) کتاب کی امین ہے۔(1) ابن جریج کہتے ہیں کہ قرآن کریم سابقہ کتب پر امین ہے۔ ان کتابوں میں سے جو قرآن کے موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مُهَيْمِنًا کا معنی شہید (گواہ) بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی حاکم بھی نقل کیا گیا ہے یعنی سابقہ کتابوں پر حاکم ہے۔ یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔ کیونکہ ''مُهَيْمِنٌ'' کا لفظ ان معانی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ پہلی تمام کتب پر امین بھی ہے، شاہد بھی اور حاکم بھی۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے اس نے نہایت کامل، جامع اور عظیم بنایا ہے۔ اس میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 266

پہلی تمام کتابوں کے محاسن بھی جمع فرما دیئے اور ان کے علاوہ مزید کمالات سے بھی اسے آراستہ کر دیا۔ اس لئے اسے ان سابقہ کتب پر شاہد، امین اور حاکم بنا دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود سنبھالی، فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9) ''بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

مجاہد سے یہ منقول ہے کہ ''مُهَيْمِنٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن پر امین ہیں۔ یہ معنی کے لحاظ سے تو درست ہے لیکن اس کی یہ تفسیر کرنا درست نہیں ہے اور عربیت کے لحاظ سے یہ تفسیر محل نظر ہے، بہرصورت صحیح تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تاویل کلام عرب میں مفہوم کے اعتبار سے بہت بعید ہے، بلکہ یہ تفسیر کرنا غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''مُهَيْمِنٌ'' کا عطف ''مصدق'' پر ہو رہا ہے۔ اس میں بھی اسی چیز کا وصف بیان ہو رہا ہے جس چیز کا وصف مصدق میں بیان ہو رہا ہے، اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح مجاہد کا کہنا ہے تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی یعنی وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ سے پہلے واؤ حرف عطف نہیں ہونا چاہئے تھا(1)۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ پس اے محبوب! آپ لوگوں کے درمیان خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، امی ہوں یا کتابی، اس قرآن عظیم کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ اسی طرح ان احکام کے مطابق بھی فیصلہ کریں جن کا تعلق سابقہ شریعتوں کے ساتھ ہے، انہیں منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ کی شریعت میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت رکھا ہے، ابن جریر نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا اگر آپ ﷺ کی مرضی ہو تو ان (اہل کتاب) کے درمیان فیصلے کریں اور اگر مرضی نہ ہو تو اعراض کر لیں اور انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹا دیں، لیکن جب یہ آیت اتری: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ تو آپ ﷺ کو حکم دے دیا گیا کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق ان میں فیصلے کریں۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ان کی وہ آراء اور خواہشات جن کے یہ از خود پیروکار بن گئے تھے اور جن کے سبب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا، اے محبوب! ان کی ان خواہشات کی اتباع میں حق کو نہ چھوڑ دینا۔ یہ لوگ تو جاہل اور بدبخت ہیں۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''شِرْعَةً'' کا معنی سبیل (واضح رستہ) اور ''مِنْهَاجَ'' کا سنت (طریقہ) بتاتے ہیں۔ بعض نے اس کے برعکس معنی بتایا ہے۔ لیکن پہلے جو بیان ہوا وہی درست ہے کیونکہ ''شِرْعَةً'' (جو شریعت کا ہم معنی ہے) اس رستہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی طرف ابتداء کی جائے۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: ''شَرَعَ فِيْ كَذَا'' (فلاں چیز میں شروع ہو گیا)۔ اسی طرح شریعت اس رستہ کو کہتے ہیں جس سے پانی کی طرف جایا جائے۔ اور ''مِنْهَاجَ'' کا معنی ہے واضح آسان رستہ۔ اور سنن بمعنی طرائق آتا ہے۔ تو ''شِرْعَةً'' کا معنی سبیل اور ''مِنْهَاجَ'' کا معنی سنت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

پھر یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ پہلی امتیں توحید، عقائد اور اصول میں تو متحد تھیں لیکن ان کی شریعتوں کے احکام میں کچھ اختلاف تھا، جس طرح صحیح بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے''(2)۔ اس سے مراد توحید ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو مبعوث فرمایا اور ہر کتاب میں اس کا بیان ہوا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 268، البحر المحیط لابی حیان جلد 3، صفحہ 502
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 477-478

عبادت کیا کرو"۔ اور فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) "اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے"۔

البتہ شریعتیں اوامر و نواہی میں مختلف تھیں۔ ایک چیز ایک شریعت میں حرام تھی تو دوسری میں حلال کر دی گئی یا اس کے برعکس، ایک شریعت میں کوئی حکم خفیف تھا دوسری میں ذرا سخت کر دیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور (باطل کے خلاف) قطعی حجت ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ سنن (طریقے) مختلف ہیں۔ یہی سنن شریعت ہے۔ تورات ایک شریعت ہے، انجیل ایک الگ شریعت ہے اور اسی طرح قرآن ایک مستقل شریعت۔ اللہ تعالیٰ ان شریعتوں میں جو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے، مقصد اس سے آزمائش ہے کہ کون اس کے فرمان کی اطاعت کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ جبکہ دین ایک ہی ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی دین کو قبول نہیں فرماتا، اس کا مطلب ہے توحید اور اخلاص جس کی تبلیغ سارے پیغمبر کرتے رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے مخاطب اس امت کے افراد ہیں۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا: اے امت محمد یہ! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے قرآن کو شریعت اور راہ عمل بنا دیا ہے۔ یہ قرآن تمہارے لئے ہے اس لئے اس کی اقتداء کرو۔ اس صورت میں قرآن کریم کی طرف لوٹنے والی ضمیر منصوب محذوف ہو گی، تقدیر ہوگی: "لِکُلٍّ جَعَلْنَاہُ" یعنی ہم نے قرآن کریم کو مقاصد صحیحہ تک پہنچنے کا رستہ اور واضح عمل کی راہ بنا دیا ہے(1)۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے جس پر بعد والا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اگر خطاب اس امت کو ہوتا تو پھر وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا حالانکہ یہ امت تو پہلے ہی اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ہے۔ بلکہ یہ خطاب تمام امتوں کو ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے بارے میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین اور ایک ناقابل منسوخ شریعت پر جمع کر دیتا۔ لیکن اس نے (اپنی حکمت کے پیش نظر) ہر ایک رسول کو الگ الگ شریعت عطا فرمائی پھر دوسرے رسول کے ساتھ اسے کلی طور پر یا جزوی طور پر منسوخ کر دیا یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور تمام اہل زمین کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا، اسی لئے فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ یہ شریعتوں میں اختلاف اس حکمت کے پیش نظر تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائے اور اطاعت گزاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو سزا دے۔ عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ کا مطلب ہے جو کتاب اس نے تمہیں عطا کی ہے، اس میں آزمائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیرات اور نیکیوں میں سبقت لے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ یعنی اللہ کی اطاعت، اس شریعت کی اتباع جو تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی تصدیق میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا...... اے لوگو! تمہیں قیامت کے دن اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ حق کے متعلق تمہارے اختلاف سے تمہیں آگاہ کر دے گا۔ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا اچھا بدلہ دے گا اور بلا وجہ حق سے روگردانی کرنے والوں، حق کو جھٹلانے والوں، قطعی دلائل و براہین کے ساتھ عناد رکھنے والے کافروں کو برے انجام سے دوچار کرے گا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ میں خطاب امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے(2)۔ لیکن پہلا قول زیادہ درست اور واضح ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 270 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 273

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ پچھلی آیت میں گزرے ہوئے اسی مضمون کی یہ آیت تاکید بیان کررہی ہے۔

وَاحۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡكَ ...... اپنے ان یہودی دشمنوں سے ہوشیار رہنا، کہیں یہ اپنی باتوں سے آپ کو پھسلا نہ دیں اور حق کو آپ پر مشتبہ نہ کر دیں۔ ان سے بالکل دھوکہ نہ کھانا کیونکہ یہ لوگ جھوٹے، کافر اور خائن ہیں اور اگر یہ آپ کے حق پر مبنی فیصلہ سے اعراض کرلیں اور اللہ کے حکم کی مخالفت کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سیاہ کاریوں اور گناہوں کے باعث انہیں سزا دینے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے ہدایت کی توفیق ہی ان سے سلب کرلی ہے۔ ان کے سابقہ کرتوتوں اور گناہوں کا یہی تقاضا ہے کہ انہیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے دیا جائے اور انہیں ان کی بداعمالیوں کی عبرتناک سزا دی جائے اور ان میں سے اکثر ایسے نابنجار ہیں جو اطاعت الٰہی سے منحرف ہیں اور حق کے مخالف۔ جیسا کہ فرمایا: وَمَاۤ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہئیں، ایمان لانے والے''۔

اور فرمایا: وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (الانعام:116) ''اور (اے سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعب بن اسد، ابن صلوبا، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس (سب یہودی تھے) آپس میں کہنے لگے کہ چلو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلتے ہیں، شاید ہم انہیں ان کے دین سے برگشتہ کرلیں۔ حسب پروگرام وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم یہود کے علماء، شرفاء اور زعماء ہیں، اگر ہم نے آپ کی اتباع کرلی تو ہماری اتباع میں تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کرلیں گے اور وہ کبھی بھی ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ بس ایک تنازع کا تصفیہ مطلوب ہے، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین ایک جھگڑا ہے۔ اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ دے دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کردیا اس پر یہ وحی اتری: وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ...... یُوۡقِنُوۡنَ۔(1)

اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ ...... اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق اظہار ناپسندیدگی فرمارہا ہے جو اس کے اس حکم سے انحراف کرلیتے ہیں جو محکم ہے، خیر پر مشتمل ہے اور شر سے منع کرنے والا ہے اور اس سے احتراز کرکے ایسی آراء، خواہشات اور احکام کی طرف راغب ہوجاتے ہیں جو بغیر کسی شرعی دلیل کے لوگوں کے خودساختہ ہوتے ہیں۔ جس طرح اہل جاہلیت اپنی خودساختہ آراء اور نفسانی خواہشات کے مطابق ضلالت اور جہالت پر مبنی احکام وضع کرلیا کرتے تھے اور جس طرح تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے ان احکام کی پیروی کرتے جو یاسق نے وضع کئے تھے۔ دراصل یہ احکام یہودیت، نصرانیت اور اسلام جیسی مختلف شریعتوں سے ماخوذ تھے۔ بہت سے احکام ایسے بھی تھے جو صرف ذاتی رائے، عقل اور خواہش پر مبنی تھے۔ یہ احکام ان کے لئے شریعت کی شکل اختیار کرگئے جسے وہ کتاب وسنت پر ترجیح دیتے۔ جو بھی ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے، ایسے شخص کے خلاف جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور اس کے سوا کسی بھی چھوٹے بڑے معاملہ میں کسی کا حکم تسلیم نہ کرے۔

اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ...... کیا وہ زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ کے فیصلے سے عدول کرتے ہیں۔ حالانکہ کون ہے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بہتر ہو۔ کون ہے جس کا فیصلہ یقین کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے زیادہ عادلانہ ہو؟ یہ یقین رکھنے والے وہ لوگ ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 273-274، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 567

جو شریعت کی سمجھ رکھتے ہیں اور صدق دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ ہر چیز سے آگاہ، ہر چیز پر قادر اور ہر چیز میں عادل ہے۔ اس لئے اس سے عمدہ اور بہتر فیصلہ کس کا ہوسکتا ہے؟ حضرت حکم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ جاہلیت کا ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس سے پوچھا کہ کیا میں عطیہ دینے میں اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہ آیت اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض آدمی وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرے اور ناحق کسی آدمی کا خون بہانے پر تل جائے(1)۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (ومددگار)، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو، سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دیدے فتح کامل یا (ظاہر کردے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم اور (اس وقت) کہیں گے ایمان والے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اعدائے اسلام یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمار ہا ہے، اور یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ اہل اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی رکھنے اور یارانہ گانٹھنے والے کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آمدن اور اخراجات کا حساب پیش کرو۔ ان کا ایک نصرانی کاتب تھا جس نے سارا حساب پیش کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے متعجب ہوئے اور فرمایا کہ یہ محافظ ہے۔ پھر اسے فرمایا کہ شام سے ایک خط آیا ہے کیا تم مسجد میں پڑھ کر ہمیں سناؤ گے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ جنبی ہے؟ کہا نہیں، بلکہ نصرانی۔ تو حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 281، الاقناع لابن الباذش، جلد 2، صفحہ 635

عنہ نے مجھے جھڑکا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا اسے نکال دو، اور پھر یہ آیت پڑھی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ(1)۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی لاشعوری طور پر یہودی یا نصرانی بننے سے بچے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ ان کے پیش نظر یہی آیت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرب نصاریٰ کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھاؤ لیکن یہ فرمان الٰہی: وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ یاد رکھنا(2)۔

فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ...... یعنی جن لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ اور نفاق ہے انہیں آپ دیکھیں گے کہ وہ پوشیدہ طور پر اور کھلے بندوں ان یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی اور محبت کے روابط قائم کرنے کے لئے لپکتے ہیں اور اس دوستی کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم گردش زمانہ کا شکار ہو جائیں اور ہمارے مخالف ہمیں پیس کر رکھ دیں۔ اس لئے ہم ان یہود ونصاریٰ کے ساتھ رشتہ وتعلق قائم رکھے ہوئے ہیں تاکہ مشکل گھڑی میں ضرورت کے وقت یہ تعلق کام دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ...... سدی کہتے ہیں کہ ''اَلْفَتْح'' سے مراد فتح مکہ ہے(3)۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے فیصلہ اور حکم۔ ''اَمْر'' سے مراد یہود ونصاریٰ پر جزیہ۔ یعنی وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامل فتح عطا فرما دے گا اور ان کا سکہ چلنے لگے گا یا فتح کی کوئی اور صورت پیدا کر دے گا جس سے یہود ونصاریٰ مغلوب ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر یہ یہود ونصاریٰ سے رشتہ جوڑنے والے منافقین اس دوستی پر نادم ہوں گے جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ یہ بھیگی بلی بنے ہوئے ہوں گے اور ندامت کے آنسو بہا رہے ہوں گے۔ ذلت ورسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے کراہ رہے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دے گا۔ مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو اسلام اور ایمان کے بلند بانگ دعوے کیا کرتے تھے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ اپنی دوستی کا جواز پیش کرتے۔ اب ان کا جھوٹ واضح ہو گیا اور ان کی افتراء پردازی طشت از بام ہو گئی، ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور یہ سخت خسارہ اٹھانے والے ہو گئے، فرمایا: وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا ...... اس آیت کی ابتداء میں حرف عطف، واو کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قرأت میں واؤ کو ثابت رکھ کر پڑھا گیا ہے۔ یہ جمہور کی قراءت ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے ''وَیَقُوْلُ'' فعل کو مرفوع پڑھا ہے، جملہ ابتدائیہ ہوگا۔ بعض نے اس فعل کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ ...... پر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ''اَنْ یَّاْتِیَ وَیَقُوْلَ'' اہل مدینہ اس آیت کو واؤ کے بغیر پڑھتے ہیں(4)۔

ان آیات کریمہ کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیات دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غزوۂ بدر کے بعد ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں یہودی کی طرف جا رہا ہوں، اس کی پناہ لوں گا اور یہودیت کا اظہار کروں گا تاکہ وہ مشکل وقت میرے کام آئے۔ دوسرا شخص کہنے لگا کہ میں تو شام میں فلاں نصرانی کے پاس جا رہا ہوں، اس کی پناہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 276 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 275 3۔ ایضاً

4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 281، الاقناع لابن الباذش، جلد 2، صفحہ 635

لوں گا اور نصرانیت کا اظہار کروں گا تا کہ بوقت ضرورت وہ میرے لئے نفع بخش ثابت ہو۔ اس پر یہ آیات اتریں۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور (ﷺ) ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تمہیں قتل کر دیا جائے گا(1)۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) کے بارے میں اتریں۔ ہوا یوں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! میرے بہت سے یہودی دوست ہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ان یہود کی دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی کافی ہے، لیکن عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حالات ناسازگار نہ ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ گردش زمانہ ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے۔ اس صورت حال میں کوئی مددگار نہ ہوا تو کیا کریں گے، میں تو ان یہود کی دوستی نہیں توڑ سکتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ عبادہ کے برعکس تم یہود کی جس دوستی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہو وہ تمہیں مبارک ہو، یہ گھاٹے کا سودا ہے لیکن عبادہ کے لئے نہیں''۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے تو یہی سودا منظور ہے۔ اس پر یہ آیات اتریں(2)۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں مشرکین ہزیمت سے دوچار ہوئے تو مسلمانوں نے اپنے یہودی دوستوں سے کہا کہ تم اسلام قبول کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح تمہیں بھی ایسی ہی شکست کا مزہ چکھنا پڑ جائے۔ اس پر مالک بن صیف (یہودی) کہنے لگا کہ چند ناتجربہ کار، اناڑی اور فنون حرب سے ناواقف قریش کی شکست کہیں تمہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے اور اس فتح پر مغرور نہ ہو جانا، اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو پھر پتہ چلے گا کہ لڑائی کیسے کہتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے یہود دوست بہت طاقتور، اسلحہ سے مکمل طور پر لیس اور شان وشوکت والے ہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میرا حامی وناصر صرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہے لیکن عبداللہ بن ابی نے کہا کہ میں تو ان سے اظہار براءت نہیں کرسکتا۔ ان کی دوستی کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ عبادہ کے برعکس یہود کے ساتھ تمہاری دوستی خسارے کا سودا ہے۔ اس نے کہا: تب مجھے قابل قبول ہے۔ اس پر یہ آیات اتریں(3)۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہودیوں میں سے بنوقینقاع نے عہد شکنی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ اب عبداللہ بن ابی آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ یہ میرے دوست اور خزرج کے حلیف تھے اس لئے ان کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے۔ لیکن آپ ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک ان کے معاملہ میں آپ مجھ پر احسان نہ فرمائیں۔ یہ چار سو ننگے سر اور تین سو زرہ پوش یہ ایک جماعت ہے جو میری حمایت کرتی رہی۔ مشکل وقت میں یہ لوگ میرے کام آتے رہے، مجھے تو حوادثات زمانہ سے بہت خوف آتا ہے۔ آخرکار حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب تیرے لئے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بنوقینقاع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ پر اتر آئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 276 　 2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 275

3۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12، صفحہ 210، المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 373

کو ان پر غلبہ عطا فرمایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت میں آ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ سے ان کے معاملہ میں نرمی کا خواستگار ہوا۔ جبکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا حالانکہ عبداللہ بن ابی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ بھی ان کے حلیف تھے اس پر سورۂ مائدہ کی یہ آیات اتریں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ...... فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ(1)۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، میں ابھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "میں نے تمہیں بار بار یہود کی محبت سے روکا تھا۔" تو وہ کہنے لگا کہ اسعد بن زرارہ کو تو ان سے بغض تھا پھر بھی وہ مر گیا(2)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

"اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بد نصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں) بلا شبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عظیمہ کی خبر دے رہا ہے کہ اگر کوئی اس کے دین کی حمایت ونصرت سے انحراف کر لے اس کی شریعت کو پس پشت ڈال دے اور دین اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے سعادت مندوں کو اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لے گا جو ان سے ہر لحاظ سے بہتر اور اعلیٰ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمد:38) "اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔ اور فرمایا: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿ۙ﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (ابراہیم:20-19) "اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں"۔

اور یہاں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ یعنی جو حق سے باطل کی طرف رجوع کرے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 47-49
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 184، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 201

آیت زعماء قریش کے بارے میں اتری۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو جانے والوں کے بارے میں اتری۔

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس قوم سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے ساتھی ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ اس سے مراد اہل قادسیہ ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قوم سبا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کندہ اور سکون قبائل کے اہل یمن ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس فرمان کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ یمن کی ایک قوم ہے جو قبیلہ کندہ سے ہے، پھر سکون سے، پھر تجیب ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی قوم ہے(1)۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یہ کامل اہل ایمان کی صفات ہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے تو نہایت متواضع اور ان کے حامی و ناصر ہیں جبکہ دشمنان دین کے لئے نہایت سخت اور بھاری جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)'' (جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحمدل ہیں''۔

نبی کریم ﷺ کے وصف میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آپ ''ضَحُوْكٌ'' (ہنس مکھ) اور ''قَتَّالٌ'' (سخت جنگجو) تھے، یعنی اپنے دوستوں کے لئے خندہ رو اور دشمنوں کے لئے جنگجو۔

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ انہیں اطاعت الٰہی، اجراء حدود، نفاذ احکام الٰہی، جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے کوئی بھی منع نہیں کر سکتا، ان فرائض کی ادائیگی سے کوئی بھی انہیں باز نہیں رکھ سکتا۔ نہ یہ کسی کی سرزنش سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ کسی ملامت گر کی باتوں میں آتے ہیں بلکہ ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھوں اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھوں جو (دنیاوی لحاظ سے) مجھ سے فوقیت رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ دوسرے اعراض کر لیں، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ کسی سے بھی کسی چیز کا سوال نہ کروں، آپ ﷺ نے مجھے حق بات کہنے کا حکم دیا اگرچہ وہ کڑوی لگے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ میں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤں اور آپ ﷺ نے مجھے کثرت سے ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ) پڑھنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ عرش تلے ایک عظیم خزانہ ہے(2)۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پانچ مرتبہ بیعت لی اور سات چیزوں کا پختہ عہد لیا اور سات مرتبہ مجھ پر اللہ کو گواہ بنایا کہ میں حق کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈروں گا۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا: ''تم جنت کے بدلے میں مجھ سے بیعت کرو گے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 284 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 159

آپ ﷺ نے یہ شرط لگائی کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا۔ میں نے عرض کی: بہت اچھا۔ فرمایا: اگر چہ تمہارا کوڑا گر پڑے تو بھی'' (1)۔ یعنی خود سواری سے اتر کر پکڑ لینا کسی کو زحمت نہ دینا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! جب تم میں سے کوئی حق بات دیکھے تو لوگوں کا خوف اسے حق گوئی سے باز نہ رکھے۔ حق گوئی نہ تو موت کو قریب کرتی ہے اور نہ رزق کو دور کرتی ہے'' (2)۔

اور ایک حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس قدر حقیر اور بیچارہ نہ بنالے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بات کرنے کی ضرورت بھی ہو لیکن وہ خاموش رہے۔ اسے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ فلاں فلاں بات کرنے سے تجھے کونسی چیز مانع تھی وہ کہے گا کہ لوگوں کا خوف۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ہی ڈرتا'' (3)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے بندے سے باز پرس کرے گا اور یہ بھی سوال کرے گا کہ اے میرے بندے! برائی کو دیکھ کر تو نے ناپسندیدگی کا اظہار کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ جب اسے خود ہی جواب سمجھا دے گا تو وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا'' (4)۔

صحیح حدیث میں آتا ہے: ''مؤمن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل ورسوا بنالے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کیسے خود کو ذلیل کرتا ہے؟ فرمایا: ''اپنے بس سے باہر آزمائشوں کو اپنے اوپر لے لے'' (5)۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ ...... ان مذکورہ صفات سے جو کوئی متصف ہو تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادہ اور فراخ فضل وکرم فرمانے والا ہے اور وہ بخوبی آگاہ ہے کہ اس کے فضل وعنایت کا کون مستحق ہے اور کسے محروم رکھا جانا چاہئے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا ...... یعنی تمہارے دوست کفار، یہود اور نصاریٰ نہیں بلکہ تمہارے دوست اور حامی و ناصر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کا پیارا رسول ﷺ ہے اور وہ مؤمنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی عبادت میں خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ نماز دین کا سب سے بڑا رکن ہے، نماز نام ہے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا اور زکوٰۃ غرباء ومساکین کا حق ہے، اس کے ذریعے معاشرہ کے محروم اور نادار طبقہ کی کفالت ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ وہم سا ہو گیا کہ ''وَهُمْ رٰكِعُوْنَ''، ''وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ'' سے حال ہے۔ معنی یہ بنتا ہے کہ وہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ اگر ان کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی بہ نسبت کسی اور حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے افضل ہے، حالانکہ کوئی امام بھی اس کا قائل نہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، رکوع کی حالت میں تھے کہ ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ عتبہ بن ابی حکیم کا کہنا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا سے مراد مؤمنین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ سلمہ بن کہیل

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 172 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 50

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، صفحہ 1327، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 73 4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1332، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 77

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 111-112، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن صفحہ 1331-1332

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تو اس وقت یہ آیت اتری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری، یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رکوع میں گئے تو ایک سائل آ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی اسے دے دی۔ لیکن اس روایت کے کچھ راوی مشکوک ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز پڑھ رہے تھے، کوئی رکوع میں تھا، کوئی سجدہ میں، کوئی قیام اور کوئی تشہد میں۔ اسی اثناء میں ایک مسکین مانگتے ہوئے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تمہیں کسی نے کچھ دیا ہے؟'' عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: وہ کون ہے؟ عرض کی کہ وہ شخص جو کھڑا ہے۔ فرمایا: اس نے کس حالت میں تجھے عطا کیا؟ عرض کی: رکوع کی حالت میں۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور اس آیت وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ...... کی تلاوت کی(1)۔ اس کی سند میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ واقعہ درست نہیں کیونکہ اس کے متعلقہ تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں اور راوی مجہول ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مؤمنین کے بارے میں اتری۔ یعنی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

عبدالملک نے ابوجعفر سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی تو کہنے لگے کہ اہل ایمان کے بارے میں۔ پوچھا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہی جو ایمان لائے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے تو ابوجعفر کہنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو اہل ایمان میں سے ہیں(2)۔ سدی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت تمام مؤمنین کے بارے میں اتری ہاں یہ ضرور ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کی حالت میں ایک سائل کو اپنی انگوٹھی دے دی۔ بہرکیف بات یہی درست ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بھی گزر چکا ہے کہ یہ آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں جب آپ نے یہود کی دوستی سے بیزاری کا اظہار کیا اور اللہ و رسول کی دوستی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اسی لئے تو آخر میں فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾ (المجادلۃ: 22-21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے۔ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے''۔ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی پر راضی ہو گیا وہ دنیا و آخرت میں

1۔ یہ حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 288

کامیاب وکامران ہے۔ اسی لئے فرمایا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفار سے (اپنے) دوست اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تو ایمان دار۔ اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ان اعداء اسلام، اہل کتاب اور مشرکین کی دوستی سے نفرت دلا رہا ہے جنہوں نے دنیوی اور اخروی بھلائی کے حامل پاکیزہ اور جامع دین کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ یہ اس دین حنیف کا مذاق اڑاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی نظر فاسد اور فکر مریض کا شاخسانہ ہے، بقول شاعر: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو صحیح بات میں بھی عیب جوئی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصل مصیبت یہ ہے کہ ان کی سمجھ ہی بیمار ہے(1)۔

مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہاں مِنْ بیان جنس کے لئے ہے جیسا کہ اس فرمان میں: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30) ''پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے''۔

بعض نے ''اَلْكُفَّارِ'' کو عطف کرتے ہوئے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے اسے زبر کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں یہ ''لَا تَتَّخِذُوا'' کا معمول ہوگا، تقدیر کلام ہوگی: ''وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ'' یعنی ان کو اور نہ ان کو دوست بناؤ۔ کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہی آیا ہے، یعنی ''وَالْكُفَّارَ'' کی بجائے ''وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا'' کے الفاظ ہیں(2)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ جس شریعت کو ان بدبختوں نے کھیل تماشا اور مذاق بنا رکھا ہے اگر اس پر واقعی تمہارا ایمان ہے تو تم ان کی دوستی سے باز رہو کیونکہ یہ تمہارے بھی دشمن ہیں اور دین کے بھی، جیسا کہ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ (آل عمران:28) ''نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام، پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا اسی طرح جب تم اذان دیکر سب سے افضل عمل نماز کی دعوت دیتے ہو تو یہ بے وقوف اسے بھی مذاق اور تماشا بنا لیتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ لوگ عقل سے عاری اور سمجھ سے نابلد ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ عبادت کیا چیز ہے اور شریعت کا تقدس کیا ہوتا ہے۔ یہ کیفیت ہے شیطان کے چیلوں کی۔ ان کا گرو (شیطان) بھی جب اذان سنتا ہے تو گوز مارتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتا ہے تاکہ وہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ دھمکتا ہے۔ جب نماز کے

1۔ دیوان المتنبی، جلد 4، صفحہ 120 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 290

لئے تکبیر ہوتی ہے تو پھر دم دبائے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جب تکبیر ہو جائے تو پھر آ جاتا ہے اور بندے اور اس کے دل کے درمیان کھٹکتا ہے، اسے بہکاتا ہے اور بھولی بسری باتیں اسے یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ نماز کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کوئی اس صورت حال سے دوچار ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے (سجدہ سہو) کرے (1)۔

امام زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ'' میں اذان کا ذکر ہے۔

مدینہ شریف میں ایک نصرانی اذان میں جب ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے کلمات سنتا تو کہتا کہ ''کذاب جل جائے۔'' ایک مرتبہ رات کے وقت اس کی خادمہ آگ لائی۔ وہ بھی اور اس کے گھر والے بھی سب سوئے ہوئے تھے۔ ایک شرارہ گرا جس سے تمام گھر آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ بدبخت بھی جل کر خاکستر ہو گیا اور اس کے سب گھر والے بھی (2)۔ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام قریب ہی کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب بن اسید کہنے لگا کہ میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہوا کہ وہ اس غضبناک کر دینے والی چیز (اذان) کو سننے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ حارث بن ہشام نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس کے برحق ہونے کا مجھے علم ہو جاتا تو اس کی پیروی کرتا۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں تو کچھ نہیں کہتا، اگر کوئی بات میں نے منہ سے نکال دی تو خطرہ ہے کہ یہ کنکریاں ہی اسے میری خبر دے دیں گی۔ یہ باتیں کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے جو باتیں تم نے کی ہیں''۔ پھر آپ نے وہ تمام باتیں ان کے سامنے منکشف فرما دیں۔ یہ سنتے ہی حارث اور عتاب بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہمارے پاس کوئی اور شخص تھا ہی نہیں جو ہماری باتیں سن کر آپ کو بتا دیتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو یہ باتیں بتائی ہیں (3)۔

عبداللہ بن محیریز جو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی گود میں (حالت یتیمی میں) پرورش پاتے رہے، شام کی طرف جانے لگے تو انہوں نے حضرت ابومحذورہ سے کہا کہ میں شام جا رہا ہوں، ممکن ہے وہاں کے لوگ مجھ سے آپ کی اذان کے متعلق سوال کریں۔ اس لئے تفصیلات سے مجھے آگاہ فرما دیں۔ تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کچھ لوگ حنین کے رستے جا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رستہ میں آپ ﷺ سے ہماری ملاقات ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے آپ ﷺ کے پاس نماز کے لئے اذان کہی۔ ہم نے مذاق اڑاتے ہوئے اور اذان کی نقل اتارتے ہوئے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے ہماری چیخ و پکار سنی تو ہمیں بلا بھیجا۔ ہم سب حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے اونچی آواز کس کی تھی؟'' سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ حضور ﷺ نے باقی سب کو تو جانے دیا لیکن مجھے روک لیا اور فرمایا: ''اٹھو، اذان دو۔'' میں بادل نخواستہ اٹھا حالانکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے حکم سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز ناپسند نہ تھی۔ میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بذات خود اذان مجھے سکھائی اور فرمایا: کہو، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 84-85، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 291 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 291
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 413

اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

جب اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔ پھر اپنا دست اقدس میری پیشانی پر رکھ دیا، پھر سارے چہرے، سینے اور جگر پر پھیرا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہاتھ میری ناف تک پہنچ گیا پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر برکت ڈالے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مکہ شریف کا موذن بنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میرے دل میں آپ ﷺ کی جتنی نفرت اور عداوت تھی وہ سب محبت میں بدل گئی۔ میں گورنر مکہ عتاب بن اسید کے پاس آیا اور آپ ﷺ کے حکم سے وہاں اذان دینے پر مامور ہو گیا(1)۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چار مؤذنوں میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ طویل عرصہ تک اہل مکہ کے مؤذن رہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

''آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے اور جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ اور زیادتی کرنے میں اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی برے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب نے آپ کے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، انہیں آپ فرمائیں: هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی کیا تمہیں ہمارے اندر یہی عیب نظر آیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 287، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 409 وغیرہ

کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ کیا یہی تمہارے بغض اور طعن و تشنیع کی وجہ ہے؟ یہ بات نہ تو معیوب ہے اور نہ قابل مذمت۔ اس میں استثناء منقطع ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (بروج:8) ''اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے''۔ اسی طرح یہ آیت: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ:74) ''اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے''۔

اسی طرح اس حدیث میں بھی استثناء منقطع ہے: مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ(1) ''ابن جمیل کو یہی بات ناپسند ہے کہ وہ فقیر تھا، اللہ نے اسے غنی کر دیا''۔ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ کا عطف ''اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' پر ہو رہا ہے، یعنی یہ کہ ہم اس بات پر بھی ایمان لائے کہ تم میں سے اکثر فاسق اور راہ راست سے منحرف ہیں۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ ..... کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جو تم ہمارے بارے میں گمان رکھتے ہو اس سے بھی بدترین سزا تمہیں قیامت کے دن ملنے والی ہے یہ سزا تم پا کر رہو گے کیونکہ مذکورہ خصلتیں تمہارے اندر ہی پائی جاتی ہیں یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا، ان پر غضبناک ہوا کہ پھر کبھی بھی ان سے راضی نہ ہوگا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے انہیں خنزیر اور بندر بنا دیا۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے اور مزید وضاحت سورۂ اعراف میں ہو گی(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا بندر اور خنزیر انسانوں کی مسخ شدہ صورتیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے یا فرمایا کہ مسخ کر دیتا ہے تو ان کی نسل ہی باقی نہیں رکھتا، بندر اور خنزیر ان سے پہلے بھی تھے''۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ کیا بندر اور خنزیر یہود کی نسل میں سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ جس قوم پر اپنا عذاب نازل کر کے ان کی صورتیں مسخ کر دے تو ان کی نسل ہی نہیں ہوتی۔ خنزیر اور بندر تو ان سے پہلے بھی تھے، لیکن جب یہود پر غضب الٰہی نازل ہوا تو اس نے انہیں مسخ کر کے ان کی طرح بنا دیا''(3)۔

ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سانپ جنات کی مسخ شدہ صورتیں ہیں جس طرح بندر اور خنزیر (انسانوں کی) مسخ شدہ شکلیں ہیں''(4)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ایک قراءت میں ''عَبَدَ'' فعل ماضی کا صیغہ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں ''الطاغوت'' اس کا مفعول ہوگا، معنی یہ ہوگا کہ ان میں سے بعض ایسے بنا دیئے جو طاغوت (شیطان) کی عبادت کرتے۔ دوسری قراءت میں اضافت کے ساتھ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ بھی پڑھا گیا ہے(5)۔ یعنی ان میں سے شیطان کے بندے اور خادم بنا دیئے۔ اس صورت میں ''عبد'' عابد کی جمع ہوگا جیسے خادم کی جمع خَدَم۔ ایک اور قراءت میں اسے وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جمع الجمع ہوگی یعنی عابد کی جمع عبید اور اس جمع کی جمع

1۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، 3، صفحہ 331، صحیح مسلم، صفحہ 676-677 وغیرہ 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 65 و سورۂ اعراف: 166

3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، صفحہ 2050-2052 4۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 395، مسند ابی داؤد طیالسی، صفحہ 39

5۔ یہ حمزہ کی قرأت ہے، دیکھئے تفسیر روح المعانی، جلد 6، صفحہ 176 اور دالاقناع لابن الباذش، صفحہ 635

''عُبُدٌ''۔ جس طرح ثمر کی جمع ثمار اور اس کی ثمر۔ حضرت بریدہ اسلمی اسے ''عَابِدَ الطَّاغُوْت'' پڑھتے۔ حضرت ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ''عَبَدُوْا'' پڑھتے۔ ابوجعفر القاری اسے مجہول ''عُبِدَ الطَّاغُوتُ'' پڑھتے (1)۔ پھر معنوی لحاظ سے اسے بعید سمجھتے۔ لیکن اس میں کوئی ایسا بعد نہیں، کیونکہ اس میں ان اہل کتاب سے تعریض کی گئی ہے یعنی تم ہی وہ ہو جن میں طاغوت کی عبادت کی گئی اور تمہیں نے ایسا کیا۔ سب قراءات کا مطلب یہی ہے کہ اے اہل کتاب! تم ہمارے دین میں طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہو حالانکہ یہ دین تو توحید کا درس دیتا ہے اور صرف اسی کی عبادت کا تقاضا کرتا ہے لیکن تم اس سے کوسوں دور ہو اور تمہارے اندر انتہائی بری صفات پائی جاتی ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ اس کے باوجود تم ہمیں الزام دیتے ہو اور ہمیں نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو، تم بہت ہی برے لوگ ہو، اسی لئے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اس آیت میں اسم تفضیل کے استعمال کی وہ صورت ہے جس میں دوسری طرف (مفضل علیہ) کو ذکر نہیں کیا اور نہ اس میں مشارکت کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا (الفرقان: 24) ''اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا...... منافقین کی خصلت بد کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ یہ ظالم اہل ایمان کے ساتھ اظہار ایمان کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل کفر کے ساتھ پوری طرح آلودہ ہیں۔ اے محبوب! جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں۔ آپ کے ایمان افروز فرامین اور دلنواز باتوں سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ وعظ و نصیحت انہیں کوئی فائدہ پہنچاتا ہے اس لئے جب آپ سے رخصت ہو کر جاتے ہیں تو ویسے کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے ہیں، حقیقت کے برعکس اظہار کرتے ہیں اور ایسی چیز کے ساتھ آراستہ ہونا چاہتے ہیں جو ان کے اندر پائی ہی نہیں جاتی لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ظاہر، باطن اور چھوٹی بڑی ہر چیز سے آگاہ ہے، اس لئے وہ ان کے کرتوتوں اور سیاہ کاریوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ...... ان میں سے بہت سے ایسے بدبخت ہیں جو محارم، گناہوں، ظلم و تعدی کے ارتکاب اور حرام خوری میں بہت تیز ہیں۔ ان کے یہ اعمال بہت ہی برے اور بھیانک ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ ...... یعنی ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں منع کرتے۔ ان (یہود) کے کرتوت بھی بہت برے ہیں اور ان کے علماء و مشائخ کا منع نہ کرنا بھی بہت برا فعل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے اندر سب سے زیادہ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے (2)۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک قرآن کریم کی کوئی آیت اس آیت سے زیادہ خوفناک کرنے والی نہیں، لیکن ہم پھر بھی باز نہیں آتے (2)۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کیا کرتے لیکن ان کے علماء و مشائخ انہیں منع نہ کرتے۔ جب وہ اپنے گناہوں میں حد سے تجاوز کر گئے تو قسم قسم کی سزاؤں سے دوچار ہوئے، اس لئے تم نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو اس سے پہلے کہ تم پر بھی ان جیسا عذاب نازل ہو جائے۔ یاد رکھو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ تو رزق کم ہوتا ہے اور نہ موت قریب ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس قوم کے سامنے کوئی شخص گناہوں کا ارتکاب کرے اور وہ لوگ غلبہ اور قدرت رکھنے کے باوجود اسے باز نہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ تمام

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 294 2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 298

کو اپنے عذاب سے دوچار کر دیتا ہے"(1)۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جس قوم کے اندر کوئی آدمی نافرمانی والے کام کرے اور وہ لوگ اسے بدلنے پر قدرت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سب کو عذاب سے دوچار کر دیتا ہے"(2)۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۭ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

"اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے، جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں دشمنی اور بغض روز قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ملعون یہودیوں کی ایک بہت ہی ناروا اور نازیبا بات کا ذکر فرما رہا ہے وہ یہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہا اور خود کو اغنیاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جسارت اور گستاخی سے بہت بلند ہے۔ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کے ساتھ انہوں نے بخل کی تعبیر کی۔ یہ مقصد نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے بلکہ اس کا معنی بخیل ہے، یعنی یہود یہ ہرزہ سرائی کرتے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے، اس نے اپنے خزانوں کو بخل کی وجہ سے روک رکھا ہے(3)۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ یہ محاورہ اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل:29) "اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے ارد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے درماندہ"۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 363
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 122-123 سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1329 وغیرہ
3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 300

اس آیت میں بخل اور اسراف سے ممانعت ہے، بخل کی تعبیر وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ کے الفاظ کے ساتھ کی۔ یہودیوں کا بھی یہی مقصد تھا۔

حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فنحاص یہودی کے بارے میں اتری اس نے کہا تھا: اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک یہودی شاس بن قیس نے کہا تھا کہ تمہارا رب بخیل ہے، خرچ ہی نہیں کرتا۔ اس پر مذکورہ آیت اتری۔ اس میں ان یہود کی گستاخی اور ہرزہ سرائی کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا اور ان کی افتراء پردازی اور بہتان کے مقابلے میں فرمایا: غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت ان کی رگ رگ میں رچ بس چکے ہیں جیسا کہ فرمایا: " اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء: 54-53)" کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے"۔ اور فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ: 61)" اور مسلط کردی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہوگئے غضب الٰہی کے"۔

پھر فرمایا: بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ یعنی وہ تو کشادہ فضل اور گرانقدر عطیات سے نوازتا ہے، اس کے پاس ہر چیز کے ان گنت خزانے ہیں، ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے، تمام مخلوق ہر وقت اور تمام حالات میں اسی کی محتاج ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: " وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ (ابراہیم: 34)" اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے، بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے"۔

اس مضمون کی حامل متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: " اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس (خزانے) میں کمی واقع نہیں کرتا۔ ذرا دیکھو، جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اپنی مخلوق کو عطا فرما رہا ہے لیکن یہ بھی اس خزانے میں کوئی کمی نہیں لا سکا۔ اس کا عرش پانی پر ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں فیض ہے، وہی بلند کرتا ہے اور وہی پست کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ خرچ کرو (اے بندے) تمہیں اور دیا جائے گا" (1)۔

وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ ...... اے میرے محبوب! جس قدر آپ کو زیادہ نعمتیں عطا کی جائیں گی اس قدر زیادہ آپ کے دشمن یہود وغیرہ کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوگا۔ جس طرح اس سے اہل ایمان کی تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کفار حاسدین کے حسد، سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ (حم السجدہ: 44)" آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفاء ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے"۔

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 3، صفحہ 403، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، صفحہ 691، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 313-314

وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی ان کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ان کے دل کبھی محبت آشنا نہیں ہو سکتے۔ عداوت اور بغض کے باعث یہ مختلف گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ یہ حق پر کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ حضور ﷺ کے مخالف ہیں اور آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اس سے مراد دین میں ان کے تنازعات اور جھگڑے ہیں۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ...... یہ جب بھی آپ کو نقصان پہنچانے کے اسباب پیدا کریں گے اور آپ کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانا چاہئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام منصوبوں اور چالوں کو خاک میں ملا دے گا اور انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ یہ فسادی اور فتنہ پرور ہیں، فساد بپا کرنا ان کی فطرت ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ...... یعنی یہ اہل کتاب اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آتے اور گناہوں سے باز آ جاتے تو ہم ان کے تمام گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتے اور ان کا مقصود (جنت) انہیں عطا فرما دیتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ...... اگر وہ تورات اور انجیل پر بغیر کسی حیل و حجت اور تغیر و تبدل کے عمل پیرا ہو جاتے تو اس کا انہیں فائدہ یہ ہوتا کہ انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی اور وہ آخری پیغام ہدایت قرآن کریم پر ایمان لے آتے کیونکہ سابقہ کتب میں قرآن کا ذکر موجود ہے اور ان میں یہ بھی حکم ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہو جائے تو اسی کی اتباع ضروری ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اس سے مراد رزق کی فراوانی اور فراخی ہے جو آسمان سے اترتا ہے یا زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مِنْ فَوْقِهِمْ سے مراد موسلا دھار بارش ہے اور مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ سے مراد زمین سے اگنے والی چیزیں (1)۔ اس طرح کا ایک اور بھی فرمان ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (الاعراف: 96) "اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی"۔

اور یہ فرمان بھی ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم: 51) "پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں"۔

بعض نے لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ بغیر کسی مشقت، محنت اور کوشش کے وافر رزق حاصل کرتے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ لوگ خیر میں ہو جاتے جس طرح کسی کا قول ہے: هُوَ فِي الْخَيْرِ مِنْ قَرْنِهٖ اِلٰى قَدَمِهٖ (2)۔ "وہ سر سے لیکر پاؤں تک خیر میں ہے) لیکن یہ قول اقوال سلف کے مخالف ہے اس لئے قابل قبول نہیں" (3)۔

ابن ابی حاتم ایک روایت نقل کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ علم اٹھا لیا جائے۔" حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے اٹھا لیا جائے گا حالانکہ ہم نے قرآن پڑھا اور اپنی اولاد کو بھی سکھایا۔ فرمایا: "اے ابن لبید! تجھ پر افسوس، میں تو تمہیں تمام اہل مدینہ سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں تورات اور انجیل نہیں ہے، جب انہوں نے اللہ کے احکام ترک کر دیئے تو انہیں کیا فائدہ ہے۔" پھر آپ ﷺ نے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ "یہ اس وقت ہوگی جب علم جاتا رہے گا۔" حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 305 4۔ معانی القرآن للفراء، جلد 1، صفحہ 315 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 306

زیاد بن لبید نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے چلا جائے گا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور وہ قیامت تک اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابن لبید! تمہاری ماں تجھے روئے، میں تمہیں تمام اہل مدینہ سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل نہیں پڑھتے لیکن ان سے وہ فائدہ نہیں اٹھاتے'' (1)۔ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف: 159) ''اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے''۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے متعلق فرمایا: فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ (الحدید: 27) ''پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے ان (کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر''۔

اللہ تعالیٰ نے اوسط (درمیانہ) درجہ کو ان کا سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا حالانکہ یہ اس امت میں دوسرا (درمیانہ) درجہ ہے۔ اس سے اوپر اس امت کا تیسرا درجہ بھی ہے جو سابقین کا درجہ ہے جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا (فاطر: 33-32) ''پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے۔ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے۔ سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے۔''

اس امت کی تینوں قسمیں جنت میں داخل ہوں گی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کی امت اکہتر فرقوں میں بٹ گئی، ان میں سے ستر جہنم میں اور صرف ایک جنت میں جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتر گروہوں میں تقسیم ہوگئی، ان میں سے اکہتر دوزخی اور صرف ایک جنتی ہے، اور میری امت ان دونوں سے بڑھ جائے گی، ان میں سے صرف ایک (جماعت) جنت میں جائے گی، باقی بہتر (جماعتیں) دوزخ میں جائیں گی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''جماعتیں جماعتیں'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو ساتھ یہ آیات بھی پڑھتے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ...... وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ اور یہ آیت بھی تلاوت کرتے: وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف: 181) ''اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے''۔ اور اس سے مراد امت محمد ﷺ لیتے۔ لیکن اس سند سے یہ حدیث بہت غریب ہے اور الفاظ بھی غریب ہیں۔ ستر سے اوپر فرقوں میں بٹنے والی حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے (3)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، صفحہ 1344، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 160-218-219

2۔ ابن مردویہ

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 105

پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو رسالت کی صفت سے خطاب فرما رہا ہے اور تمام احکامات بندوں تک پہنچانے کا آپ کو حکم دے رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے فرض منصبی کو خوب نبھایا۔ امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "جس نے تمہیں یہ بتایا کہ محمد (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپایا ہے تو وہ جھوٹا ہے" (1)۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس مقام پر انہوں نے اختصار کے ساتھ روایت کی ہے اور مقامات پر مفصل روایت ہے۔ اسی طرح مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ اگر حضرت محمد ﷺ قرآن کریم میں سے کچھ چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے: وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ (الاحزاب: 37) "اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن وتشنیع) کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں" (2)۔ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کچھ ایسی باتیں بتائی ہیں جو لوگوں سے مخفی رکھی تھیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا۔ یہ سند عمدہ ہے۔ اسی طرح کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا وحی میں سے کوئی چیز آپ کے پاس ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ اگایا اور جانوں کو پیدا فرمایا! ہمارے پاس ایسی کوئی مخصوص چیز نہیں سوائے قرآن فہمی کے جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرما دیتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھوڑ دینے کے مسائل ہیں اور مزید یہ کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہ کیا جائے (3)۔

صحیح بخاری میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس کی تبلیغ کی ذمہ داری پیغمبر خدا ﷺ کے ذمے ہے اور ہمارے ذمہ اسے قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہے (4)۔ آپ ﷺ کی امت گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ کی اور امانت کو پوری طرح ادا کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں اس عظیم الشان بھری محفل میں صحابہ کرام سے اس کا اقرار کروایا اور سب کو گواہ بنایا۔ اس وقت تقریباً چالیس ہزار صحابہ کرام اس محفل میں موجود تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث، جسے حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنے خطبہ میں فرمایا: "اے لوگو! تم سے (اللہ کے ہاں) میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟" سب نے عرض کی کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، امانت کو پہنچا دیا اور پوری خیر خواہی کی۔ آپ ﷺ اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کرتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر کہتے: "اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ" (یا اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا ہے) (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "اے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورہ مائدہ، جلد 8، صفحہ 275، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 159 وغیرہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 160
3۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 204 و کتاب الدیات، جلد 12، صفحہ 246-260
4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 503
5۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 890

لوگو! آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کی: حرمت والا دن۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ عرض کی: حرمت والا شہر۔ پھر پوچھا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ عرض کی: حرمت والا مہینہ۔ فرمایا: تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم پر ایسی ہی حرمت والی ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس شہر میں اور اس مہینے میں ہے۔" پھر آپ ﷺ نے بار بار اسے دہرایا، پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کئی مرتبہ فرمایا: "یا اللہ! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ آپ کی اپنے رب کی طرف وصیت تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سنو، ہر حاضر غائب کو یہ (میرا) پیغام پہنچا دو۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو" (1)۔

وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ اگر آپ نے میرا پیغام بندوں تک نہ پہنچایا تو آپ نے حق رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اس پر مرتب ہونے والی سزا بھی ظاہر تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ نے کوئی ایک آیت بھی چھپالی تو تبلیغ کا حق ادا نہ کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ فرمان اترا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ تو آپ ﷺ نے عرض کی: اے پروردگار! میں یہ کیسے کر سکوں گا، میں تو تنہا ہوں، یہ لوگ مجھ پر پل پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (2)۔

وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ میرا پیغام پہنچائیں اور اپنا فرض منصبی دلجمعی اور بلاخوف و خطر ادا کریں، دشمنوں کے خلاف میں آپ کا محافظ اور حامی و ناصر ہوں۔ آپ کسی چیز کا اندیشہ نہ رکھیں، کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ان میں سے کوئی بھی آپ کو ذرا سی بھی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اس آیت کے نزول سے قبل آپ ﷺ کے ساتھ کچھ پہریدار ہوتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ بیدار رہے، میں آپ ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا بات ہے؟ فرمایا: "کاش کہ آج رات میرا کوئی سعادت مند صحابی میرا پہرہ دیتا۔" اسی اثناء میں میں نے ہتھیار کی آواز سنی، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟" جواب ملا: میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کی چوکیداری کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ آرام سے سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی" (3)۔ صحیحین میں یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے (4)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد 6ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے اترنے تک آپ ﷺ کا پہرہ دیا جاتا رہا۔ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا: "اے لوگو! جاؤ، اب اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے" (5)۔

حضرت عصمہ بن مالک خطمی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اترنے تک ہم آپ ﷺ کی چوکیداری کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری تو اس کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ

1۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3، صفحہ 573، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 230 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 307

3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 140 4۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 81، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1875

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 174، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 313

کے پہریداروں میں شامل تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے پہرہ دار ہٹا دیئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلتے تو جناب ابوطالب آپ ﷺ کے ساتھ کوئی محافظ بھیجتے۔ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ایک دفعہ حسب معمول کسی کو ساتھ بھیجنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے، اس لئے مجھے کسی محافظ کی ضرورت نہیں۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ یہ آیت تو مدنی ہے اور یہ حدیث مکی ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے(1)۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ کی عصمت (حفاظت) ہی تھی کہ اس نے اہل مکہ، اس کے زعماء، حاسدین، معاندین اور اصحاب ثروت جو آپ ﷺ کے شدید دشمن تھے اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، ان کی دست برد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو محفوظ رکھا، اپنی قدرت کاملہ اور حکمت عظیم سے آپ ﷺ کی حفاظت کے بہت سے اسباب اور ذرائع پیدا کر دیئے۔ آغاز اسلام میں جناب ابوطالب کے ذریعے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا کیونکہ وہ قریش کے سردار اور صاحب اثر ورسوخ شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی۔ یہ محبت فطری تھی نہ کہ شرعی۔ اگر وہ اسلام لے آتے تو قریش کے کافر سرغنے ان پر بھی دست درازی کرتے۔ چونکہ ان کے اور قریش کے درمیان قدر مشترک (کفر) موجود تھی اس لئے وہ ان کا احترام کرتے اور ان سے ڈرتے۔ جب جناب ابوطالب کی وفات ہوگئی تو قریش آپ ﷺ کو پھر اذیت پہنچانے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت پیدا کر دی۔ ان سعادت مندوں نے اسلام پر کاربند رہنے اور اس شرط پر آپ ﷺ کی بیعت کی کہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئیں گے۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ شریف منتقل ہو گئے تو انصار نے ہر طرح سے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ جب کبھی بھی مشرکین اور اہل کتاب نے آپ ﷺ کو گزند پہنچانے کی سازش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور ان کے برے منصوبوں کو ان کے منہ پر دے مارا۔ جیسا کہ یہود نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچا لیا اور اس کے علاج کے لئے ''**معوذتین**'' (آخری دو سورتیں) نازل فرما دیں۔ جب انہوں نے خیبر میں بکری کے شانے کو زہر آلود کر دیا تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بروقت مطلع کر کے محفوظ رکھا۔ اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جنہیں مفسرین نے اس آیت کے تحت ذکر کیا ہے۔ ان میں چند ایک یہ ہیں:۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت محمد بن کعب قرظی وغیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مقام پر قیام کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے لئے کوئی سایہ دار درخت منتخب کرتے جس کے نیچے آپ ﷺ دوپہر کے وقت قیلولہ کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بدو آ گیا۔ (درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی) آپ ﷺ کی تلوار اس نے کھینچ لی۔ پھر آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا: اللہ عزوجل'' اسی وقت بدو کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار نیچے گر گئی۔ اس نے درخت کے ساتھ ٹکر ماری جس سے اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بھیجا ادھر ادھر بکھر گیا۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔

ابن ابی حاتم ایک روایت بیان کرتے ہیں جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب غزوۂ بنی انمار پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ ذات الرقاع کے مقام پر کھجور کے باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ ﷺ ایک کنویں کی منڈیر پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھے ہوئے

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11، صفحہ 256-257　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 308

تھے۔ بنونجار کا ایک شخص حارث کہنے لگا کہ میں محمد (ﷺ) کو ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ میں آپ ﷺ سے کسی بہانے آپ ﷺ کی تلوار لے لوں گا، جب آپ ﷺ مجھے تلوار دے دیں گے تو میں اپنا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ یہ منصوبہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنی تلوار دیجئے میں اسے ذرا دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے وہ تلوار اسے دے دی۔ پھر کیا تھا، اس کا ہاتھ کپکپی کا شکار ہو گیا اور تلوار نیچے آ گری تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے برے ارادہ کے درمیان حائل ہو گیا''۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ غورث بن حارث کا بھی قصہ مشہور ہے(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے تو ہمارا یہ معمول تھا کہ جب کہیں قیام ہوتا تو ہم آپ ﷺ کے لئے گھنا سایہ دار درخت چھوڑ دیتے۔ آپ ﷺ اس کے نیچے ٹھہرتے ایک دن آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنی تلوار لٹکا دی۔ ایک آدمی آیا اور تلوار لیکر کہنے لگا: یا محمد! آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم سے اللہ بچائے گا، تلوار رکھ دو''۔ اس نے تلوار نیچے رکھ دی۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔

حضرت جعدہ بن خالد بن صمہ جشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موٹے آدمی کو دیکھا تو ہاتھ کے ساتھ اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ ''اگر یہ کسی اور میں ہوتا تو تمہارے لئے بہتر تھا'' پھر ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یہ آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا وہ کانپنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ڈرو نہیں، اگر تو اس کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ تمہیں مجھ پر قدرت نہ دیتا''(3)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ اے محبوب! آپ کی ذمہ داری اور فرض منصبی یہ ہے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ ہدایت اور گمراہی اس کے قبضہ اختیار میں ہے۔ جسے چاہے ہدایت سے نوازے اور جسے چاہے گمراہ کر دے جیسا کہ فرمایا: ''لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ'' (البقرۃ:272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:40) ''سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں''۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

''آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں، پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 326، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1786

2۔ رواہ ابو بکر بن مردویہ

3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 471

اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے) ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کئے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ ان اہل کتاب سے کہہ دیں کہ جب تک تم تورات وانجیل کو ٹھیک ٹھیک قائم نہیں کرو گے، تمام کتابوں پر ایمان نہیں لاؤ گے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی شریعت کی اقتداء نہیں کرو گے، تمہارے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم دین پر کاربند ہو۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے مراد قرآن کریم ہے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ...... اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ ......۔ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مسلمان ہیں۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا سے مراد حاملین تورات ہیں۔ "اَلصّٰبِئُوْنَ" نصاریٰ اور مجوس کی ایک بے دین جماعت کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ نصاریٰ اور یہود دونوں میں سے ایک گروہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حکم کہتے ہیں کہ یہ مجوس کی طرح ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں: یہ ایسی قوم ہے جو ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ ایسی قوم ہے جو اللہ کو ایک جانتے ہیں، کسی شریعت پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے کفر ایجاد کیا۔ ابن ابی الزناد اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ یہ عراق کے ساتھ متصل ایک قوم تھی جو مقام کوثی میں مقیم تھی۔ یہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے تھے، تیس دن روزے رکھتے، یمن کی طرف منہ کر کے پانچ نمازیں پڑھتے۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں(1)۔ "اَلصّٰبِئُوْنَ" کا عطف "اِنَّ" کے اسم پر ہو رہا ہے اس لئے اسے بھی منصوب ہونا چاہئے تھا لیکن زیادہ فاصلہ ہو جانے کی بناء پر مرفوع پڑھنا بھی درست ہے۔

نصاریٰ تو معروف ہیں۔ یہ انجیل کے ماننے والے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ہر فرقہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہے اور نیک اعمال بھی کرتا ہے لیکن اب حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی بھی ایمان قابل قبول نہیں جب تک وہ آپ ﷺ کی شریعت کے موافق نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔ ایسے شخص کے لئے نہ کوئی مستقبل میں اندیشہ ہے اور نہ اس پر افسوس اور غم جو پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

"بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے ان کی طرف رسول جب کبھی آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انہیں) عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 62

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی اتباع کریں گے، لیکن انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا، اپنی ذاتی آراء اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کے احکام پر انہیں مقدم جانتے۔ احکام الٰہی میں سے جو حکم ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اسے قبول کر لیتے اور جو ان کی خواہش سے میل نہ کھاتا اسے مسترد کر دیتے۔ اسی لئے فرمایا: كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ..... صرف یہی نہیں بلکہ ان کی دیدہ دلیری اور جسارت دیکھیں کہ یہ انبیاء کی تکذیب کے علاوہ ان کے قتل سے بھی باز نہ آئے۔ یہ سب کچھ وہ اس زعم میں کرتے رہے کہ ان کے کرتوتوں پر کوئی سزا مرتب نہیں ہوگی، لیکن انہیں بڑی کڑی سزا دی گئی وہ یہ کہ حق کے نور کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور ہدایت کی آواز کو سننے سے ان کے کان بہرے ہو گئے۔ لیکن ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر التفات فرمائی لیکن اس کے باوجود یہ حسب معمول حق سے اندھے اور بہرے اور ہدایت سے محروم ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت کا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔ بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب۔ تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں، دونوں کھایا کرتے تھے کھانا، دیکھو! کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لئے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے مختلف فرقوں ملکیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ کی حالت کفر بیان فرما رہا ہے کہ وہ سب لوگ کفر کے مرتکب ہوئے جنہوں نے ان میں سے یہ کہا تھا کہ مسیح علیہ السلام ہی خدا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی اس ہرزہ سرائی سے بہت بلند، منزہ اور مقدس ہے۔ مسیح علیہ السلام تو اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جب انہوں نے اس دنیا میں قدم رکھا تو گہوارے میں پہلی بات ہی یہ کی تھی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ نہیں

فرمایا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ قرآن کی زبانی ارشاد ہوا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم: 30) ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے''۔ آخر میں کہا: وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (مریم: 36) ''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے''۔

اسی طرح جب آپ پکی عمر کو پہنچے تو اس وقت بھی اور دور نبوت میں بھی آپ نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا جو آپ کا بھی رب ہے اور ان کا بھی۔ اسی لئے ارشاد ہوا: وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ (المائدہ: 72) ''حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے''۔

جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: 48) ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۙ (الاعراف: 50) ''اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر''۔

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بذریعہ منادی مسلمانوں میں یہ اعلان کروا دیا کہ ''جنت میں صرف اہل ایمان و اسلام داخل ہوں گے''۔ سورۂ نساء میں اس آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں آتا ہے کہ (گناہ کے) دیوان تین قسم کے ہیں ایک ان میں سے ایسا دیوان ہے جسے اللہ تعالیٰ بالکل نہیں بخشتا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہی وعظ کیا اور شرک سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی(1)۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور اللہ تعالیٰ کو تین خداؤں میں سے تیسرا خدا سمجھتے۔ لیکن اس آیت کی تفسیر میں یہ قول عجیب و غریب ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ تین اقانیم (عقیدہ تثلیث) کے قائل تھے یعنی تین خدا ہیں باپ، بیٹا اور وہ کلمہ جو باپ سے بیٹے کی طرف ڈالا گیا، پھر اقانیم کے بارے میں بھی بذات خود نصاریٰ کے درمیان زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کے ہاں بھی اس مسئلہ میں ایسی بھول بھلیاں ہیں جنہیں وہ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ نصاریٰ کے تین فرقے یعقوبیہ، نسطوریہ اور ملکیہ ہیں جو ان اقانیم کے قائل ہیں لیکن ان کا باہمی اختلاف اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر گردانتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فرقے کافر ہیں(2)۔ سدی کہتے ہیں کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی خدا مانتے اور تینوں میں سے تیسرا خدا اللہ تعالیٰ کو مانتے جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ (المائدۃ: 116) ''اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا وہ عرض کریں گے پاک ہے تو''۔ یہ قول زیادہ بہتر اور واضح ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 48

2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 313-314

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی خدا متعدد نہیں ہیں بلکہ تمام کائنات اور موجودات کا اللہ ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے انہیں دھمکی دیتے ہوئے اور دردناک عذاب کی وعید سناتے ہوئے فرمایا: وَ اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ...... یعنی اگر یہ اپنے بہتان اور کذب سے باز نہ آئے تو انہیں عبرت ناک سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ...... اس قدر افتراء، بہتان اور جھوٹ کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بہت عظیم فضل، کرم، لطف اور رحمت ہے کہ وہ ان نادانوں کو توبہ اور مغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔ اب بھی جو توبہ کر لے اس کی رحمت اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ...... یعنی حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول ہی تو ہیں، ان جیسے اور بھی رسول ہو گزرے ہیں۔ جس طرح وہ رسول اللہ کے بندے تھے، اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی اللہ کے بندے ہیں جیسا کہ فرمایا: ”اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ (الزخرف: 59)“ ”نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لئے“۔

وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ آپ کی والدہ محترمہ راست باز اور سچی مومنہ تھیں۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کا بلند ترین مقام ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نبیہ نہ تھیں جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا گمان ہے کہ آپ کے علاوہ حضرت سارہ ام اسحاق اور ام موسیٰ بھی نبوت کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ ان کی دلیل وہ آیات ہیں جن میں ملائکہ نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب کیا اور یہ آیت بھی ”وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ (القصص: 7)“ ”اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ“۔

کہتے ہیں کہ یہ نبوت کے معنی میں ہے لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں میں سے انبیاء مبعوث فرمائے جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ (یوسف: 109) ”اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے“۔

حضرت ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ یعنی یہ دونوں غذا کے محتاج تھے اور قضائے حاجت کے بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ باقی لوگوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں، الٰہ نہیں ہو سکتے جس طرح جاہل نصاریٰ کا گمان ہے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ دیکھیں ہم کس طرح وضاحت کے ساتھ اپنی آیات اور دلائل و براہین ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن اس بیان اور وضاحت کے بعد بھی یہ کہاں بھٹک رہے ہیں، کیسے سرگرداں ہیں، کس بات کو تھامے ہوئے ہیں اور گمراہی کے کس رستہ کی طرف منہ اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

”آپ فرمائیے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ آپ فرمائیے! اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو اس قوم

کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے"۔

اللہ تعالیٰ معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والوں پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے اور یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ الوہیت کے مستحق نہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... اے محبوب! آپ نصاریٰ سمیت معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے تمام لوگوں سے یہ فرمادیں کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ تمہارے بت تو بے جان مورتیاں ہیں، جن میں نہ زندگی ہے، نہ علم ہے اور نہ قوت سماعت، جبکہ وہ معبود حقیقی اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا بھی ہے اور ہر چیز سے آگاہ بھی ہے۔ اس لئے تم اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر کیوں جمادات کے پیچھے بھاگتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی چیز کا علم رکھتے ہیں اور نہ کسی کو، بلکہ خود کو بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ...... یعنی تم اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جس کی تعظیم کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کی تعظیم میں حدوں کو پھلانگتے ہوئے ایسا مبالغہ نہ کرو کہ اسے نبوت کے درجے سے نکال کر الوہیت کے مقام پر کھڑا کر دو، جس طرح تم نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ وہ نبی تھے لیکن تم نے انہیں الہ بنا ڈالا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تم نے اپنے ان مشائخ، ائمہ اور بڑوں کی پیروی شروع کر دی جو خود بھی گمراہی کی وادی میں بھٹک رہے تھے۔ وہ خود بھی راہ راست سے انحراف کر کے راہ ضلالت پر گامزن ہو گئے اور دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہی کی گہرائیوں میں پھینک دیا۔ ابن ابی حاتم ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں میں ایک حکمران دین کا پابند اور بہت عالم فاضل تھا۔ ایک عرصہ تک وہ خود بھی کتاب وسنت کا پابند رہا اور دوسروں کو بھی اس کی پابندی کی تلقین کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد شیطان اسے راہ راست سے برگشتہ کرنے کے لئے آدھمکا، وہ اسے کہنے لگا کہ تم بھی اسی کام کے پیچھے لگے ہوئے ہو جو پہلے لوگ کرتے رہے ہیں۔ جو کام تم کر رہے ہو یہ قابل تعریف نہیں ہے لوگوں میں یہ کام تمہاری مقبولیت کا سبب نہیں بنے گا۔ ضروری ہے کہ تم کوئی نیا کام ایجاد کرو، اس کی لوگوں کو دعوت دو بلکہ اس کام کے کرنے پر انہیں مجبور کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور باطل جڑ پکڑ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے ہوش آیا۔ اب اسے بڑی ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سلطنت اور حکومت کو خیر باد کہہ دیا اور خلوت نشین ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ چند دن وہ اسی طرح عبادت میں مشغول رہا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ اگر تیرے گناہوں کا تعلق صرف میرے ساتھ ہوتا تو میں تمہاری توبہ قبول کر لیتا لیکن تم نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ وہ گمراہی کی حالت میں ہی مر گئے، ان کا ذمہ دار کون ہوگا۔ ان کے بوجھ سے تمہیں کیسے رہائی مل سکتی ہے۔ اس لئے میں تمہاری توبہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتری(1)۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 300

مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

''لعنت کئے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے بہت ہی برا ہے جو آگے بھیجا ان کے لئے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں''۔

بنی اسرائیل کے کافر اپنی نافرمانی اور لوگوں پر ظلم کے باعث حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی طویل عرصہ سے ملعون قرار دیئے جا چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم سب میں ان پر لعنت بھیجی گئی ہے(1)۔ ان کی حالت یہ تھی کہ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برائیوں کے ارتکاب سے منع نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کی ان کے سامنے خلاف ورزی ہوتی اور سرعام برائیوں کا ارتکاب ہوتا لیکن یہ بے حمیت ٹس سے مس نہ ہوتے۔ اس پر ان کی مذمت کرتے ہوئے اور دوسروں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ایک حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو پہلے پہل ان کے علماء نے انہیں ٹوکا، لیکن وہ لوگ باز نہ آئے، پھر انہوں نے بھی ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور مل کر کھانا پینا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دیئے اور عیسیٰ و داؤد علیہما السلام کی زبانی انہیں ملعون قرار دے دیا۔ اس لئے کہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ اختیار میں میری جان ہے! تم پر ضروری ہے کہ تم انہیں جبراً حق و انصاف کا پابند بناؤ''(2)۔

ابوداؤد کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں سب سے پہلے یہ برائی داخل ہوئی کہ جب کوئی شخص کسی کو خلاف شرع کام کرتے دیکھتا تو اسے کہتا: اے فلاں! اللہ سے ڈر اور اپنے اس کرتوت سے باز آ جا، یہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، لیکن اگلے دن جب پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا تو وہ اسے منع نہ کرتا بلکہ اس کا ہمنشیں، ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن جاتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپس میں ٹکرا دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لو گے، اسے زبردستی حق کی طرف لاؤ گے اور جبراً اسے حق و انصاف کا پابند بنا دو گے''(3)۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی روایت میں اور ابوداؤد کی روایت میں حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ٹکرا دے گا اور ان کی طرح تمہیں بھی ملعون ٹھہرائے گا''(4)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ چند ایک ہم یہاں ذکر کریں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 317 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 391 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 121-122

4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ مائدہ، جلد 11، صفحہ 175-177، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1327-1328 وغیرہ

مروی ایک حدیث تو اس آیت لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ کے تحت گزر چکی ہے(1)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ خشنی کی حدیث اس آیت یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ کے تحت ذکر کی جائے گی(2)۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تم پر عذاب بھیج دے گا، پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا''(3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو اس سے پہلے کہ تم دعائیں کرو لیکن وہ قبول نہ کی جائیں''(4)۔

حدیث صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ ختم کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ذریعے، اگر یہ بھی بس میں نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''(5)۔

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عوام الناس کو اس وقت مبتلائے عذاب کرتا ہے جب وہ اپنے سامنے برائیاں ہوتے دیکھیں لیکن قدرت کے باوجود نفرت کا اظہار نہ کریں، اس وقت اللہ تعالیٰ سب خاص و عام کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے''(6)۔

ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس جگہ گناہوں کا ارتکاب شروع ہو جائے تو وہاں پر موجود شخص اگر انہیں نفرت کی نظر سے دیکھے تو وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو وہاں حاضر ہی نہیں ہے اور جو شخص وہاں سے غائب ہو لیکن ان گناہوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے تو وہ ایسا ہے گویا کہ وہاں موجود ہے''(7)۔

ایک روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جائے گا جب تک ان کے عذر منقطع نہ ہو جائیں''(8)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! لوگوں کی ہیبت کسی آدمی کو حق گوئی سے باز نہ رکھے''۔ یہ حدیث بیان کرکے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے: اللہ کی قسم! بہت سے مواقع پر ہم لوگوں سے ڈر گئے(9)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ''(10)۔ (سب سے بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 63 　 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 105

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 17، مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 388-389 　 4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1327

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 69 　 6۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 192 　 7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 124

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125 　 9۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1328

10۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 124، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 19-20 وغیرہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمرۂ اولی کے پاس ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بہترین جہاد کونسا ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب جمرۂ عقبہ ثانیہ پر آپ ﷺ کنکریاں مار چکے تو اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ پھر بھی آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد آپ ﷺ نے سوار ہونے کے ارادہ سے رکاب میں پاؤں رکھا تو فرمایا کہ وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ عرض کی: میں ہوں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ عِنْدَ ذِي سُلْطَانٍ جَائِرٍ (1)۔ (ظالم صاحب اقتدار کے سامنے حق بات کہنا)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی خود کو حقیر نہ بنائے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی خود کو کیسے حقیر بنا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص خلاف شرع امر دیکھے اور کچھ نہ کہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ فلاں موقع پر حق بات کہنے سے کونسی چیز تمہیں مانع ہوئی۔ وہ عرض کرے گا کہ لوگوں کا خوف۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا'' (2)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی روایت میں آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے ضرور باز پرس کرے گا یہاں تک کہ وہ فرمائے گا کہ جب تو نے برائی دیکھی تو اس پر اظہار نفرت سے کونسی چیز مانع تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو حجت سکھادی تو وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے تجھ سے امید وابستہ کی اور لوگوں سے ڈر گیا'' (3)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے: ''مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے'' عرض کی گئی: بھلا مسلمان خود کو کیسے ذلیل کرسکتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر آزمائشوں کو اپنے سر لے لے'' (4)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کب ترک کیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا! ''جب تم میں بھی وہی ظاہر ہو جائے جو تم سے پہلی امتوں میں ظاہر ہوا تھا''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم سے پہلی امتوں میں کیا ظاہر ہوا تھا؟ فرمایا: ''گھٹیا لوگوں کے پاس اقتدار آ جائے، بڑے لوگوں میں بدکاری عام ہو جائے اور رذیل لوگوں کے پاس علم آ جائے'' (5)۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ رذیلوں میں علم کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فاسقوں کے پاس چلا آئے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی گانٹھتے ہیں۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی کفار کے ساتھ ان کا دوستی کے روابط کو مستحکم کرنا اور مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا ناطہ توڑ دینا یہ بہت برا فعل ہے کیونکہ ایک تو وہ اس کے نتیجہ میں نفاق کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گئے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی قیامت تک ناراضی مول لی۔ اسی لئے فرمایا: اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ پھر ان کے لئے قیامت کے دن دائمی عذاب تیار پڑا ہے۔ ابن ابی حاتم حضرت اعمش سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت کو ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1330
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1328
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1332
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 111-112، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 405 وغیرہ
5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1331

مسلمانو! زنا سے اجتناب کرو، اس میں چھ برائیاں مضمر ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا میں اس سے رونق، شگفتگی اور وقار ختم ہو جاتا ہے، افلاس وفقر درآتا ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے، آخرت میں یہ اللہ کی ناراضگی، برے حساب اور دائمی عذاب کا سبب ہے"۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ...... اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لے آتے تو کفار کے ساتھ دوستی کا دم نہ بھرتے اور اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآن پاک کے ساتھ عداوت روا نہ رکھتے لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کئے ہوئے ہیں اور آیات قرآنی کی مخالفت میں سردھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

"ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔ اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو، کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آ چکا ہے ہمارے پاس حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں تو عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اس قول کے باغات، رواں ہیں ان کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیات نجاشی اور اس کے ان ساتھیوں کے بارے میں اتریں جن پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ میں جب قرآن کریم کی تلاوت کی تھی تو وہ اس قدر روئے تھے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں(1)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کا قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات اس وفد کے بارے میں نازل ہوئیں جسے نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس غرض کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 2

لئے بھیجا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے کلام کو سنیں اور آپ ﷺ کی صفات حمیدہ ملاحظہ کریں۔ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ نے ان پر قرآن کریم پڑھا تو وہ اسلام لے آئے، بہت ہی روئے اور گڑگڑائے، پھر نجاشی کے پاس واپس لوٹ گئے اور اسے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خبر دی۔ سدی کہتے ہیں کہ نجاشی نے ہجرت کی لیکن وہ رستہ میں ہی فوت ہو گیا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی جس دن فوت ہوا تھا اس دن نبی کریم ﷺ نے اس کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی تھی، اور صحابہ کرام کو اس کی خبر دی تھی، اور انہیں یہ بھی اطلاع دی تھی کہ اس کی وفات حبشہ کی سرزمین میں ہوئی ہے۔

اس وفد کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ وفد بارہ قسیس (علماء) اور پانچ راہبوں (عبادت گزار، درویش) پر مشتمل تھا، اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس۔ کسی کے نزدیک اس وفد میں پچاس افراد تھے، کوئی کہتا ہے کہ تعداد ساٹھ سے متجاوز تھی، بعض کے نزدیک اس میں ستر آدمی تھے، واللہ اعلم۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام ان کے پاس تشریف لائے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھا، جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ابن جریر کی پسندیدہ رائے یہ ہے کہ یہ آیات اس قسم کی خصوصیات سے متصف لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں اگرچہ ان کا تعلق حبشہ سے تھا یا کسی اور علاقہ سے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کا کفر ایسا کفر تھا جو عناد، سرکشی، انکار، حق کو مسخ کرنے، لوگوں کی تحقیر اور علماء کرام کی اہانت پر مبنی تھا، اسی لئے انہوں نے بہت سے انبیائے کرام کو شہید کر ڈالا یہاں تک کہ کئی مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ کو زہر دیا، جادو کیا اور آپ ﷺ کے خلاف اپنے جیسے مشرکین...... ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو...... کو اکسایا۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کوئی یہودی مسلمان کے ساتھ تنہا ہوا تو اس نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا'' (1)۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی یہودی مسلمان کے ساتھ تنہا نہیں ہوا مگر اس کے دل میں اسے (مسلمان کو) قتل کرنے کا خیال پیدا ہوا''۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى یعنی وہ لوگ جنہوں نے خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکار ہیں، انجیل کے طریقہ پر کاربند ہیں، اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ محبت رکھنے والے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دین مسیح پر قائم ہونے کی بناء پر ان کے دل رقت اور شفقت سے معمور ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً وَّ رَهْبَانِيَّةَ ...... (الحدید: 27) ''اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو ......'' اور ان کی کتاب میں مرقوم ہے: ''جو تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو اس کے سامنے بایاں رخسار کر دے''۔ اور ان کی ملت میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی ان میں قسیس اور راہب پائے جاتے ہیں۔ ''قِسِّيْسُوْنَ'' سے مراد ان کے خطباء اور علماء ہیں۔ یہ ''قِسِّيْس'' یا قس کی جمع ہے، اور کبھی کبھی قسوس بھی جمع

1۔ یہ حدیث ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے

آتی ہے۔" رھبان" راہب کی جمع ہے جس کا معنی ہے عابد، یہ" رھبۃ" (خوف) سے مشتق ہے، راہب کی جمع رھبان ہے جس طرح راکب کی جمع رکبان اور فارس کی فرسان۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ" رھبان" کبھی کبھی واحد استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کی جمع رھابین آتی ہے جس طرح قربان کی قرابین اور جرذان کی جمع جراذین اور کبھی اس کی جمع" رھابنۃ" بھی آتی ہے۔

جاثمہ بن رئاب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:" قسیس" کو عبادت گاہوں اور ویرانوں میں ہی رہنے دو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح پڑھایا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا اسی طرح ابن مردویہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ایک اور روایت میں جاثمہ بن رئاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد وہ راہب (درویش) ہیں جو کلیساؤں اور ویران خانقاہوں میں رہتے ہیں، انہیں وہاں ہی رہنے دو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس" ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ پڑھا تو آپ نے مجھے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا پڑھایا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ میں ان علماء اور عبادت گزاروں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ ان میں علم، عبادت اور تواضع جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ پھر ان میں حق کی اطاعت واتباع اور انصاف جیسی صفات کے پائے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ اس بناء پر کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت ان کے ہاں موجود ہے وہ کہتے ہیں۔ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ جو (اسلام کی حقانیت کی) گواہی دیتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ میں" الشّٰهِدِيْنَ" سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت ہے۔ آپ ﷺ کی امت شاہد ہے جو اپنے نبی ﷺ کے لئے گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور باقی رسولوں کے لئے بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کاشتکار ہیں جو حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر قرآن کریم کی تلاوت کی تو وہ ایمان لے آئے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:" جب تم اپنے وطن واپس جاؤ گے تو شاید تم اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاؤ" انہوں نے عرض کی کہ ہم اپنے اس دین سے ہرگز نہیں پلٹیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی اس طرح ترجمانی کی: وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ(1)۔ نصاریٰ کی یہی وہ صنف ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے: وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ" (آل عمران:199)۔

اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا

1۔ تفسیر الطبری اتی کبیر، جلد 12، صفحہ 55

بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ (القصص:53-52)'' جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں، اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سرِ تسلیم خم کر چکے ہیں''۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے ایمان، تصدیق اور اعتراف حق کا اللہ تعالیٰ نے انہیں صلہ عطا فرمایا۔ وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے جدا نہیں کیے جائیں گے۔ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ حق کی اتباع اور اطاعت کا اجر ہے جہاں کہیں بھی وہ تھا، جس طرح بھی تھا، جس کے بھی ساتھ تھا، پھر حال اشقیاء کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ یہی لوگ دوزخی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

''اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نفس کشی کر لیں گے، شہوات دنیا سے قطع تعلق کر لیں گے اور راہبوں کی طرح زمین میں گھومیں گے۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور ان کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے عرض کی کہ ہم نے اسی طرح قصد کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن (یاد رکھو) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور اپنی ازواج سے مقاربت بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت کو اختیار کیا وہ تو مجھ سے ہے اور وہ جو میری سنت پر عمل پیرا نہ ہوا وہ مجھ سے نہیں''(1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چند صحابہ کرام نے ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کے (شبانہ روز گھریلو) مخفی اعمال کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ کی عبادت گزاری کا حال سن کر ان میں سے کسی نے کہا کہ میں آئندہ گوشت نہیں کھاؤں گا، کسی نے کہا کہ میں عورتوں سے مقاربت نہیں کروں گا، کسی نے کہا کہ میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ حضور نبی کریم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے! کوئی اس طرح کہتا ہے اور کوئی اس طرح کہتا ہے، لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور (رات کو) جاگتا بھی ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور ازواج کے ساتھ مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں''(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 10　　2۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 104 عن انس، صحیح مسلم، کتاب النکاح، صفحہ 1020

رسول اللہ ﷺ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو شدید شہوت پیدا ہوتی ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام قرار دے دیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ(1)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں طویل عرصہ تک برسرِ پیکار رہے، ہمارے پاس اپنی عورتیں نہ تھیں۔ جب اس طرح رہنا مشکل ہو گیا تو ہم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ہمیں ایک کپڑے کے بدلہ میں محدود مدت کے لئے کسی عورت کے ساتھ نکاح (نکاح متعہ) کی رخصت عطا فرمائی۔ پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ(2)۔ لیکن یہ واقعہ نکاح متعہ کی تحریم سے پہلے کا ہے۔

معقل بن مقرن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنا بستر حرام قرار دے دیا ہے تو آپ ﷺ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس (پکی ہوئی) کھیری کا تحفہ لایا گیا تو ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا، عبدالملک نے اسے کہا آؤ، قریب ہو جاؤ، اس نے کہا کہ میں نے تو اس کے کھانے کو حرام کر لیا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شریک ہو جاؤ، کھاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی(3)۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک مہمان کی ضیافت کی، لیکن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وجہ سے گھر آنے میں تاخیر ہو گئی۔ جب گھر واپس لوٹے تو معلوم ہوا کہ ان کی خاطر گھر والوں نے مہمان کو انتظار کروایا اور کھانا نہیں کھلایا۔ آپ نے (غضبناک ہوکر) اپنی بیوی سے کہا کہ میری خاطر تم نے مہمان کو بھوکا رکھا، یہ کھانا مجھ پر حرام ہے، آپ کی بیوی نے کہا: مجھ پر بھی حرام ہے، مہمان نے یہ دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ کھانا مجھ پر بھی حرام ہے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا اور کہا کہ اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کر دو، پھر آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا تو اس وقت مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ حدیث اثر منقطع ہے۔

بخاری شریف میں مذکور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے مہمانوں کے ساتھ واقعہ (4) بھی اسی کے مشابہ ہے۔ ان دونوں قصوں میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے اپنے اوپر کوئی کھانا، لباس یا عورتوں کے علاوہ کوئی چیز حرام کر لی تو وہ حرام نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر کفارہ ہے جیسا کہ امام شافعی وغیرہ علماء کا مسلک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اسے نبی کریم ﷺ نے کفارہ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن دوسرے علماء جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، کا مسلک یہ ہے کہ جس نے کوئی کھانا، پینا، لباس یا کوئی اور چیز حرام کر لی تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا، جس طرح کوئی شخص قسم کے ذریعے اپنے آپ کو ترک کا پابند کر لیتا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اسی

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 149، تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 11

2۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب النکاح، صفحہ 1022

3۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 313-314　　4۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 534-535

طرح (بغیر قسم کے) صرف تحریم کے باعث بھی غیر لازم کو لازم قرار دینے کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا (جو کفارہ کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے) جس طرح کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم:1) ''اے نبی ﷺ! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔ پھر فرمایا: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم:2) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ''۔

آیت مذکورہ کے حکم کو بیان کرنے کے بعد قسم کے کفارہ کا ذکر فرمایا ہے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یمین کے ذکر کے بغیر بھی صرف تحریم، کفارہ کے لازم ہونے میں بمنزلہ یمین کے ہے، واللہ اعلم۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ کبار جن میں عثمان بن مظعون اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے، نے ارادہ کیا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے، خصی ہو جائیں گے اور ٹاٹ کا لباس پہنا کریں گے تو مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔

حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرات عثمان بن مظعون، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، مقداد بن اسود اور سالم مولی ابوحذیفہ نے دنیا سے منہ موڑ لیا، اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، عورتوں سے الگ تھلگ ہو گئے، ٹاٹ کا لباس پہن لیا، عمدہ طعام ولباس اپنے اوپر حرام کر لیا، بنی اسرائیل کے درویشوں کا سا کھانا اور لباس اختیار کر لیا، خصی ہونے کا ارادہ کر لیا اور اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا کہ رات قیام میں اور دن روزہ میں بسر کیا کریں گے تو اس وقت یہ آیت کریمہ اتری: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی مسلمانوں کے طریقہ کے برعکس نہ چلو، عورتوں سے اعراض، اچھا کھانا پینا اور عمدہ لباس کو حرام کر لینا، رات بھر قیام کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے پر اتفاق کر لینا اور خصی ہونے کا عزم کر لینا مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ جب یہ آیت کریمہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے ان حضرات کو بلا بھیجا اور فرمایا: ''تمہارے نفوس کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔ جس نے ہماری سنت کو ترک کر دیا وہ ہماری جماعت سے نہیں'' یہ سن کر سب نے عرض کی: یا اللہ! تیرے حکم پر ہم نے سر تسلیم خم کیا اور اس کی اتباع کی (1)۔

مذکورہ آیت کے بارے میں سدی سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہوئے، لوگوں کو وعظ فرمایا، پھر اٹھے اور صرف عذاب الٰہی سے خوف دلاتے رہے تو دس صحابہ کرام جن میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن مظعون بھی شامل تھے کہنے لگے کہ ہمیں بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم عیسائی راہبوں جیسا طرز عمل اختیار کر لیں، اس لئے ہم بھی اپنے اوپر دنیاوی آسائش حرام کرتے ہیں جس طرح انہوں نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ چنانچہ بعض نے گوشت، چربی اور دن بھر کھانا حرام کر لیا، بعض نے نیند حرام کر لی، بعض نے عورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے جنہوں نے عورتوں کو حرام کر لیا تھا، وہ اپنی اہلیہ کے قریب تک نہ جاتے اور نہ ان کی اہلیہ کے لئے ان کے قریب آنا ممکن تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ جن کا نام حولاء تھا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 10-11

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، آپ رضی اللہ عنہا کے پاس دوسری ازواج مطہرات بھی بیٹھی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حولاء سے کہا: اے حولاء! تمہیں کیا ہے کہ چہرے کا رنگ فق ہے، نہ کنگھی کی ہے اور نہ خوشبو لگائی ہے؟ انہوں نے کہا: کنگھی کر کے اور خوشبو لگا کر کیا کروں، میرے خاوند نے تو اتنے دنوں سے نہ مجھ سے مقاربت کی ہے اور نہ ہی مجھ سے کپڑا اٹھایا ہے۔ اس کی بات سن کر سب ہنس پڑیں۔ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے حولاء سے اس کے معاملہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے خاوند نے اتنے عرصہ سے مجھ سے مقاربت ہی نہیں کی، تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: عثمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ سب کچھ ترک کر دیا ہے تا کہ پوری دلجمعی کے ساتھ عبادت کر سکوں، اور اپنا سارا قصہ کہہ سنایا، حضرت عثمان رضی اللہ نے اپنے آپ کو خصی کر لینے کا عزم کر لیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، جاؤ اور اپنی بیوی سے مقاربت کرو'' انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا روزہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: روزہ افطار کر دو۔ چنانچہ انہوں نے ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کی۔

اب حولاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ کنگھی کی ہوئی ہے، سرمہ ڈالا ہوا ہے اور خوشبو لگائی ہوئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اور فرمایا: حولاء کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ گزشتہ روز وہ (میرا خاوند) میرے پاس آیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے عورتیں، کھانا اور نیند کو حرام کر لیا ہے، یاد رکھو، میں سوتا بھی ہوں اور رات کو قیام بھی کرتا ہوں، روزہ افطار بھی کرتا ہوں اور رکھتا بھی ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے مجھ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں'' تو یہ آیت کریمہ اتری: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون سے فرمایا: ''خصی نہ ہونا کیونکہ یہ بہت بڑی زیادتی ہے''، اور ان صحابہ کو قسموں کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ(1)۔ ''نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو'' اور فرمان الٰہی ''وَلَا تَعْتَدُوْا'' کے معنی میں یہ احتمال ممکن ہے کہ مباح چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر کے اپنے نفسوں کو تنگی میں نہ ڈالو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مقصود ہو کہ جس طرح حلال کو حرام نہ بناؤ اسی طرح حلال کے استعمال میں حد سے تجاوز نہ کرنا بلکہ اپنی ضرورت اور کفایت کی مقدار حاصل کرو اور زیادتی سے احتراز کرو جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا (الاعراف: 31) ''اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو''۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: 67) ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

افراط و تفریط سے بچتے ہوئے میانہ روی کو مشروع قرار دیا گیا ہے اسی لئے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ پھر فرمایا: وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت اور خوشنودی کو پیش نظر رکھو، اس کی مخالفت اور نافرمانی ترک کر دو۔ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 9-10

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

''نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو، تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے رکھے تین دن، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم شکر یہ ادا کرو''۔

لغو (فضول) قسموں کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے(1) یمین لغو سے مراد ایسی قسم ہے جس میں آدمی بغیر قصد کے واللہ، باللہ جیسے الفاظ بولتا رہتا ہے، یہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مذاق میں ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک معصیت میں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ غلبہ ظن کے موقعہ پر بھی ایسا کہنا یمین لغو کے زمرے میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ غصہ کے وقت یا بھول چوک کر قسم کھائی ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں وہ قسم بھی شامل ہے جو اکل وشرب اور لباس کے ترک کرنے کے متعلق ہو اور بطور دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اس طرح اس قسم پر بھی باز پرس نہیں ہوگی۔

لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بغیر قصد کے اٹھائی جاتی ہے اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ یعنی اللہ تعالیٰ ان قسموں پر تم سے باز پرس کرے گا جنہیں تم ارادہ اور نیت سے پختہ کر چکے ہو۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ایسی پختہ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو فقراء ہوں اور جن کے پاس بقدر کفایت روزی بھی نہ ہو۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درمیانی قسم کی غذا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ عطاء خراسانی کے نزدیک اس سے مراد وہ بہترین کھانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو فراہم کرتے ہو۔

یہ اوسط غذا روٹی اور دودھ یا روٹی اور روغن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنی حیثیت سے بھی گھٹیا خوراک دیا کرتے تھے اور بعض اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر اچھی خوراک، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ یعنی اوسط درجہ کی روٹی اور روغن، جس میں نہ تنگدلی سے خرچ کیا گیا ہو اور نہ ہی زیادہ فراخ دلی سے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اوسط درجہ کا کھانا روٹی گوشت ہے یا روٹی اور روغن یا روٹی اور دودھ یا روٹی اور سرکہ یا روٹی گھی دودھ یا روٹی اور کھجور یا وہ بہترین غذا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ ابن جریر کا کہنا ہے کہ درمیانے درجہ کی غذا سے مراد غذا کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 225

قلت اور کثرت ہے۔

غذا کی مقدار میں بھی علماء کا اختلاف ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دو وقت کھانا کھلایا جائے، حسن اور محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ دس مساکین کو ایک مرتبہ ہی کھلانا کافی ہے، وہ کھانا گوشت روٹی ہو، اگر یہ نہیں تو روٹی روغن اور دودھ، اگر یہ بھی نہ دے سکتا ہو تو روٹی روغن اور سرکہ، اور اس قدر کھلائے کہ سب مساکین خوب سیر ہو جائیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ہر ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجوریں وغیرہ دی جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گندم ہو تو نصف صاع، کوئی اور ہو تو ایک صاع، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور کا کفارہ ادا کیا تھا اور لوگوں کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو نصف صاع گندم (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مُدّ گندم سالن کے ساتھ ہر مسکین کو دینی چاہئے۔ حضرات ابن عمر، زید بن ثابت، سعید بن مسیّب، مجاہد، عطاء، عکرمہ، سالم، ابن سیرین، زہری وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفارۂ یمین میں مقدار واجب کا تعین مُدّ النبی ﷺ سے ہوگا (2) یعنی 56 تولہ گندم۔ لیکن اس میں سالن ضروری نہیں۔ امام شافعی نے بطور دلیل اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس سے رمضان شریف میں بحالت صوم جماع کا ارتکاب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو ایسے پیمانے سے ناپ کر گندم دے جس میں پندرہ صاع کی گنجائش ہو اس طرح کہ ہر ایک کو ایک ایک مد مل سکے (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قسم کا کفارہ ایک مد گندم قرار دیا کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب مقدار ایک مد گندم اور دو مد غیر گندم۔

اَوْ كِسْوَتُهُمْ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دس میں سے ہر ایک کو اگر اس قدر کپڑا دے جس پر لباس کا اطلاق ہو سکتا ہو تو کافی ہے مثلاً ایک قمیص، یا شلوار، یا تہہ بند، یا عمامہ، یا چادر (4) ٹوپی کے بارے میں اصحاب شافعی کا اختلاف ہے کہ صرف ٹوپی کافی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے "اَوْ كِسْوَتُهُمْ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی وفد تمہارے امیر کے پاس آئے اور وہ وفد کے افراد میں سے ہر ایک کو ایک ایک ٹوپی پہنا دے تو تم کہتے ہو کہ انہیں لباس پہنایا گیا۔ اسی طرح شیخ ابو حامد اسفرائینی نے موزہ کے بارے میں بھی دونوں وجوہات نقل کی ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ درست نہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو اس قدر لباس دینا ضروری ہے جسے پہن کر نماز ادا کرنا صحیح ہو، مرد اور عورت ہر ایک کو شرعی ضرورت کے مطابق لباس دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر مسکین کو چوغہ یا بڑی چادر دینی چاہئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ادنیٰ لباس ایک کپڑا ہونا چاہئے اور اعلیٰ جس قدر چاہو۔ امام لیث رحمتہ اللہ علیہ مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ کفارۂ یمین میں انڈر ویئر کے علاوہ ہر کپڑا جائز ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لحاف اور چادر جیسا جامع لباس ہونا چاہئے۔ وہ قمیص، جانگیا اور اوڑھنی وغیرہ کو لباس جامع نہیں سمجھتے۔ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ اور حسن رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو دو کپڑے دینے چاہئیں (5)۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ جسے سر پر باندھا جاتا ہے اور عباء جس سے بدن کو ڈھانپا جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی تو کفارہ میں بحرین کی بنی ہوئی دو چادریں دی تھیں (6)۔ حضرت

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الکفارات، صفحہ 682
2۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 58
3۔ الام للشافعی جلد 2، صفحہ 84، جلد 7، صفحہ 58
4۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 59
5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 24
6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 25

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''اَوْ كِسْوَتُهُمْ'' کے بارے میں فرمایا کہ ہر مسکین کو ایک عباء دی جائے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلق غلام مراد لیتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ جس طرح مومن کا آزاد کرنا درست ہے اسی طرح کافر کا بھی آزاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور دوسرے فقہاء کے نزدیک غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے اسے قتل کے کفارہ پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ اتحاد موجب تو موجود ہے اگرچہ سبب مختلف ہے۔ حضرت معاویہ بن حکم کی حدیث جو موطا امام مالک، مسند شافعی اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ وہ ایک سیاہ فام لونڈی لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: ''آسمان میں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' جواب دیا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے آزاد کردو، یہ تو مؤمنہ ہے''(1)۔

قسم کے کفارہ میں یہ تین چیزیں ہیں، قسم کو توڑنے والا ان میں سے کسی کی بھی ادائیگی کردے تو بالاجماع درست ہے۔ قرآن کریم میں سب سے پہلے آسان ترین چیز ذکر کی گئی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ کھانا کھلانا لباس دینے سے زیادہ آسان ہے اور اسی طرح لباس دینا غلام آزاد کرنے کی نسبت زیادہ سہل ہے، یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف عروج کیا ہے۔ اگر مکلّف ان میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو کفارہ میں تین دن کے روزے رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ حضرات سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ عیہ نے کہا ہے کہ جس کے پاس تین درہم بھی ہوں وہ کھانا کھلائے ورنہ روزے رکھے(2)۔ ابن جریر نے متاخرین فقہاء سے نقل کیا ہے کہ اس شخص کے لئے بھی روزوں کا کفارہ جائز ہے جس کے پاس اپنی ضروریات اور کاروباری سرمایہ کے علاوہ کوئی زائد چیز نہ ہو کہ جسے وہ کفارۂ یمین میں دے سکے۔ لیکن ابن جریر کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ وہ اس قدر مفلس ہو کہ اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک دن کی خوراک کے علاوہ کوئی چیز زائد نہ ہو۔ اب روزوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے یا مستحب، اور کیا وقفہ سے بھی روزے رکھے جا سکتے ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ پے در پے روزے رکھنا واجب نہیں(3)۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے اس لئے کہ فرمان الٰہی فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ میں مطلق حکم ہے جس کا اطلاق مسلسل روزے رکھنے پر بھی ہو سکتا ہے اور الگ الگ رکھنے پر بھی، جس طرح رمضان شریف کے قضا روزے کہ ان میں بھی تسلسل کی کوئی قید نہیں کیونکہ ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ أُخَرَ'' میں حکم مطلق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں ایک دوسری جگہ پے درپے کے وجوب کی صراحت کی ہے، یہی احناف اور حنابلہ کا مسلک ہے اس کی دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک قرأت ہے، وہ ہے ''فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ'' یعنی تین دن لگا تار روزے رکھے(4)۔ اگرچہ یہ قراءت متواترہ نہیں ہے لیکن پھر بھی خبر واحد تو ہے یا پھر صحابہ کی تفسیر ہونے کی بناء پر مرفوع کے حکم میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب کفارہ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں ان تین میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے، اگر چاہو تو غلام آزاد کردو، چاہو تو لباس پہنادو، چاہو تو کھانا کھلادو۔ جو ان میں سے کچھ بھی نہ پائے تو وہ تین دن

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، صفحہ 381، موطا امام مالک، کتاب العتق، صفحہ 776-777
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 29
3۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 60
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 30

کے لگاتار روزے رکھے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ یہ یمین کا شرعی کفارہ ہے۔

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ابن جریر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ بغیر کفارہ ادا کئے ان قسموں کو نہ چھوڑو۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وضاحت کے ساتھ اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۞ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۞ لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پاؤ جاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو) نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے، پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔ اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو شراب نوشی اور جوئے بازی سے منع فرما رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے۔ عطاء، مجاہد اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہر قمار جوا ہے یہاں تک کہ بچوں کا اخروٹ، منکوں اور مہروں کے ساتھ کھیلنا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوا قمار ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں اسلام کی آمد تک جوا کھیلا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اخلاق قبیحہ سے منع فرما دیا۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے جوئے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ شرط کے طور پر ایک یا دو بکریوں کا گوشت بیچ دیا کرتے تھے۔

زہری رحمتہ اللہ علیہ اعرج سے نقل کرتے ہیں کہ جوا یوں ہوتا تھا کہ اموال اور پھلوں پر تیر پھینکتے، اسی طرح جواء کے ذریعے ان پر قبضہ جما لیتے۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو ذکر الٰہی اور نماز سے غافل کر دے وہ جوا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانسوں کے ذریعے کھیلے جانے والے کھیل سے اجتناب کرو کیونکہ یہ جوا ہے''۔ شاید

اس سے مراد شطرنج یا چوسر کا کھیل ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے چوسر کا کھیل کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون کے ساتھ آلودہ کیا" (1)۔ ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے: "جس نے نرد کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی" (2)۔ حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اس شخص کی مثال جو چوسر کھیل کر نماز کے لئے کھڑا ہو ایسے شخص کی سی ہے جو پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز ادا کرنا شروع کر دے" (3)۔ جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ چوسر سے بھی بری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قمار و میسر میں ہی شمار کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے حرام قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

"اَنصاب" سے مراد وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے اردگرد نصب کئے گئے تھے ان کے نام پر کفار اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔

"اَزلام" سے مراد جوئے کے تیر ہیں جنہیں تقسیم کر کے کفار فال لیتے تھے۔

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یہ شیطانی اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہیں اور یہ بدترین شیطانی اعمال ہیں۔ "فَاجْتَنِبُوْهُ" ضمیر کا مرجع "رِجْسٌ" ہے یعنی اسے ترک کر دو تاکہ تم فلاح پاؤ، پھر فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی اور تنبیہ ہے۔

حرمت شراب میں وارد شدہ احادیث کا ذکر

شراب کی حرمت کا حکم تین مرتبہ تدریجاً نازل ہوا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو اس وقت لوگ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل ہونے والا مال کھاتے تھے۔ آپ ﷺ سے ان دونوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت کریمہ اتری يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ (البقرہ: 219) "وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے"۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ بتائے گئے ہیں، حرام نہیں کیا گیا چنانچہ وہ شراب پیتے رہے، ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ ایک مہاجر صحابی نشہ کی حالت میں نماز مغرب ادا کرنے لگے تو دوران نماز آیات قرآنیہ کو گڈمڈ کر دیا تو اس وقت سخت تر حکم نازل ہوا، فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: 43) "اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو) چونکہ صراحۃً ممانعت نہ تھی اس لئے لوگ شراب پیتے رہے، صرف نماز کے وقت شراب پینا چھوڑ دیا۔ بعد ازاں حرمت شراب کے بارے میں زیادہ سخت اور قطعی حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اس حکم کے نازل ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعراء، صفحہ 1770
2۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 285، موطا امام مالک، کتاب الرؤیا، جلد 2، صفحہ 958 وغیرہ
3۔ مسند احمد جلد 5، صفحہ 370

سے باز آ گئے۔ جب شراب اور جوئے کی حرمت کے احکام نازل ہوئے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا جو جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے یا طبعی موت مر گئے حالانکہ وہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رجس اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا...... "نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر ان کی زندگی میں حرمت کا حکم نازل ہو جاتا تو وہ بھی تمہاری طرح اسے ترک کر دیتے" (1)۔

ابو میسرہ سے روایت ہے کہ حرمت شراب کے قطعی حکم کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی تھی: "اے اللہ! شراب کے بارے میں تسلی بخش اور قطعی حکم نازل فرما" تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ اتری يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (البقرہ: 219) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ آیت سنائی گئی تو پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ "یا اللہ! شراب کے متعلق شافی حکم نازل فرما" تو سورۂ نساء کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء: 43)۔ جب مؤذن رسول "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ" کہتے تو ساتھ ہی یہ ندا دیتے کہ نشہ کی حالت میں کوئی بھی نماز کے قریب نہ جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی تو پھر آپ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی مذکورہ دعا کو دہرایا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ یہ وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنائی گئی، جب یہ فرمان: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کانوں میں پڑا تو فوراً پکار اٹھے، یا اللہ! ہم باز آ گئے (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ یہ ان پانچ چیزوں (انگور، کھجور، شہد، گندم، جو) میں سے جس سے بھی کشید کی جائے وہ شراب ہی ہے، ہر ایسی نشہ آور چیز جو عقل کو ڈھانپ دے وہ خمر ہے (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب تحریم خمر کا حکم آیا تو اس وقت مدینہ میں انگور کی شراب کے علاوہ پانچ قسم کی شراب کا رواج تھا (4)۔

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں تین آیات اتریں۔ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ...... لوگوں نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے دیجئے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ اس میں نفع ہے تو حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى تو مشہور ہو گیا کہ شراب حرام ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم شراب پی کر نماز کے قریب نہیں جائیں گے تو آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا، لیکن جب یہ آیت اتری يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ...... تو رسول اللہ ﷺ نے قطعی طور پر فرما دیا کہ شراب حرام ہو گئی (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے شراب کی خرید و فروخت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کا دوست تھا۔ وہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ سے ملا اور شراب کا ایک مٹکا تحفتاً پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 352-352

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 325، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 53 وغیرہ

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، صفحہ 2322

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277

5۔ مسند ابی داؤد، صفحہ 264

تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے؟" تو وہ آدمی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اسے بیچ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اپنے غلام کو کیا حکم دیا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے شراب فروخت کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے شراب پینا حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے" تو اس نے اپنے غلام کو شہر سے باہر نالہ میں شراب انڈیلنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے وہاں لنڈھا دیا گیا(1)۔

ایک دوسری حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ہر سال نبی کریم ﷺ کو شراب کا ایک مٹکا تحفہ دیا کرتے تھے۔ جب شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ حسب معمول مٹکا لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے دیکھا تو مسکرا دیئے اور فرمایا: "تمہارے بعد شراب حرام کر دی گئی ہے۔" اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اسے بیچ کر اس کی قیمت کام میں نہ لاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ان پر گائے اور بھیڑ بکریوں کی چربی حرام کر دی گئی تھی، وہ اسے پگھلا کر بیچ ڈالتے، اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کی قیمت حرام کر دی ہے"۔ تقریباً اسی قسم کی ایک روایت عبدالرحمٰن بن غنم سے بھی مروی ہے، سوائے چند الفاظ کے معنی میں کوئی فرق نہیں(2)۔

ایک اور حدیث نافع بن کیسان سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں شراب کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ شام گئے اور وہاں سے تجارت کی غرض سے شراب کے کچھ مشکیزے لائے۔ ایک مشکیزہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے لئے بڑی عمدہ شراب لے کر آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے کیسان! یہ تو تمہارے بعد حرام ہو گئی ہے۔" انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اسے بیچ ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی۔" تو حضرت کیسان رضی اللہ عنہ نے مشکیزے لئے اور پاؤں سے ٹھوکر مار کر تمام شراب بہادی(3)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ، ابی بن کعب، سہیل بن بیضاء اور کچھ دوسرے ساتھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود تھے، میں ان کو شراب پلا رہا تھا، قریب تھا کہ شراب انہیں مدہوش کر دے۔ جام گردش میں تھے کہ اتنے میں کسی نے آ کر کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شراب حرام ہو گئی ہے، انہوں نے کہا: ہم انتظار کریں گے اور دریافت کریں گے، تو دوسرے صحابہ نے کہا: اے انس! برتن میں باقی ماندہ تمام شراب بہا دو۔ خدا کی قسم! اس کے بعد انہوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔ یہ پکی اور کچی کھجور کی شراب تھی(4)۔ جس دن شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اس دن کچھ لوگ حضرت ابوطلحہ کے گھر جمع تھے، شراب کی محفل آراستہ تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن میں انہیں شراب پلا رہا تھا، وہ شراب کھجور سے کشید کی گئی تھی، اچانک منادی نے ندا دی تو انہوں نے کہا کہ باہر جا کر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک منادی اعلان کر رہا تھا کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، ابوطلحہ رضی اللہ نے مجھے کہا کہ جاؤ اور اس شراب کو بہا دو۔ چنانچہ میں نے باقی تمام شراب باہر بہا دی۔ کسی نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو جہاد میں شہید ہو گئے حالانکہ وہ شراب پیتے تھے تو اس وقت یہ آیت کریمہ اتری: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، صفحہ 1206، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 230 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227
3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 335-336
4۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 9، صفحہ 36-37، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1570-1571 وغیرہ
5۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 9، صفحہ 36-37، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، 1570-1571

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوطلحہ اور ان کے ساتھیوں کو شراب کے جام پلا رہا تھا کہ یہاں تک کہ ان کے سرنشہ کی شدت سے ڈھلک رہے تھے میں نے منادی کو یہ ندا دیتے ہوئے سنا کہ خبردار، شراب حرام ہوگئی ہے۔ یہ سنتے ہی ہم میں سے ہر ایک نے شراب انڈیل دی اور مٹکے توڑ دیئے۔ بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل۔ ہم نے ام سلیم سے خوشبو لے کر لگائی پھر مسجد کی طرف نکلے۔ وہاں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ تحریم خمر کی آیت تلاوت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک تلاوت کی تو ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں جو وفات پا گئے حالانکہ وہ شراب پیا کرتے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔ ایک آدمی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟۔ فرمایا: ہاں۔ ایک اور شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہاں، مجھے اس ذات نے بتایا ہے جس سے کبھی جھوٹ سرزد نہیں ہوا، نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ جھوٹ کیا ہے(1)۔

ایک دوسری حدیث میں قیس بن سعد بن عبادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے شراب، شطرنج اور بربط کو حرام قرار دیا ہے، جوار باجرہ کی شراب سے بچو کیونکہ یہ دنیا کی تمام شراب کا ایک تہائی ہے''(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب، جوا، گیہوں کی شراب، شطرنج اور آلات طرب سب حرام کر دیئے ہیں اور مجھ پر نماز وتر واجب کی ہے''(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے جھوٹی حدیث گھڑ کر میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے خمر، جوا، شطرنج و نرد اور جوار باجرہ سے کشید کی ہوئی شراب حرام قرار دی ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے(4)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شراب کے دس متعلقات پر لعنت، خود شراب پر، پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، شراب کشید کرنے والے، بنانے والے، شراب اٹھا کر لے جانے والے، جس کی طرف لائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت'' (5)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اونٹوں کے باڑہ کی طرف نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو گیا۔ میں آپ ﷺ کی دائیں جانب چل رہا تھا کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی دائیں جانب ہو گئے۔ میں بائیں جانب چلنے لگا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آتے ہوئے دکھائی دیئے تو میں تھوڑا سا ہٹ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں جانب ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ نبی کریم ﷺ اس باڑہ میں تشریف لائے، وہاں شراب کی مشکیں پڑی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے چھری منگوائی اور مشکوں کو چیر دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''شراب، شرابی، شراب پلانے والے، خرید و فروخت کرنے والے، اٹھا کر لے جانے والے، جس کی طرف اٹھائی جائے، کشید کرنے والے، بنانے والے، اور اس کی قیمت وصول کرنے والے سب پر لعنت ہو''(6)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چھری لانے کا حکم دیا۔ میں لے آیا، اسے تیز

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 37 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 422 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 165

4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 171 5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 336، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 25 6۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 71

کروانے کے بعد حضور علیہ السلام نے مجھے دے دی اور فرمایا کہ صبح اسے میرے پاس لانا۔ حسب ارشاد میں حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام صحابہ کرام کو لے کر مدینہ کے بازاروں کی طرف نکلے، وہاں شام کی بنی ہوئی شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے مجھ سے چھری لی اور وہاں موجود تمام مشکیزوں کو چیر دیا۔ پھر چھری مجھے تھمادی اور صحابہ کرام سے کہا کہ وہ میرے ساتھ جائیں اور میری مدد کریں، پھر مجھے حکم دیا کہ بازار میں جہاں بھی شراب کا مشکیزہ نظر آئے چیر ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا، اور تمام مشکیزے چیر کر شراب انڈیل دی (1)۔

یزید خولانی بیان کرتے ہیں کہ میرا چچا شراب فروخت کیا کرتا تھا اور صدقہ بھی کرتا۔ میں نے اسے اس سے منع کیا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ میں مدینہ شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے شراب اور اس کی قیمت کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا: یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اے امت محمد یہ! اگر تمہاری کتاب کے بعد کسی کتاب کا اترنا ممکن ہوتا، اور تمہارے نبی علیہ السلام کے بعد کسی اور نبی کو آنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں کے بارے میں بھی آیات نازل کرتا جس طرح تم سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں، لیکن تمہارا معاملہ قیامت تک کے لئے مؤخر کر دیا گیا، لیکن یہ تمہارے لئے بہت شدید ہے۔

حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے شراب کی قیمت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں شراب کے متعلق آگاہ کرتا ہوں، فرمایا: میں مسجد میں رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ تھا، آپ علیہ السلام گوٹ لگائے بیٹھے تھے فرمایا: ''جس کے پاس شراب ہو وہ ہمارے پاس لے آئے'' لوگ شراب لانے لگے، کوئی مٹکا لایا، کوئی مشکیزہ لایا، کسی کے پاس جو بھی تھا لے آیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ساری شراب میدان بقیع میں جمع کر کے مجھے آگاہ کرنا'' چنانچہ جب شراب جمع کر دی گئی تو آپ علیہ السلام کو اطلاع دی۔ آپ علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ دائیں طرف ہو کر چل پڑا، آپ علیہ السلام مجھ پر سہارا لئے ہوئے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مل گئے۔ حضور علیہ السلام نے مجھے بائیں طرف کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری جگہ اپنی دائیں طرف لے لیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ ملے۔ آپ علیہ السلام نے مجھے پیچھے ہٹا کر انہیں اپنی بائیں جانب کر لیا اور آپ علیہ السلام ان دونوں حضرات کے درمیان چلنے لگے۔ جب آپ علیہ السلام جمع شدہ شراب پر پہنچے تو لوگوں سے فرمایا: ''جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ علیہ السلام! یہ شراب ہے۔ فرمایا: تم نے سچ کہا۔ پھر فرمایا: ''شراب، اسے کشید کرنے والے، اسے بنانے والے، شرابی، ساقی لے جانے والے، جس کی طرف لے جائی جائے، خرید و فروخت کرنے والے، اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت ہو۔'' پھر آپ علیہ السلام نے چھری منگوائی، پھر فرمایا: ''اسے تیز کرو''، چنانچہ اسے تیز کیا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے سارے مشکیزے چیر دیئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اس میں منفعت بھی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں، چونکہ شراب میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اس لئے اس کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ خدمت میں بجالاتا ہوں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ میں خود اسے ضائع کروں گا (2)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں پھر ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ہمیں دعوت پر بلایا۔ وہاں شراب کا دور چلا، یہ تحریم خمر سے پہلے کا واقعہ ہے، اس قدر شراب پی کہ نشہ میں دھت ہو گئے، پھر

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 133-132 2۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 287-286

آپس میں فخر کرنے لگے، انصار کہتے کہ ہم افضل ہیں اور قریش کہتے کہ ہم افضل ہیں، نوبت لڑائی تک پہنچ گئی، ایک انصاری نے اونٹ کی ہڈی لے کر سعد رضی اللہ کی ناک پر دے ماری جس سے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تو اس وقت حرمت شراب کا قطعی حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تحریم خمر کا حکم اس بناء پر نازل ہوا کہ انصار کے دو قبیلوں نے شراب پی۔ جب نشہ میں دھت ہو گئے تو ایک دوسرے پر دست درازی کرنے لگے، جب نشہ اتر گیا تو کسی کا چہرہ زخمی تھا، کوئی سر پر چوٹ کھائے ہوئے تھا اور کسی کی داڑھی نوچی ہوئی تھی، کوئی کہتا تھا کہ میرے فلاں بھائی نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے، حالانکہ وہ تمام گہرے دوست تھے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بغض نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ کوئی کہتا کہ اگر یہ رحمدل اور ہمدرد ہوتا تو اس قدر مجھے تکلیف نہ پہنچاتا، اس طرح کینہ و بغض ان کے دلوں میں گھر کر گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرمت شراب کے متعلق وحی نازل فرمادی۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو پلیدی ہے، جو لوگ اس کے عادی تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کا کیا بنے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا(2)۔

ابو بریدہ اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ ہم تین چار افراد کسی ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے، شراب کی محفل آراستہ تھی، ہمارے پاس شراب کا مٹکا تھا، دور چل رہا تھا کہ میں وہاں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا، اسی وقت تحریم خمر والی آیت نازل ہوئی۔ میں اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک وحی سے آگاہ کیا۔ کچھ دوست شراب پی چکے تھے، بعض نے تھوڑی سی پی تھی اور جام ابھی ہاتھ میں تھا، کسی نے جام اپنے ہونٹوں سے لگا رکھا تھا، حکم الٰہی سنتے ہی سب نے اپنے اپنے جام زمین پر پٹخ دیئے اور مٹکے میں ساری شراب بہادی اور کہا: اے ہمارے رب! ہم باز آگئے(3)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کی صبح کچھ صحابہ کرام نے شراب پی لی تھی، پھر اسی دن (اکہتر) شہید ہو گئے، یہ تحریم خمر سے قبل کا واقعہ ہے، بعض یہودی کہنے لگے کہ ان شہداء کے پیٹ میں تو شراب تھی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا(4)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جو حرمت سے پہلے شراب پیا کرتے تھے تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی(5)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی خیبر سے مدینہ کی طرف شراب لاتا اور بیچ کر نفع حاصل کرتا۔ ایک مرتبہ وہ شراب لے کر مدینہ شریف پہنچا تو ایک مسلمان نے اسے کہا کہ شراب تو حرام ہو گئی ہے، اس نے وہاں ہی ایک ٹیلے پر شراب رکھ دی اور چادروں کے ساتھ اسے ڈھانپ دیا۔ پھر وہ شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: کیا میں اس شخص کو واپس کر دوں جس سے خریدی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو واپس کرنا بھی درست نہیں ہے"۔ وہ شخص کہنے لگا: اگر میں ایسے شخص کو دے دوں جو مجھے اس کا کچھ معاوضہ دے دے تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1878، سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 258
2۔ سنن بیہقی، جلد 8۔ صفحہ 285-286
3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277
5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 178، مسند ابی داؤد، صفحہ 97-98

فرمایا: ''یہ بھی نہیں''۔ پھر اس شخص نے عرض کی: اس تجارت میں کچھ ایسے یتیموں کا بھی پیسہ لگا ہوا ہے جو میرے زیر پرورش ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب بحرین کا مال آئے گا تو ہمارے پاس آنا، ہم اس میں سے تمہارے یتیموں کو معاوضہ ادا کر دیں گے''۔ پھر مدینہ شریف میں تحریم خمر کا اعلان کر دیا گیا۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں شراب کے برتنوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے منہ کھول دو'' چنانچہ تمام شراب بہا دی گئی یہاں تک کہ وہ (پانی کی طرح) نشیبی مقامات پر کھڑی ہوگئی۔(1)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے زیر تربیت یتیم ہیں جنہیں کچھ شراب وراثت میں ملی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب بہا دو'' عرض کی کہ کیا ہم اس کا سرکہ نہ بنا لیں؟ فرمایا: نہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تورات میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق اس لئے نازل کیا ہے تاکہ وہ باطل کو اس کے ذریعے نیست و نابود کر دے اور کھیل کود، ناچ گانا اور آلات موسیقی بربط، ستار، سارنگ، دف اور طنبور ان سب کو باطل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ حرمت کے بعد جو شراب پیئے گا میں اس کو قیامت کے دن پیاسا رکھوں گا، اور بعد از حرمت جس نے اجتناب کیا میں اس کو جنت میں شراب پلاؤں گا(3)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک مرتبہ نشہ کی وجہ سے نماز ترک کر دی گویا کہ اس نے دنیا و مافیہا کو کھو دیا، جس نے نشہ کی وجہ سے چار مرتبہ نماز کھو دی تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طینة الخبال'' پلائے، لوگوں نے عرض کی کہ ''طینة الخبال'' کیا چیز ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کے اجسام سے نچوڑی گئی غلاظت''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عقل کو ڈھانپنے والی ہر چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جو شخص کوئی نشہ آور چیز پیئے گا اس کی چالیس دن کی نمازیں مقبول نہ ہوں گی۔ اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ اگر وہ چوتھی مرتبہ شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طینة الخبال'' پلائے، عرض کی گئی: ''طینة الخبال'' کیا ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کی پیپ۔ اور جس شخص نے کسی ایسے بچے کو شراب پلائی جو حلال و حرام کی تمیز نہیں کر سکتا تو اس آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ ''طینة الخبال'' پلائے گا''(5)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہ کی تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے''(6)۔ حضرت ابن عمر سے ہی یہ حدیث مروی ہے ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ جو آدمی شراب کا رسیا تھا، شراب پیتا رہا لیکن توبہ نہ کی اسے جنت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا''(7)۔ آپ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا، اپنے والدین کا نافرمان، شراب کا رسیا، اور احسان کر کے جتلانے والا''(8)۔ حضرت

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 3، صفحہ 404
2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1573، سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 326 وغیرہ
3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 317
4۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 287، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 178
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 327
6۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 10 صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ صفحہ 1588 وغیرہ
7۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1587
8۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 7، صفحہ 80-81، سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 288

ابوسعید رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: ''احسان جتلانے والا، والدین کا نافرمان اور شراب کا رسیا کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے'' (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی ایک اسی قسم کی حدیث مروی ہے لیکن اس میں ان تین کے علاوہ ''ولد الزنا'' کا بھی ذکر ہے (2)۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب سے بچو کیونکہ یہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ پہلے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو گیا، خلوت نشیں ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرتا اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا۔ ایک فاحشہ عورت کا اس سے دل لگ گیا۔ اس نے اپنی خادمہ کو اس عابد کی طرف بھیجا تا کہ وہ اسے گواہی کے بہانے بلا لائے۔ وہ اس کے ساتھ چلا آیا۔ جب وہ کسی دروازے میں داخل ہوتا تو وہ دروازہ بند کر دیتی یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت عورت کے پاس پہنچ گیا، اس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا مٹکا پڑا ہوا تھا۔ اس (بدکار عورت) نے عابد سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں کسی گواہی کے لئے نہیں بلایا بلکہ میرے بلانے کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے ساتھ مجامعت کر و یا اس بچے کو قتل کر ڈالو یا پھر یہ شراب پیو۔ وہ درویش دوسرے گناہوں کی نسبت شراب کو ادنیٰ گناہ سمجھتے ہوئے شراب نوشی پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس عورت نے اسے ایک جام پلایا۔ پھر وہ خود ہی یکے بعد دیگرے جام طلب کرنے لگا یہاں تک کہ شراب کے نشہ میں دھت ہو کر لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور بدکاری کا بھی ارتکاب کر بیٹھا، اس لئے شراب سے اجتناب کرو، کیونکہ شراب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے منافی ہے (3)۔ صحیحین کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا'' (4)۔

جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ علیہ السلام! ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو شراب پیتے تھے اور فوت ہو گئے؟ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَیۡسَ عَلَى الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا...... اور جب تحویل قبلہ کی آیت اتری تو لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا ہو گا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَكُمۡ (5) (اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے شراب پی لی تو اللہ تعالیٰ چالیس دنوں تک اس سے ناراض رہتا ہے، اگر وہ (اسی حالت میں) مر جائے تو کافر مرے گا، اور اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ اگر پھر اس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طینۃ الخبال'' پلائے، عرض کی: یا رسول اللہ علیہ السلام! ''طینۃ الخبال'' کیا ہے؟ فرمایا: ''اہل نار کی پیپ'' (6)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَیۡسَ عَلَى الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا تو مجھے کہا گیا کہ تم بھی ان میں سے ہو جن پر کوئی الزام نہیں'' (7)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''ان دو (چوسر اور شطرنج) سے بچو، کیونکہ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 44
2۔ سنن نسائی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 318، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 164
3۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 288-287
4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 76
5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 295
6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 460
7۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث 1910، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 179 وغیرہ

یہ عجمیوں کا جواء ہے''(1)۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

''اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے، پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے، فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے، وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی، معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں مقصود کمزور اور چھوٹا شکار ہے جس کی حالت احرام میں ممانعت کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے رہا ہے، اگر وہ چاہتے تو اس شکار کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے، اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے بھی منع فرما دیا ہے: تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں کہ چھوٹے شکار اور ان کے بچے جن تک تمہارے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اور ''رِمَاحُكُمْ'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ بڑے شکار جو تیر کے ذریعے کئے جاتے ہیں(2)۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عمرۂ حدیبیہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ جنگلی جانوروں، پرندوں اور شکاری جانوروں کے غول اور جھرمٹ ان کی قیام گاہوں کے پاس سے گزرتے، قبل ازیں اس مقدار میں نہ دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ احرام کی حالت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار کرنے سے منع فرما دیا، اس کی غرض یہ تھی لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ۔ یعنی جو شکار ان کے ٹھکانوں تک آتا ہے جسے ہاتھوں اور نیزوں کے ساتھ شکار کرنے پر وہ قادر بھی ہیں ان کی ممانعت سے اللہ تعالیٰ انہیں آزمانا چاہتا ہے تاکہ سرًّا اور جهرًا اطاعت گزار کی اطاعت اور فرمانبرداری ظاہر ہو جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک: 12)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ جس نے اس اعلان اور تنبیہ کے بعد زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی پاداش میں

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 446

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 39

اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اس آیت کریمہ میں بحالت احرام شکار کرنے کی تحریم ہے۔ یہ حکم معنی کے لحاظ سے حلال جانوروں، ان کے بچوں اور غیر ماکول جانوروں کو شامل ہے۔ جہاں تک خشکی کے غیر ماکول حیوانات کا تعلق ہے تو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک محرم کے لئے ان کا قتل کرنا جائز ہے، لیکن جمہور علماء ایسے جانوروں کے شکار کو بھی حرام کہتے ہیں اور کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے سوائے ان کے جن کا ذکر صحیحین کی ایک روایت میں آتا ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نقصان دہ چیزوں کو احرام اور عدم احرام دونوں حالتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا'' (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں (2)۔ حضرت ایوب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سانپ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: سانپ کو مارنے میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد رحمتہ اللہ علیہ جیسے علماء نے کاٹنے والے کتے کے حکم میں بھیڑیے، درندے، شیر اور چیتے کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ ان کی اذیت کتے سے بھی زیادہ ہے، زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ اور سفیان بن عُیینہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام درندے کاٹنے والے کتے کے حکم میں داخل ہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عتبہ بن ابی لہب کو بددعا دی تھی تو کہا تھا: ''یا اللہ! شام میں اپنا ایک کتا اس پر مسلط فرما دے''۔ چنانچہ زرقاء کے مقام پر ایک بھیڑیے نے اسے پھاڑ کر کھا لیا(3)۔ ان کے علاوہ اگر کسی اور جانور کو قتل کرے گا تو فدیہ ادا کرنا ہوگا جیسے بجو، لومڑی، کفتار وغیرہ۔ امام مالک رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا پانچ جانوروں کے بچوں اور درندوں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہے، بحالت احرام قتل کرنے سے فدیہ لازم ہو جائے گا، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر غیر ماکول جانور کو قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے، چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں، انہوں نے غیر ماکول ہونا مشترک علت قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احرام والے کے لئے کاٹنے والے کتے اور بھیڑیے کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ بھیڑیا بھی بری کتا ہے، ان کے علاوہ کسی کو قتل کیا تو فدیہ ادا کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی اور درندہ حملہ آور ہو جائے تو قتل کر سکتا ہے، اس صورت میں فدیہ لازم نہیں ہوگا۔

امام اوزاعی اور حسن بن صالح کا بھی یہی مسلک ہے، امام زفر کے نزدیک قتل کرنے کی وجہ سے فدیہ پڑ جائے گا اگرچہ وہ درندہ حملہ آور ہوا تھا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں کوے سے مراد وہ کوا ہے جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہو نہ کہ سیاہی۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ان پانچ کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک ایسی صفت کا حامل کوا ہے(4)۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ ہر عام کوا مراد ہے کیونکہ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ مطلق ہیں، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محرم کوے کو صرف اسی صورت میں قتل کر سکتا ہے جب وہ حملہ آور ہو اور اذیت کا باعث بنے، مجاہد اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ محرم کوے کو قتل نہ کرے بلکہ بھگا دے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ محرم کس جانور کو قتل کر سکتا ہے تو آپ

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 355، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 857

2۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 34، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 858 وغیرہ

3۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 2، صفحہ 338 4۔ سنن نسائی، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 188

نے فرمایا: ”سانپ، بچھو، چوہا، کوے کو ڈرا دھمکا کر اڑا دے، قتل نہ کرے، کاٹنے والا کتا، گدھ، حملہ آور ہونے والا درندہ۔(1)۔

وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ طاؤس کہتے ہیں کہ اس حکم کا اطلاق اس شخص پر نہیں ہوگا جس نے غلطی سے کسی جانور کو قتل کیا ہو بلکہ اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوگا جس نے جان بوجھ کر قتل کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مُتَعَمِّدًا“ (قصداً) سے مقصود یہ ہے کہ کوئی اپنی احرام کی حالت کو بھول کر قتل صید کا قصد کرے، اگر حالت احرام یاد رہنے کے باوجود قصداً قتل صید کا مرتکب ہوا تو اس کا گناہ کفارہ سے کہیں زیادہ بڑا ہے، یعنی اس کا تو احرام ہی باطل ہو جائے گا(2)۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ ارادتاً اور بھولے سے قتل کرنے والا دونوں فدیہ کے واجب ہونے میں برابر ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قصداً قتل کرنے والے پر قرآن کریم کی دلیل موجود ہے اور بھول کر کرنے والے کا حکم حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنی حکم سے متعمد پر جزاء کا وجوب اور اس کا گنہگار رہنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ جس طرح عمداً قتل کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے، اسی طرح غلطی سے قتل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہوگا، یہ حکم حدیث شریف اور عمل صحابہ سے ثابت ہے کیونکہ شکار کو قتل کرنا اسے تلف کرنے کے مترادف ہے اور تلف کرنے سے تاوان لازم آتا ہے خواہ عمداً کیا ہو یا بھول کر۔ لیکن قصداً کرنے والا گنہگار ہے اور خطا سے کرنے والا گنہگار نہیں۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ بعض نے ”جَزَآءٌ“ کو مضاف کر کے پڑھا ہے اور بعض نے عطف کر کے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”فَجَزَآءُهٗ“ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے(3)۔ دونوں قراءتوں کی صورت میں حضرات مالک، شافعی، احمد اور جمہور کے مسلک کی دلیل ہے جن کا کہنا ہے کہ محرم نے جس جانور کو قتل کیا ہے اگر اس کی مثل کوئی پالتو جانور ہو تو جزاء کے طور پر وہی دینا ہوگا ورنہ اس کی قیمت، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیمت کی ادائیگی کو ہی لازم قرار دیا ہے اگرچہ اس کی مثل کوئی پالتو جانور موجود ہو یا نہ ہو۔ اسے اختیار ہے، چاہے تو اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قربانی کا کوئی جانور خرید لے۔ بہرحال صحابہ کرام نے مثل دینے کا جو حکم لگایا ہے وہ ہمارے لئے زیادہ قابل اتباع ہے، انہوں نے حکم لگایا ہے کہ شتر مرغ کے شکار کے بدلہ میں اونٹ، جنگلی گائے کے بدلے میں پالتو گائے، ہرن کے بدلہ میں بکری دے۔ اگر شکار کئے گئے جانور کی مثل نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بارے میں یہ حکم لگایا ہے کہ وہ اس کی قیمت مکہ شریف روانہ کر دے۔

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یعنی دو عادل مسلمان مثلی شکار میں مثلی جانور اور غیر مثلی کی قیمت کے کفارے کا فیصلہ کریں گے۔ اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شکاری بذات خود دو میں سے ایک حکم بن سکتا ہے۔ اس میں دو اقوال ہیں:

(1) نہیں بن سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بارے میں ہی فیصلہ کرنے کے باعث متہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(2) وہ خود حکم بن سکتا ہے، اس لئے کہ آیت میں عموی حکم پایا جاتا ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 3، صفحہ 170، عارضۃ الاحوذی، ابواب الحج، جلد 4، صفحہ 63-65 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 41

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 43

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی صورت میں فیصلہ کرنے والا، فیصلے کے نفاذ کا محل نہیں بن سکتا۔ ایک اعرابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بحالت احرام شکار کو قتل کیا ہے، آپ کی رائے میں مجھ پر کونسی سزا لازم ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اعرابی نے کہا: آپ خلیفہ رسول علیہ ہیں، میں تو آپ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ دوسروں سے پوچھ رہے ہیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بھلا اس میں اعتراض والی کونسی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ دو عادل مسلمان مل کر فیصلہ دیں۔ میں نے تو اپنے ساتھی سے مشورہ کیا ہے، جس فیصلہ پر ہمارا اتفاق ہو گیا وہ ہم تمہیں سنا دیں گے۔ اعرابی چونکہ جاہل تھا، عادلین کے مسئلہ سے آگاہ نہیں تھا، اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے نرمی اور متانت سے سمجھانا ضروری سمجھا کیونکہ جہالت کا علاج تعلیم ہے، لیکن اگر معترض صاحب علم ہو تو اس بارے میں ابن جریر حضرت قبیصہ بن جابر سے ایک روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے، جب ہم فجر کی نماز ادا کرتے تو ہم اپنی سواریوں کے آگے آگے پیدل چلتے اور باتیں کرتے رہتے، ایک دن ایک ہرن دکھائی دیا، ہمارے ایک ساتھی نے اسے پتھر دے مارا، پتھر نشانہ پر لگا اور وہ ہرن مر گیا۔ وہ شخص اسے مردہ چھوڑ کر ہی چل دیا، ہمیں اس کا یہ فعل بہت برا لگا، جب ہم مکہ شریف پہنچے تو میں اس شخص کو لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بڑے ہی خوبرو، چاندی کی طرح سفید رنگ کے شخص بیٹھے ہوئے تھے یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ دیر گفتگو کی، پھر اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: ''کیا تم نے عمداً قتل کیا تھا یا خطاءً''اس نے جواب دیا کہ میں نے پتھر تو قصداً پھینکا تھا لیکن قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارادۃً اور خطاءً دونوں کے بین بین تو نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے ایک بکری لے کر ذبح کرو، اس کا گوشت صدقہ کر دو اور چمڑا اپنے کام میں لاؤ۔ پھر ہم آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ شرعی حدود کی تعظیم کرو، تم نے امیر المؤمنین سے جو مسئلہ دریافت کیا تھا، انہیں اس بارے میں علم نہ تھا، اسی وجہ اسے انہوں نے اپنے ساتھی سے پوچھ کر بتایا، تم اپنی اونٹنی ذبح کرو، ممکن ہے اس سے تمہارے جرم کی تلافی ہو جائے، قبیصہ کہتے ہیں کہ عادلین کے فیصلہ والی آیت میرے ذہن میں ہی نہیں تھی۔ میری بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ درہ لئے ہوئے اچانک ہمارے پاس آ پہنچے، میرے ساتھی کو ایک کوڑا لگایا اور کہنے لگے کہ تم حالت احرام میں قتل کرتے ہو اور بیوقوف کو حکم بناتے ہو، پھر آپ رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ نے مجھے مارا تو یہ زیادتی ہوگی جسے میں معاف نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اے قبیصہ بن جابر! تم نوجوان، کشادہ دل اور قادر الکلام ہو، اگر کسی نوجوان میں نو اچھی عادات ہوں اور ایک بری ہو، تو وہ ایک بری عادت تمام اخلاق حسنہ پر پانی پھیر دیتی ہے، نوجوانی کی لغزشوں سے بچ کر رہو (1)۔

ابو جریر بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حالت احرام میں میں ہرن کا شکار کر بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے دو ساتھی لے کر آؤ تا کہ وہ تمہارے بارے میں فیصلہ کریں، میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو لے آیا انہوں نے ایک فربہ بکرے کے فدیہ کا فیصلہ صادر کیا(2)۔ اربد نے بحالت احرام ایک ہرن کو روند کر قتل کر ڈالا، فیصلے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ فیصلہ کرنے کے لئے میرے ساتھ دوسرا حکم تو خود بن جا، تو دونوں نے ایک

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 48-49
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 49

میمنہ بطور فدیہ لازم قرار دیا جو گھر کا پانی اور چارہ کھا کر خوب موٹا ہو گیا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت یَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ پڑھی۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کو دو میں سے ایک حکم بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اب اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آئندہ اگر کسی محرم سے یہ جرم سرزد ہو جائے اور صحابہ کرام کا فیصلہ موجود ہو تو کیا پھر بھی نئے سرے سے دو عادلوں سے فیصلہ کروانا ضروری ہے یا ان کے فیصلوں پر ہی اکتفا کرتے ہوئے ان کی روشنی میں فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہے، جو فیصلے انہوں نے دے دیئے ہیں ان کی پیروی کی جائے اور ان سے روگردانی نہ کی جائے، اور اگر کسی صورت میں صحابہ کا فیصلہ موجود نہ ہو تو اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ صحابہ کرام کا فیصلہ موجود ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ہر ہر فرد پر الگ الگ حکم نافذ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ، ''مِّنۡكُمۡ'' میں ضمیر کے مخاطبین ہر زمانے کے مسلمان ہیں۔

هَدۡيًاۢ بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ قربانی کے کعبہ تک پہنچنے کا مقصد یہ ہے کہ وہاں ذبح کی جائے اور حرم کے مساکین پر ہی اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔

اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یعنی محرم اگر مقتول شکار کی مثل نہ پائے یا صید مقتول کی مثل موجود ہی نہ ہو تو پھر جزاء، اطعام اور صیام میں اختیار ہے جیسا کہ امام مالک، ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ کا موقف ہے، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے، امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے اس لئے کہ ''اَوۡ'' کا لفظ اختیار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''اَوۡ'' تخییر کے لئے نہیں بلکہ ترتیب کے لئے مستعمل ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ امام مالک، ابوحنیفہ، حماد اور ابراہیم رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ قیمت اس قدر ہونی چاہئے کہ اگر اس جانور کی مثل موجود ہوتی تو یہ قیمت اس کا بدل بن جائے۔ پھر اس قیمت سے غلہ خریدے اور ہر مسکین کو ایک مد (56 تولہ) صدقہ کر دے۔ یہ امام شافعی، مالک اور فقہائے حجاز کا موقف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد اناج دیا جائے، امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر گندم ہو تو ایک مد، بصورت دیگر دو مد، اگر یہ میسر نہ ہو تو روزے رکھے، ہر مسکین کو کھلانے کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر صاع کے بدلہ میں روزہ ہے (1)۔ جیسا کہ حلق وغیرہ کروانے والے کی جزاء ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کعب بن عجرہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک فرق چھ مساکین میں تقسیم کرے یا تین روزے رکھے۔ فرق تین صاع کا ہوتا ہے (2)۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کھانا کہاں کھلایا جائے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حرم میں۔ امام مالک رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ اسی جگہ کھلایا جائے جہاں شکار کو قتل کیا تھا یا اس کے قریب کسی جگہ میں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں چاہے کھلائے خواہ حرم میں یا غیر حرم میں۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق اقوال سلف کا بیان

جزاء والی آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ محرم جب شکار قتل کر ڈالے تو اس کی مثل جانور اس کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 53 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 196

جزاء ہوگی، اگر اس جیسا جانور نہ مل سکے تو اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا، پھر اس کی قیمت سے کھانا خریدا جائے گا، پھر ہر نصف صاع کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا میں کھانے اور روزوں کو کفارہ قرار دیا ہے، طعام پایا جائے تو اسی سے کفارہ کی ادائیگی کی جائے گی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر کسی محرم نے شکار کو قتل کیا تو اس جیسا جانور اس پر لازم آئے گا۔ اگر اس نے ہرن وغیرہ کا شکار کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگی جسے مکہ شریف میں ذبح کیا جائے گا، اگر یہ نہ پا سکے تو چھ مساکین کو کھانا کھلائے، یہ بھی نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے۔ اگر اس نے بارہ سنگھا وغیرہ قتل کیا تو اس پر ایک گائے واجب ہوگی، نہ ملنے کی صورت میں بیس مساکین کو کھانا کھلائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بیس روزے رکھے۔ اگر اس نے شتر مرغ یا جنگلی گدھے وغیرہ کو قتل کیا تو اس کے بدلہ میں ایک اونٹ لازم آئے گا۔ اگر یہ میسر نہ ہو سکے تو تیس مساکین کو کھانا کھلائے، اگر اس کی توفیق نہ ہو تو تیس روزے رکھے۔ ابن جریر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کھانا ایک ایک مد ہو جس سے وہ خوب سیر ہو جائیں (1)۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ کھانا کھلانا تو اس صورت میں ہوگا کہ جب وہ قربانی کا جانور کعبہ تک نہ پہنچا سکے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس اختیار میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے جو چاہے ادا کر دے (1)۔

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ یعنی ہم نے اس پر کفارہ اس لئے واجب کیا ہے تاکہ وہ ہمارے حکم کی نافرمانی کے باعث اپنے کئے کی سزا کا ذائقہ چکھ لے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ اس شخص کے لئے معافی ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں اس فعل کا ارتکاب ہوا، لیکن اسلام لانے کے بعد اس نے اچھے کام کئے، شریعت کی اتباع کی اور معصیت کا مرتکب نہ ہوا۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ مسلمان ہونے کے بعد اس کی حرمت کا حکم پہنچ جانے کے باوجود جس نے پھر ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے اس آیت عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا وہ معاف ہے اور فرمان الٰہی: وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ کے بارے میں وضاحت کی کہ حالت اسلام میں اگر دوبارہ اس کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ بار بار ایسا کرنے سے کوئی حد لازم آئے گی تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ میرے اس سوال پر کہ کیا امام وقت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے سزا دے تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، یہ ایسا گناہ ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے، البتہ فدیہ ضرور ادا کرے گا (2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفارہ کے ذریعے انتقام لیتا ہے۔

جمہور متقدمین اور متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محرم جب شکار کو قتل کرے تو اس پر جزاء واجب ہوگی، پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ اس غلطی کے ارتکاب میں کوئی فرق نہیں، اگرچہ متعدد مرتبہ ہو۔ فعل خطا اور فعل عمد دونوں حکم میں ایک جیسے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 51　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 58

اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر کسی نے بحالت احرام خطاءً کسی شکار کو قتل کیا تو ہر قتل کے وقت اس پر اس سزا کا نفاذ ہوگا، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو ایک دفعہ اس پر یہ حکم لاگو ہوگا، لیکن دوبارہ ایسا کرنے کی صورت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا جیسا کہ خود اس نے ارشاد فرمایا ہے(1)۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک محرم نے شکار کیا، اس پر فدیہ کا حکم صادر کر دیا گیا، وہ دوبارہ اس فعل کا مرتکب ہوا تو آسمان سے آگ اتری جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا انتقام جو اس آیت میں مذکور ہے وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ کے بارے میں ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار میں غالب ہے، کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا، وہ کسی سے انتقام لینا چاہے تو کوئی بھی اسے منع نہیں کر سکتا، وہ اگر کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، کیونکہ تمام مخلوق اس کی ملکیت ہے، حکم صرف اسی کا نافذ ہے، غلبہ اور قوت صرف اسے ہی حاصل ہے، وہ نافرمانوں کو نافرمانی کی ضرور سزا دیتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

''حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقاء کا باعث لوگوں کے لئے نیز حرمت والے مہینوں کو اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تاکہ تم خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے۔ نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو''۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن میسّب رحمتہ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ سمندری شکار سمندر (اور دریا) سے حاصل شدہ تازہ شکار ہے اور ''طَعَامُ'' سے مراد وہ مچھلی جسے خشک کر کے سفر کے لئے توشہ بنالیا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری مشہور روایت میں ہے کہ ''صید البحر'' سے مراد وہ شکار ہے جو سمندر سے زندہ حاصل کیا جائے اور طعام سے مراد وہ شکار ہے جسے سمندر ساحل پر پھینک دے۔ بہت سے صحابہ کرام اور تابعین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''طعام بحر'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر میں ہے اور اس کا پھینکا ہوا طعام ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ''طعام'' کی یہی وضاحت منقول ہے کہ جس کو سمندر باہر پھینک دے۔ سعید بن میسّب

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65

رحمتہ اللہ علیہ "طعام" کی وضاحت کرتے ہیں کہ جسے سمندر نے تو باہر زندہ پھینکا ہو لیکن وہ باہر آ کر مر جائے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ سمندر بہت سی مردہ مچھلیوں کو باہر پھینک دیتا ہے، کیا ہم انہیں کھا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر تشریف لائے تو قرآن کھول کر آیت کریمہ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ دیکھی تو کہا: جاؤ اور کہہ دو کہ کھا لیا کرو کیونکہ سمندر کی ہر چیز طعام ہے(1)۔ ابن جریر کا بھی یہی کہنا ہے کہ طعام سے مراد سمندر کی مردہ مچھلیاں ہیں۔ حدیث شریف میں بھی یہی آتا ہے کہ طعام سے مراد وہ مچھلیاں ہیں جنہیں سمندر مردہ حالت میں خشکی پر پھینک دے(2)۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ اے مخاطبین! یہ تمہاری منفعت اور خوراک کا سامان ہے۔ "سیارۃ"، "سیار" کی جمع ہے، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ساحل سمندر کے قریب رہنے والوں اور دوسرے مسافرین کے لئے توشہ ہے، جو لوگ سمندری مقامات پر رہائش پذیر ہوں وہ تو تازہ شکار کر لیتے ہیں، اور مردہ مچھلی ان کا طعام ہے، یا شکار کر کے اسے خشک کر لیتے ہیں اور یہ مسافروں اور ساحل سے دور رہنے والوں کے لئے زادراہ کا کام دیتا ہے(3)۔ اس قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی سے بھی منقول ہے۔

جمہور علماء نے مردہ مچھلی کے حلال ہونے پر اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے اور اس روایت سے بھی جو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں تین سو افراد پر مشتمل ایک لشکر ساحل کی طرف روانہ کیا، میں بھی ان میں شامل تھا، ابھی ہم رستے میں ہی تھے کہ زادراہ ختم ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب اپنا اپنا زادراہ لا کر جمع کر دیں، میرے پاس کھجوریں تھیں۔ وہ ہمیں اس جمع شدہ ذخیرہ میں سے تھوڑا تھوڑا دیتے یہاں تک کہ یہ ذخیرہ بھی ختم ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملنے لگی، حالت نازک ہو گئی، آخر کار ہم سمندر تک پہنچ گئے، ساحل سمندر پر اچانک ہمیں ٹیلے کی مانند ضخیم مچھلی مل گئی جسے اٹھارہ دن تک وہ لشکر کھاتا رہا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیوں کو نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک اونٹنی سوار کو اس کے نیچے سے گزرنے کے لئے کہا، وہ نیچے سے گزر گیا اور بالائی حصہ کو چھو بھی نہ سکا(4)۔

اسی طرح کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اچانک ساحل سمندر پر ہمیں ایک ٹیلہ سا دکھائی دیا وہاں پہنچے تو ایک مرا ہوا جانور پایا جسے عنبر کہتے ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو مردہ ہے، پھر فرمایا: ہم تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، اضطراری حالت میں گرفتار ہیں اس لئے کھاؤ، ہم تین سو افراد تھے، ایک مہینہ وہاں ٹھہرے رہے، اس قدر گوشت کھایا کہ خوب فربہ ہو گئے۔ ہم اس کی آنکھوں کے اندر سے مٹکے بھر بھر کر روغن نکالتے، اور گوشت کے جو ٹکڑے کاٹتے تھے وہ بیل جیسے بڑے بڑے ہوتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تیرہ آدمیوں کو اس کی آنکھوں کے گڑھے میں بٹھایا تھا، ایک پسلی کو لے کر وہاں نصب کروا دیا تو ہمارے پاس سب سے بڑا اونٹ اس میں سے بآسانی گزر گیا، یعنی بہت بڑی مچھلی تھی، جو گوشت بچ گیا اسے خشک کر کے ساتھ لے لیا پھر ہم مدینہ شریف پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراہم کیا تھا، اگر اس کا گوشت تمہارے پاس ہے تو لاؤ، ہمیں بھی کھلاؤ۔" ہم نے اس میں سے کچھ گوشت پیش خدمت کیا تو آپ ﷺ نے تناول فرمایا(5)۔ صحیح

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 66 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 68-69 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65

4۔ فتح الباری، کتاب الشرکۃ، جلد 5، صفحہ 128، صحیح مسلم، کتاب الصید، صفحہ 1537، موطا امام مالک، کتاب صفۃ النبی ﷺ، صفحہ 930-931

5۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، جلد 1535-1536

مسلم کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام کا یہ لشکر نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب انہیں یہ مچھلی ملی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسرا واقعہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، پہلے وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت انہیں روانہ کیا، اسی لشکر نے اس مچھلی کو پایا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ پانی کی محدود مقدار ہی رکھ سکتے ہیں، اگر اس کے ساتھ وضو کرلیں تو پیاسے رہ جانے کا اندیشہ ہے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کی مردہ مچھلی حلال ہے''(1)۔ صحابہ کی ایک جماعت سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہم حج یا عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اثناء سفر ٹڈیوں سے ہمارا سامنا ہوگیا، ہم نے اپنی لاٹھیوں اور کوڑوں کے ساتھ انہیں مارنا شروع کردیا۔ وہ مرکر ہمارے پاس گر پڑتیں، ہم نے آپس میں کہا کہ ہم انہیں کیا کریں، ہم تو حالت احرام میں ہیں، چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سمندری شکار میں کوئی حرج نہیں''(2)۔ حضرات جابر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ٹڈیوں پر بددعا کی تھی تو کہا تھا: ''اے اللہ! چھوٹی بڑی سب ٹڈیوں کو ہلاک کردے، ان کے انڈوں کو تلف کردے، ان کی نسل کو ختم کردے تاکہ یہ ہماری فصلوں، باغات اور رزق کو پامال نہ کریں تو مجیب الدعوات ہے''۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ بھی تو خدائی فوج ہے، آپ کیونکر اس کو قطع نسل کی بددعا دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ٹڈیاں بھی سمندری مچھلیوں کی نسل سے ہی ہوتی ہیں''(3)۔ زیاد کہتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے خود یہ بات بتائی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے ٹڈی کو مچھلی سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حرم شریف میں ٹڈی کا شکار کرنے والے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے۔ وہ فقہاء جو سمندر کے تمام جانوروں کا کھانا جائز قرار دیتے ہیں اور کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ بعض نے مینڈک کے علاوہ ہر چیز کو مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابی عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے الگ الگ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور بتایا کہ اس کی ٹرٹراہٹ اللہ کی تسبیح ہے(4)۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ مچھلی کھالی جائے لیکن مینڈک نہ کھائے جائیں۔ ان دو کے علاوہ باقی میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باقی جانور نہ کھائے جائیں، بعض کہتے ہیں کہ خشکی کے ماکول جانوروں کے مشابہ بحری جانور کھائے جاسکتے ہیں اور خشکی کے جو جانور نہیں کھائے جاتے ان کے مشابہ سمندر کے جانور بھی نہیں کھائے جائیں گے، مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ سب وجوہات ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس طرح خشکی کا مرا ہوا جانور نہیں کھایا جاتا اسی طرح سمندر میں مری ہوئی مچھلی بھی نہیں کھائی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ:3) کا حکم عام ہے، اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم زندہ شکار کرو، پھر وہ مرجائے تو اسے کھاؤ اور جس مچھلی کو سمندر مردہ حالت میں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 21، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 50 وغیرہ

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الحج، جلد 4، صفحہ 82-83، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 306 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الصید، صفحہ 1073-1074

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، جلد 4، صفحہ 368، سنن نسائی، کتاب الصید، جلد 7، صفحہ 210، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 453-499

باہر پھینک دے تو اسے مت کھاؤ''(1)۔ جمہور اصحاب مالک، شافعی، احمد نے حدیث عنبر اور اس حدیث '' کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال'' سے استدلال کیا ہے، اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو خون حلال ہیں، دو مردہ جانور تو مچھلی اور ٹڈی ہیں، اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں''(2)۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا یعنی حالت احرام میں شکار کرنا تم پر حرام ہے۔ اس آیت میں خشکی کے شکار کی حرمت پر دلالت ہے، اگر محرم نے جان بوجھ کر شکار کیا تو نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ تاوان بھی ادا کرنا ہوگا، اگر غلطی سے شکار کیا تو تاوان لازم آئے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے، کیونکہ اس کے حق میں بمنزلہ مردار ہے، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایک قول میں یہاں تک کہتے ہیں کہ دوسرے احرام والوں اور غیر احرام والوں کے لئے بھی اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شکاری نے اس میں سے کھالیا تو کیا دوبارہ فدیہ لازم ہوگا؟ اس بارے میں دو قول ہیں:۔

(1) ہاں، دگنا تاوان لازم ہوگا، عطاء سے منقول ہے کہ اگر محرم شکاری اس کو ذبح کرلے پھر کھالے تو دو کفارے لازم ہوں گے۔

(2) اس کے کھانے کی وجہ سے کوئی فدیہ نہیں ہوگا، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے، اس کی توجیہہ ابوعمر نے یوں کی ہے کہ حد جاری ہونے سے پہلے اگر زانی بار بار وطی کرلے تو اس پر ایک ہی حد واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شکار اس نے کھایا تھا صرف اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا، ابوثور کہتے ہیں کہ اگر محرم نے شکار کو قتل کردیا تو صرف اسی کا کفارہ لازم آئے گا، اس میں سے کھانا اس کے لئے حلال ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے کھانا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' حالت احرام میں خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تم نے خود کیا ہو اور نہ ہی وہ تمہارے لئے کیا گیا ہو''(3)۔ اس حدیث کا بیان آگے آئے گا، یہ کہنا کہ شکاری کے لئے اس کا کھانا مباح ہے، یہ عجیب بات ہے، غیر شکاری کے لئے محرم کے شکار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ہم پہلے ہی بیان کرچکے ہیں کہ یہ ممنوع ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ غیر شکاری کے لئے اس کا کھانا مباح ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

اگر غیر محرم نے شکار کرکے محرم کو ہدیہ بھیج دیا تو بعض حضرات مطلق جواز کے قائل ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کے لئے شکار کیا گیا ہے یا نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ غیر محرم کے کئے گئے شکار کا گوشت محرم کھا سکتا ہے؟ انہوں نے فتویٰ دیا کہ کھا سکتا ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' اگر تم اس کے برعکس فتویٰ دیتے تو میں تمہارے سر پر ضرب لگاتا''(4)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا قطعاً ناجائز ہے کیونکہ آیت کا حکم عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ محرم کے لئے شکار کا کھانا مکروہ ہے کیونکہ آیت کریمہ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا میں ابہام ہے۔ حضرات ابن عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی کراہت منقول ہے(5)۔ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور کہتے ہیں کہ غیر محرم نے اگر محرم کی خاطر شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس کی تائید حدیث صعب بن جثامہ سے ہوتی

1۔ روداہ ابن مردویہ
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، صفحہ 1102، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 17
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2، صفحہ 171، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 362
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82
5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 71

ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھے کا ہدیہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے واپس لوٹا دیا، جب آپ ﷺ نے صعب کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس کئے تو فرمایا: ''ہم تو صرف محرم ہونے کی وجہ سے تمہیں لوٹا رہے ہیں''(1)۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ گمان کیا تھا کہ شکار صرف آپ ﷺ کی خاطر کیا گیا ہے، اس وجہ سے واپس کر دیا۔ اگر محرم کی نیت سے شکار نہ کیا گیا ہو تو اس کے لئے اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ حدیث ابی قتادہ میں ہے کہ انہوں نے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا، وہ حالت احرام میں نہ تھے البتہ ان کے ساتھی احرام باندھے ہوئے تھے، اس لئے انہوں نے کھانے میں توقف کیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی نے شکار کا پتہ بتایا تھا یا شکار کرنے میں مدد دی تھی؟'' عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کھاؤ۔'' آپ ﷺ نے خود بھی اس سے تناول فرمایا(2)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حالت احرام میں خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ نہ تم نے بذات خود کیا ہو اور نہ تمہاری خاطر کیا گیا ہو''(3)۔ عامر بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقام عرج پر بحالت احرام دیکھا، گرمی کا موسم تھا، ایک ارغوانی چادر کے ساتھ آپ نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا، آپ کے پاس شکار کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کھاؤ، انہوں نے کہا: کیا آپ نہیں کھائیں گے، فرمایا: میرا معاملہ اور ہے، یہ شکار میری خاطر کیا گیا ہے، اس لئے میں نہیں کھاؤں گا(4)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قیاما للناس سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس کی طرف سفر کرتا ہے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔ انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ اسے لوگوں کے دین کے لئے سہارا اور انکے حج کے لئے نشانیاں بنایا۔

سعدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کو لوگوں کے لئے سہارا بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کا نگہبان ہے۔

ابن جریر نے کہا ان اقوال کے الفاظ میں اگر چہ اختلاف ہے۔ تاہم ان کے معانی اسی مفہوم کی طرف لوٹتے ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کسی شے کا قوام ایسی چیز ہوتی ہے جو اسکی درستگی اور اصلاح کا باعث ہو۔ جس طرح بادشاہ یا ملک کا سربراہ اپنی رعیت اور ملک میں بسنے والے لوگوں کے امور کو درست کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ وہی ان کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچاتا ہے اور جو لوگ رعیت پر سرکشی کرتے ہیں اور حدود سے تجاوز کرتے ہیں انکی زیادتیوں سے بادشاہ رعیت کا دفاع کرتا ہے۔ اسی طرح کعبہ مکرمہ، محترم مہینے، ھدی اور قلائد سے عربوں کے معاملات کی اصلاح کا باعث تھے۔ گویا دور جاہلیت میں یہی چیزیں انکی زندگی اور امور کی نگہبان تھیں۔ جبکہ اسلام میں یہ مسلمانوں کے لئے انکے اور مناسک حج کی نشانیاں، انکی نمازوں میں منہ کرنے کی جہت اور ان کا قبلہ ہے جس کی طرف منہ کرنے سے ان کا فرض مکمل ہوتا ہے۔

پھر ابن جریر نے کہا جو کچھ ہم نے کہا ہے علماء تفسیر کے بھی ایسے ہی اقوال ہیں۔ بشر بن معاذ نے جامع بن حماد کے واسطہ سے بیان کیا تو یزید بن زریع نے سعید کے واسطہ سے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں چیزوں کو دور جاہلیت میں بھی روکنے والا بنایا اگر ایک آدمی کتنا بھی جرم کر لیتا پھر وہ حدود حرم میں پناہ لے لیتا تو اسے نہ پکڑا جاتا اگر ایک آدمی حرمت والے مہینوں میں اپنے باپ کے قاتل

1۔ فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5، صفحہ 202، صحیح مسلم کتاب الحج، صفحہ 850

2۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 22، 28-29، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 854-853

3۔ اس کی تخریج قریب ہی گزری ہے

4۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، صفحہ 354

کو ملتا تو اس سے کوئی تعرض نہ کرتا جب کوئی بیت اللہ شریف کی زیارت کا قصد کر لیتا وہ بالوں کا قلادہ اپنے گلے کی زینت بنالیتا تو یہ قلادہ اسے لوگوں سے محفوظ کر دیتا اگر کوئی بھاگ جاتا اس کے گلے میں ازخر (گھاس) یا ببول درخت کا چھلکا بطور قلادہ موجود ہوتا تو قلادہ اسے لوگوں سے محفوظ کر دیتا پھر وہ جانور اپنے گھر پہنچ جاتا اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو دور جاہلیت میں لوگوں کے لئے بقاء کا ذریعہ بنایا۔ اس کے مثل حضرت ابن زید اور ابن عباس سے مروی ہے۔ سورت کے آغاز میں شہر حرام، اور قلائد کا ذکر ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

ابن جریر نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے لوگو جان لو زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سے جانتا ہے۔ تمہارے مخفی اور ظاہر اعمال میں سے کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں وہ تمہارے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے تاکہ تمہیں بدلہ عطا کرے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور سرکشی کا مظاہرہ کرے اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دینے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اور اسکی طرف توبہ کرے ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے، ان کے عیوب پر پردہ پوشی فرمانے والا ہے اور لوگوں کے سامنے انہیں ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔ اس سے پہلے جو گناہ ہو چکے ہیں اسکی توبہ کے بعد سزا دینے میں ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا ذکر بندوں کو اسکی طرف سے دھمکی اور وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو جس رسول کو ہم نے تمہاری طرف بھیجا کہ تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرائے اور اس شان سے بھیجا جس میں تمہارے دلائل ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذمہ صرف ہمارا پیغام حق پہنچانا ہے اطاعت پر تمہیں ثواب دینا اور نافرمانی پر عقاب دینا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میں سے جو مطیع ہیں، ہمارے پیغام کو قبول کرنے والے ہیں جن چیزوں کا حکم دیا اس پر عمل کرنے والے ہیں انہیں جانتا ہے اور جو نافرمان ہیں ہمارے پیغام کا انکار کرنے والے ہیں، ہمارے احکام کے تارک ہیں انہیں بھی خوب جانتے ہیں۔ تم میں سے جس نے جو عمل کیا اپنے اعضاء سے اسے ظاہر کیا اور اس کی زبان نے اس نقطہ کو ادا کیا اسے جانتے ہیں۔ جس ذات کی یہ شان ہو اس پر تمہارے سینوں کے پوشیدہ راز، نفوس کے ظاہر اعمال اور آسمان و زمین کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں ثواب اور سزا ہے۔ پس اس شان کا حامل ہے کہ اس کے عذاب سے ڈرا جائے اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

ابن جریرؒ نے کہا ہے علماء نے اس شکار کی صفت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو اس آیت میں حرام قرار دیا گیا۔ بعض علماء نے کہا خشکی کے شکار سے مراد ہے وہ شکار ہے جو خشکی اور سمندر میں زندگی بسر کرتا ہو جبکہ سمندر کے شکار سے مراد وہ شکار ہے جو صرف پانی میں رہتا ہو خشکی پر نہ رہتا ہو وہ پانی میں ہی پناہ ڈھونڈتا ہو۔

عمران بن جریر نے ابو مجلّہ سے اس آیت وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے جو شکار (جانور) خشکی اور سمندر میں زندگی بسر کرتا ہوا سے شکار نہ کرے اور جو صرف پانی میں زندگی بسر کرتا ہو اس کا شکار جائز ہے۔

عطار سے مروی ہے جو شکار خشکی میں زندگی بسر کرتا ہوا سے محرم پکڑ لے تو اس محرم پر اس کی جزا ہوگی جیسے کچھوا، کیکڑا اور مینڈک بعض علماء نے کہا خشکی کے شکار سے مراد وہ شکار ہے جو سمندر کی نسبت خشکی میں زیادہ عرصہ رہتا ہو۔

ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پانی میں جنم لینے والے جانوروں کے بارے میں پوچھا کیا وہ خشکی کا شکار ہے یا سمندر کا تو انہوں

نے کہا جہاں وہ زیادہ رہتا ہے وہ اسی کا شکار ہے۔

عطاء بن ابی ارباح سے مروی ہے جہاں وہ اکثر بچے دیتا ہے تو وہ اسی کا شکار شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ

ابن جریر نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ نے جو آیات تمہارے نبی پر نازل کی ہیں ان میں جن فرائض کا تمہیں حکم دیا اور جن چیزوں سے تمہیں منع کیا ان کے بارے میں اسکی اطاعت کرنے میں محتاط رہو۔ آیات میں جن چیزوں سے منع کیا وہ یہ ہیں شراب، جواء کی تمام قسمیں خشکی کا شکار پکڑنا اور اسے قتل کرنا جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اگر تم نے اس کی نافرمانی کی ہوگی تو وہ تمہیں سزا دے گا اور اگر تم نے اطاعت کی ہوگی تو وہ تمہیں جزاء دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے بیت اللہ شریف کو ان لوگوں کے لئے سہارا بنا دیا ہے جن کا کوئی سہارا نہ ہو یعنی ان کا کوئی ایسا رئیس نہ ہو جو قوی کو ضعیف پر گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو نیکی کرنے والے اور ظالم کو مظلوم پر ظلم کرنے سے روک سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محترم مہینوں، قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی یہی شان دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں سے ہر ایک ایک چیز کے ساتھ بعض کو بعض سے روک دیا ہے جبکہ ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان [illegible] نشانیاں اور ان کے معاملات کے مصالح بنا دیا ہے۔

مجاہد سے مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ مربع شکل کا ہے۔ حضرت عکرمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن جریر نے کہا کعبہ سے مراد تمام حرم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کا نام اس لئے دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جانوروں کے شکار کرنے، کنٹے کو توڑنے اور اس کے درخت کاٹنے کو حرام قرار دیا ہے۔

ابن جریر نے قیاما للناس کا معنی قواما للناس کیا ہے اس ضمن میں انہوں نے چند آثار کا ذکر کیا ہے۔

ھناء نے ہمیں ابن ابی زائدہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اس نے بتایا جس نے خصیف کو مجاہد سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آیت میں قیاما للناس کا معنی قواما للناس ہے۔

سعید بن جبیر نے قیاما للناس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کے دین کی اصلاح کا باعث بنایا انہیں سے ایک روایت ہے کہ لوگوں کے دین کی تقویت کا باعث بنایا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

”آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت، سو ڈرتے رہو اللہ

تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ۔ اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لئے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جب کہ اتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لئے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے، تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا انکار کرنے والے"۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ اے انسان! نفع بخش معمولی سی بھی حلال چیز ضرر رساں حرام سے بہتر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "کفایت کرنے والی قلیل چیز اس کثیر سے بہتر ہے جو یاد الٰہی سے غافل کر دے"۔ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ: دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق وافر عطا فرمائے۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: "وہ قلیل جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے سے تم قاصر رہو"(1)۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ اے اصحاب عقول سلیمہ! خدا سے ڈرو، حرام سے اجتناب کرو، حلال پر قناعت کرو تاکہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پا جاؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو آداب سوال سکھا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے سوالات سے منع فرما دیا جن کے دریافت کرنے اور چھان بین کرنے میں ان کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ اگر ان کے لئے ظاہر کر دیئے جائیں تو ممکن ہے کہ ان کے لئے باعث رنج و تکلیف ہوں اور ان کی سماعت پر گراں گزریں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیہ السلام ہے: "کوئی بھی مجھے کسی کے بارے میں کوئی خبر نہ بتایا کرے، میری خواہش ہے کہ جب میری ملاقات تم سے ہو تو میرا دل تمہارے بارے میں ہر خلش سے پاک ہو"(2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا اس طرح کا خطبہ پہلے میں نے کبھی نہ سنا تھا، اس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اگر تم اس سے آگاہ ہو جاتے جس کے بارے میں مجھے علم ہے تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے" تو صحابہ کرام اپنا منہ ڈھانپ کر گریہ وزاری کرنے لگے، ایک آدمی اٹھ کر پوچھنے لگا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: فلاں۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اتری(3)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم علیہ السلام سے کچھ سوالات کئے اور خوب اصرار کیا تو آپ علیہ السلام منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "آج جس چیز کے بارے میں بھی تم مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا" صحابہ کرام یہ سن کر لرز گئے کہ کوئی نیا معاملہ درپیش ہے۔ میں دائیں بائیں جس طرف بھی متوجہ ہوتا تو دیکھتا کہ ہر ایک صحابی اپنا منہ ڈھانپے رو رہا ہے، ایک آدمی اٹھا جس کے نسب میں لوگ شک کیا کرتے تھے اور پوچھا: یا نبی اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "تمہارا باپ حذافہ ہے" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہنے لگے، ہمیں سوالات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ

1۔ اسد الغابۃ لابن الاثیر، جلد 1، صفحہ 284	2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 265، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 396 وغیرہ

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 280، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1832 وغیرہ

ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں، ہم فتنوں کے ظہور سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خیر اور شر کو کبھی بھی آج کی طرح عیاں نہیں دیکھا، جنت اور دوزخ میرے سامنے ہیں گویا اس دیوار کے پیچھے انہیں دیکھ رہا ہوں'' (1)۔

امام زہری کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن حذافہ کے سوال پر ان کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے بڑھ کر کوئی ناسمجھ بچہ نہیں دیکھا، زمانہ جاہلیت میں تو لوگ بڑے بڑے کرتوت کیا کرتے تھے، بالفرض اگر مجھ سے بھی ایسی ہی کسی غلطی کا ارتکاب ہو جاتا تو تو حضور ﷺ کی زبانی مجھے سرعام رسوا کر دیتا، تو عبداللہ کہنے لگے: قسم بخدا! اگر آپ ﷺ کسی حبشی غلام کو بھی میرا باپ قرار دے دیتے تو میں اس کی طرف ہی منسوب ہوتا (2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، فرطِ غضب کی وجہ سے چہرہ سرخ تھا، آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، ایک آدمی نے اٹھ کر پوچھا کہ میرا ٹھکانہ کیا ہے؟ فرمایا: ''جہنم میں''۔ ایک اور آدمی اٹھا اور پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: ''حذافہ''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے، محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں اور قرآن ہمارا امام ہے، یا رسول اللہ! جاہلیت اور شرک کا عہد ابھی تھوڑی مدت پہلے تو ختم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا غصہ فرو ہو گیا اور یہ آیت کریمہ اتری: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (3)۔ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں سدی کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''مجھ سے پوچھو جو بھی پوچھنا چاہتے ہو، جس چیز کے بارے میں دریافت کرو گے اس سے میں تمہیں آگاہ کر دوں گا''۔ تو بنی سہم کا ایک قریشی نوجوان عبداللہ بن حذافہ اٹھ کھڑا ہوا جس کے نسب میں طعن کیا جاتا تھا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ فلاں ہے، آپ ﷺ نے اسے اس کے باپ کی طرف ہی منسوب کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے، حضور ﷺ کی قدم بوسی کی اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں کافی ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے، آپ ہمارے نبی ہیں، اسلام ہمارا دین ہے اور قرآن ہمارا امام ہے، ہمیں معاف فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر کرم نوازی فرمائے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح عرض کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو گئے، اسی دن آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر'' (4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے بطور استہزاء فضول قسم کے سوالات کرنا معمول بنا لیا، کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا: میری اونٹنی گم ہو گئی ہے وہ کہاں ہے؟ (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی۔ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا (آل عمران: 97)۔ ''اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی''۔ تو لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، پھر لوگوں نے دریافت کیا: کیا ہر سال؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا تم پر فرض ہو جاتا، اور اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو تمہارے بس میں نہ ہوتا''۔ تو اس وقت مذکورہ بالا آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اسی طرح کی ایک روایت

1۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 43، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1834 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 80-81
3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 82-81
4۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 81
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدۃ، جلد 6 صفحہ 68 وغیرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے''۔ ایک آدمی نے کہا: کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے اس شخص سے اعراض فرمایا، اس نے دو تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائل کہاں ہے؟'' عرض کی: وہ فلاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، اگر ایسا ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے اور اگر اسے ترک کر دیتے تو کافر ہو جاتے''۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ اسی قسم کی ایک روایت ابوامامہ باہلی سے بھی مروی ہے کہ حج کی فرضیت کے بارے میں ایک اعرابی نے بار بار پوچھا کہ کیا حج کرنا ہر سال ضروری ہے تو آپ ﷺ بہت غضبناک ہوئے، قدرے توقف کے بعد فرمایا: تیرا بھلا ہو، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرضیت حج سے تجھے کون بچا سکتا تھا، اللہ کی قسم! اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا، اگر ایسا ہوتا تو تم کافر ہو جاتے، سنو، تم سے پہلے قوموں کی ہلاکت کا باعث اسی طرح کی چیزیں بنی تھیں، قسم بخدا! اگر میں تمہارے لئے تمام دنیا و مافیہا کو حلال کر دوں اور ایک قدم کی مقدار جگہ حرام کر دوں تو تم ضرور اس کے ارتکاب کی کوشش کرو'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ...... (2)۔

آیت کریمہ میں ایسی اشیاء کے متعلق سوال کرنے سے ممانعت ہے کہ جن کے متعلق اگر انسان کو علم ہو جائے تو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے، اس لئے اس قسم کے سوالات سے احتراز ضروری ہے، کیا ہی پیاری حدیث شریف ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''تم ایک دوسرے کے متعلق باتوں سے مجھے آگاہ نہ کیا کرو، کیونکہ میری خواہش ہے کہ جب تمہیں ملوں تو میرا دل ہر قسم کی خلش سے پاک ہو'' (3)۔

وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی اگر تم نے نزول وحی کے وقت ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جس سے تمہیں منع کر دیا گیا ہے تو تمہیں ضرور اس سے آگاہ کر دیا جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ قبل ازیں جو ہو چکا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ نہایت مہربان درگزر فرمانے والا ہے۔

بعض نے اس آیت وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم بلا وجہ نئے نئے سوالات نہ کرو، مبادا تمہارے سوال کے باعث تم پر سختی اور تنگی وارد ہو جائے، حدیث شریف میں ہے: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال پر غیر حرام چیز حرام ہو گئی (4)۔ لیکن اگر کوئی حکم قرآن مجید میں اجمالی ہو اور تمہیں اس کی وضاحت درکار ہو تو تمہاری ضرورت کے پیش نظر میں ضرور اس کی وضاحت کروں گا''۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا یعنی وہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ نہیں فرمایا یہ وہی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، اس لئے اس بارے میں منشائے الٰہی کے مطابق تم بھی خاموش رہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس چیز کے بیان کو میں نے ترک کر دیا ہے تم بھی اسے ویسا ہی رہنے دو، تم سے پہلے قومیں کثرت سوال اور انبیائے کرام کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں'' (5)۔ ایک اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 83-82

3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 396-395، سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، جلد 4، صفحہ 265 وغیرہ

4۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 3، صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1831

5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1831، سنن نسائی، کتاب المناسک، جلد 5، صفحہ 110 وغیرہ

حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع مت کرو، اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں ان کی پردہ دری نہ کرو اور بعض باتوں سے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے، یہ محض اس کی مہربانی ہے اس لئے ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو''(1)۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں نے ان ممنوعہ مسائل کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں جواب دیا گیا لیکن وہ ان پر ایمان نہ لائے، اس سبب سے وہ کافر ہو گئے۔ ان کے سوالات طلب ہدایت کی غرض سے نہ تھے بلکہ بطور عناد اور استہزاء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: ''اے لوگو!'' تم پر حج فرض ہو گیا ہے''۔ تو بنی اسد کا ایک آدمی پوچھنے لگا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ اس پر نبی کریم ﷺ نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور اگر ایسا ہو جاتا تو تم اس کی استطاعت نہ رکھتے اور کافر ہو جاتے، جس چیز کے بیان کو میں نے ترک کر دیا ہے تم بھی اسے ترک کر دو، جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بجا لاؤ، اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز آ جاؤ''۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایسے سوالات سے منع فرما دیا جس طرح کہ نصاریٰ نے مائدہ (دسترخوان) کے متعلق سوال کیا تھا، لیکن مائدہ کی قدر نہ کرنے کے باعث کافر ہو گئے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے سوال سے منع فرما دیا کیونکہ قرآن کریم میں اگر سختی کا حکم نازل ہو گیا تو یہ تمہارے لئے باعث تکلیف ہو گا، بلکہ تم حکم الٰہی کا انتظار کرو، تمہارے سوال کئے بغیر ہی قرآن کریم تمہارے سوال کی وضاحت کے لئے نازل ہو جائے گا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی اور کسی شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال؟ یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کے متعلق سوالات کی ممانعت ہے اسی لئے تو بعد میں فرمایا مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ...... (المائدہ:103)

حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ معجزات طلب کرتے انہیں اس سے منع کر دیا گیا، قریش تقاضا کرتے کہ ان کے لئے نہریں جاری ہو جائیں اور صفا پہاڑ ان کے لئے سونا بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ یہود کا مطالبہ تھا کہ ہم پر آسمان سے کتاب اتاری جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے) اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔ اور فرمایا: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ (الانعام:109-111)'' اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے کہ اگر آ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4، صفحہ 115

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 83

گئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

''نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وہ انہیں کی پیروی کریں گے)''۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بحیرہ سے مراد وہ جانور ہے جسے بتوں کی نذر کر دیتے، اس کا دودھ دوہنا ممنوع قرار دے دیتے اور کوئی بھی اس کا دودھ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ سائبہ سے مراد وہ جانور ہے جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، بار برداری اور سواری کے لئے اسے کام میں لانا ممنوع سمجھتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا، یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کی نذر کرنے کا قبیح طریقہ رائج کیا'' اور وصیلہ سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی دفعہ ایک نر پیدا ہوا اور پھر مادہ۔ اگر وہ مسلسل دو مادہ کو جنم دیتی تو اسے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے۔ حام سے مراد وہ نر اونٹ ہے جس کی جفتی سے ان کی مقرر کردہ تعداد میں بچے پیدا ہو چکے ہوں تو ایسے اونٹ کو بھی بتوں کے لئے خاص کر دیتے، نہ اس پر سواری کرتے اور نہ سامان لادتے(1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ جہنم (کی آگ) کا بعض بعض کو کھا رہا ہے، عمرو کو اس میں گھسٹتے ہوئے پایا، یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے جانوروں کو بتوں کے نام کرنے کی رسم ڈالی''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثم بن جون رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا، میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو تجھ سے بڑھ کر اس کا ہم شکل ہو اور نہ اس سے زیادہ تمہارا ہم شکل۔'' اکثم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی مشابہت میرے لئے نقصان دہ ہوگی؟ فرمایا: ''نہیں، تم مومن

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2192
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 284

ہو اور وہ کافر تھا''، یہ وہی پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی کو مسخ کر ڈالا، بحیرہ، سائبہ اور حام کو بتوں کی نذر کرنے کی بدعت رائج کی''(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس نے سائبہ اور بت پرستی کی بدعت جاری کی وہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر ہے، میں نے اسے جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے''(2)۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے سائبہ کی رسم جاری کرنے والے اور دین ابراہیمی کو تبدیل کرنے والے شخص سے میں بخوبی آگاہ ہوں'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا: ''یہ بنوکعب قبیلہ سے تعلق رکھنے والا عمرو بن لحی ہے، میں نے اسے دوزخ میں ناک گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے جس کی بو تمام دوزخیوں کے لئے بڑی اذیت ناک ہے اور میں جانتا ہوں کہ بحیرہ کی بدعت کا موجد کون ہے'' عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا: قبیلہ بنی مدلج کا ایک شخص تھا، اس کی دو اونٹنیاں تھیں، اس نے دونوں کے کان کاٹ دیئے، پہلے تو ان کا دودھ بھی اپنے اوپر حرام کر لیا، لیکن چند دنوں کے بعد ہی پھر پینا شروع کر دیا۔ دوزخ میں اس کی حالت یہ ہے کہ یہ دونوں اونٹنیاں اپنے منہ سے اسے کاٹ رہی ہیں اور پاؤں سے اسے روند رہی ہیں''(3)۔ یہ عمرو لحی بن قمعہ کا بیٹا ہے، بنی خزاعہ کا رئیس جو قبیلہ جرہم کے بعد کعبہ کے متولی بنے تھے، یہ وہ پہلا بدبخت شخص ہے جس نے دین ابراہیمی میں رخنہ اندازی کی، حجاز میں بت پرستی کو رواج دیا اور لوگوں کو بتوں کی پرستش اور ان کے تقرب کی طرف بلایا، جانوروں وغیرہ کے بارے میں عصر جاہلیت کے رسم و رواج کی طرح ڈالی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۂ انعام میں کیا ہے فرمایا: وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ...... (الانعام: 136-39)۔ ''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ......)

بحیرۃ سے مراد وہ اونٹنی ہے کہ جب وہ پانچ بچے جن چکتی تو دیکھتے، اگر پانچواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر لیتے اور صرف مرد ہی کھا سکتے، عورتوں پر اسے حرام سمجھتے، اگر وہ مادہ ہوتا تو اس کے کان چیر دیتے اور کہتے کہ یہ بحیرہ ہے۔

سائبۃ سے مراد وہ بکری ہے جو تعریف میں بحیرہ کی مثل ہے، اس میں ہوتا یہ تھا کہ چھ مادہ بچے جننے کے بعد ساتویں حمل میں اگر ایک یا دو نر ہوتے تو اس کو ذبح کر دیتے اور صرف مرد ہی اس کا گوشت کھاتے، عورتوں پر یہ حرام سمجھا جاتا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹنی ہے جو متواتر دس مادہ بچے جن لیتی تو اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، نہ اس پر سواری کی جاتی، نہ ہی اس کی اون کو کام میں لایا جاتا اور نہ ہی اس کا دودھ سوائے مہمان کے کسی کے لئے جائز سمجھا جاتا(4)۔ ابوروق کا قول ہے کہ سائبہ سے اونٹنی وغیرہ مراد ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کے لئے نکلتا اور اس کا کام تکمیل کو پہنچ جاتا تو وہ اس جانور کو بتوں کے لئے چھوڑ دیتا، پھر اس جانور سے جو بھی بچہ پیدا ہوتا اسے بھی بتوں کے لئے ہی مخصوص کر دیا جاتا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کا مقصد پورا ہو جاتا یا مرض سے شفایاب ہو جاتا یا بہت سا مال و اسباب ہاتھ لگ جاتا تو وہ اپنا کچھ مال بتوں کے نام کر دیتا۔ اگر کوئی شخص اس مال مویشی سے تعرض کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وَصِيْلَةٍ سے مراد وہ بکری ہے جو سات بچے جنتی، ساتواں اگر نر ہوتا اور مردہ پیدا ہوتا تو اس کو صرف مرد ہی کھا سکتے تھے عورتیں نہیں، اگر وہ مادہ ہوتا تو اسے زندہ رکھتے۔ اگر ایک ہی شکم سے نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو دونوں کو زندہ رکھتے اور کہتے کہ اس مادہ نے اپنے ساتھ والے نر کو بھی وَصِيْلَةٍ بنا دیا اور یہ بھی ہم پر حرام ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 86-87 | 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 446

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 87 | 4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 89

کہ وَصِيْلَةٍ وہ اونٹنی ہے جو متواتر دو مادہ بچے جنے تو کہتے کہ متصل دو مادہ پیدا ہوئے جن کے درمیان نر نہیں ہے، چنانچہ اس کے کان کاٹ کراسے بتوں کی نذر کردیتے(1)۔ محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ وَصِيْلَةٍ سے مراد وہ بکری ہے کہ جس کے پانچ دفعہ حاملہ ہونے سے جڑواں جڑواں دس بچے پیدا ہوتے، اسے چھوڑ دیا جاتا اس کے بعد جو بھی نر یا مادہ پیدا ہوتا اسے صرف مرد کھاتے نہ کہ عورتیں، اگر وہ مردہ ہوتی تو دونوں کھاتے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اگر کسی نر کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے تو کہتے کہ یہ حام ہے، اسے چھوڑ دو، یعنی اس نے اپنی پیٹھ کو بار برداری اور سواری وغیرہ سے بچالیا ہے، اس پر نہ وہ سامان لادتے، نہ اس کے بال کاٹتے، نہ اسے کسی چراگاہ سے منع کرتے اور نہ ہی کسی حوض سے پانی پینے سے روکتے اگرچہ وہ حوض کسی اور کا ہوتا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حام وہ اونٹ ہے جو ان کی مطلوبہ، تعداد میں بچے جن لیتا تو اس پر مور کے پر لگا کر بتوں کے نام کر دیتے(3)۔ مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا، نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟'' میں نے عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ''کونسا؟'' میں نے عرض کی: اونٹ، گھوڑے، بھیڑ بکریاں اور غلام ہر قسم کا مال میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو اس (خوشحالی) کے آثار بھی تجھ پر ظاہر ہونے چاہئیں'' پھر فرمایا: ''کیا تمہارے اونٹ صحیح سالم کانوں والے بچے جنتے ہیں؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں، لیکن کیا اونٹ کے بچے ایسے ہی (سالم کانوں والے) نہیں پیدا ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ تم استرا لیکر بعض کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہو گئے ہیں اور اب ان سے استفادہ حرام ہو گیا ہے۔'' میں نے عرض کی: ہاں، فرمایا: ''ایسا ہرگز نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا وہ سب حلال ہے''۔ پھر یہ آیت پڑھی مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (4)۔ بحیرہ وہ ہے جس کے وہ کان کاٹ دیتے، کسی صورت میں بھی عورتوں کے لئے اس سے استفادہ حرام سمجھتے۔ سائبہ کو بتوں کی نذر کر دیتے، وصیلہ وہ بکری ہے کہ جب وہ ساتواں بچہ جنتی تو اس کے کان اور سینگ کاٹ کر کہتے کہ یہ وصیلہ ہے، اسے ذبح نہ کرتے، جہاں چاہے چرے، جس حوض سے چاہے پانی پیئے کوئی منع نہیں کر سکتا تھا۔ حدیث شریف کے اندر اس کی تفسیر یونہی بیان کی گئی ہے۔

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو نہ تو مشروع قرار دیا ہے اور نہ ہی یہ وجہ قربت ہیں۔ مشرکین نے از خود افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے انہیں مشروع کر لیا اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا، اس سے انہیں کچھ نہیں حاصل ہوگا بلکہ یہ تو ان کے لئے باعث وبال ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا جب انہیں اللہ کے دین، شریعت، اوامر اور نواہی کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہمارے آباؤ اجداد کاربند تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا اگرچہ ان کے آباؤ اجداد حق کو نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں پھر بھی وہ انہی کی اتباع کریں گے، یہ کیسا عجیب معاملہ ہے، ان کے پیروکار وہی ہو سکتے ہیں جو ان سے بھی زیادہ جاہل اور گمراہ ہوں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 91، تفسیر قرطبی، جلد 6، صفحہ 337-336 عن مالک بن انس
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 89
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 6، صفحہ 338-337
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 136-137

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے، نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو، اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور بقدر استطاعت نیکیاں کریں، اور انہیں اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ جس نے اپنا معاملہ درست کر لیا تو کسی قریب یا بعید شخص کا فساد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ حلال اور حرام کردہ چیزوں میں میری اطاعت کرے تو کوئی گمراہ شخص اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔(1)

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ یہ بطور اغراء منصوب ہے۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ..... یعنی ہر آدمی کو اس کے اپنے عمل کی جزاء دی جائے گی اگر نیک عمل ہو گا تو اچھی جزاء ملے گی اور اگر برا ہو گا تو بری جزاء۔ اس آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ اگر کوئی شخص خود نیکوکار اور صالح ہو تو کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس پر لازم نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم یہ آیت عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ..... پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم لیتے ہو، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگ جب برائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' مزید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! جھوٹ سے احتراز کرو، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے(2)۔

ابوامیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس آیت کے بارے میں ایک باخبر شخص سے پوچھا ہے، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ لوگ ایسے بخل میں گرفتار ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے، خواہشات نفسانی کے اسیر ہو گئے ہیں، خود پسندی کا شکار ہیں اور دنیا کو ترجیح دینے لگے ہیں تو اس وقت اپنی فکر کرنا، لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا، تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں ڈٹ جانے والا شخص اس قدر مشکل میں ہو گا گویا کہ وہ آگ کے انگارے کو تھامے ہوئے ہے اور اس میں نیک عمل کرنے والا شخص پچاس آدمیوں کے اعمال کے برابر اجر پائے گا'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے پچاس آدمیوں کا اجر یا ان کے؟ فرمایا: ''بلکہ تمہارے پچاس نیکوکار آدمیوں کا سا اجر پائے گا''(3)۔

کسی شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ابھی تو چونکہ نصیحت قبول کر لی جاتی ہے اس لئے یہ وہ زمانہ نہیں ہے عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم کسی کے بھلے کی بات کرو گے لیکن وہ الٹا تمہارے ساتھ برا سلوک کرے گا اور تمہاری بات قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اس وقت لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خاموشی سے بیٹھے رہنا، اپنی فکر کرنا۔ اس وقت ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 97 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 122، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 5 وغیرہ

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 181-182 وغیرہ

کی گمراہی کے سبب تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے دو آدمیوں کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی، ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی تو ایک آدمی نے کہا کہ میں کھڑا ہو کر انہیں سمجھا نہ دوں، نیکی کا حکم دوں اور برائی سے منع کر دوں، پاس ہی بیٹھے ہوئے ایک دوسرے شخص نے کہا: انہیں چھوڑو، اپنی فکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: ٹھہرو، اس آیت کی یہ تاویل کرنے کا اس وقت موقع نہیں ہے، قرآن کریم جیسا اترا ہے اترا ہے، اس کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان کی تاویل گزر چکی، بعض ایسی ہیں کہ جن کی تاویل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی، بعض ایسی آیات ہیں جن کی تاویل حضور اکرم ﷺ کے وصال سے کچھ دن بعد واقع ہوئی، بعض ایسی آیات ہیں جن کی تاویل آج کے بعد سامنے آئے گی، کچھ ایسی آیتیں ہیں جو اس وقت ظاہر ہوں گی جب قیامت برپا ہونے کا وقت ہوگا اور کچھ کی تاویل قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ جب تک تمہارے دل متحد ہیں، تمہاری خواہشات و جذبات ایک ہیں، تم افتراق و انتشار کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کے درپے آزار ہو تو نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو، اور جب ایسا وقت آ جائے کہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے، جذبات بدل جائیں، گروہ بندی کا شکار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو تو اس وقت سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی فکر کرنا۔ اس وقت اس آیت کی اس تاویل کا محل ہوگا(1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ اب تو آپ آرام سے بیٹھے رہیں، نہ نیکی کا حکم دیں اور نہ برائی سے روکیں، یہی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ...... آپ نے جواب میں فرمایا: یہ حکم نہ میرے لئے ہے اور نہ ہی میرے ساتھیوں کے لئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''خبردار، ہر حاضر شخص غائب کو بھی یہ پیغام پہنچائے'' ہم اس وقت حاضر تھے اور تم غائب، لیکن اس آیت کا مصداق ہمارے بعد آنے والے لوگ ہیں جن کی بات کوئی نہیں سنے گا(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک اکھڑ مزاج اور تیز زبان والا شخص آیا اور کہا کہ چھ آدمی ہیں، تمام کے تمام جید عالم اور مجتہد ہیں، سوائے خیر کے ہر قسم کی خست انہیں ناپسند ہے لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتے ہیں تو وہاں موجود آدمیوں میں سے ایک نے کہا کہ شرک کا الزام دھرنے سے بڑھ کر اور کیا خست ہو سکتی ہے؟ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: خدا تمہارا بھلا کرے! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ جاؤ اور انہیں قتل کر دو، نہیں، بلکہ انہیں نصیحت کرو، منع کرو، اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے دستکش ہو جاؤ اور اپنی فکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ (3)۔

ابو مازن کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ شریف گیا، وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے یہ آیت پڑھی تو اکثریت نے کہا کہ ابھی اس کی تاویل کا موقع نہیں(4)۔ حضرت جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں صحابہ کرام کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا، میں سب سے کم سن تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے موضوع پر بحث چھڑی، میں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ...... تو سب یک زبان ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ قرآن کریم کی ایک آیت نکال کر یہ حکم لگا رہے ہو حالانکہ نہ تمہیں اس کے مفہوم سے آگاہی ہے اور نہ اس کی تاویل سے۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش میں نہ بولتا، پھر وہ تبادلہ خیالات میں مشغول ہو گئے۔ جب مجلس برخاست ہونے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ تم کم سن بچے ہو، آیت کا مفہوم تم نہیں سمجھتے ممکن ہے تم ایسا زمانہ پاؤ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 96 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 95　　3۔ ایضاً　　4۔ ایضاً

جس میں بخل عام ہو، خواہشات نفسانی کی پیروی معمول بن جائے ، ہر آدمی اپنی رائے پر ڈٹ جائے تو یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنی فکر کرنا، تم ہدایت یافتہ ہوئے تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا(1)۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا: الحمد للہ! گزشتہ دور میں بھی اور دور حاضر میں بھی ہر مومن کے ساتھ منافق ہے جو اس کے عمل کو ناپسند کرتا ہے(2)۔ حضرت سعید بن میسب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کر دو تو پھر کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ یہ زمانہ اس وقت آئے گا جب دمشق کے کنیسہ کو منہدم کر کے مسجد بنا دیا جائے گا اور تعصب کا دور دورہ ہوگا تو اس وقت اس آیت کا مصداق سامنے آئے گا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٨﴾

''اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آجائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت، روکو ان دو گواہوں کو نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں تو) بیشک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہونگے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو''۔

یہ آیت کریمہ ایک حکم عزیز پر مشتمل ہے جس کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے(3)۔ اکثر نے کہا ہے کہ یہ حکم محکم ہے، نسخ کا دعویٰ کرنے والے پر وضاحت ضروری ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 96 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 97-98 3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 124

ترکیب کلام میں شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ مبتدا ہے اور ''اثْنَانِ'' خبر۔ تقدیر کلام یوں ہے: ''شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ شَهَادَةُ اثْنَيْنِ'' مضاف (شَهَادَةُ) کو حذف کر کے مضاف الیہ (اثْنَيْنِ) کو اس کے قائم مقام رکھ دیا۔ بعض کے نزدیک تقدیر کلام ''أَنْ يَشْهَدَ اثْنَانِ'' ہے اور ''ذَوَا عَدْلٍ''، ''اثْنَانِ'' کی صفت بنے گا۔

مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل موصی میں سے دو معتبر گواہ ہوں (1)۔

أَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ یعنی غیر مسلم اہل کتاب میں سے دو گواہ ہوں۔

اگر ''مِنْكُمْ'' سے مراد قبیلہ موصی کے دو گواہ لیں تو یہاں مطلب ہوگا قبیلہ غیر موصی کے دو گواہ۔

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی تم سفر کرو۔

فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے تو تم میں سے دو معتبر گواہ ہوں، اگر مسلمان نہ ہوں تو غیر مسلم ہی سہی۔ قاضی شریح کے نزدیک مسلمان گواہوں کے مفقود ہونے کی صورت میں ذمیوں اور یہود و نصاریٰ کی گواہی صرف سفر میں وصیت کے وقت معتبر ہو گی (2)، اسی قسم کی روایت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ہے، باقی تینوں ائمہ نے اس کی مخالفت کی ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں پر اہل ذمہ کی شہادت جائز نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ذمی کی ذمی پر گواہی جائز قرار دیتے ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ کافر کی شہادت نہ سفر میں جائز ہے اور نہ حضر میں، اس کا حق صرف مسلمان کو ہی حاصل ہے (3)۔ ابن زید اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام کی بات ہے، ایک مسلمان مر گیا اس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان موجود نہیں تھا، علاقہ دار الحرب تھا، لوگ کافر تھے، وراثت کا کوئی قانون نہ تھا، وصیت کے ذریعے وراثت تقسیم ہوتی، پھر وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا، وراثت کا قانون لاگو ہو گیا اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے (4)۔ ابن جریر نے اسے نقل کیا اور یہ چیز محل نظر ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ میں اختلاف ہے کہ کیا وہ ان دونوں کو وصی بنائے گا یا گواہ؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں:

(1) وصی بنائے گا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک آدمی سفر پر ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو، اسی اثناء میں اسے موت آ جائے، اگر تو وہ مسلمانوں میں سے دو آدمی پا لے تو ترکہ ان کے سپرد کر کے دو اور معتبر مسلمانوں کو ان پر گواہ بنا دے۔

(2) دونوں گواہ ہوں گے، آیت کریمہ کا ظاہر سیاق اسی کا مقتضی ہے، اگر ان دونوں گواہوں کے ساتھ تیسرا وصی موجود نہ ہو تو ان میں وصایت اور شہادت کے دونوں اوصاف جمع ہو گئے، جیسا کہ تمیم الداری اور عدی بن بداء کے قصہ میں عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

ابن جریر نے ان دونوں کے گواہ بننے کی صورت میں ایک اشکال کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ پر تو قسم ہوتی ہی نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قانون اس آیت کریمہ کے ضمن میں پائے جانے والے حکم سے مانع ہو، کیونکہ یہ ایک مستقل حکم ہے جیسے دیگر احکام کے قیاس کے مطابق جاری کرنا لازم نہیں آتا، یہ ایک خاص موقعہ کے لئے خاص شہادت ہے، اس میں بہت سی باتوں کی گنجائش ہے جو دیگر احکام میں نہیں۔ لیکن اگر شک و شبہ کا قرینہ ہو تو اس آیت کے مطابق یہ گواہ قسم اٹھائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 101 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 104 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 106 4۔ ایضاً

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نماز عصر کے بعد۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کسی نماز کے بعد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نماز سے مراد ان کی اپنی مذہبی نماز ہے، مطلب یہ ہے کہ دونوں گواہ نماز کے بعد اکٹھے ہوں تا کہ کثیر لوگوں کے اجتماع کے سامنے گواہی عمل میں آئے۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ ..... اگر تمہیں شک پڑ جائے کہ ان دونوں نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے یا غلط بیانی کی ہے تو اس صورت میں وہ اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم کے ذریعے اس فانی دنیا کا حقیر سا عوض نہیں لیں گے اگر چہ اس سے کسی قریبی رشتہ دار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ کیوں نہ ہو اور ہم اللہ کی گواہی کو ہرگز نہیں چھپائیں گے۔ شہادت کے شرف اور عظمت کے پیش نظر اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اگر ہم شہادت میں تحریف، تبدیل، تغییر یا چھپانے کے مرتکب ہوئے تو ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ ...... اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر دونوں گواہوں یا وصیوں کے بارے میں مشہور ہو جائے اور ثابت ہو جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے اور متوفی کے مال کو وارثوں تک پہنچانے میں غبن سے کام لیا ہے تو جن کا حق مارا گیا ہے ان میں سے دو گواہ ان کی بجائے اٹھ کھڑے ہوں۔

''اَوْلَيٰنِ'' کی قراءت میں اختلاف ہے، مذکورہ قراءت جمہور کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اس قراءت کی روایت کی ہے۔ دوسری قراءت میں ''اَوْلَيِيْنَ'' پڑھا گیا ہے، ایک اور قراءت میں ''اَوَّلَانِ'' پڑھا گیا ہے۔ جمہور کی قراءت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ جب خبر صحیح سے ان دونوں کی خیانت ثابت ہو جائے تو مستحقین ترکہ میں سے دو قریب ترین ورثاء اٹھ کھڑے ہوں اور قسم اٹھا کر کہیں کہ ہماری یہ گواہی کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے ان کی گواہی سے زیادہ درست اور صحیح ہے اور ان پر خیانت کا الزام لگانے میں ہم نے زیادتی نہیں کی، اگر ہم نے ان پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو ہم گنہگار ہیں۔

اس قسم کی صورت حال میں ورثاء کی طرف سے قسم اور ان کے قول کی طرف رجوع کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مقتول کے اولیاء قسم اٹھاتے ہیں جب قاتل کی جانب سے خیانت کا انکشاف ہو جائے تو مستحقین قاتل کے خلاف قسم اٹھاتے ہیں جس طرح کہ ''قسامت'' میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔ تمیم داری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے اور عدی بن بداء کے علاوہ سب لوگ اس جرم سے بری ہیں، ہم دونوں سے ہی اس گناہ کا ارتکاب ہوا۔ یہ دونوں عیسائی تھے، اسلام سے پہلے وقتاً فوقتاً شام جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ تجارت کی غرض سے شام آئے۔ بنی سہم کا بدیل بن ابی مریم نامی ایک غلام کچھ سامان تجارت لیکر ان کے پاس آیا۔ اس سامان میں سب سے زیادہ قیمتی چیز چاندی کا ایک پیالہ تھا جو وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا ان دونوں کو وصی بنایا اور کہا کہ وہ اس کا ترکہ اس کے اہل وعیال تک پہنچا دیں۔ تمیم کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو ہم نے وہ پیالہ سامان میں سے نکال کر ایک ہزار درہم میں بیچ دیا اور اس کی رقم باہم تقسیم کر لی۔ جب ہم اس کے اہل وعیال کے پاس پہنچے تو سامان ترکہ ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے پیالہ کو مفقود پایا۔ چنانچہ انہوں نے پیالے کے بارے میں ہم سے دریافت کیا تو ہم نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ بس یہی ترکہ تھا جو ہم نے تمہارے سپرد کر دیا ہے، پیالہ اس میں تھا ہی نہیں۔ تمیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ شریف تشریف آوری کے بعد مجھے اسلام لانے کی سعادت نصیب ہوئی تو یہ گناہ مجھے بہت کھٹکا، چنانچہ میں بدیل کے گھر والوں کے پاس آیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا اور اپنے حصے کے پانچ سو درہم انہیں ادا کر دیئے اور انہیں آگاہ کر دیا کہ اس قدر رقم میرے ساتھی کے پاس بھی ہے، چنانچہ وہ

لوگ عدی کے پاس آ دھمکے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لیں، اس نے قسم اٹھالی تو اس وقت یہ آیت اتری۔ اب حضرت عمرو بن العاص اور ان میں سے ایک دوسرا شخص اٹھے اور قسم اٹھائی کہ ہماری شہادت بہ نسبت ان کی شہادت کے زیادہ معتبر اور درست ہے۔ اس خیانت کے انکشاف اور دو وارثوں کی قسم کی بناء پر عدی سے پانچ سو درہم لے لئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہی جام مسروق مکہ شریف میں مل گیا۔ خریداروں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے، چنانچہ سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی اٹھے اور قسم کھائی کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ درست ہے اور یہ جام ہمارے متوفی ساتھی کا ہے۔ چونکہ ان دونوں کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کے دین کے مطابق قسم لینے کا حکم دیا۔ یہ قسم نماز عصر کے بعد ہوئی تھی(1)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قصہ سلف میں مشہور و معروف تھا اور وہ اس کی صحت سے بھی آگاہ تھے۔ اس کی تائید ابن جریر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مسلمان دیار غیر میں فوت ہو گیا۔ جب اس کی حالت نازک ہو گئی اور وصیت کرنا چاہی تو اسے کوئی بھی ایسا مسلمان میسر نہ آسکا جسے وہ اپنی وصیت پر گواہ بنا دے۔ چنانچہ اس نے اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالیا۔ اب یہ دونوں کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور متوفی کا ترکہ اور وصیت پیش کر دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، اس کے بعد یہ اپنی نوعیت کا دوسرا واقعہ ہے۔ نماز عصر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے قسم لی کہ انہوں نے خیانت کی نہ جھوٹ بولا، تغیر و تبدل کیا نہ کچھ چھپایا اور یہ متوفی کے ترکہ اور وصیت کے عین مطابق ہے، چنانچہ ان کی شہادت کو درست قرار دے دیا گیا اور اسی پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا(2)۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس نوعیت کا جو واقعہ ہوا تھا وہ عدی اور تمیم کا ہی واقعہ تھا، حضرت تمیم نے سنہ 9 ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ حکم بعد کا ہے، اس کے نسخ کا دعویٰ کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں دلیل لائے۔

سدی سے منقول ہے کہ آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ حالت حضر میں موت کے وقت وصیت کرنے کے بارے میں ہے کہ وہ شخص بوقت موت وصی بنالے اور دو شخص گواہ مقرر کر دے کہ اس کے دوسروں کے کیا حقوق ہیں اور اس کے ذمے دوسروں کے کیا واجبات ہیں۔ اور آیت کریمہ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ سفر کے بارے میں ہے۔ اگر حالت سفر میں کسی کو موت آجائے اور اس کے پاس کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو یہود، نصاریٰ یا مجوس میں سے دو آدمی بلا کر انہیں وصیت کر دے اور اپنی میراث ان کے حوالے کر دے۔ وہ دونوں متوفی کی میراث اس کے اہل و عیال تک پہنچا دیں۔ اگر تو وہ وصیت درست تسلیم کر کے ترکہ وصول کر لیں تو "فِیهَا" ورنہ ورثاء حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر دیں۔ اب فرمان الٰہی تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ کے مطابق نماز کے بعد ان سے قسم لی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اہل میت نے انکار کر دیا اور دونوں گواہوں کو ڈرایا دھمکایا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر کے بعد قسم لینا چاہی تو میں نے کہا کہ یہ تو غیر مسلم ہیں انہیں صلوٰۃ عصر کی کیا پرواہ ہے۔ انہیں تو ان کی اپنی دینی نماز کے بعد قسم دلائی جائے۔ اپنے دین کے مطابق نماز کے بعد دونوں قسم اٹھائیں کہ ہم حقیر مال کی خاطر اپنی قسموں کا سودا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 117-116، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ مائدہ، جلد 11، صفحہ 184-182، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 307-308 وغیرہ۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 110

نہیں کریں گے اگر چہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے، اگر ایسا کیا تو ہم گنہگار ہیں۔ ان کے متوفی نے بس یہی وصیت کی تھی اور یہی اس کا ترکہ تھا۔ قسم اٹھانے سے پہلے امام انہیں سمجھائے کہ اگر تم نے کچھ چھپایا یا خیانت کی تو تم اپنی قوم میں رسوا ہو جاؤ گے پھر کبھی بھی تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور سزا کے بھی مستحق ٹھہرو گے، جب وہ انہیں یہ بات کہہ دے تو ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ یہی ایک ایسی صورت ہے جس میں امکان ہے کہ گواہ درست طریقے سے گواہی دیں اور انہیں اس بات کا اندیشہ رہے گا کہ مسلمانوں کی دوبارہ قسموں کے بعد کہیں ہماری قسمیں رد نہ کر دی جائیں (1)۔

حضرت ابراہیم اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ اس آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی بحالت سفر قریب الوفات ہو تو وہ دو مسلمان گواہ مقرر کر دے۔ اگر مسلمان نہ مل سکیں تو اہل کتاب میں سے دو آدمی گواہ بنا لے۔ وہ دونوں ترکہ متوفی کے ورثاء کے پاس لائیں اگر تو وہ ان کی تصدیق کر دیں تو بہتر، اگر وہ خیانت کا الزام لگا دیں تو دونوں گواہ عصر کے بعد قسم اٹھائیں کہ نہ تو ہم نے خیانت کی اور نہ کچھ چھپایا ہے، اور نہ ہی تغیر و تبدل کیا ہے (2)۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا اگر اس بات کا انکشاف ہو جائے کہ ان کافروں نے جھوٹ بولا ہے اور غبن کا ارتکاب کیا ہے تو ان کے بجائے میت کے اولیاء میں سے دو شخص اٹھ کھڑے ہوں اور قسم اٹھائیں کہ ان کافروں کی شہادت باطل ہے اور ہم زیادتی نہیں کر رہے، تو اس صورت میں کافروں کی شہادت رد کر دی جائے گی اور میت کے اولیاء کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ بہت سے آئمہ اور اسلاف نے اس آیت کا مقتضی اسی حکم کو قرار دیا ہے (3)۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اس حکم کی مشروعیت اسی پسندیدہ سبب کی بناء پر ہے کہ ذمی گواہوں کو قسم دلائی جائے تاکہ گواہی درست طریقہ سے عمل میں آئے۔

اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ درست طریقے سے قسموں کی ادائیگی سے مقصود یہ ہے کہ گواہ حلف باللہ کی تعظیم و احترام اور ان کے جھوٹ و خیانت کا پول کھل جانے کے نتیجہ میں لوگوں کے درمیان رسوائی کے خوف سے سچ بولیں، پھر فرمایا کہ اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرو، اس کی بات سنو اور سر تسلیم خم کر لو۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو نافرمان ہیں، اس کی اطاعت سے منحرف ہیں اور اس کی شریعت کی اتباع سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹

”جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔“

اس آیت کریمہ میں اس بات سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے خطاب کر کے ان سے پوچھے گا کہ جن قوموں کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا تھا انہوں نے دعوت و تبلیغ کا کیا جواب دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَنَسْـَٔــلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔــلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: 6) ”سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 110-111 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 110 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 113

رسولوں سے''۔ اور فرمایا: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر:93-92) ''پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے''۔

انبیائے کرام نے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، بعض نے قبول کیا اور بعض نے رد کر دیا۔ انہوں نے بچشم خود ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا پھر ان کا ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کہنے کا کیا مطلب ہے؟ حضرات مجاہد، حسن بصری، سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس دن اس قدر ہولناکی اور دہشت ہوگی کہ وہ خوف کے مارے کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں(1)۔

سدی سے منقول ہے کہ ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگوں کے قائم مقام رکھ کر یہ کہا گیا ہے جن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے اس لئے جب سوال کیا جائے گا تو کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ پھر کچھ دیر بعد جب اطمینان قلبی حاصل ہوگا تو وہ اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مَاذَآ اُجِبْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کونسا طرز عمل اختیار کیا، کیا کیا اعمال کرتے رہے، تو جواب میں انبیائے کرام علیہم السلام عرض کریں گے لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام از راہ ادب وتعظیم عرض کریں گے: یارب! تیرے علم محیط وکامل کے مقابلہ میں ہمیں کچھ علم نہیں اگر چہ ہمیں ان لوگوں کے بارے میں علم ہے جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہی، لیکن ہم تو صرف ظاہر پر آگاہ ہیں باطن کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں، صرف تو ہی ہر چیز پر مطلع اور آگاہ ہے، تمہارے علم کے مقابلہ میں ہمارا علم عدم علم کی طرح ہے کیونکہ غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾

''جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلا) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 125

(معجزات) نہیں ہیں مگر کھلا ہوا جادو اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان احسانات، خوارق عادت، اور روشن معجزات کا تذکرہ فرما رہا ہے جن سے اس نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے عیسیٰ! میرے انعام کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں بغیر باپ کے صرف ماں کے ذریعے پیدا کیا اور میں نے تمہیں اپنے کمال قدرت پر ایک روشن نشانی اور قطعی دلیل قرار دیا، اور تمہاری والدہ پر بھی میں نے احسان کیا، ظالم اور جاہل تمہاری والدہ پر بدکاری کی جو تہمت لگاتے تھے اس سے براءت اور پاکدامنی کی دلیل تجھی کو ٹھہرایا۔

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ...... روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے تمہاری مدد کی اور بچپن اور پکی عمر میں تمہیں نبی اور داعی الی اللہ بنایا۔ پنگھوڑے میں جب تم ابھی بالکل چھوٹے بچے تھے میں نے تمہیں قوت گویائی عطا فرمائی اور تم نے ہر عیب سے اپنی والدہ محترمہ کی برأت اور پاکدامنی کی گواہی دی، بندگی کا اعتراف کیا، میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور میری عبادت کی انہیں دعوت دی اسی لئے فرمایا: تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا یعنی تم دعوت و تبلیغ کا فریضہ بچپن اور پکی عمر میں انجام دیتے رہے۔ ''تُكَلِّمُ'' کے ضمن میں دعوت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ بڑی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے، تعجب تو اس گفتگو پر ہے جو بچپن میں کی جائے جس وقت بچہ گفتگو پر قادر نہیں ہوتا۔

وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ...... میں نے تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی، لکھنا پڑھنا اور سمجھ بوجھ عطا فرمائی، تورات اور انجیل سکھائی۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ حدیث شریف میں تورات کا ذکر آتا ہے تو کبھی اس سے مراد یہ اور دوسری کتب ہوتی ہیں۔

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ...... تم میرے حکم سے پرندے کی سی شکل بناتے تھے پھر اس (بے جان پتلے) میں پھونک مارتے تو وہ جاندار پرندہ بن جاتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑتا۔

وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔

وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ تم مردوں کو بلاتے تو وہ اللہ کے اذن، ارادہ، قدرت اور مشیت سے زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت نفل ادا کرتے تھے، پہلی رکعت میں تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ اور دوسری رکعت میں ''الٓمّٓ تَنْزِيْلُ'' کی تلاوت کرتے، ان دو رکعتوں کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے، پھر ان سات اسماء کا ورد کرتے: يَا قَدِيْمُ، يَا قَيُّوْمُ، يَا اَللّٰهُ، يَا رَحْمٰنُ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، يَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، يَا رَبِّ، یہ اسماء زبردست تاثیر کے حامل ہیں۔

وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ...... اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ میری نعمت اور احسان کو یاد کرو کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت اور رسالت پر قطعی دلائل و براہین لیکر آئے تھے تو انہوں نے تمہیں جھٹلایا۔ جادوگر ہونے کی تہمت لگائی، تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کے درپے ہو گئے تو اس وقت میں نے تمہیں ان (کے ظلم) سے بچا لیا، تمہیں اپنی طرف اٹھا لیا، ان کی آلودگی سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 49

تمہیں پاک رکھا اور ان کے شر سے محفوظ کر دیا۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان آپ کو آسمان دنیا کی طرف اٹھائے جانے کے بعد کا ہے یا پھر روز قیامت وقوع پذیر ہوگا۔ اس مستقبل کے واقعہ کو ماضی سے تعبیر کرنا اس کے یقینی تحقق پر دلالت کرتا ہے، یہ غیب کے وہ اسرار و رموز ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر نبی حضرت محمد ﷺ کو آگاہ فرما دیا ہے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلص اور جانثار ساتھی اور مددگار بنا دیئے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وحی سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہاں وحی الہام (چپکے سے دل میں کوئی بات ڈال دینا) کے معنی میں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص: 7) ''اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ''۔ بغیر کسی شک وشبہ کے یہاں وحی کا معنی الہام ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا: وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (النحل: 69-68) ''اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا یا کر پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں) اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر''۔ اسی طرح یہاں بھی وحی سے مراد الہام ہے یعنی حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ حکم بجالائیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میں نے تمہارے واسطہ سے ان پر وحی بھیجی اور انہیں اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس پر لبیک کہی، سر تسلیم خم کر لیا اور اطاعت الٰہی پر کمربستہ ہو گئے۔ اور کہا: ''اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ''۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک خوان آسمان سے، (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو۔ حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے۔ عرض کی عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر خوان آسمان سے بن جائے ہم سب کے لئے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لئے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے''۔

یہ ہے مائدہ کا قصہ۔ چونکہ اس سورت میں ''مائدہ'' کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام ہی سورۂ مائدہ رکھ دیا گیا۔ یہ ایک اور عظیم احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہرہ ور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آسمان سے مائدہ نازل فرما دیا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک روشن معجزہ اور قطعی حجت ہے، بعض آئمہ کا کہنا ہے کہ یہ قصہ انجیل سے مذکور نہیں ہے، نصاریٰ کو مسلمانوں کے ذریعے اس کا علم ہوا۔

''حواریون'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں جنہوں نے نزول مائدہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اکثر قراء نے تو ''یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ'' پڑھا ہے، بعض دوسرے قاری تَسْتَطِیْعُ رَبَّكَ پڑھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا آپ اپنے رب سے یہ سوال کر سکتے ہیں۔

''مَآئِدَۃً'' سے مراد وہ دستر خوان ہے جس پر کھانا چنا گیا ہو۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حواریوں نے نزول مائدہ کا سوال اپنی ضرورت اور فقر کی وجہ سے کیا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہر روز ان پر ایک خوان اترا کرے جس سے وہ اپنی خوراک حاصل کر کے کھائیں اور عبادت پر قوت حاصل کریں تو حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس قسم کا سوال نہ کرو، طلب رزق میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہی مطالبہ تمہارے لئے باعث فتنہ بن جائے اور نافرمانی کی پاداش میں عذاب کے سزاوار بن جاؤ۔

قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا...... حواریوں نے کہا: ہم محتاج ہیں، کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے اس لئے ہمیں سامان خور ونوش کی ضرورت ہے، ہماری خواہش ہے کہ ہم اس دستر خوان سے اپنی خوراک حاصل کریں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اطمینان قلبی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم آسمان سے دستر خوان اترتا ہوئے دیکھیں تو ہمیں پورا پورا اطمینان ہو جائے گا اور تیسرا مقصد یہ ہے کہ ہمیں کامل یقین ہو جائے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں اور چوتھا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آگاہ کریں گے اور گواہی دیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے اور آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوت و رسالت کی صداقت پر واضح دلیل ہے۔

قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ...... ان کے مطالبہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، عرض کی: یا اللہ، اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل فرما جو ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے عید ہو یعنی ہم اس دن کو جس میں مائدہ اترے عید بنا لیں گے جس کی نہ صرف ہم بلکہ بعد میں آنے والے بھی تعظیم بجالائیں گے، حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا'' سے مراد یہ ہے کہ ہم اس روز نماز پڑھیں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ''عید'' کا یہ معنی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے لئے اور بعد والوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث بنے، بعض نے کہا ہے کہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔

وَاٰیَةً مِّنْكَ تیرے کمال قدرت اور میری دعا کی مقبولیت کی دلیل بن جائے تاکہ لوگ میری رسالت کی تصدیق کریں۔

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ تو اپنی جناب سے بغیر محنت اور تکلیف کے ہمیں خوشگوار رزق عطا فرما۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! تمہاری امت میں سے نزول مائدہ کے باوجود جس نے کفر کیا اور سرکشی اختیار کی تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی نے ایسے عذاب کا ذائقہ نہ چکھا ہوگا، جیسا کہ فرمایا: وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46) ''اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔ اسی طرح منافقین کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا (النساء:145) ''بے شک منافق سب سے نچلے

طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے''۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز قیامت جنہیں سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا وہ تین ہیں: (1) منافقین (2) نزول مائدہ کے بعد جنہوں نے کفر کیا (3) آل فرعون(1)۔

نزول مائدہ کے متعلق سلف کی روایات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تیس روزے رکھ سکتے ہو، پھر تم اس سے جو بھی سوال کرو گے وہ تمہیں عطا فرمائے گا، کیونکہ کام کرنے والے کی اجرت اس پر لازم ہے جس کی خاطر کام انجام دیا گیا ہو، چنانچہ انہوں نے حسب ارشاد روزے رکھے پھر عرض کی: اے بھلائی کی تعلیم دینے والے! آپ نے فرمایا تھا کہ مزدور کو مزدوری ضرور دی جاتی ہے آپ کے حکم پر ہم نے تیس روزے رکھے، تیس دن ہم جس کی نوکری کر لیں وہ ضرور ہمیں کھلاتا ہے یا اجرت دیتا ہے تو کیا اب تمہارا رب آسمان سے دسترخوان نازل کرے گا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.....

چنانچہ فرشتے آسمان سے مائدہ لیکر اترے جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں یہاں تک کہ ان کے سامنے رکھ دیا، سب لوگوں نے اس میں سے کھایا(2)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان سے مائدہ اترا تو اس میں روٹی اور گوشت تھا، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ نہ تو اس میں خیانت کریں اور نہ ہی کل تک کے لئے جمع کر کے رکھیں، لیکن ان لوگوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کر کے رکھ لیا۔ اس نافرمانی کے نتیجہ میں ان کی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا(3)۔ بنی عجل کے ایک آدمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں بنی اسرائیل کے مائدہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزول مائدہ کا سوال کیا تھا جس سے ان کی خوراک کا بندوبست ہو جائے اور وہ خوراک کبھی ختم نہ ہو۔ ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا، مائدہ اترا تو انہیں یہ باور کرا دیا گیا کہ یہ دسترخوان مستقل اور دائمی ہے بشرطیکہ وہ نہ اس میں سے کوئی چیز چھپائیں، نہ اس میں خیانت کریں اور نہ یہ کل کے لئے بچا کر رکھیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان پر ایسا عذاب اترے گا جو کسی پر نہیں اترا ہوگا، لیکن صرف ایک دن ہی گزرا تھا کہ انہوں نے اس میں سے چھپا لیا اور خیانت کے مرتکب ہوئے، نتیجتاً انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا گیا شاید ہی دنیا میں کسی کو اس قدر شدید عذاب کا سامنا ہوا ہو اور اے اہل عرب! تم اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی دمیں پکڑے ان کے پیچھے بھاگتے تھے (ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا اور تمہی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب ونسب اور شرافت سے تم بخوبی آگاہ ہو۔ اس نبی نے تمہیں خبر دی ہے کہ تم عنقریب عجمیوں پر غلبہ پاؤ گے اور تمہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن اللہ کی قسم، جو بھی دن رات گزرتا ہے تمہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے اور اپنا خزانہ بڑھانے کی فکر ہوتی ہے، خبردار! کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں بھی دردناک عذاب میں مبتلا کر دے(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 136 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 31-130

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134 4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں، لوگوں نے جس قدر چاہا کھایا، کچھ لوگوں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ شاید کل یہ نہ اترے اس میں سے چرالیا چنانچہ مائدہ کا آنا بند ہو گیا(1)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مائدہ مچھلی اور روٹی پر مشتمل تھا وہ جب چاہتے اور جہاں فروکش ہوتے اس میں سے کھاتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ جہاں اترتے ان پر یہ کھانا اتر آتا۔ عطیہ عوفی کا کہنا ہے کہ مائدہ میں مچھلی ہوتی تھی جس میں ہر چیز کا ذائقہ موجود ہوتا تھا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ہر روز مائدہ میں انواع و اقسام کے جنتی پھل اترتے وہ جس قدر چاہتے کھا لیتے۔ چار ہزار آدمی اس دستر خوان سے کھاتے تھے لیکن کھانا کم نہیں ہوتا تھا، جس قدر کھاتے اتنی مقدار میں اس کی جگہ اللہ تعالیٰ اور کھانا بھیج دیتا۔ جتنی مدت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہب بن منبہ سے ہی منقول ہے کہ اس میں جو کی روٹیاں اور مچھلیاں ہوتیں، اللہ تعالیٰ نے اس دستر خوان میں اس قدر برکت ڈال دی کہ لوگ یکے بعد دیگرے آ کر خوب سیر ہو کر کھاتے لیکن وہ کھانا جوں کا توں رہتا، سب لوگوں کے کھانے کے بعد بھی اسی طرح بچا رہتا۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں گوشت کے علاوہ ہر چیز ہوتی۔ میسرہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سامنے جب وہ مائدہ آتا تو سوائے گوشت کے ہر قسم کا کھانا ان کے ہاتھ لگتا(2)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس میں چاول کی روٹیاں ہوتی تھیں۔

حضرت سلمان الخیر فرماتے ہیں کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا سوال کیا تو آپ کو یہ سخت ناگوار گزرا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمین سے جو رزق تمہیں عطا فرماتا ہے اسی پر قناعت کرو اور آسمان سے نزول مائدہ کا سوال مت کرو کیونکہ اگر یہ آسمان سے اتر آیا تو یہ ایک معجزہ ہوگا، قوم ثمود نے بھی تمہاری طرح اپنے نبی سے ایک معجزے کا مطالبہ کیا تھا لیکن معجزہ دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے کفر کیا اسی کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو لیکن وہ اپنے مطالبہ پر مصر رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کے پیہم اصرار کو دیکھا تو دعا کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اون کا لباس اتار دیا۔ سیاہ بالوں سے بنا ہوا ایک جبہ اور چوغہ پہن لیا۔ وضو اور غسل کر کے اپنی جائے نماز میں داخل ہوئے، کافی دیر تک نماز میں مشغول رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو قبلہ رو کھڑے ہو گئے دونوں قدم جوڑ دیئے اور ٹخنہ سے ٹخنہ ملا لیا، انگلیاں سیدھی کر لیں، اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینہ پر باندھ لیا، نگاہیں نیچی کر لیں، خشوع و خضوع سے سر جھکا لیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، ڈاڑھی بھیگ گئی۔ آنسو زمین پر گرنے لگے یہاں تک کہ سامنے کی زمین تر ہو گئی، اس وقت بارگاہ خداوندی میں دعا کی: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور دو اوپر نیچے بدلیوں کے درمیان مائدہ اتار دیا، لوگ اپنی نظروں سے آسمان سے مائدہ کو اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس خوف سے کہ ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہ نازل کر دے، رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ان کے لئے اس مائدہ کو رحمت بنا دے نہ کہ زحمت۔ الٰہی! کتنی عجیب چیزوں کا میں نے تجھ سے سوال کیا جو تو نے مجھے عطا فرما دیں، الٰہی! ہمیں اپنا شکر گزار بنا۔ مولا! میں اس مائدہ کے غضب اور عذاب کا سبب بننے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، الٰہی! اسے سراپا سلامتی اور عافیت بنا دے اور اسے فتنہ نہ بنا۔ آپ دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ مائدہ آپ کے اور حواریوں کے سامنے آ کر ٹھہر گیا، اس میں سے اس قدر عمدہ خوشبو مہک رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو انہوں نے کبھی نہ سونگھی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری اس غیر معمولی نعمت پر شکر بجالاتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی جگہ سے رزق عطا فرما دیا جہاں سے انہیں امید

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 133 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134

ہی نہیں تھی اور انہیں ایک تعجب خیز اور عبرت ناک نشانی دکھائی۔ یہودیوں نے اس امر عجیب کو دیکھا تو رنج والم سے شکستہ خاطر ہو گئے، غضب کے مارے دانت پیسنے لگے اور اسی غیظ وغضب کے عالم میں چل دیئے، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حواری اور آپ کے ساتھی آئے اور دستر خوان کے ارد گرد بیٹھ گئے، دستر خوان رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم میں سے کون اس رومال کو ہٹانے کی جسارت کرے گا، کون ہے ہم میں سے جسے اپنے نفس پر زیادہ ضبط، وثوق اور اطمینان ہو، ہم میں سے کون ہے جو آزمائش میں زیادہ پورا اترنے والا ہو، جو ان صفات کا حامل ہو چاہئے کہ وہ دستر خوان سے رومال کو ہٹائے تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھیں، اس کی حمد وثناء کریں اور اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھائیں۔ حواریوں نے عرض کی: اے روح اللہ، اے کلمۃ اللہ! آپ سے بڑھ کر اس کا حقدار کون ہو سکتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے، تازہ وضو کیا، پھر جائے نماز میں داخل ہو کر نماز میں مصروف ہو گئے، کچھ دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ وہ دستر خوان سے پردہ اٹھانے کی اجازت مرحمت فرمائے اور اسے قوم کے لئے باعث برکت ورزق بنائے، پھر دستر خوان کے پاس آکر بیٹھ گئے رومال ہٹایا اور دعا کی: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ رومال ہٹایا تو دیکھا کہ دستر خوان پر بڑی بڑی بھنی ہوئی مچھلیاں ہیں، نہ ان پر چھلکے ہیں اور نہ کانٹے۔ روغن ان سے بہہ رہا ہے، سوائے مولی کے ان کے ارد گرد ہر قسم کی سبزیاں ہیں، ان کے سر کی طرف سرکہ ہے اور دم کی طرف نمک، سبزیوں کے ارد گرد پانچ روٹیاں ہیں، ان میں سے ایک پر زیتون، دوسری پر کھجوریں اور پانچ انار ہیں۔ حواریوں کے رئیس شمعون نے کہا: یا روح اللہ، یا کلمۃ اللہ! کیا یہ اس دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس قدر عجائب ومعجزات دیکھ لینے کے بعد تم عبرت حاصل کر دا اور مسائل کی چھان بین سے باز آجاؤ؟ مجھے تو خدشہ ہے کہ کہیں یہی نشانی تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ شمعون نے کہا: الٰہ اسرائیل کی قسم! اے صدیقہ (مریم علیہا السلام) کے بیٹے! میرا مقصد سوال کرنا نہیں تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ نہ تو دنیا کا کھانا ہے اور نہ جنت کا، بلکہ یہ ایسا کھانا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے فضاء ہی میں پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ''کُنْ'' ہو جا تو پلک جھپکنے سے ہی پہلے وہ وجود میں آگیا، جو تم نے مانگا تھا اس سے اللہ کا نام لیکر کھاؤ، اس کی حمد وثناء اور شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں مزید نعمتیں عطا فرمائے گا کیونکہ وہ ایجاد کرنے والا، کامل قدرت والا اور قدردان ہے۔ انہوں نے کہا: اے روح اللہ، اے کلمۃ اللہ! ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نشانی کے اندر ایک اور نشانی دکھائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا یہ نشانی جو تم دیکھ چکے ہو، کافی نہیں یہاں تک کہ ایک اور نشانی کا مطالبہ کرنے لگ گئے ہو؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ اس طرح زندہ ہو جا جس طرح پہلے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس مچھلی کو زندہ کر دیا، وہ تر وتازہ ہو کر تڑپنے لگی اور شیر کی طرح منہ کھولنے لگی، اس کی آنکھیں گھومنے اور چمکنے لگیں، اس کے جسم پر چھلکے بھی ظاہر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ڈر گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہے کہ تم نشانی کا سوال کر رہے تھے، جب تمہارے رب نے وہ نشانی تمہیں دکھا دی تو تم اس سے ڈرنے لگے اور اسے ناپسند کرنے لگے؟ مجھے تو شدید خطرہ ہے کہ کہیں تمہارا یہ کیا دھرا تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے، فرمایا: اے مچھلی! اللہ کے حکم سے پہلے کی طرح ہو جا، چنانچہ وہ مچھلی پہلے کی طرح بھنی ہوئی بن گئی۔ لوگوں نے کہا: اے عیسیٰ! پہلے آپ کھائیں پھر ہم کھائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: معاذ اللہ! پہلے وہی کھائے جس نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا۔ جب حواریوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں کھا رہے ہے تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور

اندیشہ کرنے لگے کہ نزول مائدہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے اور اس کا کھانا نقصان کا موجب نہ بن جائے، چنانچہ انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فقراء اور مریضوں کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعوت میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکرادا کرو جس نے تم پر اسے اتارا ہے، تمہارے لئے یہ باعث رحمت و برکت ہوگا اور دوسروں کے لئے باعث عقوبت۔ اللہ کے نام سے کھانا شروع کرو اور الحمد للہ پر اختتام کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، تیرہ سو مردوں عورتوں نے اس میں سے کھایا، خوب سیر ہو کر اٹھے۔ جب سب لوگوں نے شکم بھر کر کھالیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں نے دیکھا کہ کھانا توجوں کا توں ہے اس میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوئی، پھر لوگوں کے دیکھتے دیکھتے مائدہ آسمان کی طرف بلند ہو گیا، جس فقیر نے اس میں سے کھایا غنی ہو گیا، جس مریض نے اس میں سے کھایا تندرست ہو گیا، پھر ہمیشہ غنی اور تندرست رہے۔ جن حواریوں اور ان کے ساتھیوں نے کھانے سے احتراز کیا تھا وہ سخت نادم ہوئے اور مرتے دم تک کھانے کی حسرت ان کے دلوں میں باقی رہی۔ اس کے بعد جب مائدہ اترا تو بنی اسرائیل ہر طرف سے اس پر پل پڑے، غنی فقیر، چھوٹے بڑے، تندرست مریض سب دھکم پیل کرتے ہوئے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو سب کی باری مقرر فرما دی ایک دن آ کر جو کھاتے وہ دوسرے دن نہ آتے، چالیس دن گزر گئے، مائدہ ایک دن کے ناغہ سے ان پر اترتا، وہ دن بھر خوب سیر ہو کر اس میں سے کھاتے، پھر مائدہ بحکم الٰہی آسمان کی طرف بلند ہو جاتا، لوگ اس کے سایہ کو زمین پر پڑتا ہوا دیکھتے یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مائدہ میں میرا رزق صرف فقراء، یتیموں اور مریضوں کے لئے ہے، مالداروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جب آپ نے ایسا کہا تو یہ بات مالداروں کو سخت ناگوار گزری، نکتہ چینی کرنے لگے، خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا شروع کر دیا اور مائدہ کے بارے میں نازیبا اور بری باتوں کی تشہیر کرنے لگے، شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے نیک لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالنا شروع کر دیئے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہمیں صحیح صحیح بتانا کہ آسمان سے نزول مائدہ کیا واقعی حق ہے؟ کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! تم ہلاک ہو گئے، اپنے نبی سے تم نے مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مائدہ کی دعا کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی تم پر اپنی رحمت اور رزق اتارا اور اپنی نشانیاں اور عبرتیں دکھائیں تو تم جھٹلانے پر اتر آئے اور شک کرنے لگے، اب عذاب کی خوشخبری سن لو۔ یہ عذاب تم پر آنے ہی والا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما دے تو یہ دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں اپنی شرط کے مطابق جھٹلانے والوں کو ضرور پکڑوں گا جس نے نزول مائدہ کے بعد کفر کیا اس کو اس قدر شدید عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب کسی کو نہ دیا گیا ہوگا۔ شام ہوئی اور شک کرنے والے امن وسکون سے اپنی عورتوں کے ساتھ اپنی خواب گاہوں میں محو استراحت ہو گئے، سوئے تھے تو بہترین شکل صورت تھی لیکن آخر شب ان کی شکلوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا اور یہ گندگی اور نجاست میں پھرنے لگے۔ یہ روایت بہت عجیب و غریب ہے، ابن حاتم نے اسے مختلف مقامات پر الگ الگ کر کے بیان کیا ہے، میں نے تسلسل قائم رکھتے ہوئے اسے ایک واقعہ کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔

یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں بنی اسرائیل پر اترا تھا، قرآن کریم کا ظاہر سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ۔

کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ مائدہ اترا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے بطور مثال بیان فرمایا ہے، جب ناشکری کی صورت میں انہیں عذاب کا خوف دلایا گیا تو وہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ مجاہد اور حسن تک یہ اسانید درست ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نصاریٰ مائدہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی کتاب انجیل میں کہیں اس کا ذکر ہے، اگر مائدہ اترا ہوتا تو انجیل میں جا بجا اس کا ذکر آتا اور تواتر سے انجیل میں مذکور ہوتا۔ لیکن جمہور کا موقف یہی ہے کہ مائدہ اترا تھا، ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول مائدہ کی خبر اپنے اس فرمان میں دی ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور وعید برحق ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، اخبار و روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر نے بلاد مغرب کی فتوحات کے وقت وہاں مائدہ پایا جو انواع واقسام کے موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھا۔ انہوں نے امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا، لیکن مائدہ ابھی رستہ میں ہی تھا کہ وہ فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کی خدمت میں پیش کیا گیا، لوگوں نے اسے دیکھا، اس پر لگے ہوئے نفیس اور یگانہ موتی اور جواہرات دیکھ کر بہت متعجب ہوئے، کہا جاتا ہے کہ یہ مائدہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش نے حضور اکرم ﷺ سے فرمائش کی کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دے پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ایمان لے آؤ گے؟'' انہوں نے کہا: ہاں آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ حضرت جبریل امین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اگر آپ چاہئیں تو صفا کی پہاڑی ان کے لئے سونا بن جائے لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ کفر پر اڑے رہے تو انہیں ایسا عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا، اور اگر آپ چاہئیں تو میں ان کے لئے در توبہ و رحمت کھول دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مولا! تیری توبہ اور رحمت ہی کے ہم طلب گار ہیں'' (1)۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

''اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا؟ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق، اگر میں نے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 314، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 242

کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔

روز قیامت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کی موجودگی میں خطاب فرمائے گا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو معبود بنا رکھا تھا۔ اس میں نصاریٰ کو کھلی دھمکی اور برسر عام زجر و توبیخ ہے۔ قتادہ نے اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ: 119)۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ خطاب اور جواب دنیا میں ہی ہے، ابن جریر نے اسی موقف کو درست قرار دیا ہے، اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان دنیا کی طرف اٹھائے جانے والے واقعہ کے ساتھ ہے۔ ابن جریر نے اپنے موقف کے اثبات کے لئے دو طرح سے استدلال کیا ہے ایک یہ کہ کلام صیغہ ماضی (قَالَ) کے ساتھ ہے، دوسرا یہ کہ ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ'' اور ''اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ'' میں اسلوب شرطیہ ہے، بات دنیا میں ہی ہوئی ہوگی تبھی تو عذاب اور مغفرت کی شرط روز قیامت کے لئے اٹھا رکھی ہے (1)۔ لیکن یہ دونوں دلیلیں محل نظر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت سے متعلقہ بہت سے امور کی تعبیر ماضی کے صیغہ سے کی گئی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ تحقق اور ثبوت پر دلالت کرے۔

جہاں تک اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان گنہگاروں سے بیزاری ظاہر کرنا اور ان کے بارے میں فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ شرط پر اس کو معلق کرنا اس کے وقوع کا مقتضی نہیں ہوسکتا، قرآن کریم میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ قتادہ وغیرہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ زیادہ واضح اور درست ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا اور اس کا مقصد نصاریٰ کو دھمکی اور ڈنکے کی چوٹ انہیں زجر و توبیخ کرنا ہے تاکہ سب کے سامنے ان کا پول کھل جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ان پر کئے گئے اپنے احسانات کا تذکرہ فرمائے گا۔ وہ اقرار کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کرے گا تو وہ انکار کریں گے کہ میں نے تو اپنی امت سے اپنی پرستش کی فرمائش نہیں کی تھی۔ نصاریٰ کو بلایا جائے گا، جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام نے ہی اپنی پرستش کا حکم دیا تھا۔ یہ سن کر خوف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے، ہر ایک فرشتہ آپ کے سر اور جسم کے ایک ایک بال کو پکڑ لے گا۔ ان نصاریٰ کو ایک ہزار سال تک ہاتھ پاؤں جوڑے بٹھا رکھا جائے گا یہاں تک کہ ان پر حجت قائم ہو جائے گی، حقیقت واضح ہوجائے گی، صلیب کو ان کے سامنے اٹھایا جائے گا پھر انہیں آگ میں دھکیل دیا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ توفیق ایزدی سے کس قدر حسن ادب پر مبنی ہے آپ کے دل میں کیسی عمدہ دلیل القاء کی گئی اور کیسا اچھا جواب آپ کو سکھایا گیا، عرض کی: اے اللہ! تو پاک ہے، مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 138

میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، بالفرض اگر میں نے ایسا کہا بھی ہے تو تو اسے ضرور جانتا ہوگا، کیونکہ تجھ پر کوئی چیز مخفی نہیں، نہ میں نے ایسی بات کہی، نہ ارادہ کیا اور نہ ہی مجھے اس کا خیال آیا، تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے کیونکہ غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے انہیں صرف وہی کہا تھا جس کی تبلیغ کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، صرف یہی میں نے انہیں کہا تھا۔ جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، نگہبانی کرتا رہا اور ان کے اعمال پر مطلع رہا لیکن جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ان کا نگران ہوگیا اور تو ہر چیز سے آگاہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، وعظ ونصیحت کی اور فرمایا: ''اے لوگو! تم قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیرمختون اٹھائے جاؤ گے جس طرح بوقت پیدائش تھے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ میری امت کے چند آدمیوں کو لایا جائے گا اور (دوزخی ہونے کے سبب) انہیں بائیں طرف رکھا جائے گا، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں۔ کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیسی کیسی بدعتوں کو رواج دیا اور کیا کیا کرتوت کرتے رہے تو میں بھی وہی کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا...... کہا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ لوگ مرتد ہوگئے تھے''(1)۔

فرمان الٰہی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ...... مشیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینے کو متضمن ہے، وہ جو چاہے کرے، اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی جبکہ سب لوگوں سے باز پرس ہوگی، دوسری بات جو اس آیت کے ضمن میں پائی جاتی ہے وہ ان نصاریٰ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا، اللہ تعالیٰ کا شریک، بیوی اور بیٹا ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی افتراء پردازی اور ہرزہ سرائی سے بہت ہی بلند ہے۔ اس آیت کریمہ کی بہت ہی اعلیٰ وارفع شان ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نماز میں صبح تک اس کی تلاوت کرتے رہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نماز میں مصروف ہوگئے۔ اسی آیت کی تلاوت فرمانے لگے یہاں تک کہ رکوع اور سجدہ میں یہی آیت پڑھتے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ساری رات اسی آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ رکوع وسجود میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت عطا فرمادی اور یہ ان شاء اللہ ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''(2)۔

ایک دوسری روایت جسرہ بنت دجاجہ سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ وہ عمرہ کے ارادہ سے نکلیں، ربذہ کے مقام پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہیں یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء پڑھائی۔ پھر کچھ صحابہ نماز کی غرض سے وہاں مسجد میں ہی رہ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب انہیں نماز میں مصروف دیکھا تو اپنی آرام گاہ کی طرف تشریف لے آئے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو پھر آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر آکر نماز میں مشغول ہوگئے، میں بھی آیا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ آپ ﷺ نے مجھے دائیں جانب کھڑا ہونے کا اشارہ کیا تو میں دائیں جانب ہوگیا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ آئے، وہ ہمارے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بائیں جانب کھڑا ہونے کا اشارہ کیا تو وہ اس طرف ہوگئے، ہم

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ مائدہ، جلد 8، صفحہ 286، مسند ابی داؤد طیالسی، صفحہ 343

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 149

تینوں الگ الگ اپنی نمازیں پڑھنے لگے اور تلاوت قرآن کرنے لگے۔ لیکن نبی کریم ﷺ صبح تک ایک ہی آیت کو دہراتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ آپ ﷺ سے رات بھر ایک ہی آیت کی تلاوت کا سبب دریافت کریں۔ انہوں نے کہا: جب تک آپ ﷺ خود نہیں بیان فرما دیتے میں نہیں پوچھوں گا۔ میں نے ذرا ہمت کر کے پوچھ ہی لیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے رہے حالانکہ سارا قرآن آپ کے سینہ میں ہے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم ضرور اس پر خفا ہوتے، آپ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے دعا کر رہا تھا'' میں نے عرض کی کہ آپ کو کیا جواب ملا؟ فرمایا: ''جو وعدہ مجھ سے کیا گیا ہے اگر لوگ اس پر مطلع ہو جائیں تو اکثر نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیں'' میں نے عرض کی کہ کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ضرور'' میں ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر لوگوں تک یہ خوشخبری پہنچ گئی تو وہ عبادات سے ہی احتراز کرنے لگیں گے تو آپ ﷺ نے مجھے واپس بلا لیا اور وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی تو اپنے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی: ''اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ'' (اے اللہ! میری امت) اور آپ ﷺ زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو بھیجا کہ جاؤ اور محمد ﷺ سے رونے کا سبب پوچھو؟ جبریل امین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے جبریل کو بتا دیا جو بتانا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد ﷺ سے جا کر کہہ دو کہ ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آزردہ نہیں کریں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ دیر سے تشریف لائے، ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ تشریف نہیں لائیں گے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم سمجھنے لگے گویا آپ ﷺ کی روح ہی پرواز کر گئی ہے۔ جب آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو فرمایا: ''میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ میں نے عرض کی: یارب! جو تو چاہے، یہ تیرے ہی بندے اور تیری مخلوق ہیں، دوسری مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو میں نے یہی عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! میں تمہیں تمہاری امت کے بارے میں ہرگز ناامید نہیں کروں گا اور مجھے یہ بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ سب سے پہلے ستر ہزار جنت میں جائیں گے اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار امتی ہوں گے اور ان سب سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، پھر پیغام بھیجا دعا کرو، تمہاری دعا قبول کی جائے گی، مانگو، تمہیں دیا جائے گا۔ میں نے جبریل سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ میری فرمائش کو پورا کر دے گا؟ جبریل نے جواب دیا کہ اسی غرض کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ وہ آپ کی آرزو کو پورا فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرما دیا ہے، میں اس پر فخر و غرور نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں اور میں زندہ و تندرست چل پھر رہا ہوں اور مجھ پر یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ میری امت نہ تو بھوک و افلاس سے مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عطا فرمایا ہے، یہ جنت میں ایک نہر کا نام ہے جو بہتی ہوئی میرے حوض میں آئے گی۔ اس نے مجھے عزت و غلبہ، نصرت اور رعب سے سرفراز فرمایا ہے جو میری امت کے سامنے ایک ماہ کی مسافت سے لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے، مجھے یہ بھی شرف بخشا کہ میں سب انبیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، اور یہ کہ میرے لئے اور میری امت کے لئے مال غنیمت جائز قرار دے دیا

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 170

ہے اور ایسی بہت سی چیزیں ہمارے لئے حلال فرمادی ہیں جو پہلی امتوں پر حلال نہ تھیں اور دین کے معاملہ میں ہمارے اوپر کوئی سختی روا نہیں رکھی''(1)۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ، ان کے لئے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے، یہی ہے بڑی کامیابی۔ اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کذاب، ملحد نصاریٰ سے بیزاری کا اظہار کیا اور مشیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اپنے پیارے بندے اور رسول ﷺ کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صدق کی وضاحت توحید سے کی ہے، یعنی یہ (روز قیامت) ایسا دن ہے جس میں موحدین کے لئے توحید نفع بخش ہوگی ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہوگی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کیا جائے گا اور نہ ہی تھوڑی سی دیر کے لئے بھی انہیں جنت کو چھوڑنا پڑے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرلیا۔ فرمایا: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی چیز ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ:72)'' اور رضائے خداوندی سب نعمتوں سے بڑی ہے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس روز اللہ تعالیٰ جنتیوں کے سامنے جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو، مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا فرماؤں گا تو وہ اپنے رب کی رضا کا سوال کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری رضا ہی نے تو تمہیں میرے گھر میں اتارا ہے اور میرا کرم تمہارے لئے ہے اس لئے مانگو جو مانگتے ہو، میں تمہیں مرحمت فرماؤں گا، پھر وہ اللہ کی رضا کے طلب گار رہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں گواہ بنا کر فرمائے گا کہ وہ ان سے راضی ہوگیا ہے۔'' اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، جس سے بڑھ کر کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (الصافات:61)'' ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے''۔ دوسری جگہ فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین:26)'' اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے''۔ فرمایا: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہی ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے، ہر چیز میں تصرف کرنے والا اور ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ تمام مخلوق اس کے قبضہ قدرت میں ہے، ہر چیز اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت سرافگندہ ہے، نہ اس کا کوئی مثیل ہے اور نہ ہم پلہ، نہ ہی اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ ہی معاون، نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ بیوی بچے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 393

سورۃ الانعام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ انعام مکہ شریف میں رات کے وقت یکبارگی نازل ہوئی۔ ستر ہزار فرشتے اسے لیکر حاضر ہوئے اور بلند آواز سے تسبیح پڑھتے جارہے تھے(1)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئی تھی کہ آپ ﷺ پر ایک ہی دفعہ پوری سورۂ انعام اتری یوں محسوس ہوتا تھا کہ وحی کے بوجھ سے اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں کی گونج میں یہ سورت نازل ہوئی اور حالت یہ تھی کہ وہ فرشتے زمین وآسمان کے درمیان فضا کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح پڑھی اور فرمایا: ”اس سورت کے جلو میں اس قدر فرشتے اترے کہ انہوں نے افق کو گھیر لیا“(2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورۂ انعام فرشتوں کے جلوس کے ساتھ نازل ہوئی جنہوں نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا تھا، فرشتوں کی تسبیح کے باعث گونج پڑ رہی تھی اور زمین کانپ رہی تھی“۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی پڑھ رہے تھے ”سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ“(3)۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورۂ انعام بیک وقت ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ اتری“۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک معیاد اور ایک معیاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کررہے ہو اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کمارہے ہو“۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ کی مدح اور زمین وآسمان کی تخلیق پر اپنی حمد بیان فرمارہا ہے تاکہ بندے اس کی حمد وثناء کرنا سیکھ لیں۔ شب و روز میں اس نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لئے تاریکیاں اور نور پیدا فرمایا۔ ظلمات کو جمع لایا گیا ہے اور نور کو واحد، کیونکہ اشرف واعلیٰ چیز کو

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد12، صفحہ 215 2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد2، صفحہ 314-315 3۔ رواہ ابن مردویہ

مفرد ہی لاتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: عَنِ الْيَمِينِ وَ الشَّمَآئِلِ (النحل:48) دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف)۔ اور اسی طرح اس سورت کے آخر میں فرمایا: وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ (الانعام:153) ''اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے''۔ پہلی آیت میں یمین اور دوسری میں الٰہی رستہ اشرف چیزیں ہیں اس لئے مفرد لائے گئے ہیں۔

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ اس کے باوجود بھی (کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے) بعض بندے کفر کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شریک اور ہمسر قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی بیوی اور بچے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے اعلیٰ وارفع اور منزہ ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ...... وہی ہے جس نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام تمام بنی نوع انسان کے اصل ہیں، انہی سے تمام لوگ پیدا ہوئے اور مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ پھر آدم علیہ السلام نے اپنی مقررہ مدت پوری کی اور پھر پیام موت آگیا اور آخرت کو سدھارے۔ اس صورت میں پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد موت اور دوسرے سے مراد آخرت ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی منقول ہے کہ پہلے لفظ ''اَجَلًا'' سے مراد تخلیق اور موت کے درمیان زندگی ہے اور دوسرے لفظ ''اَجَلٌ'' سے مراد، موت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے درمیان والی زندگی ہے(1)۔ ''اَجَلٌ'' خاص ہر انسان کی عمر ہے اور ''اَجَلٌ'' عام ساری دنیا کی عمر ہے یعنی دنیا کا کمال پھر اس کی انتہا، اختتام اور زوال پھر دار آخرت کی طرف سفر کے اوقات ''اَجَلٌ'' عام کی تعبیر ہے۔

حضرات ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد مدت دنیا اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّى'' سے مراد موت تک کی عمر انسان ہے، گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام:60) ''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک اور روایت میں آتا ہے کہ پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد نیند ہے جس میں روح قبض کر لی جاتی ہے پھر بیداری کے وقت واپس جسم میں اسے لوٹا دیا جاتا ہے اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّى'' سے مراد انسان کی موت کی مقررہ معیاد ہے۔(2)

''عِنْدَهٗ'' کا مطلب یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو اس کا علم نہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (الاعراف:187) ''اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی''۔ اور فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (النازعات:44-42) ''یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے''۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ اس کے باوجود پھر بھی تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ...... اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اگرچہ جہمیہ کے موقف کے انکار پر سب نے اتفاق کیا ہے، جہمیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہر جگہ موجود ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان میں ہر جگہ پکارا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے زمین و آسمان کے مکین اس کی الوہیت کا اقرار کرتے ہیں اور اسے اللہ کہہ کر پکارتے ہیں سوائے کافر جن

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 146　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 1475

وانس کے۔ اسی طرح کا مفہوم اس آیت کریمہ سے بھی ماخوذ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف: 84) ''اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے) یعنی وہ زمین و آسمان کے رہنے والوں کا معبود ہے نہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ معبود ہے۔ اس لئے وہ تمہارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ اور کھلی بات کو جانتا ہے۔ اس صورت میں ''يَعْلَمُ'' کا تعلق فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے ساتھ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں تمہارے مخفی اور ظاہری امور کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔

''تیسرا قول یہ ہے کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ پر وقف تام ہے۔ اس کے بعد پھر نئے سرے سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ وہ تمہارے تمام اچھے برے اعمال کو جانتا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔ بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس، سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے، پھر ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم''۔

سرکش مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جب بھی اس کی وحدانیت اور اس کے پیغمبروں کی صداقت پر دلالت کرنے والا کوئی معجزہ، نشانی یا حجت آتی ہے تو وہ اس سے اعراض کرنے لگتے ہیں، اس کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی کچھ پرواہ کرتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ......حق کو جھٹلانے پر انہیں سخت دھمکی اور وعید سنائی جارہی ہے، انہوں نے حق کو جھٹلایا، اب اس تکذیب کا نتیجہ ان کے سامنے آکر رہے گا اس کا وبال ان پر ضرور پڑے گا اور وہ یقیناً برے انجام سے دوچار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اور سابقہ امتوں کے برے انجام سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے ان جیسے لوگوں کو کس طرح دنیا میں عبرت ناک عذاب سے دوچار کیا حالانکہ وہ قوت، کثرت مال و اسباب، تسلط و غلبہ اور شان و شوکت میں ان سے

کہیں زیادہ تھے فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ..... یعنی ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو دنیا میں بہت زیادہ اموال، اولاد اعمار، جاہ و مرتبہ، خوشحالی اور لشکروں کے مالک تھے، مزید انعام یہ فرمایا کہ آسمان سے موسلا دھار بارش برسائی، زمین میں چشمے جاری کر دیئے، ہر طرف نہریں رواں تھیں، اور اس سے مقصد انہیں مہلت دینا تھا پھر ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں انہیں درجہ بدرجہ ہلاکت کی طرف لے جانا تھا۔ پس ان کے جرائم اور گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے آباد کیں۔ پہلے لوگ تو گزشتہ کل کی طرح چلے گئے اور داستان عبرت بن گئے۔ ان کے بعد ایک نئی نسل کو ہم نے پیدا کیا تا کہ ہم انہیں آزمائیں لیکن انہوں نے بھی پہلے لوگوں جیسے برے اعمال کئے اس کے نتیجہ میں انہی کی طرح انہیں بھی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا، چنانچہ اے لوگو! خبردار! کہیں تم بھی ایسے ہی اعمال بد کا مرتکب نہ ہونا ورنہ تمہیں بھی ان جیسے انجام بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تم کوئی ان سے نہ زیادہ معزز ہو اور نہ طاقتور اور جس رسول کی تم تکذیب کر رہے ہو یہ تو ان کے رسول سے بھی زیادہ محترم ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان نہ ہو تو تم سخت سزا کے حقدار ہو۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

''اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ان پر فرشتہ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب ہیں اور بلاشبہ مذاق اڑایا گیا رسولوں کا آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انہیں جو مذاق اڑاتے تھے رسولوں کا اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ فرمائیے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے عناد، ہٹ دھرمی، بہتان تراشی، تکبر اور حق کے بارے میں ان کے نزاع کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب ان پر نازل کر دیتے جیسا کہ ان کی فرمائش ہے، اور وہ اس کتاب کو اپنی آنکھوں سے اترتا ہوا دیکھ لیتے، ہاتھ کے ساتھ ٹٹول کر خوب تسلی کر لیتے پھر بھی یہ کافر کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محسوسات کے متعلق ان کے تکبر و عناد کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (الحجر: 15-14) ''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے'' اور وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا

يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور:44) ''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ''۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ...... وہ کہتے ہیں کہ آپ (رسول اکرم ﷺ) کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا تا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا۔ کفار کی اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر ہم نے ان کی فرمائش کو پورا کرتے ہوئے فرشتہ اتار دیا اور یہ کھلی دلیل دیکھ کر بھی ایمان لانے میں انہوں نے پس و پیش کی تو ان پر ایسا عذاب مسلط کیا جائے گا جو ان کی جڑوں کو بھی اکھیڑ کر رکھ دے گا، پھر مزید مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (الحجر:8) ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی''۔ اور فرمایا: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان:22) ''جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے''۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا...... اگر ہم بشر رسول کے ساتھ کسی فرشتے کو اتار دیتے تو وہ بھی بشری لباس اور انسانی شکل وصورت میں آتا تا کہ اس کے ساتھ ہمکلام ہونا اور استفادہ کرنا تمہارے لئے ممکن ہوتا، اگر ایسا ہوتا تو بھی معاملہ ان پر مشتبہ ہو جاتا جس طرح اب وہ رسول بشر کے معاملہ میں شکوک وشبہات کا شکار ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل:95) ''(ایسا نہیں ہو سکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔

یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول مبعوث فرماتا ہے تا کہ دعوت وتبلیغ، باہم گفتگو اور استفادہ کا کام آسان ہو جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ...... (آل عمران:164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں......''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فرشتہ ان کے پاس آتا تو وہ بشری لباس میں ہی آتا کیونکہ نور کی ہیبت وجلال کے باعث اسے دیکھنے کی بھی ان میں تاب نہ ہوتی (1)۔

لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ...... اور معاملہ پھر بھی ان پر مشتبہ ہو جاتا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ...... کفار کے جھٹلانے اور استہزاء کرنے پر نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور آپ ﷺ اور مؤمنین کے ساتھ فتح ونصرت اور دنیا وآخرت میں عافیت کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا...... تم زمین میں چل پھر کر دیکھو، اپنی ذات میں غور وفکر کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جھٹلانے والوں اور سرکش لوگوں کو کس دردناک عذاب اور عبرتناک انجام سے دوچار کیا، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات ان کی تباہی و بربادی کی داستان کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ تو دنیاوی عذاب تھا، آخرت میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس پر مستزاد ہے، اور یہ بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے پیغمبروں اور مومن بندوں کو بچا لیا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 152

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝

''آپ (ان سے) پوچھئے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے؟ آپ (ہی انہیں) بتایئے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے، اس نے لازم کرلیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا، یقیناً جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن ذرا شک نہیں اس میں (مگر) جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے اور اسی کا ہے جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں اور وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمایئے کیا بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا۔ فرمایئے بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا شرک کرنے والوں سے۔ آپ فرمایئے میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے۔ وہ شخص ٹال دیا گیا عذاب جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی ہے''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ وہ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کا مالک ہے اور اس نے اپنی ذات پر رحمت کرنا لازم کرلیا ہے۔ جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے پاس لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے'' (1)۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ میں لام قسمیہ ہے، اس سے پہلے قسم مقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ وہ ضرور اپنے بندوں کو ایک مقررہ روز (روز قیامت) جمع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو اس دن کے بارے میں کوئی شک نہیں۔ البتہ جھٹلانے والے سرکش کفار شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ سے رب العالمین کے حضور کھڑا ہونے کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہاں پانی کے چشمے ہوں گے؟ فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً وہاں چشمے ہیں، اولیاء اللہ انبیائے کرام کے حوضوں پر وارد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتوں کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں ہوں گی اور وہ کفار کو ان حوضوں سے دور دھکیل دیں گے'' (2)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ بھیڑ ہوگی'' (3)۔ فرمایا: ان کفار نے آخرت کے لحاظ سے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے، نہ یہ

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 384، صحیح مسلم، کتاب التوبہ، صفحہ 7-21-2108
2۔ رواہ ابن مردویہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 270

دوبارہ زندہ کئے جانے پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اس دن کے ہولناک انجام سے ڈرتے ہیں۔

وَلَہٗ مَا سَکَنَ..... زمین و آسمان میں بسنے والی ہر قسم کی مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے زیر انتظام اور زیر تصرف ہے، وہی ہر معاملہ کی تدبیر فرماتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے، ان کی حرکات، اسرار اور دلوں کے بھیدوں سے بخوبی آگاہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ جنہیں توحید عظیم اور شرع قویم کے ساتھ سرفراز فرما کر مبعوث کیا ہے اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (الزمر:64) ''آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں''۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کسی اور کو معبود نہیں بنا سکتا جس نے بغیر کسی نمونے اور مثال کے زمین و آسمان کی تخلیق کی۔ وہ تو بے نیاز ہے، وہی سب کو کھلاتا ہے لیکن اسے نہیں کھلایا جاتا، وہ بغیر کسی احتیاج کے اپنی ساری مخلوق کا رازق ہے جیسے فرمایا: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56) ''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن و انس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

بعض نے ''لَا يَطْعَمُ'' پڑھا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ خود کچھ نہیں کھاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل قبا کے ایک انصاری نے نبی کریم ﷺ کو کھانے پر بلایا، ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ دعوت پر گئے۔ آپ ﷺ کھانے اور ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو یہ دعا مانگی: ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا اور ہدایت دی، ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہر اچھی آزمائش کے ساتھ ہمیں آزمایا، شکر ہے اس ذات کا جسے نہ چھوڑا جا سکتا ہے، نہ اس کی نعمتوں کا بدلہ دیا جا سکتا ہے، نہ کفران نعمت کیا جا سکتا ہے نہ ہی اس سے بے نیاز ہونا ممکن ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، برہنگی میں لباس پہنایا، گمراہی سے ہدایت دی، باطنی اندھے پن میں بصیرت عطا فرمائی اور ساری مخلوقات پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ(1)۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ..... آپ (اے نبی معظم ﷺ) کہہ دیں کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے میں سر تسلیم خم کر دوں اور شرک سے اجتناب کروں۔ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے عظیم دن (روز قیامت) کے عذاب کا خوف ہے۔ جس شخص سے یہ عذاب ٹال دیا گیا اس پر تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔ جیسا کہ فرمایا: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران:185) پس جو شخص بچا لیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا)۔

''فَوْز'' کا معنی ہے منافع کا حصول اور خسارہ کی نفی۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَ بَيْنَكُمْ ۟ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الدعاء جلد 1، صفحہ 546

وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دکھ تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس دکھ کو سوائے اس کے اور اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ بڑا دانا ہر چیز سے خبر دار ہے۔ آپ پوچھئے کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے؟ آپ ہی بتایئے اللہ، وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں؟ آپ فرمایئے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمایئے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو؟ بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے۔''

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ نفع و نقصان کا مالک ہے، وہی جس طرح چاہے اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے والا ہے، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ اس کی تقدیر کو کوئی رد کر سکتا ہے۔

فرمایا: وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ...... اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر:2) ''جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو روک دے، تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد''۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' (1)۔ اسی لئے فرمایا: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہی وہ ذات ہے جس کے سامنے گردنیں جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر جس کی کبریائی کے سامنے سرنگوں ہیں اور چہرے جس کے سامنے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ہر چیز پر وہ غالب ہے، تمام مخلوق اس کی فرمانبردار ہے، اس کی عظمت جلالت، کبریائی، رفعت اور قدرت کے سامنے ہر چیز سرافگندہ اور عاجز ہے، ہر چیز پر اس کا حکم نافذ ہے، اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے، وہ اشیاء کے موقع و محل سے اچھی طرح آگاہ ہے، اگر وہ عطا فرماتا ہے تو مستحق کو ہی عطا فرماتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے ہی روکتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً...... سب سے بڑی شہادت کس کی شہادت ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے، وہی جانتا ہے کہ میں کونسا پیغام تمہارے پاس لیکر آیا ہوں اور یہ بھی جانتا ہے کہ تم نے اس کے جواب میں کیا کہا اور یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور ہر اس شخص کو بھی جس تک یہ قرآن پہنچے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 3، صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 343

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔

مَنْۢ بَلَغَ سے مراد وہ شخص ہے جس تک قرآن پہنچ جائے، جس شخص تک قرآن کریم پہنچ گیا گویا اس کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہو گئی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ، جس شخص تک کتاب اللہ کی ایک آیت بھی پہنچ گئی اس تک اللہ کا پیغام پہنچ گیا'' (1)۔ ربیع بن انس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے والے پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کی طرح دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے اور لوگوں کو خبردار کرے۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ...... اے مشرکو! کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ آپ فرمادیں کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ (الانعام:150) ''پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ گواہی دیجئے''۔ اور فرمایا: قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

پھر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور قرآن کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں کیونکہ گزشتہ انبیاء ورسل کو آپ کے اوصاف وکمالات اور اخبار وعلامات کا علم تھا۔ تمام رسولوں کو آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی تھی، آپ ﷺ کے وصف، آپ ﷺ کے وطن، ہجرت کے مقام حتیٰ کہ آپ ﷺ کی امت کے وصف کا ذکر بھی ان کی کتابوں میں مرقوم تھا، اس لئے فرمایا: اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا ہے یہ وہی ہیں جو آپ ﷺ کی ذات پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ سارے پیغمبر آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری سناتے رہے، ہر دور میں آپ ﷺ کی شان بیان کرتے رہے اور آپ ﷺ کے وجود کی پیشین گوئی کرتے رہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ...... اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث فرمایا ہی نہ ہو اور اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور دلائل وبراہین کو جھٹلائے۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ نہ جھوٹی تہمت لگانے والا فلاح پائے گا اور نہ جھٹلانے والا۔

وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اور (یاد کرو) وہ دن جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے انہیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمہارے شریک

1۔ مصنف عبد الرزاق بحوالہ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 13

جن کے (خدا ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔ پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہو گئیں ان سے جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تا کہ نہ سمجھیں وہ اسے اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے، آپ سے (تو) کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصے پہلے لوگوں کے۔ اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ قیامت کے دن ہم ان سب کو جمع کریں گے اور ان سے ان بتوں اور معبودوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے خدا ہونے کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصص:72) ''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے''۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ...... یہاں فتنہ کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی حجت بتایا ہے۔ عطاء خراسانی کے نزدیک اس کا معنی معذرت ہے، فتنہ کا معنی آزمائش بھی کیا گیا ہے۔ جواب میں ان کی معذرت اور حجت یہی ہوگی کہ اللہ کی قسم ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔ ابن جریر اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت آزمائش کے وقت شرک سے عذر پیش کرتے ہوئے ان کا یہی بہانہ ہوگا کہ وہ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو شرک کا ارتکاب کیا ہی نہیں (1)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں تو صرف اہل صلوٰۃ ہی داخل ہو رہے ہیں تو آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم شرک کا انکار کر دیں، چنانچہ وہ شرک کا انکار کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دے گا تو پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے، اے شخص! کیا اب بھی تمہارے دل میں کوئی شک ہے؟ قرآن کریم میں جس چیز کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہ صریح ہے، وضاحت طلب نہیں، لیکن تم اس کی توجیہہ نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور منافقین تو مدینہ شریف میں ظاہر ہوئے۔ منافقین کے بارے میں تو آیت مجادلہ اتری يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ (المجادلہ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے'' اور اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ'' جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ''ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا (المومن:74-73)'' پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا (بصد یاس) کہیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے''۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 167

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ......ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، لیکن یہ ان کے لئے ذرا بھی مفید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے جس کے باعث وہ نفع رساں سماعت سے محروم ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرہ:171)۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا......جس قدر بھی دلائل و براہین اور آیات و بنیات دیکھ لیں پھر وہ بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ عقل سے عاری ہیں اور انصاف سے کوسوں دور۔ جیسا کہ فرمان ہے: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (الانفال:23)۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ......جب وہ آپ کے پاس حجت بازی اور حق کے معاملہ میں فضول مناظرہ کے لئے آتے ہیں تو وہ کافر کہہ دیتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ پہلی کتابوں سے ماخوذ اور منقول ہے، وہ نہ صرف لوگوں کو نبی کریم ﷺ سے روکتے ہیں بلکہ خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

يَنْهَوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں: 1۔ وہ لوگوں کو اتباع حق، تصدیق رسول اور اطاعت قرآن سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں، گویا دو افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں، نہ خود استفادہ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو استفادہ کرنے دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے سے دور رکھتے ہیں(1)۔

2۔ لوگ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچاتے تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب لوگوں کو اذیت رسانی سے منع کرتے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اتری اور یہی يَنْهَوْنَ کا مفہوم ہے(2)۔ سعید بن ابی ہلال کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں اتری ان کی تعداد دس تھی، بظاہر وہ آپ ﷺ کے بڑے غمخوار اور ہمدرد تھے لیکن مخفی طور پر سب سے زیادہ مخالف تھے، یہ سب قبل نبی ﷺ سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن خود ایمان کی دولت سے محروم تھے۔

وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ وہ لاشعوری طور پر اس کرتوت کے ذریعے اپنی ہی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں اور اس کا وبال انہی پر پڑنے والا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 172 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 173، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2، صفحہ 315

کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے اللہ کے حضور میں۔ اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اٹھنا) حق نہیں؟ کہیں گے بیشک (حق ہے) ہمارے رب کی قسم۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ کفار کی اس حالت کو بیان فرما رہا ہے جب روز قیامت وہ جہنم کے کنارے کھڑے ہوں گے، طوق اور زنجیروں کا مشاہدہ کریں گے اور اپنی آنکھوں سے قیامت کے ہوشربا اور دلدوز امور کو دیکھیں گے تو کہہ اٹھیں گے يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ...... یعنی وہ تمنا کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ موقعہ دیا جائے اور دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے تا کہ وہ نیک اعمال کریں، اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں بلکہ مؤمنین میں سے ہو جائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ...... اپنے دلوں کے اندر جس کفر، تکذیب اور معاندت کو چھپائے ہوئے تھے وہ سب کچھ ظاہر اور عیاں ہو گیا اگر چہ دنیا یا آخرت میں انہوں نے اس کا انکار کیا ہو جیسا کہ ذرا پہلے اللہ تعالیٰ فرمایا تھا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۞ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الانعام: 24-23) " پھر نہیں ہو گا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر"۔ اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ قیامت کے دن یہ عیاں ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں پیغمبروں کی صداقت کو جانتے تھے اگر چہ اپنے پیروکاروں اور چیلوں کے سامنے اس کے برعکس کا اظہار کیا کرتے تھے، تو جاننے کے باوجود ایمان نہ لانا اس دن ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے فرعون سے کہا: لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل: 102) " تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں"۔ فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14) " اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا"۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ منافقین ہوں جو لوگوں کے سامنے تو اپنے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے لیکن دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ یہاں کفار کی کلام کی خبر دی جا رہی ہے جو وہ روز قیامت کریں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورت تو مکی ہے اور نفاق بعض اہل مدینہ اور اطراف مدینہ کے بدوؤں میں ظاہر ہوا تھا پھر اس کی تفسیر منافقین سے کرنا کیسے ممکن ہے؟ ان سے منافقین مراد لینے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ نفاق مدینہ شریف میں ہی ظاہر ہوا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں بھی تو وقوع نفاق کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ سورت مکی ہے۔ فرمایا: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت: 11) " اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو"۔ اس صورت میں دار آخرت میں منافقین کی بابت خبر دی جا رہی ہے کہ جب وہ عذاب کا معائنہ کریں گے تو اس وقت ان کے کرتوتوں کا نتیجہ سامنے آ جائے گا اور وہ دنیا میں اپنے دل میں جو کفر، نفاق اور بغض مخفی کئے بیٹھے تھے وہ عیاں ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ میں اضراب کا معنی یہ ہے کہ وہ جو دنیا کی طرف واپسی کی تمنا کر رہے ہیں وہ اس بناء پر نہیں کہ انہیں ایمان کے ساتھ شدید محبت اور لگاؤ ہے بلکہ

اس عذاب کے خوف سے جس سے وہ اپنے کفر ونفاق کی پاداش میں دوچار ہوئے اس لئے وہ دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنے کا سوال کریں گے تاکہ وہ اس عذاب سے رہائی حاصل کرلیں جس کا مشاہدہ وہ کر چکے ہیں۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ...... بالفرض اگر ان کی خواہش کو پورا کر بھی دیا جائے اور انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے پھر بھی وہ پہلے کی طرح کفر ونفاق اور مخالفت حق پر کمربستہ ہوجائیں گے۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے بلکہ مومن بن جائیں گے یہ بات سراسر جھوٹ ہے بلکہ دنیا میں لوٹ کر پھر یہی کہیں گے کہ زندگی تو محض دنیاوی زندگی ہی ہے اور ہم دوبارہ زندہ کرکے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ...... کاش کہ آپ دیکھتے جب انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا قیامت اور دوبارہ زندہ کیا جانا برحق نہیں ہے اور تم جو اعتقاد رکھتے تھے وہ باطل نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: بے شک، اپنے رب کی قسم! پھر حکم ہوگا کہ اپنے کفر اور تکذیب کا مزہ چکھو، اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (الطور:15) ''کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی''۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

''بے شک خسارہ میں رہے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو یہاں تک کہ جب آگئی ان پر قیامت اچانک بولے ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں اور وہ اٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر، ارے کتنا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے''۔

لقاء باری تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے خسارہ، نامرادی اور ان کی بے راہ روی اور افعال قبیحہ پر ندامت کے بارے میں خبر دی جارہی ہے کہ جب قیامت اچانک آئے گی تو وہ اپنی کوتاہیوں اور اعمال بد پر کف افسوس ملیں گے۔ ''فِيْهَا'' میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع حیات دنیوی، اعمال اور دار آخرت ہوسکتا ہے۔ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے اور یہ کس قدر برا بوجھ ہے! قتادہ کہتے ہیں کہ ''يَزِرُوْنَ'' یعنی ''يَحْمِلُوْنَ''۔ ابن مرزوق کہتے ہیں کہ کافر یا فاجر جب اپنی قبر سے نکلے گا تو وہ ایک مجسمہ دیکھے گا جو انتہائی بدشکل اور سخت بدبودار ہوگا وہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے تیرے چہرے کو بدشکل بنادیا ہے اور تجھے بدبودار کردیا ہے، وہ کہے گا: میں تمہارا عمل خبیث ہوں، جس کا ارتکاب تو دنیا میں کیا کرتا تھا، دنیا میں کتنا طویل عرصہ تو مجھ پر سوار رہا اب میں تجھ پر سواری کروں گا، یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کوئی ظالم اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک بدصورت، سیاہ رنگ، بدبودار اور میلے کچیلے کپڑوں والا بھی سکونت پذیر ہوجاتا ہے، وہ ظالم اسے دیکھ کر کہتا ہے: تو کتنا بدشکل ہے! وہ کہتا ہے کہ اسی طرح تیرا عمل قبیح تھا، میں اس کا

عکس ہوں، وہ کہے گا، تو کس قدر بدبودار ہے! وہ جواب دے گا: اسی طرح تمہارے اعمال بدبودار تھے، پھر وہ کہے گا: تیرے کپڑے کتنے میلے کچیلے ہیں! وہ جواب دے گا: تمہارے اعمال بھی ایسے ہی تھے، ظالم اس سے پوچھے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل ہوں۔ پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ رہے گا۔ قیامت کے دن جب اسے اٹھایا جائے گا تو وہ ظالم سے کہے گا کہ دنیا میں میں نے تجھے لذات و شہوات سمیت اٹھائے رکھا اور آج تو مجھے اٹھائے گا، پھر وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو جائے گا اور اسے دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائے گا، یہی اس آیت کا مفہوم ہے (1)۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ...... اکثر دنیاوی زندگی لہو ولعب اور کھیل کود ہے، دار آخرت تو صرف متقین کے لئے ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

”(اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آ پہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں۔ اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے) روگردانی کرنا تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کر لو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔ صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے“۔

قریش کی تکذیب اور مخالفت پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ ہمیں ان کی تکذیب اور آپ ﷺ کے حزن وملال کا اچھی طرح علم ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: 8) ”پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے“ اور فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: 3) ”(اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے“۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: 6) ”تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے“۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ...... درحقیقت وہ آپ کو کذب سے متہم نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم حق کے ساتھ معاندت اور نفرت کے باعث وہ اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 179

تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آپ کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلاتے ہیں تو اس پر یہ آیت اتری(1)۔

ابویزید مدنی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ابوجہل کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا تو کسی آدمی نے اس سے کہا کہ تم اس بے دین شخص سے مصافحہ کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے علم ہے کہ یہ نبی ہے لیکن ہم نے کب عبد مناف کی غلامی قبول کی؟ اس پر ابویزید نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ ابوصالح اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

امام زہری رحمتہ اللہ علیہ ابوجہل کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک شب ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق حضور ﷺ کی تلاوت قرآن سننے کے لئے آئے، وہ اس طرح چپکے سے آئے کہ کسی کو دوسرے کے بارے میں محسوس تک نہ ہوا۔ وہ صبح تک قرآن سنتے رہے، صبح کا اجالا ہوا تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی، رستہ میں تینوں کی ملاقات ہوگئی تو ہر ایک دوسرے سے پوچھنے لگا کہ کیسے آنا ہوا؟ ہر ایک نے اپنا مقصد بیان کر دیا، پھر تمام نے یہ عہد کیا کہ دوبارہ قرآن سننے کے لئے نہیں آئیں گے کیونکہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ انہیں دیکھ کر کہیں نوجوان اس آزمائش میں نہ پڑ جائیں اور کہیں اسلام کی طرف نہ راغب ہو جائیں۔ جب دوسری رات ہوئی تو ان میں سے ہر ایک شخص پھر تلاوت قرآن سننے کے لئے آ گیا اور یہ سمجھنے لگا کہ اس کے باقی دونوں ساتھی معاہدہ کا پاس کرتے ہوئے نہیں آئیں گے، صبح کے وقت جب تینوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ایک مرتبہ پھر معاہدہ کیا کہ دوبارہ اس غرض کے لئے نہیں آئیں گے۔ تیسری رات پھر یہ تینوں حضور ﷺ کی محفل میں حاضر ہو گئے، صبح ہوئی تو پھر ایسا نہ کرنے کا عہد کر لیا، پھر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ اب اخنس بن شریق اپنی لاٹھی تھامے ابوسفیان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: اے ابوحنظلہ! جو قرآن تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوثعلبہ! اللہ کی قسم! میں نے چند ایسی چیزیں سنی ہیں جنہیں میں خوب پہچانتا ہوں اور ان کے مفہوم کو بھی سمجھتا ہوں لیکن چند چیزیں ایسی سنی ہیں جنہیں نہ تو میں جانتا ہوں اور نہ ہی مجھے ان کے مفاہیم کا علم ہے، تو اخنس نے کہا! اللہ کی قسم! میری حالت بھی ایسی ہے، پھر وہ وہاں سے نکل کر ابوجہل کے گھر آیا اور پوچھنے لگا: اے ابوالحکم! جو کچھ تم نے محمد ﷺ سے سنا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور تم نے کیا سنا؟ ابوجہل نے جواب دیا: ہم اور بنی عبد مناف سیادت اور شرف کے حصول کے لئے جھگڑتے رہے، انہوں نے دعوتیں کیں تو ہم نے بھی دعوتیں کیں، انہوں نے بھلائی کے کام کئے تو ہم نے بھی کئے، وہ لوگوں کو عطا کرتے رہے تو ہم بھی نوازشات کرتے رہے یہاں تک کہ جب ہم قافلہ سے بازی لے گئے اور مقابلہ کے دو گھوڑوں کی طرح (ہم مرتبہ) ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس کے پاس آسمان سے وحی اترتی ہے، ہم بھلا یہ شرف کہاں سے حاصل کریں؟ اللہ کی قسم! ہم نہ تو اس پر ایمان لائیں گے اور نہ تصدیق کریں گے۔ یہ بات سن کر اخنس چلا گیا(2)۔

اس آیت کے بارے میں سدی کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق نے بنو زہرہ سے کہا کہ محمد ﷺ تمہارا بھانجا ہے اور تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ اپنے بھانجے کا دفاع کرو کیونکہ اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں تو آج تمہیں اس سے نہیں لڑنا چاہئے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو تمہیں یہ زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی سے باز رہو۔ ذرا ٹھہرو، میں ابوالحکم (ابوجہل) سے ملاقات کر لوں۔ اگر وہ محمد ﷺ

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2، صفحہ 315-316

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 315-316

پر غالب آ گیا تو صحیح سالم واپس چلے جاؤ گے اور اگر اس جنگ میں محمد ﷺ غالب آ گیا تو تم نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ کی ہی نہیں، اسی دن سے اس کا نام اخنس پڑ گیا حالانکہ اس کا نام "ابی" تھا۔ اب اخنس تنہائی میں ابوجہل سے ملا اور کہا: اے ابوجہل! مجھے بتاؤ، کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں میرے علاوہ اور کوئی قریشی نہیں ہے جو ہماری بات سن سکے۔ تو ابوجہل نے کہا: افسوس ہے تم پر، محمد ﷺ واقعی سچے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر بنو قصی علم برداری، موسم حج میں سقایت، کعبہ شریف کی کلید برداری اور نبوت کا شرف لے جائیں تو قریش کے لئے کونسا شرف باقی رہ جاتا ہے؟ اسی بناء پر فرمایا: فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ..... آیات سے مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے(1)۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ..... اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی اور ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دے رہا ہے جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ فرما رہا ہے جس طرح دوسرے رسولوں کی مدد کی گئی اور انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا گیا یہاں تک کہ تکذیب اور اذیت رسانی کے بعد عاقبت انہی کے حصہ میں آئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت کی نصرت حاصل ہوگئی۔ اسی لئے فرمایا: لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات: 173-171) "اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے"۔ اور فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلۃ: 21) "اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے"۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِي الْمُرْسَلِيْنَ سابقہ انبیاء و رسل کے حالات سے آپ ﷺ آگاہ ہو چکے کہ کیسے جھٹلانے والوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی گئی اور توفیق ایزدی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ اس میں آپ ﷺ کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ..... حق سے ان کا روگردانی کرنا اگر آپ پر گراں گزرتا ہے تو آپ اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتے، اگر آپ یہ کر سکتے ہیں کہ زمین میں سرنگ لگا کر کوئی نشانی لے آئیں یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائیں اور کوئی بہتر نشانی لے آئیں تو ایسا کر گزریں، اس کے باوجود یہ ایمان نہیں لائیں گے (2)۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا ایمان لانا منظور ہوتا تو وہ ضرور انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا، اس لئے آپ حقیقت کا علم نہ رکھنے والے لوگوں میں سے نہ ہو جائیں، اسی طرح کا ایک اور ارشاد ہے: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس: 99) "حضرت ابن عباس آیت کریمہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے بہت زیادہ حریص تھے کہ تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں اور ہدایت پر آپ ﷺ کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ ایمان تو وہی لاتا ہے جس کے مقدر میں ازل سے ہی یہ سعادت لکھی جا چکی ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ اے محمد ﷺ! آپ کی دعوت پر تو صرف وہی لوگ لبیک کہیں گے جو آپ کی بات سننے، سمجھنے اور محفوظ رکھنے کی استعداد رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا۔ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (یاسین: 70) "تا کہ وہ بر وقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 182-181 4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 184

خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تا کہ حجت تمام کردے کفار پر''۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ...... ''موتى'' (مردوں) سے مراد کفار ہیں، ان کے دل مردہ ہیں، انہیں ان مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے اجسام سے روحیں نکل چکی ہوں، اس سے مقصود کفار کی رسوائی اور تذلیل ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

''اور بولے کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے؟ آپ فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے۔ اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وہ) بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں (سرگرداں ہیں)، جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اور جسے چاہے لگا دے اسے سیدھے راستہ پر''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں بتا رہا ہے کہ وہ کوئی نشانی یا خارق عادت بات کا مطالبہ کر رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ایمان کے لئے یہ شرط لگائی کہ زمین میں چشمے جاری ہو جائیں لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (بنی اسرائیل:59) ''ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کریں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ''۔ اس مطالبہ پر فرمایا کہ اے محبوب! آپ انہیں بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح قادر ہے لیکن اس کی حکمت تاخیر کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے اگر اس نے کوئی نشانی نازل کر دی اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا جیسا کہ گزشتہ امتوں کے ساتھ ہو چکا ہے، قوم ثمود کو دیکھو جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل:90) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔ اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر۔ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔ اور فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (الشعراء:4) ''اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئیں''۔

وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ...... ''اُمَمٌ'' کا معنی ہے اصناف، یعنی جانور اور پرندے تمہاری طرح انواع و اقسام کے ہیں جن کے اپنے اپنے نام ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پرندے، جن اور انسان الگ الگ امتیں ہیں اور یہ تمہاری طرح ہی اللہ کی مخلوق ہیں (1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 188-187

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہر قسم کی مخلوق بری ہو یا بحری اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ کسی کے رزق اور انتظام سے غافل نہیں ہوتا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق، وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔ وہ تمام مخلوقات کے اسماء، تعداد، مقامات حتیٰ کہ ان کی حرکات و سکنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، فرمایا: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاكُمْ ۖ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (العنکبوت:60) ''اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہ آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ دل گرفتہ ہو گئے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے شام عراق وغیرہ کی طرف کچھ آدمی بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا وہاں ٹڈی دل دکھائی دیا ہے؟ یمن کی طرف بھیجا گیا آدمی مٹھی بھر ٹڈیاں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا اور انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو تین بار اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں، ان میں سے چھ سو سمندر میں ہیں اور چار سو خشکی میں، ان امتوں (مخلوقات) میں سے سب سے پہلے ٹڈی دل کو ہلاک کیا جائے گا، اس کی ہلاکت کے ساتھ لگا تار مخلوقات کی ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جیسے لڑی ٹوٹنے کے بعد منکے گرنے لگتے ہیں''(1)۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جانوروں کی موت ہی ان کا حشر ہے،(2) ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بہائم کے حشر سے مراد یہ ہے کہ انہیں روز قیامت دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا جس طرح فرمایا: وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر: 5) ''اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکروں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سینگ مار رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیوں سینگ مار رہے ہیں؟'' عرض کی: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور قیامت کے دن ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا''(3)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں تک کے بارے میں آگاہ کر دیا(4)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے سینگ قیامت کے دن سینگ والے سے قصاص لے گا''(5)۔

حضرت ابو ہریرہ ''اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مخلوق چوپائے، جانور، پرندے وغیرہ کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور اس کا عدل اپنی انتہاء کو پہنچ جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ سینگ والے سے قصاص لے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب مٹی بن جاؤ، اس لئے اس وقت کافر بھی یہ تمنا کرے گا: یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا (النباء:40) ''کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''(6)۔

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ہماری آیات کو جھٹلانے والے جہالت، قلت علم اور عدم فہم میں گونگوں اور بہروں کی طرح ہیں نہ وہ گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ تاریکیوں میں سرگرداں ہیں، انہیں کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا، پھر بھلا وہ کیسے

1۔ کنز العمال، صفحہ 31484 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 188 | 3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 162
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 189 | 5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 72 | 6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 189-188

ان تاریکیوں سے نکل کر راہ راست پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۞ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۞ (البقرہ:18-17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے''۔ اسی طرح فرمایا: أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۚ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:40) ''یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر ایک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل۔ (تہ درتہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں''۔ اسی لئے فرمایا: مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ...... وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمانے والا ہے۔

قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۞ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلٰىٓ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۞ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۚ حَتّٰىٓ إِذَا فَرِحُوْا بِمَآ أُوْتُوْٓا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۞ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

''آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آ جائے تم پر قیامت کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اسی کو پکارو گے تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لئے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں جنہیں تم نے شریک بنا رکھا تھا۔ اور بے شک بھیجے ہم نے رسول امتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب انہوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انہیں سختی اور تکلیف سے تاکہ وہ گڑگڑائیں۔ تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور آراستہ کر دیا ان کے لئے شیطان نے جو وہ کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرے اور اپنی مخلوق میں جیسے چاہے تصرف کرتا ہے، اس کے حکم کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ ٹال سکتا ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب اس سے مانگا جائے تو وہ جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے، اسی لئے فرمایا: ''قُلْ

اَرَءَيْتَكُمْ...... "ذرا بتاؤ تو سہی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے تو اللہ کے علاوہ کس کو پکارو گے، مطلب یہ ہے کہ تم غیر اللہ کو نہیں پکارو گے کیونکہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس عذاب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا، اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرانے میں واقعی سچے ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو، بلکہ بوقت ضرورت تم اسی کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو تم سے عذاب کو دور کر دے گا، اس وقت تمام بت اور شرکاءتم سے پہلو بچا کر رفو چکر ہو جائیں گے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل:67) "اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے"۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ......ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے۔ جب انہوں نے جھٹلایا اور نافرمانی کی تو ہم نے انہیں فقر، تنگدستی اور امراض و آلام کے عذاب میں جکڑ لیا تا کہ وہ خشوع و خضوع سے گڑگڑاتے ہوئے اسی کو پکاریں۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا...... جب انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے اور کیوں نہ انہوں نے ہماری طرف رجوع کیا۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو چکے ہیں، نہ ان میں رقت ہے اور نہ خشوع وخضوع، اسی وجہ سے وہ متاثر نہیں ہوتے، مزید برآں شیطان نے ان کے لئے شرک، معاندت اور معاصی کو آراستہ کر دیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ...... جب انہوں نے پند ونصائح سے روگردانی کی اور انہیں پس پشت ڈال دیا تو ہم نے بڑی فراوانی کے ساتھ رزق کے دروازے ان پر کھول دیئے تا کہ ڈھیل دیکر انہیں درجہ بدرجہ عذاب کے قریب کیا جائے۔ اس خفیہ تدبیر سے اللہ کی پناہ! اسی لئے فرمایا: "حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا......" جب وہ اموال، اولاد اور ارزاق کی فراوانی پر شاداں وفرحاں ہو گئے تو ہم نے اچانک غفلت میں ہی انہیں پکڑ لیا جب کہ وہ ہر خیر سے مایوس ہو چکے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے وسیع رزق عطا فرماتا ہے اور اسے یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے تو اس کی کوئی رائے نہیں، اور جس پر اللہ تعالیٰ تنگدستی مسلط کر دے اور وہ غور وفکر نہ کرے کہ اسے مہلت دی گئی ہے اور آزمایا گیا ہے تو ایسے شخص کی بھی کوئی رائے نہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی، رب کعبہ کی قسم! مجرموں کو جب پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے انہیں اپنی نعمتیں عطا فرما دیتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کو اس وقت اپنے عذاب میں جکڑتا ہے جب وہ گمراہی میں مست ہو جائیں اور اللہ کے انعامات سے دھوکے کا شکار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ نہ کھاؤ کیونکہ دھوکہ کھانے والے فاسق لوگ ہی ہوتے ہیں۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ، "اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ" سے مراد دنیاوی آسائش وآرام اور مال ودولت کی فراوانی ہے۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم کسی کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے باوجود گناہوں کے حسب خواہش عطا فرما رہا ہے تو سمجھ لو یہ استدراج (ڈھیل) ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ......(1)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے: "جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بقاء اور ترقی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے میانہ روی اور پاکدامنی کی نعمت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی جڑ کاٹنے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر رزق فراخ کر دیتا ہے اور خیانت کا دروازہ کھول دیتا ہے، فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً......(2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145، تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 195 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 22

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

''آپ فرمایئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا جو لا دے تمہیں یہ چیزیں؟ ملاحظہ ہو کس کس رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ آپ فرمایئے یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا تو کون ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے کے لئے اور (عذاب جہنم سے) ڈرانے کے لئے۔ تو جو ایمان لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انہیں عذاب بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ سرکش جھٹلانے والوں سے کہہ دیں کہ تم ذرا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور بصارت کو سلب کر لے جس طرح یہ نعمت اس نے تمہیں عطا کر رکھی ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ (الملک:23) ''فرمایئے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور بنائے تمہارے لئے کان، آنکھیں'' یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سماعت و بصارت کے ذریعے انتفاع شرعی سے محروم کر دیئے گئے۔ ہیں اسی لئے فرمایا: وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ (یونس:31) ''یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا'' اور فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (الانفال:24) ''اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان''۔

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ یعنی اگر تمہاری سماعت و بصارت کو سلب کر لیا جائے تو اللہ کے سوا کیا کوئی انہیں لوٹانے پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں، کسی میں یہ طاقت نہیں۔ اسی لئے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ذرا غور کرو کہ ہم اپنی باتیں اور دلائل کس قدر وضاحت سے بیان فرماتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ان کے بنائے ہوئے معبود سب باطل اور سراپا گمراہی ہیں، لیکن تعجب اس پر ہے کہ وہ باوجود اس بیان اور وضاحت کے حق سے روگردانی کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو اتباع حق سے روکتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ...... ان سے فرمایئے جانتے ہو کہ اگر اچانک تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور غفلت کے عالم میں تمہیں آ دبوچے یا وہ عذاب کھلم کھلا تمہارے پاس آ جائے تو اس کی گرفت میں وہی ظالم لوگ آئیں گے جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے اور اللہ کے وہ بندے نجات پا جائیں گے جو خدائے واحد کی عبادت کرتے رہے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام:83) ''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے''۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ...... ہم پیغمبروں کو مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو خیرات کی خوشخبری دیں اور کفار کو عقوبت وعذاب سے ڈرائیں اسی لئے فرمایا: فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ...... پیغمبروں کے پیغام کو جس نے دل وجان سے قبول کرلیا اور ان کی اتباع کرکے اپنے اعمال کو سنوار لیا تو انہیں مستقبل کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہوگا اور ماضی میں جو چیز ان سے فوت ہوگئی، اور اپنے پیچھے دنیا میں جو امور چھوڑے ان پر انہیں کوئی حزن نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پچھلوں کا اللہ تعالیٰ حامی وناصر ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا...... جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اس پاداش میں کہ انہوں نے رسولوں کے ساتھ کفر کیا، اللہ کے اوامر اور اطاعت سے اجتناب کیا، نواہی اور محارم کا ارتکاب کیا اور حرمات کی پردہ دری کی ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

”آپ فرمائیے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔ نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف۔ آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا تو کیا تم غور وفکر نہیں کرتے۔ اور ڈرائیے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اٹھایا جائے گا انہیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی، (انہیں ڈرائیے) تاکہ یہ (کامل) پرہیز گار ہو جائیں۔ اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے، نہیں آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے تو پھر بھی اگر آپ دور ہٹائیں انہیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے۔ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار (بندوں کو) اور جب آئیں آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمائیے سلام ہو تم پر، لازم کرلیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے

آپ پر رحمت فرمانا، تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے برائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرما رہا ہے، (اے حبیب) آپ فرما دیں لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ (1)۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانے نہ تو میرے قبضہ میں ہیں اور نہ ہی میں خود بخود (بغیر اذن الٰہی) ان میں تصرف کر سکتا ہوں، اور نہ میں اس بات کا مدعی ہوں کہ میں از خود غیب کو جان لیتا ہوں بلکہ علم غیب تو (ذاتی طور پر) صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے اور میں صرف اس غیب سے باخبر ہوتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے آگاہ فرما دے۔ اور نہ میں اس بات کا دعویدار ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو بشر ہوں، کوئی عام بشر نہیں بلکہ ایسا بشر ہوں جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی اترتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے اور مجھے وحی کے متحمل ہونے کا شرف مرحمت فرمایا ہے، میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو صرف یہ ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ جو وحی میری طرف ہوتی ہے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں، اس سے بالشت بھر بلکہ اس سے بھی کمتر انحراف نہیں کرتا۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ آپ فرما دیں کہ کیا وہ شخص جو حق کی پیروی کرتا ہے اور اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وہ شخص جو گمراہی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور حق کی اتباع نہیں کرتا دونوں برابر ہو سکتے ہیں: اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ کیا تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الرعد:19) ''تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں''۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ...... اے محمد آپ اس قرآن کریم کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے رب کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں، اپنے رب اور برے حساب سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اندیشہ رکھتے ہیں قیامت کے دن انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کیا جائے گا، اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے رہائی کے لئے سفارش کرے اگر اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے۔ آپ انہیں اس دن سے ڈرائیں جس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی حاکمیت نہیں ہوگی تاکہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور دنیا میں ایسے اچھے اعمال کریں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اپنے عذاب سے چھٹکارا عطا فرمائے اور

1۔ کفار مکہ صرف دنیاوی زندگی پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی جدوجہد اور کدوکاوش کا محور دولت، عزت، اقتدار اور وقار کا حصول تھا۔ شرف انسانی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہ تھا، غربا کو لوٹنا، اقربا کو قتل کرنا، اپنی ہی بچیوں کو زندہ درگور کرنا، رہزنی، غارت گری، شراب نوشی، بدکاری اور بدمعاشی ان کا مشغلہ تھا۔ گویا انسانی لباس میں وہ وحشی درندے تھے جن کے لئے یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ انسان بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتا ہے، اس لئے جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو یہ مشرکین طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے کہ ان کی مالی حالت سدھر جائے صحرا گلزار بن جائیں، پہاڑوں کی جگہ کھیت لہلہانے لگیں، ندیاں بہنے لگیں، چوری ہو جائے تو چور کا سراغ بتائیں وغیرہ۔ پھر وہ دیکھتے کہ آپ کھاتے پیتے ہیں، دنیاوی کاروبار کرتے ہیں اور آپ کے بال بچے بھی ہیں۔ اس بگڑی ہوئی پست ذہنیت کی اصلاح کے لئے آپ ﷺ تشریف لائے اور واضح کر دیا کہ مجھے مادی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ میری بعثت کا مقصد نیکی، تقویٰ، پاکیزگی اور خوش اخلاقی کا درس دینا ہے۔ میری ذات میں تم جن عمدہ افکار، بلند کردار، اعلیٰ اخلاق، علمی کمالات اور معجزات کا مشاہدہ کر رہے ہو، ان سب کے باوجود میں انسان ہوں فرشتہ نہیں۔ میرے یہ کمالات دیکھ کر مجھے خدا نہ سمجھ لینا۔ مجھے خدائی کا دعویٰ نہیں اور نہ اس بات کا کہ اللہ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں، خود بخود جیسے چاہوں تصرف کروں یا مجھے اللہ کے بتلائے بغیر خود بخود غیب کا علم ہو جاتا ہے، یہ دعویٰ بھی نہیں بلکہ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کو علم، اختیار اور بشریت میں عام انسانوں کی طرح سمجھنے والوں کا رد اس طرح فرما دیا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ (جس کی آنکھیں اللہ کے نور سے روشن ہوں اور جو اندھیرے میں بھٹک رہا ہو، کیا دونوں یکساں ہیں؟)

گرانقدر اجر وثواب سے نوازے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ... وہ خوش قسمت جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں آپ انہیں ہرگز اپنے آپ سے دور نہ ہٹائیں بلکہ اپنے ہم نشین اور مقربین بنائے رکھئے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف:28) ''اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں، صبح وشام اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے ہی دست سوال دراز کرتے ہیں۔ حضرات سعید بن مسیّب، مجاہد، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرض نماز ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:60) ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔ ان اعمال صالحہ سے ان کا مقصود محض رضائے الٰہی کا حصول ہے، اور جس قدر بھی انہیں عبادت واطاعت کی توفیق ارزانی ہوتی ہے اس میں وہ انتہائی مخلص ہیں۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ... جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان بدبختوں کے جواب میں کہا تھا جو ایمان لانے پر آمادہ نہیں تھے: قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ (الشعراء: 111-113) ''انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے''۔ یعنی (ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، ان کا حساب مجھ سے نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی میرا حساب ان سے)۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر آپ ان فرمانبرداروں کو دور ہٹا دیں گے تو آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند سربرآوردہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ آپ کے پاس حضرات خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! کیا یہی (گھٹیا) لوگ آپ کو پسند ہیں؟ تو ان لوگوں کے بارے میں وحی اتری: وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ... اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ(1)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ چند معززین قریش کا حضور ﷺ کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ کے پاس صہیب، عمار، بلال اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے نادار صحابہ حاضر تھے، انہوں نے کہا: اے محمد! کیا یہی آپ کے پسندیدہ لوگ ہیں؟ کیا یہی لوگ ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر ان پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے؟ کیا ان فاقہ مستوں کی پیروی کرتے ہوئے ہم تمہارے پیروکار بن جائیں؟ انہیں اپنی بارگاہ سے نکال باہر کریں، اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں گے تو ہم آپ کی پیروی کریں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نازل ہوا۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ... وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (2)۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ... کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس اور عیینہ

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 420 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 200

بن حصین وغیرہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرات صہیب، بلال، عمار، خباب جیسے غریب و مسکین صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں، جب شمع رسالت ﷺ کے اردگرد ان نادار پروانوں کو دیکھا تو انہیں بڑے حقیر لگے، تنہائی میں وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ شریک مجلس ہونا چاہتے ہیں لیکن یہ ایسی ممتاز مجلس ہو جس کے باعث سارے عرب ہماری فضیلت کے معترف ہو جائیں، آپ کے پاس عربوں کے وفود آتے رہتے ہیں ہمارے لئے یہ باعث شرم ہے کہ وہ ہمیں ان گنواروں کے ساتھ دیکھیں، اس لئے جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنی محفل سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم فارغ ہو جایا کریں تو پھر اگر آپ کی مرضی ہو تو انہیں اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا کہ ہمیں اس معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ دیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ تحریر کرنے کے لئے بلایا اور ہم (نادار صحابہ) ایک کونے میں دبکے بیٹھے تھے کہ جبریل امین وحی لیکر آئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ اس آیت کا اثر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کاغذ پھینک دیا اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا، چنانچہ ہم حاضر خدمت ہو گئے (1)۔ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اقرع بن حابس اور عیینہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد اسلام آئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت چھ صحابہ کرام کے بارے میں اتری ان میں سے حضرت ابن مسعود بھی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، آپ ﷺ کے قریب رہتے اور آپ ﷺ کے ارشادات سنتے۔ قریش نے کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر ان لوگوں کو قرب عطا کرتے ہیں تو اس وقت یہ آیت اتری (2)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ...... اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمایا اور امتحان لیا تاکہ (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کہیں کہ کیا یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے جن پر احسان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعثت کے ابتدائی دور میں رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں کی اکثریت نادار اور بدحال مردوں، عورتوں، غلاموں اور لونڈیوں کی تھی اشراف قریش میں سے تو چند ایک نے آپ ﷺ کی اتباع کی تھی، جس طرح قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا: وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود: 27) "اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں"۔

اور جس طرح شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے اشراف ہیں یا کمزور لوگ؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ کمزور لوگ آپ ﷺ کے پیروکار ہیں تو اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کی پیروی کرنے والے ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں (3)، مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ کمزور اور نادار مومنین کا تمسخر اڑایا کرتے تھے اور جس پر بس چلتا طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے اور ان فاقہ مستوں کو دیکھ کر کہتے کہ کیا یہی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ کر جن پر احسان فرمایا ہے اور ایمان کی دولت سے انہیں سرفراز فرما دیا ہے؟ جو چیز انہوں نے اپنائی ہے اگر واقعی یہ خیر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں اس سے محروم رکھا ہے۔ جس طرح ان کا کہنا تھا: لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف: 11) "اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف" اور جس طرح فرمان الٰہی ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا (مریم: 73) "اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 201 2۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 3، صفحہ 319 وغیرہ 3۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 32

جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے"۔ اس کے جواب میں فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا (مریم:74) "اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں)۔ جنہوں نے اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا کہا تھا ان کے جواب میں فرمایا: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ یعنی کیا اللہ تعالیٰ ان شکر گزار، راست گفتار، بلند کردار اور نیک طینت لوگوں کو نہیں جانتا، وہی انہیں توفیق عطا فرماتا ہے، سلامتی کی راہوں تک رہنمائی کرتا ہے، اپنے کرم سے انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت:69) "اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے)۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے رنگوں کو بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"(1)۔

آیت کریمہ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ..... کے بارے میں حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ عتبہ، شیبہ، مطعم، حارث اور قرظہ عبد مناف کے چند کافر شرفاء کے ساتھ جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہمارے غلاموں اور حلیفوں کو اپنے پاس سے دور ہٹا دے تو کیا ہی بہتر ہے۔ یہ ہمارے غلام اور ہمارے ہی آزاد کردہ ہیں، اگر وہ انہیں اپنی محفل سے اٹھا دیں تو یہ ہمارے لئے زیادہ باعث عزت ہوگا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تصدیق کرنا ہمارے لئے نسبتاً آسان ہوگا۔ ابوطالب حاضر خدمت ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری بات کہہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ ایسا بھی کر دیکھیں تاکہ ہم دیکھ لیں کہ ان کی خواہش کیا ہے اور (مطالبہ پورا ہونے پر) وہ کیا کرتے ہیں اور کس طرح اپنی بات نبھاتے ہیں تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

شکر گزار بندوں سے مراد یہ ہستیاں ہیں: حضرات بلال، عمار بن یاسر، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، صبیح مولیٰ (آزاد کردہ) اسید اور حلفاء میں ابن مسعود، مقداد بن عمرو، مسعود بن القاری، واقد بن عبداللہ حنظلی، عمرو بن عبد عمرو ذو الشمالین، مرثد بن ابی مرثد، ابو مرثد الغنوی جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو کفار کے سرغنوں، ان کے آزاد کردہ غلاموں اور حلیفوں کے بارے میں یہ آیت اتری: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ جب یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مشورے کی معذرت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا: وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا(2)۔

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ..... اور جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے آپ کے پاس آئیں تو انہیں کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی ہو، مطلب یہ ہے کہ سلام کہہ کر ان کی عزت افزائی کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کی خوشخبری سنائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر از خود محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ تم میں سے جو بھی نادانی سے برائی

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، 87-1986 وغیرہ　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 202

کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے، گناہوں سے باز آ جائے، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور مستقبل میں اپنے اعمال کو سنوار لے تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

کسی بزرگ نے کہا ہے: كُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ (اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان جاہل ہے)۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں "اَلدُّنْيَا كُلُّهَا جَهَالَةٌ(1)۔ (دنیا تمام کی تمام نادانی ہے)۔ اس نادانی میں اگر تم میں سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے، آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے پر پختہ ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ اللہ کی رحمت ہر چیز کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے بارے میں تقدیر مقرر کر دی تو عرش پر لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں فیصلہ سے فارغ ہو گا تو عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہو گا کہ میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے اور میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے بھلائی کے کام نہ کئے ہوں گے ان کی پیشانیوں پر لکھا ہو گا کہ یہ "عُتَقَاءُ اللّٰهِ" (اللہ کے آزاد کردہ) ہیں"(2)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، پھر مخلوق کو پیدا کر کے ایک رحمت ان میں تقسیم کر دی اور باقی ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں۔ فرماتے ہیں کہ اس ایک رحمت کے باعث لوگ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں، آپس میں مہر و محبت سے پیش آتے ہیں، ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے میل ملاقات رکھتے ہیں اسی کے باعث اونٹنی، گائے، بھیڑ بکریاں، پرندے اور سمندروں میں مچھلیاں اپنے بچوں کے ساتھ شفقت کرتی ہیں جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کو اپنی رحمت کے ساتھ شامل فرما لے گا اور اس کی رحمت بہت بہتر اور وسیع ہے(3)۔ اس مضمون کی بہت سی احادیث وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:156)۔ کے ضمن میں ذکر کی جائیں گی۔ اس آیت کے مناسب یہ حدیث بھی ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں" پھر فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندے اگر یہ حکم بجا لائیں تو اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے(4)۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 287، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، 2107-2108 وغیرہ 2۔ رواہ ابن مردویہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، 2108، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 1435 وغیرہ

4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 58-59 وغیرہ

لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

''اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا۔ آپ فرمائیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا، آپ فرمائیے میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے۔ آپ فرمائیے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے۔ نہیں ہے میرے پاس جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، نہیں ہے حکم (کسی کا) سوائے اللہ کے، وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو (کبھی کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ آیات میں دلائل و براہین کے ذریعے رشد و ہدایت کی راہ کو بیان کر دیا ہے اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو ان کی وضاحت کے محتاج ہیں تا کہ رسولوں کی مخالفت کرنے والے مجرمین کا رستہ خوب واضح ہو جائے۔ ایک دوسری قراءت میں وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلَ الْمُجْرِمِيْنَ خطاب کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا۔ معنی یہ ہو گا'' تا کہ تم مجرمین کے رستہ کو واضح طور پر جان لو''۔ اس صورت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہو گا یا ہر کسی کو۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ...... جو شریعت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی ہے، میں علی وجہ البصیرۃ اس پر قائم ہوں اور تم نے اس حق کو جھٹلا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ تک پہنچا ہے۔ جس عذاب کے اترنے کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ جس عذاب کے لئے تم بڑے بے تاب ہو اگر وہ چاہے تو جلدی لے آئے اور اگر چاہے تو اپنی حکمت عظیمہ کے پیش نظر تمہیں مہلت دے دے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق ہی بیان فرماتا ہے اور مسائل کا تصفیہ کرنے اور بندوں کے درمیان فیصلہ نافذ کرنے میں وہ سب سے بہتر ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ...... آپ فرما دیں کہ جس عذاب کی تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے بس میں ہوتا تو تم جس عذاب کے مستحق ہو میں تمہیں علی الفور اس میں جھونک دیتا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت اور صحیحین کی اس حدیث کے درمیان تطبیق کیسے ممکن ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی: یا رسول اللہ! کیا یوم احد سے بھی کوئی سنگین دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' تمہاری قوم کی طرف سے مجھے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے زیادہ سخت تکلیف مجھے یوم عقبہ میں پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو (دعوت دین کی خاطر) ابن عبد یالیل پر پیش کیا لیکن اس نے میری دعوت کو قبول نہ کیا، میں غمزدہ دل گرفتہ ہو کر چل دیا، قرن ثعالب کے مقام پر مجھے (شدت غم سے)

کچھ افاقہ ہوا، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، اس میں مجھے جبریل علیہ السلام دکھائی دیئے، انہوں نے مجھے ندا دیتے ہوئے کہا: آپ کی قوم نے جو کچھ آپ سے کہا ہے اور (دعوت کے جواب میں) جس ردعمل کا اظہار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے تا کہ آپ جو چاہئیں اسے حکم دیں۔ ''مَلَكُ الْجِبَالِ'' (پہاڑوں کا فرشتہ) حاضر ہوا اور سلام عرض کیا پھر کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتوں کو سن لیا ہے اور مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ جو چاہیں مجھے حکم ارشاد فرمائیں (میں بجالانے کے لئے تیار ہوں) اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان دو پہاڑوں کو ان پر گرا دوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کی نسلوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے'' (1)۔ مسلم کے لفظ یہ ہیں کہ فرشتہ نے عذاب اور ان کو نیست و نابود کر دینے کی پیشکش کی لیکن حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تاخیر کی خواہش کی اور انہیں مہلت دینے کی درخواست کی تا کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوسکیں جو کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں، تو اس حدیث اور مذکورہ بالا آیت کے مابین موافقت کیسے ممکن ہے؟ آیت کریمہ میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو عذاب لے آتا اور حدیث شریف میں قدرت کے باوجود عذاب کی دعا نہیں کرتے بلکہ عذاب کو ٹالنے کے لئے کہہ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ طلب عذاب کے وقت عذاب کو ان پر مسلط کرنا اگر آپ ﷺ کے دائرہ اختیار میں ہوتا تو آپ ﷺ ضرور ایسا کرتے اور حدیث شریف میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے وقوع عذاب کا مطالبہ کیا تھا، بلکہ یہ تو ''مَلَكُ الْجِبَالِ'' کی پیشکش تھی کہ اگر آپ چاہیں تو ''اخشبین'' (مکہ شریف کے دو پہاڑ جو جنوباً اور شمالاً اسے گھیرے ہوئے ہیں) کو ان پر گرا دوں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے ان کے لئے مہلت اور نرمی کی خواہش کی تھی۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی باتیں پانچ ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 34) '' بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے(2)۔ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب جبریل امین حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی کی شکل وصورت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اپنے جوابات کے ضمن میں فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت کی جو مذکورہ بالا حدیث میں مرقوم ہیں(3)۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اس کا علم کریم بر و بحر کی تمام موجودات کو محیط ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں، شاعر صرصری نے کیا خوب کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ پر کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں ہے خواہ وہ دیکھنے والوں کو نظر آئے یا ان کی نظروں سے اوجھل رہے''۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا جب وہ جمادات تک کی حرکات کو جانتا ہے تو کیا خیال ہے وہ حیوانات خصوصاً جن وانس کی حرکات و

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 312-313، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، صفحہ 20-1421

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 219

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 37-38

اعمال کو نہیں جانتا؟ یقیناً اسے علم ہے جیسا کہ فرمایا: يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (المومن:19) ''وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں''۔ اس مذکورہ بالا فرمان کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بر و بحر میں موجود ہر درخت پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بھی پتہ گرتا ہے وہ اسے لکھ لیتا ہے۔

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ..... حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ ہر درخت بلکہ سوئی کے ناکے پر بھی ایک فرشتہ مقرر ہے، جب درخت سرسبز و شاداب ہوتا ہے تو اسے بھی لکھ لیتا ہے اور جب سوکھ جائے تو اسے بھی ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوات اور الواح (تختیوں) کو پیدا فرمایا اور دنیا میں رونما ہونے والے تمام امور اس میں رقم کر دیئے، حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیا کہ مخلوق کیسی پیدا ہوگی اور اسی طرح حلال و حرام رزق اور نیک و بد اعمال سب درج کر دیئے، پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ تیسری زمین کے نیچے اور چوتھی زمین کے اوپر ایسے جن ہیں کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں کوئی نور دکھائی نہ دے۔ زمین کے ہر کونے پر اللہ تعالیٰ کی مہر ہے جس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر روز ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے محفوظ رکھو۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) معیاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتائے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے، سنتے ہو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ رات کو نیند کے وقت اپنے بندوں کی ارواح کو قبض کر لیتا ہے اور یہ موت اصغر ہے، جس طرح فرمایا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران:55) ''یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف''۔ اور فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر:42) ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک''۔ اس آیت میں دو موتوں کا ذکر ہے: موت اکبر اور موت اصغر، اسی طرح اس مقام پر بھی چھوٹی بڑی دو وفاتوں کا ذکر ہے، فرمایا کہ وہی ہے جو رات کے وقت تمہیں قبض کر لیتا ہے اور دن کے وقت جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں انہیں جانتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط پر دلالت کرتا ہے، وہ رات کے وقت بندوں کے سکون اور دن بھر کی حرکات کی حالت سے بخوبی آگاہ ہے جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد: 10) ''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت''۔ اسی طرح فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) ''اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے''۔ اور اسی مفہوم میں یہ آیت بھی ہے: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا: 11-10) ''نیز ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش۔ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا''۔ اسی لئے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ، وہی ہے جو رات کو تمہیں وفات دیتا ہے اور دن بھر کے تمہارے اعمال کا علم رکھتا ہے پھر دن میں (دوڑ دھوپ کے لئے) تمہیں بیدار کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے، جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح کو قبض کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم فرمائے تو فرشتہ قبض کئے رکھتا ہے ورنہ واپس اس (کے جسم) کی طرف لوٹا دیتا ہے''اس آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ کا یہی مدعا ہے۔

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى...... ہر انسان کی روح کو قبض کر لیا جاتا ہے تا کہ اس کی مقرر میعاد پوری ہو جائے پھر قیامت کے دن تمہیں اس کی طرف ہی لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا جو کچھ تم کرتے رہے اور اس پر بدلہ دے گا، خیر کا بدلہ خیر اور شر کا شر۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ...... وہی ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور وہی اپنے نگہبان فرشتے بھیجتا ہے جو انسانی بدن کی حفاظت کرتے ہیں جس طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد: 11) ''انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے''یعنی ایسے محافظ فرشتے ہیں جو انسان کے اعمال کو محفوظ کر کے اس کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (الانفطار: 10) ''حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں''۔ اسی طرح فرمایا: اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق: 18-17) ''ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے''۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کے پاس پیام اجل آ جاتا ہے اور جان لبوں پر آ جاتی ہے تو ہمارے مقرر کردہ فرشتے اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے مددگار فرشتے ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں، جب وہ روح حلق تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے۔ اس کے متعلقہ احادیث اللہ تعالیٰ کے فرمان: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم: 27) ''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے'' کے تحت ذکر کی جائیں گی۔

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ وہ میت کی روح کی حفاظت میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں اور اس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اگر وہ نیکوکار ہو تو ''علیین'' میں اور اگر فاجر ہو تو ''سجّین'' میں خدا کی پناہ!

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ...... ابن جریر کے نزدیک ''رُدُّوْا'' میں واوِ جمع کا مرجع فرشتے ہیں(1)۔ یہاں ہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میت کے پاس ملائکہ آتے ہیں، اگر وہ صالح ہوتو کہتے ہیں: اے نفس طیبہ! باہر آجا، تو پاکیزہ جسم میں تھا، قابل تعریف حالت میں آجا، تجھے خوشخبری ہو جنت کے آرام و سکون، پھل پھول اور ایسے رب کی جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ جب مسلسل اسے یہ کہا جاتا ہے تو اس کی روح نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف بلند کیا جاتا ہے اور اس کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں: خوش آمدید، اے پاکیزہ نفس! تو پاک جسم کے اندر تھا تو قابل ستائش حالت میں داخل ہو جا۔ تجھے جنت کے آرام و سکون اور ایسے پروردگار کی بشارت ہو جو تجھ پر ناراض نہیں ہے، لگاتار اسے یہ کہا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے آسمان تک لے جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) جلوہ فرما ہے اور اگر وہ بدکار آدمی ہوتو کہتے ہیں: نکل اے خبیث نفس جو خبیث بدن میں تھا، مذموم حالت میں باہر نکل، تجھے کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور ان جیسے دوسرے عذاب کی خوشخبری ہو، فرشتے اسے یہ کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی روح نکل آتی ہے پھر وہ اسے لیکر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں دروازے کھلوانے پر پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ جواب میں بتایا جاتا ہے کہ فلاں ہے، فرشتے کہتے ہیں: پھٹکار ہوتم پر اے خبیث نفس جس کا مسکن بھی خبیث تھا تو ذلیل ہو کر لوٹ جا۔ آسمان کے دروازے تیرے لئے نہیں کھولے جائیں گے پھر اسے قبر میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ صالح آدمی اپنی قبر میں سکون سے بیٹھ جاتا ہے تو پہلے کی طرح فرشتے اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور بدکار آدمی بیٹھتا ہے تو اسے بھی پہلے کی طرح کہا جاتا ہے''(2)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''رُدُّوْا'' میں واوِ جمع سے مراد ساری مخلوق ہو، تمام کو روز قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اپنے عدل و انصاف سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ: 50-49) ''آپ فرمادیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔ سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں''۔ اور فرمایا: وَ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف: 47) ''اور ہم جمع کریں گے پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔ اسی لئے فرمایا: مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ، وہی حقیقی مالک ہے، سنو حکم اسی کا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

''آپ فرمائیے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار (بندے)؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 218 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 64-365

فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔ فرمائیے وہ قادر ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے او رخلط ملط کر دے تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدت دوسروں کی دیکھو کیوں کر ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو تا کہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں''۔

بر و بحر کی تاریکیوں سے اپنے پریشان حال لاچار بندوں کو نجات دلانے پر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا احسان بیان فرما رہا ہے۔ وہی اللہ ہی تو ہے جو اپنے مجبور بندوں کو مصائب و آلام سے رہائی دلاتا ہے جب وہ بری مہیب خطرات اور بحری گرداب کی لپیٹ میں ہوتے ہیں، ان کے مخالف تند و تیز جھکڑ چل رہے ہوتے ہیں اور ان کی ناؤ ڈوبنے ہی والی ہوتی ہے تو وہ اس وقت صرف اسی وحدہ لاشریک کے سامنے دامن طلب پھیلاتے ہیں، اسی کے سامنے دعا کے لئے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل:67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے'' اور فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس:22) ''وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں اس سے (تو اچانک) آ لیتی ہے انہیں تند و تیز ہوا اور آ لیتی ہیں انہیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا تو (اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے۔ (کہتے ہیں اے کریم!) اگر تو نے بچا لیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے''۔ اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (النمل:63) ''بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

فرمایا: قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ...... آپ ان سے کہیں کہ کون ہے جو تمہیں بر و بحر کی تاریکیوں سے رستگاری عطا کرتا ہے کہ تم اسے بلند آواز سے اور آہستہ آہستہ پکارتے ہو کہ اگر تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر گزار بن جائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ انہیں بتا دیں کہ صرف اس مصیبت سے ہی نہیں بلکہ ہر کرب و الم میں اللہ تعالیٰ ہی تمہیں نجات عطا فرماتا ہے، تم پھر بھی شرک پر اتر آتے ہو اور خوشحالی کے دور میں اس کے ساتھ ساتھ دوسرے باطل معبودوں کی پرستش میں لگ جاتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا...... آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ تمہیں نجات دینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا (بنی اسرائیل:66-69) ''تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تا کہ تم تلاش کرو

(بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل۔ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت اندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا۔ پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا)''

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں خطاب مشرکین کو ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ دھمکی امت محمد ﷺ کو ہے لیکن انہیں معاف کر دیا گیا ہے، یہاں ہم اس کے متعلقہ چند احادیث اور آثار ذکر کریں گے۔ استعانت اللہ سے ہی ہے، اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ مذکورہ آیت کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یَلْبِسَكُمْ شِيَعًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فرقے فرقے بنا کر خلط ملط کر دے۔ یہ انتشار اور تفرقہ بازی بھی ایک عذاب ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ'' (یا اللہ! تیری پناہ) اور جب یہ فرمان اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اترا تو بھی آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ'' اور جب یہ ارشاد ہوا۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ تو فرمایا: ''هٰذِهٖ اَهْوَنُ وَاَيْسَرُ'' (یہ نسبتاً آسان اور معمولی ہے)(1)۔ اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگ سکتے تو ضرور مانگتے۔ حضرت جابر سے ہی مروی ایک دوسری حدیث میں ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ'' کے الفاظ ہیں اور آخر میں صرف ''هٰذَا اَيْسَرُ'' کے الفاظ ہیں(2)۔ اس آیت کے متعلقہ بہت سی احادیث ہیں۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو! یہ بات ہو کر رہے گی لیکن ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا'' (3)۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں، ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کافی دیر تک اپنے رب سے مناجات کرتے رہے پھر (فراغت کے بعد) فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ وہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے یہ درخواست مقبول ہوئی، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ گزارش کی کہ وہ میری امت کو قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے، اسے بھی شرف قبول عطا ہوا، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ میرے امتی باہم برسر پیکار نہ ہوں لیکن اس سے مجھے روک دیا (اور یہ دعا منظور نہ ہوئی)'' (4)۔

☆ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس حرہ بنی معاویہ (انصار کا ایک گاؤں) میں آئے اور مجھے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز ادا کی تھی؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 219، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، جلد 9، صفحہ 174 وغیرہ
2۔ رواہ ابوبکر بن مردویہ فی تفسیرہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انعام، جلد 11، صفحہ 87-186، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 71-170
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، صفحہ 2216، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 175

میں نے مسجد کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس مقام پر آپ ﷺ نے کونسی تین دعائیں مانگی تھیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: وہ ذرا مجھے بھی بتائیں۔ میں نے بتایا: آپ ﷺ نے دعا کی تھی کہ کوئی غیر میرے امتیوں پر غلبہ نہ پالے اور اللہ تعالیٰ انہیں قحط سالی میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے، یہ دو دعائیں قبول ہوئیں، اور آپ ﷺ نے (تیسری) یہ دعا کی کہ وہ آپس میں نہ لڑتے بھڑتے رہیں، تو یہ دعا منظور نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے درست بیان کیا ہے۔ روز قیامت تک مسلمان باہم دست بگریبان رہیں گے (1)۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے، البتہ اس کی سند جید اور قوی ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز ادا کی جنہیں بہت زیادہ طویل کیا۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے آیا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ ﷺ ابھی تشریف لے گئے ہیں۔ میں جہاں بھی جاتا اور جس شخص کے پاس سے گزرتا مجھے یہی کہا جاتا کہ آپ ﷺ ذرا پہلے چلے گئے ہیں۔ تلاش کرتے کرتے میں آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں بھی (نماز کے لئے) آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے بہت لمبی نماز پڑھی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے بیم ورجا کی نماز ادا کی ہے، میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کی درخواست کی، دو کو شرف قبول عطا ہوا اور تیسری نامنظور ہوئی ....'' پھر آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تین دعاؤں کا ذکر کیا (2)۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کے آٹھ نوافل ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میں نے صلوٰۃ خوف ورجا ادا کی ہے اور اپنے رب سے تین چیزیں مانگی ہیں...'' (3)۔

☆ حضرت عبداللہ بن خباب بن الارت سے مروی ہے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ رات بھر نماز میں مصروف رہے، فجر ہوئی تو آپ ﷺ نے سلام پھیرا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ رات بھر ایسی نماز پڑھتے رہے کہ اس جیسی نماز پڑھتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، یہ صلوٰۃ خوف ورجا تھی جس میں میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا۔ دو تو اس نے مجھے عطا فرما دیں لیکن ایک سے روک دیا۔ میں نے اپنے رب سے یہ عرض کی کہ وہ ہمیں اس عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے جس عذاب سے اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کیا تھا، یہ عرض مقبول ہوئی۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ کسی دشمن کو ہم پر مسلط نہ کرے یہ درخواست بھی منظور ہوئی، اور میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ہمیں فرقے فرقے بنا کر مختلط نہ کرے لیکن اس سوال سے مجھے منع کر دیا'' (4)۔ اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت نافع بن خالد خزاعی سے بھی مروی ہے۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا کہ کیا آپ کے والد محترم نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہہ سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، میں

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 445 | 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1303، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 240

3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 164 | 4۔ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 17-216، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 9-108، وغیرہ

نے انہیں لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے بالمشافہہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے (1)۔

☆ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے اور میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لئے ہیں، میری امت کی بادشاہی زمین کی ان حدوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی، اور مجھے سرخ و سفید (سونا و چاندی) دونوں خزانے عطا کر دیئے گئے۔ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو عمومی قحط کے ساتھ ہلاک نہ کرے اور وہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو سب کو ہلاک کر دے اور یہ کہ نہیں تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے خلط ملط نہ کرے اور ایک دوسرے کو باہم چپقلش کا ذائقہ نہ چکھائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے آپ کی امت کے لئے آپ کو یہ عطا فرمایا کہ میں انہیں عمومی قحط کے ذریعے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ ان پر کسی ایسے دوسرے دشمن کو مسلط کروں گا جو انہیں نیست و نابود کر دے بلکہ یہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے، قتل کریں گے اور ناروا سلوک کریں گے۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے اپنی امت پر صرف گمراہ کن اماموں اور لیڈروں سے اندیشہ ہے، جب میری امت میں تلوار چلنا شروع ہو گئی تو پھر قیامت تک یہ نہیں رکے گی" (2)۔

☆ حضرت نافع بن خالد خزاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں وہ صحابی تھے اور بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کے حلقہ میں نماز ادا کرتے تو مکمل رکوع و سجود کے ساتھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھتے۔ ایک دن آپ ﷺ نے جلوس کیا تو اسے بہت طویل کر دیا یہاں تک کہ ہم میں سے بعض نے ایک دوسرے کو اشارہ کے ساتھ خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا کہ شاید آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کسی آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بہت لمبا جلوس کیا ہے یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کو اشارہ سے بتانے لگے کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ میں تو صلوٰۃ رجا پڑھ رہا تھا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کے لئے دعا کی، دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دیں اور تیسری سے منع فرما دیا۔۔۔" باقی ماندہ وہی حدیث ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے (3)۔ ابو مالک کہتے ہیں کہ میں نے نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے والد گرامی نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، میں نے انہیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ حدیث سنی ہے۔

☆ حضرت ابی بصرۃ غفاری سے مروی حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا، تین مجھے عطا ہوئیں اور ایک نامنظور ہوئی۔ تین چیزیں تو وہی ہیں جن کا ذکر بار بار گزر چکا ہے اور چوتھی دعا یہ تھی کہ "اللہ تعالیٰ میری پوری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے" یہ دعا بھی قبول ہوئی (4)۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے دو مجھے عطا فرما دیں اور تیسری سے روک دیا۔ میں نے عرض کی: اے میرے رب! میری امت کو بھوک کی حالت میں ہلاک نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری یہ دعا قبول ہوئی۔ میں نے عرض کی: اے رب! ان پر مشرکین کو مسلط نہ کرنا جو ان کا قلع قمع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 223 — 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 123

3۔ رواہ ابوبکر بن مردویہ — 4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 396

کہ یہ بھی تمہارے لئے منظور ہے میں نے گزارش کی: اے میرے رب! انہیں باہم جنگ و جدال کا خوگر نہ بنانا، اس گزارش کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا''(1)۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے پروردگار سے چار چیزوں (کی آزمائش) سے اپنی امت کے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ دو سے تو اللہ تعالیٰ نے میری امت کو بچالیا لیکن باقی دو نامنظور ہوئیں۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آسمان سے پتھر برسانے، زمین میں غرق کرنے، امتیوں کو تفرقہ و انتشار میں ڈالنے اور باہم برسرپیکار رہنے کے عذاب کو اٹھالے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں غرق کرنے کے عذاب سے بچالیا، لیکن دو عذابوں کو اٹھانے سے انکار کردیا یعنی باہم قتل و غارت اور گروہ بندی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ ''قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ......'' اتری تو نبی کریم ﷺ اٹھے، وضو کیا پھر یہ دعا کی: ''اے اللہ! میری امت پر اوپر سے اور پاؤں تلے سے عذاب نازل نہ کرنا، نہ انہیں گروہ بندی میں مبتلا کرنا اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے کی قوت کا ذائقہ چکھانا'' جبریل امین حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے عذاب نازل کرنے سے پناہ دے دی ہے(3)۔ مذکورہ بالا احادیث کے مضمون کی حامل ایک اور حدیث دو مختلف طرق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(4)۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ''عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد پتھراؤ ہے اور ''تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد زمین میں دھنس جانا ہے۔ اس امت کے بارے میں چار چیزوں کا تذکرہ ہے جن میں سے دو ہو چکیں اور دو باقی ہیں۔ ان میں سے دو ایسی چیزیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پچیس سال بعد ہی ظاہر ہونے لگیں، مسلمان گروہ بندی، تفرقہ اور انتشار کا شکار ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال پر اتر آئے۔ باقی دو عذابوں (پتھراؤ اور زمین میں دھنسنا) کا وقوع بھی ضرور ہوگا(5)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد یا برسرِ منبر چیخ چیخ کر فرماتے تھے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...... تم پر نازل ہو چکا۔ اگر آسمان سے تم پر عذاب آیا تو تم میں سے کوئی نہیں بچے گا، اگر پاؤں تلے سے عذاب آیا تو تمہیں زمین میں دھنسا کر ہلاک کر دیا جائے گا اور کوئی باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر تم انتشار اور تفرقہ کا شکار ہو کر جنگ و جدال پر اتر آئے تو یہ سب سے بدترین عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''مِّنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد بدکردار قائدین اور امراء ہیں اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد برے خدام، گھٹیا پیروکار اور کمینے لوگ ہیں(6)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ قول بھی معقول ہے لیکن پہلا زیادہ واضح اور قوی ہے کیونکہ اس کی تائید قرآن کریم سے ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (الملک: 17-16) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کردے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے: ''اس امت میں پتھراؤ، زمین میں دھنسنا اور صورتوں کا مسخ

1۔ معجم طبرانی، کبیر، جلد 1، صفحہ 10608 2۔ رواہ ابوبکر بن مردویہ 3۔ ایضاً

4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 289، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 100

5۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 35-134 تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 226 6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 21-220

ہونا ضرور ہوگا'' (1)۔اس کا ذکر قیامت کی علامات اور اشراط میں آتا ہے اور قیامت سے پہلے ان علامات کا ظہور ہوگا۔عنقریب ان کا ذکر آئے گا، انشاء اللہ!

اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا یعنی وہ تمہارے اندر اختلاف پیدا کر کے تمہیں مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں''۔

وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب وقتل کے ساتھ ایک دوسرے پر مسلط کر دے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ......دیکھیں کیسے ہم طرح طرح سے اپنی آیات وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات اور دلائل و براہین پر غور وفکر کرو اور سمجھو۔حضرت زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں تلوار سے مارنے لگو'' صحابہ نے عرض کی کہ ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' تو کسی نے کہا: ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ٘ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (2)۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ٘ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

''اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے، فرمائیے نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار۔ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے۔اور (اے سننے والے!) جب تو دیکھے انہیں کہ بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کہیں) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس۔اور نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آجائیں''۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ......آپ ﷺ کی قوم قریش نے آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن کریم، پیام ہدایت اور بیان کو جھٹلایا حالانکہ یہی تو حق ہے جس سے بڑھ کر کوئی حق نہیں۔آپ انہیں فرمادیں کہ میں نہ تو تمہارا محافظ ہوں اور نہ ذمہ دار جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (الکہف:9) ''اور فرمائیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے''۔یعنی میرے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچانا ہے اور تمہارے ذمہ یہ

1۔عارضۃ الاحوذی، کتاب الفتن، جلد 9، صفحہ 33 وغیرہ 2۔تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 225

ہے کہ تم اس پیغام کو گوش ہوش سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ جس نے میری اتباع کی وہ دنیا و آخرت میں سعادت مند ہے اور جس نے میری مخالفت کی وہ دنیا و آخرت میں بد بخت ہے، اسی لئے فرمایا: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر خبر کی ایک حقیقت ہے یعنی ہر خبر کو ضرور وقوع پذیر ہونا ہے اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی، جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (ص:88) ''اور (اے کفار) تم ضرور جان لوگے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد'' اور فرمایا: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد:38) ''ہر معیاد کے لئے ایک نوشتہ ہے''۔ یہ کھلی دھمکی اور زور دار وعید ہے اسی لئے بعد میں فرمایا: وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ...... اور جب تم (اے مخاطب) ان لوگوں کو دیکھو جو تکذیب اور استہزاء کے ساتھ ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں الجھنے لگیں۔

وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ...... اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔ اس آیت کا مخاطب امت کا ہر ہر فرد ہے کہ وہ ان جھٹلانے والوں کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کرتے ہیں انہیں غیر موزوں مقام پر رکھتے ہیں اور برعکس مفہوم لیتے ہیں۔ اگر بھولے سے تم ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ تو پھر یاد آ جانے کے بعد ہرگز نہ بیٹھنا۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ'' (1) (میری امت سے خطا، نسیان اور وہ کام جس پر مجبور کر دیا گیا ہو معاف ہے) اور اس آیت کی طرف یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء:140) ''اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گے''۔ یعنی اگر تم ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان کی باتوں کو خاموشی کے ساتھ سن کر تائید کی تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ...... جب متقی لوگوں نے ان کی مجلس سے اجتناب کیا اور ان کے ہمنشین نہ بنے تو وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہو گئے اور ان کے گناہ میں شریک ہونے سے رہائی پا گئے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب کفار آیات میں فضول بحثیں کرنے لگیں اور تم ان سے احتراز کرو اور منہ پھیر لو تو اب تم پر کوئی مضائقہ اور ذمہ داری نہیں۔ بعض دوسرے حضرات یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر وہ ان ناہنجاروں کے ساتھ بیٹھ جائیں تو بھی ان کے استہزاء کی ذمہ داری ان پر نہیں، اور ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت سورت نساء مدنیہ کی آیت اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ منسوخ ہے۔ یہ قول مجاہد، سدی، ابن جریج وغیرہ کا ہے (2)۔ ان کے اس قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں ان سے اعراض کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ وہ ان کے لئے وعظ و نصیحت اور تنبیہ کا موجب بن جائے، شاید وہ احتیاط کریں، اپنے اس کرتوت سے باز آ جائیں اور دوبارہ اس کے مرتکب نہ ہوں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، صفحہ 659
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 230

يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

''اور چھوڑ دے جنھوں نے بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے انہیں دنیوی زندگی نے اور نصیحت کرو قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے، نہیں ہے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاک کئے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے، ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کفر کے جو وہ کرتے رہے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا اور دل لگی کا سامان بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، ان لوگوں سے ترک تعلق کر لیں، ان سے منہ پھیر لیں اور کچھ عرصہ کے لئے مہلت دے دیں کیونکہ لامحالہ انہیں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی لئے فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعے انہیں نصیحت کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے کرتوتوں کے باعث ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیئے جائیں۔ ضحاک، مجاہد، حسن وغیرہ کے نزدیک ''تُبْسَل'' کا معنی ہے ''تُسْلَم'' (سپرد کر دیا جائے)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ''تُفْتَضَح'' (رسوا کیا جائے)۔ قتادہ کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُحْبَس'' (روک رکھا جائے)۔ مرہ اور ابن زید کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُؤَاخَذ'' (مواخذہ نہ کیا جائے)۔ کلبی کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُجْزٰی'' (بدلہ نہ دیا جائے)۔ یہ تمام کے تمام اقوال اور عبارات قریب المعنی ہیں ان کا ماحاصل یہ ہے کہ ہلاکت کے سپرد کرنا، بھلائی سے روکنا اور حصول مطلوب سے باز رہنا جس طرح فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ (المدثر:39-38)
''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے''۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارشی جیسا کہ فرمایا: مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ:254) ''اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لئے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لئے) شفاعت اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں''۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ...... اگر وہ بدلہ میں ہر چیز دے دے قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا (آل عمران:91) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگرچہ وہ (اپنی نجات کے لئے)''۔ اسی طرح فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا......

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓي اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰي ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ

الشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

" آپ فرمائیے کیا ہم پوجیں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں الٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ بھٹکا دیا ہوا سے جنوں نے زمین میں اور وہ حیران و پریشان ہو۔ اس کے ساتھی ہوں جو اسے بلا رہے ہوں ہدایت کی طرف کہ ہمارے پاس آ جا، آپ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے اور یہ کہ صحیح صحیح ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور جس روز وہ کہے گا کہ تو ہو جا تو بس وہ ہو جائے گا۔ اسی کا فرمان حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن پھونکا جائے گا صور، جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا"۔

سدی کہتے ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے طریقہ کی پیروی کرو اور دین محمدی کو ترک کر دو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... کہ آپ کہہ دیں کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے کس و بے بس بتوں کو پرستش کریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور کیا پھر الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ ہدایت پر گامزن کیا ہے۔ ہماری مثال تو پھر ایسے شخص کی سی ہوگی جسے کسی شیطان نے بہکا دیا ہو۔ ایمان لانے کے بعد اگر تم کفر اختیار کرو تو تمہاری مثال ایسے مسافر کی سی ہے جو اپنے ساتھیوں کی رفاقت میں عازم سفر ہوا لیکن رستہ بھول گیا، شیطانوں نے اسے بھٹکا کر حیرت کی دلدل میں پھنسا دیا۔ اب وہ تصویر حیرت بنا کھڑا ہے، اس کے ساتھی سیدھی راہ پر گامزن ہیں اور وہ اسے اپنی طرف بلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ کیونکہ ہم درست رستے پر چل رہے ہیں، لیکن وہ انکار کر دیتا ہے اور اپنی گمراہی پر ہی بضد رہتا ہے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جو نبی اکرم ﷺ کو اچھی طرح جان لینے کے باوجود بہکے ہوئے لوگوں کی پیروی کرتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں اور سیدھا رستہ اسلام ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "اسْتَهْوَتْهُ" کا مطلب ہے کہ اسے گمراہ کر دیا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے باطل معبودوں، ان کی طرف دعوت دینے والوں اور ان حق پرستوں کی مثال بیان کی ہے جو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں، ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو رستہ سے بھٹک گیا اور سرگرداں ادھر ادھر منہ اٹھائے پھرنے لگا، کوئی پکارنے والا اسے پکارتا ہے کہ اے فلاں ابن فلاں! اس (غلط) رستہ کی طرف آ اور اس کے دوسرے ہمسفر اسے بلا رہے ہیں کہ اے فلاں! اس (سیدھی) راہ کی طرف آ۔ اگر وہ پہلے داعی کی بات کو تسلیم کر لے، اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے گا اور اگر اس نے حق و ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک کہی تو وہ راہ ہدایت کو پا لے گا۔ پہلا داعی جنگل کے جنوں میں سے (شیطان) ہے۔ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان معبودان باطلہ کی پوجا شروع کر دیتا ہے اور اسی میں اپنی مصلحت سمجھتا ہے۔ جب موت آئے گی تو اسے سخت ندامت اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ راہ سے بھٹکانے والے شیاطین جنات ہیں جو اسے اس کا اور اس کے باپ دادا کا نام لیکر بلاتے ہیں،

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 236

چنانچہ وہ ان کی پیروی کرنے لگتا ہے اور اس سے اپنا مفاد وابستہ کر لیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ شیاطین اسے ہلاکت کی گھاٹی میں پھینک دیتے ہیں اور بسا اوقات اسے نگل جاتے ہیں یا کسی بے آب وگیاہ جنگل میں بھوکا پیاسا چھوڑ آتے ہیں جہاں وہ پیاس کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ تو یہ مثال ہے ایسے گمراہ کی جس نے معبودان باطلہ کی پرستش کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''حَیْرَانَ'' سے مراد حیران و پریشان آدمی ہے جسے اس کے ساتھی سیدھے رستہ کی طرف بلائیں اور یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو ہدایت پانے کے بعد گمراہی اختیار کر لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''حَیْرَانَ'' سے مراد ایسا شخص ہے جو اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتا بلکہ وہ ایسا بدبخت ہے کہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے، گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور حق سے انحراف کر کے بھٹک جاتا ہے حالانکہ اس کے ہمسفر اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسے جس چیز کا حکم دے رہے ہیں وہ ہدایت ہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان شیطانوں کا گمراہ کردہ ہے جن کے اولیاء انسان ہیں۔ ہدایت تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے اور گمراہی وہ ہے جس کی دعوت جن دیتے ہیں، اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے پھر کہتے ہیں کہ یہ تو اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کے ساتھی اسے گمراہی کی طرف بلا رہے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ عین ہدایت ہے۔ لیکن یہ رائے ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ اس کے ہمسفر اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تو اسے گمراہی قرار دینا جائز نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خبر دی ہے کہ یہ ہدایت ہے(1)۔ اور معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسا کہ ابن جریر نے کہا کیونکہ سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آیت کریمہ میں ''حَیْرَانَ'' حال ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے یعنی وہ حیرت، گمراہی اور جہل کی حالت میں گھرا ہوا ہے اور اس کے ہمسفر سیدھی راہ پر چل رہے ہیں، وہ اسے اپنے ساتھ اس راہ پر چلنے کے لئے بلانا شروع کر دیتے ہیں۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کہ وہ ان کی دعوت کو ٹھکرا کر ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیتا ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے ہدایت عطا فرما دیتا اور اسے راہ راست کی طرف لوٹا دیتا اسی لئے فرمایا: قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ (الزمر: 37) ''اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں'' اور فرمایا: اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (النحل: 37) ''آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا''۔

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ...... اور ہمیں یہ حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اخلاص سے صرف اسی کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی حکم ہوا ہے کہ ہم ہر حالت میں نماز قائم کریں اور تقویٰ اختیار کریں اور قیامت کے دن سب کو جمع کر کے اسی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ وہی وہ ذات ہے جس نے اعتدال و توازن کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، یہ اور جو کچھ ان میں ہے، وہی ان تمام کا خالق، مالک اور مدبر ہے، قیامت کے دن وہ صرف ''کُنْ'' فرمائے گا تو پلک جھپکنے کی دیر میں ساری چیزیں از خود دوبارہ ظہور میں آجائیں گی۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ میں لفظ ''یوم'' منصوب ہے، اس کے نصب کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:۔

(1) وَاتَّقُوْهُ (کی ضمیر منصوب) پر عطف کی بناء پر تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاتَّقُوْهُ وَاتَّقُوْا يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

(2) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کے مفعول) پر عطف کے باعث۔ یعنی خَلَقَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ اس صورت میں ابتدائے ''خَلَقَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 237

''اور اعادۂ'' خَلَق'' کا ذکر ہوا جو بہت زیادہ مناسب ہے۔

(3) اس سے پہلے فعل مقدر ہے، عبارت یوں ہوگی: ''اُذْكُرْ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ''۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ یہ دونوں جملے محل جر میں ہیں اور ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' سے صفت بن رہے ہیں۔ اور يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں:۔

(1) وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ سے بدل ہے۔

(2) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کی ظرف ہے جیسا کہ ارشاد ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16) ''کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔ اور جیسا کہ فرمایا: اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (الفرقان:26) ''اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا مشکل ہوگا''۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ یہاں ''صُوَر''، ''صورۃ'' کی جمع ہے یعنی جس دن صورتوں میں پھونکا جائے گا تو وہ زندہ ہو جائیں گی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ جمع ایسے ہی ہے جیسا کہ ''سُوَر'' (شہر پناہ) سورۃ کی جمع ہے(1)۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صور سے مراد وہ قرن (سینگ) ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح وہی ہے جس کی تائید احادیث سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسرافیل صور کو منہ میں لے ہوئے ہیں، سر جھکائے ہوئے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم صادر ہوتا ہے''(2)۔ ایک اعرابی نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! سور کیا ہے فرمایا: ''یہ قرن ہے جس میں پھونک مار کر بجاتے ہیں''(3)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو صور کو پیدا کیا اور اسے اسرافیل کے حوالے کر دیا، وہ اسے اپنے منہ کے ساتھ لگائے ہوئے، آنکھیں عرش کی طرف ٹکائے ہوئے منتظر ہیں کہ کب (صور پھونکنے کا) حکم ہوتا ہے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! صور کیا ہے؟ فرمایا: ''قرن''۔ میں نے عرض کی کہ یہ کیسا ہے؟ فرمایا: ''بہت بڑا، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کا منہ آسمانوں اور زمین کے عرض کی مقدار بڑا ہے، اس میں تین پھونکیں ماری جائیں گی۔ پہلی پھونک (نفخہ اولی) گھبراہٹ اور خوف پیدا کرنے والی ہوگی، دوسری سب کو بے ہوش کر دینے والی اور تیسری رب العالمین کے حضور آ کھڑا ہونے کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو پہلی پھونک کا حکم ارشاد فرمائے گا، اسرافیل پھونکیں گے تو زمین و آسمان کے مکین گھبراہٹ اور سراسیمگی کا شکار ہو جائیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرما دے۔ اسرافیل مسلسل کافی دیر تک صور پھونکتے رہیں گے، ذرا بھی سستی نہیں کریں گے یہ اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (ص:15) ''اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (کفار) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی''۔ اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ دے گا اور یہ بادل کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور سراب کی صورت اختیار کر لیں گے۔ زمین اپنے مکینوں سمیت لرز رہی ہوگی، اس پر زلزلہ طاری ہو گا اور اس طرح جھولنے لگے گی جیسے سمندر میں شکستہ کشتی جسے تند و تیز موجود کے تھپیڑے ادھر ادھر دھکیل رہے ہوں اور یہ کشتی اپنے سواروں

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 214　　2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 73　　3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 162

سمیت الٹ جائے، ایسی قندیل کی طرح جو چھت کے ساتھ معلق ہو اور ہوائیں اسے جھلا رہی ہوں۔ یہی کیفیت ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۚ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ (النازعات:8-6) ''جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے''۔ لوگ پشت کے بل گر پڑیں گے، مائیں دودھ پینے والے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیاطین خوف کے مارے بھاگ کر زمین کے کناروں تک آ جائیں گے، لیکن فرشتے انہیں زد و کوب کر کے واپس لائیں گے اور لوگ پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے امر سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کو پکارتے رہیں گے لیکن اللہ کے سوا کوئی سننے والا نہ ہوگا اسی کو اللہ تعالیٰ نے يَوْمَ التَّنَادِ (المؤمن:32) ''(پکار کا دن) کہا ہے''۔ لوگ اسی صورت حال سے دوچار ہوں گے کہ زمین ہر گوشے سے پھٹنے لگی گی، ایسے امر عظیم کا سامنا ہوگا جس سے کبھی واسطہ نہ پڑا اور شدید کرب اور ہولناکی سے دوچار ہوں گے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، پھر وہ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اسے پگھلی ہوئی دھات کی طرح پائیں گے، پھر آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا، ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سورج اور چاند گرہن کی لپیٹ میں آ جائیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مردوں کو اس کی خبر تک نہ ہوگی'' حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان: فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (النمل:87) ''ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے گھبرا جائے گا مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے)''۔ میں کن لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شہداء ہیں''۔ گھبراہٹ اور پریشانی تو زندوں کو ہوا کرتی ہے اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی گھبراہٹ اور پریشانی سے بچالیا ہے، کیونکہ یہ گھبراہٹ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جسے وہ شریر مخلوق پر اتارے گا۔ قیامت کے اس ہولناک منظر کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج:2-1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے''۔ اللہ تعالیٰ کے حسب منشا وہ اس عذاب میں رہیں گے، طویل عرصہ تک اس کیفیت سے دوچار رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو موت اور بے ہوشی لانے والا صور پھونکنے کا حکم دے گا، چنانچہ سب زمین و آسمان والے سوائے اس کے جسے خدا چاہے، بے ہوش ہو جائیں گے۔ اس حالت میں ہوں گے کہ ملک الموت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے پروردگار! آسمانوں اور زمین کے سب مکین مر گئے ہیں سوائے ان کے جنہیں تو نے باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون باقی بچا؟ وہ عرض کریں گے: یا رب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ ہے، تجھے کبھی بھی موت آنے والی نہیں، عرش اٹھانے والے فرشتے، جبریل اور میکائیل بھی باقی ہیں اور میں بھی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جبریل اور میکائیل بھی مر جائیں، تو عرش بول اٹھے گا: یا رب! جبریل اور میکائیل پر بھی موت آئے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ خاموش رہو کیونکہ عرش کے نیچے ہر ایک پر میں نے موت لکھ دی ہے۔ تو وہ دونوں بھی مر جائیں گے، پھر ملک الموت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: اے پروردگار!

جبریل اور میکائیل بھی مر گئے تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے: یا رب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی بھی موت آنے والی نہیں، عرش کو اٹھانے والے فرشتے باقی ہیں اور میں بھی۔ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ عرش کو اٹھانے والے بھی مر جائیں چنانچہ وہ بھی مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دے گا اور وہ صور اسرافیل سے لے لے۔ پھر عزرائیل اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اے پروردگار! عرش اٹھانے والے بھی مر گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے: یا رب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جسے کبھی موت آنے والی نہیں اور میں باقی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو بھی میری مخلوق ہے میں نے تمہیں اس مقصد کے لئے پیدا کیا جو تم نے دیکھ لیا، اب تم بھی مر جاؤ، چنانچہ عزرائیل بھی مر جائے گا۔ باقی رہے گا تو صرف اللہ تعالیٰ جو یکتا ہے، قہار ہے، احد ہے، بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح رجسٹر لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر انہیں پھیلا دے گا۔ تین دفعہ انہیں کھولا اور لپیٹا جائے گا پھر فرمائے گا: میں جبار ہوں، میں جبار ہوں، میں ہی جبار ہوں (تین مرتبہ)، پھر وہ تین مرتبہ اعلان فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟'' آج بادشاہی کس کے لئے ہے؟'' لیکن کوئی بھی جواب نہیں دے گا، پھر خود ہی فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن: 16) ''صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم: 48) ''یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے)''۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو پھیلا کر دراز کر دے گا پھر انہیں کھینچے گا جس طرح عکاظی چمڑا کھینچا جاتا ہے: لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (طٰہٰ: 107) ''نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی جھڑک ہوگی کہ سب کے سب اس نو مولود زمین پر پہلے کی طرح جمع ہو جائیں گے، جو زمین کے اندر تھا وہ اندر ہی رہے گا اور جو باہر تھا وہ باہر۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ان پر پانی نازل فرمائے گا، آسمان کو حکم دے گا کہ بارش برسا، چنانچہ آسمان چالیس دن تک برستا رہے گا یہاں تک کہ پانی ان پر بارہ ہاتھ بلند ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اجسام کو حکم دے گا کہ وہ اس طرح بڑھتے بڑھتے ظاہر ہو جائیں جس طرح نباتات اور سبزیاں اگتی ہیں۔ جب ان کے جسم پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے عرش کو اٹھانے والے فرشتے زندہ ہو جائیں چنانچہ وہ زندہ ہو جائیں گے اور وہ اسرافیل کو حکم دے گا تو وہ صور لیکر اپنے منہ پر رکھ لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جبریل اور میکائیل زندہ ہو جائیں، وہ بھی زندہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو بلائے گا، مسلمانوں کی روحیں نور کے باعث چمک دمک رہی ہوں گی جبکہ کفار کی روحیں سخت تاریک ہوں گی۔ ان سب روحوں کو صور میں ڈال دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو نفخہ بعث (دوبارہ زندہ کرنے والی پھونک) کا حکم دے گا، وہ اسے بجالائیں گے تو تمام کی تمام ارواح باہر نکل آئیں گی، یوں محسوس ہوگا کہ یہ شہد کی مکھیاں ہیں۔ زمین و آسمان کے درمیان فضا بھر جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت اور جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو تمام ارواح اپنے اپنے اجسام میں نتھنوں کے رستے داخل ہو جائیں گی اور اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح زہر کسی مار گزیدہ کے جسم میں سرایت کرتا ہے پھر زمین پھٹ جائے گی اور لوگ باہر نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑنے لگیں گے اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، اس وقت یہ عالم ہوگا: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (القمر: 8) ''ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے)۔ لوگ برہنہ پا، برہنہ جسم اور غیر مختون اللہ کی طرف تیزی سے چلیں گے، ایک ہی مقام پر کھڑے ہوں گے، ستر برس اسی طرح گزر

جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور نہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا، تم گریہ وزاری کرنے لگو گے یہاں تک کہ آنسو بھی خشک ہو جائیں گے، پھر تم خون کے آنسو رونے لگو گے، ٹھوڑی تک پسینہ سے شرابور ہو جاؤ گے اور تم کہو گے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں (فیصلہ کے لئے) ہماری شفاعت کرے، پھر آپس میں کہو گے کہ باپ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی روح پھونکی اور سب سے پہلے کلام کی۔ چنانچہ سب لوگ اکٹھے ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے اپنا مقصد پیش کریں گے۔ وہ شفاعت کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ میں اس کا مستحق نہیں ہوں، پھر وہ ایک ایک کر کے سارے انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدعا بیان کریں گے لیکن (حامی بھرنے سے) سب انکار کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر وہ میرے پاس آ جائیں گے۔ میں ''فحص'' پر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ''فحص'' کیا ہے؟ فرمایا: عرش کا سامنے والا حصہ۔ اب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو میری طرف بھیجے گا جو میرا بازو پکڑ کر مجھے اٹھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے فرمائے گا: یا محمد! میں عرض کروں گا: حاضر ہوں یا رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ یہ منصب مجھے عطا فرما اور اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ شفاعت کا حق میں نے تمہیں عطا فرما دیا، تم شفاعت کر سکتے ہو اور میں لوگوں کے درمیان فیصلہ نافذ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: پھر میں واپس لوٹ کر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، ہم کھڑے ہی ہوں گے کہ آسمان سے زوردار آواز سنائی دے گی کہ ہم خوفزدہ ہو جائیں گے، زمین کے رہنے والے جن وانس سے دوگنی مقدار میں آسمان دنیا کے فرشتے اتریں گے۔ جب وہ زمین کے قریب آئیں گے تو زمین ان کے نور کی وجہ سے چمک اٹھے گی، وہ صفیں باندھ لیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ نہیں، وہ تشریف لانے ہی والا ہے۔ پھر دوسرے آسمان سے اس قدر فرشتے اتریں گے کہ ان کی تعداد پہلے آسمان کے فرشتوں اور جن وانس سے دوگنی ہوگی۔ وہ بھی جب زمین کے قریب پہنچیں گے تو وہ ان کے نور سے چمکنے لگی گی، وہ بھی اپنی اپنی صفیں باندھ لیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے اندر ہمارا پروردگار ہے؟ وہ کہیں گے نہیں، بلکہ وہ تشریف لانے والا ہے۔ پھر اس سے بھی دو چند فرشتوں کا نزول ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بادلوں میں فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہو گا، اس دن اس کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے حالانکہ اس وقت وہ چار ہیں۔ ان کے قدم سب سے نچلی زمین کی تہہ میں ہیں، زمین وآسمان ان کے سینہ کے برابر ہیں، عرش الٰہی ان کے کندھوں پر ہوگا۔ اللہ کی تسبیح کے باعث آواز گونج رہی ہوگی وہ کہہ رہے ہوں گے: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (یٰسین: 60-63) '' پاک ہے وہ اللہ جو عرش اور سطوت والا ہے، پاک ہے وہ جو ملک اور بادشاہت کا مالک ہے، پاک ہے وہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جسے کبھی موت نہیں آتی، پاک ہے وہ جو مخلوق کو مارتا ہے اور اسے موت نہیں آتی۔ وہ انتہائی پاک، مقدس، مقدس اور مقدس ہے، ہمارا برتر واعلیٰ رب پاک ہے جو فرشتوں اور روح کا بھی رب ہے۔ ہمارا برتر رب پاک ہے جو مخلوقات کو مارتا ہے لیکن اسے موت نہیں آتی''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی کرسی کو جہاں چاہے رکھ دے گا، اس پر جلوہ فرما ہوگا اور آواز دے گا: اے جن وانس کے گروہ! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے اس وقت سے لیکر آج کے دن تک خاموش رہا، تمہاری باتیں سنتا رہا، تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو اور غور سے سنو، تمہارے اعمال نامے تمہیں پڑھ کر سنائے جائیں گے۔

جس نے اپنے نامہ اعمال کواچھا پایا تو وہ اللہ کا شکر بجالائے ،اور جو اچھا نہ پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سخت سیاہ چمکیلی صورت نمودار ہوگی، پھر فرمائے گا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (یٰسین :63-60) ''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کردیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (وخرد) نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسین :59) ''اور حکم ہوگا اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو الگ الگ کردے گا اور تمام امتیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثیۃ :28) ''اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف۔ (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔ اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا باقی تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ وحشی جانوروں اور چوپایوں کے درمیان تصفیہ فرمائے گا یہاں تک کہ سینگ والی ظالم بکری سے بے سینگ کے لئے بدلہ لیا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ سے فارغ ہوگا تو کوئی بھی ایسا جانور نہیں بچے گا جسے انصاف نہ ملا ہو، پھر اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو اس وقت کافر کہے گا: يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (النباء :40) ''کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ سب سے پہلے قتل وخون کے مقدمات پیش ہوں گے۔ وہ ہر مقتول جسے قاتل نے اللہ کی راہ میں قتل کیا تھا وہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ ہر قاتل کو حکم دے گا تو وہ مقتول کا سر اٹھائے جس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا وہ عرض کرے گا، یارب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا.......... حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے...... کہ کیوں قتل کیا تھا؟ وہ مجاہد عرض کرے گا کہ میں نے اسے تیری عزت کی خاطر قتل کیا تھا، اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا ہے تو اللہ تعالیٰ سورج کی طرح اس کے چہرہ کو منور کردے گا پھر ملائکہ اسے جنت میں لے جائیں گے۔ دوسرے مقتول آئیں گے جنہیں قاتلوں نے اللہ کی رضا کے لئے قتل نہیں کیا ہوگا، سر کو اٹھائے ہوئے ہوں گے جس سے خون بہہ رہا ہوگا وہ سر عرض کرے گا کہ یارب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا...... حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہے...... کہ تو نے کیوں قتل کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اپنی عزت کی خاطر اسے قتل کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو برباد ہو جائے! غرضیکہ ہر قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور ہر زیادتی کا بدلہ ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو ظالم کو عذاب دے، چاہے تو رحم فرمادے۔ پھر باقی ماندہ مخلوقات کے مقدمات کی باری آئے گی۔ اللہ تعالیٰ انصاف فرمائے گا اور ہر ظالم سے مظلوم کو حق دلایا جائے گا اور زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا یہاں تک کہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کرکے بیچنے والے کو پابند کیا جائے گا کہ وہ پانی نکال کر دودھ کو خالص بنائے۔ جب اللہ تعالیٰ مقدمات کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا تو ایک منادی ندا دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ ہر گروہ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ مل جائے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ہر ایک شخص کے سامنے اس کے معبود کھڑے ہوں گے۔ ایک فرشتہ حضرت عزیر علیہ السلام کی صورت میں اور ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ یہود حضرت عزیر کے پیچھے ہو جائیں گے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے، پھر ان کے یہ فرضی معبود انہیں دھکیل کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے اسی

بات کا اللہ تعالیٰ تذکرہ فرماتے ہوئے کہتا ہے: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۖ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبیاء:99) ''(سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔اب جبکہ صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان ہیئت پر تشریف لائے گا اور فرمائے گا: اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ چلے گئے ہیں، تم بھی اپنے خداؤں کے ساتھ شامل ہو جاؤ، وہ عرض کریں گے: خدا کی قسم! ہمارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے اور اس کے سوا ہم کسی کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹا دے گا اور اپنی عظمت اور حقیقی شان میں جلوہ فرما ہوگا جس کے باعث وہ پہچان لیں گے کہ وہی ان کا رب ہے تو سب اپنے اپنے چہروں کے بل سجدہ ریز ہو جائیں گے لیکن منافق پیٹھ کے بل گر یں گے۔اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھوں کو گائے کے سینگوں کی طرح (سخت اور سیدھا) بنا دے گا، اس بناء پر وہ سجدہ کے لئے جھک نہ سکیں گے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہ اپنے سر اٹھا لیں گے۔اب جہنم کے سامنے پل صراط رکھا جائے گا جو خنجر یا تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہوگا جس پر جا بجا آنکس اور کانٹے ہوں گے اس کے نیچے سخت پھسلواں اور خطرناک پل ہوگا۔ وہ پل جھپکنے یا بجلی چمکنے یا ہوا، عمدہ گھوڑے، تیز رفتار سوار کے گزرنے کی دیر میں اسے عبور کر لیں گے۔ بعض تو صحیح سالم نجات پا جائیں گے، کچھ زخمی ہو کر اور بعض کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے، پھر جب جنتی جنت میں بھیجے جانے لگیں گے تو وہ کہیں گے کہ اب اللہ تعالیٰ کے پاس کون ہماری سفارش کرے گا تا کہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں؟ چنانچہ وہ کہیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا، اپنی روح پھونکی اور سب سے پہلے کلام کی، سب مل کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنا مطالبہ پیش کریں گے تو وہ اپنی لغزش کا ذکر کر کے معذرت کر لیں گے اور کہیں گے کہ میں تو اس کا اہل نہیں، تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔ چنانچہ سب نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی درخواست پیش کریں گے تو وہ بھی اپنی غلطی کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کے شایان نہیں، اور کہیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور اپنا مدعا عرض کریں گے وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں البتہ تم موسیٰ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کرتے ہوئے انہیں اپنے قریب کیا، کلام کی اور تورات عطا فرمائی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آ کر شفاعت کی درخواست پیش کریں گے وہ بھی اپنی لغزش کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کے شایان نہیں، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ چنانچہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے اپنا مقصد رکھیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ مجھے اپنے رب کے ہاں تین شفاعتوں کا حق ہوگا جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کر رکھا ہے۔ اب میں جنت کی طرف آؤں گا دروازے کے حلقہ کو پکڑ کر دروازہ کھلواؤں گا۔ دروازہ کھول دیا جائے گا، مجھے سلام کیا جائے گا اور خوش آمدید کہا جائے گا۔ جنت میں داخل ہو کر جب میں اپنے رب کی زیارت کروں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس قدر اپنی تحمید و تمجید کی مجھے توفیق مرحمت فرمائے گا کہ جس جیسی توفیق کسی کو نہ ملی ہوگی پھر فرمائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، مانگو، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ جب میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے، اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت کو قبول فرما کر وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے

تمہاری شفاعت قبول کی اور انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

نبی کریم ﷺ فرماتے تھے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم دنیا میں جس قدر اپنی بیویوں اور مساکن کو پہچانتے ہو جنتی اس سے بھی زیادہ اپنی ازواج اور مساکن کو پہچان لیں گے۔ ہر آدمی کے نصیب میں بہتر بیویاں ہوں گی ان میں سے دو اولاد آدم میں سے ہوں گی اور ستر حوریں ان دو کو حوروں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ وہ ایک کے پاس آئے گا جو یاقوت سے بنے ہوئے بالا خانے میں موتیوں سے آراستہ سونے کے تخت پر براجمان ہوگی اور سندس نرم و گداز ریشم کے ستر جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہوگی۔ وہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھے گا تو اس کا عکس اس کے سینے، کپڑے، جلد اور گوشت کے پار دوسری طرف دیکھ لے گا، جسم اس قدر شفاف ہوگا کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک اسے نظر آئے گا جس طرح کوئی یاقوت کی لڑی دیکھتا ہے۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے لئے آئینہ ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے سے نہیں اکتائیں گے جب بھی وہ اس کے پاس آئے گا تو اسے باکرہ ہی پائے گا۔ قوت مردانگی میں ذرا کمزوری واقع نہیں ہوگی اور نہ عورت کو اس سے اس بات کا شکوہ ہوگا۔ ایسے میں آواز آئے گی کہ ہمیں علم ہے کہ تم میں سے کسی کا جی نہیں بھرے گا لیکن تمہاری دوسری بیویاں بھی تو ہیں، چنانچہ وہ باری باری ہر ایک کے پاس جائے گا، جس کے پاس بھی وہ آئے گا وہ کہے گی: اللہ کی قسم! مجھے جنت میں تم سے زیادہ کوئی خوبصورت دکھائی نہیں دیتا اور نہ ہی جنت میں کوئی ایسی چیز ہے جو تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔

جب دوزخی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جنہیں ان کے برے اعمال نے ہلاکت کے گڑھے میں پھینکا ہوگا تو ان میں سے بعض ایسے ہوں گے آگ جن کے قدموں تک ہوگی اس سے تجاوز نہیں کرے گی اور بعض کی نصف پنڈلی تک، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک اور کچھ ایسے ہوں گے کہ جن کا پورے کا پورا جسم سوائے چہرہ کے آگ کی لپیٹ میں ہوگا، کیونکہ چہرے پر اللہ تعالیٰ نے آگ حرام کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا: اے پروردگار! میری امت کے اہل نار کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن اپنے امتیوں کو پہچانتے ہو دوزخ سے نکال لو۔ چنانچہ وہ نکل آئیں گے یہاں تک کہ کوئی بھی وہاں باقی نہیں رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ شفاعت عام کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ ہر نبی اور ہر شہید اپنی اپنی شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں دینار کے وزن برابر بھی ایمان ہو، تو اس مقدار کے حامل اہل ایمان دوزخ سے نکل آئیں گے کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر مزید شفاعت کا حق دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ ایک تہائی دینار کے برابر، پھر فرمائے گا ایک چوتھائی دینار کی مقدار، پھر فرمائے گا کہ ایک قیراط کے مساوی بھی، پھر فرمائے گا کہ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو بھی دوزخ سے نکال لو، چنانچہ تمام دوزخ سے رہائی حاصل کر لیں گے یہاں تک کہ کوئی بھی ایسا شخص دوزخ میں نہیں رہے گا جس نے اللہ کے لئے کوئی نیک کام کیا تھا اور کوئی بھی مستحق شفاعت باقی نہیں رہے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے پایاں رحمت کو دیکھ کر ابلیس بھی طمع کرنے لگے گا کہ کوئی اس کی سفارش کرے۔

اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں باقی رہ گیا ہوں اور میں تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، چنانچہ وہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈالے گا اور بے شمار دوزخیوں کو جو کوئلوں کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے، دوزخ سے نکالے گا، انہیں جنت کی ایک نہر جس کا نام نہر حیوان ہے، میں

ڈال دیا جائے گا، وہ ازسرنو اس طرح شاداب اور شگفتہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں نباتات۔ سورج کی دھوپ میں سبز اور سایہ میں زرد دکھائی دیں گے وہ تروتازہ سبزیوں کی طرح اگیں گے یہاں تک کہ ذرات کی طرح پھیلے ہوں گے ان کی گردنوں پر لکھا ہوگا ''اَلْجَهَنَّمِيُّوْنَ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ'' (رحمٰن کے آزاد کردہ جہنمی)، اس تحریر سے اہل جنت انہیں پہچان لیں گے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے کچھ نیک کام کئے تھے۔ وہ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہے گا جنت میں رہیں گے اور وہ تحریر ان کی گردنوں میں معلق ہوگی، پھر وہ درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! اس تحریر کو مٹادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو ختم کردے گا'' (1)۔ طبرانی نے اس طویل حدیث کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مشہور ہے حالانکہ یہ بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے بعض اجزاء کے شواہد موجود ہیں اور بعض الفاظ میں نکارت ہے۔ قاضی مدینہ اسماعیل بن رافع اس کے منفرد راوی ہیں۔ یہ مختلف فیہ آدمی ہے۔ بعض نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے ضعیف۔ بہت ائمہ جیسے احمد بن حنبل، ابی حاتم رازی اور عمرو بن علی اس کی نکارت حدیث پر متفق ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ متروک ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی ساری احادیث محل نظر ہیں اور اس کے راوی ضعیف ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اسناد میں کئی اعتبار سے اختلاف ہے۔ میں نے انہیں ایک علیحدہ جزء میں الگ کر کے بیان کر دیا ہے۔ سیاق عبارت بھی عجیب ہے۔ بہت سی احادیث کو ملا کر ایک حدیث بنالیا گیا ہے اس لئے وہ قابل انکار ٹھہری۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے ولید بن مسلم کی ایک تصنیف دیکھی ہے جسے اس نے اس حدیث کے بعض مفردات کے شواہد کے طور پر جمع کر رکھا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

''اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کیا تم بناتے ہو بتوں کو خدا، بے شک میں دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں۔ اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں۔ پھر جب چھا گئی ان پر رات (تو) دیکھا انہوں نے ایک ستارا، بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو، پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) پھر جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس

1۔ رواہ الطبرانی فی الطوالات

گمراہ قوم سے۔ پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بے شک میں نے پھیرلیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے''۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا(1)۔ فرماتے ہیں کہ آزر سے مراد صنم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ، والدہ کا نام مثانی، بیوی کا نام سارہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام ہاجرتھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیز تھیں۔ اکثر علماء نسب کا یہی کہنا ہے کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ آزر بت کا نام ہے۔ گویا کہ اس بت کی خدمت کرنے کے باعث یہی نام غالب آگیا۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے ہاں گالی اور معیوب بات کو آزر کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی ہے ٹیڑھا(2)۔ لیکن یہ معنی نہ کسی سے نقل کیا ہے اور نہ ہی کسی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان نے ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے والد محترم کو یہ بتاتے ہوئے سنا کہ آزر کا معنی ٹیڑھا ہے اور یہ نہایت سخت کلمہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ آپ کے باپ کا نام آزر تھا۔ پھر علماء نسب کا یہ قول کہ ان کے باپ کا نام تارخ تھا بطور اعتراض پیش کر کے جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ دو نام ہوں جیسا کہ اکثر لوگوں کے ہوتے ہیں یا ان میں سے ایک لقب ہو(3)۔ ان کا یہ کہنا جید اور قوی ہے۔

وَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِاَبِي کی قراءت میں اختلاف ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابویزید مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''اٰزَرُ'' منادی مرفوع ہے اس کے پہلے حرف ندا ''یا'' مقدر ہے۔ جمہور علماء اسے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ ''اَبِيْهِ'' سے بدل ہے یا عطف بیان۔ عجمی علم ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے یا احمر اور اسود کی طرح وصف ہونے کی وجہ سے۔ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس کے مطابق تقدیر کلام یوں بنتی ہے: ''يَا اَبَتِ اَتَتَّخِذُ اٰزَرَ اَصْنَامًا اٰلِهَةً'' تو یہ لغت کے اعتبار سے بہت بعید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اداۃ استفہام کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اس کی تثبیت کی ہے اور قواعد عربیہ میں یہ مشہور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی، عبادت اصنام پر انہیں ٹوکا اور منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے جیسا کہ ارشاد ہوا: وَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ...... فرمایا: کیا تم نے اصنام کو اپنا معبود بنالیا ہے، میں

1۔ اکثر علمائے اہل سنت کی رائے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، آزر آپ کا چچا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' (میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں)۔ کفر پر مرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اپنے والد کی وفات کے کئی سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی تکمیل کرتے ہوئے دعا مانگی: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ''۔ اگر والدین کافر ہوتے تو آپ کافر کے لئے کیوں دعائے مغفرت کرتے۔

''اَبٌ'' (باپ) کا لفظ چچا کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا''۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا حالانکہ آپ چچا ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ردوا علی أبی''۔ یہاں ''اَب'' (باپ) سے مراد آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 243 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 244

تمہیں اور تمہارے طریقہ کو اختیار کرنے والے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ کھلی گمراہی میں سرگرداں ہیں، حیرت اور جہل میں بھٹک رہے ہیں، ہدایت کی راہ انہیں نظر نہیں آتی، جہالت اور گمراہی میں تمہارا معاملہ ہر صاحب عقل، سلیم الفطرت کے لئے واضح اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: ''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ (مریم:48-41)'' اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا''۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ کے لئے جب تک وہ حیات رہے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ جب آپ کے والد کی موت شرک پر ہوئی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ مشرک کو استغفار کا کوئی فائدہ نہیں تو آپ نے استغفار کرنا ترک کر دیا اور بیزاری ظاہر کی جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ...... اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبہ:114)'' اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہو گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے''۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کا والد اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ روز قیامت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملیں گے تو وہ انہیں کہے گا: اے بیٹے! آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے پروردگار! کیا تو نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں کر رکھا کہ تو قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا اور آج اس سے بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہو سکتی ہے کہ میرا باپ نامراد ہے؟ کہا جائے گا: اے ابراہیم! اپنے پیچھے دیکھو تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے باپ کی بجائے ایک لتھڑا ہوا ذبیحہ ہے جسے ٹانگوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا(1)۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ...... زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کے باعث ہم ابراہیم پر یہ عیاں کر دیں گے کہ ان کی تخلیق میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ وہ اپنی بادشاہی اور تخلیق میں وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب، جیسا کہ ارشاد ہے: قُلِ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 387 تفسیر سورۃ الشعراء، جلد 8، صفحہ 499

اُنْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یونس:101) ''فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں) اور فرمایا: اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:185) ''کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں''۔ اور فرمایا: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (سبا:9) ''کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہئیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔ درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے''۔ ملکوت کی وضاحت میں ابن جریر نے مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، سدی وغیرہ سے نقل کیا ہے (1)۔ الفاظ مجاہد کے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آسمان کھول دیئے گئے، آپ نے ان کے اندر ہر چیز کو دیکھ لیا حتیٰ کہ نظر عرش تک پہنچ گئی۔ اور ساتوں زمینیں کھل گئیں، آپ نے ان کے اندر موجود ہر چیز کو دیکھ لیا، پھر بندوں کے گناہوں کو دیکھ کر بددعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہوں، شاید کہ یہ توبہ کر کے اپنے گناہوں سے باز آ جائیں۔ ابن مردویہ نے اس بارے میں دو مرفوع حدیثیں حضرت معاذ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں لیکن ان کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمین و آسمان کی تمام ظاہر اور مخفی چیزیں منکشف کر دیں۔ مخلوق کے اعمال تک ان پر پوشیدہ نہ رہے۔ جب آپ گنہگاروں پر لعنت بھیجنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایسا نہیں کر سکتے اور آپ کی بددعا کو واپس لوٹا دیا پھر وہ پہلی حالت میں لوٹ آئے۔ اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار آپ کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گئے، پردے ہٹ گئے اور آپ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مشاہدہ دل کی آنکھ سے ہو، اللہ تعالیٰ نے بصیرت عطا فرمائی اور آپ نے اپنے دل کی آنکھ سے ہر چیز کا مشاہدہ کر کے اسے پہچان لیا اور ان میں موجود اللہ تعالیٰ کی غالب حکمتوں اور قطعی دلالت کو جان لیا جیسا کہ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ سے حدیث منام مروی ہے حضور فرماتے ہیں: ''میرا رب میرے پاس (عالم خواب میں) بہترین صورت میں تشریف لایا اور فرمانے لگا: اے محمد! عالم بالا میں کیا بحث ہو رہی ہے؟ میں نے عرض کی: اے رب! میں نہیں جانتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ اب ہر چیز مجھ پر عیاں ہو گئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا'' (2)۔

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ بعض نے کہا ہے کہ اس میں واؤ زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں زائدہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:55) ''اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا''۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ زائدہ نہیں ہے بلکہ اپنے معنی میں استعمال ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے وسیع بادشاہی دکھا دی تاکہ وہ صاحب علم اور صاحب ایقان ہو جائیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ...... جب رات چھا گئی اور انہیں اپنے پردہ میں چھپا لیا تو آپ نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ جب وہ ڈوب کر اوجھل ہو گیا تو آپ نے کہا کہ میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا کیونکہ غائب ہونے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کا رب ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے زائل ہونے والا نہیں (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 245　　2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 13-111، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 243

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 248

''اَفَلَ'' کا معنی ہے غائب ہونا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا...... پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا: اگر میرا حقیقی رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی اس گمراہ قوم میں سے ہوتا۔ پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے۔ جب وہ بھی غائب ہو گیا تو کہا: اے میری قوم! میں تمہارے شرکاء سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جو بڑی قدرت کی مالک ہے، جس نے بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، میں شرک سے اعراض کر کے یکسوئی کے ساتھ توحید کی طرف متوجہ ہوں، اس لئے فرمایا: وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اس مقام پر مفسرین کا اختلاف ہے کہ کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور و تدبر ہے یا (اپنی قوم کے ساتھ) مقام مناظرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے مقام غور و فکر قرار دیتے ہیں۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے اور اس فرمان لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ سے استدلال کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہی تھی جب وہ پہلی دفعہ اس غار سے باہر نکلے تھے جہاں ان کی والدہ نے انہیں جنم دیا تھا۔ کیونکہ نمرود بن کنعان کے خوف سے وہ اس غار میں پناہ گزیں ہوگئی تھیں۔ واقعہ یوں ہے کہ نمرود کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی سلطنت میں ایک ایسا بچہ ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں اس کی سلطنت برباد ہوگی۔ تو اس نے اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ جب حضرت ابراہیم کی والدہ حاملہ ہوئیں اور وضع حمل کا وقت قریب آ گیا تو آپ انہیں لیکر شہر سے باہر ایک غار میں چلی گئیں۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنم دیا اور وہاں ہی چھوڑ دیا۔ دوسرے مفسرین کی طرح ابن جریر نے بھی آپ کے متعلق کافی خارق عادت چیزوں کا تذکرہ کیا ہے (1)۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے مقابلے میں اس مقام پر ایک مناظر کی حیثیت رکھتے ہیں اسی لئے تو ان کے بے جان مجسموں اور بتوں کا بطلان کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقام اول میں اپنے والد کے ساتھ گفتگو میں عبادت اصنام کی غلطی کو منکشف کیا، وہ اصنام جو انہوں نے زمین پر آسمانی ملائکہ کی شکل میں بنا رکھے تھے تاکہ یہ بے جان ڈھانچے خالق عظیم کے سامنے ان کی شفاعت کریں حالانکہ یہ اصنام ان کی اپنی نظروں میں بہت حقیر تھے اور اس قابل نہ تھے کہ ان کی عبادت کریں، بلکہ وہ تو ملائکہ کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وسیلہ پکڑتے تھے تاکہ وہ ان کے لئے اللہ کے ہاں رزق، فتح و نصرت اور دوسری ضروری چیزوں کی سفارش کریں چنانچہ عبادت ہیاکل کے بارے میں ان کی غلطی اور گمراہی واضح ہوگئی۔ یہ ہیاکل (مجسمے اور پتلے) سات سیاروں کے تھے: قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری اور زحل۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن اور افضل سورج تھا، پھر قمر، پھر زہرہ۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بیان کیا کہ زہرہ ستارے کو لیں، یہ معبود بننے کی صلاحت نہیں رکھتا کیونکہ یہ خود پابند ہے، ایک معین رفتار سے چلتا ہے، اپنے مدار پر چلتا ہے، دائیں بائیں نہیں جھک سکتا اور اپنے لئے بھی کچھ تصرف کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ تو اجرام فلکی میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روشن پیدا کیا ہے کیونکہ اس میں اس کی بہت سی عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے پھر مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت طے کرتے کرتے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، پھر اسی طریقہ سے اگلی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ جب اس کی اپنی یہ کیفیت ہے کہ یہ مجبور محض اور بے بس ہے تو کیونکر یہ معبود بن سکتا ہے۔ پھر آپ قمر کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو زہرہ کے بارے میں بیان کیا تھا۔ پھر اسی طرح سورج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب سب سے زیادہ روشن

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 50-249

ان اجرام ثلاثہ کی الوہیت کی نفی ہو گئی، ان باطل خداؤں کی خدائی پر کاری ضرب لگا دی اور قطعی دلیل سے یہ بات ثابت ہو گئی تو کہا: قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ یعنی میں ان کی عبادت اور اطاعت سے لاتعلق ہوں۔ اگر یہ واقعی خدا ہیں تو تم ان سب کو لیکر میرے خلاف تدبیر کرو اور میرے ساتھ ذرا بھی رعایت نہ کرو۔ میں نے تو اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا، یکسو ہو کر اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، یعنی میں تو اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے ان اشیاء کو بغیر مثال کے پیدا فرمایا، ہر چیز اس کے دائرہ اختیار میں ہے وہ تمام چیزوں کا انتظام فرمانے والا ہے، ہر چیز کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق، رب، مالک اور معبود ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر غور و فکر کرنے والے ہوں اور پہلے شرک کے خیالات میں مبتلا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ تو خود ان کی براءت کا اظہار فرما رہا ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء: 52-51) ''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو''۔ اور فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل: 23-120) ''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لحظہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کر و ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔ اور فرمایا: قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام: 161) ''آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم علیہ السلام ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے''۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (ہر بچہ فطرت سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے''۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ (1) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف (باطل سے منہ موڑ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والا) پیدا کیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اسی چیز کو بیان فرماتا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ

1۔ یہ دونوں حدیثیں سورۂ نساء: 119 کے تحت گزر چکی ہیں۔ ان کی تخریج وہاں دیکھئے۔

الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم:30)'' (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں''۔ اور فرمایا: وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف:172)'' اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے''۔ ایک قول کی رو سے اس کا معنی وہی ہے جو'' فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا'' کا ہے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ جب تمام مخلوق کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ ان کی فطرت میں خدا پرستی اور اعتراف عبودیت کی صفت رکھ دی گئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ توحید باری تعالیٰ اور خدا شناسی کے معاملہ میں متردد تھے حالانکہ آپ امت تھے، اللہ کے اطاعت گزار، مخلص، اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور مشرک نہیں تھے، بلکہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے بعد بغیر کسی شک و شبہ کے تمام لوگوں سے زیادہ فطرت سلیمہ کے مالک تھے۔ آپ اپنی قوم کے مقابلے میں مناظر تھے نہ کہ ناظر (غور و فکر کرنے والے) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۚ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

'' اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم، آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دیدی ہے مجھے۔ اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا، گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے جب توحید کے متعلق آپ کی قوم آپ سے مناظرہ و مجادلہ کر رہی تھی فرمایا: اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو۔ وہ تو وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،

اس نے مجھے بصیرت عطا فرمائی، حق کی طرف راہ دکھائی اور میں اس کی طرف سے ہی (یکتائی کی) دلیل پر قائم ہوں اس لئے میں کیونکر تمہارے اقوال فاسدہ اور شبہات باطلہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہوں۔

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ...... تمہارے قول کے بطلان پر میرے پاس یہ دلیل ہے کہ تمہارے یہ خدا جن کی تم پرستش کرتے ہو کسی چیز میں اثر انداز نہیں ہو سکتے، نہ میں ان سے ڈرتا ہوں اور نہ ان کی مجھے ذرا بھی پرواہ ہے، اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو تم انہیں لیکر میرے مقابلے میں آ جاؤ، جلدی کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا یہ استثناء منقطع ہے، یعنی نفع ونقصان پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی کچھ بگاڑ سکتا ہے اگر چاہے تو۔ کیونکہ اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے اور کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں۔ تو میں جو کچھ تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں کیا تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے؟ کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود باطل ہیں تا کہ تم ان کی عبادت سے باز آ جاؤ یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسی حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کے سامنے پیش کی تھی، قرآن کریم نے اسے اس طرح بیان فرمایا ہے: قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ (ہود: 56-53) ''انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، اس کے سوا پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے''۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ...... میں ان اصنام سے کیوں ڈروں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرالیا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سلطان کا معنی دلیل ہے جس طرح یہ آیت ہے: اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ: 21) ''کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لئے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی''۔ اور اسی طرح یہ فرمان: اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (النجم: 23) ''نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند''۔

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ...... وہ دو گروہ جن میں سے ایک اس ذات کی عبادت میں مشغول رہا جو نفع ونقصان کا مالک ہے اور دوسرا گروہ جو ان بتوں کی عبادت کرتا رہا جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان، جب قیامت کا دن ہوگا تو ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہونے کا مستحق ہوگا؟ فرمایا کہ قیامت کے دن وہی لوگ امن والے اور ہدایت یافتہ ہوں گے جو صرف اس ذات یکتا و بے ہمتا کی عبادت کرتے رہے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہ ہونے دیا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب یہ آیت وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اتری تو صحابہ عرض کرنے لگے: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ

پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو یہ آیت اتری: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: 13)۔ ''یعنی ظلم عظیم تو شرک ہے'' (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت اتری تو لوگوں پر بہت شاق گزری، عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ فرمایا: اس کا مطلب وہ نہیں جو تم لے رہے ہو، کیا تم نے عبد صالح (لقمان حکیم) کا قول نہیں سنا (2)۔ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: 13) ''اے میرے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے''، یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔ متعدد صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کہا گیا ہے کہ تم ان اہل ایمان میں سے ہو''۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں باہر نکلے۔ جب مدینہ سے باہر ہوئے تو اچانک ایک سوار ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گویا کہ یہ سوار تمہاری ملاقات کے ارادہ سے آرہا ہے، وہ سوار جب ہمارے پاس پہنچا تو ہمیں سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟'' عرض کی: رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی خواہش ہے، فرمایا: ''تم نے اپنا مطلوب پالیا ہے'' اس نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے سکھائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو''۔ اس نے کہا کہ میں نے (ان سب باتوں کا) اقرار کرلیا۔ جب وہ روانہ ہونے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں چوہوں کے بل میں پھنس گیا، اس کا اونٹ گرا اور وہ بھی ساتھ ہی سر کے بل گر پڑا اور مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے'' حضرات عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جلدی سے اٹھالائے اور آدمی کو بٹھادیا اور عرض کی: یارسول اللہ! یہ آدمی تو مر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذرا توقف کے بعد انہیں فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس آدمی کی طرف سے منہ کیوں پھیرا؟ میں نے دو فرشتوں کو دیکھا جو جنت کے پھل اس کے منہ میں ڈال رہے تھے تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ بھوکا مرا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان خوش بختوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ۔ پھر فرمایا: ''اپنے بھائی کو لو اور اس کا انتظام کرو'' چنانچہ ہم اسے اٹھا کر لے گئے، غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا اور اٹھا کر قبر تک لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا: لحد (بغلی قبر) بناؤ، شق (کھلی قبر) نہیں کیونکہ لحد ہمارے لئے ہے اور شق دوسروں کے لئے اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جو عمل تھوڑا کرتے ہیں لیکن اجر زیادہ ملتا ہے'' (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی سامنے آ گیا۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اپنا وطن، گھر بار اور مال واسباب چھوڑ کر حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے طفیل ہدایت پاؤں اور آپ کے فرامین حاصل کروں۔ میں اس طرح آپ تک پہنچا ہوں کہ زمین کے سبزہ پر گزارہ کرتا رہا۔ اب مجھے دین کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ آپ ﷺ نے دین پیش کیا تو اس نے قبول کرلیا۔ ہم اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ جانے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں چوہوں کے بل میں پھنس گیا۔ اعرابی گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اس نے سچ کہا تھا کہ وہ اپنے وطن، اہل وعیال اور مال و

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 294   2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 378   3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 359

اسباب کو چھوڑ کر اس مقصد کے لئے آیا ہے تا کہ وہ میرے طفیل راہ ہدایت پالے، میری باتیں سنے، یہ آدمی مجھ تک اس حال میں پہنچا کہ دوران سفر اسے زمین کا سبزہ ہی بطور خوراک میسر تھا، کیا تم نے ایسے لوگوں کے بارے میں سن رکھا ہے جن کا عمل قلیل ہو لیکن اجر کثیر ہو؟ یہ ان میں سے ہے۔ کیا تم نے ایسے لوگوں کے بارے میں سنا ہے جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی آمیزش نہ کی انہی لوگوں کے لئے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں؟ بلاشبہ یہ بھی انہی میں سے ہے۔'' ایک روایت میں یہ ہے: ''اس نے عمل کم کیا اور اجر زیادہ پایا۔'' حضرت عبداللہ بن سنجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جسے عطا کیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا، جسے نہ دیا گیا تو اس نے صبر کیا، جس نے ظلم کیا اور پھر مغفرت طلب کی اور جس پر ظلم ہوا تو اس نے معاف کر دیا'' اتنا کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس شخص کو کیا اجر ملے گا؟ فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (1)۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ...... یعنی ہم نے ابراہیم کو مناظرہ کے وقت قوم کے خلاف حجت عطا فرمائی۔ مجاہد وغیرہ اس حجت سے مراد وہ حجت لیتے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ...... اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے امن و ہدایت کا فیصلہ فرما دیا، ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ پھر فرمایا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ...... یہاں دَرَجٰت کا لفظ اضافت اور بغیر اضافت کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے، دونوں صورتوں میں معنی تقریباً ایک جیسا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ تمہارا پروردگار اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے، وہ جانتا ہے کہ کس کو اس نے ہدایت دینی ہے اور کس کو گمراہ کرنا ہے اگر چہ اس پر بہت سے دلائل و براہین قائم ہو جائیں۔ جس طرح فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

''اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحٰق اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

1۔ ابن مردویہ، معجم طبرانی کبیر، جلد 7، صفحہ 138

نیکو کاروں کو۔ اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔ اور (ہدایت دی) اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں پر۔ اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا ان (سب کو) اور ہدایت دی ان (سب) کو راہ راست کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنہیں کتاب اور حکمت اور نبوت، تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لئے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اجرت، نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحاق جیسا بیٹا عطا فرمایا حالانکہ آپ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے، آپ اور آپ کی زوجہ محترمہ دونوں اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔ فرشتے جو قوم لوط کی طرف جا رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اسحاق کی خوشخبری دی۔ آپ کی زوجہ محترمہ نہایت تعجب سے کہنے لگیں: يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ہود:73-72)'' وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔ فرشتوں نے نہ صرف اسحاق کی خوشخبری دی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نبوت اور نسل کے برقرار رہنے کی بھی بشارت سنائی جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات:112) ''اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرہ) صالحین میں سے)۔ یہ کمال درجے کی بشارت اور عظیم نعمت ہے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود:71)'' تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی''۔ یعنی تمہاری زندگی میں ہی اس مولود (اسحٰق) کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ بیٹا اور پوتا دونوں باعث سکون و راحت ہوں گے۔ پوتے کی ولادت سے چونکہ نسل برقرار رہتی ہے اس لئے اس کی ولادت سے خوشی دو چند ہو جاتی ہے۔ بوڑھا اور بڑھیا کے بارے میں عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں بوجہ ضعف اولاد پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے بیٹے کی بشارت دی جو ان عمر رسیدہ میاں بیوی کے ہاں پیدا ہوگا اور مزید کرم یہ کیا کہ ساتھ ہی ایسے پوتے کی بھی خوشخبری دے دی جس کی نسل برقرار رہے گی کیونکہ یعقوب عقب سے بنا ہے جس میں نسل اور اولاد کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ صلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا جب انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی قوم سے ناطہ توڑ دیا، ان سے الگ تھلگ ہو گئے اور عبادت الٰہی کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دور دراز چل دیئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم اور خاندان کے بدلہ میں صلبی صالح اولاد عطا فرمائی جو آپ کے ہی دین پر قائم رہے تا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (مریم:49) ''پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔

اور سب کو ہم نے نبی بنایا"۔ اور یہاں فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا۔

وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ...... اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ابراہیم علیہ السلام کو نیک اولاد عطا فرمائی اور دونوں (اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام) عظیم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کا تعلق ہے تو طوفان نوح میں تمام اہل زمین غرق ہو گئے صرف وہی سعادت مند باقی رہے جو آپ پر ایمان لائے اور یہ وہی ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے، یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کی ذریت ہیں اور تمام لوگ آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کے بعد جو بھی نبی آیا وہ آپ کی اولاد میں سے تھا جس طرح ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ"۔ اور فرمایا: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ (الحدید: 26)" اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب"۔ اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۫ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا (مریم: 58)" یہ وہ (مقدس ہستیاں ہیں) جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار و قطار) روتے ہوئے"۔

وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ہم نے آپ (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بھی ہدایت دی۔ "ذُرِّيَّتِهٖ" میں ضمیر کا مرجع نوح علیہ السلام کو بنائیں تو یہ بات واضح ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ مرجع سب سے زیادہ قریب ہے (1)۔ اور اگر ضمیر کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹائیں تو بھی اچھا ہے کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اس طرح حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار ہوں گے حالانکہ آپ اولاد میں سے نہیں بلکہ آپ کے بھتیجے ہیں، ہاں یہ ممکن کہ بطور تغلیب آپ کو اپنی اولاد میں شامل کر لیا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تغلیباً حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں داخل کیا گیا ہے حالانکہ آپ تو چچا تھے: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ: 133)" بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب علیہ السلام کو موت۔ جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے) کے بعد۔ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے"۔ اور جس طرح اس فرمان میں ہے: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ (الحجر: 30)" پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔ سوائے ابلیس کے"۔ ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو اس حکم میں ابلیس بھی شامل تھا اور مخالفت کے باعث مذموم ٹھہرا، چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اس لئے ان جیسا معاملہ کرتے ہوئے تغلیباً اسے بھی ان کے ساتھ اس حکم میں شامل کر دیا ورنہ وہ تو جنوں میں سے تھا جس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ابراہیم علیہ السلام یا نوح علیہ السلام کی

5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 260

اولاد میں ہوا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی مرد کی نسل میں ہی شمار کی جاتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بن باپ پیدا ہوئے۔ آپ کو آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر کو بلا بھیجا اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) نبی کریم ﷺ کی ذریت سے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے مجھے تو کہیں یہ چیز نظر نہیں آئی؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے سورۃ انعام پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ...... وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى حجاج نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا عیسیٰ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہیں حالانکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے؟ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے، یعنی بیٹی کے سبب سے ذریت میں شمار کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی ذریت کے لئے وصیت کرتا ہے، یا کوئی چیز وقف کر دیتا ہے یا انہیں کچھ ہبہ کر دیتا ہے تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی شامل ہوگی لیکن اگر وہ اپنے بیٹوں کو کچھ عطا کرے یا کوئی چیز وقف کر دے تو اس صورت میں صرف صلبی بیٹے اور پوتے ہی مستحق ہوں گے۔ انہوں نے عربی شاعر کے شعر سے دلیل پکڑی ہے جو کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے وہی ہیں جو ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے تو اجنبیوں کے بیٹے ہیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بیٹیوں کے بیٹے بھی ان میں داخل ہوں گے اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو یہ فرمانا ہے: اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ(1)۔ ”میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا“۔ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بیٹا کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ بھی نبی کریم ﷺ کے بیٹوں میں داخل ہیں۔ چند دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ تجوز ہے۔

وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ یہاں ان کے اصول، فروع اور ہم طبقہ حضرات کا ذکر کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ ہدایت اور برگزیدگی میں سب شامل ہیں اسی لئے فرمایا: وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پھر فرمایا: ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔ یعنی انہیں یہ مقام اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت کے سبب حاصل ہوا۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا...... اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہاں شرک کے معاملہ کی شدت، سنگینی اور اس کے ارتکاب کی مذمت بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) ”اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال“۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اور شرط کے لئے ضروری نہیں کہ وہ لازماً واقع ہو جس طرح فرمان ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف: 81) ”آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا“۔ اور جیسا کہ فرمایا: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء: 17) ”اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں“۔ اور جس طرح یہ ارشاد ہے: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر: 4) ”اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست“۔

1۔ فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5، صفحہ 307، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7، صفحہ 94

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ...... یہی وہ ہستیاں ہیں جنہیں ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ ان کے باعث ہم نے اپنے بندوں پر لطف وکرم کیا اور بے پایاں رحمت سے نوازا اور ہدایت کی شاہراہ کو روشن کیا۔ اب بھی اگر مکہ والے نبوت کا انکار کر دیں اور اللہ کی ان نعمتوں کو فراموش کر دیں تو ہم ان کے بدلے میں ایسے لوگ (مہاجرین، انصار) مقرر کر دیں گے جو ہماری کسی بات کا انکار نہیں کریں گے اور نہ ہی ایک حرف تک کورد کریں گے بلکہ تمام قرآن کریم پر محکم ہو یا متشابہ ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی ان اہل ایمان میں سے بنا دے۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ...... اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یہ انبیاء جن کا ذکر ان کے آباء، ذریت اور اخوان کے ساتھ ہوا ہے، یہی ہدایت یافتہ ہیں سو ان کی اقتداء اور اتباع کریں۔ جب رسول کریم ﷺ کو یہ حکم ہے تو آپ ﷺ کی امت تو آپ ﷺ کی شریعت کے تابع اور آپ ﷺ کے حکم کی غلام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ...... فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پھر فرمایا کہ وہ ان میں سے ہے(1)۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا...... آپ فرما دیں کہ میں قرآن کریم کی تبلیغ پر نہ تو اجرت کا طلب گار ہوں اور نہ تم سے کسی چیز کا خواہش مند۔ یہ قرآن تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہے تا کہ وہ گمراہی سے ہدایت اور کفر سے ایمان کی طرف لوٹ آئیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا۔ جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی)۔ آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے، تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرما دیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انہیں (تا کہ) وہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے۔ ہم نے اتارا ہے اس کو بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لئے تا کہ ڈرائیں آپ مکہ (والوں) کو اور جو اس کے اردگرد ہیں۔ اور جو ایمان لائے ہیں آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں''۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجا نہ لائے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور عبداللہ بن کثیر کہتے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 294

ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ بعض کے نزدیک یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ فنحاص نامی یہودی کے بارے میں یہ آیت اتری اور ایک چوتھا قول یہ ہے کہ یہود کے ایک آدمی مالک بن صیف کے متعلق اتری۔ ان بدبختوں نے کہا: مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور یہود (جو مدینہ میں تھے) آسمان سے وحی الٰہی اور کتابوں کے نزول کا انکار نہیں کرتے تھے، البتہ قریش اور تمام عرب صرف اس بناء پر حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے کہ آپ ﷺ بشر ہیں جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس: 2) ''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو''۔ اور جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: 94) ''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہوسکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔ اور یہاں **فرمایا:** وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ **قَالُوْا** مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ..... اے محبوب! آپ انزال کتب کا انکار کرنے والوں سے فرما دیں کہ یہ کتاب تورات کس نے نازل کی ہے جس کے بارے میں تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران کو عطا فرمایا تھا، یہ کتاب سراپا نور اور ہدایت ہے تاکہ لوگ اس سے اپنی مشکلات کے ازالہ کے لئے روشنی پائیں اور شبہات کی تاریکیوں میں **ہدایت حاصل** کرسکیں، **لیکن تم ایسے بدبخت** ہو کہ تم تورات کو ورق ورق کر کے اور پارہ پارہ کر کے اصل کتاب سے لکھتے ہو، اس میں تحریف، تبدیل اور من **گھڑت** تاویلات کا ارتکاب کر کے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ بھی وحی الٰہی ہے جس کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے حالانکہ یہ نہ تو اس میں موجود ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اسی لئے فرمایا: تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ قرآن کریم کو کس نے اتارا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماضی اور مستقبل کے حالات سے آگاہ کر دیا ہے جنہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ''اَللّٰهُ'' لفظ جلالتہ کی خبر ''اَنْزَلَهٗ'' مقدر ہے یعنی آپ فرما دیں کہ اسے اللہ ہی نے اتارا ہے۔ اس کلمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول معین ہے، ایسا نہیں جیسا کہ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ انہیں خطاب صرف ایک کلمہ (اللہ) سے ہے۔ اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ ایک مفرد کلمہ بھی جملہ بن سکتا ہے حالانکہ لغت عرب میں مفرد کلمہ کا لانا کوئی مفید اور مکمل کلام متصور نہیں ہوتا جس پر مخاطب کی تسلی ہو جائے۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ آپ انہیں بادیہ ضلالت و جہالت میں بھٹکنے دیں یہاں تک کہ ان کے پاس پیام اجل آجائے تو اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 269

وقت ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتر جائے گی اور وہ جان لیں گے کہ انجام خیر کس کا ہے، ان کا یا اللہ کے متقی بندوں کا؟

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ...... یہ عظیم الشان کتاب جسے ہم نے اتارا ہے، بڑی بابرکت ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اہل مکہ، اس کے اردگرد بسنے والوں اور تمام بنی نوع انسان کو بروقت خبردار کریں۔ آپ ﷺ کی رسالت آفاقی اور ہمہ گیر ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:158) '' آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔ اور فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) '' تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''۔ اور ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) '' اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ اسی طرح ارشاد ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا (الفرقان:1) '' بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا''۔ اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران:20) '' اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو''۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئیں، آپ ﷺ نے ان تمام کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک ہے: '' پہلے ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے''(1)۔ اسی لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا وہ اس بابرکت کتاب پر بھی ایمان لائے گا جو کتاب (قرآن) اے محمد ہم نے آپ پر نازل کی ہے۔

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یہ صرف کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں لاتے بلکہ ایسے سعادت مند ہیں کہ جو نمازیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں پابندی سے ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

'' اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس

6۔ یہ حدیث شریف سورۂ نساء:43 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے۔ کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں دیا جائے گا ذلت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے۔ اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمہیں اپنے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بیشک ٹوٹ گئے تمہارے سارے رشتے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے''۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا...... استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کرتا ہے، اس کے شرکاء یا اولاد قرار دیتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے مبعوث نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے: اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں اتری۔

وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ...... اور اس شخص سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہو سکتا ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی اس قرآن جیسا کلام نازل کر سکتا ہے، یہ شخص بڑا ظالم اور زیاں کار ہے جو بہتان تراشی کر کے وحی الٰہی کے ساتھ معارضہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس چیز کو یوں بیان کیا گیا ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (الانفال:31)'' اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہئیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں''۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ...... کاش کہ آپ ان ظالموں کو موت کی سکرات اور سختی میں دیکھتے جبکہ فرشتے ضرب کاری لگانے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں، '' بَسَطَ اِلَيْهِ '' کا یہ مفہوم ان آیات میں بھی ہے: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ (المائدہ:28)'' تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تا کہ تو قتل کرے مجھے''، وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ (الممتحنہ:2)'' اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ''۔ ضحاک اور ابو صالح کہتے ہیں کہ یہاں عذاب کے لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ (الانفال:50)'' اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر''۔

اسی لئے فرمایا: وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ یعنی ملائکہ انہیں مارنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں گے تا کہ ان کے اجسام سے روحوں کو نکال سکیں، اسی لئے وہ کفار سے کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کافر مرنے لگتا ہے تو فرشتے اسے، عبرتناک عذاب، بیڑیوں، پھندوں، دوزخ، کھولتا ہوا پانی اور غضب الٰہی کی بشارت دیتے ہیں تو اس کافر کی روح جسم میں بکھر جاتی ہے اور باہر نکلنے سے انکار کر دیتی ہے تو ملائکہ اسے زدوکوب کرتے ہیں تا کہ روح باہر نکل آئے اور یہ کہتے ہیں: اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ ...... کہ اپنی روحوں کو نکالو، آج تمہیں بہت رسوا کن عذاب دیا جائے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے، اتباع آیات اور اطاعت رسل پر تکبر کیا کرتے تھے۔ بہت سی احادیث متواترہ میں مومن اور کافر کی حالت نزع کو بیان کیا گیا ہے اور مومن کی کیفیت یوں بیان

فرمائی: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ (ابراہیم: 27) ''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی''۔ ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث سند غریب سے نقل کی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى ...... تم روز قیامت ہمارے پاس تنہا تنہا آؤ گے اور یہ حال ہوگا: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ (الکہف: 48) ''اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار''۔ یعنی جس طرح ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور تم ایسے نا ہنجار تھے کہ اس کا انکار کیا کرتے تھے اور اسے محال سمجھتے تھے، تو یہ ہے وہ یوم بعث۔

وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ دنیا میں جو مال و متاع تم نے جمع کر رکھا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو فقط اتنا ہی تھا جو کھا کر تم نے فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا (اور توشہ آخرت بنا لیا) باقیماندہ سب کچھ ختم ہو جانے والا اور دوسروں کے لئے ترکہ ہے''(1)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: ''قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے کہاں جمع کر رکھا ہے؟ وہ کہے گا کہ اے رب! میں نے جمع کیا اور وہیں چھوڑ آیا، پھر فرمائے گا: اے ابن آدم! وہ کہاں ہے جو تو نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے؟ وہ دیکھے گا کہ کچھ بھی نہیں بھیجا'' اور پھر مذکورہ آیت کی تلاوت کی(2)۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ ...... یہاں انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کی جا رہی ہے اس لئے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے، اصنام و اوثان اور شرکاء کی اس خیال سے عبادت کیا کرتے تھے کہ وہ دنیاوی زندگی میں انہیں نفع پہنچاتے ہیں اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو بھی یہ ان کے لئے مفید ثابت ہوں گے لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام تعلقات و وسائل ٹوٹ جائیں گے، گمراہی زائل ہو جائے گی اور جو وہ افتراء باندھتے تھے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ برسر عام اعلان فرمائے گا: اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام: 22) ''کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے (خدا ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے''۔ انہیں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، کیا اس وقت وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا غالب آ سکتے ہیں؟ اسی لئے فرمایا: وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ کہ اب ہمیں تمہارے ساتھ وہ شرکاء نہیں دکھائی دے رہے جنہیں تم میرے ساتھ عبادت میں شریک سمجھتے تھے۔

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ...... ''بَيْنَكُمْ'' کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں معنی ہوگا۔ جماعت اور منصوب بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے اسباب و وسائل منقطع ہو جائیں گے اور تمہارے تمام معبود اور بت تم سے منہ پھیر لیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرہ: 166) ''جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، صفحہ 2273، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 368 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 258-258

اعمال کہ باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لئے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے''۔ اور فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون:101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے'' اور فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت:25) ''تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''۔ اور فرمایا: وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (القصص:64) ''اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے'' اور فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ...... وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (یونس:30-28) ''اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے ان سب کو (میدان حشر میں) پھر مشرکوں کو حکم دیں گے ..... اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''۔

اس مضمون کی اور بھی بہت ساری آیات ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو، نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ ہے اللہ پس کدھر تم بہکے چلے جا رہے ہو۔ وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے اور (بنایا) ہے سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کر سکو ان سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں بیشک ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں دلائل ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو زمین میں پھاڑ دیتا ہے تو دانوں سے انواع و اقسام کی فصلیں اور گٹھلیوں سے رنگا رنگ قسم قسم کے ذائقوں والے پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى کی وضاحت اپنے اس فرمان: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ سے کی ہے یعنی وہ جاندار نباتات کو اس دانے اور گٹھلی سے نکالتا ہے جو بے جان جمادات کی طرح ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ .... وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (یٰسین:36-33) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں ..... اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کا عطف فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى پر ہے، پھر اس کی تفسیر بیان کی اور پھر مُخْرِجُ الْمَيِّتِ کا عطف اس پر کر دیا گیا۔ مفسرین نے اس کی وضاحت اپنی اپنی عبارات کے ذریعے کی ہے جو تقریباً ہم معنی ہیں اور مقصود و مدعا میں تمام قریب قریب ہیں، کوئی کہتا ہے کہ وہ بے جان انڈے سے جاندار مرغی پیدا کرتا ہے اور اس کے برعکس مرغی سے انڈا۔ کوئی کہتا ہے کہ فاجر سے ولد صالح اور مرد صالح سے ولد فاجر پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی مفاہیم بیان کئے گئے ہیں جو تمام کے تمام آیت کا مدعا بن سکتے ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ان سب چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر (اس کی قدرت کے کرشمے دیکھنے کے باوجود) تم کدھر بہکے بہکے پھر رہے ہو، کیوں حق سے روگردانی کر کے باطل کے ساتھ چمٹے ہو اور غیر خدا کی پوجا کرتے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ...... اس کی قدرت کا اعجاز تو دیکھو کہ اس نے روشنی اور تاریکی کی تخلیق کی جیسا کہ آغاز سورت میں فرمایا: وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام:1) یعنی وہی وہ ذات ہے جو صبح کی روشنی کو رات کی تاریکی میں سے نکالتا ہے تو سارا عالم جگمگ جگمگ کر اٹھتا ہے اور سارا افق منور ہو جاتا ہے، تاریکی مضمحل ہو جاتی ہے، رات اپنی تاریکی سمیت پیٹھ پھیر لیتی ہے اور دن کا اجالا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جیسا کہ فرمایا: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف:54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان مختلف متضاد چیزوں کو پیدا کرنے پر اپنی قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا ذکر کیا ہے جو چیزیں اس کی کمال قدرت و عظمت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بیان فرمایا کہ وہ صبح کو پھاڑنے والا ہے اور اس کے مقابلہ میں فرمایا: وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا یعنی رات کو باعث راحت و آرام بنادیا جس میں چیزیں سکون پاتی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ:2-1) ''قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے''۔ اور فرمایا: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (اللیل:2-1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے'' اور فرمایا: وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا (الشمس:4-3) ''اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے''۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ سے کثرت شب بیداری کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے صہیب کے سب کے لئے رات کو پرسکون بنا دیا ہے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کیفیت تھی کہ جب انہیں جنت یاد آتی تو اس کے شوق میں رات بھر بیدار رہتے اور جب دوزخ یاد آجاتی تو (خوف سے) نیند ہی اڑ جاتی۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا سورج اور چاند دونوں اپنے اپنے مقررہ مدار پر اپنے اپنے ناقابل تغیر ضابطہ کے مطابق چل رہے ہیں جس سے وہ سرمو انحراف نہیں کر سکتے، ہر ایک کی معین منازل ہیں جنہیں وہ موسم گرما اور سرما میں طے کرتے ہیں، اسی گردش کے نتیجہ میں دن رات گھٹتے بڑھتے اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ (یونس:5) ''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں'' اور جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40) ''نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے) اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں''۔ اور فرمایا: وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:54) ''اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے''۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ ساری چیزیں اس عزیز و غالب کی تقدیر کے مطابق محوِ حرکت ہیں جس پر نہ تو غلبہ پایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، زمین و آسمان میں ایک ذرہ تک اس کے علم سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب لیل و نہار اور شمس و قمر کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے تو عموماً اپنے کلام کا اختتام عزیز و علیم کے الفاظ پر کرتا ہے جس طرح اس آیت میں ہے اور اسی طرح اس آیت میں بھی: وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰسین:38-37) ''اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا''۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے سورہ حم السجدہ کے آغاز میں زمین و آسمان اور ان کے اندر پائی جانے والی چیزوں کی تخلیق کا ذکر کیا تو فرمایا: وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم السجدۃ:12) ''اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے۔ اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ (سارا) نظام سب سے غالب، سب کچھ جاننے والے (خدا) کا ہے''۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ بعض سلف کہتے ہیں کہ جس شخص نے تین مقاصد کے علاوہ ستاروں کے ساتھ کسی اور مقصد کو وابستہ کر لیا وہ خطا کار اور افتراء پرداز ہے وہ تین مقاصد یہ ہیں:۔

1۔ یہ آسمان کے لئے باعث زینت ہیں۔

2۔ شیاطین کو مار بھگانے کا آلہ ہیں۔

3۔ بحر و بر کی تاریکیوں میں راہ دکھانے کا ذریعہ ہیں۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہم نے اپنی آیتیں بڑی وضاحت کے ساتھ ایسے لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں جو عقل و شعور کے مالک ہیں، حق کی معرفت رکھتے ہیں اور باطل سے احتراز کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی۔ بیشک ہم نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے اتارا بادل سے پانی۔ تو ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے اگنے والی ہر چیز پھر ہم نے نکال لیں اس سے ہری ہری بالیں،

نکالتے ہیں اس سے (خوشہ جس میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔ اور (نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کئے) باغات انگور اور زیتون اور انار کے، بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ۔ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف جب وہ پھلدار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو۔ بے شک ان میں نشانیاں ہیں (اس کی قدرت کاملہ کی) اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے"۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا جیسا کہ فرمان ہے: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً" (النساء: 1) "اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)"۔

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد صلب پدر ہے (1)۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کے برعکس۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد دنیا اور مستودع سے مراد قبر ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور قرارگاہ دنیا اور مستودع سے مراد موت کے بعد کا ٹھکانا (قبر)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستقر سے مراد وہ عمل ہے جو مرنے کے بعد رک جاتا ہے اور مستودع سے مراد دار آخرت ہے لیکن ان تمام اقوال میں سے پہلا قول زیادہ واضح اور درست ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ...... ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لئے بالتفصیل بیان کر دی ہیں جو فہم و ادراک کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے معنی کو محفوظ رکھتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً...... اپنی مخلوق پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ آسمان سے مناسب مقدار میں پانی نازل کیا جو سراپا برکت ہے جس سے بندوں اور تمام جاندار مخلوق کے لئے رزق کا انتظام ہوتا ہے، اسی پانی کا کرشمہ ہے کہ اس سے ہرا گنے والی چیز پیدا کر دی جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء: 30) "اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر چیز جاندار" اور اسی پانی سے ہم نے لہلہاتی فصلیں اور سرسبز درخت اگائے پھر اس کے بعد ہم ان میں دانے اور پھل پیدا کر دیں گے اسی لئے فرمایا: نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ہم ان میں سے ہی ایسے دانے نکالتے ہیں جو تہہ در تہہ اوپر تلے جڑے ہوئے ہوتے ہیں یعنی خوشے، گچھے اور بٹے وغیرہ۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا...... "قِنْوَانٌ"، "قِنْوٌ" کی جمع ہے اس کا معنی ہے تازہ کھجوروں کا گچھا۔ اور "دَانِیَةٌ" کا مطلب ہے جھکا ہوا جس کا پکڑنا آسان ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ" کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے کھجوروں کے درخت جن کے خوشے زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوں (2)۔ اہل حجاز کی قراءت "قِنْوَانٌ" ہے جبکہ بنو تمیم کی "قِنْیَانٌ"۔ یہ "قِنْوٌ" کی جمع ہے جیسے صنو کی صنوان۔

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ اور ہم اس سے انگوروں کے باغات پیدا کرتے ہیں۔ کھجور اور انگور کا ذکر فرمایا اس لئے کہ اہل حجاز کے نزدیک یہ سب سے بہتر اور افضل پھل سمجھے جاتے ہیں بلکہ ساری دنیا میں یہ بہترین پھل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ساتھ اپنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 287　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 293

بندوں پر احسان جتلایا ہے: وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ (النحل: 67) ''اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق''۔ یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے۔

وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ زیتون اور انار کے باغات بھی جو پتوں اور شکل کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ اور قریب قریب جبکہ ذائقہ اور طبیعت کے لحاظ سے بالکل مختلف۔

اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ اس نے عدم سے وجود بخشا، یہ لکڑی ہی تو تھی جس سے انگور اور کھجور جیسے انواع واقسام کے رنگ برنگے، قسم قسم کے ذائقوں والے خوشبودار پھل نمودار ہو گئے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ (الرعد: 4) ''اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اے لوگو! اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں صرف ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

''اور بنایا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں اور گھڑ لئے ہیں انہوں نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں''۔

یہاں ان مشرکین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو بھی شریک عبادت سمجھتے ہیں اور جنوں کو بھی اپنا معبود بنا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کر لیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو اصنام کی عبادت کیا کرتے تھے پھر جنوں کی عبادت کا کیا مقصد؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اصنام کی پرستش محض جنوں اور شیطانوں کے بہکانے اور ان کی اطاعت کے باعث کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء: 117-120) ''نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور ضرور حکم دوں گا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو۔ اور جو شخص بنا لے شیطان کو (ینہ) دوست اللہ کو چھوڑ کر تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان۔ شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا''۔ اور جیسا کہ ارشاد ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ (الکہف: 50) ''(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا: يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

عَصِيًّا (مریم:44) ''اے میرے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے''۔ اور جس طرح یہ فرمان: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یٰسین:61-60) ''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے''۔ اور قیامت کے دن فرشتے کہیں گے: سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا:41) ''تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے''۔ اسی لئے فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو کیسے معبود بنایا جاسکتا ہے جیسا کہ قول ابراہیم علیہ السلام ہے: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:96-95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے میں مستقل ہے تو صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جانی چاہئے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کی گمراہی پر تنبیہ فرما رہا ہے جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے جس طرح یہود عزیر کو اور نصاریٰ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا خیال کرتے تھے اور مشرکین عرب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا(1)۔ ''اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں''۔

خَرَقُوْا کا معنی ہے انہوں نے گھڑ لیا، بہتان باندھا اور جھوٹ بولا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے اٹکل پچو اور اندازہ لگایا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہوں نے وضع کر لیا۔ سدی کے نزدیک اس کا معنی ہے انہوں نے قرار دیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک عبادت قرار دے دیا حالانکہ اس نے انہیں بلا شرکت غیرے تنہا ہی پیدا کیا ہے اور کسی سے مدد نہیں لی۔ وہ حقیقت کا ادراک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عظمت سے ناواقفیت کی بناء پر وہ یہ افتراء پردازی کرتے ہیں کیونکہ ایک معبود کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ اس کے بیٹے بیٹیاں اور بیوی ہو اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ تخلیق میں اس کا کوئی شریک ہو(2)۔ اسی لئے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ یہ گمراہ جاہل اللہ تعالیٰ کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ اس کی اولاد، شرکاء، مدمقابل اور نظراء ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس ہرزہ سرائی سے منزہ، مبرا اور ارفع ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

''موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، کیوں کر ہوسکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے''۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ زمین و آسمان کا موجد، خالق اور بغیر کسی نمونہ اور مثال کے وجود بخشنے والا ہے۔ بدعت کو بھی بدعت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 298 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 159، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ الانعام، جلد 11 صفحہ 188-190

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ ...... اس کا بیٹا کیونکر ہوتا، اس کی تو بیوی ہی نہیں اور بیٹا تو دو متناسب چیزوں کے ذریعے سے پیدا ہوتا ہے جبکہ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے نہ تو متناسب ہے اور نہ مشابہ، کیونکہ وہ تو ہر چیز کا خالق ہے نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا .... وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم:95-89) ''اور کفار کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے .... اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور وہی ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے تو پھر اس کی بیوی کیسے ہوسکتی ہے، اور نہ ہی جب اس کی کوئی نظیر ہے تو پھر اس کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

''یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے، نہیں کوئی خدا سوائے اس کے، پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے''۔

یہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے، جس نے ہر چیز کی تخلیق کی، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ بیوی، بجز اس کے کوئی معبود نہیں، پس اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو اور یہ بھی اعتراف کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ بیوی، نہ اس کا کوئی مثیل ہے اور نہ کوئی ہم پلہ۔ وہ ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے، ہر ایک چیز کا مدبر، رازق اور دن رات حفاظت فرمانے والا وہی ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں ائمہ سلف کے کئی اقوال ہیں:۔

آنکھیں اس دنیا کے اندر اسے نہیں دیکھ سکتیں اگرچہ آخرت میں دیدار کریں گی۔ احادیث نبویہ سے یہ بات بالتواتر ثابت ہے۔ یہ احادیث متعدد طرق سے صحاح، مسانید اور سنن میں مذکور ہیں(1) جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اس کے برعکس ہے، آپ مطلق رؤیت کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل کی آنکھوں کے ساتھ دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔ سورۂ نجم کے اوائل میں ان شاء اللہ یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا۔ اسماعیل بن علیہ اور ہشام بن عبداللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ آنکھیں دنیا میں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ چند دوسرے حضرات یہ مفہوم لیتے ہیں کہ آنکھ بھر کر اس کو نہیں دیکھا جاسکتا تو دار آخرت میں مومنین کو حاصل ہونے والی رؤیت سے اس کی تخصیص ہوگئی۔ معتزلہ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ معتزلہ کا یہ کہنا اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے منافی ہے۔ یہ ان کی جہالت اور کم فہمی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ قرآن و حدیث سے رؤیت باری تعالیٰ ثابت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامۃ:23-22) ''کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

کفار کے بارے میں فرمایا: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففین: 15) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا''۔ امام شافعی فرماتے ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ روز قیامت مومنین کو دیدار الٰہی سے نہیں روکا جائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے متعدد صحابہ کرام (ابوسعید، ابوہریرہ، انس، صہیب، بلال وغیرہ) نے یہ روایت کی ہے کہ دار آخرت میں مومنین جوار قدس اور باغات جنت میں بیٹھے دیدار الٰہی سے شادکام ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی ان سعادت مندوں میں شریک فرمائے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ عقلیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں (1)۔ یحییٰ بن حصین کا یہ کہنا بہت عجیب ہے اور ظاہر آیت کے خلاف ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں ادراک رؤیت کے معنی میں ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اثبات رؤیت اور نفی ادراک کے درمیان کوئی منافات نہیں، کیونکہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔ پھر وہ ادراک یہاں جس کی نفی کی گئی ہے اس کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہی کہ اس کا مطلب ہے معرفت حقیقت اور حقیقت کو جاننے والا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا اگر مومنین دیکھیں گے لیکن اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکے گی، جس طرح کوئی شخص چاند کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہیں کرسکتا۔ جب چاند کی حقیقت کو جاننا محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو پہچاننا بدرجہ اولیٰ محال ہے وہ تو بے مثل بڑی عظیم ذات ہے، ابن علیہ کہتے ہیں کہ عدم رؤیت دنیا میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور ادراک کا معنی ہے احاطہ کرلینا۔ اور عدم احاطہ عدم رؤیت کو مستلزم نہیں جس طرح مکمل علم کا احاطہ نہ ہونے کے باعث یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علم ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (طٰہٰ: 110) ''اور لوگ نہیں احاطہ کرسکتے اس کا اپنے علم سے''۔ اور صحیح مسلم میں ہے: لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ (2)۔ ''میں اس طرح تیری ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا جس طرح تو نے اپنی ثناء کی ہے''۔ اس عدم احاطہ کا یہ مطلب تو نہیں لیا جاسکتا کہ مطلق ثناء بھی ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ کوئی بھی آنکھ اس کو نہیں گھیر سکتی (3)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم آسمان کو نہیں دیکھ سکتے؟'' سائل نے کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا کہ کیا بیک وقت تمام کا تمام دیکھ سکتے ہو؟ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی شان اس سے بلند تر ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک کرسکیں۔ عطیہ عوفی اس آیت ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ مومنین اللہ تعالیٰ کا دیدار ضرور کریں گے لیکن اس کی عظمت وجلالت کے باعث ان کی آنکھیں اس کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکیں گی جبکہ اللہ تعالیٰ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے، مذکورہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ (4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کے بارے میں فرمایا: ''اگر جن وانس اور شیاطین وملائکہ پیدائش سے لیکر موت تک سب کی ایک صف بنادی جائے تو بھی ہرگز اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتے''۔ یہ حدیث غریب ہے، صحاح ستہ میں یہ مذکور نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تھا، حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا نور بھی

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 336 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 352
3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 299 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 299

تو خدا تعالیٰ کا ہی نور ہے۔ جب وہ اپنے کامل نور کے ساتھ جلوہ فرما ہوگا تو اس وقت کوئی بھی اس کا ادراک نہیں کر سکے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت کوئی چیز اس کے سامنے قائم نہیں رہے گی(1)۔ اس کی تائید میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی یہ حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی مناسب ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اٹھاتا ہے، رات ہونے سے پہلے دن کے اعمال اور دن طلوع ہونے سے پہلے رات کے اعمال اس کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اپنے نور سے پردہ اٹھادے تو اس کا جلوہ منتہائے بصر تک تمام مخلوق کو جلا ڈالے''(2)۔ سابقہ کتب میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت باری کا تقاضا کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا: اے موسیٰ! جو بھی زندہ میرا جلوہ دیکھے گا مر جائے گا اور جس خشک چیز پر میری تجلی پڑ گئی ریزہ ریزہ ہو جائے گی، فرمایا: وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰى لِمِيۡقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِىۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَيۡكَ‌ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰٮنِىۡ وَلٰـكِنِ انْظُرۡ اِلَى الۡجَـبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰٮنِىۡ‌ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (الاعراف:143) ''پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں''۔ یہاں ادراک خاص کی نفی ہے اس سے روز قیامت رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حسب منشا اپنے مومن بندوں کے سامنے تجلی فرمائے گا۔ جہاں تک اس کے جلال اور عظمت کا تعلق ہے تو وہ ذات بہت عظیم، مقدس، منزہ و برتر ہے، آنکھیں جس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتیں، اسی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دار آخرت میں تو رؤیت کی قائل تھیں جبکہ دنیا میں اس کی نفی کرتی تھیں، وہ اس آیت کریمہ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ سے دلیل پکڑتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب رؤیت کی نفی ہے اس سے مراد وہ ادراک ہے جو رؤیت عظمت وجلال کے معنی میں ہے۔ یہ نہ تو بشر کے لئے ممکن ہے، نہ فرشتوں کے لئے اور نہ ہی کسی اور چیز کے لئے۔

وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ وہ نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کی حقیقت کو جانتا ہے کیونکہ وہی تو ان کا خالق ہے جس طرح فرمایا: اَلَا يَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ (الملک:14) ''(نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے۔ وہ بڑا باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔ سدی کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ابصار مبصرین کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے مطلب یہ ہوگا کہ کوئی چیز اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ خلائق کو دیکھتا ہے۔ ابوالعالیہ

وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ کے بارے میں کہتے ہیں کہ چیزوں کے استخراج میں وہ بہت باریک بین ہے اور ان کے مقامات سے اچھی طرح باخبر ہے (3)۔ جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: يٰبُنَىَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِىۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِى السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِى الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ (لقمان:16) ''(لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ نجم، جلد 12 صفحہ 170-171، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 316 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 161-162

3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 304

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''بے شک آ ئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید) کی دلیلوں کو اور تا کہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے اور تا کہ ہم واضح کر دیں اس کو اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے''۔

بَصَآىِٕرُ سے مراد وہ روشن دلائل اور نشانیاں ہیں جو قرآن کریم میں ہیں اور جنہیں رسول اللہ ﷺ لیکر تشریف لائے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ (یونس:108) ''تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لئے''۔ اسی لئے فرمایا: وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا یعنی جو شخص آنکھیں کھولنے والے دلائل آ جانے کے بعد بھی اندھا بنا رہا اور گمراہ ہو گیا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج:46) ''حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں''۔

وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ میں تم پر نہ محافظ مقرر کیا گیا ہوں اور نہ رقیب، میرے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ تم تک اللہ کے پیغام کو پہنچا دوں، ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ...... جس طرح ہم نے تفصیلاً توحید کا بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرح ہر مقام پر ہم جاہلوں کے سامنے ہم اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ جھٹلانے والے مشرکین اور کفار یہ کہیں کہ اے محمد! تم نے سابقہ اہل کتب سے یہ باتیں سیکھ کر نقل کر لی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دَرَسْتَ بمعنی تَلَوْتَ یہ محض ان کا فضول جھگڑا ہے (1)۔ جس طرح ان کے کذب وعناد کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا (الفرقان:5-4) ''اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے جنہیں اس شخص نے لکھوا لیا ہے''۔ ان کفار کے سرغنہ کے بارے میں فرمان ہے: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر:25-18) ''اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام''۔

وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ہم ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے بیان کرتے ہیں جو حق کو پہچان کر اس کی اتباع کرتے ہیں اور باطل کو

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 137

پہچان کر اس سے اجتناب کرتے ہیں، انہیں (کفار کو) گمراہ کرنے اور ان (مومنین) کے سامنے حق بیان کرنے اور ہدایت دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، فرمایا: یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا (البقرہ:26) ''گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو''۔ لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ (الحج:53) ''یہ سب اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں''۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الحج:54) ''اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف''۔ وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31) ''اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنھوں نے کفر کیا۔ تا کہ یقین کرلیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن۔ اور تا کہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے۔ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے''۔ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو''۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ (حم السجدۃ:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔ اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم متقین کے لئے ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے اسی لئے فرمایا: وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ لِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''دَرَسْتَ'' ہے یعنی تو نے پڑھا اور سیکھا(1)۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''دَرَسَتْ'' بمعنی ''تَقَادَمَتْ وَانْمَحَتْ'' ہے یعنی یہ قدیم چیز ہے جسے تم نے سیکھ لیا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں بچے ''دَرَسْتَ'' پڑھتے ہیں حالانکہ صحیح دَرَسَتْ ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں دَرَسَتْ سین مفتوح اور تاء ساکن۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو تم ہمیں سنا رہے ہو، یہ تو بہت قدیم ہے، بہت عرصہ پہلے یہ بیت چکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک قراءت میں دَرَسَ بھی ہے(3)۔ اس کا معنی ہے ''قَرَأَ'' یعنی حضور ﷺ نے یہ پڑھ کر سیکھ رکھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ''دَرَسْتَ'' ہی پڑھایا ہے یعنی سین ساکن اور تاء مفتوح(4)۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ لَوْ شَآءَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 306 2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 308 3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 307
4۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 238-239

اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

''پیروی کیجئے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ شرک نہ کرتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان۔ اور نہیں ہیں آپ ان کے ذمہ دار''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں کو حکم ارشاد فرما رہا ہے کہ آپ کی آپ کے رب کی طرف سے جو وحی کی گئی ہے اس کی پیروی کریں اور اسی پر عمل کریں کیونکہ یہ وحی آپ کے رب کی طرف سے حق ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور مشرکین سے اعراض فرما لیں، انہیں معاف فرما دیں، ان سے درگزر فرمائیں اور ان کی ایذاء رسانی کو برداشت کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر فتح ونصرت عطا فرما دے۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ انہیں گمراہ کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر وہ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت پر جمع فرما دے اور اگر وہ چاہے تو کوئی بھی شرک نہ کرے لیکن اس کی مشیت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ وہ جو کرتا ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی بلکہ وہ لوگوں سے باز پرس کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا...... آپ ان کے نگہبان نہیں کہ ان کے اقوال وافعال کی حفاظت کرتے رہیں اور نہ ہی ان کے رزق اور باقی معاملات کے ذمہ دار ہیں آپ کے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے جس طرح فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: 22-21) ''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں''۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: 40) ''سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ کہ (ان سے) حساب لیں''۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر امت کے لئے ان کا عمل پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے انہوں نے پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور مومنین کو مشرکین کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے منع فرما رہا ہے، اگرچہ اس میں ایک گونہ مصلحت تو ہے لیکن نقصان اس سے بڑھ کر ہے وہ ہے مشرکین کا مقابلہ میں مومنین کے معبود حقیقی کو برا بھلا کہنا حالانکہ وہ وہ ذات ہے، بجز جس کے کوئی معبود نہیں۔ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفار ومشرکین نے کہا: اے محمد! ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے رب کی ہجو کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اصنام کو گالی دینے سے مسلمانوں کو منع فرما دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی جہالت کے باعث زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا بھلا کہا کرتے تھے، تو کفار بھی جواباً جہالت وعناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے پر اتر آئے تو اس وقت یہ آیت اتری:۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 309

سدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریش نے کہا کہ آئیں ابوطالب کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو باز رکھو کیونکہ ہمارے لئے یہ بات باعث شرم ہے کہ ابوطالب کے مرنے کے بعد محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں اور عرب یہ کہنے لگیں کہ ابوطالب ان کی حفاظت کرتے رہے اس لئے بس نہ چل سکا۔ اب جبکہ وہ مر گئے تو ان (نابکاروں) نے قتل کر دیا ہے چنانچہ ابوسفیان، ابوجہل، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن العاص اور اسود بن بختری یہ ٹھان کر ایک وفد کی صورت میں آدھمکے اور مطلب نامی ایک شخص کو اجازت لینے کی خاطر بھیجا۔ ابوطالب نے اندر آنے کی اجازت دے دی وہ سب آ گئے تو انہوں نے کہا: اے ابوطالب! تم ہمارے بڑے اور سردار ہو، محمد (ﷺ) نے نہ صرف ہمیں بلکہ ہمارے خداؤں کو بھی اذیت پہنچائی ہے ہم چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر انہیں ہمارے خداؤں کے ذکر سے منع کر دو، ہم بھی اسے اور اس کے خدا کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: یہ تمہاری قوم اور چچا زاد ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: بات کیا ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری خواہش ہے کہ تم ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، ہم بھی تمہیں اور تمہارے خدا کو ترک کر دیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسی بات سے آگاہ کر دوں کہ اگر تم نے اس کو اپنا لیا تو سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے، سارا عجم سرنگوں ہو جائے گا اور وہ تمہیں خراج ادا کریں گے''۔ ابوجہل نے کہا: تمہارے باپ کی قسم! یہ ایک ہی بات کیا ہم تو تمہاری ایسی دس باتیں قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں، بتائیں وہ بات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہہ دو''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یہ سننا تھا کہ تمام نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ ابوطالب نے کہا: بھتیجے! کوئی اور بات کرو تمہاری قوم کو اس بات سے وحشت ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اس کے علاوہ کوئی دوسری بات مجھے زیبا نہیں۔ اگر وہ سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کروں گا''

اس بات سے مقصود یہ تھا کہ انہیں مایوس کر دیں۔ چنانچہ وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔ تو یہ مطلب ہے اس آیت کا **فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ**(1)۔ تو یہاں زیادہ فساد کے مقابلہ میں مصلحت کو ترک کر دیا گیا ہے، درج ذیل حدیث بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ملعون ہے جو اپنے والدین کو گالی دے'' صحابہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آدمی کیسے اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟'' فرمایا: یہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (جواباً) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ یہ کسی کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے تو وہ بھی (جواباً) اس کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے''(2)۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ جس طرح ہم نے اس قوم مشرکین کے لئے، اصنام کی محبت، حمایت اور نصرت خوشنما بنا دی ہے اسی طرح گزشتہ اقوام کے لئے بھی ہم نے ان کے فاسد اعمال کو ان کے لئے پرکشش بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور جو اختیار کرتا ہے اس میں اس کی حجت بالغہ اور حکمت تامہ ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ...... پھر انہیں انجام کار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے پھر وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا اور ان کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 309-310 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 309

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے کہ اگر آ گئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ضرور ایمان لائیں گے اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ بڑی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ اور خارق عادت امر آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور اس کی تصدیق کریں گے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ آپ ان لوگوں کو جو محض سرکشی اور کفر و عناد کے باعث معجزات طلب کرتے ہیں نہ کہ طلب ہدایت کے لئے، فرما دیں کہ یہ معجزات تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اگر وہ چاہے تو تمہارے پاس لے آئے، چاہے تو ترک کر دے۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی اور کہا کہ اے محمد (ﷺ)! تم ہمیں یہ بتاتے ہو کہ موسیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، عیسیٰ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور قوم ثمود کو اونٹنی کا معجزہ عطا ہوا تھا۔ آپ بھی چند معجزات لائیں تب ہم تمہاری تصدیق کریں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کونسا معجزہ چاہتے ہو؟'' انہوں نے کہا کہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہو جائے تو کیا میری تصدیق کرو گے؟'' انہوں نے کہا: ہاں، قسم بخدا! اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی پیروی کریں گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو صفا پہاڑ سونا بن جائے گا۔ اگر اس معجزہ کے آنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب دے گا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیں، جس کی خواہش ہوئی وہ توبہ کر لے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، رہنے دیں، جو چاہے توبہ کر لے۔ تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ(1)۔ یہ روایت مرسل ہے اور متعدد طرق سے اس کے شواہد موجود ہیں۔ فرمایا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے''۔

وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں ''يُشْعِرُكُمْ'' کے مخاطب مشرکین ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ جو قسمیں وہ اٹھاتے ہیں، وہ واقعی ان میں سچے ہیں، اس صورت میں آیت کریمہ میں ''اِنَّهَا'' کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہوگا اور یہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ جو معجزات انہوں نے طلب کئے ہیں ان کے آ جانے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں گے اور بعض نے ''تُؤْمِنُوْنَ'' مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ''يُشْعِرُكُمْ'' کا خطاب مومنین کو ہے یعنی اے مومنو! تمہیں کیا معلوم۔ اس صورت میں ''اَنَّهَآ'' کو پہلے کی طرح کسرہ کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اور ''يُشْعِرُكُمْ'' کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 312-311

معمول ہونے کی بناء پر بالفتح پڑھنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں "لَا یُؤْمِنُوْنَ" میں "لا" صلہ (زائدہ) ہوگا جس طرح ان آیات میں "لَا" زائدہ ہے: مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: 12) "کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے"۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: 95) "اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے پھر لوٹ کر آئیں"۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے مومنو! تمہیں کیا خبر کہ وہ اپنا مطلوبہ معجزہ پا کر ایمان لے آئیں گے۔ تم تو ان کے ایمان کے بارے میں حریص ہو اس لئے خواہش رکھتے ہو کہ شاید معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ بعض نے کہا ہے کہ "اَنَّهَآ" بمعنی "لعلّها"۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "لعلّها" ہی ہے۔ اس کی تائید میں عربوں کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔ اِذْ هَبْ اِلَی السُّوْقِ اَنَّكَ تَشْتَرِیْ لَنَا شَیْئًا "بازار جاؤ شاید تم ہمارے لئے کچھ خرید لاؤ"۔ اس جملہ میں "اَنَّكَ" بمعنی "لَعَلَّكَ" ہے، اسی طرح بعض کے نزدیک اس شعر میں بھی "اَنَّ" بمعنی "لَعَلَّ" ہے:

اَعَاذِلُ مَا یُدْرِیْكَ اَنَّ مَنِیَّتِی اِلٰی سَاعَةٍ فِی الْیَوْمِ اَوْ فِیْ ضُحَی الْغَدِ

(اے ملامت گر! تمہیں کیا معلوم، شاید آج کسی وقت یا کل چاشت کے وقت میری موت آجائے)۔

ابن جریر کا یہ پسندیدہ قول ہے، اس پر انہوں نے کئی شعری شواہد پیش کئے ہیں(1)۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب مشرکین نے وحی الٰہی کا انکار کر دیا تو ان کے دل کسی چیز پر ثابت نہ رہے اور ہر معاملہ سے ان کے دل اور نگاہیں پلٹ گئیں۔ مجاہد اس کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ ہم ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو جائیں گے، اگر ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ہم پہلی مرتبہ ان کے اور ایمان لانے کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اقوال وافعال سرانجام دینے سے پہلے ہی خبر دے دی ہے کہ وہ کیا کہیں گے اور کیا اعمال کریں گے۔ فرمایا: وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ﴿۱۴﴾ (فاطر: 14) "اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند"۔ اور فرمایا: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ...... لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الزمر: 58-56) "(اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں...... کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں گا"۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے پھر بھی ہدایت کو قبول نہیں کریں گے، فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 28) "اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں"۔ فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ......اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا گیا پھر بھی ان کے اور ہدایت کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی جس طرح پہلے دنیا میں ان کے اور ایمان کے درمیان ہم حائل ہو گئے تھے(2) اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ طغیان کا معنی سرکشی ہے، کفر اور ضلال بھی معنی کیا گیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 313 2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 313-315

''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو بڑی پختہ قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آ گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اگر ہم ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں اور ان پر ایسے فرشتے اتاریں جو رسولوں کی تصدیق کر کے رسالت کی خبر دیں تو وہ بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ وہ مطالبہ کرتے ہیں: اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا (بنی اسرائیل:92) ''یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں''۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام:124) ''کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو''۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا (الفرقان:21) ''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی''۔

وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى...... فرشتوں کے نزول کے علاوہ مردے اپنی قبروں سے اٹھ کر ان سے ہم کلام ہو جائیں اور ہم ہر چیز لا کر ان کے سامنے جمع کر دیں (تب بھی ایمان نہیں لائیں گے) بعض نے ''قِبَلًا'' قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ معائنہ اور روبرو ہونے کے معنی میں ہے۔ دوسرے حضرات نے ''قُبُلًا'' قاف اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے یا تو وہی معنی ہو گا جس کا ذکر اوپر ہوا یا اس کا معنی ہے فوج در فوج اور گروہ در گروہ۔ یعنی لوگ اگر فوج در فوج آ کر بھی رسولوں کی تصدیق کر دیں پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، فرمایا: مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، ان کے ہاتھ میں نہیں۔ وہ جسے چاہے راہ ہدایت پر گامزن کر دے اور جسے چاہے گمراہی کی گھاٹی میں پھینک دے، وہ جو چاہے کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ ان سے باز پرس ہو گی اس لئے کہ وہ علیم، حکیم، غالب اور قہار ہے۔ ان کفار کی حقیقت ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:96) ''بے شک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وہ یہ نہ کرتے، سو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں۔ اور (چھوڑ دیئے) تا کہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لائے آخرت پر اور تا کہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں''۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) جس طرح آپ کے دشمن ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، آپ سے دشمنی اور عناد رکھتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے، ہر نبی کے دشمن اور مخالفین تھے اس لئے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے بھی ظاہر ہے: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا (الانعام: 34) ''اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر''۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ (حم السجدة: 43) ''(اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بیشک آپکا پروردگار (اہل ایمان کیلئے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لئے) دردناک عذاب دینے والا ہے''۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان: 31) ''اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے''۔ اور ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ جو پیغام لائے ہیں جو بھی یہ پیغام لیکر آیا اس کے ساتھ دشمنی روا رکھی گئی (1)۔

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یہ ''عَدُوًّا'' سے بدل ہے یعنی شیاطین جن وانس میں سے ان کے دشمن تھے۔ ہر اس کو شیطان کہتے ہیں جو شر میں بے نظیر ہو اور رسولوں سے دشمنی یہی جن وانس میں شیاطین کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنوں میں بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں بھی، یہ ایک دوسرے کو گناہ پر اکساتے رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! شیاطین جن وانس سے (اللہ کی) پناہ مانگو'' عرض کی کہ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (2)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ لوگوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے، مجلس طویل ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو، دو رکعت نماز پڑھ لو'' میں ارشاد کی بجا آوری کے بعد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے ابوذر! کیا تم نے شیاطین جن وانس سے تعوذ کیا تھا؟'' میں نے عرض کی: نہیں، یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ فرمایا: ''ہاں، اور یہ شیاطین جن سے بھی زیادہ شرانگیز ہوتے ہیں'' (3)۔ حضرت ابوذر سے ہی ایک اور روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور نماز پڑھو'' میں نماز پڑھ کر پھر بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! شیطان جن وانس کی شر سے ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ'' پڑھو''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' (4)۔

متعدد طرق سے یہ حدیث الفاظ میں تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیاطین جن اور شیاطین انس ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ آیت کریمہ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی۔ شیطان انس،

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 22، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 142　　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 5

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 4　　4۔ مسند احمد، جلد 8 صفحہ 178

شیطان جن کے دل میں کوئی شر انگیز بات القاء کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو خوشنما باتوں کی تعلیم محض دھوکہ دینے کے لئے دیتے ہیں۔ سدی اور عکرمہ رحمتہ اللہ علیہما اس بارے میں فرماتے ہیں کہ انسانی شیاطین وہ ہیں جو انسانوں کو گمراہی کی تلقین کرتے ہیں اور جناتی شیاطین وہ ہیں جو جنات کو گمراہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میں نے تو اپنے ساتھی کو اس طریقہ سے بہکا دیا تو بھی اس طرح اپنے ساتھی کو گمراہی میں ڈال دے۔ اس طریقے سے وہ ایک دوسرے کو سکھاتے ہیں اور گناہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ابن جریر نے اس سے یہ سمجھا کہ عکرمہ اور سدی کے نزدیک شیاطین الانس سے مراد وہ شیاطین جن ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں نہ کہ اس سے مراد شیاطین انس ہیں جو انسانوں میں سے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عکرمہ کے ظاہر کلام کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن کلام سدی ایسا نہیں اگرچہ اس میں اس معنی کا احتمال ضرور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا کے بارے میں یہ منقول ہے کہ جس طرح انسانوں کو گمراہ کرنے والے انسانی شیطان ہیں اسی طرح جنوں میں بھی شیاطین ہیں جو انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ جن و انس کے شیاطین آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس طرح گمراہ کرو۔ بہر کیف صحیح وہی ہے جو حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ میں گزرا کہ انسانی شیطان انہی میں سے ہیں اور ہر شے کا شیطان اس کا سرکش فرد ہے۔ اسی لئے صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سیاہ کتا بھی شیطان ہے" (1)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کتوں کا شیطان ہے۔ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جنوں کے کفار شیاطین جن ہیں وہ شیاطین انس جو کفار انس ہیں، کی طرف دھوکہ دینے کے لئے ملمع شدہ بات کی وحی کرتے ہیں۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں مختار کے پاس گیا اس نے مجھے بڑے احترام سے ٹھہرایا اور مہمان نوازی کی۔ قریب تھا کہ وہ میرے لئے شب بسری کا انتظام کر دیتا۔ اس نے مجھے کہا کہ جاؤ اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کرو۔ میں نکلا ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ وحی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ وحی دو قسم کی ہے، ایک وہ جو اس فرمان میں مذکور ہے بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ (یوسف:3) "اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے)۔ اور دوسری وہ ہے جو شیطانی وحی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا یہ سنتے ہوئے حاضرین نے مجھے پکڑنا چاہا اور زدوکوب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے انہیں کہا کہ میں تو تمہارا مہمان ہوں اور ایک بات تمہیں بتا رہا تھا، چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ دراصل عکرمہ نے یہ بات مختار پر پیش کی تھی۔ یہ بدبخت ابن ابی عبید ہے خدا اس کا ناس کرے، یہ خیال کیا کرتا تھا کہ اس پر بھی وحی اترتی ہے۔ اس کی بہن صفیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ تھیں اور پاکباز اور صالح خاتون تھیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ مختار دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی اترتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ وہ اس آیت کا مصداق ہے: وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِهِمْ (الانعام:122) "اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات)"۔

یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ ...... وہ ایک دوسرے کی طرف ایسی خوشنما اور پرکشش بات القاء کرتے ہیں کہ جاہل سامع سنتے ہی دھوکہ کھا جاتا ہے۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادہ اور قضاء وقدر ہی ایسے ہے کہ ہر نبی کا ان میں سے دشمن ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ:365

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ آپ انہیں بھی ترک کر دیں اور ان کی الزام تراشی کو بھی۔ ان کی ایذاء رسانی کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ ان کے مقابلے وہی آپ کے لئے کافی ہے اور وہی آپ کا مددگار ہے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ...... آپ انہیں چھوڑ دیں تا کہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل، عقلیں اور کان اس کی طرف جھک جائیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں کے دل ہیں۔

وَلِيَرْضَوْهُ اور یہ (اس لئے بھی) کہ وہ اسے پسند کر لیں اور اس کا ارادہ کر لیں، ایسی بیہودہ باتوں پر تو وہی لبیک کہتا ہے جس کا آخرت پر ایمان نہ ہو، جس طرح فرمایا: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ (الصافات: 161-163) ''پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو۔ تم (سب مل کر) اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے۔ مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو''۔ اور فرمایا: اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (الذاریات: 9-8) ''بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے''۔

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ اور تا کہ وہ ان اعمال کا ہی ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ اب کر رہے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''(آپ ان سے پوچھئے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب مفصل۔ اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ تو (اے سننے والے!) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین سے آپ فرما دیں کہ کیا میں اپنے اور تمہارے درمیان اللہ کے سوا کسی اور کو منصف قرار دے لوں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک تفصیلی کتاب نازل کی ہے اور جن یہود و نصاریٰ کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ یہ حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام کی بشارتیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں، پس تم شک میں نہ پڑ جاؤ جس طرح اس آیت میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس: 94) ''اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعے) تیری طرف اتارا تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے''۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ سے شک کا اندیشہ تھا اس لئے منع فرمایا، بلکہ یہ شرط ہے اور ضروری نہیں کہ شرط واقع بھی ہو جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ سوال''۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اللہ تعالیٰ جو فرمائے اور خبر دے اس میں سچا ہے اور جو فیصلہ فرمائے اور حکم دے اس میں وہ عادل ہے(1)۔ جس چیز کی وہ خبر دے وہ حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا، جس چیز کا وہ حکم دے وہ عین عدل ہوتا ہے جس کے سوا کوئی عدل نہیں ہوسکتا اور جس چیز سے وہ منع فرمادے وہ چیز باطل ہے کیونکہ وہ کسی چیز سے منع فرماتا ہے تو اس چیز کے فساد کے باعث ہی منع کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف: 157) ''وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے''۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ...... کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو تبدیل کردے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے اور ان کی حرکات وسکنات کو جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

''اور (سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے، وہ نہیں پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں ہیں وہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو''۔

فرمایا کہ اکثر بنی آدم کی حالت یہ ہے کہ وہ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (الصافات: 71) ''اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ'' اور فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہئیں، ایمان لانے والے''۔ گمراہی میں مبتلا ہونے کے باوجود تماشا یہ ہے کہ ان بدبختوں کو اپنے معاملہ کے بارے میں بھی یقینی علم نہیں یہ محض جھوٹے ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ خرص کا معنی ہے اٹکل پچو اور اندازہ لگانا اسی سے خرص النخل ہے یعنی کھجور کے درخت پر جو کھجوریں ہیں ان کا اندازہ اور تخمینہ لگانا۔ ان کا ظن وتخمین کی وادی میں بھٹکنا تقدیر الٰہی کے باعث ہے۔ وہ جانتا ہے جو اس کی راہ سے گمراہ ہوجاتا ہے تو اس کے لئے اس راہ ضلال کو آسان بنادیتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی جانتا ہے اور ان کے لئے راہ راست آسان بنادیتا ہے اور ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس (مقصد) کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

''تو کھاؤ اس میں سے لیا گیا ہے نام خدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو اور کیا ہوا تمہیں کہ نہیں کھاتے ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 9 عن قتادۃ

تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف۔ اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے مباح قرار دے دیا ہے کہ وہ اس ذبیحہ کو کھائیں جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ مباح نہیں بلکہ حرام ہے جس طرح کفار قریش مردار کا کھانا اور ان جانوروں کا کھانا مباح سمجھتے تھے جنہیں بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر اس جانور کا کھانا جائز قرار دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، فرمایا: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ یعنی اس نے حرام چیزوں کے بارے میں تمہیں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے۔ ''فَصَّلَ'' تشدید اور تخفیف دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے(1)۔ دونوں صورتوں میں بیان اور وضاحت کے معنی میں ہوگا۔

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ہاں اضطراری اور مجبوری کی حالت میں جو کچھ تمہیں ملے (خواہ حرام ہو) تمہارے لئے مباح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کی مردار اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو حلال سمجھنے کے بارے میں فاسد آراء کا ذکر کر کے ان کی جہالت سے پردہ اٹھاتا ہے فرمایا: وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی زیادتی، کذب اور افتراء سے خوب واقف ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

''اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے''۔

مجاہد اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ خفیہ اور اعلانیہ معصیت ترک کر دو۔ ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جس کے کرنے والے نے اس کی نیت کی ہو(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مخفی اور اعلانیہ، قلیل اور کثیر گناہ مراد ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ظاہری اثم سے مراد ان رنڈیوں اور فاحشہ عورتوں سے زنا کرنا ہے جنہوں نے بطور علامت اپنے گھروں کے اوپر جھنڈے لگا رکھے تھے اور باطنی اثم سے مراد ان عورتوں کے ساتھ چوری چھپے زنا کرنا ہے جن کے ساتھ خفیہ تعلقات ہوں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ ظاہری گناہ سے مراد محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ہے، صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ یہ ساری توضیحات اس میں شامل ہیں، کسی کی تخصیص نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف:33) ''آپ فرمایئے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہیں''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ یعنی جس گناہ کا بھی وہ ارتکاب کریں گے خواہ ظاہر ہو یا باطن، اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں اس کا بدلہ دے گا۔ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا: اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ(3)۔ ''گناہ وہ ہے جو تمہارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 12 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 14 4۔ صحیح مسلم، کتاب البر 1980، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182

دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں''۔

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

''اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا اللہ کا نام اس پر اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تا کہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے''۔

وہ شخص جس کا یہ کہنا ہے کہ ذبیحہ پر جب اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، اس نے اس آیت سے ہی استدلال کیا ہے۔ اس مسئلہ میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے تین اقوال ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس قسم کا ذبیحہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، حلال نہیں۔ خواہ تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ ....) دانستہ چھوڑا گیا ہو یا غیر دانستہ۔ حضرات ابن عمر، نافع، عامر، ابن سیرین، بہت سے متقدمین و متاخرین فقہاء، ابوثور، داؤد الظاہری اور محمد بن علی الطائی الشافعی سے یہی روایت ہے۔ ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا آیت اور یہ آیت صید پیش کی ہے: فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدۃ:4) ''تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان: وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ کے ذریعے اس کو مؤکد کیا ہے، ''اِنَّهٗ'' میں ضمیر کا مرجع یا اکل (ایسے ذبیحہ کا کھانا) ہے، یا پھر الذبح علی غیر اللہ (غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ) ہوسکتا ہے۔ اور مختلف احادیث جو ذبیحہ اور صید (شکار) کے وقت تسمیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ بھی مذکورہ موقف کو پختہ کرتی ہیں، جس طرح عدی بن حاتم اور ابوثعلبہ کی احادیث ہیں: ''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑو اور اس وقت بسم اللہ پڑھ لو تو وہ جو شکار پکڑ کر تمہارے پاس لائے، تو اس میں سے کھا سکتے ہو''(1)۔ یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں اور رافع بن خدیج کی حدیث بھی: ''جس کا خون بہا ہو اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ''(2)۔ مسلم کی بھی ایک حدیث ہے جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں سے فرمایا: ''تمہارے لئے ہر وہ ہڈی جائز ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے''(3)۔ اور حدیث جندب بن سفیان البجلی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (عیدالاضحیٰ کی) نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر دیا اسے چاہئے کہ وہ اس کی بجائے ایک دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے نماز تک ذبح نہیں کیا وہ (نماز کے بعد) اللہ کا نام لیکر ذبح کر دے''(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! لوگ ہمارے پاس گوشت لیکر آتے ہیں اور تحفہ میں دیتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم خود بسم اللہ پڑھ کر کھالو''(5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ نومسلم لوگ تھے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) ذبح کے وقت ضروری ہے اور انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ عین ممکن ہے انہوں نے نو مسلم ہونے کے باعث تسمیہ ترک کر دیا ہو۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے کھاتے وقت احتیاطاً تسمیہ کا حکم دیا تا کہ اگر بالفرض ذبح کے وقت تسمیہ ترک بھی ہو گیا ہو تو یہ اس کا بدل بن جائے اور انہیں تمام احکام کے ٹھیک طریقہ سے اجراء کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس مسئلہ میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ ذبح کے وقت تسمیہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ دانستہ یا نادانستہ جس طرح بھی چھوڑ دیا کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ امام شافعی کا

1۔ دیکھئے تخریج کے لئے تفسیر سورۂ مائدہ:4
2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 631، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی 1558
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 332
4۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 630، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1551
5۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 634

مذہب ہے، امام مالک سے بھی اس طرح کی ایک روایت ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح، ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ منقول ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے آیت کریمہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ کو "ذبح لغیر اللہ" پر محمول کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: 146) "یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے"۔ اور ابن جریج عطاء سے اس کی یہ وضاحت نقل کرتے ہیں کہ ان جانوروں کے کھانے کی ممانعت ہے جنہیں قریش بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے اور اسی طرح مجوس کے ذبائح کھانے کی بھی ممانعت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اختیار کردہ یہ مسلک قوی ہے اور متاخرین میں سے کسی نے اس کو اس طرح قوی بنانے کی کوشش کی ہے کہ "وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ میں واؤ حالیہ ہے، آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ اس حال میں کہ وہ فسق ہو، اور فسق وہی چیز ہے جسے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ یہ توجیہہ متعین ہے اور یہ جائز نہیں کہ واؤ عاطفہ ہو کیونکہ اس سے جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف لازم آئے گا جو درست تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن یہ توجیہہ اس آیت کریمہ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہاں لامحالہ واؤ عاطفہ ہی ہے۔ جس واؤ کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ حالیہ ہے اگر واقعی یہ درست ہو تو اس کا اس پر عطف ممتنع ہوگا اور اگر اس کا عطف جملہ طلبیہ (لَا تَاْكُلُوْا) پر کیا جائے تو ان پر بھی وہی اعتراض وارد ہوگا جو وہ دوسرے پر کر رہے ہیں۔ اگر واؤ حالیہ نہ ہو تو ان کا دعویٰ سرے سے ہی ختم ہو جائے گا اور توجیہ باطل ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مردار ہے۔ اس مذہب کی تائید ایک مرسل حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے وہ اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ اگر وہ نام لیتا تو اللہ ہی کا لیتا۔" یہ مرسل ہے اور اس کی تائید دارقطنی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ بھی لے تو اسے کھایا جا سکتا ہے کیونکہ مسلمان میں گویا خدا کا ہی کوئی نام ہے"(1) یعنی ذبح کرے گا تو نیت یہی ہوگی کہ وہ خدا کے نام پر ذبح کر رہا ہے۔ بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دلیل پکڑی ہے جو ابھی ابھی گزری ہے کہ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کہ نو مسلم لوگ ہمارے پاس گوشت کا تحفہ لاتے ہیں، ہمیں علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم خود بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ" اگر تسمیہ شرط ہوتا تو حضور انہیں بغیر تحقیق کے کھانے کی اجازت نہ دیتے(2)۔ اس مسئلہ میں تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر بھولے سے ذبیحہ پر بسم اللہ ترک ہوگئی تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر تسمیہ ترک کر دیا تو جانور حرام ہوگا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے حضرات علی، ابن عباس، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری وغیرہ (رضی اللہ عنہم) سے بھی یہی منقول ہے۔ امام ابو الحسن مرغینانی نے اپنی کتاب "ہدایہ" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ قصداً تسمیہ ترک کر دینے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے، اسی لئے امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم ایسے ذبیحہ کے بیع کی اجازت دے دے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا عجیب ہے حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے پہلے بھی ایسا اختلاف ثابت ہے(3)۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے (تسمیہ) بھول جانے والے کے ذبیحہ کو حرام قرار دے دیا وہ متفق علیہ دلیل سے نکل گیا

1۔ سنن دارقطنی، باب الصید والذبائح، جلد 4 صفحہ 295-296 2۔ دیکھئے سنن بیہقی کتاب الصید والذبائح، جلد 9 صفحہ 239

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 20

اور اس نے اس بات کی مخالفت کی جو اس حدیث سے ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے لئے خود اس کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے، اگر وہ ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول جائے تو چاہئے کہ کھاتے وقت اللہ کا نام لے''(1)۔ ابن جریر وغیرہ نے شعبی اور محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ وہ بھولے سے ترک تسمیہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور لفظ کراہت کا اطلاق عموماً حرام پر کرتے(2)۔ امام ابن جریر کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ جمہور کے مقابلے میں ایک دو افراد کے قول کو وقعت نہیں دیتے اور جمہور کی بات کو اجماع ہی شمار کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ بہت سے پرندے میرے پاس لائے گئے، ان میں سے بعض پر تو اللہ کا نام لیا گیا اور کچھ پر بھولے سے اللہ کا نام نہ لیا گیا، دونوں قسم کے پرندے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل گئے تو حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھاؤ کھاؤ۔ محمد بن سیرین سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا انہیں نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اس مذہب کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے: إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ(3)۔ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور جس غلطی پر مجبور کر دیا جائے معاف فرما دیا ہے''۔ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا نام مسلمان کے مسلمان ہونے میں ہی مضمر ہے''، لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ مروان بن سالم ابو عبد اللہ شافعی اس کے راوی ہیں جن پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے۔ میں نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک الگ رسالہ لکھا ہے جس میں ائمہ کے مذاہب، ماخذ، دلائل، مناقضات اور معارضات سب ذکر کر دیئے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا اس کا حکم منسوخ ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ اس کا حکم بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم اور واجب العمل ہے۔ اسی بناء پر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کا قول ہے۔ حضرات عکرمہ اور حسن بصری رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ اور فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ یہ آیت منسوخ ہے اور اس حکم سے وہ کھانا مستثنیٰ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدۃ:5) ''اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے''(4)۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ پھر مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا: ''اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ (المائدۃ:5)'' آج حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے''۔ یعنی پہلے حکم کو اس آیت کے ذریعے منسوخ فرما دیا اور اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دے دیا۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح تو یہی ہے کہ اہل کتاب کے کھانے کے حلال ہونے اور اللہ کا نام نہ لئے گئے ذبیحہ کے حرام ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا درست ہے اور جس نے مطلق نسخ کا قول کیا ہے تو اس کے ذہن میں بھی اس کی تخصیص مراد ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ...... ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مختار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی طرف وحی اترتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اور پھر مذکورہ آیت تلاوت کی۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا

1۔ سنن بیہقی، کتاب الصید والذبائح، جلد 9 صفحہ 239

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 19-20

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق: 659

4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 21

ہوا تھا، اس وقت مختار حج کی غرض سے آیا ہوا تھا۔ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! ابواسحاق گمان کرتا ہے کہ آج رات اس پر وحی اتری ہے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، وہ آدمی بدکا اور حیرانی سے کہنے لگا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ وحی دو قسم کی ہوتی ہے! وحی الٰہی اور وحی شیطانی۔ اللہ کی وحی حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے اور شیطان کی وحی اس کے دوستوں کی طرف۔ پھر مذکورہ آیت پڑھی۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کا ایسا ہی قول پہلے گزر چکا ہے(1)۔

لِيُجَادِلُوْكُمْ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ سے جھگڑتے اور کہتے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں وہ تو کھا سکتے ہیں اور جس جانور کو خود اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہیں کھا سکتے؟ تو اس وقت یہ آیت اتری: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (2)۔ یہ روایت مرسل ہے اور ابوداؤد نے اسے متصلاً روایت کیا ہے۔ یہ تین وجوہات سے محل نظر ہے:

1۔ یہود مردار کے کھانے کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے، پھر وہ مجادلہ کیونکر کرتے۔

2۔ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکی ہے اور یہود تو مدینہ میں تھے۔

3۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ترمذی کے الفاظ ہیں کہ چند لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ پھر اس حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ مرسل ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب یہ آیت کریمہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اتری تو اہل فارس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ اس بارے میں محمد ﷺ سے بحث مباحثہ کرو اور کہو کہ جس کو تم اپنے ہاتھ سے چھری کے ساتھ ذبح کرو وہ تو حلال ہے اور جس کو خدا نے اپنی سنہری شمشیر سے ذبح کیا یعنی مردار وہ حرام ہے، یہ کیا عجیب معاملہ ہے! تو اس وقت یہ آیت اتری: وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ یعنی فارس کے شیاطین اپنے قریشی دوستوں کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کفار کہا کرتے تھے کہ کیا تعجب خیز بات ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہ کھاؤ اور جسے تم ذبح کرو اسے کھا لو تو اس وقت یہ آیت وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اتری(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہود کا لفظ نہیں ہے(6)۔ اس لئے اشکال سے بچنے کا یہی محفوظ راستہ ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود بھی تو مردار کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ تم جسے قتل کرو اسے کھاؤ اور جسے اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہ کھاؤ۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس کو تم قتل کرو وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور جو مر گئے وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا(7)۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مشرکین قریش اور اہل فارس کے درمیان خط و کتابت ہوئی، اہل فارس نے انہیں لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں حالانکہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنی سنہری چھری کے ساتھ ذبح کر ڈالے اسے نہیں کھاتے اور جسے وہ خود ذبح کریں اسے کھا لیتے ہیں تو مشرکین نے یہ سب کچھ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام:112
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 101 تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18-19
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انعام، جلد 11 صفحہ 190-191
4۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 241
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 101، سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح 1059
6۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18
7۔ ایضاً

صحابہ کرام کی طرف لکھ بھیجا تو ان کے دلوں میں ایک شبہ پیدا ہو گیا تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۔۔۔ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۔ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (1)۔ سدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں سے کہا کہ تم کیونکر یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہو حالانکہ معاملہ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کر دے تم اسے نہیں کھاتے اور جسے تم خود ذبح کر دا سے کھا لیتے ہو؟ تو فرمایا: وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (2)۔ یعنی اگر مردار کھانے کے معاملہ میں تم نے ان کی حجت کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انحراف کیا تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے جیسا کہ فرمایا: اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ: 31) ''انہوں نے بنایا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر)۔ یہ سن کر عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں، وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے لئے وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے تھے، اس میں وہ ان کی پیروی کرتے تو یہ عبادت ہی ٹھہری'' (3)۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

''کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے یونہی آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لئے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے''۔

یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے لئے بیان فرما رہا ہے، وہ مومن جو پہلے مردہ تھا یعنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا ہلاکت کے قریب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی بخشی، اس کے دل کو ایمان کے ساتھ زندہ کر دیا، اسے راہ ہدایت پر گامزن کیا اور اتباع رسل کی توفیق ارزانی فرمائی اور اس کے لئے قرآن کی صورت میں نور پیدا کر دیا جس کی برکت سے وہ ہدایت پاتا ہے اور درست تصرف کرتا ہے، کیا یہ (سعادتمند) اس (بدنصیب کی) طرح ہی ہے جو جہالتوں، خواہشات نفسانی اور مختلف قسم کی گمراہیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے ان سے نکلنے کی کوئی راہ اسے دکھائی نہیں دیتی اور نہ ہی ان سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل اسے نظر آتی ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تاریکی میں اپنی مخلوق کو پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی بارش کی۔ جس تک وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا (4)۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ: 257) ''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الملک: 22) ''کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے''۔ اور فرمایا: مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (ہود: 24) ''ان دونوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 16
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ توبہ، جلد 11 صفحہ 238-239
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176-196

فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں کا حال۔ کیا تم (اس مثال میں) غور وفکر نہیں کرتے''۔ اور فرمایا: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۞ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ (فاطر:23-19) ''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے''۔ اس مضمون کی متعدد آیات ہیں جن میں وجہ مناسبت نور اور ظلمات کی مثالیں ہیں اور اوائل سورت میں بھی انہی کا ذکر ہوا۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام:1)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد دو معین آدمیوں کی مثال ہے اور وہ ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، اسلام لانے سے قبل مردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دیکر زندہ کر دیا اور قرآن کا نور عطا فرمادیا جس سے بصیرت کی آنکھ کھل گئی اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمار بن یاسر ہیں۔ لیکن جو ظلمات میں ہے اس سے مراد ابوجہل ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے جس میں ہر مومن و کافر داخل ہے۔

كَذٰلِكَ زُيِّنَ ...... یعنی کفار کی جہالت اور گمراہی کے باعث ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیئے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے، وہ یکتا، معبود حقیقی اور وحدہ لاشریک ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۞

''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تا کہ وہ مکر وفریب کیا کریں اس میں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔ اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو، عنقریب پہنچے گی جنھوں نے جرم کئے ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بوجہ ان مکروں کے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے کہ اے محمد! جس طرح آپ کی بستی میں بڑے بڑے لوگ اور زعماء مجرم ہیں جو کفر کی طرف لوگوں کو اکساتے ہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور آپ کی مخالفت وعداوت میں پیش پیش ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے رسولوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا لیکن آخر کار فتح انہی کی ہوئی اور وہ جھٹلانے والے نا ہنجار تباہ کر دیئے گئے۔ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان:31) ''اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے''۔ اور فرمایا: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا (بنی اسرائیل:16) ''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں

کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں''۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں اطاعت کا حکم دیا لیکن انہوں نے مخالفت کی اس لئے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ ہم نے تقدیر میں لکھا ہوا حکم دیا تا کہ وہ مکر و فریب کریں۔

اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہ وضاحت منقول ہے کہ ہم نے حکام کو سب سے زیادہ شریر بنا دیا۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو سب بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اکابر سے مراد بستی کے زعماء اور لیڈر ہیں، جھٹلانا ان زعماء کا وطیرہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سبا:35-34) ''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے (تم کون ہوں ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا''۔ اور فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف:23) ''اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ یہاں مکر سے مراد ان کا خوشنما باتوں کے ذریعے لوگوں کو گمراہی کی دعوت دینا ہے جیسا کہ قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ (نوح:22) ''اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کئے''۔ اور جیسا کہ یہ ارشاد ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا (سبا:33-31) ''کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبران کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں''۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں مکر سے مراد عمل ہے۔

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ یعنی ان کے مکر و فریب اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال خود انہیں پر پڑے گا جس طرح ان آیات میں فرمایا: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت:13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ''، وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (النحل:23) ''اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں''۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ...... جب ان کے پاس کوئی آیت، برہان یا حجت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے

جب تک کہ ہمارے پاس بھی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لیکر نہیں آتے جو رسولوں کی طرف آتے ہیں جس طرح فرمایا: وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا (الفرقان: 21) ''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو''۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں اس نے رسالت کو ودیعت کرنا ہے، کون اس بار گراں کو اٹھانے کا متحمل ہے اور کون اس شرف کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: 32-31) ''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟''۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ مکہ اور طائف کے جو لوگ ان کی نظروں میں قابل احترام تھے ان میں سے کسی پر یہ قرآن کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ملعون محض، بغض وحسد اور عناد وتکبر کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو حقیر سمجھتے تھے جس طرح ان آیات میں اس چیز کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرما رہا ہے: وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (الفرقان: 41) ''اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے''، وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الانبیاء: 36) ''اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں''۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء: 41) ''اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ کیسی عجیب بات تھی کہ یہ کم بخت ایک طرف تو آپ کا مذاق اڑاتے اور دوسری طرف آپ ﷺ کی فضیلت، شرافت اور عالی نسبی کے بھی اسی طرح معترف تھے، جس طرح آپ ﷺ کے خاندان، قبیلہ اور وطن مکہ کی طہارت وعظمت کے قائل تھے۔ اللہ، ملائکہ اور تمام مومنین کی طرف سے آپ ﷺ پر درود ہو۔ حتیٰ کہ یہ لوگ بعثت سے قبل آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے اور اس چیز کا اعتراف رئیس کفار ابوسفیان نے بھی اس وقت کیا تھا جب شاہ روم ہرقل نے اس سے آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ آپ ﷺ ہم میں شریف النسب ہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ اعلان نبوت سے پہلے انہوں نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ کہا: نہیں۔ یہ گفتگو کافی طویل ہے(1)۔ اس کے ذریعے شاہ روم نے یہ استدلال کیا کہ آپ ﷺ کی ظاہری عمدہ صفات آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت اور قرآن کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی فضیلت اس طرح بیان فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل کو چن لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم پر یکے بعد دیگرے گزرنے والے قرون میں سے سب سے بہتر قرن میں مجھے مبعوث کیا گیا اور سب سے بہتر قرن وہی ہے جس میں مجھے بھیجا گیا''(3)۔ حضرت عباس

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 31-32 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1782، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 107

3۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 566

رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کے متعلق جو کہتے جب اس کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' صحابہ نے عرض کی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا اور لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا اور پھر قبائل بنائے اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خاندان بنائے اور میرا قبیلہ سب سے بہتر قرار دیا، میں خاندان کے لحاظ سے بھی تم سے افضل ہوں اور ذات کے اعتبار سے بھی'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل نے مجھ سے کہا کہ میں نے دنیا بھر کے مشارق اور مغارب چھان ڈالے ہیں لیکن محمد (ﷺ) سے افضل کسی آدمی کو نہیں پایا۔ دنیا کے مشرق ومغرب میں تلاش کی لیکن بنو ہاشم سے زیادہ فضیلت رکھنے والا کوئی خاندان نظر نہ آیا'' (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو آپ ﷺ کے دل کو چن لیا اور آپ ﷺ کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرما دیا۔ پھر حضرت محمد ﷺ کے دل کے بعد بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو سب میں سے صحابہ کرام کے دلوں کو بہتر پایا تو انہیں اپنے نبی کا وزراء بنا دیا، یہ ایسے سعادت مند ہیں کہ آپ ﷺ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں، پس مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے اور جسے مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے (3)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ اپنے دین سے الگ ہو جاؤ گے'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے ہمیں ہدایت دی ہے؟ فرمایا: ''تم قوم عرب سے بغض رکھو گے تو گویا مجھ سے بغض رکھو گے'' (4)۔ روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ پر اس کی نظر پڑی تو خوفزدہ ہو گیا، پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابن عباس رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، تو اس نے کہا: ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ''۔

سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا...... یہاں ان لوگوں کے لئے سخت وعید اور شدید دھمکی ہے جو رسولوں کی اطاعت اور ان کے احکامات کی بجا آوری سے پہلوتہی کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت کا سامنا کرنا ہوگا، جس طرح یہ دنیا میں تکبر ونخوت کا مظاہرہ کرتے رہے اسی طرح روز قیامت انہیں ذلت اور رسوائی سے واسطہ پڑے گا، فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن: 60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہونگے ذلیل وخوار ہوکر''۔

وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ مکر عموماً مخفی ہوتا ہے، اس میں لطیف حیلہ بازی اور فریب ہوتا ہے۔ قیامت کے دن مکر کے مقابلہ میں انہیں سخت عذاب دیا جائے گا جو ان کے مکر کی پوری پوری جزاء ہوگی اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم روا نہیں رکھتا۔ فرمایا: یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق: 9) جس دن تمام سربستہ رازوں، خفیہ باتوں اور ضمائر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن ہر باغی اور جفا کار کی سرین کے ساتھ ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 210 — 5۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 1 صفحہ 176

6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 379 — 7۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 440-441

فلاں کی بغاوت اور جفا کا نتیجہ ہے"(1)۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ غدر چونکہ مخفی ہوتا ہے جس پر لوگ اطلاع نہیں پا سکتے اس لئے روز قیامت یہ اس جفا کار پر اس کے کرتوتوں کے باعث پھیل جائے گا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

"اور جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس (بدنصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ، گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی ان پر جو ایمان نہیں لاتے"۔

اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے، اسلام کو اس کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور راہ ہدایت اس کے لئے روشن کر دیتا ہے، یہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے کرم اور خیر کی علامت ہے جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر: 22) "بھلا وہ (سعادتمند) کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے"۔ اور فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات: 7) "لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توحید اور ایمان کو قبول کرنے کے لئے بندے کے دل میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ ابوجعفر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا مومن زیادہ زیرک ہے؟ فرمایا: "جو موت کو اکثر یاد کرتا رہے اور موت کے بعد کے لئے زیادہ تیاری کرتا رہے"۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ شرح صدر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے" صحابہ نے عرض کی کہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے اس کی پہچان ہو جائے؟ فرمایا: "اس کی نشانی یہ ہے کہ انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، دنیا سے اجتناب کرتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرتا ہے۔" ایک دوسری روایت میں اس آیت کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: "جب ایمان دل کے اندر داخل ہو جائے تو دل وسیع بھی ہو جاتا ہے اور کشادہ بھی" صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟ تو آپ ﷺ نے وہی نشانی بتائی جس کا تذکرہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہو چکا ہے(2)۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(3)۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا، "ضَيْقَ" کا لفظ فتح ضاد اور سکون یاء (ضَيْقَ) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ایک دوسری قراءت میں "ضَيِّقَ" یاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ دو قراءتیں ہیں جیسے "هَيِّن" اور "هَيْن"۔ بعض نے

1۔ فتح الباری، کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359-1361

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 26

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 27

''حَرِجاً'' فتح حاء اور کسرہ راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ گنہگار کے معنی میں ہے۔ ایک دوسری قراءت میں ''حَرَجا'' حاء اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، یہ وہ دل ہے جو ہدایت کے لئے کشادہ نہیں ہوتا اور نہ ایمان جیسی کوئی نفع بخش چیز اس دل میں سرایت کرتی ہے(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی مدلج کے ایک بدو سے پوچھا کہ ''حَرَجَة'' کیا ہے؟ اس نے کہا کہ گھنے درختوں کے جھنڈ میں گھرا ہوا یہ ایک درخت ہے جس تک نہ کوئی چرواہا پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی جانور اور نہ ہی کوئی اور چیز۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح منافق کا دل ہے بھلائی نام کی کوئی چیز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسلام کو تنگ کر دیتا ہے حالانکہ اسلام میں تو بہت وسعت ہے جیسا کہ فرمایا: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) ''اور (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی''۔ کافر کا دل چونکہ سخت تنگ ہوتا ہے اس لئے اسلام وہاں نہیں سما سکتا۔ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ ''حَرَجاً ضَيِّقًا'' کا معنی ہے شکی یعنی وہ شک میں مبتلا رہتا ہے۔ عطاء خراسانی اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس دل تک بھلائی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کرنے سے اس کا سینہ نہایت تنگ بنا دیتا ہے، یہ کلمہ اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہو پاتا اور اسے سنتے ہی اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے، عجیب کشمکش میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اسے بہت گراں سمجھتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کا سینہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ ایمان اس تک راہ نہیں پاتا۔ سدی کہتے ہیں گویا کہ ضیق صدر کے باعث اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے۔ عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اس شخص کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو آسمان پر چڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ابن آدم آسمان تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح اس تنگ دل کے اندر توحید اور ایمان گھر نہیں کر سکتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ ڈال دے تو یہ الگ بات ہے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے دل کو اللہ تعالیٰ نے سخت تنگ بنا دیا وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔ امام ابوجعفر بن جریر کہتے ہیں کہ یہ قلب کافر کی مثال دی گئی ہے کہ شدت ضیق کے باعث ایمان اس کے دل تک رسائی نہیں پا سکتا، اس کا ایمان قبول کرنا اور تنگی کے باعث ایمان کا دل تک پہنچنا ایسے ہی ممتنع ہے جس طرح اس کا آسمان تک پہنچنا ممتنع اور محال ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کے بس اور طاقت سے باہر ہے(2)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اس شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے جسے وہ گمراہ کرنا چاہے اسی طرح وہ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے، نہ صرف اس پر بلکہ اس قماش کے دوسرے لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں تو وہ شیطان انہیں گمراہ کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے دور کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''رِجْسَ'' سے مراد شیطان ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں بھلائی نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس کا معنی عذاب بتاتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾

''اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا (بالکل) سیدھا۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے ہاں اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 28 5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 30

کیا کرتے تھے''۔

راہ حق سے گمراہ اور راہ ہدایت سے روکنے والوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اس ہدایت اور دین حق کے شرف پر آگاہ فرما رہا ہے جس کو لیکر رسول کریم ﷺ تشریف لائے، فرمایا: ''وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا''، ''مُسْتَقِيْمًا'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے، معنی یہ ہوگا: اے محمد! وہ دین جو ہم نے آپ کو اس وحی (قرآن) کے ذریعے آپ کو عطا فرمایا ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کے وصف میں منقول ہے کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ، اس کی مضبوط رسی اور ذکر حکیم ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ...... ہم نے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اپنی آیات ایسے لوگوں کے لئے بیان کردی ہیں جو فہم و فراست اور عقل و شعور رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے فرامین میں غور و فکر کرکے انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ ایسے سعادت مند ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نعمتوں بھری جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جنت کا وصف ''دَارُ السَّلٰمِ'' بیان فرمایا ہے اس لئے کہ جس طرح وہ انبیائے کرام کے نقوش پا کی پیروی کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر سلامت رہے اور گمراہی اور کجی کی طرح طرح کی آفات سے محفوظ رہے اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے لئے سلامتی کا گھر (جنت) ہی ہوگا۔

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کا محافظ، حامی اور ناصر ہے اس لئے کہ وہ نیک اعمال بجالایا کرتے تھے، انہی اعمال صالحہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر بن گیا، اور اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت سے نوازا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

''اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا) اے جنوں کے گروہ! بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور کہیں گے ان کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے رب! فائدہ اٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس معیاد پر جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ (نجات دینا) چاہے، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے: اے محمد! آپ جو احکام انہیں بتاتے ہیں اور بروقت ڈراتے ہیں اسے بھی یاد کریں اور اس دن کو بھی جب اللہ تعالیٰ جنات و شیاطین اور ان کے ان پیروکار انسانوں کو جمع کرے گا جو دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کی پناہ لیتے، انہی کی اطاعت کرتے اور ایک دوسرے کی طرف خوشنما باتیں دھوکہ دینے کے لئے القاء کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ اے گروہ جن! تم نے انسان کو بہت گمراہ کرلیا جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (یٰسین: 62-60)

''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کردیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (وخرد نہیں رکھتے تھے)''۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس کا یہی مفہوم بتاتے ہیں یعنی تم نے کثیر انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ...... ان جنوں کے انسانی دوست جواب میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! واقعی ایسا تھا، ہم میں سے بعض بعض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''استمتاع'' یہ تھا کہ جن وشیاطین ناروا باتوں کا حکم دیتے اور انسان ان پر عمل پیرا ہوتے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کرتا ہوا کسی جگہ اترتا تو کہتا کہ میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ لیتا ہوں، یہ تھا ان کا ''استمتاع''، قیامت کے دن وہ اس کا عذر پیش کریں گے، اور جنوں کا انسانوں سے ''استمتاع'' (فائدہ اٹھانا) یہ تھا کہ انسان ان سے مدد طلب کر کے ان کی تعظیم کرتے تو وہ تکبر سے کہتے کہ ہم جن وانس کے سردار ہیں۔

وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا...... اجل سے مراد موت ہے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ...... دوزخ تمہارا اور تمہارے اولیاء کا ٹھکانا ہے جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو اس سے محفوظ رکھ سکتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ استثناء کے معنی کا مرجع برزخ ہے، بعض نے کہا ہے کہ مدت دنیا، اور بھی اس ضمن میں بہت سے اقوال ہیں جن کا تذکرہ سورۂ ہود کی اس آیت کریمہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (ہود: 107) '' وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا پروردگار۔ بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔ کے ضمن میں کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقتضا یہ ہے کہ کسی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم لگائے اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ کسی کو جنتی یا دوزخی قرار دے(1)۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾

''اور یونہی ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے''۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ان کے اعمال کے مطابق دوست بنا دیتا ہے۔ مومن مومن کا دوست ہے جہاں بھی ہو اور جیسا بھی ہو، اسی طرح کافر کافر کا ولی ہے جہاں بھی ہو اور جیسی بھی حیثیت کا مالک ہو، ایمان محض تمنا اور تصنع کا نام نہیں(2)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ میں ظالموں کو ایک دوسرے کا ولی بنا دے گا دوزخ میں وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبور میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں منافقوں سے انتقام لوں گا، یہی مطلب ہے اس آیت کا: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ''ظٰلِمِيْنَ'' سے مراد ظالم جن اور ظالم انسان لیتے ہیں اور یہ معنی بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہ آیت پڑھی: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف: 36) '' اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے''۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے: ''مَنْ أَعَانَ ظَالِماً سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ'' (3) '' جس نے ظالم کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 34 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 35 | 3۔ ابن عساکر

اعانت کی اللہ تعالیٰ اسے ہی اس پر مسلط کر دیتا ہے"۔ کسی شاعر کا کہنا ہے:

کوئی بھی ہاتھ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس سے بالاتر ہے اور کوئی بھی ظالم ایسا نہیں ہے کہ جسے دوسرے ظالم سے واسطہ نہ پڑے۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح ہم نے ان خسارہ اٹھانے والے انسانوں کو اس گروہ جن کا دوست بنا دیا جنہوں نے انہیں گمراہ کر دیا، اسی طرح ہم ظالموں سے سلوک کریں گے کہ انہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیں گے، ایک دوسرے کے ذریعے سے انہیں ہلاک کر دیں گے اور ہم ان کے ظلم اور بغاوت کا بدلہ ان کی باہمی عداوت سے لیں گے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

"اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمہیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں مبتلا کیا تھا انہیں دنیوی زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ کفر کرتے رہے تھے"۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافر جنوں اور انسانوں کو سرزنش کرتے ہوئے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے، کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک نہیں پہنچایا؟ یہاں استفہام تقریری ہے یعنی بات کو ثابت اور لازم کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اے گروہ جن وانس! کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے اور رسول تو صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں نہ کہ جنوں میں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول بنی آدم سے ہوتے ہیں اور جنوں میں سے صرف ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ ضحاک بن مزاحم کا خیال ہے کہ جنوں میں بھی رسول ہوتے ہیں اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ اس کا احتمال ضرور ہے لیکن صریح اور قطعی بات نہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمن: 21-19) "اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان"۔ یعنی لؤلؤ اور مرجان کھاری اور میٹھے سمندر سے نکلتے ہیں حالانکہ یہ تو صرف کھاری سمندر سے برآمد ہوتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ تو جس طرح یہاں انہیں دونوں کی طرف منسوب کیا اسی طرح رسولوں کی نسبت بھی جنوں اور انسانوں کی طرف کی۔ یہ بات واضح ہے۔ بعینہ یہی جواب ابن جریر نے دیا ہے(1)۔ اور اس بات کی دلیل کہ رسل انسانوں میں سے ہی ہیں یہ ارشاد ہے: "اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰي نُوْحٍ وَّالنَّـبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ...... رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: 165-163)۔" بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ...... رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے) کے بعد"۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ فرمان: وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 36

جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ (العنکبوت:27) ''اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو آپ کی اولاد میں محصور کر دیا اور کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نبوت جنوں میں تھی اور آپ کی بعثت سے منقطع ہوگئی۔ مندرجہ ذیل آیات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبوت صرف انسانوں میں ہے: فرمایا: '' وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان:20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''۔ اور فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف:109) ''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اس معاملہ میں جن انسانوں کے تابع ہیں اسی لئے جنات کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۞ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۞ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۞ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الاحقاف:29-32) ''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں''۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت کو پڑھا: '' سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن:31-32) ''ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''(1) اور فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ...... یعنی ہم نے اقرار کیا کہ رسول ہمارے پاس تیرے پیغامات لیکر تشریف لائے، انہوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اس دن کی ملاقات سے ہمیں خبردار کرتے رہے کہ ہر صورت میں یہ دن آئے گا، لیکن دنیا میں وہ غافل ہو گئے اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ دنیا کی زینت اور شہوات نے انہیں مبتلائے فریب رکھا اور انہیں رسولوں کی تکذیب اور معجزات کی مخالفت کی پاداش میں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے اعضاء ان کے خلاف بولیں گے وہ خود اپنے خلاف گواہی دے دیں گے کہ وہ تو دنیا میں رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کا انکار کرتے رہے اور کفر کا ارتکاب کرتے رہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۞ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 12 صفحہ 177-178

عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

”یہ اس لئے کہ نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے عمل کے مطابق۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں“۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ...... یعنی ہم نے رسولوں کو مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے اتمام حجت کر دی ہے اور جن وانس کے عذر کو ختم کر دیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے پاس دعوت توحید و رسالت پہنچی ہی نہ ہو اور ظلم سے پکڑ کر دھر لیا جائے بلکہ ہم نے لوگوں کے تمام عذر ختم کر دیئے۔ اگر ہم نے کسی کو عذاب دیا تو ارسال رسل کے بعد ہی ایسا کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے: ”وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر:24)“ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو)۔ ”وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36)“ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے“۔ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15)“ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو“۔ كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا (الملک:9-8)“ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا“۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”بِظُلْمٍ“ میں دو باتوں کا احتمال ہے:۔

1۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ کسی قوم کو شرک وغیرہ کی وجہ سے ہلاک کر دے حالانکہ وہ غافل ہو اور اسے اپنے اس گناہ کے بارے میں علم ہی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا جب تک کہ وہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دلائل و براہین سے آگاہ کرے اور قیامت کے دن ملنے والے عذاب سے ڈرائے۔ اگر وہ غفلت میں ہی لوگوں کو پکڑ لے تو وہ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں۔

2۔ یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ کئے بغیر اور رسل اور آیات کے ذریعے نصیحت کے بغیر ہی ہلاک کر دے ورنہ ان پر ظلم لازم آتا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ اس کے بعد ابن جریر نے وجہ اول کو ترجیح دی اور بلاشبہ یہ قوی ہے(1)۔

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے والے ہر ایک کے عمل کے مراتب اور منازل ہیں جن تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دیتا ہے۔ جیسا عمل ویسا ہی ثمرہ اور نتیجہ۔ اچھا عمل تھا تو بدلہ بھی اچھا اور اگر برا تھا تو برا ثمرہ ہی مرتب ہوگا(2)۔ میری رائے میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ کفار جن وانس میں سے ہر ایک کے جہنم میں درجات ہیں جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38)“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے“۔ اور فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل:88)“ جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے لئے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے“۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اے محمد! ان کے تمام اعمال تیرے رب کے علم میں ہیں، اس نے انہیں شمار کر کے محفوظ رکھا ہوا ہے،

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 37
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 38

قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سیئہ کی سزا ضرور دے گا۔

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کردے) تمہیں اور تمہاری جگہ لے آئے تمہارے بعد جسے چاہے جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔ بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے آپ فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں تو تم جان لو گے کہ کس کے لئے ہوتا ہے اچھا انجام اس دنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کا رب ہر اعتبار سے تمام مخلوق سے غنی اور بے نیاز ہے اور لوگ تمام احوال میں اس کے محتاج ہیں۔ اس کے ساتھ وہ رحیم بھی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ: 143) ''بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے''۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ... اگر تم اس کے فرامین کی مخالفت کرو گے تو اگر وہ چاہے تو تمہیں برباد کر کے ایسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دے جو اس کی اطاعت گزار ہو۔ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے، ایسا کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے۔ جس طرح اس نے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا اور پھر ان کے بعد دوسری قوموں کو لے آیا اسی طرح وہ ان کو ہلاک کر کے دوسروں کو لانے پر بھی قادر ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا (النساء: 133) ''اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔ اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (فاطر: 17-15) ''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابود کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں''۔ اور فرمایا: وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد: 38) ''اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے)۔ اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے)۔ ابان بن عثمان آیت کریمہ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ''ذُرِّيَّة'' اصل کو بھی کہتے ہیں اور نسل کو بھی۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اے محبوب! آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ قیامت کے بارے میں جو وعدہ ان سے کیا جاتا ہے وہ لامحالہ پورا ہو کر رہے گا اور تم (اے نابکارو!) اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے پر قادر ہے اگرچہ تم خاک اور گلی سڑی ہڈیاں ہی کیوں نہ بن جاؤ وہ قادر ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اے بنی آدم! اگر تم عقل و

شعور رکھتے ہو تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ہو کر رہے گی اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔''

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا ۔۔۔ یہ شدید دھمکی اور سخت وعید ہے یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم راہ راست پر چل رہے ہو تو اس پر چلتے رہو لیکن میں تو اپنے طریقے اور رستے پر چلتا ہوں جیسا کہ ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (ہود:121) ''اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر، اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔'' تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ دار دنیا کی بھلائی کس کے لئے ہے: میرے لئے یا تمہارے لئے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ کئی ممالک میں آپ کو اقتدار عطا فرمایا، مخالفین کی پیشانیاں آپ کے ہاتھ میں دے دیں جیسے چاہیں سلوک کریں، مکہ پر فتح عطا فرمائی، جھٹلانے والوں اور عداوت رکھنے والوں پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا اور نہ صرف جزیرہ عرب میں بلکہ یمن اور بحرین میں بھی آپ کا حکم نافذ ہو گیا اور یہ سب کچھ آپ کی حیات مبارکہ میں ہوا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد ہمایوں میں بہت سے علاقے اور ممالک فتح ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلۃ:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ (المؤمن:52-51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن میں (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا''۔ اور فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''۔ اور فرمایا: فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (ابراہیم:14-13) ''پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو۔ نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے''۔ اور فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔـا (النور:55) ''وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے''۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ سرفرازی عطا فرمائی اور شاندار اقتدار عطا فرمایا: اول آخر، ظاہر باطن ہر حال میں اس کا شکر اور احسان ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے۔ تو وہ (حصہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو، کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو زجر و توبیخ اور ان کی مذمت کی جا رہی ہے جنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں کو رواج دیا ہوا تھا، کفر و شرک کا برملا ارتکاب کیا کرتے تھے اور دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے حالانکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، اسی لئے فرمایا کہ ان ظالموں نے ان فصلوں اور مویشیوں میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا، ایک حصہ خدا کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور بزعم خویش کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا۔ جو حصہ شرکاء کے نام کا ہے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کی راہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے البتہ جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ شرکاء تک پہنچ سکتا ہے اور ان کی اغراض کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ دشمنان خدا جب کوئی فصل کاشت کرتے یا پھلدار درخت لگاتے تو اس کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر اور کچھ حصہ بتوں کے نام پر مقرر کر دیتے۔ بتوں کے نام کا جو بھی حصہ ہوتا اس کو تو محفوظ کر لیتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کردہ حصہ میں سے کوئی چیز گر جاتی تو اس کو بتوں کے حصہ میں ملا دیتے اور اگر پانی بتوں کے مقررہ حصہ سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے مقررہ حصہ تک پہنچ جاتا تو اسے بھی بتوں کے حصہ میں شریک کر لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ کی پیداوار یا پھل میں کچھ گر جاتا اور بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو کہتے کہ یہ مستحقین کا حصہ ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں نہ ملاتے۔ اور اگر پانی اللہ تعالیٰ کے نام کے حصہ سے تجاوز کر کے بتوں کے حصہ کو سیراب کر دیتا تو وہ بھی سارا حصہ انہی بتوں کے نام کر دیتے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے استفادہ حرام سمجھتے اور ان تمام کو بتوں کی نذر کر دیتے اور یہ سمجھتے کہ وہ تو محض تقرب الٰہی کی خاطر ان سے استفادہ حرام قرار دیتے ہیں(1)۔ مندرجہ بالا آیت اسی چیز کی وضاحت کرتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ خدا کے نام کا کوئی بھی جانور ہوتا اسے ذبح کرنے کے بعد اس وقت تک نہ کھاتے جب تک کہ اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام نہ لیتے اور ان کے معبودوں کے نام پر جو جانور ہوتے ان کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ہی نہ تھے بلکہ صرف بتوں کا نام لیتے، پھر یہ آیت سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ تک پڑھی۔ یعنی یہ کیسی بری تقسیم ہے۔ پہلے تو تقسیم میں ہی انہوں نے غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب، مالک، خالق ہے، ہر چیز اس کے تصرف، قدرت اور مشیت کے سامنے سرنگوں ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر جو تقسیم فاسدہ کی اس کی بھی حفاظت نہ کر سکے بلکہ اس میں بھی ظلم و جور روا رکھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں فرمایا:۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (النحل:57) ''اور تجویز کرتے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں سبحان اللہ! اور ان کے لئے تو وہ (بیٹے) ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں''۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (الزخرف:15) ''اور بنا دی ہے (مشرکوں نے) اس کے لئے اس کے بندوں سے اولاد۔ بے شک انسان کھلا ناشکر گزار ہے''۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 41-40

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم:22-21) ''کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

''اور یونہی خوشنما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لئے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے تاکہ ہلاک کر دیں انہیں اور مشتبہ کر دیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا نہ کرتے تو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں''

جس طرح شیاطین نے ان کے لئے یہ عمل خوشنما بنا دیا کہ وہ بتوں سے الگ اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کی تخلیق کردہ فصلوں اور مویشیوں میں سے حصہ مقرر کریں اسی طرح انہوں نے افلاس کے خوف سے اولاد کو اور عار کے خوف سے بیٹیوں کو قتل کر دینے کا گھناؤنا عمل ان کی آنکھوں میں آراستہ کر دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے شرکاء شیاطین ہیں جو انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے شیاطین نے انہیں قتل بنات کا حکم دیا۔ ''لِيُرْدُوْهُمْ'' کا معنی ہے تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ کا مطلب ہے تاکہ وہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں(1)۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (النحل:58) ''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے''۔ اور اس فرمان کی طرح: وَإِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر:9) ''اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی''۔ وہ اس لئے بھی اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے کہ انہیں افلاس کا اندیشہ ہوتا اور مال کے تلف ہو جانے کا خوف ہوتا اس وجہ سے انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ سب شیطان کی کارستانی کا نتیجہ تھا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ یہ جو کچھ ہوا اللہ کی مشیت، ارادہ اور اختیار سے ہوا۔ اس میں اس کی خاص حکمت ہے۔ اس سے بازپرس نہیں کی جاسکتی اور ان سے بازپرس ہوگی۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ اے محبوب! آپ انہیں چھوڑ دیں، انہیں ان کی گمراہی اور جہالت سمیت نظرانداز کر دیں، عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

''اور بولے یہ مویشی اور کھیتی رکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انہیں سوائے اس کے جسے ہم چاہئیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی ہیں، حرام ہیں جن کی پشتیں (سواری کے لئے) اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 43

ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افتراء ہے اللہ پر، عنقریب سزا دے گا انہیں جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حجر کا معنی ہے حرام یعنی جو وصیلہ انہوں نے حرام کر لیا تھا (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ (مویشیوں اور کھیتی کی) تحریم اور سخت گیری ان پر شیاطین کی طرف سے تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے معبودوں کی خاطر انہیں روک لیا تھا اور اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ سدی کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے کہ ہماری مرضی کے بغیر ان کا کھانا حرام ہے، یہ آیت کریمہ اس آیت کی طرح ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: 59) "آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتارا پس بنالیا ہے تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو"۔ اور اس آیت کی طرح: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (المائدۃ: 103) "نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں"۔ سدی کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام یہ وہ جانور ہیں جن پر عرب سواری کرنا حرام سمجھتے یا یہ وہ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے نہ بوقت پیدائش اور نہ بوقت ذبح (2)۔ ابو وائل کے نزدیک اس سے مراد وہ بحیرہ مویشی ہیں جن پر سوار ہو کر حج کو نہیں جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے چند اونٹ ایسے ہوتے جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ ان پر سواری کرتے، نہ دودھ دوہتے، نہ بوجھ لادتے، نہ نسل کشی کرتے اور نہ کوئی دوسرا کام لیتے۔

افْتِرَآءً عَلَيْهِ یہ سب اللہ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ شریعت الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا اور نہ وہ اس پر راضی ہے۔

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اللہ تعالیٰ پر جو وہ بہتان باندھتے ہیں اور افتراء پردازی کرتے ہیں اس کی پاداش میں عنقریب اللہ انہیں بدلہ دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور بولے جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کے لئے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر اور اگر وہ مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وہ سب (مرد و زن) اس میں حصہ دار ہیں۔ اللہ جلدی بدلہ دے گا انہیں ان کے اس بیان کا، بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے، اس سے مراد دودھ ہے جسے مرد تو پیتے رہتے لیکن اپنی عورتوں پر اسے حرام قرار دے دیتے اور جب بکری کوئی نر بچہ جنم دیتی تو اسے ذبح کر لیتے، صرف اسے مرد ہی کھاتے، عورتوں پر حرام سمجھتے، اگر بچہ مادہ ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے اور ذبح نہ کرتے، اگر مردہ بچہ ہوتا تو سب مرد و زن اسے کھانے میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 46 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 47

اس زیادتی سے منع فرمادیا۔ شعبی کہتے ہیں کہ بحیرہ جانور کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر کوئی جانور مرجاتا تو مرد و زن سب کھاتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد سائبہ اور بحیرہ جانور ہیں۔

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ وصف سے مراد ان کا قول کاذب ہے جس طرح فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (النحل:116) ''اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افترا باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے''۔

اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ بلاشبہ وہ اپنے افعال، اقوال، شریعت اور قضاء وقدر میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کو جانتا ہے اور ان کی پوری پوری جزاء دے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

''یقیناً نقصان اٹھایا جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے اور حرام کردیا جو رزق دیا تھا انہیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر، بے شک وہ گمراہ ہوگئے اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے''۔

جن لوگوں نے یہ قبیح افعال کئے وہ دنیا وآخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں خسارہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا، دولت جاتی رہی اور جو بدعات انہوں نے رائج کی تھیں ان کے باعث نفع بخش اشیاء سے محروم ہوگئے۔ اور آخرت میں خسارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے اور افتراء پردازی کی پاداش میں انہیں بدترین ٹھکانے میں دھکیل دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس:69-70) '' آپ فرمایئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تم جہالت عرب پر آگاہ ہونا چاہو تو سورۂ انعام کی ایک سو تیس کے بعد والی آیات پڑھ لو یعنی۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ...... (1)۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

''اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے ہیں باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے اور کھجور اور کھیتی الگ الگ

2۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 551

ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے اور (ذائقہ میں) مختلف، کھاؤ اس کے پھل سے جب وہ پھلدار ہو اور ادا کرو اس کا حق جس دن وہ کٹے۔ اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ اور (پیدا فرمائے) بعض مویشی بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لئے۔ کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اللہ تعالیٰ زروع، ثمار اور انعام سب کا خالق ہے، جن میں یہ مشرکین اپنی فاسد آراء کے ساتھ تصرف کرتے ہیں، ان کی غلط تقسیم کر کے اور جزء جزء کر کے کسی کو حلال ٹھہراتے ہیں اور کسی کو حرام۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما رہا ہے کہ جس طرح اس نے کھیتیاں، باغات اور مویشی پیدا کئے اسی طرح اسی ذات نے انواع و اقسام کے باغات پیدا کئے ہیں، فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ۔ مَعْرُوْشٰتٍ سے مراد چھپروں اور ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے باغات ہیں اور "غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ باغات ہیں جو خشکی اور پہاڑوں پر اگتے ہیں (1)۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ "مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ بیلیں ہیں جنہیں چھپروں پر چڑھا دیا گیا ہو جیسے انگور اور "غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ باغات ہیں جنہیں چھپروں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ یہ ایسے پھل ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور غیر مشابہ بھی۔ دیکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ذائقہ میں مختلف۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ...... جب پھل پک جائیں تو کھاؤ اور کھیتی کاٹنے کے وقت غریبوں کا حق ادا کرو۔ بعض نے اس سے زکوٰۃ مفروضہ مراد لی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس سے زکوٰۃ مفروضہ ہی مراد لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی موقف ہے کہ جس دن کھیتی برداشت کی جائے اور اس کی پیداوار ناپی یا تولی جائے تو اسی روز یہ حق ادا کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جب آدمی کاشت کرتا تو کٹائی کے دن حق ادا نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ پھر شریعت نے عشر (دسواں حصہ) مقرر کر دیا اور جو سٹوں اور خوشوں میں سے گر جائے وہ مسکینوں کا حصہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جس شخص کی کھجوریں دس وسق ہوں چاہئے کہ وہ ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکا دے (2)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں غلہ اور پھل میں صدقہ ادا کرنا مقصود ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کے علاوہ غریبوں کے لئے ایک مزید حق ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ زکوٰۃ کے علاوہ وہ یہ حق فقراء و مساکین کو دیا کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ یہاں مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ ایسا صدقہ ہے جو ان فقراء کو دیا جاتا ہے جو کھیتی وغیرہ کاٹتے وقت وہاں آ جائیں۔ مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ جب کوئی مسکین اس وقت آ جائے تو کچھ نہ کچھ اسے دے دیا کریں۔ کاشت کرتے وقت ایک مٹھی دی جائے اور مٹھی بھر برداشت کرتے وقت اور کٹائی کرتے ہوئے جو گر جائے وہ بھی ان کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ مٹھی بھر مساکین کو دیا جاتا تھا اور ایک مٹھا جانوروں کو چارہ (3)۔ ایک مرفوع حدیث جسے ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، میں اس سے مراد وہ ہے جو خوشوں سے گر جائے۔ جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ پہلے یہ چیز واجب تھی پھر اللہ تعالیٰ نے عشر یا نصف عشر کے حکم سے اسے منسوخ کر دیا (4)۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے منسوخ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ یہ ایسی چیز تھی جو پہلے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 52
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 125، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 359-360
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 57
4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 61

واجب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کی اور فرض مقدار مقرر کردی کہ کس قدر نکالا جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کھیت کاٹتے وقت اس میں سے مساکین کو صدقہ نہیں دیتے جیسا کہ سورۂ ن میں باغ والوں کے بارے میں فرمایا: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (القلم:33-17) ’’جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے۔ اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔ سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین۔ اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں۔ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالبًا) ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے‘‘۔

وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ عطا کرنے میں اسراف سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ استطاعت سے زیادہ دے کر خود محتاج ہو جاؤ۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ جب کھیتی کاٹتے تو مقابلے میں اس قدر زیادہ دیتے کہ بات اسراف تک پہنچ جاتی تو اس وقت یہ حکم ’’وَلَا تُسْرِفُوْا نازل ہوا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ حکم ثابت بن قیس کے بارے میں اترا، انہوں نے اپنی کھجور کے پھل توڑے اور اعلان کر دیا کہ آج جو بھی میرے پاس آئے اسے عطا کروں گا۔ شام ہوئی تو کوئی پھل باقی نہ بچا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اسراف سے منع فرما دیا۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرنے کا نام اسراف ہے۔ سدی ’’وَلَا تُسْرِفُوْا‘‘ کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم اس قدر مال عطا نہ کرو کہ خود محتاج بن جاؤ۔ محمد بن کعب اور سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے نہ رکو ورنہ اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے بن جاؤ گے، پھر ابن جریر عطاء کے قول کو اختیار کرتے ہیں کہ ہر چیز میں اسراف کی مخالفت اور نہی ہے، بلاشبہ یہ بات درست ہے لیکن آیت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسراف کا تعلق کھانے کے ساتھ ہے یعنی کھانے میں اسراف نہ کرو کیونکہ عقل و دین دونوں کے لئے یہ نقصان دہ ہے جس طرح فرمایا: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ (الاعراف:31) ’’کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو‘‘۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ اِسْرَافٍ وَّلَا

مخِیۡلَۃٍ ''(1) ''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور نمود و نمائش کے''۔

وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا بعض نے کہا ہے کہ ''حَمُوۡلَۃً'' سے مراد وہ اونٹ ہیں جو بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں اور ''فَرۡش'' سے مراد چھوٹے اونٹ(2)۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ''حَمُوۡلَۃً'' سے مراد اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے اور ہر وہ جانور لیا گیا ہے جو سواری اور بار برداری کے کام آئے اور ''فَرۡش'' سے مراد بھیڑ بکریاں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہیں ''فَرۡش'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پست قامت ہونے کی وجہ سے یہ زمین کے قریب ہوتے ہیں(3)۔ حسن، قتادہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ ''حمُوۡلَۃً'' سے مراد اونٹ اور گائیں جبکہ ''فَرۡش'' سے مراد بھیڑ بکریاں۔ سدی کے نزدیک ''حمُوۡلۃ'' سے مراد اونٹ اور ''فَرۡش'' سے مراد اونٹ گائے کے بچے اور بھیڑ بکریاں ہیں۔ ہر وہ جانور جو سواری اور بار برداری کے کام آئے وہ ''حمُوۡلۃ'' ہے، عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ ''حَمُوۡلَۃً'' سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور ''فَرۡش'' وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے۔ بکری پر بوجھ نہیں لادا جاتا بلکہ اس کا دودھ پیا جاتا ہے اور اس کے بالوں سے لحاف اور بچھونے بنائے جاتے ہیں۔ عبدالرحمن کا یہ قول اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی تائید کرتا ہے: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ ۝ وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ (یٰسین :72-71) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنادیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں)۔ اور فرمایا: وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ (النحل :66) ''اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ دیکھو! ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے''۔ اور فرمایا: وَ مِنۡ اَصۡوَافِہَا وَ اَوۡبَارِہَا وَ اَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ (النحل :80) ''اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک''۔ اور فرمایا: اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡکَبُوۡا مِنۡہَا وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۝ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ لِتَبۡلُغُوۡا عَلَیۡہَا حَاجَۃً فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَ عَلَیۡہَا وَ عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ۝ وَ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ (المومن :81-79) ''اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے''۔

کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ...... جو پھل، کھیتیاں اور جانور اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کئے ہیں ان میں سے کھاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خاطر بطور رزق پیدا کئے ہیں اور شیطان کے طریقہ اور اس کے اوامر کی پیروی نہ کرو جس طرح ان مشرکین نے کی جنہوں نے بہتان تراشی سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دے دیا۔ اے لوگو! شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 252 2۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ انعام، جلد 2 صفحہ 317 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 64

عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (فاطر:6) ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تا کہ وہ جہنمی بن جائیں''۔ اور فرمایا: یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف:27) ''اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں''۔ اور فرمایا: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا (الکہف:50) ''(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے''۔ اس مضمون کی حامل اور بہت بھی متعدد آیات ہیں۔

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۟ۙ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۟

''(پیدا فرمائے) آٹھ جوڑے۔ بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادائیں یا جسے لئے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم سچے اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لئے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تا کہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔''

اللہ تعالیٰ قبل از اسلام عربوں کی جہالت سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ انہوں نے مویشی اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اور انہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام جیسے انواع واقسام کے جانوروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اسی طرح مویشیوں، فصلوں اور پھلوں کے بارے میں بھی طرح طرح کی بدعتیں رائج کر رکھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی نے تمام باغات پیدا کئے ہیں خواہ انہیں چھپروں پر چڑھایا جائے یا نہ چڑھایا جائے، اسی طرح ہر قسم کے مویشی جو سواری، بار برداری اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، اسی نے پیدا کئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کی اقسام کا ذکر کیا۔ پہلی قسم غنم ہے۔ اگر یہ سفید ہو تو بھیڑ ہوتی ہے اور سیاہ رنگ کی بکری ہوتی ہے۔ مذکر و مونث دونوں کا ذکر کیا۔ پھر اونٹ نر اور مادہ اور اسی طرح بقر (گائے بیل) کا۔ اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بچوں کو حرام قرار دیا بلکہ یہ تمام کے تمام بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے تا کہ وہ ان کا گوشت کھائیں، دودھ پئیں، سواری کریں، بار برداری کا کام لیں اور اسی طرح دیگر منافع حاصل کریں، جیسا کہ فرمایا: ''وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر:6)'' اور پیدا کئے تمہارے لئے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے''۔

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ یہ کافروں کے اس قول کا رد ہے: مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ (الانعام:140) ''جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کے لئے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر''۔

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو مجھے یقین سے بتاؤ کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جیسے جن جانوروں کی تحریم کے تم قائل ہو، اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کیسے حرام کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آٹھ جوڑوں میں سے دو بھیڑ اور دو بکری کے ملا کر چار جوڑے ہوئے۔

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان میں سے کسی کو حرام نہیں کیا اور نہ ہی اس کو حرام کیا ہے جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ پیٹ کے اندر نر ہوتا ہے یا مادہ تو پھر تم بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے یقین سے بتاؤ۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا انہوں نے جو نئی بدعات ایجاد کیں اور چیزوں کو خود حرام قرار دے کر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی اس پر ان کے ساتھ استہزاء اور ملامت کی جا رہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا......... یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی بھی ظالم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ سب سے اولین شخص جو اس آیت میں داخل ہے وہ عمرو بن لحی بن قمعہ ہے کیونکہ یہ سب سے پہلا بدبخت انسان ہے جس نے انبیاء کے دین میں رخنہ ڈالا اور تغیر و تبدل کیا اور سب سے پہلے سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسم ڈالی۔ حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے (1)۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾

''آپ فرمایئے میں نہیں پاتا اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ سخت گندا ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام، پھر جو شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا (حد ضرورت سے) تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے اور پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جنہوں نے بہتان تراشی سے ان چیزوں کو حرام قرار دے لیا ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں بطور رزق عطا فرمائی تھیں کہ مجھ پر اترنے والی وحی میں میں نہیں پاتا کہ کسی پر ان میں سے کوئی چیز حرام ہو سوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ سوائے ان مذکورہ چیزوں کے میں حیوانات میں سے کوئی بھی حرام نہیں پاتا۔ اس آیت میں صرف چار حرام چیزوں کا ذکر ہے جبکہ سورۂ مائدہ (2)۔ اور متعدد احادیث میں اور بھی حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ یہ تحریمات اس آیت کے مفہوم کو رفع کرنے والی ہیں۔ اس لئے بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں یعنی اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 103 2۔ دیکھئے سورۂ مائدہ: 3

کا حکم منسوخ ہے۔ اکثر متاخرین اسے منسوخ نہیں قرار دیتے کیونکہ اس سے اصل کی اباحت کو بھی رفع کرنا لازم آئے گا۔

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا بہتے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو لوگ یہود کی طرح رگوں کے اندر گردش کرنے والے خون کو بھی لے لیتے۔ عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابومجلز سے خون کے بارے میں دریافت کیا کہ جو خون ذبیحہ کے سر کے ساتھ چمٹا ہوا ہو یا وہ خون جس کی سرخی ہنڈیا پکاتے وقت ظاہر ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہتے ہوئے خون سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہتا ہوا خون حرام ہے البتہ جو خون گوشت کے ساتھ لگ جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔ قاسم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا جنگلی جانوروں کے گوشت، اور ہنڈیا میں خون اور سرخی ظاہر ہو جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں (1)۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھے کے گوشت کی ممانعت فرمادی تھی تو آپ نے فرمایا: ہاں، حکم بن عمرو رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایت کرتے ہیں لیکن بحرالعلوم یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور بطور دلیل یہ آیت پڑھتے ہیں: قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے اور بعض ناپاک سمجھ کر کراہت کے باعث ترک کردیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو کتاب عطا فرمائی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا، جن چیزوں کو حلال کیا وہ حلال ہیں اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس کے متعلق سکوت اختیار فرمایا وہ مباح ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی ایک بکری مرگئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اس کی (کھال کی) مشک کیوں نہ بنالی" فرماتی ہیں کہ بعد میں جب بھی کوئی بکری مرجاتی تو ہم اس کی کھال کی مشک بنالیا کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: اس کا کھانا تمہارے لئے جائز نہیں ہے لیکن دباغت کے بعد اس سے استفادہ کرسکتے ہو"۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس بکری کی کھال اتروا کر اس کی مشک بنوالی جو کافی عرصہ کے بعد ان کے پاس ہی پھٹی (4)۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سیہہ کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مذکورہ آیت کی ہی تلاوت فرمائی۔ ایک بوڑھا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ (خار پشت) خبائث میں سے ایک خبیث چیز ہے (5)۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ..... اس آیت کریمہ میں حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز کھانے پر اگر کوئی لاچار ہو جائے جبکہ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ کھائے تو یہ اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے (6)۔ اس آیت کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ان مشرکین کا رد مقصود

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 71 2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح والصید، جلد 9 صفحہ 654 سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 356، وغیرہ

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 354-355، مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4 صفحہ 115

4۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 569، سنن نسائی، کتاب الفرع والعتیرۃ، جلد 7 صفحہ 173 وغیرہ

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 354 6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 173

بلکہ انہوں نے اپنی ہی آراء فاسدہ کے باعث، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ کی تحریم کی طرح طرح کی بدعات رائج کر رکھیں تھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول علیہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو وحی کی ہے اس میں ان جانوروں کی حرمت کا حکم مجھے تو نہیں ملا بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف چار چیزوں (مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے) کو اس آیت کریمہ میں حرام قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار فرمایا اس لئے یہ مباح ہیں تو تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟ تم نے کہاں سے انہیں حرام قرار دے لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو حرام کیا ہی نہیں؟ اس بناء پر بعد میں حرام کردہ دوسری چیزوں کی حرمت باقی ہی نہیں رہتی جن کے بارے میں علماء کا مشہور مسلک یہ ہے کہ وہ حرام ہیں مثلاً پالتو گدھے، جنگلی درندے اور ہر پنجے سے نوچنے والے پرندے کا گوشت۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

"اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں نے یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ، یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں"۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے یہود پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا، اسی طرح گائے، بکری اور ان کی چربی بھی حرام کر دی سوائے اس چربی کے جو پیٹھ، انتڑیوں اور ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

كُلَّ ذِي ظُفُرٍ سے مراد وہ جانور اور پرندے ہیں جو اپنے سموں اور پنجوں کے ذریعے نوچتے ہیں اور ان کی انگلیاں پھٹی ہوئی اور الگ الگ نہیں ہوتیں جیسے اونٹ، شترمرغ، مرغابی اور بطخ (1)۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں اس سے مراد اونٹ اور شترمرغ ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کی انگلیوں کے درمیان خلا اور کشادگی نہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے ہر وہ جانور مراد ہے جس کی انگلیاں متفرق ہوں، مرغ بھی ان میں شامل ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ، شترمرغ اور بہت سے پرندے اور مچھلیاں ہیں، انہی سے ایک روایت ہے کہ اس سے مقصود اونٹ، شترمرغ اور پرندوں میں سے بطخ وغیرہ اور ہر وہ چیز جس کی انگلیوں میں کشادگی نہ ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد شترمرغ اور اونٹ ہیں جن کے پنجے کھلے کھلے ہوں۔ جن جانوروں اور پرندوں کے پنجے کھلے کھلے ہوتے یہود انہیں کھا لیتے۔ جانوروں اور چڑیوں کی انگلیاں چونکہ کھلی کھلی ہیں اس لئے وہ انہیں کھا لیتے۔ اونٹ، شترمرغ اور مرغابی کے پنجے چونکہ کھلے کھلے نہیں اس لئے وہ انہیں نہ کھاتے اور اسی طرح جنگلی گدھا بھی نہ کھاتے (2)۔

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ ..... گائے اور بکری کی وہ چربی جسے حرام قرار دیا وہ پھٹوں اور گردوں کی چربی ہے۔ یہود کہتے تھے کہ اسے اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے حرام قرار دے دیا تھا اس لئے ہم بھی اسے حرام سمجھتے ہیں۔

إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا ..... یعنی وہ چربی حرام نہیں جو پیٹھ کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو۔ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ حوایا حاویاء، حاویۃ یا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 72 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 73

حویۃ کی جمع ہے یہ پیٹ کے اندر کی چیز کو کہتے ہیں جو اندر جمع ہو جائے۔ اس سے مراد آنتیں اور اوجھ وغیرہ ہے۔

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اسی طرح وہ چربی بھی حلال قرار دے دی جو ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ دم کی ہڈی، پاؤں، پہلو، سر، آنکھ اور ہر ہڈی کے ساتھ چمٹی ہوئی چربی حلال ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ان پر یہ تنگی ان کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث کی تھی جیسا کہ فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (1)۔ ''سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو۔

وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ہم نے جو بدلہ انہیں دیا ہم اس میں عادل ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے: اے محمد! ان یہود پر ان چیزوں کی حرمت کے متعلق ہم نے جو خبر آپ کو دی ہے اس میں ہم سچے ہیں اور ہماری بات درست ہے نہ کہ یہود کی جن کا دعویٰ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا سمرہ کو ہلاک کرے کیا اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان معلوم نہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی یہود پر لعنت ہو جن پر چربی حرام کر دی گئی تھی لیکن وہ نکال کر بیچ دیتے تھے''(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے زمانہ میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع کو حرام قرار دے دیا ہے۔'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے کیونکہ اس چربی سے کھالوں کو روغن کیا جاتا ہے، کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے اور لوگ اسے جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے۔'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، کیونکہ جب ان پر اللہ تعالیٰ نے چربی حرام قرار دے دی تو وہ اسے صاف کر کے بیچنے لگے اور اس کی قیمت کھانے لگے''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف فرما تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف بلند تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ نے چربی کو حرام کیا تھا لیکن وہ بیچ کر اس کی قیمت استعمال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا کسی قوم پر حرام کیا ہے اس کی قیمت بھی اس پر حرام کی ہے''(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں حجر اسود کے سامنے تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے(6)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی تو ہم مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور عدن کی بنی ہوئی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اقدس سے چادر ہٹائی اور فرمایا: ''یہود پر اللہ کی لعنت ہو جو بکریوں کی چربی کو حرام تو سمجھتے ہیں لیکن اس کی قیمت کھا جاتے ہیں''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''ان پر چربی حرام کی گئی لیکن وہ بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا حرام کیا ہے اس کی قیمت بھی حرام قرار دی ہے''(7)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 73　　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 77

3۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 414، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ 1207

4۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 424، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ 1207 وغیرہ

5۔ رواہ ابن مردویہ　　6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 247　　7۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 280

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

''پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ فرمایئے تمہارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے پیارے محمد! اگر یہ مشرکین، یہود اور اس قماش کے دوسرے لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے، یہ ان کے لئے اللہ کی وسیع رحمت طلب کرنے اور اتباع رسول میں ترغیب ہے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی مخالفت میں یہ ان کے لئے ترہیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عموماً ترغیب وترہیب کو ایک جگہ ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس صورت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام:165) ''بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ اور فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (الرعد:6) ''اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔ اور فرمایا: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر:50-49) ''بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔ اور فرمایا: غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (المومن:3) ''گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا''۔ فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (البروج:14-12) ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے''۔ اس قسم کی متعدد آیات ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

''اب کہیں گے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو، ایسا ہی جھٹلایا تھا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا عذاب، آپ فرمایئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لئے، تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکلیں مارتے ہو۔ آپ فرمایئے اللہ ہی کے لئے کامل دلیل ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرماتا تم سب کو۔ آپ فرمایئے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے۔ پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ گواہی دیجئے ان کے ساتھ اور نہ تم پیروی کرنا

ان کی خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں''۔

یہاں مناظرانہ طرز کلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور مشرکین کے ایک شبہ کو بیان کیا ہے جو وہ اپنے شرک اور از خود حرام کردہ چیزوں کے جواز میں پیش کرتے تھے۔ وہ شبہ یہ تھا کہ مشرکین کہتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک اور تحریم پر آگاہ ہے اور وہ اس بات پر قادر بھی ہے کہ وہ ہمارے اس نظریہ کو بدل ڈالے اس طرح کہ ایمان ہمارے دلوں میں ڈال دے، ہمارے اور کفر کے درمیان حائل ہو جائے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی مشیت اور ارادہ میں بھی اسی طرح ہے اور وہ اس معاملہ میں ہم سے راضی ہے، اسی بناء پر انہوں نے کہا: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (الانعام:178) اسی طرح یہ فرمان بھی ہے: وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (الزخرف:20)'' اور (کفار) کہتے ہیں کہ اگر چاہتا (خداوند) رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے''۔ اسی طرح یہ آیت بھی اسی مضمون کی حامل ہے: كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس:39)'' اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے''۔ اس شبہ کی وجہ سے ہی ان سے پہلے لوگ گمراہ ہوئے۔ ان کی یہ بہت ہی حقیر، باطل اور طفلانہ دلیل ہے کیونکہ اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کے بڑوں کو عذاب کا ذائقہ نہ چکھاتا، نہ تباہ و برباد کرتا اور نہ یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجتا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ .... اے حبیب! آپ ان سے فرما دیں کہ کیا تمہارے پاس اس چیز کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس طرز عمل سے راضی ہے، اگر علم ہے تو اسے ظاہر کرو اور وضاحت سے بیان کرو، تم تو محض وہم و گمان اور اعتقاد فاسد کی پیروی کر رہے ہو، اٹکلیں لگاتے پھرتے ہو اور اپنے دعویٰ میں اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرما دیا کہ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب نہیں بن سکتے(1)۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ .... اے پیارے محمد! آپ فرما دیں کہ ہدایت یافتہ کو ہدایت دینے اور گمراہ کو گمراہ کرنے میں اس کی حکمت تامہ اور حجت کاملہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو ہدایت یافتہ بنا دے جس طرح فرمایا: ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام:35)'' اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر''۔ اور فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ (یونس:99) ''اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں''۔ اور فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ہود:118)'' اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہو گئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن و انسان (دونوں) سے''۔ ضحاک کہتے ہیں کہ نافرمان اور باغی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ .... فرمائیے کہ لے آؤ اپنے گواہ جو یہ گواہی دیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں حرام کی تھیں۔ اگر وہ جھوٹی

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 78 عن ابن عباس

گواہی دے بھی دیں تو بھی آپ ان کے ساتھ گواہ نہ بننا کیونکہ ان کی یہ شہادت جھوٹ اور مکر وفریب پر مبنی ہے آپ حسب معمول ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے ساتھ شریک وعدیل ٹھہراتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

’’آپ فرمایئے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے، ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے، یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تاکہ تم (حقیقت) کو سمجھو‘‘۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی آخری وصیت دیکھنا چاہتا ہو تو وہ یہ آیات پڑھ لے: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا.......... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ انعام کی ان آیات کو آیات محکمات میں سے قرار دیا ہے جوام الکتاب ہیں۔(2) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے کون ہے جو میرے ساتھ تین باتوں کا عہد کرے؟‘‘ پھر آپ نے ’’قُلْ تَعَالَوْا‘‘ والی آیات کی آخر تک تلاوت فرمائی، فرمایا: ’’جس نے ان باتوں کے عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جس نے ان باتوں کی بجا آوری میں کمی اور کوتاہی کی اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اسے پکڑ لیا تو یہ اس کی سزا ہوگی اور جس نے اس عہد کی تعمیل کو آخرت تک موخر کیے رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف فرما دے‘‘ (3)۔ حضرت ابوعوانہ سے مروی ایک حدیث میں بھی ان تین باتوں کے عہد کا ذکر ہے۔ اس آیت کی تفسیر یوں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب! ان مشرکین سے فرما دیں جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں، اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیتے ہیں اور ناحق اپنی اولاد کو قتل کر دیتے ہیں کہ یہ ساری کارستانیاں ان کی اپنی من گھڑت آراء اور شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ.......... آپ انہیں کہہ دیں کہ آؤ، میں تمہیں پڑھ سناتا ہوں اور ان چیزوں کے بارے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں جو واقعتاً تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، میں یہ باتیں ظن وتخمین اور اٹکل پچو سے نہیں بتا رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم سے تمہیں بتا رہا ہوں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ سیاق کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں کچھ کلام محذوف ہے وہ ہے: ’’اَوْصَاكُمْ‘‘ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاَوْصَاكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا اسی

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ انعام، جلد 11 صفحہ 191 2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 317

3۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 318

لئے آیت کے آخر میں فرمایا: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ عربوں کا قول: "أَمَرْتُكَ اَنْ لَا تَقُوْمَ" میں نے تمہیں کھڑا نہ ہونے کا حکم دیا ہے"۔ اسی قبیل سے ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ آپ کی امت میں جو شخص بھی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: اگرچہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو اور چوری کی ہو؟ انہوں نے کہا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ میں نے (دوبارہ) پوچھا: اگرچہ وہ زانی اور چور ہو؟ کہا: اگرچہ وہ زانی اور چور ہو۔ میں نے (تیسری دفعہ) پوچھا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو اور شراب پی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو اور شراب پی ہو" (1)۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے والے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا: "وَاِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِيْ ذَرٍّ" (اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے)۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حدیث مکمل کرنے کے بعد یہ الفاظ بھی بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے دعا مانگتا رہے گا اور مجھ سے ہی امید وابستہ کئے رکھے گا، میں تیرے گناہوں کو بخشتا رہوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں (کہ تو نے کتنے گناہ کئے)۔ اگر تو زمین بھر خطائیں میرے پاس لائے گا تو میں تجھے زمین بھر مغفرت عطا کر دوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہو۔ اور اگر تو نے اس قدر خطائیں کیں جو آسمان تک پہنچ گئیں پھر مجھ سے بخشش طلب کی تو میں تمہاری ان تمام خطاؤں کو بخش دوں گا" (2)۔ اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:116) "بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لئے چاہتا ہے"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (3)۔" "جو اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ متعدد آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوائے شرک کے ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے۔ حضرت عبادہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے" (4)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا تاکیدی حکم دیا جن میں سے ایک یہ تھا کہ "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ تمہیں جلا دیا جائے، یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے"۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا دوسری چیز جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی ہے اور حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرو جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:23) "اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ بعض نے "وَقَضٰى" کی بجائے "وَصّٰى" پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکثر اپنی اطاعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کو ملا کر بیان فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الایمان 95

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 59-60، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 154

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 94

4۔ ابن مردویہ

جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (لقمان: 15،14) ''کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان البتہ گزران کر وان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔ اور پیروی کر واس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا، پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے''۔ اگرچہ والدین مشرک ہی ہوں پھر بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (البقرۃ:83) ''اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا''۔ اس مضمون کی حامل بہت سی آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: ''اپنے (مقررہ) وقت پر نماز پڑھنا''۔ میں نے عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا''۔ میں نے عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتائیں۔ اگر میں مزید سوال کرتا تو آپ ﷺ مزید جواب دیتے (1)۔ حضرت ابوالدرداء اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک یہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ وصیت کی: ''اپنے والدین کی اطاعت کرو، اگر وہ تمہیں یہ بھی حکم دیں کہ ساری دنیا انہیں دے دو تو ایسا بھی کر گزرو'' (2)۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ..... والدین اور اجداد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹوں اور پوتوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیا کہ مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ شیاطین کے بہکانے سے مشرکین اپنی اولاد کو قتل کیا کرتے تھے، ننگ و عار کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور بعض اوقات تنگدستی کے خوف سے لڑکوں کو بھی قتل کر ڈالتے۔ اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مدمقابل ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے''۔ میں نے (دوبارہ) پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: ''کھانے میں شریک ہونے کے خوف سے تمہارا اپنی اولاد کو قتل کرنا'' میں نے (تیسری دفعہ) عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''تمہارا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا'' (3)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ (الفرقان:68) ''اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں''۔

مِّنْ اِمْلَاقٍ۔ ''اِمْلَاقٍ'' کا معنی فقر ہے۔ سورۂ اسراء میں فرمایا: وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:31) یعنی مستقبل میں فقر کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اسی لئے وہاں فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْ ہم انہیں بھی اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اس آیت میں بچوں کے رزق سے آغاز کیا کیونکہ انہی کا اہتمام مقصود تھا یعنی انہیں رزق مہیا کرنے کے سبب سے تم اپنے فقر کا خوف نہ رکھو۔

1۔ فتح الباری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 9، صحیح مسلم، کتاب الایمان 89

2۔ ابن مردویہ

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 8 صفحہ 163، صحیح مسلم، کتاب الایمان 90

سب رزق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے لیکن یہاں چونکہ فقر حاصل ہے اس لئے فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ إِيَّاهُمْ کیونکہ یہاں یہی بات اہم ہے کہ تمہیں بھی اور انہیں بھی ہم ہی رزق عطا فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف:33) ''آپ فرمایئے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہو''۔ اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الانعام:120) کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بھی غیور نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نے ظاہری باطنی بے حیائی کی تمام باتیں حرام کر دی ہیں''(1)۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لوں تو میں تلوار کے ساتھ اسے قتل کر ڈالوں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں سعد سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی غیور ہے، اسی وجہ سے اس نے بے حیائی کی تمام ظاہری باطنی باتیں حرام قرار دے دی ہیں''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ہم غیرت مند ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم بخدا! مجھے بھی غیرت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے اور اسی غیرت کے باعث اس نے بری باتوں سے منع فرمایا ہے''(3)۔ اسی سند سے مروی ہے: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں(4)۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ یہاں نہی تاکید کے لئے ہے ورنہ یہ بھی فواحش کی نہی میں داخل ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بھی مسلمان کا جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، خون حلال نہیں ہے سوائے تین کے: شادی شدہ زانی، قتل کا بدلہ قتل اور مرتد''(5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا سوائے تین خصلتوں کے باعث خون حلال نہیں ہے: شادی شدہ جو زنا کا مرتکب ہوا سے رجم کیا جائے، وہ آدمی جس نے قصداً قتل کیا ہو تو قصاص کے طور پر اسے قتل کیا جائے، اور وہ شخص جو دائرہ اسلام سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرے ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا جلا وطن کر دیا جائے''(6)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کسی مسلمان کا تین باتوں کے بغیر خون روا نہیں ہے: وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے، یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو، یا ناحق کسی کو قتل کر دے'' خدا کی قسم! میں کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں، نہ میں نے کبھی یہ تمنا کی ہے کہ ہدایت پالینے کے بعد اسلام کے علاوہ کوئی اور دین بدل لوں اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر تم کس بناء پر مجھے

1۔ اس حدیث کی تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 165
2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 174، صحیح مسلم کتاب اللعان 1136
3۔ ابن مردویہ
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 202-203
5۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ 1303
6۔ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 101-102، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 126

قتل کرنا چاہتے ہو؟(1)۔ اہل حرب میں جس کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو جائے اور دیار اسلام میں رہنے کی اسے اجازت مل جائے تو اسے قتل کرنے کی سخت ممانعت اور زجر و توبیخ وارد ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی عہد دیئے گئے شخص کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایسے معاہد ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ حاصل تھا تو اس نے اللہ کے ذمہ کو پامال کیا۔ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو کا یہ عالم ہے کہ وہ ستر سال کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے''(3)۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے، مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو اچھی طرح سمجھ لو۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲

''اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت اور یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا (النساء:10) ''بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے''۔ اتری تو جس شخص کے زیر کفالت کوئی یتیم تھا اس نے اس یتیم کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں یتیم کا کھانا اس کے کھانے میں نہ شامل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یتیم کی خوراک میں سے کچھ بچتا تو اسی کے لئے رکھ چھوڑتے۔ یا تو وہ اسے دوبارہ کھا لیتا یا گل سڑ کر خراب ہو جاتا۔ یہ بات ان پر بہت گراں اور تکلیف دہ تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کا تذکرہ کیا تو اس وقت یہ فرمان اترا: وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (البقرہ:220) ''اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں''۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اکٹھا ہی کھانے پینے لگے(4)۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ بلوغت کو پہنچ جائے۔ سدی کہتے ہیں کہ تیس سال کی عمر کو پہنچ جائے(5)۔ بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کی مدت قرار دی ہے، لیکن یہ باتیں مقصود سے بہت زیادہ دور ہیں۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 2-3، سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 91-92 وغیرہ

2۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 259　　3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدیات، جلد 6 صفحہ 175-176 سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات 896

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، جلد 3 صفحہ 114-115　　5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 85

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ اللہ تعالیٰ لین دین میں عدل وانصاف برقرار رکھنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے جیسا کہ اس کو ترک کرنے پر سخت وعید آئی ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۗ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففین: 6-1) ''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن لوگ (جوابدہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے''۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں میں سے ایک قوم کو اسی گناہ کی پاداش میں ہلاک کر دیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا: ''تم ایسے کام کے ذمہ دار ہو جس کے باعث پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا گیا'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے موالی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو خصلتوں کی خوشخبری دی ہے، ان کے باعث کئی قومیں ہلاک ہوئیں اور وہ خصلتیں ہیں ناپ اور تول''۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جس نے ادائیگی حق میں پوری پوری کوشش کی، اس کے باوجود اگر کوئی غلطی ہو گئی تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ...... کے بارے میں فرمایا: جس نے صحیح نیت کے ساتھ پورا پورا ناپا اور تولا، اللہ تعالیٰ تو نیت کو بخوبی جانتا ہے، تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ لفظ وسعت کی یہی تاویل ہے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى یہ اس آیت کی طرح ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدۃ: 8) ''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ''۔ اسی طرح سورۂ نساء کی اس آیت کے مشابہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ قول و فعل میں ہر دور و نزدیک کے ساتھ عدل کا حکم دیتا ہے (2)۔ اللہ ہر حال میں ہر ایک کے لئے ہر وقت عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایفائے عہد کا بھی حکم دیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تم اس کے اوامر و نواہی اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے میں اس کی اطاعت کرو۔ یہی ایفائے عہد ہے (3)۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور سابقہ غلطیوں سے باز آ جاؤ تذکرون کو ذال کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے (4)۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

''اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع، جلد 5 صفحہ 222-223
2۔ دیکھئے سورۂ نساء: 135
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 86
4۔ الاقناع لابن الباذش: 644

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان آیات وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ، اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ:13) ''اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں''۔ اور اس قسم کی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے، اختلاف اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور انہیں آگاہ کر دیا ہے کہ پہلی قومیں باہمی چپقلش اور اللہ کے دین میں جھگڑوں کے باعث ہلاک ہو گئیں(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے زمین پر ایک خط کھینچا پھر فرمایا: ''یہ اللہ کا سیدھا رستہ ہے''۔ پھر دائیں بائیں کچھ خطوط کھینچے اور فرمایا: ''یہ وہ رستے ہیں جن میں سے ہر ایک رستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور اپنی طرف بلا رہا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اسی مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے سامنے اس طرح زمین پر خط کھینچا اور فرمایا: ''هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ'' (یہ اللہ کا راستہ ہے)۔ پھر دائیں بائیں دو خط کھینچے اور فرمایا: ''هٰذِهٖ سُبُلُ الشَّيْطٰنِ'' (یہ سب شیطانی راستے ہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے درمیان والے خط پر ہاتھ رکھا اور مذکورہ آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا........ کی تلاوت فرمائی(3)۔ ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنے انتہائی قرب میں مقام عطا کئے رکھا، گویا آپ ﷺ کی نگاہ جنت پر ہے، آپ کے دائیں طرف بھی رستے ہیں اور بائیں طرف بھی کچھ رستے۔ پھر وہاں کچھ لوگ موجود ہیں جو ہر گزرنے والے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ جو ان کے بلائے ہوئے رستوں پر چل پڑا تو یہ رستے اسے دوزخ میں لے جائیں گے اور جس نے سیدھا رستہ پکڑ لیا تو یہ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی مذکورہ آیت کی تلاوت کی(4)۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان میں کھلے دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ اس صراط مستقیم پر ایک داعی بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! تم سب صراط مستقیم میں داخل ہو جاؤ، ادھر ادھر بکھر کر بھٹک نہ جانا۔ اور ایک اور داعی رستہ کے اوپر بیٹھا بلا رہا ہے۔ جب کوئی انسان ان دوسرے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس! اسے مت کھولو، ورنہ اسی میں داخل ہو جاؤ گے۔ صراط مستقیم تو اسلام ہے، دیواریں حدود اللہ ہیں، کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ رستہ کے سرے پر بیٹھنے والا داعی کتاب اللہ ہے اور رستہ کے اوپر بیٹھا ہوا داعی ہر قلب مسلم میں اللہ کا واعظ (انسان کا ضمیر) ہے (جو برے کاموں سے اس کے دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے'' (5)۔

فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ صراط مستقیم کو واحد ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شیطانی راستے متفرق اور قسم قسم کے ہیں اس لئے سبل جمع کا صیغہ ذکر کیا، جیسا کہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:257) ''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 88
2۔ مسند احمد: جلد 1 صفحہ 465، مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ انعام، جلد 2 صفحہ 318 وغیرہ
3۔ سنن ابن ماجہ، المقدمۃ 6، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 397
4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 88-89
5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الامثال، جلد 10 صفحہ 295-297، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182-183

سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔ نور واحد اور ظلمات جمع کا صیغہ مذکور ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو ان تین آیات پر عمل پیرا ہونے کا میرے ساتھ عہد کرے؟ پھر آپ ﷺ نے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ والی تین آیات کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: ''جس نے ان کے حق کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے، جس نے کوتاہی کی اور دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا تو اسے سزا مل گئی اور جسے آخرت تک مہلت ملی رہی تو اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ چاہے تو پکڑ لے، چاہے تو معاف فرما دے''۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

''پھر عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعث ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے پر ایمان لائیں۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ میں تقدیر کلام یوں ہوگی: ثُمَّ قُلْ يَا مُحَمَّدُ مُخْبِرًا عَنَّا بِأَنَّا آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ''پھر اے محمد! ہماری طرف سے خبر دیتے ہوئے کہہ دیں کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ...... اس پر دلالت کر رہا ہے(1)۔ لیکن میری رائے میں ابن جریر کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ ''ثم'' یہاں صرف خبر کا خبر پر عطف کرنے کے لئے ہے نہ کہ ترتیب بتانے کے لئے جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے۔

قُلْ لِّمَنْ سَادَ ثُمَّ سَادَ أَبُوْهُ ثُمَّ قَدْ سَادَ قَبْلَ ذٰلِكَ

(یعنی اس شخص سے کہہ دو جو سردار بنا، پھر اس کا باپ سردار بنا، پھر اس سے پہلے اس کے دادا کو سروری ملی۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کو صراط مستقیم قرار دے کر اس کی اتباع کا حکم دیا تو اس پر تورات اور صاحب تورات کی مدح کا عطف کیا اور فرمایا:

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرماتا ہے: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (الاحقاف:12) ''حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔ اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے''۔ اور فرمایا: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ (الانعام:92) ''آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ علیہ السلام (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ)''۔ اور اس کے بعد فرمایا:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 890-90

مُوْسٰی (القصص:48) ''پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے''۔ اور فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۗ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (القصص:48) ''(ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہی نے کہا (موسیٰ و ہارون) دو جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں''۔ جنوں کے بارے میں فرمایا: يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ (الاحقاف:30) ''اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف''۔

تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا انہیں ہم نے ایسی کتاب عطا فرمائی جو ان کی شریعت میں ان کی تمام ضروریات کے لئے کامل اور جامع تھی جیسا کہ فرمایا: وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف:145) ''اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لئے''۔

عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ یعنی یہ اچھا کام کرنے والے، ہمارے اوامر کو بجالانے والے اور اطاعت گزار کی جزاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا صلہ ضرور عطا فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن:60) ''کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے''، اور جس طرح فرمایا: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ:124) ''اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجالایا۔ اللہ نے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا''۔ اور فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ڛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (السجدۃ:24) ''اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔ اور تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے''۔ ربیع بن انس ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو جو کتاب دی وہ ساری عطاؤں میں سے سب سے بہتر عطاء ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جس نے دنیا میں نیک کام کیا اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے کامل عطاء سے نوازے گا۔ ابن جریر کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے: تَمَامًا عَلٰی اِحْسَانِهٖ(1)۔ ''احسان کے باعث مکمل کتاب عطا فرمائی'' اس صورت میں ''الَّذِيْ'' مصدر یہ ہوگا جس طرح اس فرمان میں ہے: وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا (التوبہ:69) ''اور (لذتوں میں) میں بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے''۔ یہاں ''الَّذِيْ خَاضُوْا'' خوض مصدر کے معنی میں ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر میں بھی ''الَّذِيْ'' مصدر یہ ہے:

وَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حَسَنٍ   فِي الْمُرْسَلِيْنَ وَنَصْرًا كَالَّذِيْ نُصِرُوْا (2)

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ''الَّذِيْ''، ''الَّذِيْنَ'' کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی قرأت میں تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنُوْا'' آیا ہے(3)۔ مجاہد ''الَّذِيْ اَحْسَنَ'' سے مومنین اور محسنین مراد لیتے تھے۔ بغوی محسنین سے مراد انبیاء اور مومنین لیتے تھے یعنی ان پر ہم نے تورات کی فضیلت ظاہر کر دی(4)۔ جیسا کہ فرمایا: قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 91   2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 374
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 90   4۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 142-143

بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ (الاعراف: 144) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری سے اور اپنے کلام سے''۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں حضور خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ ان دونوں حضرات کی فضیلت کے بہت سے دلائل ہیں۔ یحییٰ بن یعمر ''احسن'' کو پیش کے ساتھ (اسم تفضیل کا صیغہ) پڑھتے تھے(1) جو ''اَلَّذِیْ هُوَ اَحْسَنُ'' کی تاویل میں ہے۔ اور فرماتے کہ میں اس قراءت کے بدلہ میں کسی دوسری قراءت کو جائز نہیں سمجھتا اگرچہ عربی میں وہ بھی درست ہو۔ بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے: تَمَامًا عَلٰی اِحْسَانِ اللّٰهِ اِلَیْهِ یعنی اس پر مزید کرم کرتے ہوئے اور احسان کو مکمل کرتے ہوئے۔

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً...... اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی اس کی یہاں مدح بیان کی جارہی ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ...... یہاں اتباع قرآن کی دعوت دی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے، اس پر غور وفکر کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی رغبت دلا رہا ہے۔ فرمایا کہ یہ سراپا برکت ہے اس شخص کے لئے جس نے اس کی پیروی کی اور اس پر عمل کیا۔ دنیا و آخرت میں اس کے لئے برکت ہی برکت ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

''(ہم نے اسے اتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہو کہ اگر اتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے، بے شک آ گئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت، تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے۔ عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے''۔

ابن جریر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے تاکہ تم (اے مشرکو!) یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر تو کتاب اتری لیکن ہم پر کوئی کتاب نہیں اتری (2)۔ یہ بیان ان کے عذر کو ختم کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (القصص: 47) ''(اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کئے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی''۔

طَآىِٕفَتَيْنِ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 91

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 93

وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ یہود و نصاریٰ جو کچھ کہتے تھے ہم تو اسے سمجھ ہی نہ سکتے تھے کیونکہ ان کی زبان ہماری زبان سے مختلف تھی۔ اس لئے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے ناسمجھ اور غافل رہے اور اس بناء پر ان جیسے اعمال نہ کر سکے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا.......... ہم نے (قرآن نازل کر کے) ان کے اس بہانہ کو بھی ختم کر دیا کہ اگر یہود و نصاریٰ کی طرح ان پر بھی کتاب اترتی تو وہ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ جیسا کہ فرمایا: ''وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ (فاطر:42)'' اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے''۔ چنانچہ فرمایا:

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ نبی عربی محمد (ﷺ) کی زبان اقدس کے ذریعے تمہارے رب کی طرف سے قرآن کریم تمہارے پاس آ گیا ہے جس میں حلال و حرام کا بیان ہے، یہ دلوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور ان بندوں کے لئے اللہ کی بے پایاں رحمت ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ظلم کی انتہا دیکھیں کہ خود بھی قرآن سے دور رہا اور لوگوں کو بھی اس حیات بخش پیغام سے دور کرتا رہا جس طرح ابتدائے سورت میں فرمایا: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ (الانعام:26) '' اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو''۔ اور فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل:88) '' جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر''۔ مندرجہ بالا دونوں آیتوں کی طرح یہاں بھی ان کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت کا مطلب وہ ہو جو حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے بیان کیا ہے یعنی اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا (ایمان نہ لایا) اور ان سے منہ پھیر لیا (عمل پیرا نہ ہوا) جیسا کہ ارشاد ہے: فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ۙ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى (القیامۃ:32-31) '' نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا''۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کافر دل سے تکذیب کرتے ہیں اور اعضاء کے ذریعے نیک اعمال ترک کر دیتے ہیں، لیکن گزشتہ معنی (جو سدی نے بیان کیا ہے) وہ اس معنی کی نسبت زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ یہ فرمان: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا اس فرمان کی طرح ہے: 'اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل:88) '' جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے''۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

''کس کی انتظار کر رہے ہیں بجز اس کے کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی۔ (لیکن) جس روز آئے گی کوئی نشانی آپ کے رب کی تو نہ نفع دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی۔ آپ (انہیں) فرمائیے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں''۔

کفار، رسولوں کی مخالفت کرنے والوں، آیات کو جھٹلانے والوں اور اللہ کے رستہ سے ہٹانے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کا رب آ جائے، اور یہ قیامت کے دن ضرور ہوگا، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے۔ جب آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے گی تو پھر کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچا سکے گا، یہ وقوع قیامت سے قبل ضرور ہوگا اور یہ قیامت کی نشانیوں اور علامتوں میں سے کوئی علامت اور نشانی ہوگی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ جب لوگ اس صورت حال کو دیکھیں گے تو تمام اہل زمین ایمان لے آئیں گے''(1)۔ یہ اس وقت ہوگا جب کسی شخص کو جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ اس مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھوڑی سی الفاظ کی تبدیلی سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ ظاہر ہو گئیں تو کسی شخص کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جو قبل ازیں ایمان نہیں لایا تھا یا اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا تھا: (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، (2) دجال کا نکلنا اور (3) دابۃ الارض کا خروج''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے۔ یہ وہ گھڑی ہوگی جب کسی ایسے شخص کا ایمان اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے قبل توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی''(3)۔ حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا، فرمایا: ''وہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر اٹھتا ہے تاکہ اسے حکم دیا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ۔ اے ابوذر! وہ دن قریب ہے جب اسے کہا جائے گا کہ پچھلے پاؤں گردش کرتے ہوئے لوٹ جا یہ وہ وقت ہوگا جب کسی آدمی کو جو پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس کا ایمان نفع نہیں دے گا''(4)۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کمرہ سے ہماری طرف متوجہ ہوئے، اس وقت ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم اس کی دس نشانیاں نہ دیکھ لو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، زبردست دھواں اٹھنا، دابۃ الارض کا ظہور، یاجوج و ماجوج کا خروج، عیسیٰ بن مریم کی تشریف آوری، دجال کا نکلنا، زلزلے کے ذریعے تین دفعہ زمین کا دھنس جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں، اور عدن کے نیچے سے آگ کا

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8 صفحہ 296-297 صحیح مسلم، کتاب الایمان، 137-138 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 103، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 445-446، صحیح مسلم، کتاب الایمان 138 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 99

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 8 صفحہ 541، صحیح مسلم، کتاب الایمان 138 وغیرہ

نمودار ہونا جس کی ہولناکی سے لوگ پریشان ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے، رات کو سونا چاہئیں گے تو آگ ان کے ساتھ ہوگی، دوپہر کو آرام کرنا چاہئیں گے تو بھی آگ ان کے ساتھ ہوگی'' (1)۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! مغرب سے طلوع شمس کی نشانی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ رات اس قدر طویل ہو جائے گی کہ دو راتوں کے برابر ہوں گی۔ رات کو جاگ کر عبادت کرنے والے اٹھیں گے اور حسب معمول نماز تہجد پڑھیں گے، ستارے اپنی اپنی جگہ پر دکھائی دیں گے، ڈوبے ہوئے نہیں ہوں گے، پھر وہ سو جائیں گے، پھر اٹھ کر نماز پڑھیں گے، پھر سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے تو ان کے پہلو لیٹے لیٹے سن ہو جائیں گے، رات بہت طویل ہو جائے گی، لوگ پریشان ہو جائیں گے اور صبح ہونے کا نام ہی نہیں لے گی۔ اسی اثناء میں کہ وہ مشرق سے طلوع آفتاب کا انتظار کر رہے ہوں گے کہ اچانک وہ مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو اسے دیکھ کر لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن ایمان انہیں فائدہ نہیں دے گا'' (2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا سے مراد مغرب سے طلوع شمس ہے (3)۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض ستر برس کی مسافت کی مقدار ہے، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل یہ بند نہیں ہوگا (4)۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں پر ضرور ایک ایسی رات آنے والی ہے جو تین راتوں کے برابر ہوگی۔ جب ایسا ہوگا تو (تہجد کے) نوافل پڑھنے والے پہچان لیں گے، وہ اٹھ کر نفل پڑھیں گے پھر سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے اور حسب معمول نفل پڑھ کر سو جائیں گے۔ لوگ اسی صورت حال سے دوچار ہوں گے کہ اچانک ایک دوسرے کو پکار کر پوچھیں گے کہ یہ کیا ہے؟ پھر گھبرا کر مساجد کی طرف نکل جائیں گے، اچانک دیکھیں گے کہ سورج تو مغرب سے طلوع ہو چکا ہے، یہاں تک کہ جب سورج آسمان کے وسط تک پہنچ جائے گا تو پھر لوٹ جائے گا اور حسب عادت مشرق سے طلوع ہوگا، اس وقت ایمان لانا بے سود ہوگا (5)۔ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ تین مسلمان مدینہ شریف میں مروان کے پاس بیٹھے، انہوں نے سنا کہ وہ علامات قیامت کا ذکر کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ سب سے پہلی علامت خروج دجال ہے۔ تو وہ تینوں یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مروان سے جو کچھ سنا تھا بیان کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مروان نے وہ بات نہیں کی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہے وہ یہ ہے: ''قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور پھر چاشت کے وقت دابۃ الارض کا ظہور۔ ان میں سے جو بھی پہلے رونما ہوئی دوسری اس کے فوراً بعد ظاہر ہو جائے گی۔'' پھر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے مغرب سے طلوع شمس والی نشانی ظاہر ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے آ کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے تو اسے لوٹنے کی اجازت دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کو مغرب سے طلوع آفتاب منظور ہوگا تو اس وقت حسب معمول سورج سجدہ ریز ہونے کے بعد واپسی کے لئے اذن طلب کرے گا لیکن اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2225-2226، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 114-115 وغیرہ
2۔ ابن مردویہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ انعام، جلد 11 صفحہ 191، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 31
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 55-57، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1353
5۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 392

لوٹنے کا اذن نہیں ملے گا، پھر دوبارہ عرض کرے گا پھر بھی کوئی جواب نہیں ملے گا، یہاں تک کہ جب رات کا کچھ حصہ جتنا اللہ کو منظور ہوا، گزر جائے گا اور سورج یہ پہچان لے گا کہ اگر اب اسے واپس لوٹنے کی اجازت مل بھی گئی تو وہ مشرق سے طلوع نہیں ہو سکے گا تو عرض کرے گا کہ اے رب! مشرق کس قدر بعید ہے، لوگوں میں سے کوئی ہے جو مجھے وہاں تک پہنچا سکے۔ یہاں تک کہ جب افق طوق کی شکل اختیار کرلے گا تو سورج کو لوٹنے کا حکم ہوگا اور اسے کہا جائے گا کہ اپنی جگہ سے ہی طلوع ہو جاؤ، چنانچہ سورج لوگوں پر مغرب سے طلوع ہو گا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس چیختے چلاتے ہوئے سجدہ میں گر جائے گا اور عرض کرے گا: الٰہی! مجھے حکم دے تا کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو چاہے۔ تو جہنم کے داروغے (محافظ فرشتے) ابلیس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اسے کہیں گے کہ یہ سب آہ وزاری کس لئے؟ وہ کہے گا کہ میں نے ایک مقررہ وقت تک کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت کی درخواست کی تھی اور یہی وہ وقت مقررہ معلوم ہے۔ پتھر کے ایک سوراخ میں سے دابۃ الارض نکلے گا جو پہلا قدم انطاکیہ میں رکھے گا، ابلیس آ کر اسے طمانچہ دے مارے گا۔“ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، شاید یہ حدیث انہوں نے اس خزانے میں سے لی ہو جو انہوں نے جنگ یرموک میں پایا تھا۔ ابن سعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک دشمن جنگ کر رہا ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی“(2)۔ حضرات معاویہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہجرت کی دو صورتیں ہیں:۔ ایک گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت اور دوسری اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنا۔ یہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ قبول ہوتی رہے گی اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک توبہ قبول کی جاتی رہے گی۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو کسی کے دل میں جو کچھ ہے اس پر مہر لگ جائے گی اور جو عمل ہو گیا سو ہو گیا مزید عمل کی گنجائش نہیں ہوگی“۔ اس حدیث کی سند حسن ہے لیکن صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیات قیامت میں سے سوائے چار کے باقی سب گزر گئیں۔ جو چار باقی ہیں وہ یہ ہیں: مغرب سے طلوع آفتاب، دجال کا آنا، دابۃ الارض کا ظہور اور یاجوج ماجوج کا خروج۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس نشانی پر اعمال کا اختتام ہو جائے گا اور مہر لگ جائے گی وہ ہے مغرب سے سورج کا طلوع ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ.........(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل غریب حدیث مروی ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ سورج اور چاند اس دن ایک ساتھ مل کر مغرب سے طلوع ہوں گے جب وہ آسمان کے نصف تک پہنچ جائیں گے تو واپس پلٹ جائیں گے اور جہاں تھے وہاں لوٹ جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب پہلی علامت ظاہر ہوگی تو کراماً کاتبین کا فریضہ ختم ہو جائے گا اور وہ وقت آ جائے گا جب اجسام اعمال پر گواہی دیں گے(4)۔

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جب کوئی کافر اس دن ایمان لائے گا تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوگا۔ اگر کوئی پہلے صاحب ایمان تھا اور اعمال بھی نیک تھے تو اسے خیر عظیم سے نوازا جائے گا لیکن اگر وہ صاحب ایمان نیک اعمال نہیں کرتا تھا تو اب توبہ کر بھی لی تو اس کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی جس طرح گزشتہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے، اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2260، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 114 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 192 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 101 4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 103

خَيْرًا کو محمول کیا جائے گا یعنی اب اس کا عمل صالح قبول نہیں ہوگا جبکہ پہلے وہ اعمال صالحہ نہیں کیا کرتا تھا۔

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ یہاں کفار کے لئے شدید دھمکی ہے اور ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو ایمان لانے میں ٹال مٹول کرتے رہے اور اس وقت تک اپنی توبہ کو مؤخر کرتے رہے جس وقت توبہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ حکم سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت ہوگا جب قیامت قریب آجائے گی اور اس کی اشراط وعلامات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی جیسا کہ فرمایا: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ (محمد:19) ''پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں، (تو جب قیامت ان پر آ گئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا''۔ اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (المومن:85-84) ''پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

''بے شک وہ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہو گئے کئی گروہ (اے محبوب ﷺ!) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے''۔

یہ آیت یہود ونصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل یہود اور نصاریٰ آپس میں لڑتے جھگڑتے، اختلاف کرتے، اس طرح ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور انہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ آیت اتری (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ اس امت کے اہل بدعت، اہل شبہات اور اہل ضلالت ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس امت کے بارے میں اتری۔ حضرت ابو امامہ ''وَكَانُوْا شِيَعًا'' سے مراد خوارج لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت ہیں۔ ظاہر بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کے دین سے الگ ہو جائے اور اس کی مخالفت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اسلام کا رستہ ایک ہی ہے، نہ اس میں کوئی اختلاف ہے اور نہ افتراق۔ جو لوگ الگ الگ ہو کر مختلف فرقے اور گروہ بن گئے، تو اللہ کا رسول اس سے بری ہے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (الشوریٰ:13) ''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ہم خصوصاً انبیاء گویا علاتی اولاد ہیں ہمارا دین ایک ہے'' (4)۔ اور یہی صراط مستقیم ہے اور خدائے واحد کی پرستش کا یہی وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 105 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 105 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 105

4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 478، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1837

پیغام ہے جو تمام رسول یکے بعد دیگرے پہنچاتے رہے اور اب رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو مضبوطی سے تھام لینے کا نام دین ہے باقی سب جہالت اور گمراہی ہے جس سے تمام رسول بری ہیں اسی لئے فرمایا: لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ۔

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ...... یہ اس آیت کی طرح ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الحج: 17) ''بے شک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن''۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم وعدل میں اپنے لطف و کرم اور بندہ پروری کو یوں بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

''جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لئے دس ہوں گی اس کی مانند اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلے ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی) کے برابر اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

یہ آیت کریمہ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے جو اس آیت میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ (النمل: 89) ''جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے''۔ اس آیت کی موافقت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا رب عزوجل بہت رحم فرمانے والا ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن نہ کر سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو اس کے لئے (خلوص نیت کے مطابق) دس سے لیکر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اگر کسی نے برائی کا ارادہ کیا لیکن بجا نہ لایا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر اس نے برائی کر لی تو اس کے لئے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ چاہے تو اس برائی کو مٹا ڈالتا ہے۔ ہلاک وہی ہوگا جو ہلاک ہونے پر مصر ہے''(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے ایک نیک کام کیا اس کا اجر دس گنا بلکہ اس سے بھی زائد ہے، اور جس نے برائی کی تو اس کی جزاء اس کے مثل ہی ہوگی یا میں بخش دوں گا۔ جس شخص نے زمین بھر برائیاں کیں اور مجھے اس حال میں ملا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو میں اس قدر اسے بخشش عطا کروں گا، جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، جو شخص ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے، میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں''(2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا عمل میں نہ لا سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر عمل میں لایا تو اس کی مثل دس نیکیاں، اور اگر کسی نے گناہ کا ارادہ کیا لیکن ارتکاب نہ کیا تو اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائے گا، اگر وہ کر گزرا تو اس پر صرف ایک ہی برائی لکھی جائے گی''(3)۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ گناہ کا ارادہ کرنے کے بعد اس سے باز رہنے والے اور گناہ کو ترک کر دینے والے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:۔

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 323، صحیح مسلم، کتاب الایمان 118 وغیرہ　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 153

3۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا 2068، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب 1255

1۔ کبھی تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے گناہ ترک کر دیتا ہے، تو یہ ایسا شخص ہے جسے اللہ کی خاطر گناہ سے باز رہنے کے صلہ میں ایک نیکی ملتی ہے۔ یہ اس کے عمل اور نیت پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ "اس نے میری خاطر گناہ کو ترک کیا۔"

2۔ کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ شخص باوجود ارادہ گناہ کے غفلت اور نسیان کی وجہ سے گناہ کا کام ترک کر دیتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے کہ نہ اس کے لئے ثواب ہے اور نہ عتاب۔ کیونکہ اس نے نہ خیر کی نیت کی ہے اور نہ ہی برائی کا ارتکاب کیا ہے۔

3۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص برائی کرنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے اور برائی میں ملوث ہونے کے تمام اسباب و ذرائع بھی مہیا کر لیتا ہے لیکن عاجزی اور سستی کی وجہ سے اسے ترک کرنا پڑتا ہے، یہ ایسا شخص ہے اگرچہ اس نے گناہ نہیں کیا لیکن یہ بمنزلہ مرتکب کے ہی سمجھا جائے گا جس طرح حدیث صحیح میں آتا ہے:

"جب دو مسلمان اپنی اپنی تلوار لیکر باہم لڑائی پر آمادہ ہو جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔" صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس قاتل کے دوزخی ہونے کی تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: "وہ اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کے درپے تھا" (1)۔ یعنی اگر اس کا بس چلتا تو وہ بھی قتل کر ڈالتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا تو (اسی وقت) اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر وہ بجالایا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جس نے برائی کا ارادہ کیا تو جب تک وہ کر نہ لے اس پر برائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر وہ برائی کو عمل میں لے آئے تو اس پر صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسے ترک کر دے تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص نے میرے خوف کی وجہ سے بدی سے احتراز کیا ہے۔" حضرت خریم بن فاتک اسدی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لوگ چار قسم کے ہیں اور اعمال چھ قسم کے۔ 1۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں سعادت منداور خوشحال ہوتے ہیں، 2۔ بعض صرف دنیا میں خوش نصیب ہوتے ہیں لیکن آخرت میں بدنصیب، 3۔ بعض دنیا میں تنگدست اور مسکین ہوتے ہیں لیکن آخرت میں خوشحال اور سعادت منداور 4۔ بعض لوگ دنیا و آخرت دونوں جگہ بدنصیب ہوتے ہیں۔ جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اعمال کی دو قسمیں ایسی ہیں جو واجب کر دینے والی ہیں اور بعض ایسے اعمال ہیں کہ برابر برابر بدلہ ملتا ہے، بعض کا دس گنا اور بعض کا سات سو گنا۔ دو واجب کر دینے والے اعمال یہ ہیں: 1۔ جو شخص مسلمان مومن مر جائے اس حال میں کہ وہ اللہ کا شریک نہیں بناتا تھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور 2۔ جو شخص کافر مرا اس کے لئے دوزخ واجب ہوگی۔ 3۔ جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ تو جانتا ہی ہے کہ وہ نیکی کا خیال اپنے دل میں لایا تھا اور وہ اسے بجالانے پر بھی حریص بھی تھا تو ایسے شخص کے لئے ایک نیکی کا اندراج کر دیا جاتا ہے۔ 4۔ جس نے برائی کا ارادہ کیا تو اس پر یہ درج نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ بجالایا تو صرف ایک ہی برائی درج ہوگی نہ کہ زائد۔ 5۔ جس نے نیکی کا فعل انجام دیا اسے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا اور 6۔ جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا اسے سات سو گنا اجر ملے گا" (2)۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "نماز جمعہ میں تین (قسم کے) آدمی حاضر ہوتے ہیں: ایک وہ آدمی جو فضول اور بلامقصد آ

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 84-85، صحیح مسلم، کتاب الفتن 2213-2214

2۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 49، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 345 وغیرہ

گیا تو اس کا حصہ بھی لغو ہی ہوگا۔ دوسرا وہ آدمی جو مسجد میں دعا کے لئے حاضر ہوا۔ یہ ایسا شخص ہے جس نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہے چاہے تو اسے عطا فرمادے، چاہے تو روک لے، اور تیسرا آدمی وہ ہے جو مسجد میں پر سکون اور خاموش رہتا ہے، نمازیوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے نہیں بڑھتا اور نہ کسی کو اذیت پہنچاتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے جس کے لئے یہ جمعہ آئندہ جمعہ تک اور مزید تین دن تک کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ اپنے اور آئندہ جمعہ کے درمیان اور مزید تین دنوں تک گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے" (1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مذکور ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر ماہ تین دن کے روزے رکھے تو گویا اس نے زمانہ بھر کے روزے رکھے۔" اس کی تصدیق قرآن کریم میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ایک دن کا روزہ دس دن کے برابر اس طرح سال بھر کے چھتیس روزے تین سو ساٹھ دنوں (ایک سال) کے برابر ہوئے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت کے نزدیک "الْحَسَنَةِ" سے مراد کلمہ توحید (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ہے اور "السَّيِّئَةِ" سے مراد شرک ہے (3)۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی متعدد احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں لیکن وہی کافی ہیں جن کا ذکر ہوا۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

"آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچادیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم (علیہ السلام) ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے۔ آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی سید المرسلین ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی خبر دے دیں جو کہ صراط مستقیم کی طرف پہنچا کر آپ پر کیا ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ انحراف۔ یہ ثابت اور مستحکم دین ہے جو ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر حق کی طرف مائل تھے اور مشرک نہ تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں ملت ابراہیم کے متعلق فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرۃ: 130) "اور کون روگردانی کرسکتا ہے دین ابراہیم علیہ السلام سے بجز اس کے جس نے احمق بنادیا ہو اپنے آپ کو"، وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج: 78) "اور (سرتوڑ) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی"، اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 173 2۔ سنن نسائی، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 219، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 3 صفحہ 392، وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 108-109

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل:23-120) ''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لمحہ) شکرگزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اتباع ملت ابراہیم کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ سے اکمل اور افضل تھے، کیونکہ آپ ﷺ کی ہی وہ ذات ہے جس نے ملت ابراہیم کو نفوذ اور کمال بخشا جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، اولاد آدم کے علی الاطلاق سردار ہیں اور مقام محمود پر فائز ہیں کہ روز قیامت ساری مخلوق بشمول حضرت خلیل علیہ السلام آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع کرے گی۔ ابن ابزیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح ہوتی تو یہ فرماتے: ''ہم ملت اسلام، کلمہ اخلاص، اپنے نبی محمد ﷺ کے دین اور ملت ابراہیم جو حق کی طرف راغب تھے اور مشرک نہ تھے، پر صبح کرتے ہیں''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا دین اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: ''وسعت وفراخی والا دین حنیف''(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری ٹھوڑی اپنے کندھے پر رکھ لی تاکہ میں حبشیوں کا کھیل دیکھ سکوں، یہاں تک کہ میں ہی اکتا کر پیچھے ہٹ گئی (حضور اکتا کر الگ نہیں ہوئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہود اس بات کو جان لیں کہ ہمارے دین میں بڑی کشادگی ہے کیونکہ مجھے فراخ دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے''(3)۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ......... اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو بتادیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں کہ میں تمہارا مخالف ہوں، میری نماز، میری قربانیاں اور نیاز مندیاں تمام کی تمام اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر:2) ''پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں'' مشرکین تو بتوں کی عبادت کرتے اور انہی کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی مخالفت کرنے، ان کے اعمال سے انحراف کرنے اور عزم، نیت اور قصد کے ساتھ اللہ کے لئے مخلص ہوجانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ نسک سے مراد حج وعمرہ میں قربانی کرنا ہے(4)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدالاضحیٰ کے دن دو مینڈھے قربان کئے اور ذبح کرتے وقت یہ دعا مانگی: اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس امت میں سے پہلا مسلمان ہوں۔ جس طرح انہوں نے کہا ایسا ہی ہے کیونکہ تمام انبیاء اسلام کی طرف ہی دعوت دیتے رہے، اصل اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے

1۔ ابن مردویہ 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 236 3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 116 4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 112

کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس:72)'' بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے''۔اور فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرۃ:132-130)'' اور کون روگردانی کرسکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنادیا ہوا پنے آپ کو اور بے شک ہم نے چن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوکاروں سے ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم!) گردن جھکادو۔عرض کی میں نے اپنی گردن جھکادی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لئے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو''۔حضرت یوسف علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف:101)'' اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔مجھے وفات دے در آنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (یونس:85)'' اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے۔اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لئے۔اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم وستم) سے''۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ (المائدۃ:44)'' بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء''۔اور فرمایا: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (المائدۃ:111)'' اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ اس نے تمام رسولوں کو دین اسلام کے ساتھ ہی مبعوث فرمایا لیکن ان کی شریعتوں میں تفاوت اور اختلاف تھا جس میں سے بعض بعض کے لئے ناسخ تھیں یہاں تک کہ جب حضور ﷺ تشریف لے آئے تو تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں۔صرف آپ ﷺ کی شریعت ایسی ہے جو کبھی منسوخ نہ ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ قائم ودائم اور منصور رہے گی، قیامت تک اس کے جھنڈے بلندیوں پر لہراتے رہیں گے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم...... گروہ انبیاء...... گویا علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے''۔نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ دِيْنُنَا وَاحِدٌ(1)۔اولاد العلات سے

4۔فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 478، کتاب الفضائل 1837

مراد وہ بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہو لیکن مائیں مختلف ہوں، دین بمنزلہ باپ کے ہے جو ایک ہے، اور شرائع مختلف ہیں جو گویا مائیں ہیں جس طرح اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں یعنی ماں ایک اور باپ الگ الگ، اور حقیقی بھائی ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کر تکبیر تحریمہ کہتے: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ...... پھر یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ☆ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا☆ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ☆ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ☆ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ☆ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ(1)۔'' اے اللہ! تو ہی حقیقی بادشاہ ہے، کوئی معبود نہیں بجز تیرے، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا اس لئے میرے تمام گناہوں کو بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا اور مجھے اخلاق حسنہ تک پہنچا، تیرے سوا کوئی بھی اخلاق حسنہ کی راہ نہیں دکھا سکتا، برے اخلاق دور فرما دے، تیرے سوا کوئی بھی مجھ سے اخلاق سیئہ دور نہیں کر سکتا، تو بڑا بابرکت اور برتر ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں''۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

''آپ فرمائیے کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور رب حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا اور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وہ اسی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے تو وہ بتائے گا تمہیں جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ ان مشرکین کو اللہ کے لئے خالص عبادت اور اسی پر توکل کرنے کی خبر دے دیں اور انہیں کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب بنا لوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ وہ حقیقی رب ہے جو مجھے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے، میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے اور میرے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے۔ میں تو صرف اسی پر بھروسہ کروں گا، اسی کی طرف رجوع کروں گا کیونکہ وہ نہ صرف میرا رب ہے بلکہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے، تمام مخلوق اور ہر امر اسی کا ہے۔ جس طرح گزشتہ آیت اپنے ضمن میں اخلاص عبادت کو لئے ہوئے تھی اسی طرح اس آیت میں اخلاص توکل کا حکم ہے۔ یہ دونوں چیزوں قرآن کریم میں اکثر یکجا دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ:4) ''تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں''، فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَیْهِ (ہود:123) ''اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے''۔ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ (الملک:29) ''فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے''۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (المزمل:9) ''مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز''۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا...... قیامت کے دن جو کچھ وقوع پذیر ہوگا اس کی خبر دی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ عدل سے فیصلہ فرمائے گا

5۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین 534-536، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 94-95

اور تمام نفوس کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔ اور یہ نہیں ہوگا کہ غلطی کسی کی ہو اور دھر کسی اور کو لیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18) ''اور اگر بار سے کا پشتہ پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو''۔ اور فرمایا: فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا (طٰہٰ:112) ''اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا''۔ علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ اس پر یہ ظلم نہیں کیا جائے گا کہ کسی اور کے گناہ کا بوجھ اس پر رکھ دیا جائے اور نہ یہ ہوگا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔ فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (المدثر:39-38) ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے''۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس اپنے اعمال میں گروی اور جکڑا ہوا ہے، سزا ملے بغیر رہائی نہیں ہوگی سوائے اصحاب یمین کے کہ ان کے نیک اعمال کی برکات ان کی اولاد تک پہنچتی ہے جس طرح سورۂ طور میں فرمایا: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور:21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر''۔ یعنی جنت کے بلند مقام میں ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی ملا دیتے ہیں اگرچہ اعمال میں وہ ان کے شریک نہیں ہوتے، بلکہ صرف اصل ایمان میں شریک تھے۔ ہم ان بلند مرتبہ لوگوں کے اعمال میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ فرمایا: كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور:21) ''ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا''۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ ... تم اپنی جگہ جو اعمال کرنا چاہتے ہو کرلو، ہم اپنی شان کے مطابق اپنا کام کریں گے۔ آخر کار تمہیں ایک دن ہمارے رب کے ہاں پیش ہونا ہی ہے اور ہم بھی پیش ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنے اپنے اعمال سے آگاہ فرمائے گا اور دنیا میں آخرت سے متعلق جو ہمارا اختلاف تھا وہ بھی عیاں ہو جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا:26-25) ''فرمایئے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی۔ فرمایئے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے، بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وہ اللہ ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا کہ تم نسل در نسل اور قرن بعد قرن زمین کو آباد کرتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ (الزخرف:60) ''اور اگر ہم چاہتے تو ہم بسا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے''۔ اور یہ فرمان: وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل:62) ''اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ''۔ اور یہ فرمان: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ:30) ''میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب''۔ اور فرمایا:

سورۂ اعراف (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

''الف۔لام۔میم۔صاد۔ یہ کتاب ہے نازل کی گئی ہے آپ کی طرف پس چاہئے کہ نہ ہو آپ کے سینہ میں کچھ تنگی اس (کی تبلیغ) سے (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس سے اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ (اے لوگو!) پیروی کرو جو نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو''۔

حروف مقطعات، ان کے مفاہیم اور ان کے متعلق علماء کے اختلاف کی بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الٓمّٓصٓ ''اَنَا اللّٰهُ اُفَصِّلُ'' کا مخفف ہے(1)۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ .... یہ عظیم الشان کتاب آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے۔ اس کے بارے میں نہ کوئی شک وشبہ آپ کے دل میں پیدا ہو اور نہ اس کی تبلیغ اور اس کے ذریعے انذار سے آپ کے سینہ میں کوئی تنگی رونما ہو، بلکہ اس آیت کا مصداق بن جائیے: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 35) ''پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا''۔ کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے کفار کو ڈرائیں اور یہ مومنین کے لئے سراپا نصیحت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ...... یعنی اس نبی امی ﷺ کے نقوش پا کی پیروی کرو جو ہر چیز کے خالق و مالک کی طرف سے یہ جلیل القدر کتاب لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے انحراف نہ کرو ورنہ تم حکم الٰہی کے منحرف گردانے جاؤ گے۔

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ یہ ارشاد ان آیات کی طرح ہے: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہئیں، ایمان لانے والے''۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام: 116) ''اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''۔ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 115

مُّشْرِكُوْنَ (یوسف:106)'' اورنہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں''۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

''اور کتنی بستیاں تھیں برباد کر دیا ہم نے انہیں۔ پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے۔ پھر ہم ضرور بیان کریں گے (ان کے حالات) ان پر اپنے علم سے اور نہ تھے ہم ان سے غائب''۔

کتنی ہی ایسی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کے سبب ہلاک کر دیا اور ان پر دنیا و آخرت کی ذلت اور رسوائی مسلط کر دی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے بھی ان کا انجام واضح ہوتا ہے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء:41)'' اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (الحج:45)'' پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)''۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (القصص:58) ''اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوشحالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ۔ اور (آخرکار) ہم ہی ان کے وارث بنے''۔

فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ یعنی ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جن پر رات کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا یا دوپہر کے وقت جب وہ آرام کر رہے تھے۔ یہ دونوں اوقات غفلت اور لہو و لعب کے اوقات ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل ارشادات میں بھی آتا ہے: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (الاعراف:97-98)'' تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں''۔ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل:45-57)'' کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہوں۔

پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ...... یعنی جب عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو سوائے اس کے ان کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہ رہا کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا برملا اعتراف کر لیا اور یہ بھی کہ وہ واقعی اس کے سزاوار ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (الانبیاء: 11) '' اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرما دی ان کی (بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم''۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی واضح دلیل ہے کہ ''کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں کی جاتی جب تک اس کے تمام عذر بہانے ختم نہ ہو جائیں''۔ عبدالملک سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوگا تو انہوں نے جواب میں یہی آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ.......... پڑھی(1)۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص: 65) '' اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو''۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (المائدۃ: 109) '' جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا''۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام امتوں سے بھی پوچھے گا کہ انہوں نے پیغمبروں کو تبلیغ کا کیا جواب دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے بھی تبلیغ وارشاد کے متعلق سوال کرے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، بادشاہ سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، مرد سے اس کے گھر والوں کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت سے اس کے شوہر کے گھر کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی اور غلام سے اس کے آقا کے مال کے متعلق دریافت کیا جائے گا''(2)۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نامہ اعمال رکھا جائے گا تو وہ ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے باخبر فرما دے گا، کیونکہ وہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے، نہ کوئی چیز اس سے اوجھل ہے اور نہ وہ کسی چیز سے غافل بلکہ وہ تو چور نظروں اور دلوں کے بھیدوں سے بھی پوری طرح باخبر ہے: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام: 59) '' اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

'' اور (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے پس جن کے بھاری ہوئے ترازو تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 120 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، جلد 8 صفحہ 77، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1459

فرمایا کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے تا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ سے ظلم کا شکوہ باقی نہ رہے، جیسا کہ فرمایا: ''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء: 47)'' اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''، فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۭ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۭ نَارٌ حَامِيَةٌ (القارعۃ: 11-6) ''پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے، تو وہ دل پسند عیش (ومسرت) میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ''، فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون: 103-101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے''۔

فصل: میزان میں قیامت کے دن کیا رکھا جائے گا؟ بعض نے کہا ہے کہ قیامت کے دن میزان میں اعمال رکھے جائیں گے۔ اگرچہ یہ اعراض (غیر محسوس چیزیں) ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اجسام میں تبدیل کر دے گا، اسی قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے(1)۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران دو بادلوں یا دو سائبانوں یا پر پھیلائے ہوئے محو پرواز پرندوں کے دو جھنڈوں کی صورت میں آئیں گی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کریم اپنے قاری کے پاس ایک خوش رنگ نوجوان کی صورت میں آئے گا۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں وہ قرآن ہوں جس نے تمہیں راتوں کو بیدار رکھا اور دنوں کو (حالت روزہ میں) پیاسا رکھا(2)۔ اسی طرح قصہ سوال قبر میں آتا ہے جسے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''قبر میں مومن کے پاس مہکتی ہوئی خوشبو والا ایک خوبرو نوجوان آتا ہے، وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ وہ کہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں''(3)۔ کافر اور منافق کے بارے میں اس کے برعکس ذکر فرمایا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اعمال ہی کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث بطاقہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ایک پلڑے میں ننانوں رجسٹر رکھ دیئے جائیں گے، ہر رجسٹر تا حد نظر وسیع اور ضخیم ہوگا۔ پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا (بطاقہ) لایا جائے گا جس میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' مرقوم ہوگا۔ وہ آدمی پوچھے گا: اے پروردگار! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں اس پرزہ کی کیا حیثیت؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا، چنانچہ کاغذ کا وہ ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ گنا ہوں کے رجسٹروں والا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 149
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، 1242۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 348-352
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287

پڑا ہلکا ہو جائے گا اور وہ کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا" (1)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "قیامت کے دن ایک موٹا آدمی لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: 105) (2)۔ "تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لئے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے"۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا: "کیا تمہیں اس کی پتلی پتلی پنڈلیوں پر تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میزان میں یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی" (3) ان ساری روایات میں یوں تطبیق پیدا کی جا سکتی ہے کہ کبھی اعمال کا وزن ہوگا، کبھی اعمال ناموں کا اور کبھی صاحب عمل کا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

"اور یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمہیں زمین میں اور مہیا کر دیئے تمہارے لئے اس میں زندہ رہنے کے اسباب، بہت ہی کم تم شکر ادا کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلا رہا ہے کہ اسی ذات نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور تمام اسباب معیشت مہیا فرما دیئے۔ زمین کو اس نے قرار گاہ بنا دیا، اس میں پہاڑ گاڑ دیئے، اس میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے، اسی زمین پر تمہاری رہائش گاہیں ہیں، پھر آسمان سے بارشوں کو تمہارا فرمانبردار بنا کر تمہیں یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ تم اپنی محنت سے زمین کے شکم سے اپنے لئے روزی نکال سکتے ہو۔ زندگی کو برقرار رکھنے اور معیشت کے تمام اسباب و ذرائع اس ذات نے ہی تو تمہیں فراہم کئے ہیں جس سے تم سامان زیست حاصل کرتے ہو لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: 34) "اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے"۔ لفظ "مَعَايِشَ" کو سوائے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے باقی سب نے "یاء" کے ساتھ پڑھا ہے (4)۔ صرف انہوں نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہ بغیر ہمزہ کے ہے کیونکہ یہ "معيشة" کی جمع ہے اور یہ "عاش يعيش عيشاً" سے مشتق ہے۔ "مَعِيْشَة" کی اصل "مَعْيِشَة" ہے۔ کسرہ یاء پر ثقیل تھا، اس لئے اسے نقل کر کے ماقبل (عین) کو دے دیا۔ "مَعِيْشَة" بن گیا۔ جب اس کی جمع بنائی گئی تو ثقل کے زائل ہو جانے کی وجہ سے "یاء" کی حرکت دوبارہ لوٹ آئی۔ اس کا وزن مفاعل ہے کیونکہ اس میں یاء اصلی ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے جو کہ "مدينة"، "صحيفة" اور "بصيرة" کی جمعیں ہیں اور یہ مدن، صحف اور "بصر" سے مشتق ہیں، کیونکہ ان میں یاء زائدہ ہے، اس لئے ان کی جمع "فعائل" کے وزن پر بنی۔ اس بناء پر ہمزہ آئے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝

"اور بیشک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمہاری، پھر حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے"۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 7 صفحہ 395-397
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2147
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 420-421
4۔ البحر المحیط، جلد 4 صفحہ 271

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اولاد آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ابلیس کی انسان دشمنی اور حسد سے متنبہ فرما رہا ہے تاکہ وہ اس سے احتراز کریں اور اس کے طریقہ کی پیروی سے باز رہیں۔ فرمایا: وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ...... ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ (الحجر:29-28) ''اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے''۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لیسدار مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور بشر کی صورت دیکر اس میں اپنی روح پھونکی تو ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ بجز ابلیس کے تمام فرشتے تعمیل ارشاد میں سجدہ ریز ہو گئے۔ دراصل اس سجدہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی شان اور جلالت کی تعظیم تھی۔ ابلیس کے بارے میں سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں ہم نے جو مفہوم بیان کیا ہے یہ ابن جریر کا اختیار کردہ ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ اگرچہ خطاب کی ضمیر جمع ہے لیکن اس کے مخاطب صرف آدم علیہ السلام ہیں(1)۔ حضرت ابن عباس وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کو مردوں کی پیٹھوں میں پیدا کیا جاتا ہے پھر عورتوں کے رحموں میں ان کی صورتیں بنتی ہیں(2)۔ اس صورت میں خطاب کی ضمیر (کُمۡ) سے مراد ذریت آدم علیہ السلام ہے(3)۔ ربیع بن انس، سدی، قتادہ اور ضحاک اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی ذریت کی صورت بنائی۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کیونکہ اس کے فوراً بعد فرمایا: ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مراد آدم علیہ السلام ہیں نہ کہ آپ کی ذریت۔ اور پھر جمع کی ضمیر لانے کا سبب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے بنی اسرائیل سے فرمایا: ''وَظَلَّلۡنَا عَلَیۡكُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی (البقرۃ:57)'' اور ہم نے سایہ کر دیا تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من وسلویٰ''۔ اس سے مراد ان کے وہ آباء ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے۔ لیکن ان کے آباؤ اجداد پر احسان کرنا بھی انہی پر احسان ہے کیونکہ یہ ان کی اولاد ہیں۔ لیکن یہ اس آیت کے برعکس ہے: وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۝ (المومنون:12) ''اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے''۔ یہاں لفظ انسان سے مراد صرف آدم علیہ السلام ہیں۔ جنس انسان نہیں، کیونکہ مٹی سے تخلیق صرف حضرت آدم علیہ السلام کی ہوئی اور آپ کی ذریت کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔ چونکہ باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اس لئے یہ بھی کہنا درست ہے کہ آپ کی ذریت بھی مٹی سے بنی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۝

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے، تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے''۔

بعض نحوی کہتے ہیں کہ اَلَّا تَسۡجُدَ میں ''لَا'' زائدہ ہے اور یہ تاکید انکار کے لئے آیا ہے جیسا کہ شاعر کے اس قول ''مَا اِنۡ رَاَیۡتُ وَلَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 127 2۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 2 صفحہ 319 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 127

سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ (1)۔ میں ''اِن'' زائدہ ہے اور ''ما'' نافیہ کی تاکید بیان کر رہا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ''لا'' زائدہ ہے اور یہ فرمان: لَمْ یَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (الاعراف: 11) بھی پہلے آچکا ہے۔ لیکن ابن جریر کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ یہاں ''لا'' زائدہ نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ ''منعک'' فعل ایک اور فعل کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: مَا اَحْوَجَكَ وَ اَلْزَمَكَ وَ اضْطَرَّكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ''تجھے کس چیز نے مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا''۔ یہ قول قوی اور عمدہ ہے۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ابلیس نے نافرمانی کا ایسا عذر پیش کیا جو درحقیقت اس انکار کے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے، اس نے اس لئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ خود کو بہتر سمجھتا تھا۔ اس کا زعم تھا کہ میں افضل اور اشرف ہوں اس لئے مفضول کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا جا سکتا۔ پھر اس نے برتری اور افضلیت کی وجہ یہ بتائی کہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی اور آگ مٹی سے افضل اور اشرف ہے۔ اس ملعون کی نظر صرف عنصر اور جسد خاکی پر محدود رہی لیکن جو عظیم شرف اس جسد خاکی کو ملا اس کی رفعتوں تک اس کی نظر پرواز نہ کر سکی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور اس میں اپنی روح پھونکی لیکن اس مردود نے فرمان الٰہی فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر: 29) کے مقابلے میں اپنے قیاس فاسد کو ترجیح دی۔ اس لئے تعمیل ارشاد میں ملائکہ سے الگ تھلگ رہ گیا اور اپنے آپ کو سجدہ میں جھکانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس بناء پر اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا جو درحقیقت اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس طرح اس نے یہ جو قیاس باندھا تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے، اس قیاس اور دعویٰ میں بھی وہ غلطی پر تھا کیونکہ مٹی کی طبیعت میں وقار، حلم، سنجیدگی، مستقل مزاجی اور ثابت قدمی جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں اس مٹی میں نباتات، نشوونما، روئیدگی اور اصلاح کی استعداد بھی پائی جاتی ہے۔ جبکہ آگ کی شان ہے جلانا، تیزی، تندی اور طیش۔ یہی وجہ تھی کہ ابلیس کے عنصر ناری نے اس کے ساتھ خیانت کی اور وہ توبہ پر آمادہ نہ ہوا لیکن آدم علیہ السلام کے عنصر خاکی نے انہیں نفع پہنچایا کہ لغزش کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز اور خشوع و خضوع سے توبہ اور مغفرت کے خواستگار ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ملائکہ کی تخلیق نور سے ہوئی، ابلیس کی آگ کے شعلہ سے اور آدم کی مٹی سے'' (2)۔ حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتوں کو عرش کے نور سے پیدا کیا گیا، جنوں کو آگ کے شعلہ سے اور آدم کو مٹی سے''۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حوروں کو زعفران سے پیدا کیا گیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیاس سے کام لینے والا ابلیس تھا اور قیاس ہی کی بناء پر شمس و قمر کی عبادت کی جانے لگی (3)۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتر جاؤ یہاں سے مناسب نہیں ہے تیرے لئے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے''۔

ابلیس کو نافرمانی اور حکم عدولی کی صورت میں جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ تو یہاں تکبر کرتا۔ اکثر

1۔ الشعر والشعراء لابن قتیبہ 243　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2294　　3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 131

مفسرین کے نزدیک ''مِنْهَا'' کی ضمیر کا مرجع جنت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر اس مرتبہ عالیہ کی طرف لوٹ رہی ہو جو ابلیس کو عالم ملکوت میں حاصل تھا۔

فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ نکل جا، تو ذلیل اور حقیر لوگوں میں سے ہے۔ یہ ابلیس کی ہٹ دھرمی اور ضد کا بدلہ تھا۔ اس پر اس لعین کے ذہن میں ایک اور بات آئی۔ اس نے قیامت تک اللہ تعالیٰ سے مہلت کی درخواست کی: اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست منظور کر کے اسے مہلت دے دی: اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت مضمر تھی۔ اس کے ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کی مشیت کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد کر سکتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

''کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لئے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار''۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قیامت تک مہلت دے دی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح جو چاہے کر سکتا ہے اس لئے وہ سرکشی اور عناد پر اتر آیا اور کہنے لگا: فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ کا معنی ہے جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا۔ دوسرے حضرات اس کا معنی بیان کرتے ہیں: جس طرح تو نے مجھے ہلاکت میں ڈالا۔ یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اور ہلاکت میں ڈالا میں بھی اس آدم کی اولاد میں تاک میں بیٹھوں گا جس کے باعث میں راندۂ درگاہ بنا ہوں۔ میں صراط مستقیم پر بیٹھ کر گھات لگاؤں گا اور اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا تاکہ وہ نہ تجھے وحدہ لاشریک مانیں اور نہ تیری عبادت کریں۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ ''فَبِمَآ'' میں باء قسمیہ ہے، معنی یہ ہوگا: مجھے قسم ہے تیرے اغواء کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں صراط مستقیم سے مراد حق ہے۔ عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد طریق مکہ ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ لفظ عام ہے، ان کے علاوہ اور معانی کو بھی شامل ہے (1)۔ حضرت سبرہ بن ابی الفاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان مختلف رستوں سے ابن آدم کی تاڑ میں بیٹھتا ہے۔ وہ اسلام کی راہ میں اس کی گھات میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو اسلام لائے گا اور اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر دے گا لیکن وہ شخص اس کی نافرمانی کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی راہ ہجرت پر آ بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ کیا تو ہجرت کرے گا اور اپنی زمین اور آسمان (وطن) چھوڑ دے گا۔ مہاجر کی وقعت تو ایک گھوڑے سے بھی زیادہ نہیں ہوتی لیکن وہ شخص اس کی نافرمانی کر کے ہجرت کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی راہ جہاد پر ڈیرہ جما لیتا ہے۔ جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی۔ اور کہتا ہے کہ تو جنگ کرے گا تو قتل ہو جائے گا، تیری بیوی کا اور کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا اور تیرا مال لوگوں میں تقسیم ہو جائے گا لیکن وہ اس کی نافرمانی کر کے جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص ایسا کرے اور مر جائے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے۔ اگر وہ قتل ہو جائے یا غرق ہو جائے یا کوئی جانور اسے کچل ڈالے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرما

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 134-135

دے" (1)۔

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ یعنی میں انہیں آخرت کے بارے میں تشکیک میں مبتلا کر دوں گا۔

وَ مِنْ خَلْفِهِمْ میں دنیا ان کے لئے مرغوب بنا دوں گا۔

وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ میں دین کے معاملہ کو ان پر مشتبہ کر دوں گا۔

وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ میں ان کے لئے گناہوں کو بہت لذیذ اور خوشنما بنا دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بالترتیب ان کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں ان کی دنیا، امر آخرت، ان کی حسنات اور سیئات کی طرف سے آؤں گا۔ حضرت قتادہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں سامنے سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، نہ جنت ہوگی اور نہ دوزخ، اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور دنیا کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر ان کے دل دنیا میں ہی لگا دوں گا، اور دائیں طرف سے ان کی نیکیوں پر دھاوا بولوں گا اور نیک کام کرنے سے باز رکھوں گا، اور اسی طرح بائیں طرف سے آ کر انہیں گناہوں کے ارتکاب کی دعوت دوں گا۔ شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں اوپر سے بھی آؤں گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر سے اللہ کی رحمت برستی ہے اور یہ مردود انسان اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ اور عَنْ اَیْمَانِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سے وہ دیکھ سکتے ہیں اور مِنْ خَلْفِهِمْ اور عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ کا مطلب ہے جہاں سے وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ابن جریر جامع معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد خیر اور شر کے تمام راستے ہیں۔ خیر سے وہ ملعون روکتا ہے اور شر کو نہایت حسین و جمیل شکل میں پیش کرتا ہے (2)۔

وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ یعنی موحدین۔ یہ بات تو ابلیس نے محض اپنے وہم و گمان کی بناء پر کی تھی لیکن واقعہ کے مطابق درست ثابت ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے: وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ (سبا: 21-20) "اور بیشک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا) اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے"۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان کے تسلط سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے: "اے اللہ! میں اپنے دین و دنیا، اہل و عیال اور مال میں تجھ سے عفو اور عافیت کا خواستگار ہوں۔ یا اللہ! میری لغزشوں کو ڈھانپ دے، پرخطر چیزوں سے امن عطا فرما اور اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے اور میرے اوپر سے مجھے اپنے حفظ و امان میں رکھ۔ یا اللہ! میں نیچے سے شیطان کے ہتھکنڈوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں" (3)۔ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا صبح و شام کیا کرتے تھے۔ وکیع کہتے ہیں کہ من تحتی (نیچے سے) کا مطلب ہے زمین میں دھنس جانا (4)۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 483
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 137
3۔ کشف الاستار، جلد 4 صفحہ 60
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 25 سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 319-318

اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾

''فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھردوں گا جہنم کو تم سب سے''۔

اللہ تعالیٰ ابلیس کو عالم بالا سے نیچے دھتکار دینے کے حکم کو مزید پختہ کر کے فرماتا ہے: اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''مَذْءُ وْمًا''، ''ذَأَمَ یَذْأَمُ ذَأْمًا'' سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ کبھی ہمزہ کو ترک کر کے بھی پڑھتے ہیں یعنی ذیم اور ذام۔ ان دونوں لفظوں کا عیب کے موقع پر استعمال لفظ ذم سے زیادہ بلیغ ہے۔ ''مَدْحُوْرٌ'' کا معنی ہے: دور کیا ہوا، دھتکارا ہوا، راندہ (1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ''مَذْءُوْم'' اور ''مَدْحُوْر'' دونوں ہم معنی ہیں۔

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ　ایسا ہی ایک اور مقام پر ارشاد ہے: قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: 65-63) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر وفریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے''۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرمگاہوں سے اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے۔ اور قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حواء کو جنت میں رہائش عطا فرمائی اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ سوائے ایک درخت کے تمام درختوں کے پھل کھا سکتے ہیں۔ اس کی تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں (2)۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام عطا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 139　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 35

فرمایا اور جنت ان کا مسکن بن گئی تو شیطان حسد کی آگ میں جلنے لگا، مکر و فریب، دھوکہ اور وسوسہ کے ذریعے اس نے کوششیں شروع کر دیں تاکہ وہ انہیں جنت کے آرام و سکون اور خوبصورت لباس سے محروم کر دے۔ اس لئے اس نے جھوٹ اور افتراء سے کام لیتے ہوئے ان دونوں حضرات سے کہا کہ اس درخت سے تمہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا یہاں ہمیشہ رہنے والے لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اگر تم نے اس درخت میں سے کھا لیا تو پھر یہ چیز تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (طٰه:120) "اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو"۔

اَنْ تَكُوْنَا میں "لا" مقدر ہے اصل میں ہے: لِئَلَّا تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں قرآن کریم میں ہیں: فرمایا: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء:176) "صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ"، یعنی "لِئَلَّا تَضِلُّوْا"۔ اسی طرح فرمایا: وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (لقمان:10) "اور کھڑے کر دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈولتی نہ رہے"۔ یعنی "لِئَلَّا تَمِيْدَ بِكُمْ"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یحییٰ بن ابی کثیر "ملِكَيْنِ" لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے(1)۔ جبکہ جمہور لام کو مفتوح پڑھتے ہیں۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر انہیں اپنی بات اور خیر خواہی کا یقین دلایا۔ کہنے لگا کہ میں تو تمہارا مخلص ہوں۔ میں تم سے پہلے یہاں رہائش پذیر رہا ہوں تو اس کے چپے چپے سے خوب واقف ہوں۔ "قاسم" باب مفاعلہ ہے جس میں عموماً اشتراک کا خاصہ پایا جاتا ہے لیکن اشتراک نہیں پایا جاتا۔ قسم صرف ایک طرف سے تھی جیسا کہ اس شعر میں بھی ہے:۔

وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ جَهْدًا لَاَنْتُمْ اَلَذُّ مِنَ السَّلْوٰى اِذَا مَا نَشُوْرُهَا (2)

جب ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی تو دونوں حضرات دھوکہ میں آ گئے اور اللہ کے نام پر مومن کبھی دھوکہ کھا ہی جاتا ہے، کسی عالم کا کہنا ہے: مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰهِ انْخَدَعْنَا لَهُ(3)۔ "جس نے ہمیں اللہ کے نام پر دھوکہ دیا ہم اس کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں"۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

"پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے، پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چھپانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلا شبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لئے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 140 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 141، دیوان الھذلیین، جلد 1 صفحہ 158 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 141

جائیں گے''۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کھجور کے درخت کی طرح طویل القامت تھے اور آپ کے سر کے بال گھنے اور لمبے تھے۔ جب ان سے یہ خطا سرزد ہوگئی تو ان کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی، جبکہ پہلے وہ اسے نہیں دیکھتے تھے۔ اب پریشانی میں جنت کے اندر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو جنت کے ایک درخت کے ساتھ ان کے بال الجھ گئے۔ آپ نے درخت سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو لیکن درخت نے جواب دیا کہ میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! مجھے تجھ سے حیا آتا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس درخت سے آدم وحوا کو منع کیا گیا تھا وہ خوشہ گندم تھا۔ جب اس میں سے انہوں نے کھالیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں۔ اب وہ انجیر کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ادھر ادھر بھاگنے لگے تو ایک جنتی درخت کی شاخوں میں آپ کے بال پھنس گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے آدم! تم مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کی: نہیں، بلکہ یا اللہ! مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں تمام جنت نہیں عطا فرمادی تھی، اور سوائے ایک درخت کے جنت کی ہر چیز تمہارے لئے مباح کردی؟ عرض کی: کیوں نہیں، اے پروردگار! لیکن تیری عزت کی قسم! میرے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، یہی مطلب ہے اس آیت کا وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت کی قسم! میں تمہیں زمین پر اتاروں گا اور وہاں تم بغیر کدو کاوش کے اسباب معیشت نہیں پاسکو گے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار دیا گیا۔ جنت میں تو ہر قسم کی وافر نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں لیکن یہاں زمین پر کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو لوہے کی صنعت سکھائی اور کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ آپ نے فصل کاشت کی، اسے سیراب کیا، کھیتی پک گئی تو آپ نے اسے کاٹ لیا۔ اسے کوٹ کر دانے الگ کر لئے۔ پھر پیسا، پھر آٹا گوندھا اور روٹیاں پکا کر کھائیں۔ اس طرح جو مشقت اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں مقدر فرمادی تھی، اسے اٹھایا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتے انجیر کے درخت کے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ پتے کپڑے کی شکل کے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا (الاعراف:27) کے تحت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کا لباس نورانی تھا، وہ ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جب انہوں نے شجر ممنوعہ میں سے کھالیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! اگر میں توبہ اور استغفار کرلوں تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تب میں تمہیں جنت میں داخل کردوں گا لیکن ابلیس ملعون نے توبہ کے بجائے مہلت کی درخواست کی۔ ہر ایک کو اپنا مطلوب مل گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس درخت سے میں نے تمہیں منع کیا تھا، تم نے کیوں اس میں سے کھایا؟ جواب دیا کہ مجھے حواء نے کھانے کو کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں حواء کو یہ سزا دیتا ہوں کہ یہ حمل کے دوران بھی تکلیف اٹھائے گی اور وضع حمل کے وقت بھی اسے درد والم سے گزرنا ہوگا۔ یہ سن کر حواء رونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولادت کے وقت تم بھی روؤ گی اور تمہارا بچہ بھی(3)۔ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ یہ کلمات رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا... حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 143　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 142　3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 144

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔(نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اس میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے''۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''اهْبِطُوْا'' سے خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حواء، ابلیس اور سانپ کو ہے۔ بعض نے سانپ کا ذکر نہیں کیا، بہرصورت اصل عداوت اور آویزش آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان تھی، اسی لئے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (طٰہٰ:123) ''دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے'' حواء تو آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور سانپ ابلیس کے۔ مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جہاں جہاں سے انہیں زمین پر اتارا گیا۔ یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں جن کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر ان مقامات کی تعیین کے ساتھ کوئی دینی یا دنیاوی مفاد وابستہ ہوتا تو قرآن وحدیث میں ان کا ضرور ذکر آتا۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یعنی قرارگاہ اور عمریں جن کی حد مقرر کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''مُسْتَقَرٌّ'' سے مراد قبر لیتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے فوق الارض اور تحت الارض (یعنی دنیا اور قبر)۔

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ:55) ''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر''۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے بنی آدم کے لئے زمین کو گھر بنا دیا۔ یہیں ہی جینا ہے، یہاں ہی مرنا ہے اور پھر یہاں سے ہی قبروں سے اٹھ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اے اولاد آدم بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان ہے جس نے انہیں لباس اور زینت بخشی۔ لباس تو جسم اور پردہ کی جگہوں کو چھپانے کے کام آتا ہے اور ''رِیْش'' وہ لباس ہے جو بدن کی ظاہری آرائش اور زیب و زینت کا کام دیتا ہے۔ لباس ضروریات میں سے ہے اور ''رِیْش'' ضرورت سے اضافی، لیکن تکمیل کرنے والی چیز ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ کلام عرب میں ''رِیَاش'' (''رِیْش'' کی جمع) سے مراد گھریلو ساز وسامان اور (ضرورت سے زائد) ظاہری کپڑے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی مال منقول ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ اس کا معنی بتاتے ہیں: لباس، آسائش اور عیش و تنعم۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نزدیک اس کا معنی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 73

حسن و جمال ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا لباس زیب تن کیا، جب گلے تک پہن لیا تو کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جو ستر عورت کا بھی کام دیتا ہے اور وجہ زینت بھی ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی نیا کپڑا پایا اور گلے تک پہن کر یہ کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس سے آراستہ ہوتا ہوں، پھر اتارا ہوا پرانا کپڑا صدقہ کر دیا تو وہ اپنی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ، جوار اور حفاظت میں آ گیا اور موت کے وقت بھی''(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان لڑکے سے تین درہم میں ایک قمیض خریدی اور کلائیوں سے ٹخنوں تک پہن لی۔ پہنتے وقت کہنے لگے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں زینت حاصل کرتا ہوں اور اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ بات آپ اپنے طور پر کہہ رہے ہیں یا رسول اللہ ﷺ سے سن کر؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ سے لباس پہنتے وقت یہ سنا تھا''(2)۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ بعض نے ''لِبَاسَ'' کو منصوب پڑھا ہے۔ بقیہ حضرات نے مبتدا ہونے کی بناء پر اسے مرفوع پڑھا ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ لباس تقویٰ سے مراد وہ لباس ہے جو متقین قیامت کے روز پہنیں گے۔ زید بن علی، سدی، قتادہ اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ایمان۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی عمل صالح بیان کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ معنی بیان کیا گیا ہے: چہرے کا حسن اور شگفتگی۔ حضرت عروہ بن زبیر اس کا معنی بتاتے ہیں خشیت الٰہی۔ عبدالرحمٰن ابن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ لباس تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور ستر عورت کرے۔ یہ تمام کے تمام معانی قریب قریب ہیں۔ اس کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ منبر رسول ﷺ پر آئے قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا اور کبوتر بازی سے منع کیا پھر فرمایا: اے لوگو! مخفی اور پوشیدہ پوشیدہ کام کرنے سے بچو کیونکہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! جو کوئی چوری چھپے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اگر اچھا ہو تو نیک نامی اور اگر برا ہو تو بدنامی۔'' پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی(3)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس تاکہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انہیں۔ بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے''۔

اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ابلیس اور اس کے کنبہ سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرما رہا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس کی قدیم عداوت

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44 تحفۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 10 صفحہ 5-6 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 157-158
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 149، الادب المفرد: 441 وغیرہ

کو بیان فرما رہا ہے کہ اس ملعون نے آدم علیہ السلام کو نعمت و آسائش سے بھرپور جنت سے نکال کر اس دار المحن میں لا کھڑا کیا اور ان کے کشف عورت کا باعث بنا۔ یہ سب کچھ اس کی غیر معمولی عداوت کا نتیجہ تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (الکہف:50)'' (اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے''۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

''اور جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔ آپ فرمایئے حکم دیا ہے میرے رب نے عدل و انصاف کا اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لئے عبادت کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمہیں ویسے ہی تم لوٹو گے۔ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی، انہوں نے بنا لیا شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

مجاہد فرماتے ہیں کہ مشرکین مادر زاد برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے، عورت صرف اپنے سامنے کوئی چیز چپکا لیتی اور کہتی کہ آج جسم کا بعض حصہ یا پورا جسم کھلا رہے گا لیکن کھلا ہوا حصہ کسی پر حلال نہیں تو اس وقت یہ آیت وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً...... اتری۔ قریش کے علاوہ باقی سارے عرب طواف کرتے وقت اپنا معمول کا لباس بھی اتار دیتے تھے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کرتے کہ ایسے کپڑوں میں طواف انہیں زیب نہیں دیتا جو کپڑے پہن کر انہوں نے گناہ کئے ہیں۔ صرف قریش جو حمسی تھے، کپڑے پہنے ہوئے طواف کرتے۔ اگر کوئی قریشی حمسی (مذہب سے لگاؤ رکھنے والا) کسی کو عاریۃً اپنا کپڑا دے دیتا تو وہ اسے پہن کر طواف کر لیتا اور جس کے پاس نیا کپڑا ہوتا وہ بھی اسے پہن کر طواف کر لیتا پھر وہ اسے اتار دیتا جس کا کوئی مالک نہ سمجھا جاتا۔ جس شخص کے پاس نیا کپڑا نہ ہوتا اور نہ کسی حمسی سے عاریۃً ملتا تو وہ بالکل برہنہ طواف کرتا اور عورتیں صرف یہ کرتیں کہ اپنی شرمگاہوں پر کچھ رکھ لیتی تھیں تاکہ کچھ نہ کچھ پردہ ہو جائے۔ عورتیں عموماً رات کے وقت برہنہ طواف کرتیں۔ یہ (برہنہ طواف کرنا) ایسی چیز تھی جو انہوں نے از خود ایجاد کر لی تھی اور یہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں اندھا دھند اس کی پیروی کئے جا رہے تھے اور مزید ستم ظریفی یہ کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے اس فعل کو اللہ کا حکم یقین کرتے۔ اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً...... ان کے رد میں فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ...... یعنی اے محبوب! آپ ان جھوٹے دعویداروں سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ تم اللہ تعالیٰ پر ایسے بہتان باندھتے ہو جن کی صحت کا تمہیں علم ہی نہیں۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ آپ فرما دیں کہ میرے رب نے تو عدل وانصاف اور اپنی عبادت میں استقامت کا حکم دیا ہے۔ اس میں رسولوں کی متابعت ہے جنہیں معجزات سے نوازا گیا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کی اور اخلاص اختیار کرنے کا حکم دیا، اور اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک دونوں چیزیں اس میں نہ پائی جائیں یعنی وہ کام شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا اس میں اخلاص پایا جائے۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: موت کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ حسن بصری اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اس نے پہلے دنیا میں پیدا کیا اسی طرح قیامت کے دن تم زندہ ہو کر لوٹو گے۔ قتادہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ پہلے اس نے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے، پھر مر گئے پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا اسی طرح وہ دوبارہ لوٹائے گا۔ اس معنی کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعظ ونصیحت میں فرمایا: "تمہیں برہنہ پا، برہنہ جسم اور غیر مختون اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء: 104)(1)۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر اٹھایا جائے گا۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جس طرح تقدیر میں لکھا جا چکا ہے یا جیسا تمہارا علم تھا۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جس کی تخلیق شقاوت پر ہوئی تو اس کا انجام بھی شقاوت پر ہوگا اگرچہ وہ نیک اعمال کرتا رہے۔ اور جس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اسی سعادت پر ہی اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ برے اعمال کرتا رہا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگر ساری عمر برے کام کرتے رہے لیکن انجام بہت سعید ہوا(2)۔ سدی كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح تخلیق کے بعد دو فریق (ہدایت یافتہ اور گمراہ) بن گئے اسی طرح لوٹو گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مومن پیدا کیا اور کسی کو کافر جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن: 2) "وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں"۔ جس طرح کافر یا مومن پیدا کیا اسی طرح وہ انہیں لوٹائے گا۔ اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک جب اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کی دوری رہ جاتی ہے تو اس پر نوشتہ تقدیر غالب آ جاتا ہے تو وہ دوزخیوں جیسے عمل شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ دوزخی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ جنتیوں کے سے اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے اس طرح وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے"(3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں جنتیوں جیسے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور کوئی آدمی لوگوں کی نظروں میں دوزخیوں کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اعمال کا دارومدار تو خاتمہ پر ہے"(4)۔ ایک اور حدیث میں

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 6 صفحہ 69، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 157
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 156-157
3۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152
4۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 155
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2206 سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1414

آتا ہے: ''ہر شخص کو اسی کیفیت میں اٹھایا جائے گا مرتے وقت جیسا تھا'' (5)۔ اس حدیث کے درمیان اور اس آیت: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:30) ''پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے''۔ اور ان احادیث کے درمیان تطبیق ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں'' (1)۔ اور صحیح مسلم کی حدیث ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن شیاطین انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں'' (2)۔ تو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان اور مذکورہ آیت اور احادیث کے درمیان تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے پیدا کیا کہ وہ مومن ہوں کیونکہ فطرت میں ایمان، توحید اور اس بات کا علم رکھ دیا گیا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جیسا کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا عہد لیا، یہ چیز فطرت کے اندر رکھ دی۔ اس کے باوجود تقدیر میں یہ لکھ دیا کہ ان میں کچھ مومن ہوں اور کچھ کافر، کچھ سعادت مند اور کچھ بد بخت۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ حدیث میں آتا ہے: لوگ صبح اٹھتے ہیں اور اپنے آپ کا سودا کرتے ہیں، کچھ تو خود کو رہائی دلا لیتے ہیں اور کچھ خود کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں'' (3)۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہر حال میں مخلوق میں نافذ ہونے والی ہے۔ کیونکہ وہی وہ ذات ہے: وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ:3) ''اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے راہ دکھائی''۔ الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:50) ''جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی''۔ صحیحین کی حدیث ہے: ''جو تم میں سے اہل سعادت میں سے ہو اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت میں سے ہو اس کے لئے ان جیسے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں'' (4)۔ اس لئے فرمایا: فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ اس کی علت یہ بیان فرمائی: اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس میں ان لوگوں کی غلطی پر واضح دلیل ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ یا غلط عقیدہ پر عذاب نہیں دے گا جب کہ اسے اپنے عقیدہ اور عمل کے صحیح ہونے کا کامل یقین ہو، عذاب صرف اسی کو ہو گا جو یقینی علم کے باوجود اپنی گمراہی پر بضد رہے اور عناد پر اصرار کرے۔ ان لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں ہے کیونکہ اگر یہ واقعی اسی طرح ہوتا تو اس فریق کے درمیان جو گمراہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہدایت یافتہ گمان کرتا ہے اور اس فریق کے درمیان جو واقعتاً ہدایت یافتہ ہے، کوئی فرق نہ ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں فریقوں کے الگ الگ نام بھی لئے ہیں اور ہر ایک کا حکم بھی بیان فرمایا ہے (5)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

''اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو''۔

1۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 245-246، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2197
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ 203
4۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 120 صحیح مسلم، کتاب القدر 2039-2040
5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 159

اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کا رد ہے جو مادرزاد برہنہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتے تھے، مرد دن کے وقت اور عورتیں رات کو ایسا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے لباس زیب تن کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ "زِیْنَةَ" کا معنی یہاں لباس ہے اور لباس سے مراد وہ ہے جو شرمگاہ کو ڈھانپ لے، اسی طرح عمدہ کپڑے اور دوسرا (زیب وزینت کا) سامان بھی لباس میں شامل ہے، تو یہاں ہر نماز کے وقت لباس پہننے کا حکم دیا جارہا ہے (1)۔ متعدد ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے برہنہ ہو کر طواف کرنے کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ یہ آیت جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی حدیث شریف کے پیش نظر ہر نماز کے وقت زیب وزینت کرنا اور اپنے آپ کو سنوارنا مستحب ہے، خصوصاً یوم جمعہ اور یوم عید کو، اور بہتر ہے کہ خوشبو لگائی جائے کیونکہ یہ بھی زینت ہے، اسی طرح مسواک کی جائے کیونکہ یہ نظافت کا ذریعہ ہے۔ سب سے افضل لباس سفید لباس ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفید کپڑے پہنو، کیونکہ یہی سب سے اچھے کپڑے ہیں، اسی میں اپنے مردوں کو کفن پہناؤ۔ سب سے بہترین سرمہ اثمد ہے، یہ بصارت کو تیز کرتا ہے اور بال اگاتا ہے" (2)۔ حضرت تمیم الداری نے ایک ہزار درہم میں ایک چادر خریدی۔ اسے اوڑھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اس نصف آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب جمع فرمادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو لیکن دو خصلتوں سے احتراز ضروری ہے: اسراف اور تکبر (3)۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور نمود وغرور کے، اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھے (4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "بغیر فضول خرچی اور نمود کے کھاؤ، صدقہ کرو اور پہنو" (5)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن کوئی نہیں بھرا، ابن آدم کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں۔ اگر وہ (مزید) کھانا ہی چاہتا ہے تو (خیال رکھے کہ) ایک تہائی پیٹ غذا کے لئے ہو، ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے چھوڑ دے" (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسراف یہ ہے کہ تو طلب سے زیادہ کھائے" (7)۔ سدی کہتے ہیں کہ جو لوگ ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے وہ حج کے دنوں میں چربی اپنے اوپر حرام کرلیا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی تحریم میں زیادتی نہ کرو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دیئے ہوئے رزق میں سے کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم "لَا تُسْرِفُوْا" کا معنی بیان کرتے ہیں کہ حرام نہ کھاؤ کیونکہ یہ اسراف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ کھانے پینے میں اسراف نہ کرو۔ ابن جریر کہتے ہیں "مُسْرِفِيْنَ" بمعنی "مُعْتَدِيْنَ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو حلال وحرام کے معاملہ میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور حرام کو حلال جان کر اور حلال کو حرام کر کے غلو کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو صرف یہی بات پسند ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2320 وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 51، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 247 وغیرہ
3۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 182
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 182
5۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 79
6۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 7 صفحہ 51، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 132
7۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 154

جائے اور حرام کردہ چیزوں کو حرام۔ یہی وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے(1)۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

''آپ فرمایئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لئے اور (کس نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے، آپ فرمایئے یہ چیزیں ایمان والوں کے لئے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی (اور) صرف انہیں کے لئے ہیں قیامت کے روز، یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتوں کو ان لوگوں کے لئے جو (حقیقت) کو جانتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کا رد فرما رہا ہے جو از خود بغیر کسی شرعی حکم کے کھانے، پینے یا پہننے کی کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ فرمایا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ...... یعنی اے محبوب! آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اپنی آراء فاسدہ اور بدعت سیئہ کے باعث از خود ہی چیزوں کو حرام قرار دے رہے ہیں کہ کس نے اللہ کی عطا کردہ زینت کو حرام کیا ہے۔ اس زینت کو تو اس نے اس دنیا میں اپنے عبادت گزار مومن بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اگرچہ یہاں مشرکین بھی اس میں شریک ہیں لیکن قیامت کے دن یہ نعمتیں صرف اور صرف ان مومنوں کے لئے ہوں گی جن میں کوئی بھی کافر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا کیونکہ جنت کفار پر حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرب برہنہ حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرتے تو اس وقت مذکورہ آیت اتری جس میں کپڑے پہن کر طواف کا حکم ہوا(2)۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

''آپ فرمایئے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہو''۔

مسند امام احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں، اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور باطنی بے حیائی کی باتوں کو حرام کر دیا ہے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح محبوب ہو''(3)۔

اَلْفَوَاحِشَ کے متعلق بحث سورۂ انعام میں گزر چکی ہے(4)۔

سدی کہتے ہیں کہ ''اِثْم'' سے مراد معصیت اور ''بَغْی'' سے مراد لوگوں پر ناحق زیادتی کرنا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اِثْم'' سے مراد تمام گناہ ہیں اور ''بَغْی'' کا معنی ہے اپنے اوپر زیادتی کرنا۔ سارے معانی کا حاصل یہ ہے کہ ''اِثْم'' سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق فاعل کی ذات کے ساتھ ہو اور ''بَغْی'' سے مراد وہ ظلم اور زیادتی ہے جو دوسرے لوگوں تک تجاوز کر جائے۔ دونوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 162 2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 13
3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 147، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2113، وغیرہ 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 151

اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ..... یہ بھی حرام ہے کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگو کہ اس کی اولاد ہے یا اس طرح کی اور باتیں کرنے لگو جن کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں، یہ بھی حرام ہے، ارشاد ہوتا ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30) ''پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے''۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

''اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، سو جب آ جائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اے اولاد آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ معین وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کے لئے بھی تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو متنبہ کیا کہ عنقریب تمہارے پاس رسول آئیں گے جو تمہیں ہماری آیات سنائیں گے۔ پھر ترغیب و ترہیب دلاتے ہوئے فرمایا: فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ..... یعنی جس نے تقویٰ اختیار کیا، محرمات کو ترک کر دیا اور اپنی اصلاح کر کے اطاعت خداوندی میں مصروف ہو گیا تو اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم۔ لیکن جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان پر عمل پیرا ہونے سے تکبر کرتے رہے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو، انہیں مل جائے گا ان کا حصہ جو ان کی قسمت میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے جو قبض کریں گے ان کی روحوں کو تو (ان سے) کہیں گے کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا، کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے نفسوں پر کہ وہ کافر تھے''۔

اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگائے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عوفی کہتے ہیں کہ ان کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو اچھا عمل کرے گا اس کے نصیب میں اس کی جزا بھی اچھی ہو گی اور جو برائی کرے گا اسے بدلہ بھی ایسا

ہی ملے گا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس خیر و شر کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا وہ پائیں گے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عمل، رزق اور عمر ہے یہ قول معنی اور سیاق کے لحاظ سے قوی ہے۔ اور یہ فرمان: حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اس آیت کے ساتھ معنی میں مماثلت رکھنے والی یہ آیات بھی ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے'' ۔ وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا یَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ..... (لقمان: 24-23) '' اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر۔ ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے..... '' ۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ ملائکہ جب ان مشرکین کی ارواح کو قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو انہیں موت کے وقت ڈرائیں گے، پھر ارواح کو قبض کرنے کے بعد انہیں دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور انہیں کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود، دنیا میں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اور انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ اب انہیں بلاؤ تا کہ وہ تمہیں دوزخ سے رہائی دلوائیں۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے روپوش ہو گئے ہمیں ان سے کسی نفع یا خیر کی امید نہیں۔ وہ اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے اور یہ اعتراف کر لیں گے کہ وہ کفر کرتے رہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹

'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ)، جب بھی داخل ہو گی کوئی امت وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب امتیں۔ تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے متعلق اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی امتیں پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین سے جو افتراء پردازی کرتے رہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے رہے، فرمائے گا: ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ ..... یعنی تم اپنے جیسی اور اپنی ہی صفات کی حامل جن و انس کی ان قوموں اور امتوں میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزریں۔ ان میں شامل ہو کر جہنم کی راہ لو۔ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ '' فِیْۤ اُمَمٍ '' سے بدل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ '' فِیْۤ اُمَمٍ '' میں '' فِیْ '' بمعنی '' مَعَ '' ہو۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (العنکبوت: 25) ''پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر''۔ اور جیسا کہ یہ ارشاد ہے: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرۃ: 67-1661) ''جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے) اعمال کہ باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لئے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے''۔

حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا...... جب وہ تمام دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والے پیروکار اپنے ان متبوعین کے بارے میں کہیں گے جن کا جرم ان پیروکاروں سے زیادہ شدید اور بھیانک تھا اور وہ ان سے پہلے جہنم رسید ہو چکے ہوں گے، یہ پیروکار روز قیامت اللہ تعالیٰ سے اپنے متبوعین کا شکوہ کریں گے کہ وہی ان کی گمراہی کا سبب بنے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دوگنے عذاب کی فرمائش کریں گے: رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (الاحزاب: 67-66) ''جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے''۔

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے اور ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا ہو گی جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا (النحل: 88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب''۔ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ''۔ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) ''اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے''۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ..... یعنی متبوعین اپنے متبعین سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں جس طرح ہم گمراہ تھے اسی طرح تم نے بھی گمراہی اختیار کی۔ اس لئے اب تم بھی اپنے اعمال بد کا مزہ چکھو۔ ان کی یہ حالت ایسی ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے، میدان محشر میں اس صورت حال سے دوچار ہوں گے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ

جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سبا:33-31) ’’کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے‘‘۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

’’بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو۔ ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو‘‘۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ نہ تو ان دروازوں سے ان کا کوئی عمل صالح بلند ہوتا ہے اور نہ کوئی دعا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے روح فاجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے فاجر کی روح قبض کرنے کے بعد اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ آسمان تک جب اسے لیکر پہنچتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے گزر ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ فرشتے اس کا سب سے زیادہ قبیح نام جس کے ساتھ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، لیکر بتائیں گے کہ یہ فلاں ہے، حتیٰ کہ وہ اس روح خبیثہ کو لیکر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر آپ ﷺ نے اسی آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کی تلاوت کی۔ یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب سے مکمل روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ قبر تک پہنچے تو لحد ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ وہاں بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے، ہم ایسے خاموش تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ’’عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو ... دو یا تین مرتبہ ایسا کہا۔ پھر فرمایا: جب مومن دنیا سے لاتعلق ہو کر آخرت کا رخ کرتا ہے تو آسمان سے اس پر اس قدر روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں گویا کہ ان کے چہرے سورج ہیں۔ وہ جنت کا کفن اور جنت کی ہی خوشبو لئے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ تاحد نظر فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آ کر بیٹھ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 239، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 78، سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 494

جاتا ہے اور کہتا ہے: اے نفس مطمئنہ! مغفرت خداوندی اور رضائے الٰہی کی طرف چل۔ یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح نکل پڑتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کے قطرے بہنے لگتے ہیں۔ روح نکلتے ہی ملک الموت اسے لے لیتا ہے اور پلک جھپکنے کی دیر بھی فرشتے اس روح کو نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اسے جنتی کفن پہنا دیتے ہیں اور جنتی خوشبو لگاتے ہیں۔ یہ کستوری کی ایسی عمدہ خوشبو ہوتی ہے جو روئے زمین پر بہترین ہوسکتی ہے، پھر فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے بھی گزر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے۔ فرشتے اس کا خوبصورت اور محبوب نام ذکر کر کے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ اس روح کو لیکر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں۔ اس روح کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے فرشتے اسے اگلے آسمان تک رخصت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک اس روح کو لیکر جا پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کا نامہ اعمال علیین میں درج کرلو اور اسے واپس زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاتا ہوں اور اسی سے پھر زندہ کر کے نکالوں گا۔ اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہیں جنہیں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے کہ یہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ تمہارا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی تھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اب آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا بستر تیار کرو، جنت کا اسے لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو تا کہ جنت کی خوشبو اس تک پہنچتی رہے اور اس کی قبر تا حد نظر کشادہ ہو جاتی ہے۔ ایک خوبصورت خوش لباس مہکتی خوشبو والا آدمی اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں مبارک ہو، آج وہ وعدہ پورا کیا جاتا ہے جو دنیا میں تیرے ساتھ کیا جاتا رہا۔ وہ پوچھے گا کہ تم بھلائی لانے والے کون ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں۔ تو صاحب قبر کہے گا: اے رب! قیامت قائم کر دے، اے رب! اسی وقت قیامت لے آ تا کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ آؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب ایک کافر دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کا رخ کرتا ہے تو اس پر نہایت سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ تا حد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خبیث روح! غضب الٰہی کی طرف نکل کر چل۔ لیکن وہ روح جسم کے اندر بکھر جاتی ہے تو ملک الموت اسے اس طرح کھینچتا ہے جس طرح سیخ بھیگی ہوئی اون سے نکالی جاتی ہے۔ فرشتے اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور ذرا دیر کے لئے بھی اسے نہیں چھوڑتے۔ یہاں تک کہ اسے ٹاٹ کے اندر لپیٹ لیتے ہیں، اس سے مردار کی سی سخت بدبو نکلتی ہے، فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کیا ہے؟ وہ اس کا انتہائی قبیح نام لیکر بتاتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے یہاں تک کہ اسے آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں لیکن آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سب سے نچلی زمین کے نیچے سجین میں رکھ دو۔ اور اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: 31)'' اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں''۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: افسوس! مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے وہ ہائے ہائے کرتا کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہیں جو تم میں مبعوث ہوئے۔ وہ اظہار تاسف کرتے ہوئے جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ چنانچہ آسمان سے ندا آتی ہے کہ اس بندے نے جھوٹ بولا۔ اس کے لئے دوزخ کا فرش تیار کرو اور جہنم کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول دو تا کہ اس کی حرارت اور باد سموم اس کی طرف آتی رہے۔ اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں پھنس جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس انتہائی بدصورت، بدلباس اور بدبودار شخص آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تجھے ناخوشگوار چیز کی بشارت ہو۔ آج تمہیں وہی ملنے والا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ پوچھے گا کہ شر کی خبر لانے والا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ تو صاحب قبر کہے گا کہ اے رب! قیامت قائم نہ کرنا (تا کہ دوزخ سے بچ جاؤں)(1)۔

ایک اور روایت میں مذکورہ حدیث کے علاوہ یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''جب مومن کی روح نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے تمام فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر دروازے کے فرشتوں کی یہ دعا ہوتی ہے کہ اس کی روح بلند ہوتی رہے۔ کافر کی روح پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو اندھا، گونگا اور بہرہ ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایسا گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اسے مارا جاتا ہے تو وہ مٹی بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ اسے پہلی شکل پر لے آتا ہے۔ پھر ایک اور ضرب لگتی ہے تو وہ چیخ اٹھتا ہے جسے سوائے جن و انس کے ہر مخلوق سنتی ہے۔ اب جہنم کا دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے اور آگ کا بچھونا اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے''(2)۔ قریب قریب ایسی ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(3)۔ ابن جریج اس ارشاد: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے بارے میں کہتے ہیں کہ نہ ان کے اعمال بلند ہونے کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ان کی ارواح کے لئے۔

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ یعنی جس طرح سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ ''جَمَلُ'' کا معنی اونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اسے ''جُمَّل'' (جیم مضموم اور میم مشدد) پڑھتے۔ موٹے رسے کو ''جُمَّل'' کہتے ہیں۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ...... ان کا بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوڑھنا بھی۔ ان ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 288-287 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 296-295

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1423-1424، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 365-364

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے وہ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور ہم نکال لیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اور کہیں گے ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ بے شک آئے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ۔ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔''

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب سعادت مندوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے اور اپنے اعضاء سے نیک اعمال کرتے رہے۔ یہ ان لوگوں کے برعکس ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور تکبر کی وجہ سے ان سے منحرف رہے۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ایمان اور عمل دشوار نہیں بلکہ بہت سہل ہیں اس لئے فرمایا: لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ...۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ''غِلٍّ'' کا معنی ہے حسد اور بغض۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مومنین آگ سے نجات پا جائیں گے تو انہیں جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا۔ وہاں دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ان کے باہمی مظالم کا تصفیہ ہوگا، جب ان کے دل (رنجشوں اور کدورتوں سے) پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آدمی کو جنت میں اپنی منزل دنیاوی مسکن کی نسبت زیادہ سہل محسوس ہوگی''(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ جنتیوں کو جب جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ جنت کے دروازے پر ایک درخت پائیں گے جس کے نیچے دو چشمے رواں ہوں گے۔ وہ ایک چشمہ سے پانی پئیں گے تو ان کے دلوں کی ساری کدورت جاتی رہے گی۔ یہی شراب طہور ہے۔ دوسرے چشمہ سے وہ غسل کریں گے تو نعمتوں کی شگفتگی اور تازگی ان کے چہروں پر ظاہر ہو جائے گی، پھر نہ کبھی ان کے بال پراگندہ ہوں گے اور نہ رنگ متغیر ہوگا(2)۔ اس قسم کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ جس کا ذکر اس آیت وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (الزمر:73) ''اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ''۔ کے تحت ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ آپ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ آیت ہم اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر جنتی کو دوزخ کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میرا یہی ٹھکانا ہوتا۔ پھر اس پر شکر ادا کرتا ہے۔ اور ہر دوزخی کو جنت کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نصیب کر دیتا تو یہ ٹھکانا میرا ہوتا۔ تو یہ چیز اس کے لئے حسرت کا باعث بن جاتی ہے''(4)۔ اس لئے اہل جنت کو ندا دی جائے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے۔ یہ تمہارے اچھے اعمال کا بدلہ ہے۔ اعمال صالحہ کی ہی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی اور جنت میں جلیل القدر مقام تمہیں حاصل ہوا اور تم نے حسب اعمال اپنا اپنا مرتبہ پا لیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہے جس کے باعث تم جنت کے مستحق ٹھہرے ورنہ صرف اعمال جنت کا مستحق

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 167-168 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 183 4۔ سنن نسائی، ابن مردویہ

نہیں بناتے۔ اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوب جان لو، تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکتا''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا، میں بھی نہیں، ہاں اس صورت میں جب اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت اور فضل وکرم فرمادے''(1)۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

''اور آوازیں گے جنتی دوزخیوں کو بے شک ہم نے پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں''۔

جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنتی انہیں بطور سرزنش اور زجر وتوبیخ یہ ندا دیں گے کہ ہم نے تو اس وعدہ کو سچا پایا جو ہمارے رب نے ہمارے ساتھ کیا تھا، کیا تمہارے ساتھ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا، تم نے سچا پایا، یہاں ''اَنْ'' مفسرہ ہے اور یہ قول محذوف کی تفسیر بیان کر رہا ہے اور قد تحقیق کے لئے آیا ہے۔ تو کافر جواب دیں گے کہ ہاں۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں اس شخص کے متعلق فرمایا جس کا کوئی کافر ساتھی تھا: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (الصافات: 59-54) ''پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! تو تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا۔ اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا''۔ یعنی یہ مومن اپنے کافر رفیق کی بات جو وہ دنیا میں کہا کرتا تھا، ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا اور اسے اس پر سرزنش کرے گا، اسی طرح ملائکہ بھی دوزخیوں کو سرزنش کرتے ہوئے کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور: 16-14) ''(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو کا (کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کفار کو اس طرح ندا دی تھی: ''اے ابوجہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ...... آپ ﷺ نے سب سرداران قریش کا نام لیکر فرمایا۔ تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا؟ میرے ساتھ جو میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا، میں نے تو اسے سچا پایا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرمارہے ہیں جو مرچکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو میں کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 123-122 صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار 2169

جواب نہیں دے سکتے"(1)۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ .... ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالموں اور کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں اللہ کے رستے اور انبیاء کی شریعت سے لوگوں کو روکتے ہیں اور ان کی شدید خواہش ہے کہ صراط مستقیم ٹیڑھا اور غیر مستقیم ہو جائے تاکہ کوئی بھی اس کی اتباع نہ کرے، مزید برآں ان ظالموں کا آخرت پر بھی کوئی ایمان نہیں۔ قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ انہیں نہ حساب کتاب کا خطرہ ہے اور نہ جہنم کا خوف، اسی وجہ سے یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ برائیوں کے ارتکاب سے ڈرتے ہیں، یہ بہت ہی برے لوگ ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ"۔

اہل جنت اور اہل نار کی باہمی گفتگو کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آڑ ہوگی جو دوزخیوں کو جنت تک پہنچنے سے روکے گی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس "حِجَابٌ" (پردہ) سے مراد سور (دیوار) ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے: فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (الحدید:13) "پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا"۔ اور "اَعْرَاف" بھی یہی ہے جس کے بارے میں فرمایا: وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ۔ سدی کہتے ہیں کہ "حِجَابٌ" سے مراد سور ہے اور یہی "اَعْرَاف" ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف" سے مراد "حِجَابٌ" (پردہ) ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے۔ سور اس کا دروازہ ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف" "عُرْف" کی جمع ہے۔ ہر بلند جگہ کو "عُرْف" کہتے ہیں۔ مرغ کی کلغی کو بلند ہونے کی وجہ سے "عُرْفُ الدِّيْكِ" کہتے ہیں(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "اَعْرَاف" سے مراد ہر بلند اور نمایاں چیز ہے اور یہاں اس کا معنی ہے مرغ کی کلغی کی طرح بلند دیوار۔ ایک اور روایت میں یہ معنی آپ سے منقول ہے کہ "اَعْرَاف" جنت اور دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے، گنہگاروں کو یہاں روکا جائے گا۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ "اعراف" جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار کو کہا جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف" کی وجہ تسمیہ یہ ہے اہل اعراف لوگوں کو پہچان لیں گے۔ اصحاب اعراف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کی تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں لیکن معنی ومفہوم کے لحاظ سے قریب قریب

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 97-98، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2203
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 413

ہیں یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ مساوی ہوں گے۔ حضرات ابن عباس، حذیفہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے سلف اور خلف کا یہی قول ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی تو اصحاب اعراف ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن اس کی خواہش ضرور رکھیں گے''(1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی، نیز اصحاب اعراف کے متعلق بھی دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکلے اور قتل ہو گئے۔'' ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کی نافرمانی کے ساتھ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے۔ والدین کی نافرمانی انہیں دخول جنت سے مانع ہو گی اور اللہ کی راہ میں جہاد انہیں دوزخ سے مانع ہوگا''(2)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں اصحاب اعراف کے متعلق یہ آتا ہے: ''یہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ مساوی تھے۔ ان کے گناہوں نے انہیں جنت میں جانے سے روکے رکھا اور ان کی نیکیاں انہیں دوزخ سے باز رکھنے کا سبب بنیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کرنے تک یہاں دیوار پر ٹھہرے رہیں گے(3)۔ شعبی کہتے ہیں کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن اور ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان اصحاب اعراف کے متعلق حقیقت کے برعکس گفتگو کر رہے تھے میں نے انہیں کہا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دیتا ہوں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اصحاب اعراف کے متعلق ذکر کی ہے۔ انہوں نے کہا: ضرور بتائیں۔ میں نے جواب دیا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں آگ سے خلاصی کا سبب بنیں اور جن کے گناہوں نے جنت سے انہیں باز رکھا۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ...... وہ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگتے رہیں گے، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ ان پر جلوہ فرما ہوگا اور انہیں فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب لیا جائے گا جس کی ایک نیکی بھی (گناہوں سے) بڑھ گئی وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کا (نیکیوں کی نسبت) ایک گناہ بھی زیادہ ہوا وہ دوزخ میں داخل ہوگا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (المومنون:102) ''البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے'' والی دو آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا: میزان تو ایک دانہ کی مقدار کے فرق سے بھی اوپر اٹھ جائے گا اور نیچے جھک جائے گا۔ جس کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوئیں وہ اصحاب اعراف میں سے ہے۔ انہیں پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ وہاں یہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچان لیں گے۔ جب جنتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں ندا دیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اور جب ان کی نظریں بائیں جانب پھیری جائیں گی تو اہل نار کو دیکھ کر کہیں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ وہ ان کی منازل سے اللہ کی پناہ مانگیں گے۔ اصحاب حسنات کو نور عطا کیا جائے گا، سامنے بھی نور ہوگا اور دائیں جانب بھی، اس کی رہنمائی میں وہ چلیں گے۔ ہر بندے کو بھی نور عطا کیا جائے گا اور ہر امت کو بھی۔ جب یہ پل صراط پر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر منافق مرد اور عورت سے نور سلب کر لے گا۔ جب اہل جنت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے تو کہیں گے: رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم:8) ''اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور''۔ لیکن اصحاب اعراف کا نور ان کے سامنے ہوگا، ان سے نور نہیں چھینا جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ طمع اور خواہش یہی ہوگی کہ انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا

1۔ ابن مردویہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 193 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 190

جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب کوئی نیکی کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب کوئی برائی کرتا ہے تو صرف ایک ہی لکھی جاتی ہے۔ وہ شخص برباد ہوا جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آ گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ اصحاب اعراف یہاں ٹھہرے ہوئے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا تو انہیں ایک نہر کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام نہر حیات ہے، اس کے کنارے سونے کے ہیں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں اور اس کی مٹی کستوری ہے۔ انہیں اس نہر میں غسل دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے بدن درست ہو جائیں گے اور ان کی گردنوں پر ایک سفید روشن (تل جیسا) نشان ظاہر ہوگا جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اصحاب اعراف ہیں۔ جب ان کے رنگ شگفتہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جس چیز کی تمنا ہو مانگ سکتے ہو۔ وہ اپنی خواہش ظاہر کریں گے۔ جب ان کی خواہش پوری ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ تمہاری تمنا پوری ہوئی اور اس کی مثل ستر گنا زیادہ تمہیں عنایت کیا جاتا ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے لیکن وہ سفید نشان ابھی جوں کا توں ان کی گردنوں پر موجود ہوگا جس سے وہ پہچانے جائیں گے اور انہیں مساکین اہل جنت کا نام دیا جائے گا(1)۔ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا سب سے آخر میں فیصلہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکے گا تو اصحاب اعراف سے فرمائے گا کہ تم ایسے لوگ ہو کہ تمہاری نیکیوں نے تمہیں دوزخ سے بچالیا ہے لیکن وہ تمہیں جنت کا مستحق نہ بنا سکیں۔ تم میرے آزاد کردہ ہو۔ جاؤ، جہاں چاہو جنت میں عیش کرو''۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اصحاب اعراف سے مراد ناجائز پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جنات کو بھی ثواب وعقاب ہوگا۔ صحابہ نے ان کے ثواب اور ان کے مومنین کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جنات اعراف پر ہوں گے۔ یہ امت محمد ﷺ کے ساتھ جنت میں نہیں ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اعراف کیا ہے؟ فرمایا: یہ جنت کی ایک دیوار ہے جس میں نہریں جاری ہیں اور اس میں درخت اور پھل بھی اگتے ہیں(2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اصحاب اعراف صلحاء فقہاء اور علماء لوگ ہیں(3)۔ ابومجلز آیت کریمہ وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اہل جنت اور اہل نار کو پہچانتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ... اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اور جب جنتی جنت میں داخل کئے جائیں گے تو کہا جائے گا: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ یہ قول بہت غریب ہے اور ظاہر سیاق کے بھی خلاف ہے، اسی طرح مجاہد کا قول بھی غرابت سے خالی نہیں ہے۔ بہرصورت جمہور کا قول مقدم ہے اور اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ قرطبی وغیرہ نے اصحاب اعراف کے بارے میں بارہ اقوال نقل کئے ہیں۔(4) کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد صلحاء ہیں، کسی کے نزدیک انبیاء اور کسی کے نزدیک ملائکہ۔

يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اہل جنت کو چہروں کی سفیدی سے اور اہل نار کو چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام اس لئے دیا ہے تا کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچان لیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 191 — 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 465

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 193 — 4۔ تفسیر قرطبی، جلد 7 صفحہ 211

وہ دوزخیوں کو چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے اور اللہ سے پناہ مانگیں گے کہ وہ انہیں اس ظالم قوم میں سے نہ بنائے۔ یہاں وہ اہل جنت کو سلام کہیں گے۔ خود وہ اگرچہ جنت میں داخل نہیں ہوئے لیکن اس کی خواہش ضرور رکھتے ہیں اور وہ انشاء اللہ اس میں داخل ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ طمع اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعے ان کی تکریم مقصود ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی خواہش سے آگاہ فرمادیا ہے۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ .... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اہل اعراف دوزخیوں کو دیکھیں گے اور انہیں پہچان لیں گے تو دعا کریں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ جب دوزخی ان کے پاس سے گزریں گے تو وہ دعا کریں گے (1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ دوزخیوں کو دیکھنے کے باعث ان کے چہرے جھلس جائیں گے۔ پھر جب وہ اہل جنت کو دیکھیں گے تو یہ یہ چیز جاتی رہے گی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ وہ دوزخیوں کے چہروں کو سیاہ اور آنکھوں کو نیلا دیکھیں گے تو اللہ کے حضور دعا کریں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

”اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے (انہیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس ساز وسامان نے) جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے۔ (اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے۔ (دیکھو! انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے“۔

قیامت کے دن اہل اعراف مشرکین کے زعماء اور قائدین کو دوزخ میں ان کی علامات سے پہچان کر انہیں ملامت اور سرزنش کریں گے اور کہیں گے کہ تمہاری کثرت اور جمعیت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، بلکہ تمہارا انجام یہی ہوا کہ تمہیں عبرتناک عذاب میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کیا یہ (اہل اعراف) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم (اے مشرکین!) یہ قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا، ذرا دیکھو تو، انہیں تو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو رہا ہے: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اصحاب اعراف کا اہل جنت اور اہل نار سے مکالمہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ مالدار متکبرین (کفار) سے فرمائے گا: اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ ...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کے اعمال برابر ہوں گے۔ نیکیاں انہیں جہنم سے مانع ہوں گی اور برائیاں جنت میں داخل ہونے سے رکاوٹ بن جائیں گی۔ انہیں اعراف پر ٹھہرایا جائے گا جہاں یہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو ان کی علامات سے پہچان لیں گے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکے گا تو انہیں طلب شفاعت کا اذن ہوگا۔ چنانچہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اس لئے اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کریں۔ وہ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سوا کسی کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہو،

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 197

اس میں اپنی روح پھونکی ہو، اس کے معاملہ میں اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہو اور ملائکہ نے سجدہ کیا ہو؟ سب کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ اس کے باوجود میں اللہ تعالیٰ کی کنہہ اور حقیقت سے آگاہ نہیں۔ میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا، لیکن تم میرے بیٹے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ سب اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آجائیں گے اور شفاعت کا سوال کریں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بنایا ہو اور میرے سوا کسی کو اس کی قوم نے اللہ کی رضا کے لئے آگ میں ڈالا ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ پھر بھی میں کنہ ذات باری سے واقف نہیں ہوں، میں تمہاری سفارش نہیں کر سکتا، البتہ تم میرے بیٹے موسیٰ کی طرف جاؤ۔ وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ وہ فرمائیں گے کہ کیا کوئی میرے سوا ہے جس کے ساتھ اللہ نے باتیں کی ہوں اور اپنا قرب بخشا ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ اس کے باوصف میں نہ تو حقیقت خداوندی سے آگاہ ہوں اور نہ میں تمہاری سفارش کر سکتا ہوں، لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر شفاعت کی درخواست کریں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہو؟ کیا کوئی ایسا ہے جس نے میرے سوا اللہ کے اذن سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو صحت یاب کیا ہو اور مردوں کو زندہ کیا ہو؟ جواب دیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ میں کنہ خداوندی سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہی میں تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔ لیکن تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پھر میری خدمت میں حاضر ہوں گے میں اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر مار کر کہوں گا: ''أَنَا لَهَا'' (میں ہی اس کا اہل ہوں)۔ پھر میں عرش الٰہی کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد وثناء کی توفیق عطا فرمائے گا کہ ایسی ثنا کسی نے نہ سنی ہوگی۔ پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پھر اپنے رب کی حمد وثناء کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے فرمائے گا: اپنا سر اٹھاؤ، مانگو، تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ اے پروردگار! میری امت کی مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بخش دیا، یہ آپ ﷺ کی مرضی پر موقوف ہیں۔ اس مقام کو دیکھ کر ہر نبی اور ہر فرشتہ مجھ پر رشک کرے گا۔ یہی مقام محمود ہے۔ اب میں انہیں لیکر جنت کی طرف آؤں گا اور جنت کا دروازہ کھلواؤں گا۔ میرے لئے اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ انہیں ایک نہر کی طرف لے جایا جائے گا جسے نہر حیوان کہا جاتا ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتیوں سے مرصع ہوں گے، اس کی مٹی کستوری ہوگی اور کنکر یاقوت کے ہوں گے اس نہر میں یہ لوگ نہائیں گے تو ان کے رنگ جنتیوں کے سے ہو جائیں گے اور اہل جنت کی سی خوشبو سے معطر ہو جائیں گے گویا کہ وہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں لیکن ان کے سینوں پر سفید نشانات باقی رہیں گے جن سے ان کی پہچان ہو گی، انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا(1)۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 199-200

يَجْحَدُوْنَ ۝۵۰

''اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر جنہوں نے بنالیا تھا اپنے دین کو کھیل اور تماشہ اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا انہیں دنیا کی زندگی نے سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے''

اللہ تعالیٰ دوزخیوں کی ذلت سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ وہ جنتیوں سے طعام وشراب کا سوال کریں گے لیکن وہ انہیں کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ سے بھائی سے کہے گا کہ میں تو اس آگ میں جل بھن گیا، تھوڑا سا پانی مجھ پر بہا دو تو جواب ملے گا: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین صدقہ پانی ہے، کیا تم نے نہیں سنا کہ اہل نار اہل جنت سے پانی کی فریاد کریں گے، کہیں گے: اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ...... ابوصالح سے روایت ہے کہ جب جناب ابوطالب بیمار ہوئے تو لوگوں نے انہیں کہا کہ تم اپنے بھتیجے سے کہو کہ وہ تمہیں جنتی انگوروں کا ایک خوشہ منگوا دیں، شاید اس سے شفا ہو جائے۔ قاصد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کفار صرف دنیاوی زندگی میں ہی یقین رکھتے ہیں۔ دین کو انہوں نے کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دنیا، اس کی زیب وزینت اور آرائش سے اس قدر فریب کھائے ہوئے ہیں کہ آخرت کی انہیں کوئی فکر ہی نہیں۔ آخرت کا سامان کرنے سے یہ بالکل غافل ہیں۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ......... یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جو فراموش کئے گئے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھول جائے، اس کے علم سے تو کوئی چیز مخفی نہیں جیسا کہ فرمایا: فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ:52) ''جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے''۔ آیت کریمہ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا میں یہ بطور مقابلہ ومشاکلہ کہا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبۃ:67) ''انہوں نے بھلا دیا ہے اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں''۔ اور فرمایا: كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (طٰہٰ:126) ''اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا''، وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیۃ:34) ''اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کرنے کو فراموش کر دیا ہے اور انہیں عذاب دینا فراموش نہیں کیا۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم بھی انہیں اسی طرح ترک کر دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو ترک کئے رکھا۔ مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم انہیں آگ میں چھوڑ دیں گے۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم انہیں اپنی رحمت سے ترک کر دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کے لئے اعمال کو ترک کئے رکھا۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا: کیا میں نے تمہیں بیوی نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے تم پر اپنا کرم نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے لئے گھوڑے، اونٹ اور مویشی مسخر نہیں کئے تھے، تو سرداری کرتا تھا اور خوشحال زندگی بسر کرتا تھا، وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یقین تھا کہ تیری میرے ساتھ ملاقات

ہوگی؟ وہ کہے گا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج میں بھی تمہیں اسی طرح فراموش کرتا ہوں جس طرح تم نے مجھے بھلائے رکھا(1)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

"اور بیشک لے آئے ہم ان کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کر دیا ہے (اپنے) علم (کامل) سے درآں حالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، کافر کس چیز کے منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام تو کہیں گے جو بھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق (پیغام)، تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ سفارش کریں ہمارے لئے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے، بے شک انہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرما کر اور اپنی کتابیں نازل کر کے مشرکین کے لئے اتمام حجت کر دی اور ان کے تمام عذر ختم کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے مفصل کتاب عطا فرمائی جیسا کہ ارشاد ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (ہود: 1) "یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنا دی گئی ہیں جس کی آیتیں پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے"۔

فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یعنی ہم نے اپنے علم سے اس کی تفصیل بیان کی ہے جیسا کہ فرمایا: اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (النساء: 166) "کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق اس آیت "كِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ" کے ساتھ ہے(2)۔ لیکن ان کا یہ قول غور طلب ہے۔ کیونکہ دونوں آیات کے درمیان طویل فاصلہ ہے اور اس قول پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ یہاں اصل بات تو یہ ہے کہ جب انہیں یہ بتا دیا گیا کہ وہ آخرت میں کیا خسارہ اٹھانے والے ہیں تو پھر اس بات کا ذکر کیا کہ دنیا میں رسول مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے ان کے تمام حیلے بہانے اور عذر ختم کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو"۔ اسی لئے فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ کیا وہ اس عذاب، عبرتناک سزا، جنت یا دوزخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کا معنی بدلہ ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ یوم حساب آنے تک یہ بدلہ ملتا رہے گا یہاں تک کہ یوم حساب آئے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس وقت جزاء کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ...... جب قیامت کے دن انجام عیاں ہو جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے عمل کو ترک کر دیا تھا اور دنیا میں اس سے کلی طور پر انحراف کئے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ اللہ کے رسول حق لیکر آئے تھے۔ کیا اب ہمارے لئے کوئی سفارشی ہیں جن کی سفارش سے ہم اس ناگفتہ بہ صورت حال سے رہائی حاصل کر لیں۔ یا پھر ہمیں دنیا میں لوٹا دیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2279-2280، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 492 وغیرہ　　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 203

جائے تا کہ ہم اپنے سابقہ اعمال کے برعکس اعمال کریں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام:28-27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ... یعنی آگ کا دائمی عذاب مول لیکر انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان کے معبودان باطلہ سب رفو چکر ہو گئے۔ وہ نہ تو ان کی سفارش کر سکتے ہیں، نہ امداد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس اندوہناک حالت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو)''۔

اللہ تعالیٰ نے عالم ساوی اور عالم ارضی کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا جس کا ذکر متعدد آیات میں ہوا ہے۔ وہ چھ دن یہ ہیں: اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ۔ جمعہ کے روز ہی ساری مخلوق مجتمع ہوئی اور اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اب ان دنوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ دن ہمارے ان دنوں کی طرح تھے جیسا کہ فوراً ذہن میں اسی کا خیال آتا ہے یا وہ ہر ایک دن ہزار سال کا تھا جیسا کہ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ ہفتہ کے دن کچھ نہیں پیدا کیا گیا۔ اس دن چونکہ تخلیق منقطع ہو گئی تھی اس لئے اسے السبت (ہفتہ) کہتے ہیں اس کا لغوی معنی ہے منقطع کرنا۔ جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جبکہ آپ ﷺ نے میرا (ابو ہریرہ) ہاتھ پکڑ رکھا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن زمین کو پیدا کیا، اتوار کو اس میں پہاڑ پیدا کئے، پیر کو اس میں درخت پیدا کئے، منگل کو مکروہ چیزوں کی تخلیق کی، بدھ کو نور پیدا کیا، جمعرات کو اس میں تمام جانور پھیلا دیئے اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو عصر اور مغرب کے درمیان جمعہ کی آخری گھڑی میں پیدا فرمایا'' (1)۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام سات ایام میں تخلیق کا عمل جاری رہا جبکہ آیت کریمہ میں چھ ایام کا ذکر ہے۔ اس لئے امام بخاری اور دوسرے حفاظ حدیث نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے یہ سنا ہوگا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار 2149-2150، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 327

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اس مقام پر لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا مسلک تو وہی ہے جو حضرات مالک، اوزاعی، ثوری، لیث، شافعی، احمد اسحاق بن راہویہ اور دوسرے متقدمین اور متاخرین علماء کا ہے اور وہ مسلک یہ ہے کہ جس طرح بیان ہوا ہے اس پر اسی طرح بغیر کیفیت اور تشبیہ بیان کئے اور بغیر صفات باری کا انکار کئے یقین کر لیا جائے۔ مشبہین کے ذہن میں فوری طور پر جو بات جاتی ہے، اللہ سے وہ بہت بعید ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں وہ سمیع اور بصیر ہے۔ بلکہ حقیقت وہی ہے جو ائمہ حضرات نے کہا ہے۔ ان میں سے امام بخاری کے شیخ نعیم بن حماد خزاعی ہیں جنہوں نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا، اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کیا جس سے اس نے اپنی ذات کو متصف کیا ہے، وہ بھی کافر ہوا، اللہ اور اس کے رسول نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں تشبیہ نہیں۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ اوصاف جو آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں اس طرح ثابت کئے جس طرح وہ جلال خداوندی کے لائق تھے اور اللہ تعالیٰ سے تمام نقائص کی نفی کر دی تو ایسا شخص راہ ہدایت کا مسافر ہے۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی سے جاتی رہتی ہے اور دن کی روشنی رات کی تاریکی سے ختم ہو جاتی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو تیزی سے طلب کرتا ہے۔ اس میں تاخیر ممکن نہیں۔ بلکہ ایک کے رخصت ہونے کے فوراً بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (یٰسین: 40-37) ”اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں“۔ اسی لئے فرمایا: یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ۔ اَلشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ دونوں قریب المعنی ہیں یعنی ہر چیز اس کے زیر تصرف، اس کے حکم، مشیت اور ارادہ کے سامنے سرافگندہ ہے، اسی لئے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تمام بادشاہی اسی کی ہے اور اس میں تصرف بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان: 61) ”بڑی (خیر و) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج“۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے عمل صالح کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا بلکہ اپنی تعریف کی اس نے کفر کیا اور اس کا عمل ضائع ہو گیا اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کوئی طاقت دے دی ہے تو اس نے وحی الٰہی کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (1)۔ حضرت ابوالدرداء سے مروی ایک دعائے ماثورہ میں آتا ہے: ”اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام کی تمام بادشاہی ہے۔ تیرے لئے ہی تمام تعریفیں خاص ہیں اور ہر امر تیری طرف لوٹتا ہے، میں تجھ سے ہر خیر کا خواستگار ہوں اور ہر شر سے تیری پناہ کی درخواست کرتا ہوں“ (2)۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 206　　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعا 1264 وغیرہ

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

''دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور دعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکو کاروں سے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھا رہا ہے جو دنیا و آخرت میں ان کی بہتری کا سبب ہے۔ فرمایا: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً یعنی گڑگڑاتے ہوئے، سراپا عجز بن کر اور چپکے چپکے سے اپنے رب کو پکارو جیسا کہ فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ (الاعراف: 205) ''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں''۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بلند آواز سے دعا مانگا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر ترس کھاؤ، تم نہ تو کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو۔ تم جس ذات کو پکارتے ہو وہ سمیع بھی ہے اور قریب بھی'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کا معنی بتاتے ہیں سراً یعنی خاموشی اور چپکے سے۔ ابن جریر کہتے ہیں: ''تَضَرُّعًا'' یعنی طاعت الٰہی میں عاجزی، انکسار اور اپنے آپ کو فروتر جانتے ہوئے۔ اور ''خُفْيَةً'' کا مطلب ہے کہ خشوع قلب اور اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین کامل پیش نظر رہے۔ ریا کاری اور تصنع کے طور پر بلند آواز میں دعا نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ آدمی حافظ قرآن ہوتا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، ایک آدمی فقہ میں متبحر ہو جاتا لیکن لوگوں کو محسوس تک نہ ہوتا اور ایک آدمی اپنے گھر میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتا، اس کے گھر میں مہمان بھی ہوتے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلتا لیکن آج کل ہمیں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ رہا ہے جو خفیہ عبادت پر قادر ہونے کے باوجود علی الاعلان عبادت کرتے ہیں۔ پہلے مسلمان پوری کوشش اور دلجمعی سے دعا کیا کرتے تھے تو سوائے ان کے اور اللہ کے درمیان مناجات کے ان کے منہ سے کوئی آواز سنائی ہی نہیں دیتی تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اور اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح بندے کے بارے میں فرمایا: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا (مریم: 3) ''جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے'' (2)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ دعا میں چیخنا اور بلند آواز سے پکارنا مکروہ ہے۔ دعا میں تو عاجزی، انکسار اور خفاء کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کسی شخص کو پسند نہیں فرماتا خواہ وہ تجاوز دعا میں ہو یا کسی اور معاملہ میں۔ ابو مجلز کہتے ہیں کہ تجاوز کا مطلب یہ ہے کہ (مثلاً) وہ مقامات انبیاء کے حصول کی دعا نہ کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کا بیٹا یہ دعا مانگ رہا ہے: اے اللہ میں تجھ سے جنت، اس کی نعمتیں، اس کے ریشمی کپڑوں کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ، اس کی زنجیروں اور بیڑیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بیٹے! تم نے تو خیر کثیر کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے اور شر کثیر سے اس کی پناہ مانگی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے تجاوز کر جایا کریں گے''۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''یہ وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے''۔ پھر یہ آیت پڑھی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا۔ تمہیں اس قدر دعا کافی ہے کہ تو کہے: یا اللہ! میں تجھ سے جنت اور ہر اس قول و فعل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کر دے اور تجھ سے دوزخ اور دوزخ کے قریب

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 101-102 صحیح مسلم، کتاب الذکر 2076　　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 206-207

کرنے والے ہر قول و عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں(1)۔ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یوں دعا مانگتے ہوئے دیکھا: "اے اللہ! میں جنت میں دائیں جانب سفید محل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا: بیٹے! صرف جنت کا سوال کرو اور عذاب سے پناہ مانگو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "ایسے لوگ ہوں گے جو دعا اور وضو میں زیادتی سے کام لیں گے"(2)۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اللہ تعالیٰ اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا کرنے اور ہر ضرر رساں فعل سے منع فرما رہا ہے۔ کیونکہ جب امور صحیح سمت میں چل رہے ہوں، پھر اس کے بعد فساد کا شکار ہو جائیں تو یہ چیزیں بندوں کے لئے زیادہ نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا اور اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ خوف و رجا کے عالم میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی بارگاہ میں اپنا دامن طلب پھیلاؤ۔ فرمایا: وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور ثواب کی امید کرتے ہوئے، پھر فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی اس کی رحمت ان نیکوکاروں کے انتظار میں ہے جو اس کے اوامر کی اتباع کرتے ہیں اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ...... (الاعراف:156) "اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ......" یہاں قریبة ہونا چاہئے تھا لیکن قریب ذکر فرمایا حالانکہ اسم (رحمت) مونث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ رحمت لفظ ثواب کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ (اللہ) کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مطر وراق کہتے ہیں کہ طاعت الٰہی کے سبب ان کے ساتھ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ۝

"اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے، یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لاتی ہیں بھاری بادل تو ہم لے جاتے ہیں اسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کے پھل، اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا، اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو شکر گزار ہے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرما دیا کہ وہی زمین و آسمان اور ہر چیز کا خالق ہے، وہی متصرف، حاکم اور مدبر ہے اور پھر دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھا دیا، تو اب اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی رزاق ہے اور وہ قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، فرمایا: وَهُوَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 172

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 24، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 55 وغیرہ

الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا یعنی وہ بارش برسانے والے بادلوں سے پہلے ہواؤں کو چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ بعض نے ''نُشْرًا'' کی بجائے ''بُشْرًا'' پڑھا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم:46) ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے''۔

بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ میں رحمت سے مراد بارش ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ (الشوریٰ:28) ''اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے''۔ اور فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الروم:50) ''پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ بیشک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا یعنی جب ہوائیں بوجھل بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ یہ بادل وافر اور کثیر پانی کی وجہ سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور زمین کی طرف جھک جاتے ہیں جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل کہتے ہیں: ''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے حضور جھکا دیا جس کے سامنے شیریں میٹھے پانی کو اٹھائے ہوئے بادل اور وزنی چٹانوں کو اٹھائے ہوئے زمین سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے(1)۔

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ یعنی بنجر اور قحط زدہ زمین کی طرف ان بادلوں کو لے آتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا (یٰسین:33) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا''۔ اس لئے فرمایا: فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى یعنی جس طرح ہم اس زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن ہم ان اجسام میں زندگی لوٹا دیں گے جو بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا، چالیس دن تک زمین پر بارش برستی رہے گی، اس بارش کے سبب سے قبروں میں پڑے ہوئے اجسام اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح زمین میں دانہ اگتا ہے، اس مضمون کی متعدد آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ احیاء الارض بعد الموت کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے کے لئے بطور مثال بیان فرماتا ہے اسی لئے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یعنی زرخیز اور عمدہ زمین کی پیداوار جلدی اور عمدگی سے نکلتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران:37) ''اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا''۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا اس سے مراد شوروالی، سیم زدہ اور سنگلاخ زمین ہے جس سے گھٹیا اور قلیل پیداوار ہوتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو علم اور ہدایت دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ جو زمین زرخیز ہوتی ہے وہ پانی کو قبول کر لیتی ہے اور سبزہ اور پیداوار لاتی ہے۔ کچھ زمین بنجر ہوتی ہے جو پانی کو روک لیتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، لوگ خود بھی پیتے ہیں اور کھیتوں کو سیراب کر کے زراعت بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین چٹیل ہوتی ہے جو نہ پانی کو روکتی ہے اور نہ کچھ اگاتی ہے۔ تو یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے دین سیکھا اور مجھے جس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے،

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 231

اس سے استفادہ کیا، علم بھی حاصل کیا اور عمل بھی کیا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس سے بالکل استفادہ نہ کیا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے(1)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥٩ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٦٠ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦١ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٦٢

''بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا (اے نوح!) ہم دیکھتے ہیں تمہیں کھلی گمراہی میں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمہیں اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ اور ان کے متعلقات کو سورت کے اوائل میں ذکر کرنے کے بعد اب دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر سے ہوتی ہے کیونکہ آپ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول ہیں جنہیں اس دنیا میں مبعوث کیا گیا۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن لامك بن متوشلح بن اخنوح ''ادریس علیہ السلام اور آپ نے ہی فن کتابت ایجاد کیا''۔ بن برد بن مهليل بن قنين بن يانش بن شيث بن آدم عليهم السلام۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے آپ علیہ السلام کا یہ نسب بیان کیا ہے۔ سوائے ان انبیاء کے جنہیں شہید کیا گیا کسی نبی نے بھی حضرت نوح علیہ السلام جیسی تکالیف نہیں اٹھائیں۔ یزید رقاشی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنے آپ پر بہت نوحہ کرتے تھے اس لئے نوح نام پڑ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں گزری ہیں۔ اس عرصہ میں یہ تمام لوگ اسلام پر کاربند رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل اصنام پرستی کا رواج یوں ہوا کہ صالح لوگ مر گئے تو ان کے معتقدین نے ان کی قبور پر مساجد بنالیں اور ان کی تصویریں بنا کر مسجدوں میں رکھ لیں تاکہ انہیں دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی رہے، وہ ان جیسی عبادت کرتے رہیں اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ جب کچھ زمانہ گزر گیا تو انہوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنالئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان مجسموں کی پوجا ہونے لگی۔ ان کے نام بھی انہوں نے صالحین کے نام پر رکھ لئے یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ۔ جب (بت پرستی) کا یہ معاملہ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ......۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ آپ کی قوم کے زعماء قائدین اور سربرآوردہ لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمیں جو اصنام کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1787-1788

عبادت سے روک رہے ہو، اس میں ہم تمہیں کھلی گمراہی اور غلطی پر دیکھ رہے ہیں۔ فُجار کا یہی حال ہے کہ انہیں نیکوکار گمراہی میں ہی دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ (المطففین: 32) ''اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں''، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (الاحقاف: 11) ''اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔ اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ...... حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا فرستادہ ہوں، وہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ...... رسول کی یہی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ مبلغ فصیح و بلیغ، ناصح و خیر خواہ اور عالم من اللہ ہوتا ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی ان صفات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے عرفہ کے دن فرمایا جہاں لوگوں کا ایک جمع غفیر تھا: ''لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اپنا فرض پورا کر دیا اور نصیحت کر دی۔ آپ اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر نیچے لوگوں کی طرف کر کے کہتے: اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا''(1)۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝

''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تا کہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے پھر بھی انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کر دیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے''۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ تو کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ اس نے تم پر لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے تم میں سے ایک آدمی کو وحی کا متحمل بنایا تا کہ وہ تمہیں خبردار کرے اور تم اللہ کے عذاب سے ڈرنے لگو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوْهُ لیکن وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت میں انتہا کو پہنچ گئے۔ سوائے چند ایک کے کوئی بھی ان میں سے ایمان نہ لایا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس کا ذکر ہوا ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور آپ کے ان ساتھیوں کو بچا لیا جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج 890

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا جیسا کہ فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا (نوح:25) '' اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرض کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار''۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ یہ لوگ حق کو دیکھنے سے اندھے تھے، نہ یہ حق کو دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے تھے۔ اس قصہ میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی خاطر اپنے دشمنوں سے انتقام لیا، اپنے رسول اور مومنین کو نجات بخشی اور کفار کو ہلاکت میں ڈال دیا، جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن:51) '' بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی''۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ آخر کار غلبہ، فلاح اور فتح متقین کو ہی حاصل ہوتی ہے جس طرح اس نے قوم نوح کو غرق کر کے ہلاک کر دیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھیوں کو بچا لیا۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قوم نوح اس قدر تھی کہ میدان اور پہاڑ ان سے تنگ پڑ گئے تھے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو عذاب دیتا ہے زمین ان سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہیں ہوتا جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات یافتہ اسی لوگ تھے۔ ایک ان میں سے جرہم تھا جس کی زبان عربی تھی۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

'' اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے۔ کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہود!) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! نہیں مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانتدار ہو۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت میں تو یاد کرو اللہ (تعالیٰ) کی نعمتوں کو شاید تم کامیاب ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے قوم نوح کی طرف نوح کو بھیجا اسی طرح قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو رسول بنا کر بھیجا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی قوم عادِ اُولیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ یہ عاد بن ارم کی اولاد تھے جو عالیشان مکانات میں رہتے تھے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ

الْعِمَادِ ۙ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (الفجر:8-6) ''کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ۔ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں''۔ یہ ان کی زبردست قوت اور طاقت کی دلیل تھی جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (حم السجدہ:15) ''پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق۔ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے''۔ ان کی رہائش گاہیں یمن میں احقاف کے مقام پر تھیں یہ ریگستانی پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضر موت کے کسی آدمی سے پوچھا کہ کیا تم نے سرزمین حضر موت کے فلاں فلاں مقامات پر سرخ رنگ کا ٹیلہ دیکھا ہے جس میں سرخ رنگ کی مٹی ملی ہوئی ہے اور اس کے فلاں فلاں کناروں پر پیلو اور بیری کے درخت ہیں، کیا تم نے وہ جگہ دیکھی ہے؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں، امیر المومنین! اللہ کی قسم! آپ ایسے شخص کی طرح اس کا وصف بیان کر رہے ہیں جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا: میں نے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے۔ وہ شخص پوچھنے لگا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے(1)۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قوم ہود کے مساکن یمن میں تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کو یہاں دفن کیا گیا۔ آپ حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور افضل تھے اور آپ کا خاندان سب سے زیادہ شریف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اشرف اور اعلیٰ قبائل سے رسول مبعوث فرماتا ہے، لیکن آپ علیہ السلام کی قوم جس طرح جسمانی لحاظ سے بہت قوی اور شدید تھی اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے اور سب امتوں سے بڑھ کر انہوں نے حق کی تکذیب کی، اس لئے ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت، اطاعت اور تقوی کی دعوت دی۔ جونہی یہ دعوت کانوں میں پڑی وہ بپھر گئے اور آپ کی قوم کے کافر سردار اور زعماء آپ سے کہنے لگے کہ تم نادانی اور گمراہی کا شکار ہو، اس لئے کہ تم ہمیں اپنے بتوں کی عبادت سے منحرف کرنا چاہتے ہو اور ایک خدا کی عبادت کا پابند کرنا چاہتے ہو۔ ایک الٰہ کی بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ قریش کے زعماء کو بھی ان کی طرح ایک معبود پر بڑا تعجب ہوتا تھا، وہ کہتے تھے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (ص:5) ''کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا''۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ............ یعنی جس طرح تم گمان کرتے ہو حقیقت اس طرح نہیں بلکہ میں تو ہر چیز کے خالق و مالک اور رب کی طرف سے تمہارے پاس حق لیکر آیا ہوں۔ میں اللہ کے پیغامات تم تک پہنچا رہا ہوں، میں تمہارا خیر خواہ بھی ہوں اور دیانتدار بھی۔ یہی وہ صفات (تبلیغ، نصیحت اور امانت) ہیں جن سے رسول متصف ہوتے ہیں۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ...... یعنی تم اس بات پر تعجب نہ کرو کہ اللہ نے تمہیں میں سے ایک رسول اس لئے بھیجا تا کہ وہ تمہیں خبردار کرے، بلکہ تمہیں تو اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ...... یعنی تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بنایا جن کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے تمام مخالفین اور جھٹلانے والوں کو نیست و نابود کر دیا اور مزید نعمت تم پر یہ کی کہ تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت اور قوت و جاہت میں تمہیں بے مثال بنا دیا جیسا کہ قصہ طالوت میں ہے: وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ:247) ''اور زیادہ دی ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 217

اسے کشادگی علم میں اور جسم میں''۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ...... ''اَلآءَ''، ''ال'' اور ''الی'' کی جمع ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

''وہ کہنے لگے (اے ہود!) کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا واجب ہو گیا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب کیا، تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (حالانکہ) نہیں اتاری اللہ نے ان کے لئے کوئی سند، سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ پھر ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ان کے ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے''۔

اللہ تعالیٰ قوم ہود کی سرکشی، تمرد، عناد اور انکار کے بارے میں آگاہ فرما رہا ہے، انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ...... کفار قریش نے بھی ایسا ہی کہا تھا: وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: 32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے بتوں کے نام یہ تھے: صداء، صمود اور ہباء (1)۔ اس لئے ہود علیہ السلام نے فرمایا: قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ یعنی تمہاری اس ہرزہ سرائی کے باعث تم پر عذاب الٰہی اور غضب خداوندی واجب ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ ''رِجْسٌ'' رجز (عذاب) سے مقلوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی ناراضگی بتاتے ہیں۔

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ ...... یعنی کیا تم میرے ساتھ ان اصنام کے بارے میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے معبود ان کا نام دے رکھا ہے، حالانکہ یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کی تمہیں کوئی سند اور دلیل دی ہے۔ اس لئے فرمایا: مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ...... اس میں رسول کی طرف سے قوم کو زبردست دھمکی اور وعید ہے، چنانچہ اس کے فوراً بعد فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ...... اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کی ہلاکت کا نقشہ کھینچا ہے کہ ان پر ایک

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 217-220 تفسیر التحریر والتنویر، جلد 8 صفحہ 211-212 از طاہر بن عاشور

سخت ہوا بھیجی گئی جس نے ہر چیز کو نیست و نابود کر دیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (الحاقۃ: 8-6) '' رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گر پڑے ہیں۔ گویا وہ مڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد''۔ جب انہوں نے سرکشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت تند و تیز ہوا مسلط کر کے ہلاک کر دیا۔ ہوا انہیں زمین سے اٹھا کر فضا میں لے جاتی پھر وہاں سے زمین پر سر کے بل پٹخ دیتی اور اس طرح ان کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا، اسی لئے فرمایا: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ لوگ یمن میں عمان اور حضرموت کے درمیان آباد تھے۔ اس کے علاوہ وہ ساری زمین میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور انہوں نے وہاں کے مکینوں کو اپنی بے پناہ خداداد قوت کے طفیل مغلوب کر لیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو ان میں خاندانی شرافت اور ذاتی سعادت و وجاہت کے باعث ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ایک خدا کو مانیں، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں اور لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آ جائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور الٹا جھٹلانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے، صرف چند ایک سعادت مند تھے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی اتباع کی وہ بھی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ جب اس قوم نے اللہ تعالیٰ پر سرکشی کی، اس کے نبی کو جھٹلایا، زمین میں فساد بپا کرنے لگے، تکبر کرنے لگے اور بلا ضرورت بڑے بڑے محل بنانے لگے تو حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا: اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء: 131-128) '' کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ۔ اور اپنی رہائش کے لئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بے درد بن کر گرفت کرتے ہو۔ پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔ آپ علیہ السلام کی قوم کہنے لگی: يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود: 56-53) '' اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا، پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب یہ کفر پر بضد رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین برس تک بارش روک لی۔ اس کی وجہ سے وہ سخت مشکل سے دوچار ہو گئے۔ اس زمانہ میں جب وہ کسی آفت میں مبتلا ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے کشادگی مطلوب ہوتی تو وہ بیت اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتے تھے۔ یہ ان کا معروف دستور تھا۔ اس دور میں ان کی قوم کے کچھ لوگ (عمالیق) مکہ میں آباد تھے

اور یہ عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ ان دنوں وہاں اس قبیلہ کا سردار معاویہ بن بکر نامی شخص تھا۔ اس کی ماں کا تعلق قوم عاد سے تھا، جس کا نام جلھدہ بنت خیبری تھا۔ چنانچہ قوم عاد نے تقریباً ستر افراد پر مشتمل ایک وفد حرم شریف کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ وہاں بارش کی دعا کریں۔ یہ لوگ مکہ کے باہر معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرے۔ ایک مہینہ اس کے پاس قیام کیا۔ وہاں شراب پیتے اور دو مغنیہ لونڈیوں کے گیت سنتے۔ جب ان کا قیام طویل ہو گیا تو معاویہ کو قوم عاد کی فکر لاحق ہوئی کہ وہ تو قحط سالی کے باعث مر رہے ہیں لیکن شرم کی وجہ سے انہیں روانہ ہونے کے لئے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے چند شعر کہے جن میں ان کے رخصت ہو جانے کی تعریض تھی۔ اس نے اپنی مغنیات سے یہ شعر گانے کو کہا: اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

سن، اے قیل! اٹھ، تجھ پر افسوس! جا کر دعا مانگ، شاید اللہ تعالیٰ ہم پر برسنے والے بادل بھیج دے اور سر زمین عاد کی پیاس بجھا دے کیونکہ شدت پیاس کی وجہ سے نوبت یہ آ گئی ہے کہ عاد کے افراد درست طریقے سے بات بھی نہیں کر سکتے، ہمیں نہیں امید کہ کسی بڑے اور چھوٹے میں زندگی کی رمق موجود ہو۔ ان کی عورتیں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی تھیں لیکن اب وہ بھی بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے سدھ پڑی ہیں جنگلی جانور کھلے عام ان کی بستیوں میں آ گھستے ہیں اور انہیں کوئی خطرہ ہی نہیں کہ وہ کسی عاد کے فرد کے تیر کا نشانہ بن جائیں گے، لیکن تم ہو کہ تمہارے تو شب و روز شہوات کی نذر ہو رہے ہیں۔ ایسے وفد پر لعنت، بہت منحوس وفد ہے۔ نہ انہیں سلام ہو اور نہ آداب (1)۔

یہ سن کر ان لوگوں میں اپنے مقصد کا احساس بیدار ہوا۔ وہ حرم شریف پہنچے اور وہاں اپنی قوم کے لئے دعا کی۔ اس وفد کا سربراہ قیل بن عتر تھا۔ خدا کی قدرت کہ تین بادل (سفید، سیاہ اور سرخ) ظاہر ہوئے، پھر آسمان سے قیل کو ندا آئی کہ ان بادلوں میں سے جو چاہے اپنی قوم کے لئے منتخب کر لے۔ اس نے کہا کہ میں سیاہ بادل پسند کرتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ بارش برستی ہے۔ پھر ندا آئی کہ تو نے تو راکھ اور خاک کو پسند کیا ہے۔ یہ عاد کے کسی فرد کو باقی نہیں رکھے گا۔ یہ نہ تو باپ کو چھوڑے گا اور نہ بیٹے کو، سوائے بنی لوذیہ کے سب کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ بنو لوذیہ عاد کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ میں آباد تھا، ان پر یہ وبال نہ پڑا۔ باقی ساری قوم عاد تباہ ہو گئی۔ قوم عاد کی نسل سے باقی بچ جانے والے یہی بنی لوذیہ تھے جنہیں عاد اُخرٰی (ثانی) کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سیاہ بادل بھیجا جو قیل نے منتخب کیا تھا۔ یہ مغیث نامی وادی سے اٹھا۔ لوگ اس دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف: 24) " (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو"۔ کہتے ہیں کہ اس بادل کے اندر جو کچھ تھا، سب سے پہلے اسے جس نے پہچانا اور معلوم کیا کہ اس میں ہوا ہے وہ ایک قوم عاد کی ممید نامی عورت تھی، جب اسے بادل کی حقیقت سے آگاہی ہوئی تو وہ چیختے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ہوا دیکھی ہے جس کے اندر آگ ہے اور کچھ لوگ اس آگ کے شعلوں کو کھینچ رہے ہیں، چنانچہ سات دن اور آٹھ راتیں متواتر اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو ان پر مسلط کئے رکھا، اور ان میں سے کوئی بھی ہلاکت سے نہ بچ سکا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی الگ تھلگ ہو کر ایک پناہ گاہ میں بیٹھ گئے۔ ہوا نے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائی۔ انہیں تو ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا مس کرتی اور روحوں کو تازگی اور فرحت بخشتی لیکن قوم عاد پر یہ طوفان باد و باراں سنگباری کرتا تھا اور انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا (2)۔ اس قصہ کا

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 218-219 ایضاً صفحہ 219-217

سیاق عجیب وغریب ہے، پھر بھی یہ کثیر فوائد کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (ہود: 58) ''اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے''۔ حارث بکری سے روایت ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں ربذہ (جگہ کا نام) کے پاس سے گزرا تو وہاں بنوتمیم کی ایک بڑھیا کو دیکھا جو ان سے الگ ہو گئی۔ اس بڑھیا نے مجھے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے، کیا تم مجھے آپ ﷺ تک پہنچا دو گے؟ میں نے اسے سواری پر بٹھا لیا۔ جب مدینہ شریف پہنچا تو مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سیاہ جھنڈا پھڑ پھڑا رہا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار اٹھائے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا کہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ جواب ملا کہ حضور ﷺ حضرت عمرو بن العاص کی زیر قیادت ایک لشکر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ جب حضور ﷺ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے تو میں نے حاضری کی اجازت مانگی، مجھے اجازت مل گئی۔ میں حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنوتمیم کے درمیان کوئی رنجش ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، لیکن زیادتی ان کی ہے۔ میں آپ کے پاس آ رہا تھا کہ بنوتمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے گزرا جو ان سے الگ رہ گئی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دو۔ یہ دروازہ پر کھڑی ہے۔ اسے بھی حاضر ہونے کا اذن مل گیا۔ وہ بھی اندر داخل ہو گئی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے اور بنوتمیم کے درمیان ایک آڑ بنا دیجئے۔ یہ سن کر وہ بڑھیا غیرت میں آ گئی اور برافروختہ ہو کر بولی: یا رسول اللہ! پھر آپ کے پاس آنے والے پریشان حال اور مجبور کس کے پاس جائیں گے؟ میں نے کہا کہ میری مثال تو اس ضرب المثل کی سی ہے کہ بکری اپنی موت کو خود کھینچ لائی۔ میں اس بڑھیا کو سوار کر کے لایا، مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ یہ میری دشمن ثابت ہو گی۔ میں اس بات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وفد عاد کے سردار کی طرح بن جاؤں۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا۔ حالانکہ آپ ﷺ بہتر جانتے تھے کہ اس کا کیا قصہ ہے؟ چونکہ آپ ﷺ سننے کے خواہش مند تھے اس لئے میں نے عرض کی: جب قوم عاد قحط کا شکار ہو گئی تو انہوں نے قیل کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا، وہ مکہ آ کر معاویہ بن بکر کے پاس ایک مہینہ ٹھہرا رہا۔ شراب نوشی کرتا اور جرادہ نامی دو مغنیات کے گیت سنتا جب ایک مہینہ گزر گیا تو وہ مہرہ کی پہاڑیوں کی طرف نکلا اور یہ دعا کی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کی صحت یابی کے لئے دعا کی خاطر نہیں آیا اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے فدیہ کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ! قوم عاد پر بارش برسا۔ چنانچہ تین بادل اس کے پاس سے گزرے۔ ان میں سے ندا آئی کہ کوئی بادل منتخب کر لو۔ اس نے ان میں سے سیاہ ابر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اسے اس میں سے آواز آئی کہ اسے لے لو، اس میں تو راکھ ہے۔ یہ بادل قوم عاد کے کسی فرد کو نہیں باقی رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی کے دائرہ کی مقدار ان پر ہوا بھیجی جس نے سب کا قلع قمع کر دیا۔ عربوں میں یہ دستور ہو گیا کہ جب وہ کسی غرض کے لئے کسی شخص یا وفد کو روانہ کرتے تو اسے کہتے کہ قوم عاد کے وفد کی طرح نہ ہو جانا(1)۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ذاریات، جلد 9 صفحہ 161-162، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 482 وغیرہ

الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾

'' اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات، سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ کہا ان سرداروں نے جو تکبر کیا کرتے تھے ان کی قوم سے ان لوگوں کو جنہیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انہوں نے کہا بیشک ہم اس پر جسے دیکر انہیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے والے ہیں۔ کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں۔ پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو پھر آلیا انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے''۔

حضرت ثمود کا سلسلہ نسب یہ ہے: ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح۔ آپ جدیس بن عاثر کے بھائی ہیں، اسی طرح قبیلہ طسم بھی۔ ان تمام قبائل کا تعلق عرب عاربہ (عرب قدیم) سے تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے۔ قوم ثمود قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی قری اور اس کے اطراف تک ان کے مساکن مشہور ہیں۔ نبی کریم ﷺ سنہ 9ھ کو تبوک جاتے ہوئے ان کے دیار اور مساکن پر سے گزرے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سمیت یہاں ٹھہرے تو آپ نے ثمود کی حجر نامی بستی میں قیام کیا۔ لوگوں نے ان چشموں میں سے پانی پیا جن سے قوم ثمود پیتی تھی، اسی پانی سے آٹا گوندھا اور یہی پانی ہانڈیوں میں ڈالا، تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں بہا دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، پھر آپ ﷺ اپنے صحابہ سمیت کوچ کر کے اس چشمہ پر اترے جہاں سے ناقہ ثمود پانی پیتی تھی اور آپ ﷺ نے اس قوم کے پاس جانے سے منع فرما دیا جن پر اللہ کا قہر نازل ہوا آپ نے فرمایا: '' مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قوم ثمود کی طرح تم بھی مبتلائے عذاب نہ ہو جاؤ اس لئے ان پر داخل نہ

ہونا'' (1)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حجر کے مقام پر یہ فرمایا تھا: ''اس عذاب رسیدہ قوم کے پاس سے نہ گزرنا مگر روتے ہوئے۔ اگر رو نہیں سکتے تو ان پر داخل ہی نہ ہونا ورنہ تم بھی ان جیسے عذاب کا شکار ہو جاؤ گے'' (2)۔مسند احمد میں ہے کہ غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے لوگ تیزی سے اہل حجر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں قیام کریں۔حضور نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ اعلان کروا دیا کہ نماز تیار ہے۔ابو کبشہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور آپ فرما رہے تھے کہ تم اس قوم کے پاس کیوں جا رہے ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ان پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز بات نہ بتاؤں: تم میں سے ایک آدمی (خود رسول اللہ) تمہیں ماضی کی بھی خبر دے رہا ہے اور مستقبل کی بھی۔اس لئے سیدھے ہو جاؤ اور اپنے آپ کو درست کر لو۔اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں اگر تم پر عذاب آ جائے اور عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو اپنے آپ سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکیں گے'' (3)۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجر کے مقام سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''معجزات اور نشانیاں نہ مانگو، قوم صالح نے معجزہ مانگا تھا تو انہیں اونٹنی ملی جو ایک رستہ سے آتی اور دوسرے رستہ سے جاتی۔انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ایک دن یہ ان کے چشمے کا پانی پیتی اور دوسرے دن یہ سب اس کا دودھ پیتے لیکن انہوں نے جب اسے مار ڈالا تو ایک سخت کڑک نے انہیں آ لیا اور وہ تمام کے تمام ہلاک ہو گئے سوائے ایک آدمی کے جو حرم شریف کے اندر تھا۔صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ فرمایا: ابو رغال۔وہ بھی جب حرم سے باہر نکلا تو اسے بھی اس عذاب نے گھیر لیا (4)۔

اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا...... یعنی ہم نے قبیلہ ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔انہوں نے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تمام انبیاء کرام اسی کی دعوت دیتے رہے جیسا کہ فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔اور فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ...... یعنی میری رسالت کی صداقت پر دلیل تمہارے پاس آ چکی ہے۔انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تھا۔خود ہی تجویز دی کہ فلاں چٹان سے جو حجر کے ایک طرف اکیلی چٹان تھی جس کا نام کاتبہ تھا، دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکلے جو دودھ بھی دیتی ہو۔حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے یہ عہد و پیمان لے لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے یہ نشانی ظاہر کر دی تو انہیں ایمان لانا ہوگا اور اتباع کرنا ہوگی جب انہوں نے یہ وعدہ کر لیا تو حضرت صالح علیہ السلام دعا کے لئے اٹھے۔دعا کی تو وہ چٹان حرکت میں آ گئی، پھر وہ پھٹ گئی اور اس کے اندر سے کشادہ پیٹ والی مضبوط اونٹنی نمودار ہو گئی، بچہ جس کے پہلوؤں میں حرکت کر رہا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔یہ دیکھ کر ان کا سردار جندع بن عمرو اور اس کے ماتحت لوگ ایمان لے آئے۔ثمود کے بقیہ اشراف نے بھی ایمان لانا چاہا لیکن ذؤاب بن عمرو بن لبید، حباب (منتظم بت خانہ) اور رباب بن

1۔مسند احمد، جلد 2 صفحہ 117
2۔صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 118 صحیح مسلم، کتاب الزہد 2285-2286، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 74
3۔مسند احمد، جلد 4 صفحہ 231
4۔مسند احمد، جلد 3 صفحہ 296

صمعر بن جلیس نے انہیں منع کر دیا۔ جندع کا ایک چچازاد بھائی شہاب بن خلیفہ بھی ایمان لانا چاہ رہا تھا یہ بھی زعماء ثمود میں سے تھا لیکن ان تینوں نے اسے بھی باز رکھا۔ ان لوگوں کے کہنے سے اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے متعلق مومنین ثمود میں سے ایک آدمی نے یہ شعر کہے۔ اس مومن کا نام مھوش بن عثمہ بن ذمیل تھا۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے: آل عمرو کے کچھ لوگوں نے ثمود کے معزز رئیس شہاب کو دین نبی کی طرف بلایا تھا اور اس نے اس دعوت کو قبول کر لینے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ اگر وہ ایمان لے آتا تو صالح علیہ السلام طاقتور ہو جاتے لیکن آل حجر کے گمراہوں نے ہدایت کے بعد اسے گمراہ کر دیا(1)۔ وضع حمل کے بعد اونٹنی اور اس کا بچہ ایک عرصہ تک اس قوم میں رہے۔ ایک دن اونٹنی چشمہ سے پانی پیتی اور دوسرے دن سب لوگوں کی باری ہوتی۔ جس دن پانی پینے کی اونٹنی کی باری ہوتی اس دن یہ اونٹنی کا دودھ پیتے اور جس قدر چاہتے اس کے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے جیسا کہ فرمایا: وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (القمر:28) ''اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں''۔ اور فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ (الشعراء:155) ''یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے''۔ وہ وہاں وادی کے اندر چرتی، ایک رستہ سے جاتی اور دوسرے سے واپس آتی تا کہ لوگوں کو آمد و رفت میں آسانی ہو کیونکہ پانی پی کر اس کی کوکھیں باہر نکل آتی تھیں اور اس کا جسم بہت موٹا تازہ، فربہ، ضخیم اور پر ہیبت تھا۔ جب وہ جانوروں کے پاس سے گزرتی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوتے۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب میں حد سے تجاوز کر گئے تو انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کا عزم مصمم کر لیا تا کہ ہر روز چشمہ کے پانی سے استفادہ کر سکیں۔ تمام نے اونٹنی کے قتل پر اتفاق کیا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ قاتل کے ساتھ تمام لوگوں نے حتیٰ کہ پردہ نشیں عورتوں اور بچوں نے بھی اتفاق کیا کہ وہ قتل پر راضی ہیں۔ اس آیت کریمہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے: فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ۙ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (الشمس:14) ''پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا''۔ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (بنی اسرائیل:59) ''اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر''۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ (الاعراف:77) ''پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی'' چونکہ وہ سب اس قتل پر راضی تھے اس لئے تمام کی طرف اس کی نسبت کی۔ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کا سبب یہ تھا کہ ان میں عنیزہ بنت غنم نامی ایک بڑھیا کافرہ تھی۔ اس کی کنیت ام عثمان تھی۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے شدید عداوت تھی۔ اس کی بیٹیاں بھی بہت خوبصورت تھیں اور مال و دولت بھی بہت تھا۔ اس کا خاوند ذؤاب بن عمرو رؤسائے ثمود میں سے تھا۔ ایک اور صدوف بنت محیا نامی بہت خوبصورت اور مالدار عورت تھی۔ یہ ایک مسلمان کی بیوی تھی لیکن اپنے شوہر سے الگ ہو گئی تھی۔ ان دونوں شریر عورتوں نے ناقہ کے قاتل سے وعدے کر رکھے تھے۔ صدوف نے ایک حباب نامی سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی ہے بشرطیکہ وہ ناقہ کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے یہ پیشکش اپنے چچازاد مصدع بن مہرج سے کی۔ اس نے قبول کر لی۔ عنیزہ نے قدار بن سالف کو بلایا۔ یہ نیلے سرخ رنگ کا کوتاہ قامت شخص تھا اور یہ حرامی تھا۔ اصل میں اس کا باپ صنیان تھا لیکن سالف کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے اسی کا بیٹا مشہور ہو گیا۔ اس عورت نے اس بدبخت کو یہ پیشکش کی کہ اونٹنی کو قتل کرنے کی صورت میں میری بیٹیوں میں سے جو چاہے گا میں تجھے دینے کے لئے تیار ہوں چنانچہ قدار

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 226

بن سالف اور مصدع بن مہرج نے کچھ اور اوباش لوگوں کو اپنی ناپاک سازش میں شریک کرلیا۔ سات آدمی ان کے پیروکار بن گئے۔ اور ان کی کل تعداد نو ہوگئی۔ یہی وہ نو ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہوا: وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ (النمل:48) ''اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے)۔ یہ سب اپنی اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے ایک کافر قبیلہ کو اپنے ساتھ ملا لیا وہ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ تمام کے تمام اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے نکلے اور ناقہ کی تاک میں بیٹھ گئے اور چشمہ سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ناقہ کے رستہ میں واقع ایک چٹان کے پیچھے قدار گھات لگا کر بیٹھ گیا اور دوسری چٹان کے پیچھے مصدع۔ جب اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری تو اس نے اس پر تیر چلایا جو اس کی پنڈلی میں لگا۔ اسی اثناء میں عنیزہ نکلی اور اپنی سب سے خوبصورت بیٹی کو لے آئی جس نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا کر اپنے حسن و جمال کی نمائش کی۔ قدار اس سے متاثر ہو کر تلوار لیکر اٹھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، وہ زمین پر گر پڑی، اس نے اپنے بچے کو ہوشیار رہنے کی تلقین کی غرض سے ایک چیخ ماری پھر اس بدبخت نے اس کے سینہ پر نیزہ مار کر اسے ذبح کر دیا۔ اونٹنی کا بچہ بھاگ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک سخت چیخ ماری۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے کہا تھا: اے رب! میری ماں کہاں ہے؟ کہتے ہیں کہ اس نے تین دفعہ چیخ ماری اور پھر چٹان کے اندر داخل ہو کر غائب ہوگیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان بدبختوں نے اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو آپ وہاں تشریف لائے، وہ لوگ وہاں ہی جمع تھے۔ جب آپ نے اونٹنی کو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (ہود:65) ''لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک''۔ جس دن انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا وہ بدھ کا دن تھا۔ جب شام ہوئی تو ان نو بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا عزم کرلیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم اپنے انجام سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیتے ہیں اور اگر یہ جھوٹا ہے تو ہم اسے اونٹنی کے پاس ہی بھیج دیتے ہیں، اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے: قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ (النمل:51-49) ''انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کرلیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا''۔ جب اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا انہوں نے عزم کرلیا اور سب اس پر متفق ہو گئے تو رات کے وقت اللہ کے نبی کو قتل کرنے کے لئے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ناہنجاروں پر پتھروں کی بارش نازل کر دی جس سے وہ اپنی قوم سے قبل ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچے۔ مہلت کا پہلا دن جمعرات کا دن تھا۔ اس دن جب صبح اٹھے تو حضرت صالح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ان کے چہرے پیلے ہو چکے تھے۔ مہلت کے اگلے دن جمعہ کو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ تمتع دنیاوی کا تیسرا دن ہفتہ تھا۔ اس روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے اتوار کی صبح کو جب یہ لوگ اٹھے تو خوشبو لگا کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ عذاب کی کیفیت کیا ہوگی۔ جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک سخت کڑک نے انہیں آ گھیرا اور نیچے زمین میں ایک خوفناک زلزلہ پیدا ہوا۔ روحیں نکل گئیں اور یک لخت تمام کے تمام بے جان، بے سدھ لاشے بن گئے: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا، نہ چھوٹا نہ بڑا، نہ مرد نہ عورت۔ کہتے ہیں کہ ایک کلبہ بنت سلق

نامی عورت بچ گئی جسے ذریعہ کہا جاتا ہے۔ یہ کافرہ تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی شدید دشمن تھی۔ جب اس نے عذاب دیکھا تو تیز رفتاری سے بھاگنے لگی۔ ایک قبیلہ کے پاس آئی اور انہیں اپنی قوم کی سرگزشت سے آگاہ کیا۔ پھر ان سے پینے کے لئے پانی مانگا، جب اس نے پانی پیا تو مرگئی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قوم ثمود میں سے سوائے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کے کوئی بھی نہ بچا۔ ان کا ایک آدمی ابورغال عذاب کے وقت حرم شریف میں مقیم تھا، اس لئے عذاب سے محفوظ رہا۔ جب ایک دن وہ حرم سے باہر نکلا تو ایک پتھر اس کو لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ابورغال طائف کے قبیلے ثقیف کا جداعلیٰ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ ابورغال کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟" صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ قوم ثمود کے ایک فرد ابورغال کی قبر ہے، یہ اس وقت حرم میں تھا۔ حرم نے اس سے عذاب کو روکے رکھا جب یہ (حرم سے) نکلا تو اپنی قوم جیسے عذاب سے دوچار ہوا۔ اسے یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی چھڑی بھی یہاں مدفون ہے۔ لوگوں نے تلواروں کے ساتھ اس کی قبر کھودنے کے بعد اس چھڑی کو نکال لیا۔ اس قسم کی ایک اور روایت بھی ہے(1)۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

"تو (صالح) نے منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور (بصد حسرت) کہا اے میری قوم! بیشک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو"

یہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کو سرزنش ہے کہ وہ مخالفت، سرکشی، قبول حق سے انکار اور ہدایت سے انحراف کی وجہ سے اس شدید عذاب سے دوچار ہوئے۔ وہ (ہلاک شدہ لوگ) سن رہے تھے اس لئے آپ نے انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کی۔ مردوں کا سننا صحیحین کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بدر کے میدان میں فتح مبین حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے وہاں تین دن قیام فرمایا۔ تین دن کے بعد آپ ﷺ آخر شب کو اپنی سواری پر سوار ہو کر قلیب (وہ کھائی جہاں مقتولین قریش کو دفن کیا گیا تھا) کے پاس آئے اور فرمانے لگے: "اے ابوجہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں ابن فلاں! کیا تم نے اس وعدہ (عذاب) کو سچا پایا ہے جو تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کیا آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میری باتوں کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے"(2)۔ سیرت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: "نبی کے قبیلہ میں سے تم برے لوگ ہو۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے نکالا لیکن لوگوں نے مجھے پناہ دی، تم میرے قتل کے درپے ہوا اور لوگوں نے میری مدد کی، تم اپنے نبی کے لئے برا خاندان ہو"(3)۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ...... یعنی میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم نے استفادہ نہ کیا۔ تم نہ تو حق کو پسند کرتے ہو اور نہ اپنے خیر خواہ کو۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ہر نبی جس کی امت ہلاک ہوئی وہ حرم میں آکر قیام پذیر ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 230، سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3 صفحہ 181-182

2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد، 5 صفحہ 97-98، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2203　　3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 639

عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حج کو جاتے ہوئے وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! یہ کونسی وادی ہے؟ عرض کی: یہ وادی عسفان ہے۔ فرمایا: ہود اور صالح علیہما السلام یہاں سے اونٹنیوں پر سوار ہو کر گزرے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی رسیوں کی تھیں۔ تہبند کمبلوں کے تھے اور چادریں پوستین کی تھیں اور وہ لبیک کہتے ہوئے بیت عتیق کے حج کو جا رہے تھے (1)۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

''اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو''۔

لُوْطًا سے پہلے ''اَرْسَلْنَا'' یا ''اُذْكُرْ'' فعل مقدر ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: لوط بن ھارون بن آزر۔ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سرزمین شام کی طرف ہجرت کی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سدوم اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کے مکینوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے، نیکی کا حکم دیتے، گناہوں اور بے حیائی کے ان کاموں سے روکتے جو خود ان کی ایجاد تھے اور پہلے کسی نے ان کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرنا۔ یہ ایسی چیز تھی جس کا خیال حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک ان کے سوا کسی کے دل میں آیا ہی نہیں تھا اور نہ پہلے یہ چیز معروف تھی۔ اہل سدوم نے اس بدفعلی، بدمعاشی اور غیر طبعی فعل کو رواج دیا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک بانی جامع دمشق نے کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں قوم لوط کا قصہ بیان نہ کرتا تو مجھے اس بات کا گمان بھی نہ ہوتا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ بدفعلی کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ .... یعنی اس مقصد کے لئے عورتوں کو پیدا کیا گیا ہے لیکن تم انہیں چھوڑ کر مردوں سے مطلب برآری کرتے ہو، یہ بہت بڑی زیادتی اور جہالت ہے کیونکہ جس چیز کا جو محل نہیں تم اس کو محل بناتے ہو۔ اسی لئے ایک دوسری آیت میں فرمایا: هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (الحجر: 71) ''یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو)''۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی رہنمائی کی کہ جائز طریقے سے عورتوں کی طرف رجوع کرو لیکن ان بدمعاشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں میں رغبت ہی نہیں ہے: قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (ہود: 79) ''کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں''۔ یعنی تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہمیں ان عورتوں میں نہ کوئی رغبت ہے اور نہ خواہش اور ہماری غرض سے تم آگاہ ہو کہ ہمارا مطلوب تمہارے مہمان ہیں۔ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے اپنا مطلب نکال لیا کرتی تھیں۔

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 234

''اور نہ تھا کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنتے ہیں''۔

حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے مقابلے میں یہ ان کا جواب تھا کہ وہ آپ کو جلا وطن کرنے پر تل گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صحیح سالم وہاں سے نکال لیا اور قوم کو ذلیل و رسوا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ بغیر عیب کے انہوں نے ان پاکباز نفوس کی طرف عیب کو منسوب کیا۔ یہ معنی قتادہ نے بیان کیا ہے۔ مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں: یہ ایسے لوگ ہیں جو مردوں اور عورتوں کی ادبار (دبر کی جمع) سے بچتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

''پس ہم نے نجات دیدی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہوگئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا مجرموں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوط اور ان کے گھرانے کو بچا لیا اور سوائے ان کے گھر والوں کے کوئی بھی ان پر ایمان نہ لایا جیسا کہ ارشاد ہے: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ (الذاریات:36-35) ''(نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے''۔ آپ کے گھرانے میں صرف آپ کی بیوی کو نجات نہ ملی کیونکہ وہ آپ پر ایمان نہیں لائی تھی، بلکہ اپنی قوم کے دین پر کاربند رہی، حضرت لوط علیہ السلام کے خلاف ان لوگوں کو اکساتی، در پردہ ان کی مدد کرتی اور کچھ مخصوص اشارات کے ذریعے آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر ان تک پہنچاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لیکر رات کے وقت نکل جائیں۔ آپ کو یہ بھی حکم تھا کہ نہ اپنی بیوی کو اس بارے میں آگاہ کریں اور نہ اسے شہر سے باہر نکالیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے چلی تھی۔ جب قوم پر عذاب آیا تو پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اس لئے خود بھی اس عذاب کا شکار ہوگئی۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ نہ وہ شہر سے نکلی اور نہ لوط علیہ السلام نے اسے آگاہ کیا بلکہ ان بدبختوں کے ساتھ وہاں ہی رہی۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ غابرین کا معنی ہے پیچھے رہ جانے والے۔ بعض نے اس کا معنی ہلاک ہونے والا کیا ہے۔ یہ تفسیر باللازم ہوگی۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا اس کی تفسیر اس آیت میں ہے: وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (ہود:83-82) ''اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے درپے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور''۔ اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ اے محبوب! آپ دیکھیں، نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اغلام بازی کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اسے بلندی سے نیچے گرا کر اس پر سنگباری کی جائے جس طرح قوم لوط کے ساتھ ہوا۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اسے رجم کر دینا چاہئے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے اور اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو تم قوم لوط کا سا فعل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو'' (1)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سزا زانی کی سی ہے۔ اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اسے سو درے لگائے جائیں۔ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ عورتوں کی دبر میں یہ فعل کرنا چھوٹی لواطت ہے۔ یہ بالا جماع حرام ہے۔ اس کے برخلاف کسی کا ایک آدھ شاذ قول ہے۔ متعدد احادیث اس کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں (2)۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو، انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

قوم شعیب علیہ السلام مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام میکیل بن یشجر کے فرزند ارجمند تھے۔ سریانی زبان میں آپ کا نام یثرون تھا۔ مدین کا لفظ قبیلہ پر بھی بولا جاتا ہے اور شہر پر بھی۔ مدین حجاز کے رستہ میں مقام معان کے قریب ہے ارشاد ہوتا ہے: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص: 23) ''جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے''۔ یہی اصحاب ایکہ ہیں جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب ہوگا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ...... تمام رسولوں کی دعوت کا مدعا یہی تھا۔ تمہارے پاس ایک روشن نشانی آ چکی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے میری نبوت اور رسالت کی صداقت پر متعدد دلائل و براہین قائم کر دیئے ہیں۔ توحید اور خدائے یکتا کی عبادت کی دعوت دینے کے بعد آپ نے انہیں لوگوں کے ساتھ معاملات کے بارے میں وعظ فرمایا کہ اپنے ناپ تول کو درست کر لو، اموال میں لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ ان کے ساتھ خیانت کرو اور ناپ تول کے معاملہ میں چپکے سے کمی کر کے لوگوں کو فریب نہ دو جیسا کہ ارشاد ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ؕ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففین: 6-1) ''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے .... پروردگار عالم کے سامنے''۔ اس میں زبردست دھمکی اور سخت وعید ہے، جس سے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ذکر فرما رہا ہے جنہیں حسن استدلال، فصیحانہ انداز کلام اور جزالت وعظ کے باعث خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 158، تحفۃ الاحوذی، کتاب الحدود، جلد 5 صفحہ 21 وغیرہ
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 223

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

''اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام انہیں حسی اور معنوی طور پر قطع طریق سے منع فرما رہے ہیں، فرمایا: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ یعنی تمام رستوں کو روک کر نہ بیٹھ جایا کرو۔ اگر لوگ تمہیں اپنے اموال نہ دیں تو تم انہیں قتل کی دھمکیاں دینے لگ جاتے ہو۔ سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ غنڈے ٹیکس کے نام پر ان سے دسواں حصہ وصول کر لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ان مومنین کو دھمکیاں دیتے ہو جو حصول ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی زیادہ واضح ہے کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بِكُلِّ صِرَاطٍ ''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان کردہ مفہوم اس ارشاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے: وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا یعنی تمہاری خواہش ہے کہ اللہ کا رستہ ٹیڑھا ہو جائے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا...... یعنی تم اپنی قلت کے باعث کمزور اور بے بس تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تمہاری تعداد میں اضافہ ہو گیا اور تم قوی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو اپنے ذہنوں میں رکھو اور گزشتہ قومیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور تکذیب رسل کے باعث جس ہولناک تباہی سے دوچار ہوئیں، ان سے عبرت حاصل کرو۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ...... یعنی میرے بارے میں تم دو گروہوں میں بٹ چکے ہو۔ ایک گروہ میری رسالت پر ایمان لا چکا ہے جبکہ دوسرا گروہ ایمان سے انحراف کئے ہوئے ہے۔ صبر کرو اور انتظار سے کام لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اچھا انجام متقین کی قسمت میں لکھا ہوا ہے اور کفار کے نصیب میں سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

''کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب علیہ السلام) کی قوم سے یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے

شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں، شعیب نے کہا اگر چہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں۔ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لئے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا، گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے، صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے رب فیصلہ فرمادے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں کفار نے آپ کے ساتھ اور آپ کے مومن ساتھیوں کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا اور انہیں دھمکی دی کہ یا تم ہماری بستی چھوڑ کر جلا وطن ہو جاؤ یا پھر ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہمارے ہم عقیدہ بن جاؤ۔ آیت کریمہ میں خطاب اگر چہ صرف شعیب علیہ السلام کو ہے لیکن مراد آپ کے پیروکار بھی ہیں۔

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ...... حضرت شعیب علیہ السلام فرمانے لگے کہ اگر ہم تمہاری دعوت کو ناپسند کرتے ہوں تو پھر بھی تم ایسا ہی کرو گے۔ اگر ہم تمہاری ملت کی طرف لوٹ آئے اور تمہارے دین میں داخل ہو گئے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان ہوگا کہ ہم نے بھی تمہاری طرح اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لئے۔ اس میں کفار کی اتباع سے نفرت دلانا مقصود ہے۔ فرمایا: وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ آپ نے اپنے عزم اور ارادے کو بھی مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کیونکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے اور اس کا علم اور قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہم اپنے تمام امور میں جنہیں اختیار کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا...... اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے اور ہماری مدد کر کیونکہ تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور تو ہی عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

''اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو وہ یوں نابود کر دیئے گئے گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے''۔

اللہ تعالیٰ اہل مدین کی سرکشی، کفر، گمراہی اور مسخ شدہ فطرت کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ مخالفت حق میں اس قدر دور جا چکے تھے کہ انہوں نے قسم اٹھا کر کہا: لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ یعنی انہیں سخت زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ سب کے سب منہ کے بل گرے پڑے موت کے منہ میں چلے گئے۔ یہ سزا انہیں اس وجہ سے ملی کیونکہ

وہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو ڈرایا کرتے تھے اور جلا وطنی کی دھمکیاں دیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں ان کے متعلق ارشاد ہے: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود:94) ''اور جب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے''۔

ان دونوں آیتوں میں مناسبت یہ ہے کہ جب ان کفار نے ''اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ؟'' کہہ کر حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑایا تو ایک زبردست کڑک نے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سورۂ شعراء میں ان کے متعلق فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء:189) ''سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا''۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر واقعی یہ حق ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ چنانچہ انہیں یہ خبر دی گئی کہ ان پر یہ عذاب آ پہنچا ہے۔ ان پر تین عذاب جمع ہو گئے آسمان سے بادل اترا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں، پھر آسمان سے ایک دلدوز چیخ اور ہولناک کڑک پیدا ہوئی اور پاؤں تلے زمین سے زلزلے کے شدید جھٹکے لگنے شروع ہو گئے جس سے ان کی جانیں نکل گئیں اور یہ بے سدھ ہو کر اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ پھر فرمایا: كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کبھی اس بستی میں آباد ہی نہیں ہوئے جس سے وہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو جلا وطن کرنا چاہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہرزہ سرائی کے مقابلے میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

''تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچا دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر''۔

قوم کے عبرتناک انجام سے دوچار ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ...... یعنی میں نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا لیکن تم ہی کفر پر ڈٹے رہے اس لئے اب میں کیوں کافر قوم پر افسوس کروں؟

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

''اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تا کہ وہ گڑگڑانے لگیں پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی ہمارے باپ دادا کو (کبھی) تکلیف اور (کبھی) راحت تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اور اس کا انہیں خواب و خیال بھی نہ تھا''۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو تکلیف اور سختی کے ساتھ آزمایا۔ ''اَلْبَاْسَآءِ'' سے مراد جسمانی امراض اور بدنی اسقام ہیں اور ''الضَّرَّآءِ'' سے مراد فقر و فاقہ اور حاجت وغیرہ۔ اس آزمائش کا مقصد یہ تھا کہ وہ گڑگڑاتے ہوئے بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کریں۔ لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، پھر اس کے برعکس آزمائش میں انہیں ڈال دیا۔ ان کی سختی کو راحت میں بدل دیا، جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ یعنی ان کی حالت کو شدت سے خوشحالی، مرض و سقم سے صحت و عافیت اور تنگدستی سے فارغ البالی کی طرف پھیر دیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اس کا شکر بجالائیں لیکن اس کے باوجود وہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ ''حَتّٰى عَفَوْا'' میں عفو کا معنی ہے پھلنا پھولنا اور بڑھنا۔ یعنی جب وہ پھلے پھولے اور ان کے اموال و اولاد میں کثرت ہوگئی۔

وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا.......... انہیں اللہ تعالیٰ نے فقر و فاقہ سے بھی آزمایا اور خوشحالی سے بھی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور گڑگڑائیں اور اس کی طرف رجوع کریں لیکن کوئی چیز بھی ان کے لئے کارگر ثابت نہ ہوئی، بلکہ وہ کہنے لگے کہ ہمیں جو سختی اور مشکل کے بعد راحت نصیب ہوئی ہے، یہ آج کی بات نہیں بلکہ شروع ہی سے یہ چکر چل رہا ہے۔ ہمارے باپ دادا بھی تو ایسے ہی حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ زمانہ اسی الٹ پھیر کا نام ہے۔ وہ ناوان مقصود الٰہی کو نہ بھانپ سکے اور دونوں حالتوں میں انہیں ابتلاء کا شعور ہی نہ ہوا۔ ان کی حالت مومنین کے برعکس ہے۔ مومنین مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں اور راحت کے وقت اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس طرح صحیحین کی حدیث میں آتا ہے: ''مومن کا معاملہ بڑا عجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے اور یہ صبر کرے تو بھی یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی راحت نصیب ہو اور شکر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے'' (1)۔ مومن وہ ہے جو تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں آزمائش کو پہچان جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے: ''مومن آزمائش سے دوچار رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے، اور منافق کی مثال گدھے کی سی ہے، وہ نہیں جانتا کہ کیوں اسے باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا۔'' چنانچہ آخر میں ارشاد فرمایا: فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی ہم نے اچانک انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جبکہ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے جبکہ کافر کے لئے وجہ تاسف و حسرت'' (2)۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی، لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332-333، جلد 6 صفحہ 15

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 188، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 424، جلد 4 صفحہ 219

خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں۔ تو کیا یہ بےخوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے، پس نہیں بےخوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے''۔

خبر دی جا رہی ہے کہ جن بستیوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے گئے، ان کے مکینوں کی قلیل تعداد ایمان لائی جیسا کہ فرمایا: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس: 8-9) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس علیہ السلام کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔ یعنی کوئی بھی بستی والے سب کے سب ایمان نہیں لائے سوائے قوم یونس علیہ السلام کے۔ یہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ایمان لے آئے جیسا کہ فرمایا: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (الصافات: 148-147) ''اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''، اور فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (سبا: 34) ''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں''۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا...... یعنی اگر یہ بستیوں والے صدق دل سے رسولوں کے پیغام پر ایمان لے آتے، ان کی تصدیق کرتے، ان کی اتباع میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے اور احکام کو بجا لا کر اور محرمات سے اجتناب کر کے تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان سے بارش کی صورت میں ان پر برکتیں نازل کرتے اور زمین سے نباتات اور پیداوار کے ذریعے اپنی رحمت کے خزانے ان پر کھول دیتے۔ لیکن ان لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور گناہوں کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں ہم نے انہیں ہلاکت اور بربادی کی عبرتناک سزا دی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اوامر کی مخالفت اور نواہی کے ارتکاب پر جسارت کے خوفناک انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى...... یعنی کیا یہ بستی والے کافر ہمارے عذاب سے بےخوف ہو گئے ہیں کہ وہ عذاب راتوں رات آ جائے جبکہ یہ سوئے ہوئے ہوں اور کیا یہ لوگ بےخوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے اور اس وقت یہ کھیل کود میں مصروف ہوں اور ان کی غفلت میں عذاب انہیں گھیر لے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر، عذاب، انتقام، قدرت اور غفلت وسہو میں پکڑ سے وہ امن میں ہو گئے ہیں۔ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مومن نیک اعمال کرتا ہے تو بھی وہ (خدا سے) لرزاں و ترساں رہتا ہے جبکہ فاجر بےخوف ہو کر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَاۗءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

''کیا یہ (حقیقت) واضح نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں (کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہئیں تو سزا دیں انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تا کہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہئیں تو انہیں

ان کے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے لئے ظاہر نہیں ہوا جو پہلے ہلاک شدہ زمین کے اصلی مالکوں کے بعد زمین میں ان کے وارث بنے اور انہیں کی ڈگر پر چل نکلے، ان جیسے اعمال اپنا لئے اور اپنے رب کے ساتھ سرکشی اختیار کر لی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے ساتھ بھی ان ہلاک شدگان جیسا سلوک کرے اور ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دے، پھر یہ کسی وعظ و نصیحت کو سن ہی نہ سکیں (1)۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں فرمایا: اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ (السجدۃ:26) ''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں۔ بیشک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان درودیوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے؟''، اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى (طٰہٰ:128) ''کیا (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جن کے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں۔ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لئے''، اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ابراہیم:45-44) ''ف (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کئے تھے اپنے آپ پر''، وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (مریم:98) ''اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ کیا محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ''، اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (الانعام:6) ''کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم''، قوم عاد کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاحقاف:27-25) ''پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔ اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہ دی اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''، وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (سبا:45) ''اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے۔ اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت، دبدبہ)

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 9

ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب'' ۔ وَلَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ (الملک:18) ''اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان) پر میرا عذاب کتنا سخت تھا''، فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ۞ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ (الحج:46-45) ''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں''، وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (الانبیاء:41) ''اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جو دشمنان خدا کے ساتھ انتقام اور دوستان خدا کے ساتھ فضل و کرم پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۞ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ۞

''یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی کچھ خبریں اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے اس سے پہلے اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر۔ اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند اور ضرور پایا ان میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا''۔

حضرات نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا تذکرہ ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا اور مومنین کو نجات دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی دلائل و براہین اور معجزات کے ذریعے حق واضح کر کے کفار کے تمام عذر اور بہانے ختم کر دیئے۔ ارشاد ہوتا ہے: تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ...... یعنی اے محبوب! یہ (اجڑی ہوئی) بستیاں اور (کھنڈرات) ہیں جن کی خبروں سے ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔ ان کے پاس اللہ کے رسول اپنی رسالت کی صداقت پر معجزات اور دلائل لیکر آئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (بنی اسرائیل:15) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''، اور فرمایا: ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيۡدٌ ۞ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ (ہود:101-100) ''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ قائم ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں، اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر زیادتی کی تھی''۔

فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یہاں باء سببیہ ہے یعنی وہ رسولوں کے پیغام پر ایمان لانے والے نہ تھے اس سبب سے کہ

انہوں نے پہلے حق کی تکذیب کر دی تھی۔ یہ توجیہ اچھی ہے اسے ابن عطیہ نے نقل کیا ہے(1)۔ اس طرح کا یہ ارشاد بھی ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 110) ''اور اے (مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ''، اس لئے یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ...... یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ ان گزشتہ امتوں کی اکثریت وعدہ کی پابند ہی نہ تھی۔ اکثر لوگ اطاعت الٰہی اور عہد اَلَسْتُ کو فراموش کر گئے۔ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو روز ازل عالم ارواح میں ان سے لیا گیا۔ یہ عہد ان کی فطرت و جبلت میں رکھ دیا گیا اور اسی پر انہیں پیدا کیا گیا۔ وہ وعدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس چیز کا انہوں نے اقرار بھی کیا اور گواہی بھی دی تھی لیکن پھر مخالفت پر اتر آئے، اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور بغیر کسی عقلی اور شرعی حجت کے اللہ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرنے لگے حالانکہ فطرت سلیمہ میں اس کے برعکس چیز ودیعت کی گئی ہے اور تمام کے تمام رسول بھی شرک اور بت پرستی سے سختی کے ساتھ منع کرتے رہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، شیاطین ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں اپنے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتے ہیں''(2)۔ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے: ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں''(3)۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''، وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف: 45) ''اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے''، وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) ''ور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ اس قسم کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس ارشاد: فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں بندوں نے جو اقرار کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے تھا اس لئے اس علم کی بناء پر فرمایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے(4)۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ یوم میثاق کو جو انہوں نے اقرار کیا تھا وہ مجبوری سے تھا۔ یہ فرمان اس فرمان کی طرح ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا (الانعام: 28) ''اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں''۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۰۳

''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''

1۔ المحرر الوجیز، جلد 6 صفحہ 22
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا 2197
3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 222، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047
4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 11

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے سابقہ رسولوں نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ لیکن انہوں نے ظلم اور عناد کے باعث انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے جیسا کہ فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (النمل: 14) ''اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''۔ یعنی جن لوگوں نے صراط مستقیم سے انحراف کیا اور رسولوں کی تکذیب کی، اے محبوب! دیکھیں ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور کس طرح انہیں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سامنے غرق دریا کر دیا۔ فرعون اور اس کی قوم کے عبرتناک انجام کی تعبیر کا یہ نہایت بلیغ انداز کلام ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے زیادہ تسکین اور تشفی کا حامل ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾

''اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگار عالم کا۔ واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے، میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو''۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مناظرہ کی خبر دے رہا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اس کی قوم قبطیوں کی موجودگی میں دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ لاجواب کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں اس ذات کا فرستادہ ہوں جو ہر چیز کی خالق، رب اور مالک ہے اور مجھ پر واجب ہے کہ میں حق بات پیش کروں۔ بعض حضرات نے آیت کریمہ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ میں ''عَلٰى'' بمعنی باء لیا ہے۔ معنی ہوگا ''جَدِيْرٌ بِذٰلِكَ'' یعنی میں اس چیز کا مستحق ہوں۔ علیٰ اور باء ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں جیسے: ''رَمَيْتُ بِالْقَوْسِ'' اور ''عَلَى الْقَوْسِ''۔ ''جَاءَ عَلٰى حَالٍ حَسَنَةٍ'' اور ''بِحَالٍ حَسَنَةٍ''۔ بعض مفسرین نے حقیق کو حریص کے معنی میں لیا ہے (1)۔ بعض مدنی حضرات کی قراءت یہ ہے: ''حَقِيْقٌ عَلَيَّ'' (2)۔ یعنی مجھ پر واجب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی بات بتاؤں جو اس کی طرف سے مجھ تک پہنچے۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... میں تمہارے پاس وہ قطعی حجت لیکر آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت کی صداقت پر عطا فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل کو اپنی قید، غلامی اور قہر و ظلم سے آزاد کرو اور انہیں اس رب کی عبادت کرنے دو جو نہ صرف ان کا رب ہے بلکہ تمہارا بھی۔ بنی اسرائیل کوئی معمولی لوگ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت اسرائیل (یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ) علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ...... یعنی فرعون آپ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ میں نہ تو تمہاری تصدیق کروں گا اور نہ تمہاری اطاعت کروں

3۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 185　　4۔ یہ قرأت نافع ہے، دیکھئے الاقناع از ابن باذش، جلد 2 صفحہ 648

گا، اگر کوئی تمہارے پاس معجزہ ہے تو اسے سامنے لے آؤ تا کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝

''تو ڈال دیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدہا بن گیا اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لئے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اچانک صاف اور بہت بڑا اژدھا بن گیا جو منہ کھولے ہوئے اور پھنکارتے ہوئے تیزی سے فرعون کی طرف لپکا۔ جب فرعون نے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اپنے تخت سے نیچے کود گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ وہ اسے اس سے روک لیں۔ آپ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ اتنا بڑا اژدھا بن گیا جتنا بڑا شہر ہوتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ نر اژدھا تھا، جب اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کا ایک جبڑا زمین پر تھا اور دوسرا محل کی دیوار کے اوپر۔ پھر وہ فرعون کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ جب فرعون نے اسے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو چیخ اٹھا اور چھلانگ لگا دی، ساتھ ہی ہوا خارج ہوگئی اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ چیختے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس سانپ کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ روانہ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا تو اس نے دوبارہ لاٹھی کی شکل اختیار کر لی۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو آپ سے فرعون نے کہا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں تم کون ہو؟ فرمایا: بتاؤ۔ تو اس نے (قرآنی الفاظ میں) کہا: اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا (الشعراء:180) ''کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا''۔ آپ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ پھر فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اسے پکڑ لو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علی الفور اپنا عصا پھینک دیا جس نے اچانک اژدھے کی شکل اختیار کر لی اور وہ لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایک دوسرے کو کچلنے کے باعث پچیس ہزار آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ فرعون اپنی ہزیمت و رسوائی کے زخم چاٹتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمکتے اور جگمگاتے ہوئے باہر نکلا۔ یہ سفیدی نہ برص کی وجہ سے تھی اور نہ کسی اور مرض کے باعث جیسا کہ ارشاد ہے: وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (النمل:12) ''اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے''۔ جب آپ اپنی آستین میں ہاتھ کو واپس لے جاتے تو وہ پہلے رنگ کی طرف لوٹ جاتا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

''کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو''۔

جب فرعون کے حواس بحال ہوئے اور وہ پھر اپنے تخت پر آ بیٹھا تو اس کے درباریوں اور قوم کے زعماء نے فرعون کی تائید کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 14-15

ہوئے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا کہ یہ (موسیٰ) واقعی ماہر جادوگر ہے۔ پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپس میں مشاورت کرنے لگے کہ کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے اور کونسا حیلہ اس کے نور کو بجھانے، اس کی بات کو دبانے اور اس کے کذب و افتراء کا پردہ فاش کرنے میں کارگر ثابت ہو سکتا ہے، انہیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ لوگ اس کے سحر سے متاثر ہو کر اس کی طرف مائل ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ موسیٰ کو ہم پر برتری اور غلبہ حاصل ہو جائے گا اور وہ ہمیں اپنی ہی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن جس چیز کا اندیشہ تھا اسی سے وہ دوچار ہوئے جیسا کہ ارشاد ہے: وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص: 6) ''اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے''۔ جب انہوں نے آپس میں مشاورت کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف منصوبہ تیار کر لیا تو اس بات پر اتفاق رائے ہوا جسے اللہ تعالیٰ یوں بیان فرما رہا ہے:۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾

''بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو''۔

زعماء اور سرداروں نے فرعون سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو روک لیں اور اپنی قلمرو کے تمام شہروں میں ہرکارے دوڑا دیں تاکہ وہ ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ اس زمانہ میں فن جادوگری بہت عروج پر تھا۔ قوم فرعون کے بعض لوگوں کو یقین تھا اور بعض کو وہم کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ ان کے جادوگروں کی شعبدہ بازی کے قبیل سے ہے۔ اس لئے انہوں نے اس معجزہ کے مقابلہ میں اسی نوعیت کی چیز پیش کرنے کا عزم کیا اور اس غرض کے لئے جادوگر جمع کر لئے جس طرح اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے کہا: اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى (طٰہٰ: 60-57) ''کہنے لگا موسیٰ: کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت ہے سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی۔ پس اب مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے، جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا''۔ یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

''اور آ گئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہئے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں۔ فرعون نے کہا بیشک اور (اس کے علاوہ) تم خاصان بارگاہ سے ہو جاؤ گے''۔

یہاں اس شرط کا ذکر ہو رہا ہے جس پر فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے جادوگروں نے اتفاق کیا تھا۔ یعنی اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو فرعون انہیں گرانقدر عطیات سے نوازے گا۔ فرعون نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا اور انہیں یقین دلایا کہ

وہ نہ صرف انہیں منہ مانگا انعام دے گا بلکہ اپنے مقربین اور خاصان میں بھی شامل کر لے گا۔ فرعون سے پختہ وعدہ لینے کے بعد وہ میدان میں اترے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

”جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا“۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مبارزت اور مقابلہ کا احوال بیان ہو رہا ہے، جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ یا تو آپ پہل کریں اور اپنا ہنر دکھائیں یا پھر ہم ڈالتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (طٰہٰ :65) ”یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تم پہلے ڈالو اور اپنے ہنر کے اظہار کا آغاز کرو۔ مقابلہ میں ان سے پہل کروانے میں یہ حکمت تھی تاکہ پہلے لوگ ان جادوگروں کا کرشمہ دیکھ لیں اور اس میں خوب غور و تامل کر لیں۔ اور جب جادوگر اپنی شعبدہ بازی اور نظر فریبی سے فارغ ہو جائیں تو پھر حق طلب اور انتظار کے بعد اپنی پوری تابنا کی اور رعنائی کے ساتھ عیاں ہو جائے۔ یہ چیز دلوں میں زیادہ وقیع، موثر اور کارگر ثابت ہوتی ہے اور ہوا بھی اسی طرح۔ اسی لئے فرمایا: فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں پھینکیں اور انہوں نے سانپوں کی شکل اختیار کر لی تو لوگوں کی نظریں فریب کھا گئیں۔ انہیں یہ خیال ہونے لگا کہ یہ واقعتاً وہی چیزیں ہیں جو انہیں دکھائی دے رہی ہیں حالانکہ یہ صرف شعبدہ اور خیال تھا جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ :66-69) ”پھر کیا تھا یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں پھینکیں، ان کے جادو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہوا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگر صف آراء ہوئے۔ ہر ساحر کے پاس رسی اور لاٹھی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا ٹیکتے ہوئے اپنے بھائی کے ساتھ نکلے اور فرعون کے دربار میں پہنچ گئے۔ فرعون اپنی محفل لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سب سے پہلے جادوگروں نے اپنے جادو کے کرشمہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر فرعون اور پھر سب لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی رسی اور لاٹھی پھینکی تو وہ رسیاں اور لاٹھیاں اچانک پہاڑوں کی طرح سانپ بن گئیں سارا میدان سانپوں سے بھر گیا، سانپ ایک دوسرے کے اوپر رینگ رہے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زائد جادوگر تھے۔ جادو سے لوگوں کی نظر بندی ہو گئی اور یہ منظر دیکھ کر سب دہشت زدہ ہو گئے۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر اکٹھے کئے۔ انہوں

نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈالی تھیں جو رینگتے ہوئے سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں(3)۔اسی لئے فرمایا: وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ۔

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈال دیجئے اپنا عصا تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل وخوار ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا''۔

اس زبردست مقابلے میں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دو۔ جونہی آپ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ فوراً ان کے شعبدہ اور فریب کو نگلنے لگا۔ جس رسی یا لکڑی کے پاس سے گزرتا اسے ہڑپ کر لیتا۔ یہ چیز دیکھ کر جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں، وہ پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ کوئی خدائی اور آسمانی چیز ہے، فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے: اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کا عصا اژدہا بن کر ان رسیوں اور لاٹھیوں کا پیچھا کرنے لگا حتیٰ کہ تمام کو نگل گیا۔ پھر آپ نے اسے پکڑ لیا تو وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا۔ یہ منظر دیکھ کر سارے جادوگر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہم کبھی بھی مغلوب نہ ہوتے۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا تھا(2)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

''فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا۔ بیشک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے) کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو۔ وہ بولے (پروانہیں) ہم تو اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں''۔

جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور فرعون کے شرمناک ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد وہ جادوگروں کو

1۔تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 20 2۔تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 21

دھمکیاں دینے لگا کہ یہ سب کچھ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت سے ہوا۔ تم نے موسیٰ سے مل کر یہ سازش تیار کی تا کہ تم اس شہر سے اصلی باشندوں کو نکال کر خود قابض ہو جاؤ۔ یہ موسیٰ تمہارا ہی سردار ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ (طٰہٰ: 71) ''وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن)''۔ نہ صرف فرعون بلکہ ہر ذی عقل وشعور یہ جانتا تھا کہ فرعون کی یہ بات جھوٹ اور باطل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے واپس آتے ہی فرعون کو خدائے یکتا کی طرف بلایا اور اپنی صداقت پر معجزات دکھائے۔ اسی وقت فرعون نے اپنی تمام قلمرو سے ماہر جادوگر بلوا لئے اور ان کے ساتھ گرانقدر عطیات کا وعدہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ اور فرعون کے قرب کے بہت زیادہ حریص تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان میں سے کسی کو پہچانتے بھی نہ تھے بلکہ ان میں سے نہ کسی کو دیکھا تھا اور نہ کسی سے ملاقات ہوئی تھی۔ فرعون کو اس بات کا بخوبی علم تھا لیکن اپنی شرمناک شکست کو چھپانے اور جاہل عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس نے یہ بات کہی جیسا کہ فرمایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ (الزخرف: 54) ''یوں اس نے احمق بنادیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے''، اور وہ جاہل فرعون کے اس دعویٰ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی'' کی بھی تصدیق کرتے تھے۔ کیسی جاہل اور گمراہ قوم تھی! سدی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے رئیس کے درمیان ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم پر غالب آ گیا تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا اور میری رسالت کی گواہی دے گا تو اس ساحر نے کہا کہ کل میں ایسے جادو کا مظاہرہ کرنے والا ہوں جس پر کوئی جادو غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ کی قسم! اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور اس بات کی گواہی دوں گا کہ تم سچے ہو، فرعون انہیں اس وقت دیکھ رہا تھا اسی لئے اس نے سازش کا الزام لگایا۔

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا...... یعنی تم یہ چاہتے تھے کہ جمع ہو کر سلطنت پر قبضہ جمالو اور اس ملک کے اکابرین اور رؤساء کو نکال باہر کرو تا کہ اس ملک میں تمہارا سکہ چلنا شروع ہو جائے۔ عنقریب تم جان لو گے کہ میں تمہارا کیا حشر کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اپنی دھمکی کی وضاحت ان الفاظ میں کی: لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ...... یعنی میں تمہارا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور پھر سولی پر لٹکا دوں گا ایک دوسری آیت میں آتا ہے کہ میں تمہیں کھجور کے درختوں کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مختلف اطراف سے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور پھانسی دینے کی سزا فرعون کی ایجاد ہے۔

اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ وہ جادوگر کہنے لگے کہ ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ ہمیں ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور اس کا عذاب تیرے اس عذاب سے زیادہ شدید ہے جس کی تو ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ آج ہم اس عذاب پر صبر کریں گے تا کہ اخروی عذاب سے نجات پا جائیں، اسی لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے لگے: رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا...... یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے تا کہ ہم تیرے دین پر ثابت قدم رہیں اور جب آخری وقت آئے تو تیری اور تیرے نبی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں سر جھکے ہوئے ہوں چنانچہ فرعون کو کھری کھری سناتے ہوئے کہنے لگے: فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۝ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ۝ وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی (طٰہٰ: 75-72) ''پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا

ہے۔ بے شک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لئے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہو گا۔ اور جو شخص حاضر ہو گا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں اس نے عمل بھی نیک کئے ہوں تو یہ وہ (سعادت مند) ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں"۔ دن طلوع ہوا تھا تو یہ جادوگر اور کافر تھے جبکہ دن کے آخری حصہ میں شہداء اور نیکوکار بن گئے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

"اور کہا قوم فرعون کے سرداروں نے (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو۔ اس نے (برافروختہ ہو کر) کہا (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو۔ اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں۔ فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے (مخصوص) ہے۔ قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔

فرعون اور قوم کے زعماء کے درمیان جو بات طے ہوئی اور ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا بغض اور اذیت رسانی کا جو جوش مضمر تھا، اس سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ سرداروں نے فرعون سے کہا: اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی چھوڑے رکھیں گے تاکہ وہ ہماری قوم کے افراد کو برگشتہ کرتے رہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے رہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کو فساد کا نام دے کر اس قدر خوفزدہ ہو گئے! فسادی تو وہ بذات خود تھے لیکن ان کا شعور نہیں رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا: وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ بعض نے کہا ہے کہ یہاں واؤ حالیہ ہے۔ معنی یہ ہو گا: کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو ترک کئے رکھیں گے تاکہ وہ فساد برپا کرتے رہیں درآں حالیکہ اس نے آپ کی اور آپ کے معبودان کی عبادت کو چھوڑ رکھا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے: "وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَعْبُدُوْكَ اٰلِهَتَكَ"۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ واؤ عاطفہ ہے۔ معنی یہ ہو گا: کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے کہ وہ فساد بپا کرے اور آپ اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دے۔ بعض نے "اٰلِهة" کی بجائے "اِلَاهَتَكَ" (تیری عبادت) پڑھا ہے۔ پہلی قراءت کی بناء پر بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فرعون کا بھی کوئی خدا تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ پوشیدہ طور پر اپنے خدا کی عبادت کرتا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے گلے میں ایک مورتی لٹکی ہوئی تھی جس کو

وہ سجدہ کرتا تھا(1)۔ اس بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ کسی خوبصورت گائے کو دیکھتے تو فرعون انہیں اس کی پرستش کرنے کا حکم دیتا۔ اسی لئے سامری نے ایک بچھڑا بنایا تھا جس کے اندر سے آواز نکلتی تھی۔ فرعون نے اپنے درباریوں اور سرداروں کے اکسانے پر ان کی بات کو قبول کرتے ہوئے کہا: سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ یہ اس نوعیت کا دوسرا حکم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بھی آپ کے وجود سے خوفزدہ ہونے کی بناء پر اس نے یہ حکم جاری کیا تھا، لیکن اس کی تدبیر بے سود رہی اور معاملہ اس کے قصد کے برعکس رہا۔ بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے اور انہیں مغلوب رکھنے کی غرض سے یہ حکم اس نے دوبارہ لاگو کر دیا لیکن اس کا ارادہ دھرے کا دھرا رہ گیا، اس کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو عزت بخشی جبکہ فرعون کو ذلیل و رسوا کر دیا، وہ خاک آلود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے لشکر سمیت غرق کر دیا۔ جب بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے کا فرعون نے عزم مصمم کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔ اور آپ نے ان کے ساتھ اچھے انجام کا وعدہ کیا اور یقین دلایا کہ ملک تمہارا ہی ہوگا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ...۔

اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ ...... بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کی آمد سے قبل بھی ہم ذلت و رسوائی کا شکار تھے اور آپ کی آمد کے بعد بھی صورت حال جوں کی توں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں موجودہ حالت اور آئندہ پیش آنے والے حالات پر آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ...... اس آیت کے ذریعے انہیں اس عزم پر ابھارنا مقصود ہے کہ جب راحت کا دور آئے اور تکلیف ختم ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

''اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے سن لو! ان کی بدفالی تو (مکافات عمل کے تقاضوں کے مطابق) اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کر کے آزمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں کھجور کے درخت کو صرف ایک ہی کھجور لگتی تھی۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ ...... جب ان پر راحت کا دور آتا، شادابی کا دور دورہ ہوتا اور پیداوار خوب ہوتی تو کہتے کہ ہم ہی تو اس کے مستحق تھے۔ اور اگر وہ قحط سالی کا شکار ہو جاتے اور مشکل وقت آ جاتا تو کہتے کہ یہ سب موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، سنو، یہ نحوست اور بدفالی مکافات عمل کا نتیجہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لفظ طائر سے مراد مصائب لیتے ہیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اصلی سبب کو نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 25 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 30، الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 108

''عِنْدَ اللّٰهِ'' کا معنیٰ ''مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ'' (من جانب اللہ) لیتے ہیں(1)۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

''اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تا کہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں، پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔ اور جب آ جاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا''۔

فرعونیوں کے حق کے ساتھ عناد و سرکشی اور باطل پر اصرار کا ذکر ہو رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ...... یعنی تم کیسی ہی کوئی نشانی، دلیل اور معجزہ ہمارے پاس لے آؤ جس کے ذریعے تم ہمیں جادو کر دو، ہم اسے مسترد کر دیں گے، نہ اسے قبول کریں گے اور نہ تم پر ایمان لائیں گے۔ اس سرکشی کے نتیجہ میں انہیں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طوفان کا معنی بتاتے ہیں بارش کی کثرت جو غرق کر دے اور فصلوں اور پھلوں کو تلف کر دے۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے طوفان بمعنی کثرت اموات منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: سیلاب اور طاعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طوفان یعنی موت''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ایک اور معنی منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناگہانی آفت۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ (القلم:19) ''پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے''۔

جراد (ٹڈی) مشہور و معروف ہے۔ اس کا کھانا حلال ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئے، ہر موقعہ پر ٹڈیاں کھانے کا اتفاق ہوا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لئے دو مردہ چیزیں اور دو خون حلال ہیں: مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی''(3)۔ رسول اللہ ﷺ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 31 2۔ صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید، جلد 7 صفحہ 117 صحیح مسلم، کتاب الصید 1546

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ 1101-1102، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 97 وغیرہ

اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ لشکر ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں'' (1)۔ آپ ﷺ کو اس کا کھانا مرغوب نہیں تھا اس لئے اسے ترک کر دیا جس طرح گوہ بھی آپ کو ناپسند تھا حالانکہ اس کے کھانے کی آپ ﷺ نے اجازت دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ ٹڈی کھاتے، نہ گردے اور نہ گوہ، حالانکہ آپ ﷺ نے ان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیا تھا۔ ٹڈی تو اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس بناء پر کہ وہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ سے اجتناب کی وجہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ یہ (گوہ) کسی مخلوق کی مسخ شدہ صورت ہے۔'' اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ روایت غریب ہے۔ بہرصورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ٹڈی کو شوق سے کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کاش ایک دو ٹوکریاں مل جائیں تاکہ ہم کھائیں (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پلیٹیں بھر بھر کر ٹڈیاں تحفہ بھیجا کرتی تھیں (3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی۔ مریم نے عرض کی: یا اللہ! بغیر پرورش کے اس کو زندگی اور بغیر آواز کے اسے ایک دوسرے کے پیچھے رکھ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹڈیوں کو نہ مارو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے۔'' مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اس ارشاد: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ کے متعلق کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں یہ ٹڈیاں دروازوں کے کیل کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ میں صحراء کی طرف نکلا تو میں نے اچانک فضا میں ٹڈی دل دیکھا۔ ایک آدمی پر نظر پڑی جو ان میں سے ایک ٹڈی پر سوار تھا، یہ شخص مسلح تھا۔ جب وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتا تو ٹڈیاں بھی اس کے ہاتھ کے ساتھ ہی مائل ہو جاتیں اور وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ دنیا و مافیھا سب باطل ہے۔ قاضی شریح سے جراد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔ اس میں سات جابر چیزوں کی تخلیقی صفات ہیں: اس کا سر تو گھوڑے کا سر ہے، گردن بیل کی، سینہ شیر کا، پر گدھ کے، پاؤں اونٹ کے، دم سانپ کی اور پیٹ بچھو کا۔ اور اس آیت ''اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ'' کے تحت ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر چکے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرہ کے لئے نکلے، رستہ میں ہمیں ٹڈی دل سے سامنا ہو گیا۔ ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں کے ساتھ مارنا شروع کر دیا۔ اس کے متعلق ہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صید بحر میں کوئی حرج نہیں'' (4)۔ حضرات انس اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جراد کے لئے بددعا کرتے تو یوں کہتے: ''اے اللہ! ان کے بڑوں کو ہلاک کر دے، چھوٹوں کو قتل کر دے، ان کے انڈوں کو تباہ کر دے، ان کی نسل کو قطع کر دے اور ہمارے اسباب معیشت اور ارزاق سے ان کے منہ بند کر دے، تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ خدائی لشکر کے لئے قطع نسل کی بددعا کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سمندر کی مچھلیوں کی اولاد ہے''۔ زیاد کہتے ہیں کہ انہیں ایک شخص نے جس نے اپنی آنکھوں سے ٹڈیوں کو مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا ہے، بتایا کہ مچھلیاں جب ساحل سمندر کے قریب انڈے دیتی ہیں اور ساحلی پانی خشک ہو جاتا ہے تو جب اس پر دھوپ پڑتی ہے، ٹڈیاں انڈوں سے نکل نکل کر اڑنے لگتی ہیں۔ اور اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ کے تحت

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 357

6۔ موطا امام مالک، کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2 صفحہ 933

7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصید 1073

1۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الحج، جلد 3 صفحہ 586، سنن ابن ماجہ، کتاب الصید 1074

ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے، چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر، اور جلد ہلاک ہو جانے والی مخلوق ٹڈی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تلوار کے (ہلاک شدگان) مقابلہ میں وباء کی کوئی حقیقت نہیں اور ٹڈی کے مقابلہ میں لکڑی کی کوئی حیثیت نہیں''۔ یہ حدیث غریب ہے۔

قُمَّل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ گھن اور سسری ہے جو گندم کو لگ جاتی ہے۔ اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کا معنی چھوٹی چھوٹی ٹڈیاں ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''قُمَّل'' چھوٹے چھوٹے سیاہ رنگ کے کیڑوں کو کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نزدیک اس سے مراد پسو ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''قُمَّل''، ''قُمَّلَة'' کی جمع ہے اور اس سے مراد چیچڑی کے مشابہ کوئی کیڑا ہے۔ بعض اہل بصرہ کے نزدیک اس کا معنی چیچڑی ہے(1)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دو تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے شدید بارش کی صورت میں ان پر طوفان بھیجا، موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ فرعونی ڈر گئے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اپنے رب سے دعا کریں تا کہ وہ اس طوفان کو ہم سے ٹال دے، پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹل گیا لیکن پھر بھی نہ وہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ اس سال معمول سے بڑھ کر فصلیں ہوئیں، پھلوں کی بہتات ہوگئی، پیداوار کی فراوانی ہوگئی اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دینے لگا تو وہ کہنے لگے کہ یہی تو ہماری تمنا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈیوں کا لشکر بھیج دیا وہ جس چیز پر بیٹھتیں اسے تباہ کر ڈالتیں، وہ سمجھ گئے کہ اب کوئی فصل باقی نہیں بچے گی۔ پھر دوڑے دوڑے حضرت موسیٰ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوئے اور وعدہ کیا کہ ہم اس عذاب کے دور ہوتے ہی آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ٹل گیا، پھر بھی وہ ایمان نہ لائے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اپنی قید سے آزاد کرنے پر تیار ہوئے۔ انہوں نے گھروں میں غلہ ذخیرہ کر لیا اور کہنے لگے کہ اب کوئی خطرہ نہیں، ڈھیروں غلہ ہمارے گھروں میں موجود ہے، اچانک اللہ تعالیٰ نے گھن کا عذاب ان پر نازل کر دیا۔ غلے کو گھن کھانے لگا۔ ایک آدمی دس جریب غلہ پسوانے کے لئے لے جاتا تو چکی تک پہنچتے پہنچتے بمشکل تین قفیز باقی رہ جاتا۔ پھر وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے حسب سابق مشکل ٹلنے کی صورت میں ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا پختہ وعدہ کیا لیکن پھر اپنے وعدہ سے مکر گئے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے مینڈک کی ٹرٹراہٹ سنی تو آپ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تمہیں اور تمہاری قوم کو اس سے کوئی خطرہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اس سے تو کوئی خاص خطرہ نہیں۔ ابھی شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں کے سارے جسم پر مینڈک کودنے لگے۔ جب کوئی بات کرنے کے لئے اپنا منہ کھولتا تو مینڈک اچھل کر اس کے منہ میں چلا جاتا بڑے پریشان ہوئے، پھر بھاگم بھاگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور اپنا وعدہ دہرایا۔ عذاب دور ہو جانے کے بعد پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اب خون کا عذاب نازل ہوا۔ نہروں اور تالابوں سے پانی لاتے ہیں تو خون بن جاتا ہے، برتنوں میں پانی رکھتے ہیں تو وہ بھی خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ ہم تو خون کی سخت آزمائش سے دوچار ہیں، پینے کو پانی بھی نہیں ملتا۔ فرعون کہنے لگا کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) نے تم پر جادو کر دیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ

1۔ مجاز القرآن لابی عبیدۃ، جلد 1 صفحہ 226، تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 33

اس نے ہم پر جادو کہاں سے کر دیا، ہم تو اپنے برتنوں میں پانی کی بجائے تازہ خون پاتے ہیں۔ اب پھر چاروناچار موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی، ساتھ ہی اپنے عہد کی تجدید کی۔ آپ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی چھٹ گیا لیکن وہ نہ تو ایمان لانے پر آمادہ ہوئے اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر تیار ہوئے۔

محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو دشمن خدا فرعون مغلوب اور ناکام ہو کر لوٹا۔ پھر بھی کفر اور سرکشی پر ہی بضد رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلسل اپنی نشانیاں اس پر ظاہر کیں، قحط سالی کا شکار ہوا، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور پھر خون کی شکل میں عذاب میں مبتلا ہوا۔ طوفان آیا تو اس کا پانی زمین پر ٹھہر گیا، نہ ہل چلا سکے تھے اور نہ کچھ کاشت کر سکتے تھے۔ جب بھوک سے حالت غیر ہو گئی تو کہنے لگے: قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ...... موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور عذاب ٹل گیا لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا وعدہ ایفاء نہ کیا۔ ٹڈی کا عذاب آیا، ساری فصلیں تباہ ہونے لگیں، صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ وہ دروازوں کے لوہے کے کیل کھا جاتیں حتیٰ کہ ان کے گھر گرنے لگے۔ پھر انہوں نے وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کروائی لیکن پھر بھی اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر جوؤں کا عذاب آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ وہاں آپ نے بحکم خداوندی ایک پتھر پر ضرب لگائی تو اس سے بے شمار جوئیں نکل آئیں۔ گھر اور کھانے ان سے بھر گئے، نیندیں حرام ہو گئیں اور سکون برباد ہو گیا۔ پھر انہوں نے حسب سابق اپنا وعدہ دہراتے ہوئے دعا کروائی، لیکن عذاب ٹلنے کے بعد پھر عہد شکنی کی۔ پھر مینڈکوں کا لشکر آ گیا۔ گھر، کھانے اور برتن سب ان سے بھر گئے۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ نہر یا کنویں سے پانی نکالیں تو خون، برتن میں سے پانی لیں تو خون برآمد ہوتا(1)۔ حضرت عبیداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ مینڈکوں کو نہ مارو کیونکہ جب فرعونیوں پر ان کا عذاب بھیجا گیا تھا تو ان میں سے ایک مینڈک اللہ کی خوشنودی کی خاطر آگ کے تنور میں گر پڑا تھا، چنانچہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز (پانی) کو ان کا مسکن بنا دیا اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دے دیا۔ زید بن اسلم "دَمَ" (خون) سے مراد نکسیر پھوٹنے کا عذاب لیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

"پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے اور غرق کر دیا انہیں سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔ اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 37

فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی متعدد نشانیاں دکھائی گئیں اور یکے بعد دیگرے کئی قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے، لیکن پھر بھی اپنی سرکشی اور تمرد سے باز نہ آئے تو انہیں اس بحر (قلزم) میں غرق کر دیا گیا جس میں شگاف ڈال کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے رستہ بنا دیا۔ آپ بنی اسرائیل سمیت سمندر میں اتر پڑے اور بعافیت اسے عبور کر لیا۔ پھر فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کے پیچھے سمندر میں اترا۔ جب وہ تمام کے تمام سمندر کے اندر چلے گئے تو پانی نے بہتے ہوئے انہیں اپنے نرغہ میں لے لیا اور وہ سب ڈوب گئے۔ اس عبرتناک عذاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غفلت برتتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے احسان سے آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے اس ذلیل اور کمزور قوم کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (القصص:6-5) ''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث۔ اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے''۔ اور فرمایا: كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ۝ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ (الدخان:28-25) ''وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے۔ (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سارا ساز وسامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو''۔ حضرات حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ کے نزدیک مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا سے مراد سرزمین شام ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ...... اللہ تعالیٰ کی یہ اچھی بات اور عمدہ وعدہ وہ ہے جس کا ذکر ''وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ......'' والی ان آیات میں ہوا ہے جن کا بیان ابھی ابھی ہوا ہے۔ پھر فرمایا: وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ...... فرعونی جو عمارات بنایا کرتے تھے، جو فصلیں کاشت کرتے تھے اور جو بھی محلات تعمیر کرتے تھے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر کے کھنڈرات بنا دیا۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

''اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں، بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لئے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں''۔

بنی اسرائیل کے جاہلوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کا بیان ہو رہا ہے، جب انہوں نے بخیریت سمندر کو عبور کر لیا اور اس سے قبل وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں بچشم خود دیکھ چکے تھے تو ان کا گزر ایک بت پرست قوم سے ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش میں مگن تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کنعانی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ وہ گائے جیسے بتوں کی

عبادت کرتے تھے۔ اسی سے متاثر ہو کر بعد میں بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کہنے لگے: یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا...... یعنی ان کے خداؤں جیسا ایک خدا ہمارے لئے بھی بنا دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم تو بالکل جاہل اور نادان ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے آگاہی ہی نہیں ہے، وہ تو شریک اور مثیل سے منزہ ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ جس عقیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں یہ بھی تباہ ہونے والا ہے اور ان کا عمل بھی باطل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت ابو واقد اللیثی سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ہم (کچھ صحابہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف جا رہے تھے۔ رستہ میں کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جہاں وہ ٹھہرتے تھے اور اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکا دیا کرتے تھے۔ اس درخت کو "ذات انواط" کہا جاتا تھا۔ ہم اس درخت کے پاس سے گزرے تو یہ بیری کا ایک بہت بڑا سرسبز درخت تھا۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی ان جیسا ایک "ذات انواط" بنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے وہی بات کہی جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم پہلے لوگوں کے (غلط) طریقے پر چلنا چاہتے ہو(1)۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۴۰ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۱۴۱

"موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمہیں سخت عذاب مار ڈالتے تھے تمہارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ اس نے انہیں فرعون کی قید، ظلم و ستم، قہر، اور ذلت و رسوائی سے رہائی دلوائی، عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور دشمن کو سامنے ہلاک کر کے انہیں تسکین اور تشفی بخشی۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴۲

"اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے۔ سو پوری ہو گئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں۔ اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر"۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 218 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 49

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہدایت عطا کر کے احسان فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا، انہیں تورات عطا فرمائی جس میں احکام اور شریعت کی دیگر تفصیلات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دنوں کے روزے رکھے۔ جب میعاد پوری ہوگئی تو آپ نے مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے مزید دس دنوں کا اضافہ کر کے چالیس دن کی تکمیل کا حکم دیا۔ ان دس دنوں کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون سے دن تھے۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ تیس دن ذوالقعدہ کے تھے اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اس طرح یوم نحر (عیدالاضحیٰ کا دن) کو چالیس دن کی میعاد پوری ہوئی۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اسی دن دین محمدی ﷺ کی تکمیل ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3) ''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین''۔ جب میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد ہے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ (طٰہٰ:80) ''اے بنی اسرائیل! (دیکھو!) ہم نے بچالیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا''۔ تو اس وقت جاتے جاتے ہوئے آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور انہیں اصلاح اور عدم فساد کی تاکید کی۔ یہ بطور تنبیہ و تذکیر کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بذات خود عظیم المرتبت نبی تھے جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام و مرتبہ تھا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

''اور جب آئے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے (تو اس وقت) عرض کی اے میرے رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جگہ پر پہنچے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کی درخواست کی:

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ لفظ ''لَنْ'' نے بہت سے علماء کے لئے اشکال پیدا کر دیا ہے، کیونکہ یہ لفظ ہمیشہ کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اس بناء پر معتزلہ نے دنیا و آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ قول نہایت ضعیف اور بودا ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ ان احادیث کا بیان ان آیات وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ (القیامۃ:22) ''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے'' اور كَلَّآ

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففین :1) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا'' کے تحت ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ ''لَنْ'' صرف دنیا میں ہمیشہ کی نفی کیلئے ہے۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ اور دار آخرت میں رؤیت باری کے ثبوت کی قطعی دلیل کے درمیان تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس مقام میں کلام ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام :103) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے''۔ سورۂ انعام میں اس پر بحث ہو چکی ہے(1)۔ سابقہ کتابوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! جو زندہ مجھے دیکھے گا مر جائے گا اور جس خشک چیز پر میری تجلی پڑ گئی وہ فنا ہو جائے گی۔ اسی لئے فرمایا: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی...... اس وقت آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ بھی کیا...... تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ابو اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ اشارہ انگشت شہادت سے تھا(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ کو پڑھتے وقت اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کے اوپر رکھ کر بتایا کہ اس قدر تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حمید نے ثابت سے کہا: دیکھو، اس طرح۔ ثابت نے اپنا ہاتھ اٹھا کر حمید کے سینہ پر مارا اور کہنے لگے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے تو میں اسے کیسے چھپاؤں؟ مسند امام احمد میں بھی اسی طرح روایت ہے(3)۔ ترمذی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف چھنگلیا کی مقدار تجلی فرمائی تھی کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر خاک بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے(5)۔ حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا اور سمندر میں جا گرا۔ ابو بکر ہذلی کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ زمین کے نیچے دھنس گیا، اب وہ قیامت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑوں پر تجلی فرمائی تو اس کی عظمت کے باعث چھ پہاڑ اڑ گئے۔ تین مدینہ میں آ گرے اور تین مکہ میں۔ مدینہ میں احد، ورقان اور رضوی ہیں جبکہ مکہ میں: حراء، ثبیر اور ثور''۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے۔ تجلی سے پہلے کوہ طور سپاٹ، چکنا اور صاف تھا۔ جب تجلی ہوئی تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کئی پہاڑ بن گئے جن میں غاریں اور درے نمودار ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نور اس پر پڑا تو اس نے ہموار زمین کی شکل اختیار کر لی ہے۔ بعض ''دَكًّا'' کا معنی فتنہ (آزمائش) کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ فرمان: وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ...... اس وجہ سے تھا کہ پہاڑ انسان سے بڑا اور زیادہ طاقتور اور مستحکم ہے۔ جب پہاڑ پر تجلی ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پہاڑ کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا تو وہ مٹی ہو گیا۔ قتادہ نے ''صَعِقًا'' کا معنی کیا ہے میت یعنی موسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر گر پڑے۔ یہ تفسیر درست نہیں ہے۔ ''صَعِقًا'' کا معنی غشی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس اور دیگر علماء نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ مجاہد کا موت کے معنی میں لینا درست نہیں ہے اگرچہ لغوی اعتبار سے یہ معنی لینا صحیح ہے جیسا کہ اس آیت میں یہ لفظ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام :103 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 53 — 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 125
4۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 8 صفحہ 451-452 مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 320-321 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 52-53

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (الزمر:68)'' اور پھونکا جائے گا صور، پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بیہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے''۔ اس آیت میں ''صَعِقَ'' کا معنی موت ہے کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے لیکن خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا میں قرینہ غشی پر دلالت کرتا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: ''فَلَمَّآ اَفَاقَ'' اور افاقہ (ہوش میں آنا) تو غشی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ...... ہوش میں آنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے: اے اللہ! تو اس بات سے منزہ اور پاک ہے کہ دنیا میں کوئی شخص تمہیں دیکھ سکے ورنہ وہ مر جائے گا۔ میں نے رؤیت کی خطا سے توبہ کی اور سب سے پہلے مجھے یقین ہے کہ تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا یا اس کا معنی ہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلا مؤمن ہوں۔ لیکن زیادہ بہتر وہی معنی ہے جو پہلے بیان ہوا کہ میں سب سے پہلے یہ ایمان لانے والا ہوں کہ قیامت تک تجھے مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار سے ایک طویل عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے (1)۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہوں نے اسرائیلیات سے لیا ہے۔ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا کے متعلق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت لیکر آیا کہ ایک انصاری نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے بلاؤ۔ جب وہ انصاری حاضر ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس کے منہ پر کیوں تھپڑ مارا ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس یہودی کے پاس سے گزرا تو اسے میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ میں نے کہا: کیا محمد ﷺ پر بھی؟ تو اس نے کہا: ہاں، اس پر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ میں موسیٰ کو عرش کا پایہ تھامے کھڑا دیکھوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں پہلے ہوش آ چکا ہو گا یا تجلی طور کی بے ہوشی کے بدلہ میں وہ بے ہوش ہوئے ہی نہیں ہوں گے'' (2)۔ مسند امام احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی باہم جھگڑ پڑے۔ دونوں اپنے اپنے نبی کو فضیلت دینے لگے۔ یہودی نے آپ ﷺ سے شکوہ کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، مجھے سب سے پہلے افاقہ ہو گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کی ایک جانب پکڑے ہوئے ہوں گے، نہ معلوم کہ انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ جائے گا یا اللہ تعالیٰ انہیں اس (بے ہوشی) سے مستثنیٰ قرار دے دے گا'' (3)۔ ابو بکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ اس تنازعہ میں یہودی کو طمانچہ مارنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، لیکن صحیح بات وہی ہے جو صحیحین کی روایت میں گزری کہ وہ ایک انصاری تھا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو'' اس فرمان: لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَلَا عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى کی طرح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بات از روئے تواضع کے تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بات آپ ﷺ کو اپنی فضیلت کا علم ہو جانے سے قبل کی ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ غضب اور تعصب کے طور پر فضیلت دینے سے آپ ﷺ نے منع فرمادیا اور بعض نے کہا کہ صرف اپنی رائے اور خواہش کے پیش نظر ایسی فضیلت

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 50-52 2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 430، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1845 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: 1844، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 264 وغیرہ

دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے، ظاہر ہے کہ یہ بے ہوشی میدان محشر میں قیامت کے ہولناکی اور نازک صورت حال کی وجہ سے ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کیلئے جلوہ فرما ہو تو اللہ تعالیٰ کی تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا طور کی بے ہوشی کے بدلہ میں بے ہوش ہوں گے ہی نہیں۔ قاضی عیاض اپنی کتاب الشفاء کے اوائل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو وہ دس فرسخ کی مسافت سے تاریک رات میں کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بھی اس خصوصیت سے نوازا ہو کیونکہ معراج شریف میں آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا(1)۔ اس بات سے گویا انہوں نے اس حدیث کی صحت ثابت کی ہے لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ اس کی سند کے راوی غیر معروف ہیں۔ اس قسم کی روایت عادل ثقہ سے قبول کی جاتی ہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لئے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی۔ پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں۔ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر''۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ سارے لوگوں پر چن لیا۔ یہاں ''النَّاسِ'' سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ ہیں اور اس میں ذرا بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں، اسی لئے آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا، آپ کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی اور آپ ﷺ کے امتی سارے انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔ آپ ﷺ کے بعد شرف وفضیلت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مرتبہ ہے، پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ جو کلام اور مناجات میں نے تمہیں عطا کی ہے اسے پکڑ لو اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور اس چیز کا مطالبہ نہ کرو جسے برداشت کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ان تختیوں کے اندر ہر بات کی نصیحت اور تفصیل بیان کر دی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ الواح جواہر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں مواعظ اور حلال وحرام کے احکام کی تمام تفصیلات درج کر دی تھیں۔ ان الواح (تختیاں) پر تورات مرقوم تھی جس کے بارے میں فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ (القصص:43) ''اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لئے بصیرت افروز

1۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، صفحہ 94

ہے''۔ بعض کہتے ہیں کہ تورات لکھے جانے سے پہلے ہی یہ الواح آپ علیہ السلام کو دے دی گئی تھیں۔ بہر صورت میں یہ مطالبہ رؤیت کے نامنظور ہونے کا صلہ اور عوض تھا۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ...... یعنی اطاعت کے عزم مصمم کے ساتھ اس کو لے لو اور اپنی قوم کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم ہوا وہ بنی اسرائیل کے حکم سے سخت ہے، کیونکہ آپ کے حکم کے ساتھ قوت کا لفظ ہے اور قوم موسیٰ کے لئے حکم میں احسن کا لفظ ہے۔

سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ عنقریب تم میری نافرمانی کرنے والوں کا انجام دیکھ لو گے کہ کس طرح انہیں ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی اپنے مخاطب سے کہے: سَاُرِیْكَ غَدًا اِلٰی مَا یَصِیْرُ اِلَیْهِ حَالُ مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ'' کہ کل میں تمہیں اس شخص کا انجام دکھاؤں گا جو میرے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ یعنی اس سے نافرمان اور مخالف کو دھمکی اور وعید مقصود ہے (1)۔ بعض نے اس ارشاد کا یہ معنی کیا ہے: ہم عنقریب تمہیں فاسقین کا ملک یعنی شام عطا فرمائیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ سے مراد فرعونیوں کے گھر ہیں، لیکن پہلی بات زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے مصر کو چھوڑنے کے بعد کا ہے اور یہ دوسرا قول میدان تیہ میں داخل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

''میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو (تو بھی) نہ ایمان لے آئیں ان پر اور دیکھ بھی لیں راہ رشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنالیں اسے (اپنی) راہ، یہ (ساری غلط روی) اس لئے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال کیا انہیں جزا دی جائے گی سوائے اس کے جو وہ کیا کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں)''۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ...... یعنی میں ان لوگوں سے اپنی عظمت، شریعت اور احکام پر دلالت کرنے والے دلائل و براہین کی فہم ہی سلب کر لوں گا جو میری اطاعت سے تکبر و غرور کے نشہ میں سرتابی کرتے ہیں اور لوگوں پر ناحق گھمنڈ کرتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے ناحق تکبر کیا اس لئے انہیں جہالت کی تاریکیوں میں پھینک کر ذلیل کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ'' اور فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف: 5) ''پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا''۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ حیا میں رہنے والا اور متکبر علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ایک گھڑی علم سیکھنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 59

کی ذلت کو برداشت نہیں کیا وہ ہمیشہ جہالت کی ذلت برداشت کرتا رہے گا۔ سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں (اللہ تعالیٰ) ان سے قرآن فہمی کی توفیق چھین لوں گا اور اپنی آیات سے انہیں محروم کر دوں گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ خطاب اس امت کو ہے۔

وَ اِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ (یونس:96) ''بیشک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ...... یعنی اگر ہدایت اور نجات کا رستہ ان پر ظاہر ہو جائے تو اس رستہ کے مسافر نہیں بنتے۔ لیکن اگر گمراہی اور ہلاکت کا رستہ ان کے لئے ظاہر ہو جائے تو بے دھڑک اس پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس حالت تک پہنچنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا......۔

وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ...... یعنی جو شخص بھی ہماری آیات اور قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے اور مرتے دم تک اس پر بضد رہتا ہے تو ایسے شخص کے اعمال اکارت جاتے ہیں۔ پھر فرمایا: ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ یعنی ہم ان کے حسب اعمال انہیں بدلہ دیتے ہیں۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ادلے کا بدلہ۔

وَ اتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِہٖ مِنۡ حُلِیِّہِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُہُمۡ وَ لَا یَہۡدِیۡہِمۡ سَبِیۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡہُ وَ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ رَاَوۡا اَنَّہُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَ یَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

''اور بنا لیا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ بات کر سکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے انہوں نے (خدا) بنا لیا اسے اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے: اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے''۔

بنی اسرائیل کے وہ لوگ گمراہ ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ یہ بچھڑا دراصل سامری کا خود ساختہ کرشمہ اور فریب تھا۔ اس نے قبطیوں سے کچھ زیورات عاریتاً لئے اور انہیں گلا کر بچھڑے جیسا ایک ڈھانچہ تیار کر لیا اور اس کے اندر مٹھی بھر وہ مٹی ڈالی جو اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے حاصل کی تھی۔ یہ مجسمہ تیار ہو گیا تو اس کے اندر سے گائے کی سی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقررہ وقت پر طور پر چلے گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَکَ مِنۡۢ بَعۡدِکَ وَ اَضَلَّہُمُ السَّامِرِیُّ (طٰہٰ:85) ''کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے''۔ اس بچھڑے کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ گوشت پوست اور خون رکھنے والا بچھڑا تھا جس سے آواز نکلتی یا محض سونے کا

ڈھانچہ تھا جس کے اندر ہوا گزرنے کے باعث گائے جیسی آواز پیدا ہوتی؟ یہ دونوں قول ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بچھڑے نے آواز نکالی تو وہ اس کے اردگرد رقص کرنے لگے اور فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے، موسیٰ تو بھول ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (طٰہٰ:89) ''کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا''۔ اور یہاں فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ یہ نادان بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گئے اور زمین و آسمان کے خالق و مالک کو فراموش کر بیٹھے۔ ایسے ڈھانچے کی انہوں نے عبادت شروع کر دی جو نہ ان سے کلام کر سکتا ہے اور نہ ہدایت کی طرف ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان کی آنکھوں پر جہالت اور گمراہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے (1)۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ...... جب وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہوئے اور انہیں اپنی گمراہی پر یقین آ گیا تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے خسارے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ گویا انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کر لیا۔ ایک قراءت میں ''لَئِنْ لَّمْ تَرْحَمْنَا'' اور ''تَغْفِرْ لَنَا'' (تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ) بھی آیا ہے (2)۔ اس صورت میں ''رَبَّنَا'' منادیٰ ہوگا۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

''اور جب واپس آئے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بری جانشینی کی ہے تم نے میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میری ماں جائے اس قوم نے کمزور و بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کر و مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ موسیٰ (علیہ السلام) نے التجا کی اے میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کے بعد نہایت خشمناک اور غضبناک ہو کر واپس لوٹے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 334، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 194، جلد 6 صفحہ 450

2۔ یہ حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے، دیکھئے الاقناع لابن الباذش 649

ابوالدرداء کہتے ہیں کہ "اَسِف" انتہائی شدید غصہ کو کہتے ہیں۔ واپس آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے: بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ...... یعنی میرے بعد بچھڑے کی پرستش کر کے تم نے انتہائی برا کام کیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے کلام کو ترک کر کے جلدی تمہارے پاس آ جاتا۔ لیکن تقدیر میں یہی بات تھی۔

وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ...... غصہ کی حالت میں آپ نے دہ تختیاں زمین پر ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ دہ تختیاں زمرد کی تھیں یا یاقوت کی یا لکڑی کی۔ اس واقعہ میں اس حدیث شریف کی تائید ہے: لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (1)۔ "سنی سنائی بات آنکھوں دیکھی ہوئی چیز کی طرح نہیں ہے"۔ ظاہر عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غضبناک ہو کر تختیاں پھینک دیں۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب و غریب قول نقل کیا ہے (2)۔ جس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ ابن عطیہ اور دیگر علماء نے اس کا رد کیا ہے اور یہ واقعی رد کے قابل ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ قتادہ نے یہ بات اہل کتاب سے لی ہے اور ان میں بکثرت جھوٹی روایت گھڑنے والے اور زنادقہ موجود ہیں۔ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ اس خیال سے آپ نے اپنے بھائی کا سر کھینچا کہ ممکن ہے انہوں نے لوگوں کو بچھڑے کی پرستش سے منع کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہو۔ ایک دوسری آیت میں یوں کہا: "قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (طٰہٰ: 94-92)" موسیٰ نے (آ کر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑ میری ڈاڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو، میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا"۔ یہاں یہ جواب دیا: ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ...... "ابْنَ اُمَّ" (میرے ماں جائے) یہ الفاظ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ کے جذبہ شفقت کو ابھارنا مقصود تھا کیونکہ یہ الفاظ زیادہ رقت انگیز اور موثر ہیں ورنہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے بھائی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کے بےقصور ہونے کا یقین ہو گیا تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ (طٰہٰ: 90) "اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے، اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بےحد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو"۔ جب ثابت ہو گیا کہ ہارون بےگناہ ہیں اور آپ کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کی: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے بذات خود دیکھنے والا سننے والے کی طرح نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت نے انہیں خبر دی کہ ان کے بعد ان کی قوم فتنہ (شرک) میں مبتلا ہو گئی ہے، لیکن یہ سن کر انہوں نے تختیاں نہیں پھینکیں۔ جب انہیں بچشم خود دیکھ لیا تو (غصہ میں) تختیاں ڈال دیں"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 215-271
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 65

''بے شک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔ اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے''۔

بچھڑے کی پرستش کے نتیجہ میں جو غضب بنی اسرائیل پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوئی جب تک انہوں نے ایک دوسرے کو قتل نہیں کر دیا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے کہ: فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:54) ''پس چاہئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ جہاں تک ذلت کا تعلق ہے تو اس کے بعد انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ہر صاحب بدعت کو ذلت کی سزا دی جاتی ہے۔ بدعت اور ہدایت کی مخالفت کرنے کے نتیجہ میں ملنے والی ذلت صاحب بدعت کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آپڑتی ہے، جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی ذلت اہل بدعت کے کندھوں پر سوار ہو جاتی ہے اگرچہ وہ عمدہ خچروں اور گھوڑوں پر سواری کرتے ہوں (دنیاوی ٹاٹھ باٹھ اور شان و شوکت رکھتے ہوں) پھر بھی ان کے چہروں پر نحوست اور ذلت برستی ہے۔ ابوقلابہ جرمی کہتے ہیں کہ ہر مفتری کو قیامت تک یہ سزا ملتی رہے گی۔ سفیان بن عُیَینہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور ان کی رہنمائی کر رہا ہے کہ وہ ہر گناہ سے اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اگرچہ وہ کفر، شرک، نفاق اور شقاق ہی ہو، اسی لئے اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا ...... یعنی جو گناہوں کے بعد توبہ کرلیں تو اس کے بعد اے محبوب، اے رسولِ توبہ، اے نبی رحمت! آپ کا رب بڑا غفور رحیم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو کسی عورت کے ساتھ زنا کرے پھر اسی کے ساتھ شادی کرے تو آپ نے یہی آیت دس بار تلاوت کی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

''اور جب فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اٹھالیا ان تختیوں کو اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں''۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے وہ تختیاں پکڑ لیں جو آپ نے قوم کے بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو جانے پر غیرت اور غضب میں آکر پھینک دی تھیں۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ ...... اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب آپ نے تختیوں کو نیچے ڈالا تھا تو وہ ٹوٹ گئیں، پھر غصہ تھم جانے کے بعد آپ نے انہیں جمع کر لیا، اس لئے بعض سلف کہتے ہیں کہ ان میں ہدایت اور رحمت کے احکام تھے۔ جہاں تک تفصیلی احکام کا تعلق ہے وہ ضائع ہو گئے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ یہ ٹکڑے شاہان بنی اسرائیل کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانہ تک موجود رہے'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ''۔ اس بات کی واضح دلیل کہ وہ تختیاں پھینکنے سے ٹوٹ گئیں اور وہ جنتی جوہر سے بنی ہوئی تھیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھینکنے کے بعد انہیں اٹھایا تو اس میں پایا: هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ۔ ''رھبة'' اپنے ضمن میں خشوع وخضوع کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے اسے لام کے ساتھ متعدی کیا۔ قتادہ اس فرمان ''اَخَذَ الْاَلْوَاحَ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں ان الواح میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں کہ ایک بہترین امت ہوگی جو نیکی کا حکم دے گی اور برائیوں سے منع کیا کرے گی۔ اے رب کریم! اس امت کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ احمد (ﷺ) کی امت ہے پھر عرض کی: اے پروردگار! میں ان تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو سب سے آخر میں ہوگی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی۔ اے رب! وہ میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کی: اے رب کریم! ان الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر ہے جن کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی وہ اسے پڑھیں گے حالانکہ اس سے پہلے کے لوگ صرف دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں اگر ان کی کتاب کو سامنے سے ہٹالیا جائے تو پھر انہیں کچھ یاد ہی نہیں رہتا اور نہ وہ کچھ پہچان سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حفظ کی ایسی قوت بخشی ہے جو پہلی کسی امت کو عطا نہیں فرمائی، یا اللہ! انہیں میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر عرض کی: یا اللہ! ان الواح میں ایک امت کا احوال درج ہے کہ وہ تیری ہر کتاب پر ایمان لائے گی اور وہ گمراہوں کے خلاف جہاد کریں گے حتیٰ کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے، یا اللہ! ان لوگوں کو میرے امتی بنا دے۔ فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے۔ پھر عرض کی: یا اللہ! ان تختیوں میں ایک ایسی امت کے افراد کا ذکر ہے جو صدقات خود ہی کھالیا کریں گے اور اس پر بھی انہیں اجر ملے گا حالانکہ ان سے پہلے کے لوگ جب صدقہ کرتے تو قبولیت کی یہ نشانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اس پر آگ بھیجتا تو وہ اسے کھالیتی۔ اگر آگ ویسے ہی چھوڑ دیتی تو صدقہ مسترد سمجھا جاتا اسے درندے اور پرندے کھا لیتے۔ لیکن یہ ایسی امت ہے جن کے امیروں سے صدقات لیکر غرباء کو دے دیئے جاتے ہیں، یا اللہ! یہ میری امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے، پھر عرض کی: اے پروردگار! ان تختیوں میں ایک امت کا حال مرقوم ہے کہ جب ان میں سے کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے گا لیکن ابھی عمل میں نہ لایا ہوگا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی، اگر وہ کرے گا تو اس کے لئے دس سے لیکر سات سوگنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی، اے رب کریم! اسے میری امت بنا دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ امت محمد ﷺ ہے۔ پھر عرض کی: اے اللہ! میں الواح میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جن کے لئے شفاعت قبول ہوگی اور ان کی شفاعت بھی دوسروں کے حق میں مقبول ہوگی، اسے میری امت بنا دو۔ فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں نیچے ڈال دیں اور عرض کی: اے اللہ! مجھے احمد کی امت میں سے بنا دے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

''اور چن لئے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لئے، پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا

تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے، نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، تو ہی ہمارا کارفرما ہے بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے ستر افراد کا انتخاب کریں۔ چنانچہ حسب ارشاد آپ ستر آدمیوں کو لیکر گئے تاکہ وہ سب اپنے رب سے دعا مانگیں: جب دعا کی تو یہ کہنے لگے: اے اللہ! ہمیں وہ کچھ عطا فرما جو تو نے نہ ہم سے قبل کسی کو عطا کیا ہو اور نہ ہمارے بعد کسی کو عطا کرے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزری تو انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے گھیر لیا۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں سے تیس آدمی لائیں جو بچھڑے کی پرستش کی معافی مانگیں اور ایک وقت مقرر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر افراد منتخب کئے پھر انہیں لیکر مقررہ وقت اور مقررہ جگہ پر پہنچے تاکہ وہ اپنے گناہ کی معذرت کریں۔ جب اس مقررہ جگہ پر پہنچے تو کہنے لگے: اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے علی الاعلان نہ دیکھ لیں، ہم کبھی بھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تم نے تو خدا سے باتیں کر لیں، اب ہمیں بھی خدا کو دکھلا یئے۔ اس جسارت کی سزا انہیں یہ ملی کہ ان پر بجلی گری اور وہ سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر رونے لگے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ یا اللہ! میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا۔ ان کے اچھے لوگوں کو تو نے ہلاک کر دیا۔ پھر عرض کی: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ ...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر بہترین افراد کا انتخاب کیا اور انہیں کہا کہ چلو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کی توبہ کرو اور باقی اپنی قوم کے لئے بھی توبہ کی درخواست پیش کرو۔ روزے رکھو اور صاف ستھرے کپڑے پہنو۔ چنانچہ آپ انہیں لیکر اللہ تعالیٰ کے وعدہ ملاقات پر طور کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن اور علم کے بغیر یہاں نہیں آتے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ان ستر افراد نے مطالبہ کیا کہ ہم اپنے رب کے کلام کو سننا چاہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا۔ جب آپ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل سایہ فگن ہو گیا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہو گئے اور آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی قریب آنے کے لئے کہا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تو ایک بہت ہی روشن نور آپ کی پیشانی پر ضیاء بار ہوتا جسے کوئی بھی ابن آدم دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا، اس لئے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے۔ وہ ستر افراد بھی قریب ہوئے اور اس بادل میں داخل ہو گئے۔ داخل ہوتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ موسیٰ کو حکم دے رہا ہے منع فرما رہا ہے، یہ کرو، وہ نہ کرو۔ جب اس سے فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو وہ یہ مطالبہ کرنے لگے: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ (البقرۃ:55)'' ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے''۔ اس بے جا مطالبہ پر انہیں بجلی نے پکڑ لیا وہ تمام کے تمام مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنے لگے اور دعا مانگنے لگے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ ...... یا اللہ! انہوں نے بے وقوفی اور نادانی کا مظاہرہ کیا، کیا تو میرے پیچھے بنی اسرائیل کو ہلاک کر دے گا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، شبر اور شبیر سب مل کر ایک دامن کوہ کی طرف نکلے۔ حضرت ہارون علیہ السلام ایک ٹیلے پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 72

موت دے دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف آئے تو وہ آپ سے پوچھنے لگے کہ ہارون کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ان کا وصال ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں، بلکہ تم نے انہیں قتل کیا ہے۔ وہ بڑے نرم خو اور اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا، تم کچھ آدمی منتخب کر لو۔ انہوں نے ستر افراد کا انتخاب کیا۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے: وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا۔ جب وہ تمام حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: اے ہارون! آپ کو کس نے قتل کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: مجھے تو کسی نے نہیں قتل کیا، بلکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے وفات دی ہے۔ اب یہ لوگ کہنے لگے: اے موسیٰ! آج کے بعد آپ کی نافرمانی نہیں کی جائے گی۔ اس گستاخی کی سزا کے طور پر ایک زبردست کڑک نے انہیں آلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دائیں بائیں متوجہ ہوتے اور یہ دعا کرتے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ...... پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو زندہ کر دیا اور سب کو نبی بنا دیا(1)۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد اور ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ عذاب ان پر اس لئے نازل ہوا تھا کیونکہ انہوں نے بچھڑا پرستی پر سکوت اختیار کئے رکھا اور اپنی قوم کو منع نہ کیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا۔

اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یعنی یہ تیری طرف سے آزمائش اور امتحان ہے۔ حکم صرف تیرا ہی نافذ ہے۔ وہی ہوتا ہے جو تو چاہے۔ جسے چاہے تو ہدایت دے دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تو جس سے روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جسے تو عطا فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ بادشاہی تمام کی تمام تیرے لئے خاص ہے اور حکم تمام کا تمام تیرا ہی ہے۔ تیرے لئے ہی ہر چیز کا پیدا کرنا اور ہر حکم کرنا خاص ہے۔

اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا...... تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ ''غَفْر'' کا معنی ہے ڈھانپنا اور گناہ کا مواخذہ نہ کرنا۔ جب مغفرت کے ساتھ رحمت مل جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ اس کو اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہیں کرے گا۔

وَ اَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ یعنی تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخشتا۔ اے اللہ! اس دنیا میں بھی ہمارے لئے اچھائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ''حَسَنَة'' کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہود اس لئے کہتے ہیں کہ کیونکہ انہوں نے اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ کہا تھا(3)۔

وَ اكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں خیر و برکت۔ اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف) اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول ''اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ'' کے جواب میں فرمایا: عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ...... یعنی میں جو چاہتا ہوں کرتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 73 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 201 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 79

ہوں اور جو چاہتا ہوں حکم دیتا ہوں، ہر چیز میں میری خاص حکمت اور عدل ہوتا ہے۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یہ آیت عظیمہ عام اور ہر چیز کو شامل ہے جیسا کہ حاملین عرش کی زبانی ارشاد ہوتا ہے: "رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا (المومن: 7)" (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے"۔ حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی اونٹنی کھولی اور اس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد (ﷺ) پر اپنی رحمت کر اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: بتاؤں یہ زیادہ گمراہ (اور بے وقوف) ہے یا اس کا اونٹ، کیا تم نے اس کی بات سنی؟ صحابہ نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اس نے رحمت کے سو حصے کیے، ایک حصہ (ساری مخلوق میں) تقسیم کر دیا جس سے جن وانس اور جانور ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور باقی ننانوے حصے اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ بتاؤ ان میں سے زیادہ کون گمراہ ہے(1)؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں سے ایک رحمت ایسی ہے (جو مخلوق میں تقسیم کی) جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، اسی کے باعث وحشی جانور ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور بقیہ ننانوے رحمتیں قیامت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس روک لیں"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ننانوے اس کے پاس ہیں اور ایک اس نے تمہارے درمیان تقسیم کر دی۔ اس کے ذریعے تم، جن وانس اور تمام مخلوق کے درمیان باہم رحم کرتے ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس رحمت کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص کر ے گا"(3)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے مخلوق کے درمیان تقسیم کر دی۔ لوگ وحوش اور پرندے اس کے ذریعے ہی باہم ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں"(4)۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے"! "وہ شخص جو باعتبار دین فاجر ہے اور وہ شخص جو معاشی لحاظ سے احمق ہے ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ شخص بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا جسے گناہوں کے باعث آگ نے جلا رکھا ہوگا۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا، شاید اسے بھی کچھ حصہ نصیب ہو جائے"(5)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ یعنی مذکورہ صفات کے حامل لوگوں کے لئے میں اپنی رحمت اپنے فضل وکرم اور احسان سے ان پر واجب کر دوں گا جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54)۔

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ...... یعنی ان لوگوں کے لئے جو شرک اور کبیرہ گناہوں سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ نفوس یا زکوٰۃ اموال۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کو شامل ہو کیونکہ آیت مکی ہے، اور یہ لوگ ہماری آیتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان صفات سے متصف

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 312

2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2108، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 439　　3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 55-56

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1435، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 55　　5۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 168

امت محمد ﷺ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

"(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں"۔

سابقہ کتب سماویہ میں مذکور حضرت محمد ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ انبیاء کرام اپنی امتوں کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے رہے اور انہیں آپ کی متابعت کی تاکید کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی صفات حمیدہ ان کی کتابوں میں موجود ہیں جنہیں ان کے علماء اور راہب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مسند احمد میں ایک اعرابی روایت بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دودھ دینے والا جانور مدینہ شریف لایا۔ جب میں اس کی فروخت سے فارغ ہو گیا تو میں نے کہا کہ اس آدمی (محمد ﷺ) سے ضرور ملاقات کروں گا اور ان کی باتیں سنوں گا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان جا رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات کھولے ہوئے پڑھ رہا تھا تاکہ اپنے خوبصورت نوجوان قریب الوفات بیٹے کی مصیبت پر اپنے آپ کو دلاسہ دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: "تجھے تورات نازل کرنے والے کی قسم، صحیح صحیح بتاؤ کیا تم اپنی کتاب میں میرے اوصاف اور بعثت کا ذکر پاتے ہو؟" اس نے اپنا سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔ تو اس کا وہ قریب الموت بیٹا بول اٹھا کہ تورات نازل کرنے والے کی قسم! ہم اپنی کتاب میں آپ کا اور آپ کی بعثت کا ذکر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ مر گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس اپنے بھائی سے یہودیوں کو ہٹا دو یعنی یہ مسلمان ہو گیا ہے اس لئے یہودیوں کا اس پر کوئی حق نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس کے کفن اور نماز جنازہ کا اہتمام فرمایا(1)۔ حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے اور ایک اور آدمی کو تبلیغ اسلام کے لئے ہرقل شاہ روم کی طرف بھیجا گیا۔ جب ہم مقام غوطہ دمشق پہنچے تو جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس گئے اس وقت وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہمارے پاس بات چیت کرنے کے لئے اپنا ایک قاصد بھیجا۔ ہم نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قاصد کے ساتھ مذاکرات نہیں کریں گے۔ ہمیں تو بادشاہ کی طرف بھیجا گیا ہے، اگر اجازت مل گئی تو اس سے بات چیت کریں گے ورنہ قاصد کے ساتھ کوئی بات نہیں ہوگی۔ قاصد نے واپس جا کر جبلہ کو صورت

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 411

حال سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے ہمیں بلا لیا اور کہنے لگا کہ بات کرو۔ ہشام بن العاص نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی، اس نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ سیاہ کپڑے پہننے کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ جب تک تمہیں شام سے نہ نکال باہر کروں اس وقت تک یہ سیاہ لباس نہیں اتاروں گا۔ ہم نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تخت ہم تم سے ضرور لیں گے اور ملکِ اعظم کا ملک بھی ضرور چھین لیں گے۔ ان شاء اللہ۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم اس کے اہل نہیں بلکہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں، بتاؤ تمہارا روزہ کیسا ہے؟ ہم نے اسے بتایا تو اس کے چہرہ پر سیاہی پھیل گئی۔ کہنے لگا کہ جاؤ۔ بادشاہ تک پہنچانے کے لئے اس نے ایک قاصد ہمارے ساتھ روانہ کر دیا، اس کی رہنمائی میں ہم نے سفر شروع کر دیا۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو ہمارا رہبر کہنے لگا کہ تمہاری یہ سواریاں بادشاہ کے شہر میں داخل نہیں ہوسکتیں، اگر چاہو تو ہم تمہیں بہترین گھوڑے اور خچر مہیا کر دیں۔ ہم نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم تو انہیں سواریوں پر شہر میں داخل ہوں گے۔ بادشاہ کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا گیا تو اس نے ہمیں اپنی ہی اونٹنیوں پر بیٹھے داخلہ کی اجازت دے دی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک بالا خانہ کے نیچے ہم نے اپنی سواریاں بٹھا دیں، بادشاہ بالا خانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اترتے ہی ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ'' کا نعرہ بلند کیا جس سے سارا محل لرز اٹھا جیسے ہوائیں ٹہنیوں اور خوشوں کو حرکت دیتی ہیں۔ بادشاہ نے ہمیں یہ کہلوا بھیجا کہ تمہیں یہاں اپنے دین کے اس طرح مظاہرہ کی اجازت نہیں ہے، پھر اس نے ہمیں اپنے پاس بلوا لیا۔ ہم اس کے پاس گئے تو وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس پوپ اور دیگر عمائدین سلطنت موجود تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سرخ تھی، اس کا ماحول بھی سرخ تھا اور کپڑے بھی سرخ ہی پہن رکھے تھے۔ ہم اس کے قریب گئے تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہیں کیا جو تم آپس میں کرتے ہو؟ بادشاہ کے پاس ایک قادر الکلام عربی کا ماہر ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ سے جواب دیا کہ ہمارا سلام آپ کے لئے جائز نہیں اور آپ کا سلام و آداب کا طریقہ اپنانا اور یہ سلام آپ کو کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا سلام کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ''۔ اس نے پوچھا کہ تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا: یہی۔ اس نے پوچھا کہ وہ تمہیں سلام کا جواب کیسے دیتا ہے؟ ہم نے کہا کہ انہی الفاظ میں جواب دیتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا اشعار اور امتیازی کلام کیا ہے؟ ہم نے کہا: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ''۔ جب ہم نے بلند آواز سے یہ کہا تو سارا محل لرز اٹھا حتیٰ کہ وہ پریشان ہو کر اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ یہاں جو کلمہ تم نے بلند کیا ہے جس کی وجہ سے سارا محل لرز گیا ہے، جب تم اپنے گھروں میں یہ کلمہ کہتے ہو تو کیا تمہارے گھر بھی اسی طرح کانپنے لگتے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ پہلے تو اس طرح کبھی نہیں ہوا، صرف آپ کے ہاں ہی اس کلمہ کی گونج پڑی ہے۔ اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جب تم یہ نعرہ بلند کرتے تو تمہاری ہر چیز کانپ اٹھتی اور میرا آدھا ملک بھی نکل جاتا اور آدھا باقی رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا کہ امر نبوت مستحکم اور پختہ ہو جانے سے یہ بات زیادہ آسان ہے۔ پھر اس نے ہم سے آنے کی غرض پوچھی، ہم نے اسے آگاہ کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ تمہاری نماز اور روزہ کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے اسے ان کے متعلق بتا دیا۔ اس نے کہا کہ جاؤ، اور اس نے ہمیں مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ ہم وہاں تین دن ٹھہرے رہے۔ پھر ایک رات بادشاہ نے ہمیں بلایا۔ ہم اس کے پاس گئے اور پھر وہی بات چیت ہوئی جو پہلی ملاقات میں ہو چکی تھی۔ اس نے ایک بڑے ڈبے کی شکل جیسی سونے کی بنی ہوئی چیز منگوائی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے جن پر دروازے بھی

تھے۔اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ تصویر ایک صحت مند موٹی موٹی آنکھوں والے شخص کی تھی، موٹی رانیں، گردن لمبی۔ ڈاڑھی گھنی، زلفیں نہایت خوبصورت۔ اس نے پوچھا: اس کے متعلق جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔ اس نے بتایا: یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک گورے رنگ کی تصویر تھی، بال بہت نرم، آنکھیں سرخ، بڑا سا سر اور خوبصورت ڈاڑھی۔ پوچھنے لگا کہ کیا اس کے متعلق جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھول کر سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ یہ ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی رنگت نہایت گوری، آنکھیں بہت خوبصورت، کشادہ پیشانی، لمبے رخسار، سفید ڈاڑھی اور ہنستا مسکراتا مکھڑا۔ پوچھا: جانتے ہو یہ کون ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا تو اس میں سفید چمکتی دمکتی تصویر تھی اور یہ تصویر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ اس نے پوچھا: کیا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ یہ محمد ﷺ ہیں۔ تصویر دیکھ کر ہم رونے لگے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کھڑا تھا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ وہی (محمد ﷺ) ہیں۔ ہم نے کہا: ہاں، وہی ہیں۔ گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو۔ وہ کچھ دیر تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا کہ سنو، یہ آخری خانہ تھا لیکن میں نے تمہیں آزمانے کے لئے اس کو پہلے ہی کھول دیا۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کا دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک تصویر تھی، رنگت گندم گوں نکھری ہوئی، چھوٹے چھوٹے گھنگھریالے بال، دھنسی ہوئی آنکھیں، تیز نظر، ترش رو، جڑے ہوئے دانت، سکڑے ہوئے ہونٹ گویا کہ غضبناک آدمی، کہنے لگا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے مشابہت رکھنے والی ایک اور تصویر تھی لیکن اس کے بال سنورے ہوئے تھے، تیل لگا ہوا تھا، کشادہ پیشانی، آنکھیں موٹی۔ اس کے متعلق اس نے بتایا کہ یہ ہارون بن عمران علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک ایسے آدمی کی صورت تھی، گندمی رنگت، درمیانہ قد، سیدھے بال اور چہرے پر غصہ عیاں تھا، کہنے لگا کہ یہ لوط علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر سفید ریشمی کپڑے پر بنی ایک اور تصویر نکالی، رنگ سرخی مائل سفید، ناک اونچی، رخسار ہلکے اور چہرہ گورا چٹا۔ بتانے لگا کہ یہ اسحاق علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے مشابہ ایک اور تصویر نکالی لیکن اس کے ہونٹ پر تل تھا۔ کہنے لگا کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر سیاہ ریشم کے ٹکڑے پر بنی ہوئی ایک اور تصویر نکالی۔ رنگ سفید، خوبصورت چہرہ، ناک اونچی، خوش قامت، چہرہ پر نور، رنگ سرخی مائل اور چہرے سے خشوع وخضوع ٹپک رہا تھا۔ کہنے لگا کہ یہ تمہارے نبی کے جد امجد اسماعیل علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور صورت نکالی۔ یہ تصویر حضرت آدم علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی چہرہ گویا آفتاب ہے۔ کہنے لگا کہ یہ یوسف علیہ السلام کی تصویر ہے، پھر سفید ریشم پر بنی ایک اور تصویر نکالی، رنگ سرخ، پتلی پنڈلیاں، آنکھیں ذرا تنگ تنگ، بڑا پیٹ، چھوٹا قد اور تلوار حمائل کئے ہوئے۔ کہنے لگا کہ یہ داؤد علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور سفید ریشمی کپڑے پر بنی تصویر نکالی، موٹی رانیں، لمبی ٹانگیں اور گھوڑے پر سوار۔ کہنے لگا کہ یہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی تصویر ہے، پھر سفید ریشم پر بنی اور گورے رنگ کی تصویر نکالی، اٹھتی ہوئی بھرپور جوانی، سیاہ ڈاڑھی، گھنے بال، خوبصورت آنکھیں اور چمکتا سفید مکھڑا۔ کہنے لگا کہ یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ انبیاء کی ہی تصویریں ہیں کیونکہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کی تصویر کو بالکل حقیقت کے موافق پایا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ انہیں اپنی اولاد سے ہونے والے انبیاء دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی تصویریں

حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیں۔ یہ تصویریں مغربی علاقہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں محفوظ رہیں۔ پھر وہاں سے ذوالقرنین نے یہ تصویریں نکال کر حضرت دانیال علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔ پھر وہ (بادشاہ) کہنے لگا: اللہ کی قسم! میری تو خواہش تھی کہ میں اپنے ملک اور بادشاہت کو خیر باد کہہ دوں اور مرتے دم تک تم میں سے کسی کمترین کی غلامی اختیار کرلوں۔ پھر اس نے ہمیں انعام و اکرام کے ساتھ نوازنے کے بعد رخصت کر دیا اور واپسی سفر کے بھی انتظامات کر دیئے۔

جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ رو دیئے اور فرمانے لگے: مسکین، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے شامل حال ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ (نصاریٰ) اور یہود اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف جمیلہ پاتے ہیں(1)۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور پوچھا کہ مجھے تورات میں آپ ﷺ کے اوصاف کے متعلق بتایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کا ایسا ہی وصف اور ذکر ہے جیسا کہ قرآن میں: يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (الاحزاب: 45) ''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا''۔ اور امیوں کا محافظ بنایا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہارا نام متوکل ہے، نہ سخت مزاج اور نہ سنگدل۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک واپس اپنے پاس نہیں بلائے گا جب تک آپ اس غلط راہ پر چلنے والی امت کو سیدھا نہ کر دیں یعنی وہ کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئیں اور آپ ان کے بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں سے پردے اٹھا دیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے یہی سوال حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کیا تو ان کا جواب بھی بعینہ یہی تھا، ایک حرف کا بھی اختلاف نہ تھا سوائے اس کے کہ آپ اپنے لہجہ میں ''غلفًا'' کو غلوفیا، ''صمًا'' کو صموميا اور ''عميًا'' کو عمومیا پڑھتے تھے(2)۔ بخاری میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ بازاروں میں شور و شغب نہیں کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف فرما دیتے ہیں(3)۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کر کے فرمایا کہ اسلاف کے کلام میں لفظ تورات کا اطلاق عموماً ساری آسمانی کتب پر ہوتا ہے اور بعض احادیث میں معاملہ کچھ اس طرح ہی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے شام کی طرف نکلا۔ جب میں شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی مجھے ملا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے ہاں کوئی شخص نبی ہے۔ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا کہ تم اس کی تصویر دیکھ کر پہچان لو گے؟ میں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی تصویریں تھیں لیکن مجھے نبی کریم ﷺ کی تصویر نظر نہ آئی۔ اسی اثناء میں ان کا ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا بات ہے۔ ہم نے اسے آگاہ کر دیا۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی میری نظر نبی کریم ﷺ کی تصویر پر پڑی، آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص کھڑا آپ کو تھامے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس تصویر میں آپ کے پیچھے کس شخص کی تصویر ہے جو آپ کو پکڑے ہوئے ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ نبی نہیں ہے، لیکن اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے بعد ہونے والے خلیفہ ہیں۔ میں نے غور کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصویر تھی(4)۔ حضرت اقرع مؤذن عمر رضی اللہ عنہ بیان

1۔ دلائل النبوۃ از امام بیہقی، جلد 1 صفحہ 385-390
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 83
3۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 87
4۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 125

کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک پادری کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کتاب میں میرا بھی ذکر پاتے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیسے میرا ذکر ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا درہ اٹھایا اور پوچھا کہ قرن کیا؟ اس نے کہا کہ اس کا مطلب ہے: مرد آہن، شدید گرفت والا امیر۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے بعد ہونے والے خلیفہ کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ خلیفہ صالح ہوں گے لیکن اپنے اقرباء کو ترجیح دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے (تین بار کہا)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس کے بعد؟ اس نے کہا کہ پارۂ آہن جیسا مرد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! وہ خلیفہ صالح ہوں گے لیکن جب وہ خلافت سنبھالیں گے تو تلوار نیام سے باہر ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا(1)۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ یہ رسول اللہ ﷺ کی صفت ہے جو سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہے اور واقعی آپ اس کی عملی تصویر تھے کہ سوائے خیر کے کسی چیز کا حکم نہ دیتے اور سوائے شر کے کسی چیز سے منع نہ فرماتے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرماتے ہوئے سنو تو اس کی طرف اپنے کان لگا لو کیونکہ اس کے بعد بیان کی جانے والی چیز خیر ہوگی جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یا شر ہوگی جس سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے۔ اور سب سے اہم اور عظیم چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ ہے صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک عبادت نہ بنانا جس طرح کہ تمام انبیاء کو یہی پیغام دے کر بھیجا گیا، ارشاد ہوتا ہے: ''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ حضرات ابوحمید اور ابو اسید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جسے تمہارے دل قبول کر لیں اور تمہارے شعور اور رگ و پے نرم پڑ جائیں اور تم یہ سمجھنے لگو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت کے قریب ہے تو یقیناً تمہاری نسبت وہ میرے زیادہ قریب ہوگی (یعنی وہ حدیث میری ہو گی) اور اگر تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جس کا تمہارے دل انکار کر دیں اور تمہاری ذہنیت اور شعور اسے بعید سمجھے تو یہ بات تمہاری نسبت مجھ سے زیادہ بعید ہوگی''(2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنو تو اس کے بارے میں ایسا گمان رکھو جو زیادہ درست، مبارک اور شائستہ ہو(3)۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ آپ ان کے لئے ایسی چیزیں حلال فرماتے ہیں جو انہوں نے از خود اپنے اوپر حرام کر کے خواہ مخواہ تنگی اور مشکل پیدا کر لی تھی جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ۔ اور آپ خبائث کو حرام کرتے ہیں جیسے خنزیر کا گوشت، ربا اور دیگر چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تو حرام قرار دیا ہے لیکن انہوں نے حلال کر لیا ہے(4)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا حلال کیا ہے وہی طیب و پاک ہے اور بدن و دین کے لئے مفید ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ خبیث ہے اور جسم کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور دین کے معاملہ میں بھی ضرر رساں۔ وہ لوگ جو کسی چیز کی خوبی اور قباحت کو جانچنے کے لئے عقل کو معیار قرار

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 213-214　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 497، جلد 5 صفحہ 425
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 122　4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 84

دیتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب دیا گیا ہے لیکن یہاں اس کی تفصیلات کا موقع نہیں۔ جن چیزوں کی حلت وحرمت کے متعلق نص موجود نہ ہو ان کی حلت وحرمت پہچاننے کی کسوٹی بعض علماء کے نزدیک عرب ہیں۔ خوشحالی کے دور میں عرب جس چیز کا استعمال مفید اور طیب سمجھیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو خبیث اور ضرر رساں سمجھیں وہ حرام ہے۔ اس مسئلہ میں بھی بڑی لمبی چوڑی بحث ہے۔

وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ یعنی آپ آسانی، نرمی اور تخفیف لیکر تشریف لائے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مجھے آسان دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے(1)۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرات معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو انہیں ہدایت کی: ''خوش کرو، وحشت زدہ نہ کرو، آسانی پیدا کرو، مشکل نہ پیدا کرو، ایک دوسرے کے تابع بن کر رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو''(2)۔ صحابی رسول حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا اور آپ ﷺ کی تخفیف اور آسانی پیدا کرنے کا مشاہدہ کیا(3)۔ پہلی امتوں پر بہت شدید احکام نافذ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت پر وہ احکام نرم اور آسان کر دیئے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں کے خیالات اور ارادوں کو نظرانداز فرما دیتا ہے جب تک وہ باتیں زبان سے نہ نکالیں یا ان پر عمل نہ کریں''(4)۔ اور فرمایا: ''میری امت سے خطا، نسیان اور ہر وہ عمل معاف ہے جو لاچاری سے کیا گیا ہو''(5)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا مانگنے کی تلقین کی ہے: رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:286) ''اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے۔ تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر''۔ صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ جب یہ دعا مانگی جائے تو ہر سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے عطا فرما دیا، میں نے تمہیں دے دیا ہے(6)۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ...... یعنی جو لوگ آپ پر ایمان لائے، آپ کی تعظیم کی، آپ کی مدد کی اور آپ کے لائے ہوئے نور قرآن کریم کی اتباع کی تو یہی لوگ دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ا۟لَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

''آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266، جلد 6 صفحہ 116-233
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 79، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1359
3۔ فتح الباری، کتاب العمل فی الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 81 مسند احمد، جلد 4 صفحہ 420-423
4۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 59، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 117-116
5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1 صفحہ 659
6۔ صحیح مسلم کتاب الایمان: 116

زمین کی۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، وُہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اس کی تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ''۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے محبوب! آپ سارے لوگوں کو فرما دیں۔ یہ خطاب سب لوگوں کو ہے خواہ کوئی سرخ ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی۔ آپ انہیں فرما دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ علیہ السلام کا خصوصی شرف اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خاتم النبیین بنایا اور تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) '' آپ ہی بتائیے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے'' اور فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ (ہود:17) '' اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''، اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران:20) '' اور کہیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا''۔ اس مضمون کی حامل بہت سی آیات ہیں، اسی طرح احادیث بھی اتنی زیادہ ہیں جن کا شمار ممکن نہیں اور یہ بات ضروریات دین میں سے ہے اور ہر ایک کو معلوم بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رنجیدہ کر دیا۔ ناراضگی کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس چل پڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معافی مانگتے ہوئے ان کے پیچھے چل پڑے، لیکن انہوں نے معافی نہ دی بلکہ دروازہ بند کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس پلٹے اور رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اس ساتھی نے (عمر کو) ناراض کیا ہے۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گھر بھی نہ آنے دیا۔ اس پر نادم ہو کر حاضر ہوئے، سلام کیا اور نبی کریم علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کو حضرت عمر پر غصہ آ گیا۔ حضرت ابوبکر کہتے بھی رہے کہ یا رسول اللہ! زیادتی میری طرف سے تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: '' کیا تم میرے ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: اے لوگو! میں تم تمام کی طرف رسول بن کر آیا ہوں لیکن تم نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو اور صرف ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: '' مجھے پانچ خصوصیات کے ساتھ نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں اور میں یہ فخریہ نہیں کہہ رہا: مجھے سرخ و سیاہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، ایک مہینہ کی مسافت پر مجھے (دشمن پر) رعب کے ذریعے نصرت عطا ہوئی، مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے اور مجھے مقام شفاعت عطا فرمایا گیا ہے، میں نے اپنی امت کے لئے اسے قیامت کے دن تک کے لئے بچا کر رکھا ہوا ہے اور یہ شفاعت ہر اس کے لئے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''(2)۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر رسول اللہ علیہ السلام رات کو نماز

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6، صفحہ 75
2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 301

پڑھنے کے لئے اٹھے، کچھ صحابہ کرام آپ ﷺ کی نگرانی اور حفاظت کرنے لگے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''آج رات مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہ ہوئیں: مجھے تمام کے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ سے پہلے رسول کو صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا، مجھے دشمن پر رعب کے ذریعے فتح و نصرت عطا ہوئی اگرچہ میرے اور میرے دشمنوں کے درمیان ایک مہینہ کی دوری ہو، مگر میرا رعب چھا جاتا ہے، میرے لئے ہر قسم کا مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے اس کا کھانا گناہ کبیرہ تھا، وہ اسے جلا دیا کرتے تھے، میرے لئے تمام زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا ہے، جہاں کہیں نماز کا وقت آیا (اس مٹی سے) مسح کر کے نماز پڑھ لی جبکہ مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنے اپنے کلیساؤں، گرجاؤں میں ہی نماز پڑھتے تھے اور پانچویں چیز یہ کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک سوال کر لو، کیونکہ ہر نبی نے اپنا اپنا سوال کر لیا لیکن میں نے اپنا سوال اور درخواست قیامت تک ملتوی کر دی ہے۔ یہ تمہارے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو توحید کی گواہی دے'' (1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری امت میں سے یا کسی یہودی یا نصرانی نے میری آمد کی خبر سن لی، پھر بھی مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا (2)۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنتا ہے لیکن مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ آگ میں داخل ہوگا'' (3)۔ اسی قسم کی روایت مسند امام احمد میں بھی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (4)۔ پانچ خصوصیات والی حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے جس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں (5)۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے اس قول مبارک میں بھی ہے: ''وہ جس نے مجھے بھیجا ہے وہ ہر چیز کا خالق، رب اور مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام بادشاہی، زندہ کرنا اور مارنا ہے اور ہر قسم کا حکم اسی کے لئے خاص ہے''۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ...... پہلے بتایا گیا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے رسول ہیں پھر انہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ ہی کی وہ ذات ہے جس کا (اے لوگو!) تم سے وعدہ ہوا اور سابقہ کتب میں تمہیں آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی، ان کتابوں میں آپ ﷺ کا وصف اور نشانیاں بیان کی گئیں ہیں اسی لئے فرمایا: ''النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ''۔ اس نبی امی کی اتباع کرو جو اللہ اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے نقوش پا کو اپنے لئے خضر راہ بنالو تاکہ تمہیں راہ راست نصیب ہو جائے۔

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

''اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے۔''

بنی اسرائیل میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی اتباع کرتا ہے اور حق کے ساتھ ہی عدل کرتا ہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَ هُمْ یَسْجُدُوْنَ (آل عمران: 113) ''اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں''، وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 222 | 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 396 | 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 134-135
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 350 | 5۔ فتح الباری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 436، صحیح مسلم کتاب المساجد 370-371

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (آل عمران:199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لئے۔ نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر۔ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے''، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص:53-52) ''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے''، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرۃ:121) ''جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ''، اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل:109-107) ''بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے''۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک عجیب وغریب خبر بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کو قتل کیا اور کفر کیا تو اس وقت وہ بارہ گروہ تھے۔ ان میں سے صرف ایک گروہ نے بقیہ گروہوں کے ان کرتوتوں سے بیزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے اور ان بقیہ گروہوں کے درمیان تفریق ڈال دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین میں ایک سرنگ کھول دی وہ اس میں چلتے چلتے ملک چین میں جا نکلے۔ وہاں وہی موحد مسلمان تھے جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ اس فرمان کا مصداق ہے: وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل:104) ''اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر''۔ اور وعدۂ آخرت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔ ابن جریج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ اس سرنگ میں ڈیڑھ سال چلتے رہے(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور امت سے مراد وہ قوم ہے جس کے درمیان اور تمہارے درمیان شہد کی ایک نہر ہے۔

وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 88-87

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

''اور ہم نے بانٹ دیا انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں اور ہم نے وحی بھیجی (موسیٰ علیہ السلام) کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس پتھر کو۔ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے۔ جان لیا ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا اور ہم نے اتارا ان پر منّ وسلویٰ۔ (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمہیں۔ اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ اور جب کہا گیا انہیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں۔ (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔ تو بدل ڈالی جنہوں نے ظلم کیا تھا ان سے بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انہیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے''۔

ان آیات کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وہ سورت مدنی ہے اور یہ سیاق آیات مکی ہے۔ ہم نے اس سیاق اور (ان آیات کے) سیاق کے درمیان فرق واضح کر دیا تھا جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں(1)۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

''اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر جب کہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن پانی پر تیرتی ہوئیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں بہ سبب اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے''۔

یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ (البقرۃ:65) ''اور تم خوب جانتے ہو انہیں جنہوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت کے قانون کی'' کی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس ہیں، ان سے ان لوگوں کے قصہ کے بارے میں دریافت کریں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی تھی تو ان کی مخالفت اور نافرمانی کی انہیں اچانک سزا دی گئی، اور آپ ان لوگوں کو ان اوصاف کو چھپانے سے بھی ڈرائیں جو وہ آپ کے متعلق اپنی کتابوں میں پاتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے اسلاف جیسے عذاب سے دوچار ہو جائیں۔ جس بستی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس کا نام ایلہ تھا۔ یہ بحر قلزم

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ:60

کے کنارے پر واقع تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ بستی (ایلہ) مدین اور طور کے درمیان واقع ہے(1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اس بستی کا نام مقنا تھا جو مدین اور عینونی کے درمیان واقع تھی۔

اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ یعنی یوم سبت (ہفتہ) کے متعلق اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا...... "شُرَّعًا" کا معنی ہے ظاہر ہوتے ہوئے اور پانی پر تیرتے ہوئے۔ یعنی وہ مچھلیاں ہفتہ کے دن تو پانی پر اچھلتے کودتے اور تیرتے ہوئے آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو کنارے پر بالکل نہیں آتی تھیں۔ سنیچر کے دن مچھلیاں بے دھڑک ظاہر ہوتیں لیکن اس دن ان کا شکار حرام قرار دے دیا، بقیہ ایام میں شکار حلال تھا لیکن مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہی نہ ہوتیں۔ اس سے ان کی آزمائش مقصود تھی۔ فرمایا: كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یعنی ہم ان کی نافرمانی اور عصیاں شعاری کے سبب اسی طرح آزماتے ہیں۔(2) یہ ایسے لوگ تھے جو حیلے بہانے اور فریب سے اللہ تعالیٰ کے محارم اور ممنوع چیزوں کی حرمت کو پامال کرتے رہتے اور حرام چیز کے ارتکاب کے لئے بظاہر ایسے جائز اسباب بروئے کار لاتے جن کے پس پردہ ممنوع چیز کا ارتکاب مضمر ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا ارتکاب یہود کیا کرتے تھے کہ تم بھی (ان کی طرح) حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنالو"(3)۔

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

"اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو، اللہ جنہیں ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب؟ انہوں نے کہا تا کہ معذرت پیش کر سکیں تمہارے رب کے دربار میں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور شاید وہ ڈرنے لگیں۔ پھر جب انہوں نے فراموش کر دی جو انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی انہیں جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا برے عذاب سے، بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر راندے ہوئے۔"

سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کی ممانعت کے متعلق اس بستی والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے حیلہ سازی سے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے ممنوع چیز کا ارتکاب کیا تھا، اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے(4)۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان لوگوں کو اس سے منع کرتا تھا اور اس فعل کے ارتکاب سے دور رہتا تھا۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو خاموش تماشائی بنے رہے، نہ انہوں نے خود اس ممنوع چیز کا ارتکاب کیا اور نہ ہی دوسروں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ یہ منع کرنے والے لوگوں سے کہتے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا؟ یعنی تم انہیں کیوں منع کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 90 2۔ ایضاً، صفحہ 92 3۔ تاریخ بغداد، جلد 5، صفحہ 99-98 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 65

اور یہ عذاب الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں اس لئے تمہارا انہیں منع کرنا بے سود ہے۔ انہوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ بعض نے ''مَعْذِرَةٌ'' کو مرفوع پڑھا ہے(1)۔ اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، تقدیر کلام یوں ہوگی: ''هٰذَا مَعْذِرَةٌ''۔ بقیہ حضرات نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی ہم انہیں اس لئے منع کرتے ہیں تاکہ ہم پروردگار عالم کے سامنے یہ معذرت پیش کر سکیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہد ہم سے لیا گیا تھا اس سے ہم عہدہ برآ ہوئے تھے۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ معذرت کے علاوہ انہیں روکنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید یہ لوگ ڈر کر اس ممنوع چیز کو ترک کر دیں اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں۔ اگر انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرمائے گا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ جب انہوں نے نصیحت کو فراموش کر دیا تو ہم نے برائی سے منع کرنے والوں کو نجات دی اور نافرمانوں کو سخت عذاب سے دوچار کیا۔ آیت کریمہ میں تیسرے گروہ (جس نے سکوت اختیار کیا تھا) کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا کہ انہیں کیسا بدلہ ملا کیونکہ جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ ان غیر جانبدار رہنے والے لوگوں نے نہ تو قابل مدح کام کیا ہے کہ ان کی تعریف کی جائے اور نہ ہی انہوں نے کوئی گناہ کا کام کیا ہے کہ ان کی مذمت کی جائے، پھر بھی ان کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ہلاک شدگان میں سے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ نجات یافتہ گروہ میں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دن ساحل سمندر پر مچھلیاں بے دھڑک اور کثیر مقدار میں تیرتے ہوئے آتیں۔ جب ہفتہ کا دن گزر جاتا تو وہ ان کے قابو میں نہ آتیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ ہفتہ کے دن بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے انہیں منع کیا اور کہنے لگے کہ تم ان مچھلیوں کا شکار کرتے ہو حالانکہ ہفتہ کے دن تو ان کا شکار حرام ہے؟ اس وعظ و نصیحت سے سوائے ان کی سرکشی اور گمراہی کے کچھ اضافہ نہ ہوا۔ لیکن کچھ لوگ انہیں مسلسل منع کرتے رہے۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا تو روکنے والے لوگوں میں سے چند ایک نے اپنے گروہ سے کہا کہ ان لوگوں پر تو عذاب واجب ہو چکا ہے، ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟ یہ لوگ منع کرنے والوں کی نسبت اللہ کی خاطر زیادہ غضبناک تھے۔ چنانچہ منع کرنے والے کہنے لگے: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ یہ سب منع کرنے والے تھے۔ جب ان نافرمانوں پر غضب الٰہی کی بجلی کوندی تو یہ دونوں گروہ بچ گئے جبکہ حیلے سے شکار کرنے والے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا اور انہیں بندر بنا دیا(2)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ رو رہے ہیں اور قرآن کریم آپ کی گود میں ہے۔ میں قریب جانے سے ذرا جھجکا۔ پھر میں آگے بڑھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی: میں قربان جاؤں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: ان اوراق (قرآن) نے مجھے رلایا ہے۔ وہ سورۂ اعراف تھی جس کی آپ تلاوت کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ایلہ کی بستی کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ فرمانے لگے کہ یہاں کچھ یہودی آباد تھے۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں ساحل پر نمودار ہوتیں، پھر غائب ہو جاتیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے انہیں بڑی تگ و دو کرنا پڑتی۔ ہفتہ کے دن خوب موٹی تازہ اور عمدہ مچھلیاں پانی کے اوپر تیرتے ہوئے بکثرت آتیں۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر شیطان نے انہیں اکسایا اور ان کے دلوں میں یہ حیلہ ڈال دیا کہ ہفتہ کے دن تو تمہیں مچھلیاں کھانے کی ممانعت ہے۔ ہفتہ کے دن پکڑ کر کسی اور دن کھا لیا کرو۔ ایک جماعت نے اس خیال کو اپنا لیا۔ دوسری جماعت کا یہ موقف تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو پکڑنا اور کھانا سب کچھ حرام ہے۔ اسی بحث و تمحیص میں جمعہ کا دن آ گیا تو یہ لوگ اپنی

1۔ دیکھئے الاقناع: 650 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 39

عورتوں اور بچوں کو لیکر نکلے۔ ان کے دائیں طرف روکنے والی جماعت تھی جو ان سے الگ تھلگ تھی اور بائیں جانب وہ جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کررکھی تھی۔ دائیں طرف والے انہیں کہنے لگے کہ ہم تمہیں منع کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب الٰہی سے دوچار ہو جاؤ۔ بائیں طرف والے انہیں کہنے لگے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا...... دائیں طرف والوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ اگر تو وہ باز آ جائیں تو یہی ہمارا مقصود ہے تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں اور اگر وہ باز نہیں آتے تو ہم رب تعالیٰ کے ہاں عذر تو پیش کرسکیں گے۔ وہ لوگ اپنی غلطی پر مصر رہے تو دائیں جانب والے انہیں کہنے لگے کہ اے اللہ کے دشمنو! تم پھر بھی باز نہ آئے، اللہ کی قسم! صبح ہونے سے پہلے پہلے یا تو تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر پتھروں کی بارش برسے گی یا اسی نوعیت کے کسی اور عذاب سے تمہیں سابقہ پڑے گا۔ یہ منع کرنے والے اور غیر جانبدار رہنے والے شہر سے باہر رہے اور نافرمان شہر کے اندر چلے گئے اور شہر پناہ کا دروازہ بند کرلیا۔ جب صبح ہوئی تو باہر رہنے والوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آوازیں دیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخرکار انہوں نے سیڑھی لگائی اور ایک آدمی فصیل کو پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ دیکھا تو یہ سب لوگ بندر بنے ہوئے تھے، ان کی لمبی لمبی دمیں تھیں۔ شہر پناہ کا دروازہ کھولا تو باقی سب لوگ بھی اندر آ گئے۔ ان بندروں نے اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچان لیا لیکن انسان اپنے رشتہ دار بندروں کو نہ پہچان سکے۔ یہ بندر اپنے قریبی انسانوں کے پاس آتے، ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے تو وہ انہیں کہتے کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا تو وہ اشارہ سے اثبات میں جواب دیتے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اور فرمانے لگے کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ منع کرنے والے نجات پا گئے لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم بھی ناپسندیدہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے۔ میں (عکرمہ) نے کہا: میں قربان جاؤں کہ یہ (غیر جانبدار رہنے والے) بھی تو انہیں ناپسند کرتے تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے۔ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ شریک عذاب نہیں کئے جاسکتے۔ اس پر خوش ہو کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے ایک خوبصورت جوڑا عطا فرمایا(1)۔ ابن رومان کہتے ہیں کہ سنیچر کے دن مچھلیاں ساحل پر بکثرت دکھائی دیتیں۔ جب شام ہو جاتی تو آئندہ سنیچر تک کے لئے غائب ہو جاتیں۔ ایک آدمی نے ان کا شکار کرنے کے لئے ڈوری اور میخ لی اور ہفتہ کے دن ایک مچھلی پکڑ کر پانی میں ہی ڈوری کے ساتھ باندھ دی اور ڈوری کا دوسرا سرا باہر گڑے ہوئے کیل کے ساتھ باندھ دیا۔ اگلے دن (اتوار) کی شام کو اس نے اس بندھی ہوئی مچھلی کو پکڑ لیا اور بھون کر کھانے لگا۔ جب لوگوں نے اس کی بو سونگھی تو دوڑے دوڑے اس کے پاس آئے۔ اس سے پوچھا تو اس نے انکار کردیا۔ جب لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا تو اس نے بتا ہی دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اگلے ہفتہ کو اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ جب مچھلی بھون کر اتوار کی شام کو کھانے لگا تو اس کی بو پا کر پھر لوگ اس کے پاس آدھمکے اور پوچھنے لگے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو اس طرح کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے آگاہ کردیا۔ چنانچہ وہ بھی اسی طرح کرنے لگے اور اس طرح اکثر لوگوں کا یہ معمول بن گیا۔ ان کا ایک ربض نامی شہر تھا جسے وہ رات کے وقت بند کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ رات کے دوران ہی ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں۔ اس شہر کے اردگرد قرب و جوار میں بسنے والے لوگ جو شہر میں طلب معاش کے لئے آیا کرتے تھے، جب وہ صبح کے وقت آئے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر کا دروازہ تو بند پڑا ہے۔ انہوں نے آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ شہر پناہ پھلانگ کر اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو بندر بن چکے ہیں۔ اور یہ اپنے جان پہچان والے لوگوں کی طرف بڑھ رہے تھے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 95-94

اوران سے لپٹ رہے تھے(1)۔اس بستی کے متعلق ہم نے کافی آثار سورۂ بقرہ میں نقل کئے ہیں(2)۔بعض علماء کا ایک دوسرا قول بھی ہے کہ خاموش رہنے والے بھی ہلاک ہوئے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہیں سبت (ہفتہ) کے بارے میں آزمایا گیا۔اس دن ان پر مچھلیاں حرام قرار دے دی گئیں۔ہفتہ کا دن ہوتا تو یہ مچھلیوں کو پانی پر تیرتے ہوئے دیکھتے۔ہفتہ کا دن گزرتے ہی یہ بھی غائب ہوجاتیں۔کچھ عرصہ یہ صورت حال برقرار رہی۔پھر ان میں سے ایک آدمی نے مچھلی کو پکڑا۔اس کے ناک میں رسی ڈال کر اسے پانی میں ہی چھوڑ دیا اور رسی کا دوسرا سرا باہر ایک میخ کے ساتھ باندھ دیا۔اگلے دن اسے بھون کر کھا گیا۔لوگ اسے دیکھتے رہے،کسی نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی کسی نے منع کیا۔صرف چند لوگ ایسے تھے جو انہیں اس کام سے منع کرتے تھے۔یہ کام لوگوں کا معمول بن گیا اور اعلانیہ ہونے لگا تو بعض لوگوں نے منع کرنے والے گروہ سے کہا: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا منع کرنے والوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ تین گروہ تھے۔ان میں سے صرف وہ لوگ بچے جو منع کرتے تھے،باقی سب ہلاک ہوگئے۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع اس قول سے بہتر ہے کہ خاموش رہنے والے بھی نجات پا گئے۔

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...... اس ارشاد کی دلالت اس بات پر ہے کہ باقی ماندہ لوگ نجات پا گئے۔''بَئِيْسٍ''میں بہت سی قراءات ہیں(3)۔اس کا معنی ہے شدید،دردناک اور تکلیف دہ۔''خٰسِئِيْنَ'' کا معنی ہے حقیر،ذلیل اور گھٹیا۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

''اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک ایسے (جابر) جو چکھائیں گے انہیں برا عذاب۔بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''۔

تاذن ''تفعل'' کے وزن پر اذن سے مشتق ہے اس کا معنی ہے آگاہ کیا یا حکم دیا۔قوت کلام میں یہ لفظ قسم کا معنی رکھتا ہے،اسی لئے اس کے بعد ''لَيَبْعَثَنَّ'' میں لام قسم لایا گیا ہے۔آیت کا معنی یہ ہوا کہ آپ کے رب نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ قیامت تک وہ ان یہود پر ان کی عصیاں شعاری،نافرمانی اور حیلہ سازی کے سبب ضرور ایسے جابر مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات سال یا تیرہ سال خراج لگائے رکھا،اور سب سے پہلے خراج لاگو کرنے والے آپ ہی تھے۔پھر یہ یہود یونانی،کشدانی اور کلدانی بادشاہوں کے قہر وغضب کا شکار ہوئے،پھر نصرانیوں کے زیر تسلط ذلت کی زندگی بسر کرتے رہے اور انہیں جزیہ اور خراج دیتے رہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی ذلت،بے چارگی اور ان سے جزیہ وصول کرنا ہے۔اسلام آیا تو نبی کریم ﷺ ان پر غالب آگئے۔قیامت تک یہ امت ان پر غالب رہے گی۔اوائل اسلام میں وہ بطور ذمی جزیہ ادا کرتے تھے پھر آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے،لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر انہیں قتل کر ڈالیں گے۔یہ قیامت کے قریب ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ...... آپ کا رب اس شخص کو جلد سزا دینے والا ہے جو اس کی نافرمانی کرے اور شریعت کی مخالفت کرے اور

1۔تفسیر طبری،جلد 9،صفحہ 97-96   2۔دیکھئے سورۂ بقرہ:60   3۔تفصیل کے لئے دیکھئے البحر المحیط،جلد 4،صفحہ 412-413

ہر شخص کے لئے غفور رحیم بھی ہے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے۔ عقوبت کے ساتھ رحمت کو بھی ذکر کیا گی

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

''اور ہم نے بانٹ دیا انہیں زمین میں کئی گروہوں میں ان میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح ہیں اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں پھر جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جو وارث ہوئے کتاب کے وہ لیتے ہیں مال اس دنیا کا اور (بایں ہمہ) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں۔ اور اگر آ جائے ان کے پاس اور مال اس جیسا تو لے لیں اسے بھی کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ وعدہ کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے اور پڑھ لیا انہوں نے جو کتاب میں تھا۔ اور دار آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو متقی ہیں۔ تو کیا تم (اتنا) بھی نہیں سمجھتے اور جنہوں نے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اور قائم کیا نماز کو، بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر اصلاح کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھیر دیا اور انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ساری دنیا میں پھیلا دیا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل: 104) ''اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر''۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ان میں سے کچھ نیکوکار ہیں اور کچھ برے جس طرح جنوں کا قول ہے: وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا (الجن: 11) ''اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے۔ ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں''۔

وَبَلَوْنٰهُمْ...... ہم نے انہیں خوشحالی اور تنگدستی، ترغیب اور ترہیب، عافیت اور بلا کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ باز آ جائیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ...... اس نسل جس میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ تھے، کے بعد ناخلف ان کے جانشین بن گئے جو کتاب (تورات) کے وارث بنے، مجاہد کہتے ہیں کہ ان سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صفت رکھنے والے سارے لوگ مراد ہوں جو حق کو بیچ کر دنیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بہلاتے رہتے ہیں کہ عنقریب توبہ کر لیں گے لیکن جب پھر لالچ دیا گیا تو پھر دنیا کمانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام کا سودا کرنے لگتے اور دنیا طلبی اور نفس پرستی کا شکار ہو کر آیات الٰہی میں کھلم کھلا تحریف کا ارتکاب کر لیتے۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اور جس طرح حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ

کرتے، پھر اعتراف گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلب گار بن جاتے۔ضرورت پڑنے پر پھر اس گناہ کا ارتکاب کر کے دنیاوی سامان حاصل کر لیتے۔مجاہد فرماتے ہیں کہ دنیا کا جو مال ومتاع انہیں ملتا خواہ حلال ہوتا یا حرام وہ اسے بے دھڑک قابو کر لیتے اور ساتھ ساتھ مغفرت کی بھی تمنا رکھتے۔وہ اس مغالطہ کا شکار تھے کہ ان سے باز پرس نہیں ہوگی۔قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ بہت ہی برے ناخلف تھے جو انبیاء ورسل کے بعد کتاب اللہ کے وارث بنے اور ان سے کتاب الٰہی کا پابند رہنے کا عہد بھی لیا گیا تھا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی جیسا کہ فرمایا: فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ...... (مریم:59) ''پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو.........''۔

يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى...... دنیاوی حرص ولالچ میں مبتلا ہونے کے باوجود یہ مغالطہ کا شکار ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی آرزئیں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ان کے گناہوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جب پھر انہیں موقع ملتا ہے تو حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر حق کو بیچ کر دنیاوی مال ومتاع ہڑپ کر جاتے ہیں۔سدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جس شخص کو قاضی مقرر کرتے وہ رشوت خور ہوتا۔ان کے سربرآوردہ لوگوں نے مل کر یہ طے کیا کہ کوئی آدمی رشوت نہیں لے گا پھر ان میں سے جب کوئی آدمی رشوت لیتا تو اسے کہا جاتا کہ تم رشوت لیکر کیوں فیصلے کرتے ہو؟ وہ کہتا: کوئی بات نہیں، مجھے ضرور بخش دیا جائے گا۔باقی لوگ اس کرتوت پر اسے لعنت ملامت کرتے۔جب وہ (قاضی) مرجاتا یا اسے معزول کر دیا جاتا اور اس کی جگہ وہی آدمی لے لیتا جو پہلے اسے رشوت خوری پر ملامت کیا کرتا تھا تو وہ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد خود بھی رشوت لینا شروع کر دیتا۔اسی لئے دنیا ان کے پاس آتی تو وہ اسے سمیٹنے سے دریغ نہ کرتے۔

اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ...... اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ اس کے باوجود انہوں نے یہ کام کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حق واضح کریں گے اور اسے ہرگز نہیں چھپائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ ۖ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ (آل عمران:187) ''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو (الٹا) انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت۔سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں''۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ گناہوں کی بخشش کی اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھتے ہیں لیکن ان گناہوں سے باز نہیں آتے۔اس سلسلہ میں انہیں ہوش مندی سے کام لینا چاہئے۔

وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم کی ترغیب دلا رہا ہے اور گناہوں کے ہولناک عتاب سے ڈرا رہا ہے۔جو آدمی محارم سے اجتناب کرے، خواہشات نفسانی کو خیر باد کہہ دے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جائے تو ایسے شخص کے لئے ثواب بہت بہتر ہے۔کیا یہ دین کے بدلے دنیا خریدنے والے ذرا بھی عقل نہیں رکھتے تاکہ وہ اپنی نادانی اور زیادتی سے باز آجائیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے ہیں جو انہیں اتباع سیدنا محمد ﷺ کی راہ دکھاتی ہے اور اس طرح ہی ان کی کتابوں میں مرقوم ہے، فرمایا:

وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ...... یعنی جو اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں، اس کے اوامر کی اتباع کرتے ہیں، نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے سعادت مندوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

''اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

جب ہم نے ان کے اوپر سائبان کی طرح پہاڑ کو بلند کیا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ (النساء:54) ''اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لئے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے پہاڑ کو ان کے سروں پر لا کھڑا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب انہیں لیکر ارض مقدس کی طرف چلے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد آپ نے تختیاں پکڑ لیں اور احکام خداوندی پر کاربند رہنے کا انہیں حکم دیا تو یہ چیز ان پر بہت گراں گزری اور انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا جس طرح سائبان ہوتا ہے۔ فرشتے ان کے اوپر اس پہاڑ کو بلند کئے ہوئے تھے۔ ابوبکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ یہ کتاب ہے، اس میں حلال و حرام اور امر و نہی کا بیان ہے، کیا تم اسے قبول کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ پہلے اسے پڑھ کر سنائیں، اگر فرائض اور حدود آسان ہوئے تو قبول کر لیں گے۔ دوبارہ انہیں کتاب کو قبول کرنے کا حکم ہوا لیکن پھر یہ کہنے لگے کہ اس کی حدود و فرائض کو ملاحظہ کرنے سے پہلے قبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ متعدد بار یہ تکرار ہوئی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو وحی کی۔ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر فضا میں بلند ہو گیا۔ جب وہ ان کے سروں کے اوپر چھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اگر تورات اور اس کے احکام کو قبول نہیں کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر آ گرے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ گرا ہی چاہتا ہے تو وہ بائیں رخسار کے بل سجدہ میں گر گئے اور دائیں آنکھ سے پہاڑ کو دیکھنے لگے کہ کہیں اوپر گر نہ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی بائیں رخسار پر سجدہ کرتے ہیں اس اعتقاد کے پیش نظر کہ ایسے ہی سجدہ سے تو ان سے عذاب ٹلا تھا۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ جب تختیوں کو کھولا گیا جس میں کتاب اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ کی تحریر کردہ تھی تو زمین کا ہر پہاڑ، ہر درخت اور ہر پتھر لرز گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی یہودی پر تورات پڑھی جاتی ہے تو وہ جھومنے اور سر ہلانے لگ جاتا ہے(1)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ (بنی اسرائیل:51) ''پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے''۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

''اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی (یہ اس لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 109

ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد ان کے بعد تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں نشانیاں تاکہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آ جائیں''۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو روز ازل میں نکالا اور انہیں ان کے اپنے نفوس پر گواہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب، مالک اور معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کی فطرت اور جبلت میں ودیعت کر دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: 30) ''پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نو مولود فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ایک چوپایہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم دیکھتے ہو کہ کوئی کان کٹا ہو'' (1)۔ حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، شیاطین ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں اور میری حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے دیتے ہیں'' (2)۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوات میں شرکت کی۔ مجاہدین نے کفار کو قتل کرنے کے بعد ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو یہ بات آپ ﷺ کو بہت ناگوار گزری، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بچوں کو پکڑ رہے ہیں'' ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اچھے لوگ بھی تو مشرکین کی اولاد ہیں۔ سنو، ہر جان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتی ہے اور وہ مسلمان ہی رہتی ہے حتیٰ کہ جب وہ گفتگو پر قادر ہوتے ہیں تو اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں'' (3)۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت نکالی گئی اور انہیں اصحاب یمین اور اصحاب شمال میں تقسیم کر دیا گیا۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک دوزخی سے پوچھا جائے گا کہ اگر روئے زمین پر ہر چیز تیری ملکیت بن جائے تو کیا یہ سب کچھ فدیہ میں دے کر نجات حاصل کرنا چاہو گے؟ وہ کہے گا: ''ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے بھی کمتر چیز کا سوال کیا تھا۔ میں نے آدم کی پشت ہی سے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا لیکن تم شریک بنانے پر مصر رہے'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مقام نعمان میں عرفہ کے دن روحوں سے عہد لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے تمام ذریت کو نکالا اور انہیں سامنے پھیلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے گفتگو فرمائی وہ گفتگو یہ تھی: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا...... اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس ذریت کو ذرات کی طرح پھیلا دیا گیا تھا (5)۔ ابن جریر سے روایت ہے کہ

1۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11 صفحہ 493، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047-2048　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2197

3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 112-113، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 435

4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 363، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2160-2161

5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 272، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 28

ضحاک بن مزاحم کا ایک بیٹا فوت ہو گیا جو صرف چھ دن کا تھا۔ ضحاک نے جابر سے کہا کہ جب تم میرے بیٹے کو لحد میں رکھو تو اس کا چہرہ کھلا رکھنا اور اس کے (کفن کے) بند کھول دینا کیونکہ میرے بیٹے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں فارغ ہوا تو میں نے ضحاک سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تمہارے بیٹے سے کیا سوال ہوگا اور کون سوال کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ اس سے اس میثاق کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کا اقرار اس نے صلب آدم میں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صلب پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے قیامت تک پیدا ہونے والی ارواح کو نکال لیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور پھر ان ارواح کو صلب آدم میں واپس لوٹا دیا۔ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک یہ عہد و پیمان کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔ اب ان میں سے جس نے دوسرے میثاق کو پالیا اور اس کا حق ادا کر دیا تو پہلا میثاق بھی اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا لیکن ان میں سے جس نے دوسرے میثاق کا اقرار نہ کیا، اس کے لئے میثاق اول بھی کوئی کام نہیں آئے گا اور جو دوسرے میثاق کو پانے سے پہلے پہلے بچپن میں مر گیا تو وہ میثاق اول یعنی فطرت سلیمہ پر مرا(1)۔ روایات کے ان تمام طرق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے اس طرح ذریت نکالی جس طرح کنگھی میں سے سر کے بال نکلتے ہیں، پھر انہیں فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى۔ فرشتوں نے کہا: شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ ...... کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ذریت نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے سے عمل کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے کچھ اور ذریت نکالی، فرمایا کہ انہیں میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں جیسے اعمال کریں گے''۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر عمل کا کیا مقصد (جب سب کچھ طے ہو چکا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے سے اعمال کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال پر فوت ہو جاتا ہے تو وہ اسے عمل صالح کے باعث جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں جیسے اعمال کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں جیسے کسی عمل پر مر جاتا ہے، اس کے باعث وہ اسے دوزخ میں داخل کر دیتا ہے''(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی تمام روحیں پیٹھ سے ظاہر ہو گئیں۔ ان میں سے ہر ایک انسان کی پیشانی میں نور کی چمک رکھ دی پھر انہیں آدم علیہ السلام پر پیش کیا۔ وہ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تیری ذریت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں ایک آدمی کو دیکھا جس کی پیشانی کی چمک نے آپ کو زیادہ متاثر کیا۔ عرض کرنے لگے: یا رب! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد میں سے طویل عرصہ کے بعد ہوگا جس کا نام داؤد ہوگا۔ عرض کی: اے رب

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 112　　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 113

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 226-227، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44-45 وغیرہ

تعالیٰ! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کی: اے پروردگار! میں نے اپنی عمر کے چالیس سال اسے ہبہ کر دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوئی تو ان کے پاس ملک الموت آ گئے۔ آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ کیا میری عمر کے ابھی چالیس سال باقی نہیں؟ ملک الموت نے کہا کہ کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے۔ آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا چنانچہ آپ کی ذریت میں بھی انکار کی عادت پڑ گئی۔ آدم سے بھول چوک ہوئی، آپ کی اولاد بھی بھول کا شکار ہونے لگی، آدم سے خطا ہوئی چنانچہ آپ کی ذریت بھی غلطیاں کرنے لگی'' (1)۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''تمام ذریت کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ تمہاری ذریت ہے۔ آپ نے دیکھا تو اس میں جذام و برص کے مریض اور اندھے بھی تھے اور اسی طرح انواع واقسام کی بیماریوں میں مبتلا افراد بھی تھے۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اے پروردگار! تو نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا: تاکہ یہ میری نعمتوں پر شکر ادا کرتے رہیں۔ عرض کی: اے پرووگار! یہ سب لوگوں سے نمایاں نور والے کون ہیں؟ فرمایا: اے آدم! یہ تمہاری اولاد میں سے ہونے والے انبیاء ہیں۔'' حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اعمال از سر نو نتیجہ خیز ہوں گے یا یہ کہ تقدیر نافذ ہو چکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ذریت نکالی پھر انہیں اپنے نفسوں پر گواہ بنایا، پھر ان کی دو مٹھیاں بھریں اور فرمایا: یہ جنتی ہیں اور وہ دوزخی ہیں۔ اہل جنت کو جنتیوں جیسے اعمال کے لئے تیار کیا جائے گا(2) اور اہل نار کو دوزخیوں کے سے عمل کے لئے تیار کیا جائے گا''۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پیدا کر دی اور تقدیر لکھ دی تو اپنے دائیں ہاتھ میں اہل یمین کو لیا اور بائیں ہاتھ میں اہل شمال کو، اور فرمایا: اے اصحاب یمین! انہوں نے عرض کی: ''لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ عرض کرنے لگے: کیوں نہیں۔ پھر فرمایا: اے اصحاب شمال! عرض کرنے لگے کہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ عرض کی: کیوں نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام کو خلط ملط کر دیا۔ کسی نے عرض کی: اے پروردگار! انہیں خلط ملط کرنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا: ان کے اعمال مختلف ہی رہیں گے (جس کی بناء پر یہ امتیاز باقی رہے گا) اور یہ اپنے اپنے اعمال ہی کرتے رہیں گے۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں اہل نار قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں لوٹا دیا'' (3)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں کو جمع کیا، انہیں قوت گویائی عطا فرمائی۔ ان سے عہد و پیمان لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن لاعلمی کا اظہار نہ کرتے رہو۔ اچھی طرح جان لو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میرے علاوہ کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ میں تمہاری طرف اپنے پیغمبر روانہ کروں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ تیرے سوا نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی معبود۔ اس دن تمام نے اطاعت کا اقرار کیا۔ پھر ان کے باپ آدم علیہ السلام کو ان کے سامنے لایا گیا انہوں نے اپنی اولاد میں دیکھا کہ امیر بھی ہیں اور غریب

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 11 صفحہ 196، متدرک حاکم، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 2 صفحہ 326

2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 117، الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 604   3۔ ابن مردویہ

بھی، خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی۔ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! اگر تو سب کو ایک جیسا پیدا فرما دیتا تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے یہ چیز محبوب ہے کہ میرا شکرادا کیا جائے۔ پھر آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء دیکھے جو چراغوں کی طرح سراپا نور تھے۔ باقی ذریت سے الگ صرف ان سے نبوت و رسالت کا ایک اور عہد لیا گیا جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ (الاحزاب: 7)'' اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا''، اسی لئے فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ (الروم: 30) ''پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑلو)''، هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (النجم: 56) ''یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے''، وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ (الاعراف: 102) ''اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند''۔ یہ تمام احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلب آدم علیہ السلام سے تمام ذریت کو نکالا، پھر جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان امتیاز کر دیا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا اپنی ربوبیت کی گواہی لینے کا تعلق ہے تو اس کا ذکر صرف حضرات ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے جو کہ موقوف ہیں، مرفوع نہیں، اس لئے بعض سلف اور خلف فرماتے ہیں کہ اس اشہاد (گواہ بنانا) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو توحید پر پیدا کیا ہے جس طرح حضرات ابو ہریرہ اور عیاض بن حمار رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں بھی جو انہوں نے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اسی لئے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ''مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ'' فرمایا گیا ہے نہ کہ ''مِنْ اٰدَمَ'' اور ''مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' کہا گیا ہے۔ ''مِنْ ظَهْرِهٖ'' نہیں کہا گیا یعنی نسل در نسل اور قرن بعد قرن اولاد کا سلسلہ جاری کر دیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ (الانعام: 165)'' اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں''، اور فرمایا: وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ (النمل: 62) ''اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ''، ایک دوسرے مقام پر فرمایا: كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (الانعام: 134) ''جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے''۔

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي یعنی انہیں حالاً اور قالاً دونوں طرح اس کا گواہ بنایا۔ شہادت کبھی قول کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ یہاں فرمایا:

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا اور کبھی کبھی شہادت حال کے ذریعے ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (التوبہ: 17) ''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی''، یعنی یہ زبان سے تو نہیں کہتے لیکن ان کی حالت ان کے کفر پر شاہد ہے۔ اسی طرح اس آیت وَاِنَّهٗ عَلٰي ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ (العادیات: 7) ''اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے)، میں بھی شہادت حالی ہے۔ جس طرح کہ سوال کبھی قال کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی حال کے ذریعے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم: 34) ''اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا''۔ اس بات پر کہ اشہاد سے مراد فطرت میں توحید کو ودیعت کر دینا ہے، یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شریک ٹھہرانے میں اس اشہاد کو ان کے خلاف حجت قرار دیا ہے۔ اگر واقعتاً تمام ذریت آدم کو نکال کر اور سامنے حاضر کر کے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی اور عہد لیا ہوتا تو انہیں ضرور یاد ہوتا تاکہ یہ ان کے خلاف حجت قرار دیا جا سکتا لیکن یہ تو کسی کو یاد ہی نہیں ... اگر یہ

کہا جائے کہ فرمان رسول ﷺ ہی یاددہانی کے لئے کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھٹلانے والے مشرکین ہیں جو رسولوں کی تکذیب کے ساتھ ساتھ ان کی خبروں کی بھی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے اس شہادت کو ایک مستقل حجت قرار دیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کر کے اس میں اقرار توحید ودیعت کر دیا، اسی لئے فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْا ...... تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو توحید سے غافل تھے یا یہ کہ شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا۔ ان کے کئے کی ہمیں کیوں سزا دی جائے۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلَا ۟ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

''اور پڑھ سنائیے انہیں حال اس کا جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ آپ سنائیں (انہیں) یہ قصہ شاید وہ غور وفکر کرنے لگیں بہت بری کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے''۔

ان آیات کا مصداق کون تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس کا نام بلعم بن آبر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں اس کا نام صیفی بن راہب آتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل بلقاء میں سے ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور یہ بیت المقدس میں مقیم تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اہل یمن میں سے تھا، اسے بلعم کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات کا علم عطا فرمایا لیکن اس نے ان کی قدر نہ کی۔ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ چونکہ مستجاب الدعوات تھا اس لئے لوگ مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تبلیغ کی غرض سے شاہ مدین کی طرف روانہ کیا۔ اس بادشاہ نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا، اسے جاگیر عطا کی اور گرانقدر انعام واکرام سے نوازا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین سے مرتد ہو کر بادشاہ کے دین کا پیروکار بن گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شخص امیہ بن ابی الصلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے، ممکن ہے ان کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی بلعم کے مشابہ تھا۔ یہ پہلی شریعتوں کا بہت عالم فاضل تھا لیکن اپنے علم سے استفادہ نہ کر سکا۔ اس نے رسول خدا ﷺ کا عہد مبارک پایا۔ آپ ﷺ کی نشانیاں، آیات بینات اور معجزات اس تک پہنچے اور ہر صاحب بصیرت کے لئے یہ چیزیں روز روشن کی طرح عیاں ہوئیں۔ اس کی آپ ﷺ سے ملاقات بھی ہوئی لیکن پھر بھی آپ ﷺ کی اتباع پر

آمادہ نہ ہوا بلکہ مشرکین کے ساتھ دوستی قائم رکھی، ان کی مدد اور ان کی ہی تعریف کرتا رہا۔ مقتولین بدر پر اس نے بڑا بلیغ مرثیہ بھی کہا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس کی زبان مومن تھی، دل مومن نہیں تھا۔ توحید الٰہی اور حکم و امثال پر مشتمل اس نے بڑی فصیح و بلیغ شاعری کی ہے لیکن دولت ایمان سے محروم رہا اور اسلام کے لئے اس کو شرح صدر عطا ہی نہ ہوا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس شخص کو تین دعاؤں کا حق عطا کیا گیا کہ قبول ہوں گی۔ اس کی ایک بیوی تھی جس میں سے اس کا ایک بیٹا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک دعا میرے لئے مخصوص کر دو۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، تم کیا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے بنی اسرائیل کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت بنا دے۔ اس نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ خوبصورت عورت بنا دیا۔ جب اسے علم ہوا کہ بنی اسرائیل میں اس جیسی کوئی حسین عورت ہے ہی نہیں تو وہ اپنے شوہر سے اعراض کرنے لگی اور اس کے اطوار اور خیالات ہی بدل گئے۔ اس کے لئے یہ سب کچھ نا قابل برداشت تھا اس لئے اس نے اللہ تعالیٰ سے (دوسری) دعا کی کہ وہ اسے کتیا بنا دے۔ چنانچہ وہ کتیا بن گئی۔ دو دعائیں یونہی ختم ہو گئیں۔ اس کے بیٹے آکر کہنے لگے کہ ہم اپنی ماں کو اس شکل میں نہیں دیکھ سکتے لوگ ہمیں عار دلاتے ہیں اس لئے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلی حالت پر لوٹا دے۔ چنانچہ وہ پہلے جیسی بن گئی اس طرح تینوں دعائیں اکارت گئیں۔ اس عورت کو بسوس (بے برکتی) کا نام دیا گیا۔ ان آیات کا مشہور شان نزول یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا اور بعض کے نزدیک اس کا تعلق جبارین کے شہر سے تھا، اسم اعظم جانتا تھا اور مستجاب الدعوات تھا۔ یہ بات بالکل ہی غلط اور خلاف حقیقت ہے کہ اسے نبوت عطا کی گئی پھر اس سے وہ محروم ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جابروں کے شہر کی طرف بڑھے تو بلعم کے پاس اس کی قوم کے افراد آئے اور اسے کہنے لگے کہ موسیٰ مرد آہن ہے اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ اگر وہ ہم پر غالب آ گیا تو ہمیں تباہ و برباد کر دے گا اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ موسیٰ اور اس کے لشکر کو ہم سے دور کر دے۔ وہ کہنے لگا کہ اگر یہ دعا میں نے کر دی تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ وہ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے مطلوبہ دعا کر دی۔ دعا کا کرنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمام علم و فضل سے محروم کر دیا، یہی مطلب اس آیت فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ کا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ جب میدان تیہ میں سرگرداں بنی اسرائیل کے چالیس سال بیت گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبی بنا کر بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے متعلق آگاہ کیا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبارین کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ کی تصدیق کی۔ لیکن بنی اسرائیل کا ایک بلعام نامی آدمی نافرمانی کر کے جبارین کے پاس چلا گیا اور انہیں کہنے لگا کہ تمہیں بنی اسرائیل سے خوفزدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں کیونکہ جب تم ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلو گے تو میں ان پر بددعا کروں گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ان جبارین کے پاس ہر قسم کا دنیاوی ساز و سامان موجود تھا لیکن بلعم ان کی عورتوں سے تمتع نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ بہت بڑی بڑی تھیں۔ اس لئے وہ اپنی ہی گدھی سے مطلب برآری کر لیا کرتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں ارشاد ہوا: فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ اس آیت کے ہم معنی ایک حدیث حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے جس میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں اس آدمی کا سا اندیشہ ہے جو قرآن کا علم رکھتا تھا یہاں تک کہ قرآن کی رونق اور شگفتگی اس کے چہرہ پر عیاں تھی، اس کی چادر اسلام تھی جس کو اس نے اوڑھے رکھا پھر وہ کترا کر اس سے نکل گیا اور اس نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ اپنے پڑوسی کو تلوار لیکر قتل کرنے کے درپے ہو گیا اور اس پر شرک کی تہمت لگانے لگا'' میں نے عرض کی:

اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں کون شرک کا زیادہ مستحق ہے تہمت لگانے والا یا جس پر تہمت لگائی گئی؟ فرمایا: ''بلکہ، تہمت لگانے والا''(1)۔

وَلَوْشِئْنَالَرَفَعْنٰهُ...... یعنی اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی آیات کی برکت سے دنیا کی غلاظت اور گندگی سے بالاتر رکھتے لیکن وہ دنیاوی زیب وزینت، لذات اور شہوات کی طرف مائل ہوگیا اور دنیا نے اسے فریب اور دھوکہ میں ڈال دیا جس طرح دنیا عموماً عقلمند لوگوں کو فریب دیا کرتی ہے۔ ابوالزاہریۃ کہتے ہیں کہ اسے ایک پل کے اوپر شیطان دکھائی دیا۔ اس کی سواری نے تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن بلعام نے شیطان کو سجدہ کیا۔ سیار بیان کرتے ہیں کہ بلعام مستجاب الدعوات تھا وہ شام یا کسی اور سرزمین میں رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ اس سرزمین کا رخ کیا جہاں یہ مقیم تھا۔ وہاں کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔ بھاگے بھاگے بلعام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس شخص (موسیٰ) اور اس کے لشکر پر بددعا کرو۔ وہ کہنے لگا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے مشورہ کیا تو اسے بددعا سے منع کر دیا گیا اور اسے کہا گیا کہ وہ میرے بندے ہیں اور ان میں میرا نبی بھی ہے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے بددعا کے متعلق اپنے رب سے مشورہ کیا ہے لیکن مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے اسے تحائف دیکر ورغلایا اور بددعا کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں۔ جب مشورہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے کسی چیز کا حکم نہ دیا۔ کہنے لگا کہ میں نے مشورہ کیا ہے لیکن مجھے کوئی مشورہ نہیں ملا۔ لوگ کہنے لگے کہ اگر بددعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتی تو وہ پہلے کی طرح تمہیں منع کر دیتا۔ چنانچہ وہ ان کے فریب میں آ گیا اور بددعا کرنے لگا جب وہ ان کے لئے بددعا کرتا تو ان کی بجائے اپنی قوم پر بددعا کے الفاظ اس کی زبان پر جاری ہو جاتے۔ اس نے اپنی قوم کے لئے فتح کی دعا کرنا چاہی لیکن دعا موسیٰ اور آپ کے لشکر کے حق میں نکل گئی یا آخر میں ان شاء اللہ کے الفاظ کہہ دیتا جس سے دعا اللہ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہو جاتی، اس کے ساتھی کہنے لگے کہ تم تو ہم پر ہی بددعا کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میری زبان پر تو اسی طرح دعا کے الفاظ جاری ہوتے ہیں اور اگر میں ان کے حق میں بددعا کر بھی دوں تو بھی قبول نہیں ہوگی۔ البتہ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس کے باعث ممکن ہے وہ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا بہت مبغوض ہے۔ اگر وہ زنا میں مبتلا ہو جائیں تو ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لئے تم ایسا کرو کہ جب وہ آئیں تو ان کے سامنے اپنی عورتوں کو بھیج دینا۔ وہ مسافر لوگ ہیں شاید اس جال میں پھنس جائیں اور اس طرح اپنی ہلاکت کو دعوت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ کی ایک بہت ہی خوبصورت اور شان وشوکت کی مالک بیٹی تھی۔ بادشاہ نے یا بلعام نے اسے تاکید کی کہ موسیٰ کے علاوہ کسی اور کے تصرف میں نہ آنا۔ چنانچہ بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہو گئے۔ بنی اسرائیل کا ایک سردار شہزادی کے پاس آیا اور اس سے تمتع کرنا چاہا لیکن اس نے کہا کہ میں موسیٰ کے سوا کسی کو اپنے اوپر قدرت نہیں دوں گی۔ وہ کہنے لگا: دیکھو، میرا مقام ومرتبہ بہت زیادہ ہے اور میں بڑے اونچے منصب پر فائز ہوں۔ چنانچہ شہزادی نے اس سلسلہ میں اپنے باپ سے مشورہ منگوا بھیجا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کی خواہش پوری کر دو۔ وہ دونوں رنگ رلیاں منا رہے تھے کہ ان کے پاس اولاد ہارون علیہ السلام میں سے ایک شخص تھا۔ اس نے دونوں پر اپنے نیزے کا ایسا بھرپور وار کیا کہ دونوں حالت غیر میں نیزے میں پرو دیئے گئے۔ اس نے دونوں کو نیزے پر بلند کیا اور تمام لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون کی بیماری مسلط کر دی جس میں ستر ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ سیار بیان کرتے ہیں کہ بلعام اپنی گدھی پر سوار تھا معلولی تک آیا۔ یہاں سے سواری

1۔ مسند ابی یعلی

آگے نہیں بڑھ رہی تھی وہ سواری کو مارنے لگ گیا۔ سواری اکڑ گئی اور کہنے لگی کہ مجھے کیوں مارتے ہو؟ کیا تم سامنے نہیں دیکھتے وہ کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ سامنے شیطان ہے، وہ سواری سے اتر کر شیطان کو سجدہ کرنے لگا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا...... بلعام کو بلعم بھی کہتے ہیں اس کے باپ کا نام باعوراء، باعور یا ابر تھا۔ بلعوم بن باعوراء بن شتھوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاران۔ بعض نے اسے ابن حران بن آزر بتایا ہے۔ یہ بلقاء کے ایک دیہات میں مقیم تھا۔ سالم ابوالنضر کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شام میں ارض بنی کنعان کا قصد کیا تو بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کو لیکر آیا ہے تا کہ ہمیں اپنی سرزمین سے باہر نکال دے، ہمیں قتل کر دے اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دے۔ ہم تمہاری قوم ہیں۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا، تم مستجاب الدعوات ہو ان کے حق میں بددعا کر دو۔ وہ کہنے لگا ارے کم بختو! موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، ان کے مددگار فرشتے ان کے ساتھ ہیں اور مومنین بھی ان کے دست و بازو ہیں۔ میں کیسے بددعا کروں حالانکہ میں جانتا ہوں سو جانتا ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم کہاں جائیں گے۔ اس طرح وہ اس سے زاریاں کرتے رہے اور بددعا کے لئے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ان کے فریب میں آ گیا۔ وہ اپنی گدھی پر سوار ہو گیا اور اس پہاڑ کی طرف متوجہ ہوا جہاں سے وہ بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھ سکتا تھا اس پہاڑ کا نام حسبان تھا۔ تھوڑی دور جا کر اس کی سواری بیٹھ گئی۔ وہ اسے مارنے لگا، پھر وہ تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور وہ کہنے لگی: اے بلعام! تو کہاں جا رہا ہے، کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں، کیا تو اللہ کے نبی اور اہل ایمان پر بددعا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ وہ اپنی سواری کو مارتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سواری کو آزاد چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ پہاڑ پر چڑھا اور جیش موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہو کر بددعا کرنے لگا۔ جب وہ بددعا کرتا تو وہ اس کی اپنی ہی قوم کے حق میں نکلتی۔ جب وہ اپنی قوم کے لئے دعائے خیر کرنا چاہتا تو وہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے حق میں نکل جاتی۔ اس کی قوم والے کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ تم ان کے حق میں دعائے خیر کر رہے ہو اور ہمارے لئے بددعا کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس پر قدرت نہیں۔ چنانچہ اس کی زبان لمبی ہو کر اس کے سینہ پر لٹک گئی۔ اب وہ اپنی قوم سے کہنے لگا کہ میری تو دنیا و آخرت برباد ہو گئی۔ اب حیلہ اور مکر سے ہی کام چلے گا۔ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اپنی عورتوں کو بناؤ سنگھار کر کے کچھ سامان کے ساتھ بیچنے کے بہانے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور انہیں یہ تاکید کر دو کہ اگر بنی اسرائیل کا کوئی شخص کسی عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہے تو وہ انکار نہ کرے۔ اگر ان کا ایک فرد بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب عورتیں لشکر میں داخل ہوئیں تو اہل کنعان کی ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا جو قوم کے سردار صور کی بیٹی تھی، بنی اسرائیل کے ایک زعیم کے پاس سے گزری جس کا نام زمری بن شلوم تھا اور یہ بنی شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کا سردار تھا۔ جب اس نے اس عورت کو دیکھا تو اس کے دل کو بھا گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے آیا اور کہنے لگا کہ میرا خیال ہے آپ یہی کہیں گے کہ یہ تجھ پر حرام ہے، اس کے قریب نہ جانا۔ آپ نے فرمایا: ہاں، یہ تم پر حرام ہے۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس معاملہ میں میں آپ کی بات پر عمل نہیں کر سکتا۔ وہ اس عورت کو لیکر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اس سے حرام کاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون کی بیماری پھیلا دی جب یہ واقعہ ہوا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دست راست فنحاص بن عیزار بن ہارون غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو طاعون کی بیماری اپنے ڈیرے جما چکی تھی۔ جب اسے زمری کے واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنا نیزہ اٹھایا جو تمام کا تمام لوہے کا بنا ہوا تھا اور زمری کے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں

اکٹھے لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے دونوں کو اپنے نیزے میں پرولیا اور فضا میں انہیں بلند کرتا ہوا باہر نکلا فخاص تنومند قوی شخص تھا۔ اس نے نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنی اپنے پہلو پر رکھ لی اور نیزہ منہ کے ساتھ ٹیک کیا۔ انہیں باہر لیکر نکلا تو یہ کہتے جا رہا تھا: اے اللہ! ہم تیرے نافرمان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ اس کے بعد طاعون کی بیماری ختم ہوگئی۔ زمری کی بدمعاشی سے لیکر اس کے قتل تک ستر ہزار یا کم از کم بیس ہزار آدمی طاعون کی نذر ہو کر لقمہ اجل بن گئے۔ یہ سب کچھ دن کے قلیل حصہ میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ذبیحہ کی سری، پائے اور اپنے اموال اور نفیس چیزوں میں سے پہلی پہلی چیز فخاص کی اولاد کو نذر کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ عیزار کا پہلوٹھی کا بیٹا تھا اور اسی کے سبب ان سے طاعون کی بیماری رفع ہوئی(1)۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ...... اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابوالنضر کی روایت کے مطابق بلعام کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی تھی تو اسے کتے کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو دونوں حالتوں میں ہانپتا ہے خواہ اسے جھڑکا جائے یا ویسے چھوڑ دیا جائے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ گمراہی پر ڈٹے رہنے، ایمان کی طرف بلانے یا نہ بلانے سے اس کے استفادہ نہ کرنے میں اس کی مثال کتے کی سی ہے جو دونوں حالتوں میں زبان لٹکائے ہانپتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو ایمان کی دعوت دینا اور نہ دینا دونوں چیزیں برابر ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ(البقرۃ:6)'' یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''، اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ(التوبۃ:80)'' آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں''۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ کافر، منافق اور گمراہ کا دل کمزور اور ہدایت سے خالی ہوتا ہے اس لئے وہ بہت دھڑکتا اور مضطرب رہتا ہے۔ اس کی اس حالت کو کتے کے ہانپنے کی حالت کے ساتھ تعبیر کیا۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اے محبوب! بلعام کے احوال سے واقفیت رکھنے والوں کو یہ واقعات سنائیں کہ بلعام کا کیا حشر ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا، وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسم اعظم کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جو اسے نعمت بخشی تھی اس نے اس کی قدر نہ کی۔ اس کا استعمال ناحق کرنے لگ گیا بلکہ اس نے یہاں تک جسارت کی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار حزب الرحمٰن پر بددعا کرنے لگ گیا، اسی لئے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ بلعام جیسے کام کرنے سے احتراز کریں کیونکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، انہیں اپنے زمانہ کے لوگوں پر امتیازی شان عطا فرمائی اور ان کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اوصاف بیان کر دیئے جنہیں وہ اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ اس لئے یہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ جس طرح ان کے انبیاء نے انہیں حکم دیا ہے اس کے مطابق حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، آپ کی تائید کریں اور ہر قسم کی مدد کریں۔ لہٰذا جس شخص نے ان میں سے کتاب الٰہی کی مخالفت کی اور اس کے احکام کو چھپایا تو اسے دنیا و آخرت کے رسوا کن عذاب سے واسطہ پڑے گا۔

سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ...... یعنی ان لوگوں کی مثال بہت بری ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان کی مثال کتوں کی سی ہے جن کا مقصد حرص وطمع، کھانا پینا اور شہوت رانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ جو علم وہدایت سے منحرف ہو کر شہوات اور خواہشات کا غلام بن گیا وہ کتے کے مشابہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 125-126

ہو گیا، کیسی بدترین مثال ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہماری مثال بری مثال نہیں ہے، ہبہ دیکر واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اس کو کھا جائے" (1)۔

وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود ہی اتباع حق اور اطاعت مولیٰ سے انحراف کر کے اور دنیاوی لذات وخواہشات میں مبتلا ہو کر اپنے آپ پر ظلم کیا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

"جسے ہدایت بخشے اللہ تعالیٰ سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جنہیں گمراہ کر دے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے وہ گمراہ اور خائب وخاسر ہی رہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اسی لئے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آتا ہے: اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ(2)۔ "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے ہدایت کے طلب گار ہیں، اسی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں"۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

"اور بے شک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے، وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (و بے خبر) ہیں"۔

یعنی ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا اور تیار کئے ہیں۔ ایسے لوگ جہنمیوں جیسے اعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے پیدا ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کیسے کیسے کام کریں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے علم کے مطابق زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں اس چیز کو درج کر دیا۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل ساری مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا" (3)۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنۃ، جلد 3 صفحہ 215، صحیح مسلم، کتاب الہبات 1240-1241 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 287، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 392 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر 2044

ﷺ کو کسی انصاری بچے کے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے بلایا گیا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ (بچہ) کتنا اچھا ہے! یہ تو جنت کی چڑیا ہے، اس نے کوئی برا کام کیا ہی نہیں اور نہ یہ اس عمر کو پہنچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور اس کے مستحقین کو بھی پیدا فرما دیا حالانکہ یہ ابھی اپنے آباء کی صلبوں میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخی بھی پیدا کر دیئے جبکہ یہ ابھی اپنے آباء کی پیٹھوں میں تھے" (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "پھر اللہ تعالیٰ (رحم مادر میں) اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے متعلق چار چیزیں لکھتا ہے، اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور یہ کہ بدبخت ہوگا یا سعادت مند" (2)۔ اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صلب آدم سے تمام ذریت نکالی تو اسے اصحاب یمین اور اصحاب شمال دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ یہ (ایک) جنتی ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور یہ (دوسرا) دوزخی ہے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس موضوع کی احادیث تو بہت زیادہ ہیں لیکن مسئلہ تقدیر بھی ایک نازک مسئلہ ہے جس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا...... یعنی وہ ان اعضاء سے استفادہ نہیں کرتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حصول ہدایت کا سبب بنایا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (الاحقاف:26) "اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا"، اور فرمایا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (البقرۃ:18) "یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے" یہ منافقین کے بارے میں ہے اور کافروں کے بارے میں فرمایا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (البقرۃ:171) "یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے"، بظاہر ان کے اعضاء درست تھے۔ اگر وہ گونگے، بہرے اور اندھے تھے تو صرف ہدایت سے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال:23) "اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے"، اور فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج:46) "حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"، ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ۞ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الزخرف:37-36) "اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں"۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ وہ لوگ جو حق بات کو نہیں سنتے اور نہ اسے دل میں جگہ دیتے ہیں اور نہ راہ ہدایت کو دیکھتے ہیں، ڈنگروں اور حیوانوں کی طرح ہیں جو اپنے حواس اور اعضاء کو صرف کھانے پینے اور زندگی برقرار رکھنے کے لوازمات میں استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً (البقرۃ:171) "اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلّا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے"۔ یعنی جب انہیں ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو اس وقت ان کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے حیوانوں کو راعی (چرواہا) بلاتا ہے تو وہ سوائے اس کی آواز کے کچھ نہیں سنتے اور نہ ہی اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر 2050 2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 165، صحیح مسلم، کتاب القدر 2036

بات کو سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے بارے میں فرمایا: بَلْ هُمْ اَضَلُّ کہ یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ہیں کیونکہ ڈنگر اگرچہ بات کو سمجھتے تو نہیں، پھر بھی جب ان کا مالک انہیں بلاتا ہے تو اس کی طرف رخ کر لیتے ہیں لیکن ان انسان نما ڈنگروں نے کبھی بھی اپنے خالق حقیقی کی آواز پر لبیک نہیں کہی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حیوان وہی کچھ کرتے ہیں جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے یا تو فطری طور پر ایسا کرتے ہیں یا پھر سدھانے سے، برخلاف کافر کے کہ اسے تو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور اسے یکتا مانے لیکن یہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو بشر اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنے جیسے فرشتوں سے افضل ہوگا، اور جو بشر کفر کرتا ہے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

''اور اللہ ہی کے لئے ہیں نام اچھے اچھے سو پکارو اسے انہیں ناموں سے، اور چھوڑ دو انہیں جو کجروی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو۔ جس نے ان کا ورد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وہ وتر (طاق) کو پسند فرماتا ہے''(1)۔

ترمذی شریف میں اس کے بعد یہ اسمائے حسنیٰ مذکور ہیں: ''هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيْ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ''(2)۔

یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی نام ذکر کئے ہیں(3)۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ یہ اسمائے گرامی اہل علم نے قرآن کریم میں سے جمع کئے ہیں۔ بہرصورت اسماء حسنیٰ صرف ننانوے سمجھ لینا درست نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی رنج والم اور غم پہنچے وہ یہ دعا کرے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، مجھ میں تیرا حکم نافذ ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ عادلانہ ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب الذکر: 2062
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 37-43
3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الدعاء: 1269-1270

سے کسی کو سکھایا ہے یا اسے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور اور میرے غم و حزن کو کافور کرنے والا بنا دے۔ جو شخص یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے حزن و غم کو فرحت و انبساط میں بدل دے گا۔' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! کیا ہم یہ یاد نہ کر لیں؟ فرمایا: ''جو بھی اسے سنے چاہئے کہ وہ اسے یاد کرے''(1)۔ بعض علماء نے کتاب و سنت سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام جمع کئے ہیں(2)۔

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الحاد یہ تھا کہ مشرکین ''لات'' (بت کا نام) کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شریک کر دیتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے لات اور عزیز سے عزیٰ مشتق کیا ہوا تھا۔ یہ بھی الحاد کی ایک شکل ہے کہ اللہ کے اسماء گرامی میں سے بتوں کے نام مشتق کر لئے جائیں۔ قتادہ الحاد کا معنی شرک کرنا بتاتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی تکذیب منقول ہے۔ کلام عرب میں الحاد کا معنی ہے: راہ راست سے ہٹ جانا، کجی، ظلم اور انحراف۔ اسی لئے لحد (قبر) کا لفظ ہے کیونکہ اسے قبلہ رخ پھیرا جاتا ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾

''اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے''۔

ہماری پیدا کردہ امتوں میں سے ایک امت ایسی ہے جو قول و فعل کے اعتبار سے حق پر قائم ہے۔ حق گو ہے اور حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اس امت سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ نبی کریم ﷺ جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے: ''یہ (آیت) تمہارے لئے ہے اور تم سے پہلے ایک قوم (قوم موسیٰ) کو اسی کی مثل عطا ہوئی یعنی وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف:59)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم نزول فرمائیں۔'' صحیحین کی ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ ان کا کوئی مخالف اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا یہاں تک کہ قیامت آ جائے''(3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے: یہاں تک کہ اللہ کا حکم (موت) آ جائے، وہ اسی پر کاربند رہیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس حال میں کہ وہ شام میں ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾

''اور جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو گا۔ اور میں مہلت دیتا ہوں انہیں۔ بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کے لئے معیشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے رزق کی فراوانی کر دی جاتی ہے۔ یہ اس سے دھوکہ کھا کر یقین کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی غیر معمولی شان ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 391-452، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، جلد 2 صفحہ 159-160

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 281　3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 167 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1524

شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:56-44) ''پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا''۔ اس لئے فرمایا: وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ یعنی میں انہیں مہلت دیتا ہوں کیونکہ میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

''کیا اب تک نہیں غور وفکر کیا انہوں نے۔ ان کے صاحب پر تو جنون کا ذرا اثر نہیں۔ نہیں ہے وہ مگر کھلم کھلا ڈرانے والا''۔

کیا ان جھٹلانے والوں نے کبھی غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو ذرا بھی جنون نہیں، بلکہ وہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں اور حق کے داعی ہیں۔ آپ ﷺ ہر اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جس میں عقل وشعور ہو۔ درج ذیل آیات میں بھی آپ ﷺ سے جنون کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (التکویر:22) ''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں''۔ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سبا:46) ''(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو۔ (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے''۔ یعنی میں تمہیں صرف یہ کہتا ہوں کہ تم تعصب اور ہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر خلوص نیت سے ایک ایک کر کے یا دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ پھر اس ذات کے متعلق غور وفکر کرو جسے میں نے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ کیا اس میں جنون نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ اگر تم ایسا کرو تو تم پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو بلایا۔ آپ ﷺ ایک ایک قبیلہ کا نام لیکر انہیں پکارنے لگے، اے بنی فلاں، اے بنی فلاں، ادھر آؤ۔ پھر آپ نے انہیں عذاب الٰہی اور حوادثات سے ڈرایا۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ تو مجنون ہے۔ صبح تک وہ یہی ہرزہ سرائی کرتا رہا تو اس وقت یہ آیت اتری۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

''کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس میں کہ شاید نزدیک آ گئی ہو ان کی مقررہ میعاد۔ تو کس بات پر وہ اس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے زمین وآسمان کی ہماری بادشاہت وسلطنت اور ہر چیز پر ہمارے اختیار و اقتدار میں غور وفکر نہیں کرتے۔ انہیں تو تدبر سے کام لیکر عبرت حاصل کرنی چاہئے تھی اور یہ علم ہو جانا چاہئے تھا کہ نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ شبیہ۔ اور یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ اور صرف وہی عبادت واطاعت کا مستحق ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں، اس کے رسول کی تصدیق کریں، اس کی اطاعت کی طرف رجوع کریں، بتوں کی غلامی کا پٹہ اتار پھینکیں اور اس بات سے ہوشیار رہیں کہ

موت قریب ہے کہیں غفلت میں کفر و شرک کی موت مر کر جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ یعنی اگر یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کی تخویف اور انذار سے ڈر کر آپ کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس کے علاوہ اور کونسی تخویف اور ترہیب ہے، جس کی وہ تصدیق کریں گے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شب اسراء کو میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی۔ جب ہم ساتویں آسمان تک پہنچے تو میں نے اوپر دیکھا تو بجلی اور بجلی کی کڑک تھی۔ میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے، ان میں سانپ تھے جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ سود خور ہیں۔ جب میں آسمان دنیا پر اترا تو میں نے نیچے نظر ڈالی تو دھند، دھواں اور کچھ آوازیں تھیں۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل: یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا: یہ شیاطین ہیں جو بنی آدم کی آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں تاکہ وہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں غور و فکر نہ کر سکیں۔ اگر یہ رکاوٹ نہ بنتے تو انسان عجیب و غریب چیزیں دیکھتے''(1)۔

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۱۸۶

''جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں''۔

جس پر اللہ تعالیٰ گمراہی لکھ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اگرچہ وہ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات دیکھ لے، اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے: وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا (المائدۃ:41) ''اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کیلئے اللہ سے کسی چیز کی''، قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (یونس:101) ''فرمایئے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے''۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷

''وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہئے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق۔ آپ فرمایئے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ایسا ہی ایک اور ارشاد ہے: یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ (الاحزاب:63) ''لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں''۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں اتری اور بعض کے نزدیک یہ آیت ایک یہودی گروہ کے متعلق نازل ہوئی

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 353-363

لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے (اور یہود تو مدینہ میں مقیم تھے)۔ قریش مکہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کے وجود کو جھٹلاتے ہوئے قیامت کے وقت کے متعلق پوچھا کرتے تھے جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس: 48) ''اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو''، يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ (الشوریٰ: 18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔

اَيَّانَ مُرْسٰىهَا یعنی اس کا وقوع کب ہوگا، کب دنیا ختم ہوگی اور قیامت آئے گی۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ سے قیامت کے وقت سے متعلق دریافت کیا جائے تو آپ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں کیونکہ وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا اور اس کے معین وقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی لئے فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے علم سے آسمانوں اور زمین کے مکین بے بہرہ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو یہ آسمانوں اور زمین کے باشندوں پر بہت بھاری ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کوئی چیز بھی اس کی ضرر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب قیامت وقوع پذیر ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، پہاڑ اکھیڑ دیئے جائیں گے اور وہی کچھ رونما ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے، یہی ثقل ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول وہی ہے جو قتادہ کا ہے یعنی قیامت کے وقت کا علم زمین و آسمان والوں پر ثقیل ہے (1)۔ یعنی وہ اس سے لاعلم ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً لیکن اس سے زمین و آسمان والوں پر اس کے ثقیل ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ سدی اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ (قیامت) آسمانوں اور زمین میں مخفی ہے۔ اس کے وقوع کا علم نہ کسی مقرب فرشتہ کو ہے اور نہ کسی فرستادہ نبی کو۔ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یعنی قیامت اچانک آئے گی، لوگوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''قیامت لوگوں کو اچانک دبوچ لے گی، اس وقت حالت یہ ہوگی کہ ایک آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا، ایک آدمی اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا ہوگا اور ایک آدمی بازار میں اپنا سودا لگا رہا ہوگا اور میزان کو اوپر نیچے کر رہا ہوگا'' (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، جب لوگ اسے (مغرب سے) طلوع ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، لیکن اس وقت ایمان لانا اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اپنے ایمان میں اس نے بھلائی کے کام نہیں کئے تھے۔ قیامت ضرور قائم ہوگی، اس وقت دو آدمی اپنے درمیان کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے لیکن نہ وہ خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ اسے لپیٹ سکیں گے۔ خدا کی قسم! قیامت ضرور آئے گی اور اس وقت حالت یہ ہوگی کہ ایک دودھ دوہے گا لیکن اسے پینا نصیب نہ ہوگا۔ قیامت ضرور وقوع پذیر ہوگی کہ اس وقت ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا لیکن پانی پینے پلانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اللہ کی قسم! قیامت قائم ہوگی، ایک آدمی نے لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھایا ہوگا لیکن کھانے کی بھی مہلت نہیں ہوگی'' (3)۔

1۔ تفسیر طبری: 9-139
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 140
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 132

یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ آپ سے قیامت کے متعلق یوں پوچھتے ہیں گویا کہ آپ کے اور ان کے درمیان رشتہ الفت ومحبت ہے اور گویا کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو ان کا سوال ایسے لوگوں کا سا تھا جنہیں یہ یقین ہو کہ آپ ﷺ نے قیامت کے متعلق خوب تحقیق کر لی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ وحی کی کہ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس نے اسے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ اطلاع پا سکتا ہے اور نہ کوئی رسول۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان رشتہ داری ہے اس لئے ہمیں بتا دیں کہ قیامت کب آئے گی، اس وقت یہ آیت اتری۔ مجاہد كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا کا معنی بتاتے ہیں: گویا آپ اس کی خوب تحقیق کر کے اس کے علم کو جان چکے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں: گویا آپ کو اس کا علم ہے حالانکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے مخفی رکھا ہے اور یہ معنی بیان کر کے ساتھ ہی یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ (لقمان:34) ''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم''۔ یہ قول زیادہ راجح ہے اسی لئے فرمایا: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ جبرئیل علیہ السلام لوگوں کو امور دین کی تعلیم کی غرض سے ایک اعرابی کے روپ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور پہلے آپ ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کیا، پھر ایمان کے متعلق، پھر احسان کے متعلق۔ پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے کی نسبت زیادہ نہیں جانتا'' یعنی میں تم سے اسے زیادہ نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی شخص اس معاملہ میں دوسرے شخص سے زیادہ عالم ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جبرئیل نے آپ ﷺ سے قیامت کی علامات دریافت کیں تو آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ ہر جواب کے بعد جبرئیل کہتے تھے ''صَدَقْتَ'' (آپ ﷺ نے درست فرمایا)، اس لئے اس سائل پر صحابہ کو بڑا تعجب ہوا کہ سوال بھی کر رہا ہے اور ساتھ تصدیق بھی کر رہا ہے۔ جب وہ اعرابی چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبرئیل تھے جو (اس طریقہ سے) تمہیں دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔'' ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ (جبرئیل) جس صورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں پہچان لیا سوائے اس (آج کی) صورت کے''(1)۔ ایک اعرابی نے بلند آواز سے آپ ﷺ کو ندا دی: یا محمد! رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بلند آواز میں جواب دیا: ''کیا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نادان! قیامت ضرور آئے گی لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' اس نے عرض کی: میں اس کے لئے بڑی بڑی نمازیں اور روزے تو نہیں تیار کر سکا، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ(2)۔ یعنی قیامت کے دن آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو سن کر صحابہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا جاتا جس کے علم کی لوگوں کو ضرورت نہیں تھی تو آپ ﷺ لوگوں کی رہنمائی زیادہ اہم چیز کی طرف کر دیتے، وہ اہم چیز یہ ہے کہ وہ وقوع قیامت سے قبل اس کے لئے تیاری کر لیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الایمان 39، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 223-224، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 80

2۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب اصحاب النبی ﷺ، جلد 5 صفحہ 14، صحیح مسلم، کتاب البر 2032 وغیرہ

اگرچہ تعیین وقت کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دیہاتی عرب جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو آپ ﷺ سے وقوع قیامت کے متعلق سوال کرتے تو آپ ﷺ ان میں سے کسی نوخیز لڑکے کی طرف اشارہ کر کے فرماتے: ''اگر یہ زندہ رہا تو اس پر بڑھاپا آنے سے پہلے پہلے ہی تم پر قیامت آجائے گی'' (1)۔ اس سے مراد موت ہے جو عالم برزخ میں لے جاتی ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث معمولی سے تغیر الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا: ''تم مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہو حالانکہ اس کا علم تو اللہ کے ہاں ہے، پھر بھی میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آج اس روئے زمین پر جتنے متنفس ہیں ان پر سو سال بھی نہیں گزریں گے (کہ قیامت آجائے گی)'' (2)۔ یعنی موجودہ لوگ اس صدی کے گزرنے سے قبل فوت ہو جائیں گے گویا یہ ان کے لئے قیامت ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شب اسراء میری ملاقات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ہوئی۔ یہ حضرات قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ معاملہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا وہ بھی کہنے لگے کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ آپ فرمانے لگے کہ ''اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن اس کی نشانی یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے پاس دو شاخہ ہوگا۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ درخت اور پتھر پکاریں گے کہ اے مسلمان! میرے نیچے کافر ہے، آؤ اسے قتل کر ڈالو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تمام کفار کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج نکلیں گے۔ وہ ہر طرف سے ابل پڑیں گے۔ شہروں کو پامال کر دیں گے۔ جس چیز پر سے ان کا گزر ہوگا اسے تباہ و برباد کر دیں گے، جس چشمہ پر جائیں گے اس کا پانی پی کر اسے خالی کر دیں گے۔ پھر میرے پاس آکر ان کی شکایت کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ ان سب کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ زمین ان کی لاشوں کی سڑانڈ سے بدبودار اور مسموم ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس میں ان کی لاشیں بہہ کر سمندر میں جا گریں گی۔ پھر پہاڑ اکھیڑ دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی، اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے نو ماہ کی حاملہ کہ جس کے متعلق اس کے گھر والوں کو علم نہیں ہوتا کہ دن یا رات کس وقت وضع حمل ہو جائے'' (3)۔ ان بڑے بڑے اکابر اولوالعزم رسولوں کو بھی قیامت کا علم نہ تھا، اس لئے انہوں نے یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انہوں نے اس کی علامات سے پردہ اٹھایا کیونکہ آپ اس امت کے آخری دور میں زمین پر اتریں گے، رسول اللہ ﷺ کے احکام نافذ کریں گے، مسیح دجال کو قتل کریں گے اور آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو ہلاک کرے گا۔ یہ ساری ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، اس کے مقررہ وقت پر وہی اسے ظاہر کرے گا، لیکن میں تمہیں اس کی علامتیں بتا دیتا ہوں وہ یہ کہ اس سے پہلے فتنہ و فساد اور ہرج ہوگا''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! فتنہ تو ہمیں معلوم ہے، ہرج کا کیا معنی ہے۔ فرمایا: اہل حبشہ کی زبان میں اس کا معنی قتل ہے، پھر فرمایا: ''لوگ آپس میں اس قدر انجان اور اجنبی بن جائیں گے کہ کوئی کسی کو نہیں پہچانے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2269 | 2۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة 1966

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1365-1366

گا''(1)۔رسول اللہ ﷺ قیامت کا ذکر کرتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت اتری: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا۔ ہمارے نبی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان عطا فرمائی ہے، آپ ﷺ نبی الرحمۃ ہیں، نبی التوبہ ہیں، نبی الملحمہ ہیں، سب سے آخر میں تشریف لانے والے ہیں اور آپ ﷺ حاشر ہیں کہ آپ ﷺ کے قدموں پر تمام لوگوں کا حشر ہوگا، آپ ﷺ فرماتے ہیں''میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں''(2)۔آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا۔اس قدر عظمت، رفعت اور شان کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ قیامت کے وقت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

''آپ کہئے نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لئے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر) جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف۔نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے''۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ﷺ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کر دیں اور اپنے بارے میں خبر دے دیں کہ مجھے مستقبل کا علم نہیں، مجھے صرف اس چیز کا علم ہے جس پر اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرما دے جیسا کہ فرمایا: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔۔۔۔۔(الجن:28-27)''(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو۔۔۔۔۔''۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ(3)۔ابن جریج اور مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے اپنی موت کا یقینی علم ہوتا تو میں جلد جلد اعمال صالحہ کر لیتا، لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ہر عمل اچھا تھا(4)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی عمل کرتے تو اسے مستقل اور لگاتار کرتے(5)۔آپ ﷺ کے تمام اعمال ایک ہی طرز پر تھے، تمام احوال میں آپ کی نظر اللہ

1۔مسند ﷺ احمد، جلد 5 صفحہ 389　　2۔صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 68، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ 592

3۔اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں کیونکہ خدا تو وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے، جو چاہے کرے، اسے روکا نہ جا سکے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔''لَاۤ اَمْلِكُ'' سے اختیار کامل کی نفی کی اور''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور اکرم ﷺ کو نفع وضرر کا کوئی اختیار نہیں۔اختیار ہے لیکن اتنا جس قدر عطا کیا گیا۔

اسی طرح وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔۔۔۔۔ میں بھی الوہیت کی نفی ہے اور یہ اعلان آپ ﷺ نے بر سبیل تواضع و ادب کیا ورنہ امور غیبیہ کی خبر دینا تو آپ ﷺ کے عظیم معجزات میں سے ہے۔متعدد آیات و احادیث سے آپ ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔۔۔۔۔(الجن:27-26)، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى(النجم:10)۔علاوہ ازیں سینکڑوں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو غیبی امور پر مطلع کیا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی بڑی حسین اور پیاری صورت میں زیارت کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی پھر میں نے وہ جان لیا جو آسمانوں اور جو زمین میں تھا۔''

یہ فرق ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، ذاتی، غیر متناہی اور غیر محدود ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کا علم حادث، عطائی، متناہی اور محدود ہے لیکن یہ محدود علم بھی اس قدر وسعتوں کا حامل ہے کہ مخلوق کی رسائی اس تک ممکن نہیں۔

4۔فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 235، صحیح مسلم، کتاب الصوم 541　　5۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 48

تعالیٰ پر ہوتی۔ ہاں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو لوگوں کو موت کی تیاری کے لئے رہنمائی کر دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خیر بمعنی مال لیا ہے اور یہی بہتر ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو جب میں کوئی چیز خریدتا تو مجھے علم ہوتا کہ اس میں کس قدر نفع ہے اور اسے اس وقت تک نہ بیچتا جب تک کہ مجھے منافع کی توقع نہ ہوتی، اور فقر مجھے لاحق نہ ہوتا(1)۔ دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں خوشحالی کے دور میں قحط سالی کے لئے اور سستے دور میں گرانی کے زمانہ کے لئے چیزیں جمع کر لیتا(2)۔

وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ یعنی میں شر کے وقوع سے پہلے ہی اس سے اجتناب کر لیتا اور اس سے محفوظ ہو جاتا۔ پھر فرمایا کہ آپ عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور جنات کی خوشخبری دینے والے ہیں جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:97) ''صرف اس لئے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کر تاکہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے''۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰

''وہ (خدا ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔ پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے پھر چلتی پھرتی رہتی ہے اس کے ساتھ۔ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جو ان کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار بندوں سے۔ پس جب اللہ عطا کرتا ہے انہیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں جو اس نے انہیں دیا۔ تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور ان سے ان کی زوجہ حواء کو پیدا کیا پھر ان دونوں سے نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:13) ''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے''، يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء:1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا'' اس آیت کریمہ میں فرمایا: وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا اس طرح کا فرمان ایک اور مقام پر

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 622 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 143

بھی ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: 21) ''اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات)''۔ جس قدر زوجین (میاں بیوی) کے درمیان الفت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر کسی بھی دو روحوں کے درمیان الفت نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ساحر اپنی چال کے ذریعے بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتا ہے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا جب خاوند اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو شروع میں وہ اپنے پیٹ کے اندر ہلکا سا بوجھ محسوس کرتی ہے۔ یہ حمل کا آغاز ہوتا ہے جس میں عورت کو کوئی خاص تکلیف نہیں محسوس ہوتی۔ حمل پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ (جما ہوا خون) اور پھر مضغہ (گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

فَمَرَّتْ بِهٖ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے پھرتی ہے۔ مہران کہتے ہیں کہ وہ حمل کو ہلکا محسوس کرتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے اس کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اگر میں عربی (اہل زبان) ہوتا تو پہچان جاتا کہ اس کا یہ معنی ہے، بہرصورت اس کا معنی یہی ہے کہ وہ اس حمل کو لئے پھرتی ہے، قتادہ اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اس کا حمل نمایاں ہو گیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے اٹھ بیٹھ سکتی ہے (1)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے پھرتی ہے لیکن اسے شک ہوتا ہے کہ حمل ہے یا نہیں۔

فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ...... جب حمل ذرا بوجھل ہو جاتا ہے اور پیٹ کے اندر بچہ ذرا بڑھنے لگتا ہے تو دونوں (زوجین) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر اس نے صحیح سالم بچہ عطا کر دیا تو وہ شکر گزار ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان کا بچہ کہیں جانور کی شکل کا نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر خدا ہم کو لڑکا دے تو ہم شکر گزار ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سالم بچہ عطا فرما دیتا ہے تو اس کی عطاء میں اس کے شریک ٹھہرانے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و برتر ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ مفسرین نے اس مقام پر بہت سی احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے جنہیں بیان کرنے کے بعد ہم ان میں سے صحیح کی نشاندہی کریں گے ان شاء اللہ۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب حواء نے بچے کو جنم دیا تو ابلیس ان کے اردگرد منڈلانے لگا، ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس نے حواء کو مشورہ دیا کہ نومولود کا نام عبد الحارث رکھنا، پھر یہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ حواء نے اپنے بچے کا نام عبد الحارث رکھا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی وحی اور حکم سے تھا'' (2)۔ یہ حدیث تین علتوں کے باعث محل بحث ہے:

(1)۔ اس کا ایک راوی عمر بن ابراہیم بصری ہے، ابن معین نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم کے نزدیک یہ قابل حجت نہیں لیکن ابن مردویہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوعاً روایت کی ہے۔

(2)۔ یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ حضرت سمرہ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت سمرہ نے اپنا قول بیان کیا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت سمرہ نے فرمایا: آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 143

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 11، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ اعراف، جلد 11 صفحہ 200-201، مستدرک حاکم کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 545

(3)۔ اس کے ایک راوی حسن رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی اور تفسیر بیان کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو اس سے وہ عدول کر کے اور تفسیر بیان نہ کرتے۔ ابن جریر نے ان سے اس بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ کسی اور اہل ملت کا ہے۔ معمر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا میں حسن کے نزدیک مشرک ذریت آدم ہے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ حسن اس سے مراد یہود و نصاریٰ لیتے جنہیں اللہ اولاد عطا فرماتا ہے لیکن وہ انہیں اپنی روش پر ڈال کر یہودی نصرانی بنا ڈالتے ہیں(1)۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی جو حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے، یہ بہترین تفسیر ہے اور آیت کا جو محمل بیان کیا گیا ہے وہ بھی بجا اور بہتر ہے۔ اگر یہ حدیث ان کے ذہن میں ہوتی تو اس سے کبھی بھی اعراض نہ کرتے اور ان جیسے متقی اور پرہیزگار شخص سے بعید ہے کہ وہ حدیث کو ترک کر کے اپنی طرف سے آیت کی تفسیر بیان کر دے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت موقوفاً اپنے قول سے کی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے حضرات کعب اور وہب جیسے کسی اہل کتاب سے لی ہو جو مسلمان ہو گئے تھے، اس کا بیان بھی انشاء اللہ آئے گا لیکن اس روایت سے ہم عہدہ برآں ہو گئے ہیں۔

اس بارے میں چند آثار بھی مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت حواء کے ہاں جو اولاد ہوتی ان کی عبودیت وہ اللہ کے لئے مخصوص کر دیتیں اور عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ نام رکھتیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا کوئی دوسرا نام رکھو گے تو وہ زندہ رہے گی۔ اس کے بعد ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے عبدالحارث رکھا اس پر یہ آیات هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ...... اتریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حواء کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے حمل کا بوجھ محسوس کیا تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر اس نے انہیں صحیح سالم بچہ عطا فرمایا تو وہ شکر بجالائیں گے۔ اب شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ کیسا بچہ پیدا ہوگا، ممکن ہے جانور ہو یا کچھ اور؟ اس نے غلط بات کو ان کے لئے خوشنما بات بنا کر پیش کیا اور شیطان تو کھلا دھوکے باز ہے۔ اس سے پہلے جو بھی آدم علیہ السلام و حواء علیہما السلام کے ہاں بچے پیدا ہوتے تھے مر جاتے تھے۔ شیطان نے انہیں کہا کہ اگر تم نے اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام میرے نام پر نہ رکھا تو بچہ صحیح سالم پیدا نہ ہوگا بلکہ پہلے کی طرح مر جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت حواء کو حمل ہوا تو وہ حضرات آدم و حواء علیہما السلام سے آ کر کہنے لگا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکالا تھا۔ تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اپنے کرتب سے اس کے دو سینگ پیدا کر دوں گا اور یہ تمہارا پیٹ پھاڑ کر باہر نکلے گا۔ میں یوں کر دوں گا، میں فلاں کر دوں گا، اس طرح شیطان دونوں کو ڈراتا دھمکاتا رہا لیکن انہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ مردہ بچہ پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ شیطان پھر آیا اور پھر اپنی دھمکیوں کو دہرانے لگا۔ اب بھی وہ اس کی دھمکیوں میں نہ آئے۔ بچہ اس بار بھی مردہ پیدا ہوا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے بچے کی محبت سے مجبور ہو کر اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس اثر کو آپ کے تلامذہ جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، اور عکرمہ کے علاوہ سلف اور خلف میں سے متعدد مفسرین نے نقل کیا ہے۔ یہ اثر اہل کتاب سے ماخوذ محسوس ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق انہوں نے اسے حضرت ابی بن کعب سے بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 148

'' جب اہل کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب ''(1)۔ اہل کتاب کی روایات تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی روایات ہیں جن کی صحت قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی ہے، دوسری وہ روایات ہیں جن کا کذب قرآن وحدیث سے ثابت ہو جاتا ہے، اور تیسری قسم کی وہ روایات ہیں جن کے متعلق ہمارے دین میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، ان کی روایت کی اجازت ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: '' بنی اسرائیل سے بیان کرو، کوئی حرج نہیں ''(2)۔ لیکن نہ ان اسرائیلیات کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ یہ اثر دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے یا پھر تیسری قسم سے لیکن یہ غور طلب ہے۔ جس نے اس اثر کو کسی صحابی یا تابعی سے روایت کیا ہے وہ اسے تیسری قسم سے شمار کرتا ہے، ہمارا مذہب تو اس معاملہ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہے کہ اس آیت میں حضرات آدم وحواء مراد نہیں بلکہ مشرکین ہیں۔ اسی لئے فرمایا: فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ ان آیات میں حضرات آدم وحواء کا ذکر ان کے بعد ہونے والے والدین کے لئے بطور تمہید کیا گیا ہے کہ بعد میں آنے والے والدین شرک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس میں استطراد ہے کہ پہلے دونوں کا انفرادی ذکر ہوا، اس کے بعد جنس کی طرف کلام منتقل ہوگئی جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (الملک:5) '' اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے '' ظاہر ہے کہ مصابیح سے مراد ستارے ہیں جو آسمان کے لئے باعث زینت ہیں اور شیاطین کو مار بھگانے کے آلات بھی ہیں۔ ان کو شیطانوں پر نہیں مارا جاتا۔ اس آیت میں بھی ستاروں کے وجود سے ان کی جنس کی طرف استطراد وانتقال مقصود ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ٞ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ٞ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ٞ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۧ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

'' کیا وہ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی کوئی چیز اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ نہیں طاقت رکھتے ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم بلائے انہیں ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں گے تمہاری۔ یکساں ہے تمہارے لئے خواہ تم بلاؤ انہیں یا تم خاموش رہو (اے کفار) بے شک وہ جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 237، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 318 وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 7 صفحہ 431، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 46 وغیرہ

طرح تو پکارو انہیں پس چاہئے کہ قبول کریں تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے یا کیا ان کے کان ہیں وہ سنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہئے پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے۔ یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اتاری یہ کتاب۔ اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو وہ نہ سنیں گے اور تو دیکھے گا انہیں کہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا''۔

ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کیا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے انداد، اصنام اور اوثان کو شریک عبادت کرتے ہیں جو بذات خود اللہ کی مخلوق اور بنائی ہوئی چیزیں ہیں، کسی معاملہ میں انہیں کچھ بھی قدرت حاصل نہیں، نہ یہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں بلکہ یہ بے جان مجسمے ہیں جو نہ حرکت کرتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں بلکہ ان کے پجاری ان سے اس لحاظ سے بہتر ہیں کہ وہ سن سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں اور پکڑ سکتے ہیں، اسی لئے فرمایا: اَیُشْرِكُوْنَ مَالَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ۔ یعنی کیا تم ایسے معبودان کو شریک ٹھہراتے ہو جن میں کوئی چیز پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (الحج:74-73) ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے! بیشک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔ نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر متنبہ فرمارہا ہے کہ ان کے معبود مل کر ایک مکھی بنانے کی بھی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ایک مکھی کھانے کی معمولی سی چیز ان سے چھین لے تو اسے واپس لینے پر بھی قادر نہیں۔ جس کی یہ حالت ہو بھلا وہ کیسے معبود بن سکتا ہے کہ اس سے رزق بھی طلب کیا جائے اور مدد بھی۔ بلکہ یہ معبودان باطلہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور انہیں گھڑا گیا ہے جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (الصافات:95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟''۔

وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا...... یعنی وہ اپنے عبادت گزاروں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے بلکہ اگر کوئی ان کے ساتھ بھی برا سلوک کرے تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت و تذلیل کیا کرتے تھے، اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْیَمِیْنِ (الصافات:93) ''پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر دائنے ہاتھ سے)، اور فرمایا: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء:58) ''پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں''۔ اسی طرح حضرات معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بتوں کو توڑ دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔ جب رسول اللہ

ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو یہ دونوں نوجوان رات کے وقت چپکے سے مشرکین کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے اور بیواؤں کو بطور ایندھن استعمال کرنے کے لئے دے دیتے تا کہ ان کی قوم کو اس سے عبرت حاصل ہو اور وہ اپنے طرز عمل پر غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا، اس کا ایک خاص بت تھا جس کی وہ عبادت کرتا اور اسے خوشبو لگا کر رکھتا۔ یہ دونوں حضرات رات کو آتے، اس بت کو اوندھا کر کے اسے غلاظت کے ساتھ آلودہ کر دیتے۔ عمرو بن جموح اپنے بت کی یہ درگت بنی ہوئی دیکھتا تو اسے صاف کر کے اور خوشبو لگا کر رکھ دیتا اور اس کے پاس ایک تلوار رکھ کرتا کید کرتا کہ اس کے ساتھ اپنی حفاظت کرنا لیکن یہ حضرات پھر آ کر اس بت کی خبر لیتے وہ پھر اسے نہلا دھلا کر اور خوشبو لگا کر رکھ دیتا۔ آخر ایک رات کو انہوں نے بت کو پکڑا اور اسے ایک مردہ کتے کے ساتھ باندھ کر ایک کنویں میں لٹکا دیا۔ جب عمرو بن جموح نے اپنے خدا کی یہ درگت بنی دیکھی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں، اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا دین باطل ہے۔ وہ اپنے بت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اگر تو واقعی خدا ہوتا تو اس طرح کتے کے ساتھ کنویں میں نہ پڑا ہوتا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے، غزوۂ احد میں شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوئے(1)۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى...... یعنی یہ بت کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ انہیں پکارنا اور نہ پکارنا برابر ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (مریم:42) ''اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ بت بھی اللہ کی مخلوق ہیں بلکہ انسان ان سے بہتر ہیں کیونکہ وہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور پکڑتے ہیں جبکہ بت ان صفات سے محروم ہیں۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ...... یعنی تم میرے مقابلہ میں اپنی مدد کے لئے اپنے شرکاء کو لے آؤ اور مجھے پلک جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ دو اور اپنا سارا زور صرف کر لو۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ یعنی میرا حمایتی اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے، وہ مجھے کافی ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی پناہ میں آیا۔ وہ دنیا و آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ ہر صالح مسلمان کا وہ دوست اور مددگار رہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب میں فرمایا تھا: اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۗ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود:54-56) ''ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا۔ پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''، اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ (الشعراء:75-76) ''کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے''، اور جیسا کہ آپ علیہ السلام

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 453، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 280

نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا: اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ۝ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الزخرف:28-26) ''میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بیشک وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں، تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں''۔

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ...... یہ پہلے گزرے ہوئے مضمون کی تاکید ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں خطاب کا صیغہ ہے اور وہاں غائب کا۔ اسی لئے فرمایا: لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ (فاطر:14) ''اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار''۔

وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ چونکہ ان بتوں کے ڈھانچے انسانی شکل کے ہیں اور ان کی آنکھیں بھی بنی ہوئی ہیں اس لئے محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ تو بے جان جمادات ہیں۔ چونکہ یہ انسانی شکل وصورت رکھتے ہیں اور دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس لئے ان کے لئے جمع عاقل کی ضمیر استعمال کی حالانکہ ان کے لئے مونث کی ضمیر لانی چاہئے تھے۔ سدی ان بتوں سے مراد مشرکین لیتے ہیں لیکن پہلی بات ہی درست ہے (1)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝۱۹۹ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۰۰

''قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔ اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے، بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''خُذِ الْعَفْوَ'' کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان کے وہ اموال لے لیں جو ان کی ضروریات سے زائد ہوں اور وہ بھی جو وہ آپ کے پاس لائیں۔ یہ سورۂ براءت میں فرائض صدقات، ان کے مصارف اور باقی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے کی بات ہے جب آپ کے پاس صدقات آتے تھے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت میں اس کا یہ معنی منقول ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کردو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دس سال تک مشرکین سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر آپ کو ان پر سختی برتنے کا حکم ہوا (2)۔ مجاہد کہتے ہیں: بغیر تجسس کے لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے صرف نظر کرو (3)۔ کئی ایک روایات میں اس کا یہ معنی آتا ہے کہ لوگوں جیسے اخلاق سے اجتناب کرو (4)۔ حضرت ابوالزبیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق سے بچو، اللہ کی قسم! جس کی میں صحبت اختیار کروں ضرور اس کی کوئی عادت اپنا لوں گا (5)۔ حضرت عیینہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے جبرئیل! اس سے کیا مقصود ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اس کو معاف کردیں جو آپ پر ظلم کرے، اس شخص کو عطا کریں جو آپ کو محروم رکھے اور اس سے صلہ رحمی کریں جو آپ سے قطع تعلقی کرے'' (6)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 153　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 155　3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 154
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 86 وغیرہ　5۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 154　6۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 155

ہوا اور پہلے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے اچھے اعمال سے آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عقبہ! اس شخص سے صلہ رحمی کر جو تجھ سے قطع تعلق کرے، اس کو دے جو تجھے محروم رکھے اور اس سے اعراض کر لے جو تجھ پر ظلم کرے'' (1)۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ عرف کا معنی معروف (نیکی) ہے۔ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آ کر ٹھہرے۔ حر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقربین اور خاصان میں سے تھے اور قرآن کریم کے عالم تھے۔ اس وقت نوجوان اور بوڑھے قاری علماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے رکن ہوتے تھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے (حر) سے کہا کہ امیر المومنین کے ہاں تمہارا اچھا خاصا اثر ورسوخ ہے، اس لئے مجھے آپ سے ملاقات کی اجازت لے دو۔ انہوں نے حامی بھر لی۔ چنانچہ ان کے کہنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ جب عیینہ آپ سے ملے تو کہنے لگے: اے ابن خطاب! اللہ کی قسم، نہ تو آپ نے ہمیں کافی مال ودولت دیا ہے اور نہ ہمارے ساتھ عدل کیا ہے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور قریب تھا کہ آپ اسے مارڈالیں تو حر کہنے لگے: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ اور یہ جاہلین میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جونہی آپ پر یہ آیت پڑھی گئی آپ نے فوراً اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور کوئی سزا نہیں دی۔ آپ کتاب اللہ کے بڑے ماہر عالم تھے (2)۔ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے گزرے۔ اس میں گھنٹی بج رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: یہ ممنوع ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں، بڑے بڑے گھنٹوں کی ممانعت ہے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے اور آیت کا یہ حصہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ پڑھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ عرف کا معنی معروف متعدد علماء سے منقول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ معروف، عارفہ اور عارف سب ہم معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اللہ کے بندوں کو نیکی (معروف) کا حکم دیں۔ لفظ معروف میں تمام طاعات داخل ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم ہوا۔ اگرچہ بظاہر حکم آپ کو ہی ہے لیکن درحقیقت یہ امت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ بھی ظلم وتعدی کو برداشت کریں۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے بھی اعراض کر لو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں نادانی کا مظاہرہ کرے یا اس شخص سے درگزر کر لو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور اس کی وحدانیت سے لاعلم ہو یا اس شخص سے صرف نظر کر لو جو مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار ہو (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ اس مضمون کو کسی دانا نے بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے شعروں کے اندر بیان کیا ہے۔ ان میں جناس بھی پائی جاتی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا أُمِرْتَ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ

وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْاَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِنْ ذَوِي الْجَاهِ لِيْنَ

ترجمہ:۔ معاف کر دینے کی خو اپناؤ اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لو۔ تمام مخلوق کے ساتھ شائستہ اور نرم گفتگو کرو۔ بلند مرتبہ لوگوں کے لئے نرمی اختیار کرنا زیادہ مستحسن ہے۔

کسی عالم کا کہنا ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک محسن شخص، یہ شخص جو عطا کرے اسے لے لو، اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے مکلف نہ بناؤ اور نہ ناجائز تنگ کرو، دوسرا بدکردار آدمی، اسے نیکی کا حکم دو۔ اگر وہ اپنی گمراہی پر بضد رہے اور ساری تدبیریں رائیگاں جائیں تو اس

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 148، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 9 صفحہ 247
2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 76
3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 156

سے اعراض کرلو، ممکن ہے اس طریقہ سے وہ باز آ جائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (المومنون:98-96) ''دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''، اور فرمایا: وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حٰم السجدۃ:35-34) ''نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔ اور یہاں فرمایا: وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ...... ان تین آیات میں جو اعراف، حٰم السجدہ اور مؤمنون میں مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ گنہگار کے ساتھ عفو اور درگزر کا معاملہ کرو ممکن ہے اس طرح وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جائے، اسی لئے فرمایا: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کی توجہ اس طرف مرکوز کر رہا ہے کہ شیطان سے اس کی پناہ مانگو کیونکہ اس کے ساتھ احسان کا کوئی فائدہ نہیں، احسان کے باوجود یہ باز نہیں آتا بلکہ یہ ہر وقت تمہاری ہلاکت اور بربادی کے درپے رہتا ہے، یہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور تم سے پہلے تمہارے باپ (آدم علیہ السلام) کا دشمن تھا۔ ابن جریر وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ...... کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی طرف تم پر ایسا غصہ مسلط ہو جائے جو تمہیں جاہل سے اعراض کرنے میں رکاوٹ بن جائے اور اس سے بدلہ لینے پر اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ اللہ تعالیٰ جاہل کی جہالت کو سننے والا ہے، اسی طرح جو تم اس کے وسوسہ سے پناہ مانگتے ہو یا کوئی بھی جو کلام کرتا ہے وہ اسے خوب سنتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس طرح شیطانی وسوسہ دور ہوگا اور اسی طرح باقی مخلوقات کے معاملات کو بھی خوب جانتا ہے(1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت خُذِ الْعَفْوَ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کی: ''اے پروردگار! غضب کا کیا علاج؟'' تو اس وقت یہ آیت وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ...... اتری۔ استعاذہ کی بحث میں ان دو آدمیوں کا قصہ گزر چکا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لڑ پڑے۔ غصہ کی شدت کے باعث ایک آدمی کی ناک پھولنے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ اسے پڑھے تو اس کا غصہ فرو ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ''۔ اس کو یہ بات بتائی گئی تو اس نے کہا کہ مجھے جنون نہیں ہے(2)۔ نزغ کا معنی ہے فساد خواہ غصہ کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ (بنی اسرائیل:53) ''اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان''۔ عیاذ کا معنی ہے شر سے پناہ مانگنا۔ ملاذ (پناہ لینا) طلب خیر میں ہوتا ہے جیسا کہ حسن بن ہانی اپنے اشعار میں کہتا ہے:

اے وہ ذات اپنی امیدوں میں مَیں جس کی پناہ لیتا ہوں اور وہ ذات خطرات میں میں جس کی پناہ لیتا ہوں۔ لوگ اس ہڈی کو نہیں جوڑ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 156　　2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 19، صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 30، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 240 وغیرہ

سکتے جسے تو توڑ دے، اور جسے تو جوڑے لوگ اس کو توڑ نہیں سکتے (1)۔

استعاذہ کے متعلق احادیث گزر چکی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَۚ۝ وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ۝

''بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان کھینچ لے جاتے ہیں انہیں گمراہی میں، پھر (انہیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی بندوں کے بارے میں خبر دے رہا ہے جنہوں نے اللہ کے اوامر کی اطاعت کی اور نواہی سے اجتناب کیا کہ جب انہیں کوئی شیطانی خیال چھوتا ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں تو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ طائف اور طیف دونوں قراءتیں مشہور ہیں (2)۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں، بعض نے ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی غضب ہے۔ بعض نے اس کا معنی بتایا ہے آسیب زدہ ہونا۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی گناہ کا ارادہ کرنا اور بعض کے نزدیک گناہ کا ارتکاب کرنا۔ جب بھی متقین ایسی صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب، ثواب، وعدہ اور وعید کو یاد کر کے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنے گناہ سے توبہ کر لیتے ہیں اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اسے مرگی کا دورہ پڑتا تھا، وہ عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفایاب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیری مرضی ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ تجھے شفا عطا فرما دے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کرو اور تم سے (روز قیامت) کوئی حساب نہیں لیا جائے گا'' اس نے کہا کہ اگر حساب نہ ہو تو میں صبر کروں گی (3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے مرگی کا مرض ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تمہاری شفاء کے لئے دعا کرتا ہوں اور اگر تیری مرضی ہو تو صبر کر اس کے بدلے میں تیرے لئے جنت ہے۔'' اس نے عرض کی کہ میں صبر کروں گی درآں حالیکہ میرے لئے جنت ہو۔ لیکن آپ دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ پھر اس کے بعد کبھی وہ بے پردہ نہیں ہوئی (4)۔ ایک نوجوان مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک عورت کو اس سے عشق ہو گیا۔ وہ نوجوان کو اپنی طرف مائل کرتی رہی اور ڈورے ڈالتی رہی حتیٰ کہ ایک دن وہ اس کے گھر آ ہی گیا۔ اسی اثناء میں اسے یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ...... یاد آ گئی، وہ وہاں ہی غش کھا کر گر پڑا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اسی آیت کو یاد کر کے پھر گر پڑا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ کے ساتھ تعزیت کی۔ اسے رات کے وقت ہی دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس کی قبر پر نماز مغفرت پڑھی۔ پھر اس نوجوان کو ندا دی اور فرمایا: اے نوجوان! وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے

1۔ دیوان المتنبی، جلد 2 صفحہ 272
2۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش 652
3۔ ابن مردویہ
4۔ مستدرک حاکم، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 218 وغیرہ

دونوں جنتیں بخش دی ہیں۔

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل: 27) ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں''۔ ان شیاطین کے پیروکار، ان کی باتوں پر کان دھرنے والے اور ان کے اوامر کو قبول کرنے والے گناہوں میں شیاطین کی مدد کرتے ہیں، گناہوں کو ان پر آسان اور خوشنما بنا دیتے ہیں۔ ''مد'' کا معنی ہے زیادتی (1)۔ یعنی وہ ان کی گمراہی اور جہالت میں اضافہ کر دیتے ہیں، ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ یعنی یہ شیطان اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ انسان اپنے اعمال بد میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین انہیں ان سے باز رکھتے ہیں۔ ایک اور معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے والے جن اور شیاطین اپنے انسانی دوستوں کو وحی کرتے ہیں پھر وہ اس سے اکتاتے نہیں۔ سدی وغیرہ کرتے ہیں کہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو گمراہی میں دھکیلتے ہیں اور شر میں ان کی مدد کرنے سے بد دل نہیں ہوتے کیونکہ یہ ان کی فطرت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم: 83) ''کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں''۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

''اور (اے محبوب ﷺ) جب آپ نہیں لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ بنالیا تم نے خود اسے۔ فرمائیے میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے۔ یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے''۔

جب یہ لوگ کسی معجزے یا نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں اور آپ اسے پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے کیوں نہ اخذ کر لی، کیوں نہ تم نے خود ہی گھڑ لی یا کیوں نہ آسمان سے تم یہ نشانی لے آئے۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ...... آیت سے مراد معجزہ اور خارق عادت امر ہے جیسا کہ فرمان ہے: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (الشعراء: 4) ''اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی''۔ وہ کفار نبی کریم ﷺ سے فرمائش کرتے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نشانی طلب کرنے میں کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے یہ اعلان کروایا: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ یعنی میں اپنے رب کی مرضی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتا، میں تو وحی الٰہی کا پابند ہوں۔ وہ از خود کوئی معجزہ یا نشانی بھیجے تو میں اسے قبول کر کے پیش کر دیتا ہوں اور اگر وہ روک لے تو میں اس کی مرضی کے بغیر اس کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ بڑی حکمت والا اور ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، پھر قرآن کے متعلق فرمایا جو سب سے بڑا معجزہ، سب سے سچی حجت اور سب سے زیادہ واضح ہے: هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

''اور جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 159

قبل ازیں یہ بیان ہوا کہ قرآن کریم روشن دلائل، ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ اس کی عظمت اور احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کو خاموشی سے سننے کا حکم دے رہا ہے، اس کی تلاوت کے وقت کفار قریش کی طرح شور وغل نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ اس آیت میں ہے: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ (حم السجدۃ:26) ''مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچادیا کرو'' لیکن خاموشی سے سننے کی یہ تاکید فرض نماز میں ہے جب امام بہ آواز بلند قراءت کر رہا ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموشی سے سنو''(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ نماز میں بھی باتیں کرلیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ اور ایک دوسری آیت کریمہ نازل ہوئی تو انہیں سکوت کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کو سلام کہہ دیا کرتے تھے اس لئے یہ آیت اتری(2)۔ ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے چند لوگوں کو امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرتے ہوئے سنا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انہیں فرمایا کہ کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی آیت انہیں پڑھ کر سنائی(2)۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک انصاری نوجوان کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ نماز میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ قراءت کیا کرتا تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جہری نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟'' ایک آدمی نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہے کہ میرے ساتھ متصل قرآن پڑھا جا رہا ہے''(3)۔ اس فرمان کو سننے کے بعد لوگ جہری نمازوں میں آپ ﷺ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ مقتدی جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت نہ کریں۔ امام کی قراءت ہی کافی ہے اگرچہ اس کی آواز مقتدیوں تک نہ بھی پہنچے لیکن سری نمازوں میں اپنے دل میں قراءت کریں۔ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ آہستہ یا اونچی آواز میں قراءت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ...... میں کہتا ہوں کہ یہ چند علماء کا مسلک ہے کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں قراءت واجب نہیں نہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورت۔ یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے، اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے وقفوں کے درمیان سورۂ فاتحہ پڑھے۔ یہ چند صحابہ اور تابعین کا بھی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر قراءت بالکل واجب نہیں، نہ سری نمازوں میں اور نہ جہری نمازوں میں، کیونکہ حدیث میں آتا ہے: جس کا امام ہو اس کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے''(4)۔ یہی مذہب زیادہ صحیح ہے، کسی اور جگہ اس کی مفصل وضاحت کی گئی ہے۔ اس مسئلہ میں امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے سنو۔ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ 303، سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2 صفحہ 141-142 وغیرہ　　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 162

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 107-108 سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2 صفحہ 140، موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 86-87 وغیرہ

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 339

سورۃ الانفال

یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں پچھتر آیات ہیں، اس کے کلمات کی تعداد ایک ہزار چھ سو اکتیس (۱۶۳۱) ہے اور حروف کی تعداد پانچ ہزار دو سو چورانوے (۵۲۹۴)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝

"دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق، آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان دار ہو"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ انفال سے مراد وہ اموال غنیمت ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہیں، کسی اور کا ان پر کوئی حق نہیں۔ علماء کی کثیر تعداد سے انفال بمعنی غنائم منقول ہے، یہ نفل (غنیمت) کی جمع ہے۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انفال کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی میدان جنگ میں اپنے مدمقابل کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ چھین لے تو یہ چیزیں انفال ہیں۔ اس آدمی کے دوبارہ سوال کرنے پر آپ نے یہی جواب دیا۔ اس نے پھر سہ بارہ سوال کیا کہ قرآن کریم میں مذکور انفال کا کیا مطلب ہے؟ اپنے لگاتار سوال سے اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو تنگ کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غصہ میں آ گئے اور فرمانے لگے کہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مارا تھا یہاں تک کہ وہ خون آلود ہو گیا۔ اس کی ایڑیوں اور پاؤں پر خون بہنے لگا۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ کیا تم بھی وہ نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کا بدلہ تم سے لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نفل کی تفسیر میدان جنگ میں اس چھینے ہوئے مال غنیمت سے کی ہے جو امام بعض اشخاص کو اصل غنائم کی تقسیم کے بعد اضافی طور پر دے دیتا ہے۔ اکثر فقہاء نے نفل کا یہی معنی لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے کہ نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو منع کرنے والا، حکم دینے والا، حلال کرنے والا اور حرام کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے خمس (پانچویں حصے) کے بارے میں دریافت کیا جو چار حصے نکالنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے تو یہ آیت اتری: یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ حضرات ابن مسعود اور مسروق فرماتے ہیں کہ نفل سے مراد وہ مال نہیں جو بروز جنگ چھینا جائے بلکہ اس سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 76

مراد وہ مال ہے جو جنگ کے لئے صفیں درست کرنے اور مڈ بھیڑ سے پہلے ہاتھ آئے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ نفل سے مراد وہ جانور، غلام، لونڈی ساز وسامان اور مال ومتاع ہے جو بغیر جنگ کئے مسلمانوں کو مل جائے۔ اس کے مالک نبی علیہ السلام ہیں۔ یہ صرف آپ کا حق ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے انفال کی تفسیر مال فئے سے کی ہے اور فئے وہ مال ہے جو بغیر جنگ کئے کفار سے لیا گیا ہو۔ بعض دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ انفال سے مراد سرایا سے حاصل ہونے والا مال ہے(1)۔ یعنی لشکر کے کسی دستہ کو اس کے کسی کارنامہ یا حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ شعبی نے اس کی صراحت کی ہے، ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ اس سے مراد وہ اضافی چیز ہے جو سارے لشکر میں تقسیم کے بعد کسی کو دی جائے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرا بھائی عمیر قتل ہو گیا میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر کے اس کی تلوار اپنے قبضہ میں لے لی جس کا نام ذوالکتیفہ تھا۔ میں اس تلوار کو لے کر نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "جاؤ، اسے اموال مقبوضہ میں ڈال دو" میں لوٹا تو اس وقت میری حالت کو خدا ہی بہتر جانتا تھا ایک تو بھائی قتل ہو چکا تھا دوسرا چھینی ہوئی تلوار بھی لے لی گئی۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورۂ انفال کی یہ آیات نازل ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ، اپنا چھینا ہوا مال لے لو"(2)۔

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آج اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ہزیمت سے دوچار کر کے مجھے تسکین بخشی ہے اب یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "یہ تلوار نہ تمہاری ہے اور نہ میری، اسے رکھ دو۔" میں تلوار رکھ کر واپس لوٹا اور یہ خیال کرنے لگا کہ ممکن ہے یہ تلوار کسی ایسے شخص کو مل جائے جس نے میری طرح جانثاری کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔ اچانک مجھے پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ میں رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی لیکن وہ میری نہیں تھی۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے اس کا مالک بنا دیا ہے اس لئے اب تمہیں عطا کرتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت اتری: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ(3)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیات اتریں۔ جنگ بدر میں ایک تلوار میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ تلوار مجھے بخش دیجئے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: "جہاں سے لی ہے اسے وہاں ہی رکھ دو"۔ آپ نے دو مرتبہ یہی فرمایا۔ میں نے پھر عرض کی تو بھی آپ نے یہی فرمایا۔ اس وقت سورۂ انفال کی یہ آیت اتری، مجھ سے متعلق دوسری آیت وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا (الاحقاف:15) ہے، تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ...... (المائدہ:90)' ہے اور چوتھی آیت جو میرے بارے میں نازل ہوئی وہ آیت وصیت ہے(4)۔

ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آ گئی، اس تلوار کو مرزبان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ علیہ السلام نے اپنا اپنا لوٹا ہوا مال جمع کروانے کا حکم دیا تو میں نے بھی یہ تلوار مال غنیمت کے ذخیرہ میں رکھ دی۔ آپ علیہ السلام کی یہ عادت کریمہ تھی کہ آپ علیہ السلام کسی کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ ارقم بن ابی الارقم مخزومی نے اس تلوار کو دیکھ کر حضور

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 169
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 180
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 178
4۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1977-1878

ﷺ سے اسے مانگ لیا، اور آپ نے انہیں وہ تلوار عطا کر دی(1)۔

آیت کا دوسرا شان نزول

ابو امامہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ سورت ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ہم مال غنیمت کے بارے میں جھگڑنے لگے اور لہجے تلخ ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تقسیم غنائم کا اختیار ہمارے ہاتھوں سے نکال کر رسول اللہ ﷺ کو تفویض کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا(2)۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ہوئے مشرکین کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنے لگا اور دوسرا ایک گروہ لشکر قریش کا محاصرہ کر کے انہیں گرفتار کرنے اور مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا۔ ایک جماعت آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی تا کہ دشمن آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ جب رات ہوئی اور مال غنیمت کی تقسیم کا مرحلہ آیا تو مال غنیمت اکٹھا کرنے والوں نے کہا کہ چونکہ ہم نے یہ جمع کیا ہے اس لئے ہم ہی اس کے حقدار ہیں کسی اور کا اس میں حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والے کہنے لگے کہ تم ہم سے زیادہ اس کے مستحق نہیں، ہم نے ہی دشمن کو روکے رکھا اور انہیں ہزیمت سے دوچار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور حضرات کہنے لگے کہ ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ مبادا دشمن آپ کو کوئی گزند پہنچا دے۔ ہم وہاں مصروف رہے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب دشمن کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے تو وہاں ہی ایک چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس لوٹتے تو ایک تہائی تقسیم کر دیتے اور آپ اسے اپنے لئے ناپسند کرتے تھے(3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ جو اس طرح کارنامہ انجام دے گا اور اس طرح سرفروشی کا مظاہرہ کرے گا اسے ایسا ایسا انعام دیا جائے گا۔ اب نوجوان آگے بڑھ کر اپنی طاقت اور صلاحیت کا مظاہرہ کرنے لگے اور بوڑھے پیچھے جھنڈوں کے نیچے رہ گئے۔ جب مال غنیمت آیا تو وہ نوجوان آ گئے جن کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ بوڑھے کہنے لگے کہ تمہیں ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہم تو تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ اگر تمہیں شکست ہوتی تو تم ہمارے پاس ہی پناہ لیتے۔ اس طرح مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق تنازعہ شروع ہو گیا جس کا تصفیہ اس آیت کے نزول سے ہوا(4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ بدر کے دن آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی کو قتل کیا اسے یہ یہ انعام ملے گا اور جس نے کسی کو قید کیا اسے فلاں فلاں انعام دیا جائے گا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی لے آئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ نے ان لوگوں کو اس طرح عطا کر دیا تو آپ کے دوسرے اصحاب کیلئے کچھ نہ بچے گا۔ ہم آپ کے ساتھ آپ کی حفاظت کی غرض سے رکے رہے تا کہ دشمن پیچھے سے آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے ورنہ یہ بات نہیں کہ ہمیں معاوضہ کی ضرورت ہی نہ تھی اور یا ہم بزدلی کی بناء پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 173-174 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 322

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 323-324، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 51-53، مستدرک حاکم، کتاب قسم الفئ، جلد 2 صفحہ 136

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 77، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 326-327

رکے رہے۔ چنانچہ جھگڑا شروع ہوگیا۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ بھی: وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ...... (الانفال:41)۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الاموال الشرعیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ انفال سے مراد اموال غنیمت اور وہ اموال ہیں جو مسلمان اہل حرب سے حاصل کریں۔ آیت کریمہ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کے مطابق پہلے اموال غنیمت رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں دیئے گئے جنہیں آپ ﷺ نے بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تقسیم فرمادیا۔ اس میں سے خمس 1/5 نہیں نکالا۔ پھر آیت خمس کے نازل ہونے سے یہ آیت منسوخ ہوگئی (1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم (قائم) ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی آثار ہیں۔

انفال جمع شدہ غنائم کو کہتے ہیں لیکن ان میں سے خمس قرآن وحدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ کے اہل کیلئے خاص ہے۔ کلام عرب میں انفال سے مراد ہر وہ احسان ہے جو محسن نے بطور مہربانی کیا ہو، اس پر واجب نہ ہو۔ یہی وہ مال غنیمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین کیلئے حلال کیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جو صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے ورنہ پہلی امتوں پر مال غنیمت حرام تھا (2)۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں ان میں سے ایک آپ ﷺ نے یہ ذکر کی کہ میرے لئے غنائم کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کیلئے حلال نہ ہوئیں (3)۔ پھر ابوعبید کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس چیز کو نفل کہا جاتا ہے جو امام وقت فوج کے بعض افراد کو دیتا ہے اس میں وہ انہیں دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے اصل حصہ سے کچھ زائد عطا کر دیتا ہے یہ دراصل ان کی کارکردگی اور سرفروشی کے اعتراف میں انہیں دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے نفل کی چار صورتیں ہیں جو امام وقت کسی کو دیتا ہے، ان میں سے ہر صورت مستقل ہے نفل کی پہلی صورت مقتول کا لوٹا ہوا مال ہے، اس میں سے خمس 1/5 نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو خمس نکالنے کے بعد باقی مال غنیمت میں سے دیا جاتا ہے مثلاً امام دشمن کے خلاف کسی مہم میں کوئی فوجی دستہ روانہ کرتا ہے تو وہ مال غنیمت لے کر لوٹتا ہے۔ امام خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی یا ایک تہائی اس دستہ میں تقسیم کردے۔ تیسری صورت اس نفل کی ہے جو خمس میں دیا جاتا ہے جب سارا مال غنیمت اکٹھا ہوجائے اور اس میں سے خمس نکال کر امام کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو اب اس خمس میں سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس کو جتنا چاہے عطا کردے۔ چوتھی صورت اس نفل کی ہے جو خمس نکالنے سے پہلے جملہ مال غنیمت میں سے دیا جاتا ہے۔ یہ عموماً سائیسوں، چرواہوں، گائیڈوں، سقاؤں اور دیگر مزدوروں وغیرہ کو دیا جاتا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو چھینا ہوا مال واسباب دیا جاتا ہے وہ انفال میں شامل ہے (4)۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ نفل کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مال ومتاع ہے جو مجاہدین کو حضور ﷺ اپنے خمس میں سے عطا کیا کرتے تھے کیونکہ خمس کا حصہ آپ کے ساتھ خاص تھا۔ جس چاہیں عطا فرمائیں۔ یہ بھی نفل کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ امام کو چاہئے کہ وہ دشمن کی کثرت، شان وشوکت اور مسلمانوں کی قلت اور موقع کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اجتہاد سے کچھ حصہ مقرر کردے۔ اگر ایسی مصلحت درپیش نہ ہو تو نفل کا نکالنا لازمی نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ امام

1۔ الاموال الشرعیۃ 426
2۔ دیکھئے الاموال الشرعیۃ 426, 428, 430
3۔ اس حدیث کی تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ نساء:13
4۔ کتاب الام للشافعی، جلد 4 صفحہ 66

ایک فوجی دستہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے روانہ کرتا ہے اور لڑائی سے قبل ان سے کہہ دیتا ہے کہ جس شخص نے جو مال غنیمت جمع کیا خمس نکالنے کے بعد وہ اس کا مالک ہے تو یہ شرط لگانا درست ہے کیونکہ باہمی رضا مندی سے اس پر اتفاق ہو گیا۔ ابو عبید کی کلام ختم ہوئی لیکن ان کا یہ کہنا کہ غنائم بدر میں سے خمس نہیں نکالا گیا۔ یہ بات غور طلب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس کی تردید کرتا ہے کہ مجھے بدر کے دن خمس میں سے دو اونٹنیاں ملیں۔ اس کا مفصل بیان میں نے کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ یعنی اپنے امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے باہمی معاملات کو درست کرلو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اور نہ آپس میں جھگڑو۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم تمہیں عطا فرمایا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جس کے سبب تم جھگڑنے ہو۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗۤ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ کیونکہ آپ فرمان الٰہی کے مطابق عدل وانصاف سے تقسیم فرماتے ہیں۔ سدی فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ باہم جھگڑا اور گالی گلوچ نہ کرو(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہنس رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے دو امتی اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں اس سے اپنے ظلم کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ چکاؤ۔ وہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! میرے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں رہی۔ تو مظلوم کہتا ہے: اے رب تعالیٰ! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ پھر فرمایا: ''وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا جس دن لوگ اس بات کے ضرورت مند ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھالے۔ اللہ تعالیٰ طالب انتقام سے فرمائے گا کہ اپنی نظر اٹھا اور جنت کی طرف دیکھ۔ وہ اپنا سر اٹھائے گا اور عرض کرے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے بنے ہوئے شہر دیکھ رہا ہوں، سونے کے موتیوں سے مرصع محلات مجھے دکھائی دے رہے ہیں، یہ کس نبی کیلئے ہیں؟ کس صدیق کیلئے ہیں؟ کس شہید کیلئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سب کچھ اس کے لئے ہے جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ بندہ عرض کرے گا: اے پروردگار! کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار وہ کیسے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ و اور دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرلو کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنین کے درمیان صلح کروادے گا''(2)۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَہُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝

''صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 178
2۔ المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، جلد 4 صفحہ 391-392

ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقین فریضہ صلوۃ کی ادائیگی کے وقت آیات قرآنیہ سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے، نہ صدق دل سے آیات الٰہی پر ایمان لاتے ہیں، نہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، نہ ادھر ادھر ہوں تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ مومن نہیں ہیں بلکہ مومن تو وہ ہیں جن کے وصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ...... یعنی کمال ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ایمان اور تصدیق میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں کسی اور کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرتے۔ حقیقی مومن کی یہی پہچان ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو اس کا دل خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کے اوامر کی تعمیل کرتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران: 135) ''اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں''۔ اور فرمایا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات: 41-40) ''اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے''۔ تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس مرد مومن کا ذکر ہے جو ظلم یا معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اس کا دل خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دل کے کانپنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کھجور کی شاخ جلتی ہے اس طرح اس کے تن بدن میں ایک سوزش سی پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ جب تیری یہ کیفیت ہو تو اس وقت اللہ سے دعا مانگ، کیونکہ ایسے وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (التوبۃ: 124) ''اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان۔ تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں''۔

امام بخاری اور دیگر ائمہ نے اس قسم کی آیات سے ایمان کی زیادتی اور تفاوت پر استدلال کیا ہے جیسا کہ جمہور امت کا مذہب ہے بلکہ شافعی، احمد بن حنبل اور ابو عبید رحمہم اللہ جیسے متعدد ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسا کہ ہم نے شرح بخاری کے شروع میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی وہ اس کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے۔ اس کے سوا کسی کا قصد نہیں کرتے، صرف اسی کی جناب میں پناہ لیتے ہیں۔ وہ اسی سے اپنی ضروریات طلب کرتے اور صرف اسی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے ہوتا

ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، ہر چیز اس کے زیرِ تصرف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اسی لئے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل ایمان کا جامع ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ مومنین کے عقیدہ کو ذکر کرنے کے بعد اب ان کے اعمال کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ اعمال بھلائی کی تمام اقسام کو شامل ہیں۔ نماز قائم کرنا اللہ کا حق ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کا مطلب قتادہ کے نزدیک نماز کے اوقات، وضو، رکوع و سجود میں تمام آداب کی پابندی کی جائے۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: نماز کے اوقات کی پابندی کرنا، اچھی طرح وضو کرنا، کامل طریقے سے رکوع و سجود کرنا، تلاوت قرآن کرنا، تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا۔ یہ مطلب ہے اقامتِ صلوٰۃ (یقیمون الصلوٰۃ) کا اور انفاق (ینفقون) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق اور مال و دولت سے جو زکوٰۃ کے قابل ہوں ان میں سے زکوٰۃ ادا کرنا اور تمام واجب اور مستحب حقوق العباد کی ادائیگی کرنا۔ مخلوق تمام کی تمام اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کیلئے سب سے زیادہ نافع ہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی عطا میں سے خرچ کرو کیونکہ یہ اموال اے ابن آدم! تمہارے پاس امانتیں ہیں اور یہ بہت جلد جدا ہو جانے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ان صفات سے متصف لوگ ہی حقیقی مومن ہیں۔ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا گذر نبی کریم ﷺ کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا! "اے حارث! تم نے صبح کیسے کی؟" میں نے عرض کی کہ میں نے ایک سچے اور حقیقی مومن کی حیثیت سے صبح کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غور کر لو کیا کہہ رہے ہو، ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کی! میں نے دنیا سے ترک تعلق کر لیا، رات کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں اور دن کو روزہ رکھ کر پیاس برداشت کرتا ہوں، اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو نمایاں طور پر دیکھ رہا ہوں، گویا کہ میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھ رہا ہوں اور اہل نار کو جہنم میں بلبلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے حارث! تم نے حقیقت ایمان کو پا لیا ہے، اس پر کاربند رہنا" (1)۔ یہ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔

عمرو بن مرہ اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ قرآن کریم لغت عرب کے مطابق نازل ہوا۔ جیسا کہ یہ قول ہے: فُلَانٌ سَیِّدٌ حَقًّا وَفِی الْقَوْمِ سَادَةٌ (فلاں حقیقی سردار ہے اگرچہ قوم کے اور بھی سردار ہیں) اسی طرح فُلَانٌ تَاجِرٌ حَقًّا وَ فِی الْقَوْمِ تُجَّارٌ (فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور بھی تاجر ہیں)۔ وَ فُلَانٌ شَاعِرٌ حَقًّا وَّ فِی الْقَوْمِ شُعَرَاءُ (فلاں حقیقی شاعر ہے اگرچہ قوم میں اور شاعر بھی ہیں) اسی طرح اس آیت میں "حَقًّا" کی حیثیت ہے یعنی یہی حقیقت میں مومن ہیں اگرچہ مومن اور بھی ہیں۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی مقامات، منازل اور جنت کے درجات جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ (آل عمران: 163) "لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

وَمَغْفِرَةٌ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور نیکیوں کی قدر کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جنت میں درجات کے اندر تفاوت ہو گا۔ بعض درجات بعض سے بالاتر ہوں گے، اسی طرح اہل جنت میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں گے۔ اوپر والا نیچے والے درجہ کے حامل شخص پر اپنی فضیلت دیکھے گا اور نیچے والے شخص کو یہ محسوس نہیں ہو گا کہ اس پر کسی کو فضیلت دی گئی ہے۔ اس لئے صحیحین کی حدیث

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 267-266

میں حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''نیچے والے علیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں ستاروں کو دیکھتے ہو'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ تو انبیاء کے مقامات ہیں جنہیں اور کوئی نہیں پا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی''(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت بلند درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں ستارے دیکھتے ہو اور ابوبکر و عمر بھی انہی میں سے ہیں ان پر بھی یہ انعام ہوگا''(2)۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

''جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا جھگڑ رہے تھے آپ سے سچی بات میں اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف درآں حالیکہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتا گروہ تمہارے حصے میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ تا کہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم''۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ كَمَآ اَخْرَجَكَ میں ''كَمَا'' کو لانے کی غرض کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں تشبیہ کی صورت ہے۔ پہلی آیت میں مذکور مومنین کے تقوی، باہمی معاملات کی اصلاح اور اللہ و رسول کی اطاعت (مشبہ) کو ان کی بہتری اور مفاد (وجہ شبہ) میں اس مضمون (مشبہ بہ) کے ساتھ تشبیہ دی جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس طرح تم نے مال غنیمت کے متعلق جھگڑنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہتری اور مصلحت کے پیش نظر اس کا اختیار تم سے لے کر اپنے رسول ﷺ کی تحویل میں دے دیا اور آپ ﷺ نے حسب ارشاد خداوندی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم کر دی، اس میں تمہارا ہی فائدہ تھا اسی طرح تم نے مسلح لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کو بھی ناپسند کیا۔ وہ لشکر جرار جو اپنے دین کی خاطر اور اپنے قافلہ کی حفاظت کی خاطر بڑے طمطراق سے نکلا تھا، اس کے ساتھ برسر پیکار ہونے کو ناپسند کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے اللہ تعالیٰ نے تمہاری دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ کرا دی جس کا ثمرہ شاندار فتح کی صورت میں مرتب ہوا۔ تم جنگ کو ناپسند کرتے تھے لیکن اسی میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا مفاد رکھ دیا جیسا کہ فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2177 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 61

ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

بعض دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح مومنین کے ایک گروہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اسی طرح وہ جنگ کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور وہ حق بات ظاہر ہو جانے کے باوجود آپ سے جھگڑتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جس طرح وہ مجبوراً مدینہ سے نکلے اسی طرح وہ حق بات میں آپ کے ساتھ جھگڑتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ میدان بدر کی طرف نکلنے اور اس بارے میں جھگڑا کرنے کے متعلق یہ آیت اتری جبکہ وہ مشرکین کے ساتھ قتال کو ناپسند کر رہے تھے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اب وہ انفال کے بارے میں آپ سے جھگڑ رہے ہیں جس طرح بدر کے دن انہوں نے آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ تو ہمیں تجارتی قافلہ کے تعاقب کی غرض سے لائے تھے اور ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ جنگ کا سامنا ہو گا ورنہ تیاری کر کے آتے(1)۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف سے اس تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے جو ابوسفیان کی قیادت میں بہت سامال و اسباب لے کر شام سے واپس لوٹ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کیا، چنانچہ تین سو دس سے کچھ زائد صحابہ نکل کھڑے ہوئے اور آپ کی زیر قیادت بدر کے رستہ پر ساحل کی طرف چل دیئے۔ جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کے متوقع حملہ کی خبر ہوئی تو اس نے اہل مکہ کو خبردار کرنے کیلئے ضمضم بن عمرو کو مکہ روانہ کیا۔ مکہ والے تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل مسلح لشکر لے کر نکلے۔ ابوسفیان سیف البحر کی طرف سے قافلہ کو بچا کر نکل گیا۔ اہل مکہ کا لشکر آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ بدر کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ بغیر کسی طے شدہ سابقہ پروگرام کے اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو ٹکرا دیا تا کہ حق کا بول بالا ہو، مسلمانوں کو فتح نصیب ہو اور حق و باطل کے درمیان امتیاز ہو جائے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب ہو گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کے اس لشکر کے متعلق خبر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ سے یہ وعدہ کیا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ قافلہ یا لشکر۔ بہت سے مسلمانوں کی خواہش یہ تھی کہ تجارتی قافلہ ہاتھ آجائے تا کہ بغیر جنگ کئے بہت سامال و متاع حاصل ہو جائے جیسا کہ فرمان ہے: وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ......۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ آرہا ہے، کیا تمہیں رغبت ہے کہ ہم قافلہ کی راہ روک لیں شاید اللہ ہمیں بہت سامال و دولت عطا فرمادے۔ ہم نے کہا: جی ہاں۔ ہم تیار ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی قیادت میں نکلے۔ جب ایک دو دن کا سفر کر لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، انہیں پتہ چل چکا ہے کہ تم ان کے قافلہ کی راہ روکنے کیلئے نکل پڑے ہو۔ ہم نے عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! دشمن کے ساتھ لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہم تو تجارتی کارواں کے ارادہ سے نکلے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کفار کے ساتھ قتال میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' ہم نے پھر وہی جواب دیا۔ اب حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے اس وقت یہ تمنا کی کہ کاش مقداد کی طرح ہم کہہ دیتے، اگر اس طرح کہتے تو یہ ہمیں مال عظیم کے حصول سے زیادہ محبوب تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری: كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ...... (2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 182-181

2۔ معجم کبیر، جلد 4 صفحہ 176-174

حضرت علقمہ بن ابو وقاص لیثی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بدر کی طرف نکلے۔ جب آپ ﷺ مقام روحاء پر پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ کفار فلاں مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور صحابہ سے رائے دریافت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا سوال دہرایا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ کا روئے سخن ہماری جانب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو عظمت بخشی اور آپ پر کتاب نازل کی! نہ میں برک الغماد (یمن کا علاقہ) گیا ہوں اور نہ مجھے اس کی مسافت کا علم ہے اگر آپ برک الغماد کا سفر کریں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں کہیں گے کہ جاؤ تم اور تمہارا رب لڑائی کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کا رب بھی، ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی اور غرض کیلئے نکلیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے کوئی نئی صورت پیدا کر دی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اسے کر گزریں۔ جس سے چاہیں آپ ناطہ جوڑ لیں اور جس سے چاہیں رشتہ توڑ لیں۔ جس سے چاہیں آپ دشمنی کریں اور جس کے ساتھ چاہیں دوستی کریں اور جس قدر چاہیں ہمارے اموال لے لیں تو اس پر یہ آیات اتریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے کفار کے ساتھ قتال کے متعلق مشورہ کیا تو بعض اہل ایمان نے اسے ناپسند کیا۔ اس پر یہ آیات اتریں۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ...... مجاہد کے نزدیک حق سے مراد قتال ہے۔ سدی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق آپ سے جھگڑتے ہیں حالانکہ یہ بات ان کیلئے واضح ہے کہ آپ وہی کرتے ہیں جس کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اس آیت (يُجَادِلُوْنَكَ......) سے مراد مشرکین ہیں یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں آپ سے جھگڑتے ہیں، جب انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کسی اور کی صفت نہیں بلکہ اہل کفر کی یہ صفت بیان ہو رہی ہے۔ لیکن ابن جریر کہتے ہیں کہ ابن زید کا یہ قول کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اس سے پہلے اہل ایمان کی بات ہو رہی ہے اس لئے اس سیاق کا یہی تقاضا ہے کہ یہ بھی انہی کے متعلق خبر ہو۔ صحیح قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن اسحاق کا ہے کہ یہ مومنین کے متعلق خبر ہے(1)۔

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فتحیاب ہو کر بدر سے لوٹے تو آپ سے کہا گیا کہ اب تجارتی قافلہ کی بھی خبر لینی چاہئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت قیدی تھے بول اٹھے کہ یہ اقدام درست نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا تھا سو ایک جس کا وعدہ ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیا ہے(2)۔

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ...... تمہاری تو یہ خواہش تھی کہ نہتا اور غیر مسلح تجارتی قافلہ بغیر جنگ کئے تمہارے ہاتھ آ جائے لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ حق کا بول بولا ہو اور اس کی مرضی تھی کہ تمہارا ٹکراؤ مسلح کافر سورماؤں کے ساتھ ہوتا کہ وہ ان پر تمہیں فتح و ظفر سے نوازے، اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے، اسلام کا کلمہ بلند کر دے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، وہی امور کے انجام کو جاننے والا

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 183-184　　2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 229-314

ہے۔ وہی حسن تدبیر سے ہر چیز کا انتظام فرماتا ہے اگر چہ لوگ اس کے برعکس کی خواہش رکھتے ہوں۔ جیسا کہ فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۚ (البقرۃ:216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

متعدد حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بدر روایت کی ہے جس کا خلاصہ ہم پیش کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے متعلق سنا کہ وہ قافلہ لے کر واپس پلٹ رہا ہے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا راستہ روکنے کے لئے بلایا۔ فرمایا کہ یہ قریش کا کارواں ہے جس میں ان کا بہت سا مال ومتاع ہے۔ اس پر چڑھائی کر دو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں یہ بہت سارا مال عطا فرمادے۔ لوگوں نے جلدی کی، کچھ مسلح ہو کر نکلے اور کچھ غیر مسلح ہی نکل پڑے، کیونکہ یہ تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جنگ کریں گے۔ ابوسفیان جب حجاز کے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس پھیلا دیئے اور ہر ملنے والے سے نبی کریم ﷺ کی خبریں پوچھتا۔ ایک آدمی سے اسے معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی اس کے قافلہ کا راستہ روکنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کر دیا اور اہل مکہ کے نام پیغام بھجوایا کہ اپنے اموال کی حفاظت کے لئے نکلو۔ محمد (ﷺ) قافلہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ ضمضم جلدی سے مکہ روانہ ہوگیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اپنے جانباز اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب آپ وادئ ذفران تک پہنچے اور وہاں قیام فرمایا تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ قریش اپنا لشکر لے کر اپنے قافلہ کے دفاع کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجلس مشاورت بلائی اور اپنے صحابہ کو قریش کے تازہ اقدام سے آگاہ کیا۔ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما باری باری اٹھے اور بڑی اچھی گفتگو کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے کر گذریئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلئے ہم آپ کے ساتھ نصرت خداوندی کی معیت میں لڑیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں برک الغماد (حبشہ کا ایک شہر) کی طرف بھی نے چلیں تو وہاں جا کر بھی ہم آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر سے نوازا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو''۔ آپ ﷺ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور دوسری یہ بات تھی کہ انہوں نے عقبہ میں آپ کے ساتھ اس بات پر بیعت کی تھی کہ جب آپ مکہ سے نکل کر ہمارے پاس مدینہ آجائیں گے تو آپ کی حفاظت کی ذمہ ہم پر ہوگی۔ ہم اس طرح آپ کی حفاظت کریں گے جس طرح اپنی اولاد اور عورتوں کی کرتے ہیں اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں انصار یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم پر تو صرف مدینہ شریف کے اندر ہی آپ کی حفاظت ضروری ہے۔ باہر کسی دوسری جگہ جا کر دشمن سے لڑنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ جب آپ ﷺ نے انصار کی رائے دریافت کرنا چاہی تو حضرت سعد بن معاذ عرض کرنے لگے: اللہ کی قسم، یا رسول اللہ، شاید آپ کی مراد ہم لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ جو آپ لائے ہیں وہ حق ہے اور اس معاملہ میں ہم نے کامل اطاعت کا آپ سے پختہ عہد کیا، اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کود جانے کیلئے کہیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم دشمن سے لڑنا ناپسند نہیں کرتے، ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے

اور قتال کے وقت بہادری کے جوہر دکھانے والے ہیں۔شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری جانب سے ایسی سرفروشیاں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔اللہ کا نام لے کر ہمیں اپنے ساتھ رکھتے ہوئے تشریف لے چلئے۔

آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو پر بہت مسرور ہوئے پھر آپ ﷺ نے کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو طائفوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔اللہ کی قسم! گویا میں یقینی طور پر کفار کے مقتل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں(1)۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

"یاد کرو تم جب فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے حکمت والا ہے"۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے روز نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو ان کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی۔مشرکین کو دیکھا تو وہ ایک ہزار سے بھی اوپر تھے۔آپ ایک تہبند اور ایک چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔آپ ﷺ قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگنے لگے: "اے اللہ! جو وعدہ تو نے میرے ساتھ کر رکھا ہے اسے پورا فرما" "یا اللہ! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو زمین پر پھر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی"۔آپ ﷺ اس طرح اپنے رب سے نیاز مندانہ فریاد کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھوں سے نیچے گر پڑی۔حضرت ابوبکر آئے اور چادر اٹھا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی۔پھر پیچھے سے آپ کو اپنے بازوؤں میں لے کر عرض کی: اے اللہ کے نبی! رب کریم سے التجائیں کافی ہو چکیں، وہ آپ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا، اس وقت یہ آیت اتری: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ... اس دن جب دونوں لشکر باہم برسرپیکار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ان کے ستر افراد قتل ہو گئے اور ستر ہی قیدی بنا لئے گئے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے اسیران جنگ سے متعلق مشورہ لیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! یہ ہمارے ہی بھائی بند، رشتہ دار اور خاندان والے ہیں، میری تو رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ان سے جو فدیہ وصول کریں گے وہ کفار کے خلاف ہماری تقویت اور معاشی استحکام کا باعث ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے سرفراز فرما دے اور یہ لوگ ہمارے دست و بازو بن جائیں۔پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی! میری رائے ابوبکر جیسی نہیں ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ آپ عمر کو اس کے فلاں رشتہ دار کو قتل کرنے کا حکم دیں وہ اسے قتل کر ڈالے، علی کو اپنے بھائی عقیل کی گردن زدنی کا حکم ارشاد فرمائیں اور حمزہ کو اپنے فلاں بھائی کی گردن مارنے کا حکم دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم یہ ثابت

1۔تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 185-186، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 606-607

کر سکیں کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کیلئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ یہ قیدی کفار کے زعماء، قائدین اور سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا۔ اگلے دن میں صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور ابوبکر رو رہے ہیں، میں نے عرض کی کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی روؤں ورنہ رونے والی صورت بنالوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ رونا فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے، اللہ کی قسم! وہ درخت جو میرے سامنے ہے اس سے بھی زیادہ قریب میں نے عذاب کو دیکھا ہے جس کا سبب یہ فدیہ ہے۔ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ...... فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال: 69-67) ''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

چنانچہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ جب آئندہ سال احد کا معرکہ پیش آیا تو بدر کے دن فدیہ لینے کی سزا مسلمانوں کو ملی کہ ان میں سے ستر افراد شہید ہو گئے اور کچھ صحابہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے، آپ ﷺ کے سامنے کے چار دانت مبارک ٹوٹ گئے، خود سر مبارک میں دھنس گیا اور آپ کے چہرۂ انور پر خون بہنے لگا۔ اس وقت یہ آیت اتری: اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: 165) ''کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی تو تم کہہ اٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمائیے! یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ یعنی فدیہ لے کر چھوڑنے کے سبب (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ سے مراد حضور ﷺ کا دعا کرنا ہے (2)۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بدر کے روز بڑی عاجزانہ اور اصرار کے ساتھ دعا مانگنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اپنی التجاؤں کو مختصر فرمائیے، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن مقداد بن اسود کے سرفروشانہ منظر کو دیکھا، اگر مجھے یہ نصیب ہو جاتا تو روئے زمین کے خزانوں سے مجھے زیادہ محبوب تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ اس وقت مشرکین پر بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کرو۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ تو میں نے دیکھا کہ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس کھل گیا اور آپ بہت مسرور ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے اپنا وعدہ یاد دلاتا ہوں ورنہ تیری عبادت کرنے والا ابھی کوئی باقی نہیں رہے گا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی کہ حضور! بس یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ اٹھے تو یہ فرما رہے تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: 45) ''عنقریب یہ جماعت پسپا ہو گی اور پیٹھ پھیر کر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1383-1385، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 30-31

2۔ تفسیر طبری، جلد 1 صفحہ 190

بھاگ جائیں گے''(1)۔

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ یعنی ایک ہزار فرشتے جو لگا تار منظم صفوں میں اتر رہے ہوں گے۔''مُرْدِفِيْنَ'' سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے تمہاری مدد کر رہے ہوں گے۔ بعض اس کا مطلب لیتے ہیں: ایک دوسرے کے پیچھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جبریل امین ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے دائیں جانب تھے اور ادھر ہی حضرت ابوبکر تھے۔ اور میکائیل ایک ہزار فرشتوں کی قیادت کرتے ہوئے آپ کے بائیں جانب مقرر تھے اور ادھر ہی میں تھا(2)۔ اگر اس روایت کی سند صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''مُرْدِفِيْنَ'' کا معنی ہوگا کہ ایک ہزار کے پیچھے اتنی مقدار میں اور بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ بعض نے ''مُرْدَفِيْنَ'' دال کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مشہور بات تو وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبریل کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلنے والے پانچ سو فرشتے تھے اور اتنی ہی مقدار میں میکائیل کے ساتھ تھے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا، اسی اثناء میں مسلمان نے اوپر سے مشرک کے سر پر کوڑا برسنے کی آواز سنی اور شہسوار کی آواز بھی سنی جو کہہ رہا تھا کہ حیزوم آگے بڑھو۔ مشرک وہاں ہی زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ کوڑے کی ضرب سے اس کا سر پھٹ گیا اور چہرہ زخمی ہو گیا حالانکہ کسی انسان نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اب پیچھا کرنے والے انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا ہے، یہ آسمانی مدد تھی۔ اس دن ستر کفار کیفر کردار کو پہنچے اور ستر ہی اسیر ہوئے(4)۔ حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع الزرقی اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں جو بدری صحابی تھے کہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ آپ اہل بدر کو کیا مقام دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔ تو حضرت جبریل نے کہا کہ اسی طرح وہ ملائکہ بھی افضل ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے(5)۔ صحیحین میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو حاطب بن ابی بلتعہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس نے بدر میں شرکت کی ہے اور تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر متوجہ ہوا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے(6)۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى...... یعنی فرشتوں کو بھیجنا اور ان کے متعلق تمہیں آگاہ کرنا صرف تمہیں خوشخبری دینے کیلئے تھا اور اس لئے تاکہ تمہیں دلی اطمینان اور تسکین حاصل ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ مدد بھی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی تھی اسی لئے فرمایا: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۬ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (محمد: 4)'' پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں۔ بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے۔ اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی رہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا۔ وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو۔ اور داخل

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 92-93　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 192　3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 195

4۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1384-1385　5۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 103　6۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 98

کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی''۔

وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ (آل عمران: 141-140) ''اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لئے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو''۔

جہاد کی یہی حکمت اور فلسفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے ہاتھوں کفار کو سزا دیتا ہے۔ پہلی کافر امتوں کو مختلف قسم کے آسمانی عذابوں سے دوچار کر کے ہلاک کر دیا جاتا تھا جیسے قوم نوح کو طوفان کے ذریعے ہلاک کیا گیا، قوم عاد کو سخت آندھی کے ذریعے، قوم ثمود کو سخت چیخ سے، قوم لوط کو الٹ کر پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا اور قوم شعیب کو پہاڑ الٹا کر ہلاک کر دیا گیا۔ فرعون اور اس کے پیروکار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے انہیں پانی میں غرق کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی اس میں کفار کے خلاف جہاد فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم آپ کے بعد کی شریعتوں میں بھی برقرار رہا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ...... (القصص: 43) ''اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا) پہلی قوموں کو (یہ کتاب) بصیرت افروز ہے''۔

مومنین کا کفار کو قتل کرنا کفار کیلئے زبردست اہانت تھی اور مسلمانوں کیلئے دلی تسکین کا باعث تھا۔ جیسا کہ اس امت کے مومنین سے فرمایا: قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ (التوبۃ: 14) ''جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحتمند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے''۔ اس لئے قریش کے سربرآوردہ لوگوں کا قتل ان مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنہیں وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان کفار کیلئے زیادہ تکلیف دہ تھا اور اہل ایمان کے سینوں کو زیادہ ٹھنڈک اور تسکین پہنچانے والا تھا۔ ابوجہل کا عین میدان کارزار میں قتل ہو جانا اس کیلئے اس موت سے زیادہ باعث اہانت تھا جو موت اسے اپنے بستر پر آتی خواہ کسی آفت کے ذریعے ہی ہوتی جس طرح ابولہب لعنۃ اللہ علیہ پھنسیوں سے دوچار ہو کر گل سڑ گیا تھا کہ کوئی اس کا عزیز رشتہ دار بھی اس کی لاش کے قریب نہیں آتا تھا۔ دور سے ہی اس کی لاش پر پانی پھینک کر اسے غسل دیا گیا اور ایک گڑھے میں پھینک کر اسے دفنا دیا۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ یعنی عزت صرف اس کیلئے، اس کے رسول کے لئے اور ان پر ایمان لانے والوں کیلئے ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے''۔ پھر فرمایا کہ وہ حکیم بھی ہے یعنی باوجود اس کے کہ وہ خود بھی اپنی قوت و جبروت سے کفار کو قتل کرنے پر قادر ہے پھر بھی اس نے تمہیں ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا اس میں اس کی خاص حکمت مضمر ہے۔

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ ⑪ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى

الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

''یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کردے تمہیں اس سے اور دور کردے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کردے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدموں کو یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔ میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب سوتم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے نیز (یاد رکھو) کافروں کے لئے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے''۔

اللہ تعالیٰ مجاہدین بدر کو اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے جب اس نے ان پر غنودگی طاری کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے باعث جس خوف میں مبتلا تھے اس سے وہ مامون ہوگئے، انہیں دلی اطمینان اور قلبی تسکین نصیب ہوگئی احد کے دن بھی اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا تھا: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (آل عمران: 154) ''پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھارہی تھی ایک گروہ پر تم میں اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا''۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن مجھ پر بھی غنودگی طاری ہوگئی تھی، بار بار تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی اور بار بار میں اسے اٹھاتا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ ڈھال سر پر لگائے نیند میں جھول رہے تھے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے روز صرف حضرت مقداد کے پاس گھوڑا تھا۔ ہم سب رات کو خوب سوئے لیکن چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات بیدار رہی۔ آپ علیہ صبح تک درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے رہے اور رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگتے رہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لڑائی میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن اور تسکین کا باعث ہوتی ہے جبکہ نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے (3)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اونگھ سر میں ہوتی ہے اور نیند دل میں۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی احد کے دن صحابہ کرام پر طاری ہوئی، یہ بہت مشہور بات ہے، اور یہ آیت کریمہ قصہ بدر کے متعلق ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کردی گئی۔ اللہ تعالیٰ مومنین پر مایوسی کے وقت ایسی کیفیت طاری کردیتا ہے تاکہ ان کے دلوں کو تسکین کی دولت نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ مطمئن ہوجائیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام ہے جس سے وہ اہل ایمان کو نوازتا ہے اور اس آیت کے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 154 | 2۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 1 صفحہ 242 | 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 193

مصداق بھی: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح:6-5) حدیث شریف میں آتا ہے کہ بدر کے دن رسول خدا ﷺ اپنے لئے تیار شدہ عریش (چھپر) میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروف دعا تھے، اسی اثناء میں آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی، پھر آپ مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں خوشخبری ہو، یہ جبریل ہیں جو غبار سے اٹے ہوئے ہیں''۔ پھر آپ یہ آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:45) تلاوت کرتے ہوئے عریش سے باہر تشریف لائے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں مشرکین نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ نبی کریم ﷺ بدر میں اترے تو مشرکین ان مجاہدین اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی دقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے لگا کہ تم اپنے آپ کو اللہ کا دوست سمجھتے ہو اور تمہارے اندر اس کا رسول بھی ہے، پھر بھی پانی پر مشرکین کا قبضہ ہے، تمہیں تو غسل کیلئے بھی پانی نہیں ملتا، نماز پڑھنا ہو تو تیمم کرتے ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی موسلا دھار بارش نازل کر دی۔ مجاہدین پانی سے خوب سیراب ہوئے اور نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے شیطان کے وسوسہ کو دور بھگا دیا۔ مجاہدین جہاں قیام پذیر تھے وہ ریتلی زمین تھی اس لئے بارش برسنے سے ریت جم گئی اور انہیں چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی، اسی طرح اس پر جانوروں کا چلنا بھی آسان ہو گیا۔ قلبی تسکین حاصل ہو جانے اور تازہ دم ہو جانے کے بعد مجاہدین اپنے دشمنوں کی طرف بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی جن میں سے پانچ سو پہلو بہ پہلو حضرت جبریل کی قیادت میں تھے اور پانچ حضرت میکائیل کے ساتھ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین قریش اپنے تجارتی قافلہ کی مدافعت کیلئے نکلے اور بدر کے چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ نمازیں بھی جنابت اور حدث کی حالت میں (تیمم کر کے) پڑھنا پڑتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسا کر اس مشکل کو دور کر دیا۔ اتنی موسلا دھار بارش برسی کہ وادی لبریز ہو کر بہنے لگی۔ مسلمان خوب سیراب ہوئے اور پانی جمع کر لیا، اپنی سواریوں کو بھی پلایا اور نہا دھو کر پاکیزگی بھی حاصل کر لی۔ مزید کرم نوازی یہ ہوئی کہ وہ ثابت قدم ہو گئے، کیونکہ مجاہدین جہاں قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی، بارش کی وجہ سے ریت سخت ہو گئی جس پر قدم جمانا آسان ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے وہاں پہلے آنے والے چشمہ پر قیام کیا۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! یہ منزل جس پر آپ نے قیام کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ یہاں ٹھہرے ہیں جس سے ہمیں تجاوز کرنے کی مجال نہیں یا آپ نے جنگی چال اور تدبیر کے طور پر اس جگہ کا انتخاب کیا؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے جنگی تدبیر کے پیش نظر اس مقام کا انتخاب کیا''۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! یہ مقام مناسب نہیں، ہم آگے چل کر آخری چشمہ پر قبضہ کر لیتے ہیں جو مشرکین کے قریب ہو، ہم وہاں حوض بنا کر سارا پانی جمع کر لیں گے۔ ہمارے پاس پانی ہوگا اور دشمن اس سے محروم رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے جب یہ رائے دی تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ اترا۔ جبریل امین حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس فرشتہ نے کہا: اے محمد! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کیلئے یہ ارشاد ہے کہ حباب کی رائے درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ جبریل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم اس کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمام فرشتوں کو تو میں نہیں جانتا، لیکن یہ ہے فرشتہ، شیطان نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسائی جس کے باعث مجاہدین کی طرف دلدلی زمین دب کر سخت ہو گئی اور آمد و رفت میں آسانی

ہوگئی، لیکن کفار نشیب میں تھے وہاں کیچڑ ہو جانے کی وجہ سے ان کیلئے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ غنودگی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی جس کی وجہ سے غبار دب گیا اور زمین سخت ہوگئی، مسلمان بہت خوش ہوئے اور ان کے قدم زمین پر ثابت ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی رات بارش برسی، ہم نے درختوں اور ڈھالوں کے نیچے بارش سے پناہ لی۔ رسول اللہ ﷺ ساری رات بیدار رہے اور مسلمانوں کو جہاد پر ابھارتے رہے۔(2)

لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ تاکہ وہ تمہیں حدث اصغر اور حدث اکبر سے اس پانی کے ذریعے پاک کر دے۔ یہ ظاہری طہارت ہے۔

وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ رجز سے مراد شیطانی وسوسہ اور برا خیال ہے۔ یہ باطنی طہارت ہے جیسا کہ اہل جنت کے بارے میں فرمایا: عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ٘ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ٘ (الدھر:21) ''ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے''۔ اس آیت میں ظاہری زینت و آرائش کا ذکر ہے۔ اور باطنی زینت و طہارت کے متعلق فرمایا: وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر:21) ''اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب''۔ یعنی یہ شراب طہور سینوں کو ان کے بغض، عناد، حسد اور کینہ سے پاک کر دے گی۔

وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ یعنی بارش برسانے کی ایک حکمت یہ بھی تھی تاکہ اللہ تعالیٰ صبر اور دشمن کے خلاف پیش قدمی کے ذریعے تمہارے دلوں کو تقویت عطا فرمائے۔ یہ ظاہری شجاعت ہے اور یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ میں باطنی شجاعت کا ذکر ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ...... نزول ملائکہ مجاہدین کیلئے مخفی انعام ہے تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جنہیں اس نے اپنے نبی اپنے دین اور اپنے مومنین کی جماعت کی نصرت و تائید کیلئے روانہ کیا تھا، وحی فرمائی کہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھنا اور ان کی مدد کرنا۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر لڑنا۔ بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ ان کی تعداد کو بڑھانا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک فرشتہ ایک مجاہد کے پاس آتا اور اسے کہتا کہ مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ مسلمان ایک دوسرے کو یہ بات بتاتے جس سے ان کے قلوب کو تقویت ملتی۔

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ...... یعنی اے فرشتو! تم مومنین کو ثابت قدم رکھو، ان کے دلوں کو مضبوط کرو، میں اپنے نافرمانوں اور اپنے رسول کو جھٹلانے والوں کے دلوں میں اپنا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں پر ضرب لگا کر انہیں کاٹ ڈالو، ان کے سروں پر وار کر کے انہیں پھوڑ ڈالو اور ان کے پور پور اور بند بند زخمی کر ڈالو۔ ''فوق الاعناق'' کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی سروں پر مارنے کا ہے اور بعض کے نزدیک گردنوں پر مارنے کے معنی میں ہے۔ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (محمد:4) ''پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں''۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اس لئے مبعوث نہیں کیا گیا کہ اللہ کے عذاب میں مبتلا کروں، مجھے تو گردنیں مارنے اور قید کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور سر پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے روز مقتولین کے پاس سے گذرے اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ ان کے سر پھوڑے ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ہی کہنے لگے کہ ایسے لوگوں کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 620　　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 194-195

سرٹوٹے پھوٹے ہیں جو ہمیں بہت عزیز تھے لیکن وہ بہت نافرمان اور ظالم تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات ملی تو اس طرح شعر بن گیا:

يُفَلِّقْنَ هَامًا مِنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ   عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا (1)

رسول اللہ ﷺ نے پہلے مصرعہ کے ابتدائی دو الفاظ کہے اور آپ کی خواہش تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ شعر کو مکمل کریں کیونکہ شعر کہنا آپ ﷺ کے شایان شان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰسین: 69) ''اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے''۔ حضرت ربیع بن انس کہتے ہیں کہ لوگ بدر کے دن ملائکہ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو پہچان لیتے تھے کیونکہ ملائکہ گردنوں کے اوپر، پوروں پر اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے۔ یہ ایسے نشانات تھے گویا آگ نے انہیں جلایا ہے۔

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ بنان بنانۃ کی جمع ہے اس کا معنی پورے بھی ہیں اور جوڑ بھی۔ اوزاعی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اے فرشتو! ان کفار کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ان پر آگ کے انگارے برساؤ۔ اور کسی کافر کو گرفتار کر لینے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قصہ بدر میں فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے یہ تاکید کر رکھی تھی کہ مسلمانوں کو قتل نہ کرنا بلکہ زندہ پکڑ لینا تاکہ وہ جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہیں اور لات وعزیٰ سے انحراف کئے ہوئے ہیں، تم انہیں اس کا مزہ چکھا سکو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... ابوجہل سمیت انہتر سورماؤں کو قتل کر دیا گیا۔ عقبہ بن ابی معیط کو گرفتار کر لیا گیا، بعد میں اسے بھی قتل کیا گیا جس سے مقتولین کی تعداد ستر ہوگئی اس عبرتناک سزا اور شرمناک ہزیمت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اپنی الگ راہ اپنا لی شریعت کو پس پشت ڈال دیا اور ایمان لانے سے اجتناب کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کی سزا کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یعنی وہ مخالفت کرنے والے پر غالب ہے، کوئی چیز اس سے فوت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کوئی چیز اس کے غضب کے سامنے ٹھہر سکتی ہے۔ وہ منزہ و برتر ہستی ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر فرمایا: ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ...... اس میں خطاب کفار کو ہے یعنی تم اس عبرتناک عذاب کا مزہ چکھو اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے لئے آخرت میں بھی اندوہناک عذاب تیار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

''اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے''۔

میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے والوں کو آتش جہنم کی دھمکی دی جارہی ہے کہ اے ایمان والو! جب کفار کے لشکر جرار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر راہ فرار اختیار نہ کرنا، ہاں اگر وہ جنگی چال کے پیش نظر پینترا بدل کر حملہ کرنا چاہتا ہو مثلاً

1۔ الشعر والشعراء، جلد 2 صفحہ 648

وہ اپنے مدمقابل کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا اور اسے یہ محسوس کروائے کہ ڈر کر بھاگا ہے، دشمن اس کے تعاقب میں لگ جائے تو وہ پلٹ کر اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دے، اس طرح کے فرار میں کوئی حرج نہیں یا وہ بھاگ کر مسلمانوں کے کسی اور دستہ میں شامل ہو جائے، اس مقصد کے پیش نظر کہ ان کی ممکنہ امداد کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔حتیٰ کہ اگر وہ کسی اور دستہ کے اندر ہو اور وہ بھاگ کر اپنے امیر یا قائد لشکر کے پاس آ جائے تو وہ بھی اس رخصت میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ایک مہم پر بھیجے ہوئے فوجی دستہ (سریہ) میں شریک تھا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر ہم سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ ہم تو میدان جنگ سے بھاگ آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے سزاوار ہو گئے ہیں؟ پھر باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ ہم مدینے چلتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اگر تو ہماری توبہ قبول ہو گئی تو بہتر ورنہ کہیں نکل جائیں گے۔ چنانچہ ہم نماز فجر سے پہلے حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' ہم نے عرض کی کہ ہم پیٹھ پھیر کر فرار ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم پلٹ کر آنے والے ہو، میں تمہارا اور تمام مسلمانوں کا مرکز ہوں'' یہ سن کر ہم آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا(1)۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر میں آیت کا یہ حصہ بھی پڑھا: اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ۔ جب فارس کی سرزمین پر جنگ جسر میں حضرت ابوعبیدہ پل پر لشکر مجوس کی کثرت کے باعث شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ بھاگ کر میری طرف آ جاتے تو میں ان کیلئے مرکز ثابت ہوتا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا: اے لوگو میں تمہارا بلکہ ہر مسلمان کا مرکز ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! تم اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ یہ آیت صرف اہل بدر کیلئے تھی۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم دشمن سے جنگ کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارا مرکز امام ہے یا لشکر تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرکز تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا..... تو آپ فرمانے لگے کہ یہ آیت تو صرف بدر کے متعلق اتری ہے نہ اس سے قبل کیلئے اور نہ بعد کیلئے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ مُتَحَیِّزًا سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی پناہ لینے والا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اپنے قائد یا ساتھیوں کی طرف بھاگ کر آ جائے۔ لیکن اگر فرار ان اسباب میں سے کسی سبب کے علاوہ ہو تو وہ حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات ہلاکت خیز چیزوں سے اجتناب کرو''۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ کونسی چیزیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے پیٹھ پھیر کر فرار ہو جانا اور سیدھی سادی پاکدامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا'' (2)۔ اس لئے قرآن کریم میں اس کی سزا بھی سخت بیان ہوئی ہے فرمایا: فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ حضرت بشیر بن معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیعت کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کروں، زکوٰۃ ادا کروں، حج کروں، ماہ رمضان کے روزے رکھوں اور اس کی راہ میں جہاد کروں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! دو چیزوں کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں ایک تو جہاد ہے جس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلا تو وہ غضب

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجہاد، جلد 7 صفحہ 212-213، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 46 وغیرہ

2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 31

الٰہی کا مستحق ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ موت کے خوف سے کہیں یہ گناہ مجھ سے بھی نہ ہو جائے۔ دوسری چیز صدقہ ہے، اللہ کی قسم! غنیمت کے سوا میرے پاس کوئی مال نہیں اور دس اونٹنیاں ہیں جن سے دودھ حاصل کرتا ہوں اور یہ سواری کے کام بھی آتی ہیں۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''جہاد بھی نہ کرو اور صدقہ بھی نہ دو تو پھر جنت کیسے حاصل کرو گے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں ہر شرط پر بیعت کرتا ہوں(1)۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں دیتا: شرک، والدین کی نافرمانی اور جہاد سے فرار'' (2)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ پڑھا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگر چہ وہ میدان جنگ سے بھاگا ہو'' (3)۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت زید (خادم رسول ﷺ) نے اس کے سوا اور کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ جہاد سے فرار صرف صحابہ پر حرام تھا کیونکہ ان پر جہاد فرض عین تھا۔ بعض نے اس حکم کو انصار کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ انہوں نے راحت و آرام اور تنگی و سختی ہر حالت میں کامل اطاعت کی بیعت کی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد صرف اہل بدر ہیں۔ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ شان و شوکت رکھنے والی کوئی جماعت نہیں تھی، صرف مٹھی بھر مجاہدین تھے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی: ''یا اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر گروہ کو ہلاک کروے گا تو پھر تیری بھی عبادت نہیں کی جائے گی''۔ اس لئے حضرت حسن بصری آیت کریمہ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ میں ''يَوْمَىِٕذٍ'' سے مراد یوم بدر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آج اگر کوئی اپنے مرکز یا شہر کی طرف بھاگ کر پناہ لے لے تو کوئی حرج نہیں۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ یوم بدر میں جانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے آتش جہنم قرار دی ہے۔ اس کے بعد جنگ احد ہوئی اس کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ...... وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (آل عمران: 155) ''بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں''۔ پھر سات سال بعد غزوۂ حنین میں بھی یہ صورت حال درپیش ہوئی جس کے بارے میں فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ...... ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (التوبہ: 27-25) ''پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے مڑے...... پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا رحمت سے توجہ فرمائے گا''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اہل بدر کے متعلق نازل ہوئی (4)۔ اگر چہ یہ آیت اہل بدر کے متعلق اتری ہے لیکن یہ دوسروں کے میدان جنگ سے فرار ہونے کی حرمت کی منافی نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اسے ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 224 2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 95 3۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 89، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 85 وغیرہ
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 46، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 327 وغیرہ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

''پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکروفریب کو''۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اور بندوں سے جو بھی عمل صالح سرزد ہوتا ہے وہ محض اس کی توفیق سے ہوتا ہے اس لئے حمد وثنا اور شکر کے لائق صرف وہی ہستی ہے جو امور خیر میں بندوں کی مدد کرتی ہے۔ اس لئے فرمایا: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ یعنی تم نے اپنی قوت وطاقت کے بل بوتے پر اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا کیونکہ تمہارے دشمن کی تعداد زیادہ تھی اور تم قلیل مقدار میں تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح وظفر سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران: 123) ''اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے تا کہ تم (اس بروقت امداد کا) شکرادا کرسکو'' اور اسی طرح فرمایا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ (التوبہ: 25) ''بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں۔ اور حنین کے روز بھی جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے''۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ کامیابی کثرت تعداد اور زیادتی اسلحہ پر موقوف نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جیسا کہ فرمایا: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ: 249) ''کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے''۔

اب اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے (کے معجزہ) کا ذکر فرمارہا ہے کہ جب آپ ﷺ عاجزانہ دعا اور نیازمندانہ فریاد کے بعد عریش سے باہر تشریف لائے تو آپ نے مٹھی بھر خاک لے کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور فرمایا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو بھرپور حملہ کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مٹی کفار کے چہروں تک پہنچ گئی اور ہر ایک کی آنکھ میں کچھ مٹی پڑی جس کی بناء پر اس کی توجہ جنگ سے ہٹ گئی۔ اس لئے فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ مٹی ان کی آنکھوں میں جھونک کر انہیں سرنگوں کیا تھا، آپ نے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر ہلاک ہوگئے تو پھر کبھی بھی زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔'' تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ مٹھی بھر مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینک دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی بھری اور کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی بھی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھ، کان اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ چنانچہ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے روز حضرت علی سے فرمایا کہ ''مجھے زمین سے کچھ کنکریاں اٹھا کر دو''۔ انہوں نے گردآلود کنکریاں آپ ﷺ کو دیں۔ آپ ﷺ نے کفار کے چہروں پر انہیں پھینکا تو ہر مشرک کی آنکھوں میں اس میں سے کچھ مٹی داخل ہوگئی وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل اور اسیر کرنے لگے اس وقت یہ آیت اتری۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ

بدر کے روز نبی کریم ﷺ نے تین مٹھی کنکریاں پکڑیں۔ایک کفار کے میمنہ پر، ایک میسرہ پر اور تیسری سامنے پھینکی اور فرمایا کہ چہرے بگڑ جائیں۔چنانچہ کفار کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔متعدد ائمہ کے نزدیک مٹی یا کنکریاں پھینکنے کا واقعہ بدر کے دن کا ہے اگر چہ غزوۂ حنین کے دن بھی حضور ﷺ نے ایسا کیا تھا۔حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی، جس طرح تھال میں کنکریاں گرنے کی آواز ہوتی ہے۔یہ رسول اللہ ﷺ کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔چنانچہ ہم فتح یاب ہوئے(1)۔یہ قول غریب ہے۔علاوہ ازیں دو اور غریب قول ہیں۔ایک قول عبدالرحمٰن بن جبیر سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک کمان منگوائی۔آپ کی خدمت میں ایک لمبی کمان پیش کی گئی۔آپ نے حکم دیا کہ کوئی اور لاؤ۔چنانچہ ایک اور کمان پیش کی گئی۔آپ نے قلعہ کی طرف تیر پھینکا جو گھومتا ہوا سردار قبیلہ ابن ابی الحقیق کو جا لگا اور اسے قتل کر دیا جبکہ وہ اپنے بستر پر موجود تھا۔تو اس پر یہ آیت اتری: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔یہ روایت بہت غریب ہے اگر چہ ابن جبیر تک اس کی سند عمدہ ہے۔شاید انہیں کوئی شبہ پڑ گیا ہو یا یہ سمجھ لیا ہو کہ آیت کا حکم عام ہے۔بدر کے علاوہ اور اس قسم کے واقعات کو بھی شامل ہے ورنہ سیاق تو ایک بات کا مقتضی ہے کہ یہ آیت قصہ بدر کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری غریب روایت مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ حضرات سعید بن مسیب اور امام زہری سے مروی ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے دن نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے ابی بن خلف کو ایک نیزہ مارا تھا اس نے آہنی زرہ پہنی ہوئی تھی لیکن آپ ﷺ کا لگایا ہوا نیزہ اس کی ہنسلی کی ہڈی کو چھیدتا ہوا آگے نکل گیا اور وہ گھوڑے پر لڑکھڑانے لگا۔اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف میں وہ مر گیا اس کے ساتھ ہی برزخ کا عذاب شروع ہو گیا۔یہ ختم بھی نہ ہونے پائے گا کہ آخرت کے دائمی عذاب سے دوچار ہو جائے گا(2)۔یہ روایت بھی غریب ہے، شاید ان کے نزدیک بھی آیت عام ہو، کسی مخصوص واقعہ کے ساتھ خاص نہ سمجھتے ہوں۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا تاکہ مومنین اللہ تعالیٰ کے احسانِ عظیم کو پہچان لیں کہ اس نے باوجود قلت تعداد کے دشمن کی کثیر تعداد پر انہیں غلبہ عطا فرمایا اور اس کا شکر ادا کریں(3)۔حدیث شریف میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ہر اچھی آزمائش سے ہمیں آزمایا ہے"۔

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یعنی اللہ تعالیٰ دعاؤں اور التجاؤں کو سننے والا ہے اور یہ جاننے والا ہے کہ کون فتح اور غلبہ کا مستحق ہے۔

ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِينَ فتح و نصرت کے حصول کے بعد یہ ایک اور بشارت ہے۔اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آگاہ فرما دیا کہ وہ مستقبل میں بھی کفار کی چالوں کو ناکام بنا دے گا اور انہیں ذلیل و خوار کر کے تباہ و برباد کر دے گا۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

"(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے"۔

1۔تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 205-204 2۔مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 327

3۔سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 668، تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 206

اللہ تعالیٰ کفار سے فرما رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت اور اپنے اور اپنے دشمن مومنین کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو تمہاری مانگی ہوئی چیز تمہیں مل گئی۔ ابوجہل نے بدر کے روز دعا کی تھی: اے اللہ! ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ قطع تعلقی کرنے والا ہے اور زیادہ غیر معروف باتیں پیش کرنے والا ہے، اسے آج ذلیل کر دینا، تو یہ ابوجہل کی طرف سے فتح کی دعا تھی اس پر یہ آیت اتری: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ..... (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ مشرکین نے مکہ سے بدر کی طرف نکلتے وقت غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی تھی اور کہا تھا: اے اللہ! دونوں میں سے جو اعلیٰ لشکر ہے۔ دونوں میں سے جو معزز گروہ ہے اور دونوں میں سے جو بہتر قبیلہ ہے اس کی مدد فرما، تو اس پر یہ آیت اتری اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ تمہاری دعا پوری ہوئی اور ہم نے حق کے علمبرداروں کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کا یہ کہنا ہے: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال:32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔

وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی اگر اب بھی تم کفر اور تکذیب سے باز آ جاؤ تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ (بنی اسرائیل:8) ''اور اگر تم (فسق و فجور کی طرف) لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے''، یعنی اگر تم پھر کفر اور گمراہی کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر تمہیں ایسے ہی عبرتناک عقاب سے دوچار کریں گے۔ سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم دوبارہ مدد طلب کرو گے تو ہم پھر اپنے حبیب ﷺ کو فتح و نصرت سے سرفراز کریں گے لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ ..... جس قدر بھی تم لشکر جمع کر لو، لیکن امید نہیں کہ اس قدر تم جمع کر سکو گے، یہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیں گے، کیونکہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہے اور یہی نبوی جماعت اور مصطفوی لشکر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۱ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو۔ اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے''۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 421، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 328

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اور انہیں اپنے رسول کی مخالفت کرنے اور سرکش کافروں کی سی روش اختیار کرنے سے منع کر رہا ہے اسی لئے فرمایا: وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی اس کی اطاعت، اس کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کو ترک نہ کرو۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ، حالانکہ تمہیں اچھی طرح علم ہے جس چیز کی طرف آپ ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ جن کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا جا رہا ہے بعض کے نزدیک وہ مشرکین ہیں(1)۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ یہی اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے سن کر اطاعت کی حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی اس بداخلاق اور بدطینت قسم کے متعلق فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ..... یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ڈنگر وہ ہیں جو سماع حق سے بہرے ہیں اور فہم حق سے گونگے ہیں، اسی لئے ان کے متعلق فرمایا: الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ یہ سب سے زیادہ بری مخلوق ہے کیونکہ جس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو پیدا کیا ہے اور ان کی فطرت میں جو کچھ رکھ دیا ہے وہ اسی کے مطابق چل رہے ہیں، گویا وہ اس میں اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں لیکن یہ ایسے بدفطرت ہیں کہ انہیں پیدا تو عبادت الٰہی کیلئے کیا گیا ہے لیکن یہ کفر و شرک پر بضد ہیں، اسی لئے ڈنگروں کے مشابہ قرار دیتے ہوئے ان کے بارے میں فرمایا: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً (البقرۃ:171) ''اور مثال ان کی جنھوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے''۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:179) ''وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (و بےخبر) ہیں''۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بنوعبدالدار سے تعلق رکھنے والے قریشی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ بہرصورت یہاں مشرکین اور منافقین میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں فہم صحیح کی صلاحیت مفقود ہے۔ عقل سلیم نام کی کوئی چیز ان میں نہیں اور یہ دونوں عمل صالح سے بھی عاری ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ اگر بالفرض ان میں عقل و شعور ہوتا اور بھلائی کی توقع ان سے ہوتی تو ضرور اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا اور سمجھا بھی دیتا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: لیکن ان میں خیر سرے سے مفقود ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا ہی نہیں کیونکہ اسے بخوبی علم ہے کہ اگر اس نے انہیں سنا بھی دیا تو بھی یہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے''۔

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہو جب اللہ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جس میں تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کارفرما ہو۔ ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے تو آپ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 210

نے مجھے آواز دی۔ میں نماز ختم کرنے کے بعد حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ فی الفور میرے پاس آنے سے تمہیں کونسی چیز مانع تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں یہاں سے نکلنے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم ترین سورت سکھاؤں گا۔ آپ ﷺ جب تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ صحابی رسول حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ ﷺ نے وہ سورت سورۂ فاتحہ بتائی اور فرمایا کہ یہی السبع المثانی ہے یعنی سات آیتیں جنہیں نماز میں بار بار دہرایا جاتا ہے(1)۔ اس حدیث کے متعلق بحث سورۂ فاتحہ کے اوائل میں گذر چکی ہے۔

لِمَا یُحْیِیْكُمْ مجاہد کے نزدیک اس کا معنی ہے لِلْحَقِّ (حق کی طرف)۔ قتادہ اس سے مراد قرآن لیتے ہیں جس میں نجات، بقاء اور حیات ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مقصود اسلام ہے یعنی کفر کے ساتھ موت کے بعد اسلام میں ان کیلئے احیاء ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر کے نزدیک اس سے مراد جنگ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ذلت کے بعد عزت بخشی، کمزوری کے بعد قوت سے نوازا اور مغلوب ہو جانے کے بعد غلبہ عطا فرمایا۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے(2)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کافر کو عقل و فہم کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح حائل ہوتا ہے کہ بندہ اس کے اذن کے بغیر نہ ایمان لا سکتا ہے اور نہ کفر کر سکتا ہے۔ قتادہ اس فرمان کو اس ارشاد کے مشابہ قرار دیتے ہیں: وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق:16) ''اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں''۔

اس آیت کے ساتھ مناسبت رکھنے والی بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لا چکے ہیں، کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جنہیں وہ بدلتا رہتا ہے''(3)۔ حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''ہر دل رحمٰن رب العالمین کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب وہ اسے سیدھا رکھنا چاہے تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور جب اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔'' اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ ''اور فرمایا کہ میزان رحمٰن کے ہاتھ میں ہے جو اسے پست اور بلند کرتا ہے''(4)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ کیا کرتے تھے، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہے اسے ٹیڑھا کر دے اور جب چاہے اسے سیدھا کر دے''(5)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا اکثر کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا دل بدل جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے جس بشر کو بھی پیدا

1۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 77
2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 328
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 112، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 307-308
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ: 72
5۔ مسند احمد، جلد 9 صفحہ 91

کیا ہے اس کا دل اس کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو سیدھا رکھے اور اگر چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دے اس لئے ہم اپنے پروردگار سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی جناب سے ہمیں اپنی رحمت سے سرفراز کرے، وہی بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے ایسی دعا نہیں سکھائیں گے جو میں اپنے لئے مانگتی رہوں؟ فرمایا: تم یہ دعا مانگا کرو: اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَأَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنِيْ(1)۔ "اے اللہ! اے نبی محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے، میرے دل کے غصہ کو کافور کر دے اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے گمراہ کن فتنوں سے اپنی پناہ عطا فرما"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں جیسے چاہے انہیں پھیر دے، پھر آپ نے یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا إِلٰى طَاعَتِكَ(2)۔ "اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

"اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو فتنہ اور آزمائش سے خبردار کر رہا ہے جو گنہگاروں اور نیکوکاروں سب کو شامل ہے، وہ صرف گنہگاروں اور عصیاں شعاروں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب یہ آزمائش آتی ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اے ابو عبداللہ! اب تمہارے آنے کا کیا مقصد؟ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، تم نے انہیں کھو دیا، پہلے ان کی حفاظت نہیں کی اور اب ان کے خون کا بدلہ لینے چلے آئے ہو؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کے عہد میں قرآن کریم کے اندر پڑھا کرتے تھے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً لیکن ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم خود ایسے فتنہ سے دوچار ہو جائیں گے(3)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرات علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق اتری(4)۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز سے ہم اس آیت کو پڑھ رہے تھے، لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔ اب ہم اس کے مصداق بن گئے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص اہل بدر کے بارے میں اتری ہے، جنگ جمل کے موقعہ پر وہی اس کا مصداق ٹھہرے اور آپس میں برسر پیکار ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اندر برائی کو جڑ نہ پکڑنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب سے دوچار کر دے گا۔ یہ تفسیر بہت خوب اور عمدہ ہے۔ اس لئے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو فتنہ اور

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 302-301
2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب القدر: 2045
3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 165، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 91
4۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 218

آزمائش کا سامنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: 15) ''بلاشبہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں'' تم میں سے جو پناہ مانگنے چاہیئے کہ وہ گمراہ کن آزمائشوں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔

آیت کریمہ میں خطاب اگرچہ صحابہ کرام کو ہے لیکن اس میں بیان کی گئی تحذیر اور تنبیہ صحابہ اور غیر صحابہ سب کو شامل ہے۔ایسی بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں جو فتنوں سے تحذیر کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ایک مستقل کتاب میں ان شاء اللہ اس کی وضاحت ہوگی جس طرح ائمہ کرام نے مستقل تصنیفات میں یہ فریضہ انجام دیا ہے۔خصوصی طور پر جس چیز کا تذکرہ یہاں ہونے والا ہے وہ مسند احمد کی روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خواص کے عمل (بد) کے سبب سے عوام الناس کو عذاب نہیں دیتا، لیکن جب وہ اپنے درمیان برائی کو پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسے روکنے پر قادر ہونے کے باوجود نہیں روکتے تو پھر اللہ تعالیٰ خواص و عوام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے''(1)۔حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عقاب بھیجے گا، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا''(2)۔ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قوم کو مسلط کر دے گا پھر تم اللہ سے (کشائش کی) دعا مانگو گے لیکن وہ قبول نہیں کرے گا(3)۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں میں اگر کوئی شخص اس قسم کی کوئی (نازیبا) بات اپنے منہ سے نکال بیٹھتا تو اسے منافق سمجھا جاتا، لیکن میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔تمہیں چاہیئے کہ نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور خیر پر انگیختہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم سب کو پیس کر رکھ دے گا یا تم پر شریر اور بدکردار حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے، پھر اچھے لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا بھی مقبول نہ ہوگی(4)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے اپنی دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حدود اللہ پر قائم رہنے والے، ان کو توڑنے والے اور ان میں تساہل اور غفلت برتنے والے ان سب کی مثال ایسے لوگوں کی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے۔کچھ نچلے حصہ میں بیٹھ گئے اور کچھ کشتی کے اوپر والے حصے میں۔نیچے والوں کو پانی کی ضرورت پڑی، وہ اوپر والوں کے پاس سے گذرے اور ان کی تکلیف کا باعث بنے۔اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ ہم کشتی کے اپنے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیں اس طرح ہم اوپر والوں کی ایذاء کا باعث نہیں بنیں گے۔اگر تو اوپر والوں نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو سب نجات پا جائیں گے''(5)۔ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میری امت میں گناہ عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب سے دوچار کر دے گا''۔میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ان میں نیکوکار لوگ نہیں ہوں گے؟ فرمایا: ''ضرور ہوں گے''۔عرض کی: ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ فرمایا: جس عذاب میں لوگ مبتلا ہوں گے اسی عذاب کا انہیں بھی سامنا ہوگا لیکن پھر بعد از موت انہیں اللہ کی مغفرت اور خوشنودی نصیب ہوگی''(6)۔

1۔مسند احمد، جلد 4، صفحہ 192 2۔مسند احمد، جلد 5، صفحہ 389-388 3۔مسند احمد، جلد 5، صفحہ 391

4۔مسند احمد، جلد 5، صفحہ 390 5۔صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، جلد 3، صفحہ 182، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 19 وغیرہ

6۔مسند احمد، جلد 4، صفحہ 361

ایک اور حدیث میں ہے: ''جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہونے لگے اور وہ گنہگاروں سے قوی اور کثیر تعداد میں ہوں، پھر بھی انہیں منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عقاب میں گرفتار کر دیتا ہے'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب زمین میں برائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اتار دیتا ہے۔ عرض کی کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بھی تو ہوتے ہیں؟ فرمایا: پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نوازا جاتا ہے'' (2)۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶

''اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں (ہروقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے انعام اور احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ تعداد میں کم تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھا دیا۔ وہ کمزور، بے بس اور خوفزدہ تھے۔ اس نے انہیں تقویت اور فتح و نصرت سے نوازا۔ وہ تنگدست اور مفلوک الحال تھے، اس نے انہیں پاکیزہ رزق عطا فرما دیا اور ان نعمتوں پر ادائے شکر کا پابند بنا دیا، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اسکے تمام اوامر کی تعمیل کی۔ مکی دور میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی، وہ تعداد میں کم تھے۔ کمزور اور بے بس تھے، ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ان کی قلت اور بے کسی کے باعث ساری دنیا کے کافر، مشرک، مجوسی اور رومی ان کے دشمن تھے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے، انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اعدائے دین انہیں اچک نہ لے جائیں۔ ہجرت مدینہ تک مسلمان اس نازک اور تکلیف دہ صورت حال سے دوچار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرما کر انہیں پناہ گاہ عطا کر دی۔ ان قدسی صفات نفوس نے مدینہ شریف میں پناہ لی، اہل مدینہ نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا بدر اور دیگر مواقع پر ان کی بھرپور مدد کی، اپنے اموال ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور لوگ عربوں میں سب سے زیادہ گھٹیا، خستہ حال، تنگدست، بھوکے ننگے اور بے راہ تھے۔ ان میں سے جو زندہ رہتا وہ شقاوت اور بدنصیبی کی زندگی بسر کرتا اور جو ان میں سے مرتا آتش جہنم میں جا گرتا۔ انہیں کھایا جا رہا تھا لیکن انہیں کھانے کو کوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر بھی کوئی ذلیل اور گھٹیا ہوگا۔ جب اسلام آیا تو انہیں اسلام کی نعمت میسر آ گئی۔ اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اقتدار عطا فرمایا، فراخ رزق عطا فرمایا اور انہیں بادشاہ اور حاکم بنا دیا۔ جو تم شان و شوکت دیکھ رہے ہو یہ سب اسلام کے ذریعے ہی حاصل ہوئی ہے اس لئے اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو، کیونکہ تمہارا پروردگار منعم حقیقی ہے وہ شکر کو محبوب رکھتا ہے اور شکر گذار بندوں کو مزید نعمتوں سے نوازتا ہے (3)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۷ وَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 123-122 وغیرہ 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 41 3۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 220

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

"اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بے شک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے"۔

یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ رسول خدا ﷺ نے انہیں بنوقریظہ کے یہود کی طرف بھیجا تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے قلعہ خالی کر دیں۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا انہوں نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ فوراً حضرت ابولبابہ کو (افشائے راز کی اس غلطی کا) احساس ہوا اور وہ بھانپ گئے کہ انہوں نے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ قسم اٹھالی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے خواہ اسی حالت میں مر جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالے۔ وہ مسجد میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا نو دن اسی حالت میں گزر گئے۔ بھوک پیاس کی شدت کے باعث غش کھا کر گر جاتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ لوگ توبہ کی قبولیت پر بشارتیں دیتے ہوئے ان کے پاس آئے اور انہیں ستون سے کھولنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے صرف رسول اللہ ﷺ ہی اپنے ہاتھ سے کھولیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں خود اپنے ہاتھ سے کھولا۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک تہائی صدقہ کافی ہے"(1)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری کیونکہ اس طرح کا فتنہ وفساد برپا کرنا اللہ و رسول کے ساتھ خیانت ہے(2)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان مکہ سے نکلا۔ تو جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دے دی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو خبر دے دی کہ "ابوسفیان فلاں جگہ پر ہے۔ اسے پکڑنے کیلئے نکلو لیکن یہ بات صیغۂ راز میں رہے"۔ ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد (ﷺ) تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں اس لئے محتاط ہو جاؤ، تو اس وقت یہ آیت لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ(3) اتری۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے، اس کی سند اور سیاق بھی غور طلب ہے۔ صحیحین میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے قصد سے قریش کو آگاہ کرنے کیلئے ایک خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس خط کے متعلق آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے پیچھے آدمی بھیج دیا۔ خط پکڑا گیا۔ آپ ﷺ نے حاطب کو بلایا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں، اس نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، اس نے بدر میں شرکت کی ہے، تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے"(4)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 236-237، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 482, 453, 502

2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 222 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 221

4۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 98، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: 1941-1942

صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول خاص ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ سبب خاص کا اور خیانت کا اطلاق تمام چھوٹے بڑے اور لازم متعدی گناہوں پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امین بنایا ہے یعنی فرائض۔ مطلب یہ ہوا کہ ان فرائض کو نہ توڑو۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ سنت کو ترک نہ کرو اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو۔ حضرت عروہ بن زبیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں یوں نہ ہو کہ کسی کے سامنے تو اس کی مرضی کے مطابق بات کرو اور پھر اس کی عدم موجودگی میں اس کے برعکس باتیں کرنا شروع کر دو۔ ایسا کرنا امانتوں کیلئے باعث ہلاکت ہے اور تمہارے لئے خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ جس نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی گویا اس نے لوگوں کی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب کیا۔ لوگ نبی کریم ﷺ سے بات سن کر دوسروں کو بتا دیتے تھے اس طرح وہ خبر مشرکین تک پہنچ جاتی۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ و رسول کے ساتھ خیانت سے منع کیا ہے جس طرح منافقین کیا کرتے تھے۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے آزمائش اور امتحان ہے۔ ان چیزوں کو عطا کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ آیا تم ان نعمتوں کا شکر بجا لا کر اس کی اطاعت کرتے ہو یا ان کی محبت میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن: 15) ''بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے''۔ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 35) ''اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے''۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون: 9) ''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔ اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: 14) ''اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے کچھ بچے تمہارے دشمن ہیں۔ پس ہوشیار رہو ان سے''۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ یعنی اس کا ثواب، عطا اور جنت تمہارے لئے اموال و اولاد سے بہتر ہے کیونکہ ان میں سے بعض دشمن ثابت ہوتے ہیں اور اکثر کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں حاصل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ متصرف مطلق اور دنیا و آخرت کا مالک ہے اور اسی کے پاس قیامت کے دن اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! تو مجھے تلاش کر، میں تمہیں مل جاؤں گا۔ اگر تو نے مجھے پا لیا تو ہر چیز کو پا لیا۔ اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو ہر چیز کو کھو دیا۔ میں ہر چیز سے تجھے محبوب ہوں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پا لیتا ہے: جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، جو کسی کے ساتھ محبت کرے تو صرف رضائے الٰہی کی خاطر اور جسے آگ میں ڈالا جانا اس بات سے زیادہ پسند ہو کہ اسلام کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے''(1)۔ بلکہ حبِ رسول ﷺ مال، اولاد بلکہ اپنی ذات پر بھی مقدم ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 66

میں اسے اس کی ذات، اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''(1)۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ بڑے فضل (وکرم) والا ہے''۔

فرقان سے مراد مخرج یا نجات یا نصرت خداوندی یا حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہے۔ یہ آخری تفسیر ابن اسحاق کی ہے جو پہلے معانی کی نسبت عام ہے بلکہ ان تمام کو شامل ہے۔ کیونکہ جو شخص اوامر الٰہی کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ یہ چیز اس کی نجات، نصرت الٰہی، دنیاوی امور سے بخیر و خوبی عہد برآ ہونے۔ قیامت کے دن سعادت کے حصول، گناہوں کی مغفرت اور پردہ پوشی اور اجر عظیم کا سبب ہوگی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحدید: 28) ''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنیوالا ہے''۔

اس وقت کو یاد کرو جب کفار آپ کے متعلق تدبیریں کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ اثبات کا معنی ہے قید کرنا بندھن ڈالنا، یہ لفظ کسی کے متعلق ارادۂ بد کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کفار نے جب یہ مشورہ کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو قید میں ڈال دیں یا شہید کر دیں یا جلاوطن کر دیں تو آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بارے میں کیا مشورہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کفار یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ مجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں''۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: ''میرے رب نے''۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا رب کتنا اچھا ہے، اس کی بھلائی کے طلب گار رہو۔ آپ نے فرمایا: ''میں اس کی بھلائی کا خواہاں بنوں؟ بلکہ وہ میری بھلائی چاہتا ہے''۔ تو اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ اس روایت میں ابو طالب کا ذکر بہت ہی عجیب و غریب بلکہ قابل انکار ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے خلاف کفار کی اس سازش کا واقعہ ہجرت کی رات تھا اور جناب ابو طالب تو ہجرت سے تین سال قبل وفات پا گئے تھے اور ان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 67 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 227

وفات کا ہی نتیجہ تھا کہ کفار بڑی دیدہ دلیری سے آپ ﷺ کے در پے آزار ہو گئے اور اس قسم کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے ورنہ ابو طالب تو اپنی زندگی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی تائید اور مدد کرتے رہے اور آپ ﷺ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ان کی زندگی میں کفار کو آپ ﷺ کے خلاف اس قسم کی سازش کی جرأت نہ ہوئی۔ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے کہی ہے اور اسکی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت اپنی قومی پارلیمنٹ (دارالندوہ) میں جمع ہوئی اور سب آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کرنے لگے۔ ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں آدھمکا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ابلیس نے جواب دیا کہ میں شیخ نجد ہوں۔ میں نے سنا کہ تم نے ایک اجلاس طلب کیا ہے۔ میں بھی چلا آیا تاکہ تم میرے مشورے اور نصیحت سے محروم نہ رہو۔ انہوں نے ابلیس کو بھی اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ اندر داخل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں خوب غور و فکر کر لو ورنہ مجھے تو یقین ہے کہ وہ تم پر غالب آجائے گا۔ ان میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ اسے قید میں ڈال دو تاکہ حوادثات زمانہ کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مر جائے جس طرح اس سے پہلے زہیر اور نابغہ جیسے نامور شعراء اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ یہ بھی تو ان کی طرح شاعر ہی ہے۔ اس پر دشمن خدا شیخ نجدی چیخ اٹھا کہ یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اس کا رب اسے قید خانہ سے نکال کر اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی قید خانہ پر ہلہ بول دیں اور اسے رہا کروا کر لے جائیں اور تم پر حملہ کر کے تمہیں تمہاری سرزمین مکہ سے ہی نکال باہر کریں۔ وہ کہنے لگے کہ شیخ نے سچ کہا ہے، کوئی دوسری تجویز پیش کرو، ایک دوسرا آدمی کہنے لگا کہ اسے جلاوطن کر کے سکون و راحت حاصل کر لو۔ جب وہ یہاں سے نکل جائے گا تو پھر ہمیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوگا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ تمہاری تو جان چھوٹ جائے گی۔ شیخ نجدی پھر بول اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ رائے بھی مناسب نہیں ہے، کیا تمہیں اس کی شیریں بیانی اور طلاقت لسانی کا علم نہیں۔ اس کی گفتگو دلوں کو موہ لیتی ہے۔ جو بھی اس کا کلام سنتا ہے گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر تم نے ملک بدر کر دیا تو وہ باہر سے سارے عرب کو اکٹھا کر کے تم پر حملہ کر دے گا، تمہیں اپنے شہر سے نکال دے گا اور تمہارے شرفاء کو قتل کے گھاٹ اتار دے گا۔ وہ کہنے لگے: قسم بخدا! اس نے سچ کہا ہے، کسی اور تجویز کے بارے میں سوچو۔ ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں جو تمہیں رائے دینا والا ہوں وہ تم نے نہیں سوچی ہوگی اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی رائے ہو سکتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ تم ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر نوجوان منتخب کر لو، ہر ایک کے پاس تلوار ہو پھر وہ یکبارگی اس (محمد ﷺ) پر حملہ کر دیں۔ جب وہ اسے قتل کر دیں گے تو اس کا خون سارے قبائل میں بٹ جائے گا اور یہ یقینی بات ہے کہ بنی ہاشم پورے قریش کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، مجبوراً وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم اس کی اذیت سے پر سکون ہو جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اس پر شیخ نجدی پکار اٹھا اللہ کی قسم! رائے تو یہ ہے۔ بات تو وہ ہے جو اس نوجوان نے کہی ہے۔ اس کے بغیر کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ اس پر اتفاق رائے کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

اب جبریل امین حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کو قریش کی اس سازش سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج کی رات اپنے بستر پر نہ سونا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ سوئے اور اسی وقت آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم مل گیا۔ مدینہ شریف پہنچنے کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... اور ان کفار نے جو یہ کہا تھا کہ اس کے

بارے میں حوادث زمانہ کا انتظار کرو، پہلے شعراء کی طرح یہ بھی ختم ہو جائے گا، اس کے بارے میں فرمایا: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ (الطور:30) ''کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے کے متعلق گردش زمانہ کا) چونکہ اس دن آپ ﷺ کے قتل کی سازش کی گئی اس لئے اسے یوم الزحمہ کہا جاتا ہے''(1)۔ ان کفار کے جلاوطن کر دینے کے خیال کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل:76) ''اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھیریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ'' جب قریش اپنی ناپاک سازش پر عملدرآمد کیلئے جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم فرما دیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ میری سبز چادر لے کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اب رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے، شمشیر بکف نوجوان دروازے پر کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی اور ان کے سروں پر پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ آپ یٰسٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ...... فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ (یٰسین:9-1) کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے بیچ میں سے نکل گئے۔ (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں: ابا جان! میں کیوں نہ روؤں، سرداران قریش حجر اسود کے پاس کھڑے لات، عزیٰ اور منات کی قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی قتل کر ڈالیں گے اور ان میں سے ہر ایک آپ کے قتل میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹی! وضو کیلئے پانی لاؤ'' چنانچہ آپ ﷺ وضو کرنے کے بعد کعبہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریشیوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ ہے وہ۔ ساتھ ہی ان کے سر جھک گئے اور گردنیں ٹیڑھی ہو گئیں، وہ اپنی نظریں بھی نہ اٹھا سکے۔ رسولِ خدا ﷺ نے مٹھی بھر مٹی لے کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا کہ یہ چہرے بگڑ جائیں ان میں سے جس کی آنکھوں میں وہ مٹی پڑی وہ کافر ضرور بدر کے دن قتل ہوا(3)۔

حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے نکل کر غار میں جا پہنچے اور مشرکین رات بھر آپ ﷺ کے گھر پر پہرہ دیتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ کے گھر کے اندر آ دھمکے۔ لیکن جب وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹی کر دی۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے نشانات قدم کا کھوج لگاتے ہوئے چل دیئے۔ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہو گیا۔ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر جب وہ غار کے قریب سے گزرے تو وہاں دیکھا کہ غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا بن رکھا ہے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اگر وہ یہاں داخل ہوتا تو یہاں مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ آپ ﷺ تین دن غار میں قیام پذیر رہے(4)۔ فرمایا: وَیَمۡکُرُوۡنَ وَیَمۡکُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ۔ یعنی میں نے اپنی پختہ خفیہ تدبیر سے ان کی چال کو ناکام بناتے ہوئے آپ ﷺ کو ان کفار سے نجات دی(5)۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 480-483 2۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2 صفحہ 469-470
3۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3 صفحہ 157، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 148
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 348 5۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 669

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہئیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ قریش کے کفر، سرکشی، عناد، ہٹ دھرمی اور باطل دعویٰ کی خبر دے رہا ہے کہ جب وہ آیات قرآنیہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں: قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور محض زبانی ہرزہ سرائی ہے ورنہ انہیں تو متعدد بار چیلنج کیا گیا ہے کہ قرآن کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت جیسی کوئی سورت لا کر دکھاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ وہ اپنے اس دعویٰ سے اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں اور اپنے ہمنواؤں کو بھی دھوکہ دیئے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بات کہنے والا النضر بن حارث تھا۔ وہ لعین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا اور وہاں کے شاہان ایران رستم واسفندیار کی تاریخ سے آگاہ تھا۔ جب وہ واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت کا اعلان فرما چکے تھے اور لوگوں کو قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کسی مجلس سے اٹھ جاتے تو وہ آ کر بیٹھ جاتا اور ان لوگوں کو رستم واسفندیار کے قصے کہانیاں سناتا، پھر کہتا کہ بتاؤ کون سا اچھا قصہ گو ہے، میں یا محمد؟ یہی وجہ ہے کہ جب بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کر دیا تو اسے بھی قید کر لیا گیا۔ رسول خدا ﷺ نے اپنے سامنے اس کی گردن زدنی کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ اسے اسیر کرنے والے حضرات مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اسے قتل کرنے کا حکم ہوا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! یہ میرا قیدی ہے، مجھے ملنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت مقداد نے دوبارہ عرض کی: یارسول اللہ! یہ میرا اسیر ہے۔ تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''یا اللہ! مقداد کو اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے!'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یہی (دعا) تو میرا مدعا تھا جس کی خاطر میں بار بار اصرار کر رہا تھا۔ تو یہ آیت وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا...... نضر بن حارث کے بارے میں اتری(1)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن حضور ﷺ نے تین کافروں کے قتل کا حکم دیا: عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث۔ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا۔ سعید بن جبیر نے طعیمہ کے بجائے مطعم بن عدی کا نام لیا ہے(2)۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ مطعم تو بدر سے پہلے ہی مر چکا تھا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس دن فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان اسیران کے بارے میں مجھ سے سوال کرتا تو میں سب کے سب اسے عطا فرما دیتا(3)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ طائف سے مکہ واپس لوٹے تو اس نے آپ ﷺ کو پناہ دی تھی۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ ''اَسَاطِيْرُ''، ''اُسْطُوْرَةٌ'' کی جمع ہے یعنی یہ (قرآن) پہلے لوگوں کے افسانے اور کتابیں ہیں جن سے سیکھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 231-232 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 232

3۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، جلد 4 صفحہ 11، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61 وغیرہ

کر یہ لوگوں کو سناتے ہیں۔ ان کفار کا یہ کہنا سفید جھوٹ اور صریح دروغ گوئی ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں ان کے متعلق فرمایا: وَ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الفرقان:6-5) ''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح وشام (تا کہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ...... یہ دعا ان کی جہالت، تکذیب، عناد اور ہٹ دھرمی کا آئینہ دار ہے۔ یہی تو ان میں عیب تھا کہ وہ اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کرتے تھے۔ بہتر تو یہ تھا کہ وہ کافر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگتے: یا اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہمیں اس کی راہ دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق ارزانی فرما۔ لیکن یہ نادان تو اپنے لئے سزا مول لینے پر تلے ہوئے تھے اور عذاب کے لئے جلدی مچا رہے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (العنکبوت:53) ''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا''۔ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16) ''اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے''۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ (المعارج:3-1) ''مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے''۔ اسی طرح سابقہ جاہل امتوں نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا تھا جیسا کہ قوم شعیب علیہ السلام نے کہا: فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (الشعراء:187) ''(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راستبازوں میں سے ہو''۔ کفار مکہ نے یوں کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ......۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوجہل نے یہ مطالبہ کیا تھا تو اس پر یہ آیت اتری: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ...... بعض کہتے ہیں کہ عذاب کا مطالبہ کرنے والا نضر بن حارث تھا جس کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔ اور بعض کے نزدیک مندرجہ ذیل آیات بھی اسی کے بارے میں نازل ہوئیں: وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16)۔ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام:94) ''اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی دفعہ''۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس سے زائد آیات قرآنیہ ہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص کو احد کے دن گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسا مطالبہ کرنے والے اس امت کے جاہل اور بے وقوف لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل وکرم سے انہیں نظر انداز کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ تو نبی کریم ﷺ فرماتے: ''بس بس''۔ یعنی یہاں سے آگے اور کچھ نہ پڑھو، لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی ملا کر پڑھتے: اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ''مگر تیرا ایک شریک ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملک کا بھی''۔ پھر ساتھ ہی کہہ دیتے: ''غُفْرَانَكَ'' (تیری مغفرت کے طلب گار ہیں)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَ

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ...... اتاری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں دو امانیں حاصل تھیں: (1) نبی کریم ﷺ کا وجود مسعود۔ (2) استغفار۔ اب نبی کریم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد صرف ایک امان (استغفار) باقی رہ گئی ہے۔ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو ہم میں سے امتیازی اعزاز عطا فرمایا ہے، پھر کہنے لگے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ...... لیکن اپنے اس مطالبہ پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے لگے تو اس وقت یہ آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ...... نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء جب تک اپنی قوم کے درمیان موجود ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دیتا۔ جب وہ باہر نکل جائیں پھر عذاب آتا ہے (2)۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اہل مکہ میں سے بعض ایسے تھے جو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ ضحاک اور ابو مالک کہتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ میں رہائش پذیر مومنین ہیں جو ہجرت کے بعد یہاں رہ گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دو امانیں عطا فرمائی ہیں جب تک یہ دونوں انہیں حاصل رہیں گی یہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔ ایک امان کو تو اللہ تعالیٰ نے واپس اپنے پاس بلا لیا اور دوسری (استغفار) امان باقی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی امت کے لئے دو امانیں نازل کی ہیں۔ جب میں رخصت ہو جاؤں گا تو ان میں قیامت تک کے لئے استغفار چھوڑ جاؤں گا'' (3)۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان نے کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا'' (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہے، عذاب سے محفوظ رہتا ہے (5)۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

''(مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی اور نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی بجانے کے۔ سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے''۔

اہل مکہ اسی قابل تھے کہ انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ کی برکت سے وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر ہجرت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے زعماء قتل

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 235
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 237
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انفال، جلد 11 صفحہ 212-213
4۔ مستدرک حاکم، کتاب التوبہ والانابۃ، جلد 4 صفحہ 261، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29-41-76
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 20

ہوئے اور سر برآوردہ لوگ قیدی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ وہ شرک اور فساد جیسے جن گناہوں سے آلودہ ہیں ان سے استغفار کریں۔ قتادہ، سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ مشرکین استغفار نہیں کرتے تھے، اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہوتے تو اس عذاب سے دوچار نہ ہوتے(1)۔ اور اگر مکہ میں یہ کمزور اور بے بس مومنین استغفار نہ کرتے ہوتے تو ان پر ایسا عذاب آتا جسے ٹالنا ان مشرکین کے لئے محال ہو جاتا، لیکن ان نفوس قدسیہ کے طفیل یہ عذاب سے بچے رہے جیسا کہ یوم حدیبیہ میں فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔـوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِـــيْمًا (الفتح:25) ''یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث۔ (نیز) تاکہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے تو اللہ پاک نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ شریف تشریف لے گئے تو یہ فرمان نازل ہوا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ مکہ شریف میں بقیہ کمزور اہل ایمان استغفار میں مصروف تھے۔ جب وہ بھی مکہ سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا اذن دے دیا۔ یہی وہ عذاب تھا جس کا وعدہ کیا گیا تھا(2)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کی ناسخ ہے بشرطیکہ استغفار کا صدور ان مشرکین سے ہو۔ حضرات عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ والی آیت کو اس کے بعد والی آیات وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ...... فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور انہیں بھوک اور ضرر سے دوچار ہونا پڑا(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ سے اہل شرک کو مستثنیٰ کر دیا اور انہیں عذاب کا مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ ...... یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کیوں نہ عذاب دے حالانکہ یہ ان مومنین کو مسجد حرام سے روک رہے ہیں جو درحقیقت اس میں نماز پڑھنے اور اس کا طواف کرنے کے اہل ہیں، اسی لئے فرمایا: وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَاۗءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی وہ کفار مسجد حرام کے اہل نہیں بلکہ اس کے صحیح اہل تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبہ:18-17) ''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے''۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 236 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 234 4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 238

وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (البقرۃ:217) ''لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی آل ''اولیا'' کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ''تمام متقی''۔ اور ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (1)۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا: ''کیا تم میں کوئی غیر قریشی بھی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں ہمارے بھانجے، خلفاء اور غلام ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے حلیف، بھانجے اور غلام ہمیں میں سے ہیں، لیکن تم میں سے میرے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں'' (2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اولیاء سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (3)۔ پھر اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں ان کے معاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً یعنی بیت اللہ شریف میں یہ لوگ برہنہ طواف کرتے، منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹیاں بجاتے اور اسی طرح تالیاں بجاتے۔ ''مُكَآءً'' کا مطلب ہے سیٹی کی آواز نکالنا اور ''تَصْدِيَةً'' کا مطلب ہے تالی بجانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی ان دونوں الفاظ سے یہی مراد ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سیٹی بجا کر، اپنا رخسار جھکا کر اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر بتایا کہ وہ کفار اس طرح کیا کرتے تھے (4)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنے رخسار زمین پر ٹیک دیتے، تالی بجاتے اور سیٹی کی آواز نکالتے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ بیت اللہ کا بائیں طرف سے طواف کرتے تھے۔ مجاہد اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اس طرح نبی ﷺ اور مومنین کی عبادت میں حرج پیدا کرنا چاہتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ وہ اس طرح مومنین کا مذاق اڑاتے۔ سعید بن جبیر اور عبدالرحمٰن بن زید تصدیہ کا معنی بتاتے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ضحاک، ابن جریج اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب بدر ہے جب انہیں قتل کیا گیا اور قیدی بنایا گیا (5)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب تلوار کے ذریعے آتا ہے اور اہل تکذیب پر چیخ اور زلزلہ کے ذریعے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

''بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تا کہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت وافسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے تا کہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

1۔ معجم صغیر، جلد 1 صفحہ 115 2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 328 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 239
4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 241 5۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 243

جب قریش بدر میں شرمناک ہزیمت کے بعد مکہ واپس لوٹے اور ابوسفیان بھی اپنا قافلہ لیکر واپس پہنچ گیا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور کچھ دیگر قریشی جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگ بدر میں کام آ چکے تھے، ابوسفیان کے پاس گئے۔ اور باقی قریش کو بھی اکٹھا کر لیا جن کا تجارتی قافلہ میں سرمایہ لگا ہوا تھا۔ کہنے لگے: اے گروہ قریش! محمد ﷺ نے تمہیں شکست دیکر تمہارے شرفاء کو قتل کر دیا ہے۔ قافلہ کا سارا مال ہمیں دے دو تا کہ اسے ہم جنگ کی تیاری میں صرف کریں اور مسلمانوں سے اپنے مقتولین اور ہزیمت کا بدلہ چکائیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے اس مقصد کے لئے اپنا اپنا حصہ پیش کر دیا۔ اس بارے میں مذکورہ بالا دونوں آیتیں نازل ہوئیں(1)۔ جبکہ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیات اہل بدر کے متعلق اتریں۔ بہرصورت ان کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار اپنے اموال اس مقصد کے لئے خرچ کرتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کو راہ راست کی اتباع سے روکیں اور یہ مستقبل میں بھی ایسا کرتے رہیں گے لیکن ان کے اموال اکارت جائیں گے اور پھر ان کے لئے حسرت وندامت کا باعث بن جائیں گے اس لئے کہ انہیں اپنا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اپنے کلمہ کو کلمہ حق پر غالب کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے اگرچہ کفار کو یہ بات بری لگے۔ وہ ہرصورت میں اپنے دین کی مدد کرنے والا، اپنے کلمہ کو عام کرنے والا اور اپنے دین کو ہر دین پر غلبہ عطا فرمانے والا ہے۔ ان کفار کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔ ان میں سے جو زندہ رہا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا کہ کس طرح اسے رسوائی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور ان میں سے جو قتل ہو گیا یا مر گیا تو اس کے نصیب میں ابدی رسوائی اور سرمدی عذاب ہے۔ اسی لئے فرمایا: فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً......۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بتاتے ہیں: تا کہ اہل سعادت اہل شقاوت سے الگ ہو جائیں۔ سدی کہتے ہیں: تا کہ مومن کافر سے ممتاز ہو جائے۔ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ تمییز اور تفریق آخرت میں ہو جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ (یونس:28) ''ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ پھر ہم منقطع کر دیں گے'' اور فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم:14) ''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے''، اور دوسری آیت میں فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم:43) ''اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امتیاز اور فرق دنیا میں ہو کیونکہ دونوں فریقوں کے اعمال الگ الگ نوعیت کے ہیں۔ اس صورت میں ''لِيَمِيْزَ'' میں لام تعلیلیہ ہوگا۔ وہ مال جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے جسے وہ صراط مستقیم سے روکنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں اس کے لئے یہ علت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں اس مال پر اس لئے قدرت دی تا کہ خبیث کو طیب سے الگ کر دیا جائے یعنی کون اللہ کے دشمن کافروں کے ساتھ جہاد کر کے اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس سے سرتابی کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ (آل عمران:67-166) ''اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 245، بیروت [illegible] جلد 1 صفحہ 333

پیروی کرتے"۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ...... (آل عمران: 179) "نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر"۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران: 142) "کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو"۔ اور اس جیسی آیت سورۂ براءت میں بھی ہے۔ آیت کا اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے ساتھ برسر پیکار کفار کو آزمایا اور اموال خرچ کرنے پر انہیں قدرت دی اس کا مقصد یہ تھا: لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ...... "وَيَرْكُمَهُ" کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر نیچے تہہ در تہہ جمع کرنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے: ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا (النور: 43) "پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے" ان تمام کفار کو جمع کر کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ بدبخت دنیا میں بھی خسارے کا شکار ہیں اور آخرت میں بھی خائب و خاسر اور نامراد رہیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

"فرما دیجئے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا۔ اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ۔ اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے تو پھر اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کفار سے کہہ دیں کہ اگر وہ اپنے کفر، مخالفت اور عناد سے باز آ جائیں اور دین اسلام میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں تو کفر سمیت ان کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اسلام میں نیکی اختیار کی اس سے زمانہ جاہلیت کے گناہوں کا بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام لا کر بھی برائیاں کرتا رہا اس سے دونوں زمانوں کے متعلق مواخذہ ہوگا" (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کئے ہوئے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے" (2)۔

وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا...... یعنی اگر یہ اپنی سابقہ روش پر قائم رہے، جھٹلاتے رہے اور ہٹ دھرمی برتتے رہے تو پہلے لوگوں کے بارے میں جو ہمارا طریقہ تھا اسے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہوں نے بھی جب اپنے کفر اور عناد پر اصرار کیا تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ مجاہد، سدی اور ابن اسحاق "سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ" سے مراد بدر میں شرکت کرنے والے قریش اور دوسری امتیں لیتے ہیں (3)۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ...... ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب الایمان 111 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 199 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 248

نے فرمایا: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (الحجرات:9) ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو''۔ جس طرح کتاب اللہ میں مذکور ہے آپ لڑائی میں کیوں نہیں حصہ لیتے؟ آپ نے فرمایا: اے بھتیجے! اس آیت کریمہ کے سبب شریک جنگ نہ ہونے کی عار اس عار سے بہتر ہے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کر کے اس آیت کا مصداق بن جاؤں: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا (النساء:93) ''اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں''۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اسلام کو ماننے والے کم تھے۔ آدمی اپنے دین میں سخت آزمائش سے دوچار ہوتا تھا یا تو وہ اسے قتل کر ڈالتے یا پابند سلاسل کر دیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو فتنہ باقی نہ رہا۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ اس سے اتفاق رائے نہیں کر رہے اور نہ اس کے مطلب کی بات کر رہے ہیں، تو وہ پوچھنے لگا کہ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی معاف فرما دیا ہے لیکن ان کی مغفرت تمہیں پسند نہیں۔ جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ اور ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ دیکھو وہ نبی کی بیٹی ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: قتال فتنہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ فتنہ کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ مشرکین کے ساتھ قتال کیا کرتے تھے، اس وقت فتنہ درپیش تھا اور تمہارا اقتدار حاصل کرنے کے لئے لڑنا فتنہ نہیں ہے (1)۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے دور میں دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اسے آپ دیکھ ہی رہے ہیں، آپ صحابی رسول ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، کونسی چیز ہے جو اس فتنہ میں آپ کے خروج میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکاوٹ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام قرار دیا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ آپ نے فرمایا کہ ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ بھی دب گیا اور دین بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا لیکن تم مسلمانوں کے دو گروہوں کو اس لئے بھڑانا چاہتے ہو تا کہ فتنہ کھڑا ہو اور دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں کبھی بھی ایسے آدمی سے نہیں لڑوں گا جو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کرے۔ سعد بن مالک کہنے لگے کہ میں بھی ایسے شخص کے ساتھ قتال نہیں کروں گا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ؟ دونوں حضرات کہنے لگے کہ ہم نے قتال کا یہ فریضہ انجام دے دیا ہے حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین سارے کا سارا اللہ کے لئے ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''فِتْنَةٌ'' کا معنی شرک لیتے ہیں بعض علماء فتنہ سے مراد کسی مسلمان کو اپنے دین سے برگشتہ کرنا لیتے ہیں۔

وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ توحید خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔ قتادہ، حسن اور ابن جریر کہتے ہیں کہ دین سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا ہے۔ ابن اسحاق کے نزدیک اس سے مراد توحید ہے، جس میں شرک کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ دین کے ساتھ کفر کا اختلاط نہ ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 78

میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافروں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کے قائل ہو جائیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے“(1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اظہار شجاعت کے لئے لڑتا ہے، ایک حمیت کی خاطر لڑتا ہے اور ایک نمود و نمائش کی خاطر جنگ کرتا ہے، ان میں سے کس کا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ فرمایا: ”جس شخص نے اس مقصد کے لئے جہاد کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، وہ فی سبیل اللہ ہے“(2)۔

فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ یعنی اگر وہ کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے بھی باز رہیں تو تم بھی ان سے اپنے ہاتھ روک لو، اگرچہ تم ان کے دلوں کے حالات سے واقف نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح درج ذیل آیات میں فرمایا: ”فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ (التوبۃ: 5)“ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ“، ”فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ (الاحزاب: 5)“ ”وہ تمہارے دینی بھائی ہیں“، ”وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ‌ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (البقرۃ: 193)“ ”اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو کہ) سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر“۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر تلوار اٹھائی، قتل کے خوف سے اس نے کہہ دیا: ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“، لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ سے فرمایا: اس کے ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کہہ دینے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا، قیامت کے دن تم ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کے ساتھ کیا کرو گے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کی خاطر ایسا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا؟“ آپ ﷺ بار بار اس بات کو دہراتے کہ قیامت کے دن ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کا کون ضامن اور ذمہ دار ہوگا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تاکہ اس مسئلہ کی نوبت ہی نہ آتی(3)۔

وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا...... یعنی اگر یہ کفار مسلسل تمہاری مخالفت کرتے رہے اور لگا تار آمادہ جنگ رہے تو تم یقین کر لو کہ اللہ تمہارا کارساز اور حامی و ناصر ہے اور وہ کتنا ہی بہترین کارساز اور مددگار ہے! عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہ سے بذریعہ خط کچھ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تو حضرت عروہ نے مطلوبہ مسائل کی تفصیل لکھ بھیجی۔ فرمایا: تم پر سلامتی ہو! میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد۔ تم نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے متعلق تفصیلات پوچھی ہیں، میں ان سے تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ نیکی کی قوت اور برائی سے بچنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے طفیل ہے۔ ہجرت کا معاملہ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت پر فائز کیا۔ آپ کیسے اچھے نبی، اچھے سید اور اچھے ساتھی تھے! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنت میں آپ ﷺ کے رخ انور کی ہمیں زیارت نصیب کرے، آپ ﷺ کی ملت پر ہمیں زندہ رکھے، اور آپ ﷺ کی ملت پر ہی ہمیں وفات دے کر دوبارہ زندہ فرمائے۔ جب آپ ﷺ نے اپنی قوم کو ہدایت اور نور (قرآن کریم) کی طرف دعوت دینا شروع کی تو لوگوں نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 12، صحیح مسلم، کتاب الایمان 51-52

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 42، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1512-1513

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 97، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 44-45 وغیرہ

شروع شروع میں اس دعوت کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی، البتہ وہ آپ کی بات سن لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے ان کے بتوں کی خبر لی اور کچھ مالدار قریشی طائف سے مکہ آئے تو ان لوگوں پر آپ ﷺ کی تبلیغ بہت ناگوار گزری، وہ آپ ﷺ کی باتوں کو کراہت کی نظر سے دیکھنے لگے، آپ ﷺ پر سختی کرنے لگے۔ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے کو برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کرتے، چنانچہ عوام الناس بھی آپ ﷺ سے اعراض کر گئے، صرف چند لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ڈٹے رہے۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ پھر ان کے رؤساء نے باہم یہ مشورہ کیا کہ ان کے اعزہ واقارب میں سے جو بھی اس نبی کی اطاعت کرے اس پر سختی کی جائے۔ اس طرح ایک سخت آزمائش اور زلزلہ بپا کر دینے والے فتنہ کا آغاز ہوا۔ بہت سے مومنین اس فتنہ سے دوچار ہوئے اور کچھ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا۔ جب مسلمانوں پر ظلم وستم حد سے تجاوز کر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہجرت حبشہ کا حکم دے دیا۔ اس وقت حبشہ میں بڑا اچھا بادشاہ تخت نشین تھا اسے نجاشی کہا جاتا تھا۔ اس کی سرزمین میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، تمام لوگ اس کی تعریفیں کرتے تھے۔ سرزمین حبشہ اس وقت قریش کا تجارتی مرکز بھی تھا، یہاں آکر وہ تجارت کیا کرتے تھے اور ان کے تاجروں کی وہاں رہائش گاہیں بھی تھیں جہاں انہیں بے پناہ رزق، امن اور تجارت کی سہولتیں دستیاب تھیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے ستم رسیدہ اور مظلوم عام مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ نبی کریم ﷺ مکہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ چند سال یہ صورت حال چلتی رہی۔ وہ ہر مسلمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے۔ اس کے بعد اسلام مکہ میں پھیلنا شروع ہو گیا اور ان میں سے چند شرفاء نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ چنانچہ اب وہ نرمی کے ساتھ برتاؤ کرنے لگے۔ مسلمانوں کی پہلی آزمائش یہی تھی جس نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا۔ جب کفار کا رویہ نرم ہو گیا اور ان کے کچھ رؤساء بھی اسلام لے آئے تو ان مہاجرین حبشہ نے واپس مکہ آنے میں کچھ عافیت محسوس کی جو پہلے قریش کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ جب ان مہاجرین کو علم ہوا کہ مکہ کے حالات کچھ سازگار ہو گئے ہیں تو وہ مکہ واپس لوٹ آئے۔ اسی اثناء میں مدینہ شریف کے کچھ انصار بھی اسلام لے آئے اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ اہل مدینہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ قریش کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ اب پھر انہوں نے مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر سختی کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ ایک بار پھر بڑی سرگرمی سے مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے جس سے مسلمانوں کو بڑی نازک اور اندوہناک کیفیت سے گزرنا پڑا۔ یہ دوسرا فتنہ تھا۔ پہلا فتنہ وہ تھا جس کے باعث انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اور دوسرا فتنہ وہ ہے جس سے وہ حبشہ سے واپس آکر دوچار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ شریف کے ستر رؤساء جو اسلام لا چکے تھے، حج کے موقعہ پر حاضر ہوئے اور عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اور یہ عہد و پیمان باندھا کہ ہم آپ ﷺ کے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی یا آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں گے تو ہم آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی اس طرح مدافعت کریں گے جس طرح اپنی کرتے ہیں۔ قریش کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے مزید سختی شروع کر دی تو اب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ یہ دوسرا فتنہ تھا جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہجرت پر مجبور ہو گئے، اسی کے بارے میں فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (1)۔ یہ خط حضرت عروہ بن زبیر

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 249-250

نے ولید بن عبد الملک بن مروان کو لکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ خط عبد الملک کو لکھا گیا تھا۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

''اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

مال غنیمت کے متعلق تفصیل بیان ہو رہی ہے جو تمام امتوں میں سے صرف اس امت شریفہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کفار پر چڑھائی کر کے قوت و غلبہ کے ذریعے ان سے حاصل کیا جائے، اور فئے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر قتال کے ہاتھ آجائے مثلاً وہ مال جو صلح کے ذریعے حاصل ہو جائے اور وہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح جزیہ، خراج وغیرہ، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء خلف و سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ بعض علماء فئے کا اطلاق غنیمت پر اور غنیمت کا فئے پر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قتادہ کے نزدیک یہ آیت سورۂ حشر کی اس آیت کی ناسخ ہے: مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی...... (الحشر: 9) '' جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں کا......''۔ آیت انفال نے اس آیت حشر کو منسوخ کر دیا اور مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے مجاہدین کے لئے مخصوص کر دیئے اور پانچواں حصہ ان کے ساتھ خاص کر دیا جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے یعنی اللہ، رسول، رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر (1)۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی اور وہ بنی نضیر کے بارے میں اتری، اور اس میں سارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ واقعہ بنو نضیر غزوہ بدر کے بعد رونما ہوا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن جو حضرات فئے اور غنیمت میں فرق کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ آیت اموال فئے کے بارے میں ہے اور یہ آیت اموال غنیمت کے متعلق۔ اور جو لوگ فئے اور غنیمت کے معاملہ کو امام وقت کے سپرد کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ امام کی مرضی پر موقوف ہے جس طرح چاہے کرے، اس طرح دونوں آیات کے درمیان منافات باقی نہیں رہے گی یعنی سورۂ حشر کی آیت اور انفال کی یہ آیت تخمیس۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اس بات کی تاکید بیان ہو رہی ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالنا ضروری ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اور اگر چہ سوئی دھاگہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (آل عمران: 161) '' اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کے نام کا الگ حصہ نکالا جائے گا یا اللہ و رسول دونوں ایک ہی مصرف ہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکال کر کعبہ شریف پر صرف کیا جائے گا۔ حضرت ابو العالیہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 2

الرباحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیتے اور پانچوں حصہ (خمس) میں سے آپ مٹھی بھر نکال کر کعبہ کے لئے وقف کر دیتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ تھا۔ پھر آپ ﷺ باقی ماندہ خمس کو آیت میں مذکورہ پانچ مصارف پر تقسیم کر دیتے۔ ایک حصہ رسول خدا ﷺ کا، ایک قرابت داروں کا، ایک یتیموں کا، ایک مساکین کا اور ایک مسافرین کا(1)۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا نام بطور تبرک لیا گیا ہے۔ پہلے حصہ کا بیان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی سریہ (فوجی دستہ) روانہ کرتے اور وہ مال غنیمت لیکر لوٹتا تو آپ ﷺ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصہ کے مزید پانچ حصے کرتے پھر یہ آیت پڑھتے: وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ......(2)۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ صرف افتتاح کلام کے لئے ہے ورنہ زمین وآسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حصے کو ایک ہی حصہ قرار دیا ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے وادی القریٰ کے مقام پر نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! غنیمت کے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں سے خمس تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور باقی چار حصے لشکر کے''۔ اس نے عرض کی کیا اس میں کوئی کسی سے زیادہ حقدار نہیں؟ فرمایا: ''ہرگز نہیں، یہاں تک کہ وہ حصہ جو تو اپنی جیب سے نکالتا ہے اس کا بھی تو اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ مستحق نہیں''(3)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کی اور فرمایا کہ کیا میں اپنے مال میں سے اس حصہ پر راضی نہ ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ ان میں سے چار حصے تو جنگ کرنے والوں کے مابین تقسیم کر دیئے جاتے اور پھر پانچوں حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ان میں سے ایک حصہ اللہ ورسول ﷺ کے لئے ہوتا۔ یہی ایک چوتھائی آپ ﷺ کے قرابت داروں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ ﷺ خمس میں سے کچھ نہیں لیتے تھے(4)۔ حضرت عبداللہ بن ابی بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا حصہ نبی ﷺ کا حصہ ہے اور رسول ﷺ کا حصہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اللہ ورسول ﷺ کا ایک ہی حصہ ہے آپ ﷺ حسب خواہش جہاں چاہئیں صرف کریں اور اپنی امت کے کسی فرد کو جس قدر دینا چاہئیں عنایت فرما دیں۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، مقدام بن معدیکرب کندی بیان کرتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ حضرات احادیث رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرنے لگے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فلاں فلاں غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں صحابہ کو مال غنیمت کے ایک اونٹ کے پیچھے نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بال اپنی چٹکی میں لیکر فرمایا: یہ (اونٹ کے) بال بھی مال غنیمت کا حصہ ہیں اور یہ میرے نہیں ہیں، میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف خمس ہے۔ پھر یہ خمس بھی تمہیں دے دیا جاتا ہے۔ سوئی دھاگہ اور اس سے چھوٹی بڑی ہر چیز غنیمت میں جمع کروا دیا کرو اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ مال غنیمت میں خیانت کرنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 3-4 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 3

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب قسم الفیء، جلد 6 صفحہ 324 3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 4

والوں کے لئے دنیا وآخرت میں عار اور نار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قریب اور دور والوں سے جہاد کرو اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤ، سفر وحضر میں حدود اللہ کو قائم کرو۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑا دروازہ ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دکھ، رنج اور غم سے نجات عطا فرماتا ہے'' (1)۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے اختصار کے ساتھ یہ روایت کی ہے (2)۔ نبی کریم ﷺ مال غنیمت میں بعض چیزیں اپنے لئے مخصوص کر لیا کرتے تھے مثلاً غلام، لونڈی، گھوڑا، تلوار وغیرہ، جیسا کہ ابن سیرین، شعبی اور دیگر علماء نے اس کی صراحت کی ہے (3)۔ مسند احمد اور ترمذی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں آتا ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار آپ ﷺ نے بدر کے دن مال غنیمت میں سے لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں احد کے دن آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) بھی اسی طرح آئی تھیں (5)۔ ابوداؤد اور نسائی میں حضرت یزید بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا جس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے اسے پڑھا تو اس پر یہ تحریر تھا: محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی زہیر بن قیس کے نام۔ اگر تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور مال غنیمت میں سے خمس اور نبی کریم ﷺ کا خاص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں ہو۔'' ہم نے پوچھا کہ یہ کس نے لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (6)۔ یہ ساری احادیث اسی موقف کو ثابت کرتی ہیں اس لئے اکثر حضرات نے اسے آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر تصرف کرے گا جس طرح وہ مال فیٔ میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ امام مالک اور اکثر سلف کا یہی قول ہے اور سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ جب یہ ثابت اور معلوم ہو گیا تو اب اس بات میں اختلاف باقی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمس میں سے جو حصہ لیا کرتے تھے، آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد اس حصہ کا مصرف کیسے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حصہ آپ ﷺ کے بعد امام وقت یا خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ ہوگا۔ کچھ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اسے آیت میں مذکور بقیہ مصارف پر تقسیم کر دیا جائے گا (7)۔ یہ اہل عراق کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خمس تمام کا تمام قرابت داروں کے لئے ہے۔ منہال بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین رحمہما اللہ سے خمس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا حصہ ہے۔ میں نے علی سے کہا کہ آیت کریمہ میں تو یتیم، مسکین اور مسافر بھی اس کے مصارف ذکر کئے گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں۔ قیس بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بن محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے تو کلام کا افتتاح ہو رہا ہے ورنہ دنیا وآخرت کا مالک وہی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ ﷺ کا حصہ آپ ﷺ کے بعد والے خلیفہ کو ملے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قرابت داروں کو ملے گا۔ بہر صورت اتفاق رائے اس بات پر

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 31
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 82، سنن نسائی، کتاب قسم الفیٔ، جلد 7 صفحہ 131
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 54، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 271
5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152
6۔ سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 153، سنن نسائی، کتاب قسم الفیٔ، جلد 7 صفحہ 134 وغیرہ
7۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 8

ہے کہ ان دونوں حصوں کو جہاد کی تیاری اور گھوڑوں وغیرہ پر صرف کیا جائے۔ خلافت سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما میں یہی معمول رہا(1)۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حصہ کو کھیتی باڑی اور جہاد میں صرف کیا کرتے تھے۔ ابراہیم سے پوچھا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارے میں کیا کیا کرتے تھے۔ فرمایا: وہ اس بارے میں سب سے زیادہ سخت تھے(2)۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ قرابت داروں کا حصہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صرف ہوگا کیونکہ بنو عبدالمطلب نے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں بنو ہاشم کی مدد کی اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں یہ بھی ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ ان میں سے مسلمانوں نے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ساتھ دیا تھا اور کافروں نے خاندانی غیرت، عصبیت، حمیت اور جناب ابوطالب کی اطاعت کرتے ہوئے یہ مشقت برداشت کی۔ بنو عبدشمس اور بنو نوفل بھی اگرچہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے لیکن انہیں کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ یہ لوگ آپ ﷺ کے مخالفین میں سے تھے، بلکہ یہ تو خود آپ ﷺ کے خلاف جنگیں بھڑکاتے رہے اور دیگر قریش کو آپ ﷺ کو مخالفت پر اکساتے رہے، اسی لئے جناب ابوطالب نے اپنے قصیدۂ لامیہ میں ان کی بہت شدید مذمت کی ہے(3)۔ حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے بنی مطلب کو تو خمس خیبر میں سے عطا کیا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہم اور وہ (رشتہ داری کے لحاظ سے) آپ ﷺ کے نزدیک یکساں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں''(4)۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے نہ مجھے جاہلیت میں چھوڑا اور نہ اسلام میں(5)۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آپ ﷺ کے قرابت داروں میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں۔ اس لئے صدقہ کے بجائے خمس میں سے ان کا حصہ مقرر کر دیا۔ اور یہی رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں جن کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قرابت دار سب قریش ہیں۔ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذوی القربی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں لکھ بھیجا کہ ہم تو یہی خیال کرتے تھے کہ اس سے مراد ہم ہی ہیں لیکن ہماری قوم نے انکار کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام قریش ہیں۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے(6)۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے اعراض کر لیا کیونکہ خمس کا پانچواں حصہ تمہارے لئے کافی ہے۔''

یتٰمٰی سے مراد مسلمانوں کے یتیم بچے ہیں۔ علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا صرف فقراء یتیم اس کے حقدار ہیں یا غنی اور فقیر سب یتیم؟ دونوں قول ہیں۔

مسٰکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی کچھ نہ ہو۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 6-7 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 6

3۔ دیکھئے قصیدہ لامیہ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 277-278 | 4۔ صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 197

5۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 533، سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 130-131

6۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1445، سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 146، سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 128-129

ابن السبیل سے مراد ایسا مسافر ہے جو اتنی مسافت کا سفر کر چکا ہو جس میں قصر صلوٰۃ کرنا جائز ہو اور اس کے پاس زادِ سفر نہ ہو۔ سورۂ برأت میں آیت صدقات کی تفسیر میں اس کا بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی مال غنیمت میں سے خمس الگ کر کے حکم الٰہی کی اطاعت کرو اگر تم اللہ، یوم آخرت اور رسول کریم ﷺ پر اتارے گئے احکامات پر ایمان رکھتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: ''میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا......''(1)۔ آپ ﷺ نے خمس کو بھی ایمان میں شامل کیا۔ امام بخاری نے ''اَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِيْمَانِ'' (خمس کی ادائیگی ایمان کا جزء ہے) کے تحت ایک باب باندھا ہے اور وہاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے ہم نے شرح بخاری میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ...... یعنی بدر کے دن جو حکم ہم نے تقسیم غنیمت کے متعلق اپنے محبوب بندے پر اتارا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعام اور احسان سے آگاہ فرما رہا ہے کہ بدر کے دن اس نے مسلمانوں کو ایسا غلبہ عطا فرمایا کہ حق و باطل الگ الگ ہو گئے۔ اسلام اور کفر میں فرق واضح ہو گیا اس لئے اسے یوم فرقان کہتے ہیں کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے کلمہ ایمان کو کلمہ کفر پر برتری عطا فرمائی، اپنے دین کو غلبہ اور بالادستی عطا فرمائی اور اپنے نبی اور اپنی جماعت کو تائید و نصرت سے نوازا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوم الفرقان سے یوم بدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا(2)۔ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ مشرکین عتبہ بن ربیعہ کے زیر قیادت تھے۔ جمعہ کے دن سترہ یا انیس رمضان المبارک کو یہ معرکہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر تھی جبکہ مشرکین نو سو اور ہزار کے بین بین تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کو شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ ان کے ستر سے زائد سورماؤں کو قتل کر دیا گیا اور اتنی مقدار میں ہی قیدی بنا لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لیلۃ القدر کو انیسویں رات میں تلاش کرو کیونکہ اس کی صبح کو معرکۂ بدر پیش آیا تھا(3)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیلۃ الفرقان کو جب دونوں لشکر باہم برسرِ پیکار ہوئے تھے رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی اور یہ جمعہ کی رات تھی۔ اہل مغازی اور اہل سیر کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ یزید بن ابی حبیب جو اپنے زمانے کے امام دیار مصریہ تھے کہتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے اس کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول بہر حال مقدم ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۴۲﴾

''جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارہ پر تھا اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 20، صحیح مسلم، کتاب الایمان 47-48
2۔ مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 23
3۔ مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 20

تھا تم سے اور اگر تم لڑائی کے لئے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لئے تھی)
تا کہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تا کہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے
دلیل سے اور بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ یوم فرقان کے متعلق فرما رہا ہے کہ جب تم وادیٔ بدر میں مدینہ کی طرف قریب والے کنارے پر ٹھہرے تھے اور مشرکین مکہ کی طرف مدینہ سے دور والے کنارے پر ٹھہرے تھے اور ابوسفیان اپنے قافلہ سمیت سمندر کی طرف سے نیچے جا رہا تھا۔ اگر تم اور مشرکین پہلے جنگ کا پروگرام بناتے تو یقیناً جگہ اور وقت کے متعلق اختلاف پڑ جاتا۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم آپس میں طے شدہ پروگرام کے مطابق جنگ کے لئے تیار ہوئے ہوتے اور پھر تمہیں ان کی کثرت تعداد اور اپنی قلت اور بے سروسامانی کا علم ہو جاتا تو تم اختلاف کا شکار ہو جاتے اور تم ہمت ہار بیٹھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے بلا ارادہ دونوں لشکروں کے درمیان مقابلہ کروا دیا تا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت بخشنے اور شرک اور اہل شرک کو ذلیل کرنے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ تکمیل پذیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور لطف سے اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا (1)۔ حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پروگرام کے دونوں لشکروں میں مڈ بھیڑ کروا دی (2)۔ ابوسفیان اپنے قافلہ کے ساتھ شام سے لوٹا۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں کو لیکر اس قافلہ کی مدافعت کے لئے نکالا۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان میدان کارزار گرم ہو گیا، حالانکہ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا اس وقت علم ہوا جب فریقین کے پانی لانے والے لوگ پانی پر اکٹھے ہوئے۔ سیرت محمد بن اسحاق میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدھے اپنے ارادہ سے جا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ صفراء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کے متعلق معلومات لانے کے لئے روانہ کیا۔ یہ دونوں مقام بدر پر پہنچے وہاں بطحاء کے ایک ٹیلہ کے ساتھ اپنے اونٹ بٹھا دیئے اور اپنا مشکیزہ بھرنے کے لئے پانی کی تلاش میں نکلے۔ اسی اثناء میں انہوں نے دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے سنا، ایک دوسری سے کہہ رہی تھی کہ میرا قرض واپس کرو۔ اس نے جواب دیا کہ کل پرسوں تک قافلہ واپس آنے والا ہے۔ جب قافلہ آ جائے گا تو میں تمہارا حساب بے باق کر دوں گی۔ مجدی بن عمرو بیچ میں کہنے لگا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ یہ سن کر دونوں حضرات اپنی اپنی سواری پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ ان دونوں حضرات کے واپس ہو جانے کے بعد ابوسفیان اکیلا قافلہ سے آگے آگے یہاں پہنچا اور مجدی بن عمرو سے پوچھنے لگا کہ کیا اس چشمہ پر کوئی مشکوک آدمی تم نے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں۔ البتہ دو سوار آئے تھے جنہوں نے اپنی سواریوں کو اس ٹیلے کے پاس بٹھا دیا، پھر چشمہ سے پانی بھر کر واپس روانہ ہو گئے۔ ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنی سواریاں بٹھائی تھیں۔ وہاں مینگنیاں اٹھائیں اور انہیں توڑ کر دیکھا تو ان میں گٹھلیاں تھیں۔ کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ یثرب کے لوگ تھے۔ پھر وہ جلدی سے واپس لوٹا اور اپنے قافلہ کا رخ ساحل سمندر کی طرف کر دیا اور رستہ بدل کر سمندر کے کنارے کنارے سفر کرنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ قافلہ اب محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے ایک قاصد کے ذریعے قریشیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قافلہ، اموال اور آدمیوں کو بچا لیا ہے اس لئے تم واپس لوٹ جاؤ۔ لیکن ابوجہل نے یہ بات ان سنی کر دی اور کہنے لگا کہ ہم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 672 تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 11 — 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 92

واپس نہیں جائیں گے بلکہ میدان بدر میں پہنچ کر اپنے ڈیرے جمائیں گے۔ بدر میں اس وقت ایک بازار لگا کرتا تھا۔ وہاں ہم تین دن قیام کریں گے، کھائیں پئیں گے، اونٹ ذبح کریں گے، شراب کے جام لنڈھائیں گے اور مغنیہ لونڈیوں کے دلربا گیت سنیں گے، اس طرح سارے عرب میں ہماری دھوم مچ جائے گی، ہر ایک پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے لرزہ براندام رہیں گے۔ اخنس بن شریق نے کہا: اے گروہ بنو زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال محفوظ کر دیئے ہیں اور تمہارے ساتھی کو بچا لیا ہے اس لئے واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ بنو زہرہ کے افراد واپس لوٹ آئے۔ نہ انہوں نے جنگ میں شرکت کی اور نہ بنو عدی نے (1)۔ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرات علی، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور چند دیگر صحابہ کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ قریش کے لئے پانی لانے والے دو غلام ان کے ہاتھ لگ گئے۔ ایک بنو سعید بن العاص کا تھا اور دوسرا بنو الحجاج کا۔ یہ حضرات ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے۔ جب واپس پہنچے تو حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ صحابہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم قریش کے سقے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا ہے۔ صحابہ سمجھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اس لئے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ آخر کار انہوں نے خوفزدہ ہو کر کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں، اس پر ان کی جان چھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت مکمل کر کے سلام پھیر دیا اور فرمایا: ''جب انہوں نے تمہارے ساتھ سچ بولا تو تم انہیں پیٹنے لگے اور جب جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ بولا ہے اور یہ قریش کے آدمی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بتاؤ، قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ وادیٔ قصویٰ پر اس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ان کی تعداد کتنی ہے؟ کہنے لگے: بہت زیادہ۔ پھر پوچھا: بتاؤ ان کی تیاری اور تعداد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا پھر یہ بتاؤ کہ وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ رؤسائے قریش میں سے کون کون ان میں شامل ہے؟ انہوں نے بتایا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''هٰذِهٖ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا'' (یہ لو مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں) (2)۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے عریش (چھپر) نہ بنا دیں۔ آپ ﷺ وہاں تشریف فرما رہیں اور ہم وہاں آپ ﷺ کے پاس اپنی سواریاں بٹھا کر میدان کارزار میں کود جائیں۔ کل جب مقابلہ ہوگا تو اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ اور عزت عطا فرمائی تو بہت بہتر ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ اور اگر کوئی دوسری صورت حال ہوئی تو آپ ان سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ شریف ہمارے لواحقین کے پاس تشریف لے جائیں۔ اللہ کی قسم! ان میں سے کوئی بھی آپ کی تائید و نصرت میں پس و پیش نہیں کرے گا، وہ ہم سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ ہونے والی ہے تو کوئی بھی ان میں سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے نہ رہتا بلکہ آپ انہیں ہر خدمت کے لئے کمر بستہ پاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا اور آپ ﷺ کے لئے عریش تیار کر دیا گیا جہاں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اور کوئی تیسرا شخص نہ تھا (3)۔ جب صبح کے وقت قریش کا لشکر ٹیلے کے پیچھے نمودار ہوتا ہوا دکھائی دیا تو آپ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 617-619 2۔ ایضاً 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 620-621

ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی عرض یوں پیش کی: "اے اللہ! یہ قریش اپنے فخر وغرور اور نخوت وتکبر کے ساتھ تیرے ساتھ جنگ کرنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آئے ہیں، یا اللہ! آج انہیں ذلیل ورسوا کر دے"(1)۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ...... محمد بن اسحاق اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں: تا کہ جس نے کفر کرنا ہے وہ آیات بینات اور دلیل ملاحظہ کرنے کے بعد کفر کرے اور اسی طرح جسے ایمان لانا ہے وہ حجت کے بعد ایمان لائے(2)۔ یہ عمدہ تفسیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے تمہیں دشمنوں کے خلاف بھڑا دیا تا کہ وہ ان کے خلاف تمہاری مدد کرے اور کلمہ حق کو باطل پر بالا دستی اور رفعت عطا فرمائے تا کہ معاملہ واضح ہو جائے اور حجت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے اور کسی کے لئے کوئی حجت یا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اب جو ہلاک ہونا چاہتا ہے وہ معاملہ کے واضح ہو جانے اور حجت کے عیاں ہو جانے کے بعد ہوگا، اسی طرح جو ایمان لانا چاہتا ہے اور زندہ رہنا چاہتا ہے اس پر بھی حجت مخفی نہیں۔ یہاں حیاۃ کا معنی ایمان ہے کیونکہ ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام:122) "کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان"۔ واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر جس نے ہلاک ہونا تھا ہو گیا(3)۔ یعنی بہتان باندھا اور جھوٹی تہمت لگائی۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری دعا، خشوع وخضوع اور فریاد کو سننے والا ہے اور تمہارے بارے میں خوب علم رکھتا ہے کہ تم اپنے کافر اور ہٹ دھرم دشمن کے خلاف فتح ونصرت کے مستحق ہو۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤٣﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾

"یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار خواب میں قلیل۔ اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کثیر تعداد میں تو ضرور تم لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچالیا بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں تا کہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو لشکر کفار قلیل تعداد میں دکھایا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے اس چیز کا ذکر کیا تو یہ خبر ان کے لئے ثابت قدمی اور اطمینان کا باعث بنی(4)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ان آنکھوں سے انہیں قلت میں دیکھا جن سے آپ سوتے تھے۔ لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صراحۃً لفظ منام مذکور ہے اس لئے بغیر دلیل کے تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ لشکر کفار کو کثرت میں دکھاتا تو تم ہمت ہار بیٹھتے، بزدلی کا شکار ہو جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی قلیل تعداد دکھا کر تمہیں اس سے بچالیا، بلا شبہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور سینے کے راز خوب جانتا ہے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 621
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 672-673
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 452، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2131 وغیرہ
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 12

وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ...... یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مومنین پر لطف و کرم تھا کہ اس نے بوقت جنگ بھی مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی تاکہ وہ کفار پر پوری جرأت اور مردانگی سے حملہ آور ہو جائیں اور کسی تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کفار ہماری نظروں میں اس قدر کم دکھائی دیتے تھے کہ میں نے ان کا حساب لگا کر اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ ان کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ ان کی تعداد سو ہے، پھر ہم نے ان کے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے کفار کی تعداد کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہماری تعداد ایک ہزار تھی (1)۔

وَ یُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی نظروں میں بھی مسلمانوں کو قلیل کر کے دکھایا تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نہ جائیں۔ گویا ہر ایک فریق کو قلیل مقدار میں دکھا کر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ پر برانگیختہ کیا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی فتح کے یقین میں برسر پیکار ہو گئے۔

لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا مقصد یہ تھا تاکہ اللہ وہ کام کر دکھائے جسے ہر حال میں ہو کر رہنا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اس جنگ کے ذریعے کفار کو عذاب سے دوچار کرے اور مومنین کو اپنے انعام واحسان سے سرفراز کرے (2)۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور حکمت سے ہر فریق کو دوسرے پر اکساتا رہا اور لڑائی سے پہلے دونوں فریق ایک دوسرے کو قلیل مقدار میں دیکھتے رہے۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مومنین کی مدد کی جس کی وجہ سے کافروں کو مسلمان اپنی تعداد سے دوگنا نظر آنے لگے جیسا کہ فرمایا: قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ اُخۡرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَیۡهِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ (آل عمران: 13) ”بے شک تھا تمہارے لئے (عبرت کا) نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دوچند (اپنی) آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے“۔ تو یہ ہے دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق۔ ان میں سے ہر ایک حق اور سچ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَ اذۡکُرُوا اللّٰهَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ وَ اصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۴۶﴾

”اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی۔ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو لڑائی کے آداب، تدابیر اور دشمن کے مقابلہ کے وقت شجاعت و مردانگی کی تعلیم دے رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوے میں سورج ڈھلنے کے بعد رسول خدا ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ”اے لوگو! دشمن سے لڑائی کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہا کرو۔ لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ڈٹ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 13 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 14، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 673

جاؤ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ہی یہ دعا مانگی: "اے اللہ، کتاب نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کرنے والے! انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر اپنی نصرت عطا فرما" (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔ لیکن جب دشمن سے سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو۔ اگر وہ شور و غل مچائیں اور چیخنا چلانا شروع کر دیں تو تم خاموشی اختیار کر لو" (2)۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تین مواقع پر خاموشی کو پسند فرماتا ہے: تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازہ کے وقت" (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "میرا کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی میرا ذکر کرتا رہے" (4)۔ یعنی اس نازک وقت میں بھی وہ میرے ذکر، دعا اور استعانت کو ترک نہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی مصروف ترین گھڑی میں بھی اپنا ذکر فرض کیا ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ لڑائی کے وقت خاموش رہنا اور اللہ کا ذکر کرنا واجب ہے پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ بلند آواز سے ذکر کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قراءت قرآن اور اپنے ذکر سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ لوگوں کو نماز اور قتال میں اس کا حکم نہ دیتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے قتال کے وقت بھی لوگوں کو ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً...... شاعر کہتا ہے: اے میری محبوبہ! میں نے اس وقت (میدان جنگ میں) تجھے یاد کیا جب خطی نیزے حرکت میں تھے اور گندم گوں نیزے ہمارے خون سے سیراب ہو رہے تھے (5)۔ اسی طرح عنترہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے اس وقت یاد کیا جب نیزے ہمارے خون پی چکے تھے اور ہندی تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا تھا (6)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دشمن سے نبرد آزما ہوتے وقت ثابت قدم رہنے، ڈٹ جانے اور صبر کرنے کا حکم دیا۔ نہ وہ ہمت ہاریں، نہ بزدلی دکھائیں اور نہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں بلکہ ثابت قدم رہ کر اس نازک وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی سے فتح و نصرت کا سوال کریں اور اپنی اس حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے بجا لائیں، جس چیز سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کریں اور آپس میں جھگڑنے اور اختلافات سے احتراز کریں ورنہ وہ کم ہمت ہو جائیں گے، ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، قوت کمزور پڑ جائے گی، وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی اور زوال شروع ہو جائے گا۔ اس لئے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین فرمائی اور ساتھ یہ بھی مژدہ سنا دیا کہ وہ صابرین کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام نے شجاعت، پامردی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی ایسی ایسی مثالیں قائم کی ہیں اور ایسے ایسے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں جن کی نظیر نہ پہلی امتوں میں ملتی ہے اور نہ بعد میں۔ یہ رسول کریم ﷺ کی برکت اور ان کی اطاعت کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے قلیل مدت میں باوجود قلت تعداد اور قلت اسباب کے نہ صرف مشرق و مغرب کے ممالک کو فتح کیا بلکہ ان لوگوں کی اقلیم دل کے بھی فرمانروا بن گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان نفوس قدسیہ نے رومیوں، ایرانیوں، ترکیوں، بربریوں، حبشیوں، قبطیوں اور دیگر بہت سی اقوام کو مغلوب کر کے اللہ کا کلمہ بلند کر دیا، اس کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دے دیا اور تیس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 92، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1362
2۔ سنن دارمی، کتاب السیر، جلد 2 صفحہ 135
3۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 213
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 82
5۔ شرح المفصل، جلد 2 صفحہ 67
6۔ دیوان عنترۃ: 150

سال سے بھی کم مدت میں سلطنت اسلامیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔ رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر بھی اس پاک جماعت کے ساتھ کرے۔ وہ کریم اور وہاب ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾

اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے۔ اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے۔ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو لڑائی میں اخلاص اور کثرت ذکر کا حکم فرمانے کے بعد اب انہیں ان مشرکین کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرما رہا ہے جو حق کو مٹانے کے لئے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لئے گھروں سے نکلے تھے جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا جب اسے یہ کہا گیا کہ قافلہ تو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے اس لئے واپس چلنا چاہئے تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو ضرور بدر کے چشمہ پر جا کر ٹھہریں گے، جانور ذبح کر کے گوشت کھائیں گے، شراب کا دور چلے گا اور گیت سنیں گے اس طرح پورے عرب پر ہمیشہ کے لئے ہمارا رعب و دبدبہ چھا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کے سارے ارمان دھرے کے دھرے رہ گئے، ان کی تدبیر الٹ ہو گئی اور ان کی بزم عیش و طرب مکدر ہو گئی۔ یہاں ہی وہ قتل ہو کر گرے اور اسی جگہ گڑھے میں ان سب کو پھینک دیا گیا۔ یہاں بھی ذلت و رسوائی اور بدبختی سے دوچار ہوئے اور آخرت میں تو ان کے لئے ابدی عذاب کا پہلے ہی وعدہ ہو چکا ہے۔ اسی لئے فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ یعنی جو مقصد وہ لیکر آئے تھے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اسی لئے تو انہیں بدترین سزا دی۔ آیت کریمہ میں جن کی مشابہت نہ اختیار کرنے کا حکم ہوا ہے یہ وہ مشرکین ہیں جنہوں نے بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں جنگ لڑی۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ قریش مکہ سے بدر کی طرف مغنیہ دوشیزاؤں اور آلات طرب کے ساتھ نکلے تو اس وقت یہ آیت وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ...... نازل ہوئی۔

وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ...... جس غرض کے لئے مشرکین آئے تھے اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اسے شیطان نے ان کی نگاہوں میں نہایت حسین انداز میں پیش کیا اور انہیں یہ لالچ دلایا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور انہیں یہ جو دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ کہیں ان کی عدم موجودگی میں ان کے دشمن بنوبکر مکہ پر حلہ نہ بول دیں اس خدشہ کو ابلیس نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ میں تمہارا نگہبان ہوں، تم بے فکر رہو۔ یہ ساری باتیں ابلیس نے سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت اختیار کر کے کہیں جو بنومدلج کا سردار اور اپنے علاقہ کا رئیس تھا۔ شیطان اس طرح کے جو جھوٹے جال تیار کر کے اور سنہری سپنے دکھا کر لوگوں کو پھنساتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ۗ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء:120)۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بدر کے روز ابلیس اپنا جھنڈا اور لاؤ لشکر لیکر مشرکین کے ساتھ شامل ہو گیا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ آج کوئی بھی تمہیں مغلوب نہیں کر سکتا اور میں تمہارا حامی و ناصر ہوں۔ جب دونوں لشکر لڑنے لگے اور شیطان کی نظر ملائکہ پر پڑی تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ...... ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ابلیس بنومدلج کے ایک شخص کا روپ دھار کر آیا اور اپنے ساتھی شیاطین کو بھی لے آیا اور مشرکین سے کہنے لگا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جب میدان بدر میں صف بندی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی لیکر کفار کے چہروں پر پھینکی، اس سے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ ادھر جبرئیل شیطان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت شیطان کا ہاتھ کسی مشرک کے ہاتھ میں تھا، جب شیطان نے جبرئیل علیہ السلام کو آتے ہوئے دیکھا تو اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنے لشکر سمیت دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے سراقہ! تم تو ہمارے حمایتی ہونے کے دعویدار تھے؟ اس نے جواب دیا: اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ فرشتوں کو دیکھ کر وہ بھاگا اور اس وقت یہ بات کہی(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا تو حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا، اس نے اس کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے لوگوں نے اسے کہا: اے سراقہ! اس حال میں تم ہمیں چھوڑے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا:

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ پر ایک گھڑی کے لئے بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کیفیت کے دور ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خوشخبری دی کہ جبرئیل امین اپنا نورانی لشکر لیکر میمنہ میں شامل ہو گئے ہیں، میکائل اپنے لشکر سمیت میسرہ میں اور اسرافیل ایک اور ہزار کے لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کے روپ میں کفار کی پیٹھ ٹھونک رہا تھا اور انہیں بتا رہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا۔ جب اس لعین نے ملائکہ کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ حارث بن ہشام نے اسے سراقہ سمجھ کر پکڑ لیا۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر زور کا گھونسہ رسید کیا جس سے حارث گر پڑا۔ ابلیس دم دبا کر بھاگ نکلا یہاں تک کہ سمندر میں گر گیا۔ وہاں اپنا کپڑا بلند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے لگا کہ اے پروردگار! میں تجھے وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کر رکھا ہے(2)۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے مکہ سے نکلنے کا عزم مصمم کر لیا تو انہیں یاد آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے دشمن بنوبکر ان کی عدم موجودگی میں مکہ پر حلہ بول دیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال انہیں اپنے عزم سے باز رکھتا کہ اسی اثناء میں ابلیس سراقہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19　　2۔ کتاب المغازی از امام واقدی 71، معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 47-48

بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں نمودار ہوا۔ سراقہ بنو کنانہ کے شرفاء میں سے تھا، اور کہنے لگا کہ اس بات کا میں ذمہ دار ہوں کہ بنو کنانہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکل پڑے(1)۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابلیس انہیں ہر منزل پر سراقہ کی شکل میں دکھائی دیتا اور انہیں ذرا سا بھی شک نہ گزرتا۔ بدر کے دن جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو یہ ملعون فرشتوں کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تو کہنے لگا کہ کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ شیطان انہیں بے یار و مددگار موت کے منہ میں دھکیل کر فرار ہو گیا۔ اور کہنے لگا: اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکُمۡ......(2)۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابلیس نے جبرئیل امین کو دیگر ملائکہ کے ساتھ اترتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان کے مقابلہ کی کوئی تاب نہیں لا سکتا اور بھاگتے ہوئے کہنے لگا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ سکتے اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یہ خوف خدا والی اس کی بات جھوٹی تھی۔ خدا کا خوف تو اسے تھا ہی نہیں بلکہ اسے معلوم تھا کہ وہ مقابلہ کی طاقت وقوت ہی نہیں رکھتا۔ اس دشمن خدا کی یہی عادت ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو جھوٹی آرزوؤں کے سہارے حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتا ہے، جب اس کے چیلے اس کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں اور حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہو جاتی ہے تو یہ اپنے چیلوں کو میدان جنگ میں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے(3)۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: کَمَثَلِ الشَّیۡطٰنِ اِذۡ قَالَ لِلۡاِنۡسَانِ اکۡفُرۡ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الحشر:16) ''منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے''۔ وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمۡ وَعۡدَ الۡحَقِّ وَ وَعَدۡتُّکُمۡ فَاَخۡلَفۡتُکُمۡ ؕ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَ لُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (ابراہیم:22) ''اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اب تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری بینائی درست ہوتی تو میں تمہیں اس گھاٹی کے بارے میں بتاتا جہاں سے ملائکہ نکلے تھے، مجھے اس بارے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں(4)۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ ثابت قدم رکھنے کی یہ صورت تھی کہ ایک فرشتہ ایک مسلمان کے پاس اس کی جانی پہچانی شکل میں آتا اور کہتا کہ خوش ہو جاؤ، یہ کفار کوئی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اس لئے بے جگری سے لڑو اور سخت حملہ کر دو۔ ابلیس جو سراقہ کی شکل میں کفار کے ساتھ شریک جنگ ہوا تھا، ملائکہ کو دیکھتے ہی الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا: اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکُمۡ......۔ ابو جہل گھوم پھر کر اپنے لشکر کے حوصلے بڑھا رہا تھا اور انہیں زور دار جنگ پر اکسا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ سراقہ نے تو مومنین کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی، وہ چھوڑ کر چلا گیا تو کیا ہوا۔ اس کے فرار سے خوفزدہ نہ ہو اور نہ دل چھوٹا

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19 — 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 663

3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19 — 4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 633

کرو۔ پھر لات وعزیٰ کی قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں میں جکڑ کر اور گرفتار کئے بغیر نہیں لوٹیں گے، اس لئے تم انہیں قتل نہ کرو بلکہ گرفتار کرو۔ ابوجہل کا یہ فریب ایسے ہی تھا جیسا کہ جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون نے اپنی قوم کو دیا تھا: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (الاعراف:123) ''بیشک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو''، اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ:71) ''وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کافن)''۔ یہ محض اس کا بہتان اور جھوٹا الزام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوجہل اس امت کا فرعون ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن حقیر، ذلیل، گھٹیا، درماندہ اور غضبناک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس دن عام رحمت اور گناہوں سے معافی اترتے دیکھتا ہے سوائے یوم بدر کے (کہ اس دن اس کی ذلت ورسوائی اس سے بھی زیادہ تھی)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یوم بدر کو کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے ملائکہ کو جو جبرئیل کی زیر قیادت اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا'' (1)۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ...... اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسلمانوں کو مشرکین کی نگاہوں میں قلیل کر دکھایا اور اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی نظروں میں کم کر دیا۔ تو مشرکین کہنے لگے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور اور فریب خوردہ بنا دیا ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو ضرور شکست دیں گے، اس میں انہیں ذرا بھی شک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان مٹھی بھر مسلمانوں کو حکم الٰہی پر سختی سے کاربند دیکھا۔ ابوجہل نے جب لشکر اسلام پر نظر ڈالی تو بڑے فخر اور نخوت سے کہنے لگا کہ آج کے بعد اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا(2)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین کا طعنہ دینے والے منافقین تھے جو مکہ میں رہتے تھے اور بدر کے دن انہوں نے یہ بات کہی۔ عامر شعبی کہتے ہیں کہ یہ مکہ کے کچھ افراد تھے جنہوں نے زبانی زبانی اسلام قبول کر رکھا تھا لیکن بدر کے دن مشرکین کے ساتھ نکلے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو کہنے لگے: غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ قریش کا ایک گروہ تھا جو قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ، حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج پر مشتمل تھا۔ قریش کے ساتھ مکہ سے نکلے تو شک اور تذبذب کا شکار تھے، لیکن جب انہوں نے اصحاب رسول ﷺ کی قلت کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، اسی لئے تو یہ بے سروسامانی کے عالم میں اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کا خطرہ مول لے رہے ہیں(3)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے لوگ تھے جو معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اس لئے انہیں منافقین کا نام دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا اقرار کیا ہوا تھا اور یہ مکہ میں مقیم تھے۔ بدر کے دن مشرکین کی معیت میں نکلے، جب مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو یہ بات کہنے لگے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ غالب اور عظیم قدرت کا مالک ہے جو اس کی پناہ لے لے اس پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور وہ اپنے افعال میں حکیم بھی ہے، وہ ان افعال کو اپنے اپنے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ جو مستحق نصرت ہو اس کی مدد فرماتا ہے اور جو ذلت ورسوائی کا اہل ہو اسے اس سے دوچار کر دیتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

1۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، جلد 1 صفحہ 422 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 21 — 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 641

عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾

"اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ اور (کہتے ہیں) چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اگر آپ موت کے وقت کفار کی حالت دیکھتے تو آپ کو ان کی بہت زیادہ ہولناک، قبیح اور بری حالت دکھائی دیتی، جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو وہ اس وقت ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ اپنی بداعمالیوں کے باعث دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکین اپنے چہرے مسلمانوں کی طرف کرتے تو وہ تلواروں کے ساتھ ان پر حملہ کرتے اور اگر وہ پیٹھ پھیرتے تو فرشتے ان کی پشتوں پر مارتے ہوئے انہیں دبوچ لیتے۔ کچھ دیگر حضرات بھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی بدر کا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے ابوجہل کی پشت پر کانٹوں کے سے نشانات دیکھے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "یہ فرشتوں کی ضرب کے نشانات ہیں"(1)۔ اگرچہ سیاق کلام تو اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کا ہے لیکن دراصل یہ ہر کافر کے حق میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اہل بدر کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی...... سورۂ قتال میں بھی اسی بات کا ذکر ہے(2)۔ اور سورۂ انعام میں یہ فرمان بھی گزرا ہے: وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (الانعام:93) "کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو"۔ یعنی جب ان کفار کی روحیں عذاب اور غضب الٰہی کو دیکھ کر جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہیں تو فرشتے جبراً ان روحوں کو نکالنے کے لئے اپنے رب کے حکم سے ان کفار پر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ جب ملک الموت حالت نزع میں کافر کے پاس بھیانک صورت میں آتے ہیں تو کہتے ہیں: اے خبیث روح! گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی اور گرم سائے کی طرف نکل جا۔ لیکن اس کی روح بدن میں بکھر جاتی ہے تو فرشتے اس کے جسم سے روح کو اس طرح شدت کے ساتھ نکالتے ہیں جس طرح بھیگی ہوئی روئی سے سیخ کو نکالا جاتا ہے۔(3) اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے انہیں عذاب حریق کی خوشخبری دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ...... یعنی یہ سزا دنیاوی زندگی میں تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو عادل حاکم ہے، ظالم نہیں۔ وہ منزہ، برتر، غنی اور حمید ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر دیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ اس لئے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں۔ جو شخص بھلائی پائے تو وہ اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے"(4)۔ اسی لئے فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 22
2۔ دیکھئے سورۂ محمد: 27
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 288-296
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر 1994-1995

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

’’جیسے دستور تھا فرعونیوں کا۔ اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے کفر کیا آیات الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث، بےشک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ کی رسالت کو جھٹلانے والوں کے ساتھ بھی ہم نے وہی سلوک روا رکھا جو ان سے پہلے نافرمان اور جھٹلانے والی قوموں کے ساتھ رکھا تھا۔ اس قماش کے لوگوں کے بارے میں ہمارا یہ قانون اور سنت ہے کہ ہم انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیتے ہیں۔ فرعونیوں اور ان سے پہلی امتوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور آیات الٰہی کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں اور سیاہ کاریوں کے سبب سے ہلاک کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ قوت والا اور شدید عتاب دینے والا ہے۔ نہ اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے اور نہ بھاگ کر جان چھڑا سکتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

’’یہ اس لئے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (کفار مکہ کا طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو پس ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو اور (وہ) سب کے سب ظالم تھے‘‘۔

اللہ تعالیٰ اپنے ہر حکم میں عادل اور منصف ہے۔ جب تک بندہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے وہ اسے دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد:11) ’’بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے۔ اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددکرنے والا ہوتا ہے‘‘۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ... جیسا کہ فرعونیوں اور ان جیسے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا جب انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور وہ تمام کی تمام نعمتیں ان سے چھین لیں جو باغات، چشموں، کھیتوں، خزانوں اور محلات کی شکل میں انہیں عطا فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ ظلم تو انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے اوپر کیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ

مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾

''بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے۔ پس اگر آپ پائیں انہیں (میدان) جنگ میں تو (انہیں عبرتناک سزا دے کر) منتشر کر دو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں''۔

زمین پر چلنے والے جانداروں میں سے بدترین وہ کافر ہیں جو ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ایسے نابکار ہیں کہ جب بھی عہد کرتے ہیں توڑ دیتے ہیں اور جب بھی اپنے عہد و پیمان کی قسموں کے ساتھ پختہ کرتے ہیں دغابازی کر جاتے ہیں اور اس عہد شکنی اور دوسرے گناہوں میں انہیں خوف خدا ہے ہی نہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ جب آپ لڑائی میں ان پر غلبہ پالیں تو انہیں ایسی عبرتناک سزا دیں کہ ان کے پچھلوں کا بھی زہرہ آب ہو جائے، اور وہ بھی خوفزدہ ہو کر ایسے کرتوت کرنے سے باز آجائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

''اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر کسی قوم کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا ہو اور آپ کو ان کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی کا اندیشہ ہو تو آپ واضح طور پر معاہدہ ان کے منہ پر دے ماریں اور انہیں اس کی اطلاع کر دیں تاکہ فریقین کو برابر برابر یہ علم ہو جائے کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ ولید بن مسلم اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ کچھ مدت پہلے ہی انہیں معاہدہ کی منسوخی کی اطلاع دے دو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اگرچہ وہ کفار کے ساتھ ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یہ چیز پسند نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شاہ روم کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے کچھ دن پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر لیکر ارض روم کی طرف روانہ ہونے لگے تاکہ جونہی صلح نامہ کی مدت ختم ہو، ان پر حملہ کر دیا جائے تو ایک بزرگ اپنی سواری پر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، وعدہ ایفاء کرو، عہد شکنی نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب کسی کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو وہ نہ گرہ کھولے اور نہ باندھے جب تک معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا جب تک واضح طور پر معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے۔'' یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور لشکر سمیت واپس لوٹ آئے(1)۔ حدیث یاد دلانے والے بزرگ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کسی شہر کے قلعہ کے پاس پہنچے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ پہلے مجھے شہر والوں کو دعوت اسلام دینے دیجئے جس طرح رسول اللہ ﷺ دعوت دیا کرتے تھے۔ پھر آپ شہر والوں سے فرمانے لگے کہ میں بھی تمہی میں ایک شخص تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔ اگر تم بھی اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ اگر تم انکار کرو تو تمہیں ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر اسے بھی منظور نہ کرو تو ہم عدم معاہدہ میں یکساں ہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ تین دن آپ متواتر انہیں یہ دعوت دیتے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 111، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 83 وغیرہ

رہے۔ چوتھے دن صبح کے وقت حملہ کر کے نصرت الٰہی سے شہر فتح کر لیا(1)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

''اور ہرگز نہ خیال کریں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور تیار رکھو ان کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تا کہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انہیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انہیں اور جو چیز خرچ کرو گے راہ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں اور ہم انہیں پکڑنے پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ ہمہ وقت ہمارے قبضہ وقدرت میں ہیں، وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (العنکبوت:4) ''کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں''۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (النور:57) ''یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے''۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران:96-197) ''(اے سننے والے!) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لئے ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرانے کی جگہ ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے حسب استطاعت و طاقت آلات حرب کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ......۔ مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور قوت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ'' (سن لو، قوت رمی میں ہے) دو بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیر اندازی کرو اور گھوڑ سواری کرو۔ تیر اندازی گھوڑ سواری سے بہتر ہے''(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے مالک تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں: ایک آدمی کے لئے یہ گھوڑے اجر و ثواب کا باعث بنتے ہیں، ایک آدمی کے لئے نہ مفید نہ نقصان دہ اور ایک آدمی کے لئے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ جس شخص کو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے وہ وہ شخص ہے جو جہاد کی نیت سے گھوڑوں کی پرورش کرے اور انہیں مرغزار یا باغ میں چرائے۔ یہ گھوڑے جو بھی چریں گے اس کے بدلے میں اسے نیکیاں حاصل ہوں گی اور اگر وہ رسی توڑ کر کہیں چڑھ جائیں تو ان کے نشانات قدم اور لید پر بھی نیکیاں ملتی ہیں۔ اگر وہ گھوڑے کسی نہر کے پاس سے گزرتے ہوئے پانی پی لیں حالانکہ مالک کا ارادہ پانی پلانے کا نہیں تھا تو اس پر بھی اسے نیکیاں حاصل ہوں گی۔ تو یہ ایسا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 440 2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1522، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 14 وغیرہ

3۔ سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 13، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 243

شخص ہے جسے گھوڑوں کی پرورش پر اجر وثواب ملتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے گھوڑے اسے نیت سے پالے تا کہ وہ دوسروں سے بے نیاز ہو جائے اور یہ شخص ان کی گردنوں اور پیٹھوں میں اللہ تعالیٰ کا حق نہ بھولا تو یہ گھوڑے اس کے لئے پردہ ہوں گے (نہ ثواب نہ گناہ)۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے گھوڑے فخر وریاء اور مقابلہ بازی کے لئے رکھے تو یہ اس کے لئے وبال اور عذاب کا موجب ہوں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے متعلق کوئی خاص حکم مجھ پر نہیں اترا، البتہ یہ ایک جامع اور عام آیت ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (زلزال:8-7)(1) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے ہیں: رحمٰن کے، شیطان کے اور انسان کے۔ رحمانی گھوڑا وہ ہے جسے جہاد کے لئے پالا جائے۔ شیطانی گھوڑا وہ ہے جسے جوابازی اور شرطیں لگانے کے لئے رکھا جائے اور انسانی گھوڑا وہ ہے جسے کوئی انسان کسب معاش کے لئے رکھ لیتا ہے تو یہ گھوڑا فقر سے پردہ ہے''(2)۔ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ تیراندازی گھوڑسواری سے افضل ہے، امام مالک کا مسلک اس کے برعکس ہے لیکن حدیث شریف کے پیش نظر جمہور علماء کا مذہب قوی ہے، حضرت معاویہ بن خدیج ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ آپ اپنے ایک گھوڑے کے پاس کھڑے تھے۔ معاویہ پوچھنے لگے کہ آپ کا یہ گھوڑا آپ کی کیا خدمت بجالاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس گھوڑے کی دعا میرے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ پوچھا کہ ایک جانور کی کیا دعا ہوسکتی ہے؟ فرمایا: خدا کی قسم! ہر گھوڑا ہر صبح یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ مجھے عطا کیا ہے اور میرا رزق اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس لئے تو مجھے اس کے نزدیک اس کے اہل، مال اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب بنادے(3)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر عربی گھوڑے کو ہر فجر کے وقت دو دعاؤں کی اجازت ملتی ہے، وہ کہتا ہے کہ یااللہ! تو نے مجھے بنی آدم کے ایک فرد کے حوالے کیا ہے اس لئے مجھے اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال اور مال سے بھی زیادہ محبوب بنادے''(4)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر وبرکت بندھی ہوئی ہے اور ان کے مالک نصرت الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔ جس شخص نے جہاد کے لئے گھوڑا پالا اور اس پر خرچ کیا تو وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو ہر وقت اپنا ہاتھ پھیلائے صدقہ کرتا رہتا ہے، اپنے ہاتھ کو کسی وقت بھی نہیں سمیٹتا''(5)۔ اس قسم کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں خیر کی وضاحت بھی موجود ہے، فرمایا: ''قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر وابستہ ہے یعنی اجر اور غنیمت''(6)۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ...... تا کہ تم اپنی جنگی تیاریوں سے کفار اور دیگر ان دشمنوں کو خوفزدہ کر دو جو کھل کر سامنے نہیں آئے۔ تم انہیں نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق بخوبی علم ہے۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ سے مراد یا تو یہود بنو قریظہ ہیں یا اہل فارس یا جن وشیاطین۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں۔ ایک منکر حدیث میں آتا ہے: ''جس گھر میں عمدہ گھوڑا ہو وہ کبھی بدنصیب نہیں ہو سکتا''(7)۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ان سے مراد منافقین ہیں(8)۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبہ:101)'' اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 635، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 680-682 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 395
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 162
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 170، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 223
5۔ معجم کبیر، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 54-56
6۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 34
7۔ معجم کبیر، جلد 17 صفحہ 189
8۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 32

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے پکے ہوگئے ہیں نفاق میں تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں''۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... یعنی جو بھی تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک درہم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک ملے گا جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ: 261) ''مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ صرف مسلمانوں کو صدقات وخیرات دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... اتری تو آپ نے اس کے بعد ہر دین کے آدمی کو صدقہ دینے کا حکم دے دیا۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جایئے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ فکرمند کیوں ہوں) بیشک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اور اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں۔ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان، بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی قوم سے عہد شکنی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو واضح طور پر معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو اور اسے کالعدم قرار دے دو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ عہد شکنی کریں اور آمادہ جنگ ہو جائیں تو پھر پوری قوت سے ان کے ساتھ لڑائی کرو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور صلح کی اس پیشکش کو قبول کر لو۔ یہی وجہ ہے کہ جب حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے صلح کا مطالبہ کیا اور نو سال تک جنگ بندی کی پیشکش تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرما لیا حالانکہ ان مشرکین نے بڑی کڑی شرائط عائد کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب اختلاف یا کوئی اور امر رونما ہوگا، اگر ہو سکے تو صلح کر لینا''(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت بنوقریظہ کے بارے میں اتری لیکن یہ بات غور طلب ہے کیونکہ ذکر واقعہ بدر کا ہو رہا ہے۔ حضرات ابن

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 90

عباس، مجاہد، زید بن اسلم، عطاء، عکرمہ، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ براءت کی اس آیت سیف سے منسوخ ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر''۔ یہ بات بھی قابل تامل ہے کیونکہ آیت براءت میں قتال کا حکم حسب امکان ہے۔ لیکن اگر دشمن کثیر تعداد میں ہو تو عارضی صلح کر لینا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ذکر ہو رہا ہے اور صلح حدیبیہ بھی اس کی دلیل ہے اس لئے دونوں آیتوں کے درمیان نہ کوئی تناقض ہے اور نہ منافات، نہ نسخ ہے اور نہ تخصیص۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ...... یعنی ان کے ساتھ صلح کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ وہی آپ کا حامی و ناصر اور آپ کے لئے کافی ہے اور اگر وہ صلح کے ذریعے دھوکہ دینا چاہئیں تا کہ وہ اس دوران مزید قوت حاصل کر کے جنگی تیاریوں میں اضافہ کر لیں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی آپ کے لئے کافی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت عظیمہ کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے مہاجرین و انصار کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی، ارشاد ہوتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو آپ پر ایمان لانے کی توفیق ارزانی فرمائی اور تمام کو اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال کر کے آپ کی اطاعت، تائید اور مدد پر آمادہ کر دیا، فرمایا: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں انصار (اوس اور خزرج) ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ہر وقت باہم برسر پیکار رہتے تھے، جنگوں کا ایسا سلسلہ شروع تھا جس کے ختم ہونے کی کوئی امید ہی نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے اس عداوت و نفرت کو محبت و الفت میں بدل دیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل عمران:103) ''اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تا کہ تم ہدایت پر ثابت رہو''۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقعہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا پھر اللہ تعالیٰ نے میرے طفیل تمہیں ہدایت دے دی، کیا تم محتاج نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمہیں غنی کر دیا۔ تم انتشار کا شکار تھے، اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی''۔ آپ ﷺ جب بھی کوئی بات کہتے تو انصار ہر بات پر عرض کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر اس سے بھی بڑھ کر احسان ہے(1)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے وہ توکل کرنے والے کو ناامید نہیں کرتا، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے افعال و احکام میں حکیم بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رشتہ داری کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے لیکن دلوں کے باہمی قرب جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ شاعر اس چیز کا یوں اظہار کرتا ہے:

اگر کسی لغزش کے باعث تیرا کوئی رشتہ دار تجھ سے لاتعلق ہو جائے اور تجھے دھوکہ دے کر تجھ سے بے نیاز ہو جائے تو وہ تمہارا رشتہ دار

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 200، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 738

ہی نہیں۔ بلکہ تمہارا رشتہ دار تو وہ ہے جو تمہاری دعوت پر لبیک کہے اور تمہارے دشمن کے مقابلہ میں تمہارا ساتھ دے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

میں نے لوگوں کے ساتھ دوستی کر کے انہیں آزما لیا ہے، نتیجہ یہی نکلا کہ قرابت داری کسی قطع تعلق کرنے والے کے لئے قرب کا باعث نہیں بنتی بلکہ صرف محبت ہی تعلق استوار کرنے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔

بیہقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ اشعار بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کلام کا تسلسل ہے یا کسی راوی نے اس کا اضافہ کر دیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی باہمی محبت رضائے الٰہی کی خاطر تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو راہ خدا میں باہم محبت کرتے ہیں(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رشتہ داری ٹوٹ جاتی ہے اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب دلوں کو قریب کر دیا تو اب کوئی چیز ان میں جدائی نہیں ڈال سکتی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ...... (3)۔ عبدہ بن ابی لبابہ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے میرے ساتھ مصافحہ کر کے فرمایا: خدا کی رضا کے لئے دو باہم محبت کرنے والے جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور خندہ پیشانی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہیں تو دونوں کے گناہ درخت کے خشک پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ بات تو بہت آسان ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا مت کہو، کیونکہ الفت کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ ان کی اس بات سے میں پہچان گیا کہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ ولید بن ابی مغیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ صرف ایک مصافحہ سے دونوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہم یہ سوچا کرتے تھے کہ سب سے پہلی چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی وہ الفت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سخت آندھی سے درخت کے خشک پتے جھڑ جاتے ہیں، ان کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مقدار ہوں۔''

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 100 3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۃ انفال، جلد 2 صفحہ 328 4۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۃ انفال، جلد 2 صفحہ 329

''اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے اے نبی! برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ (اے مسلمانو!) اب تخفیف کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو جہاد، دشمن سے برسر پیکار ہونے اور مد مقابل سے نبرد آزما ہونے پر برانگیختہ کر رہا ہے اور انہیں یہ اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں انہیں کافی ہے، ان کا مددگار اور حامی ہے، اگرچہ دشمن کو کثرت تعداد، لاؤلشکر اور اسلحہ میں برتری حاصل ہو اور اگرچہ مومنین قلت میں ہوں۔ شعبی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مسلمان کافی ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے حکم ہوا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو صف بندی اور مقابلہ کے وقت قتال پر ابھارتے اور ان کا دل بڑھاتے جیسا کہ بدر کے دن آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس جنت کے حصول کے لئے اٹھو جس کا عرض آسمان اور زمین ہے۔ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ زمین و آسمان کی مقدار چوڑائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ صحابی کہنے لگے: واہ واہ۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس بات کا کیا مقصد ہے؟ عرض کرنے لگے کہ اس امید سے میں نے یہ بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اہل جنت سے بنا دے۔ فرمایا: ''یقیناً تم اہل جنت میں سے ہو''۔ انہوں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر باقی ماندہ کھجوریں پھینک دیں اور کہنے لگے کہ اگر زندگی ملی تو پھر کھجوریں کھاتے رہیں گے، اب مزید انتظار گراں گزر رہا ہے۔ اپنی تلوار لیکر میدان جنگ میں گھس گئے اور شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے (1)۔ حضرت سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت اتری جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت حبشہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں اسلام لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو بشارت دیتے ہوئے حکم ارشاد فرما رہا ہے: اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ...... یعنی دس کفار کے مقابلہ میں ایک مسلمان ڈٹ جائے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، البتہ بشارت باقی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ فرمان نازل ہوا تو مسلمانوں پر بہت شاق گزرا کیونکہ اس میں یہ حکم تھا کہ دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ڈٹ جائے اور راہ فرار اختیار نہ کرے پھر اس حکم میں تخفیف کر دی گئی، فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ...... لیکن بقدر تخفیف تعداد اور صبر بھی ناقص ہو گیا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے یہ حکم تھا کہ بیس مسلمان دو سو کفار سے فرار نہ ہو جائیں پھر اس حکم میں تخفیف ہوئی، اب ایک سو مسلمان دو سو کفار سے پیچھے نہ ہٹیں (2)۔ یعنی اگر دشمن دوگنی تعداد میں ہو تو اس کا مقابلہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، بھاگنا جائز نہیں لیکن اگر دشمن کا لشکر دوگنا سے بھی زیادہ ہے تو اس صورت میں قتال سے پہلوتہی کر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة 1509-1511، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136-137
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 79

لینا جائز ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ہم صحابہ کے بارے میں اتری ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ...... تلاوت کر کے فرمایا کہ پہلا حکم اٹھ گیا(2)۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا ٭ۖ وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۷﴾ لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۶۸﴾ فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۹﴾

''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر کے متعلقہ صحابہ کرام سے مشورہ لیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت عطا کی ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے اعراض کر لیا اور پھر فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے قبضہ میں دیا ہے۔ یہ کل تک تمہارے بھائی تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پھر اپنی بات دہرائی، نبی کریم ﷺ نے پھر اپنا منہ پھیر لیا اور وہی فرمایا۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ انہیں معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ قبول کر لیں۔ اس مشورہ سے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے غم کے آثار محو ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں معاف کر کے فدیہ قبول کر لیا تو اس پر یہ وحی اتری: لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ...... (3)۔ اس سورت کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس قسم کی ایک حدیث گزر چکی ہے(4)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! یہ لوگ آپ کی قوم اور آپ کے اہل ہیں، انہیں زندہ رہنے دیں اور توبہ کروالیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرما دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو اپنے وطن سے نکالا، آپ ان کی گردنیں مار دینے کا حکم ارشاد فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یوں اپنا مشورہ پیش کیا: یارسول اللہ! اس وادی میں درخت بکثرت ہیں، اسے آگ لگوا کر سب کفار کو اس میں پھینک دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ اٹھ کر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے۔ کچھ کہنے لگے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول ہو گی، کچھ کہنے لگے کہ عمر کی اور کچھ کا یہ خیال تھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بعض دلوں کو اس قدر نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دلوں کو اس قدر سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 39
2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 243
4۔ دیکھئے اس سورت کی آیت: 9

کی سی ہے جنہوں نے کہا تھا: فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ابراہیم:36) ''پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے''۔ اور اے ابوبکر! تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کی تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ:118) ''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔ اور اے عمر! تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے یہ دعا کی تھی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:88) ''اے ہمارے رب! برباد کردے ان کے مالوں کو اور سخت کردے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔ اور اے عمر! تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے یہ دعا کی تھی: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا''۔ سنو! تم اس وقت محتاج ہو، ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیہ ادا کئے رہا نہ ہو ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سوائے سہیل بن بیضاء کے کیونکہ وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ خاموش رہے، اس دوران میں اس قدر خوفزدہ رہا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں آسمان سے مجھ پر پتھر نہ برسنے شروع ہو جائیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سہیل بن بیضاء بقیہ کفار سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر یہ آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى...... اتری (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اسیران بدر میں شامل تھے۔ انہیں کسی انصاری نے قید کیا تھا اور انصار نے انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے سو نہیں سکا، انصار انہیں قتل کرنے کی سوچ رہے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو انصار کے پاس جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ ضرور جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس آئے اور انہیں کہنے لگے کہ عباس کو چھوڑ دو، انہوں نے کہا: واللہ! ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اس میں ہو تو بھی۔ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ کی رضا اسی میں ہے تو آپ انہیں لے جائیے۔ چنانچہ انصار نے انہیں رہا کر دیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: عباس! اسلام قبول کرلو۔ اللہ کی قسم! تمہارا اسلام قبول کرنا مجھے اپنے والد کے اسلام لانے سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارے اسلام لانے کی بہت خوشی ہوگی۔ اسیران بدر کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، انہوں نے عرض کی کہ یہ سب آپ کے ہی قبیلہ کے لوگ ہیں، انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے قتل کر دینے کی رائے دی۔ آخر کار آپ ﷺ نے فدیہ لیکر انہیں آزاد کر دیا، اس پر یہ آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى...... نازل ہوئی (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بدر کے دن حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیں، چاہیں تو فدیہ قبول کرلیں اور اگر چاہیں تو قتل کر دیں، لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال ان قیدیوں کی تعداد کے برابر ان میں سے قتل ہوگی۔ صحابہ نے فدیہ قبول کرلیا (3)۔ یہ حدیث نہایت ہی غریب ہے۔ ایک اور حدیث

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 476-477، مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 21-22، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 383-384

2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329 3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 5 صفحہ 185-188

میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو انہیں قتل کر ڈالو اور اگر چاہو تو ان سے زر فدیہ قبول کرلو، لیکن اس صورت میں ان کی مقدار تم میں سے شہید ہوں گے۔'' ان ستر شہیدوں میں سے آخری حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى...... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر پہلے ہی سے یہ حکم الٰہی نہ ہوتا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال ہے اور اگر بیان کرنے سے پہلے عذاب نہ دینا ہمارا دستور نہ ہوتا تو اس فدیہ لینے کی تمہیں ضرور سزا دی جاتی(1)۔ اعمش کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلے سے حکم ہے کہ وہ کسی بدری صحابی کو عذاب نہیں دے گا۔ مجاہد اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر ان کی مغفرت کا حکم پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فدیہ لینے کی صورت میں عذاب نازل ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ نہ لکھا ہوتا کہ مال غنیمت اور قیدی تمہارے لئے حلال ہیں تو ان قیدیوں سے زر فدیہ لینے کی صورت میں تم سزا سے دوچار ہو جاتے۔ پھر فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ...... یعنی یہ پہلے سے لکھا جا چکا ہے کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال ہے، اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئیں۔ ایک مہینہ کی مسافت پر مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور سبب طہارت بنایا گیا ہے، میرے لئے غنائم کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے یہ حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت کے منصب سے نوازا گیا ہے اور پہلے ایک نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے سوا کسی بھی سیاہ سر والے لوگوں کے لئے غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا۔''(3) اس لئے ارشاد ہوتا ہے: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسیران بدر سے فدیہ وصول کرلیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور فدیہ وصول کی(4)۔ قیدیوں کے بارے میں جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ ان کے متعلق امام وقت کو اختیار ہے۔ چاہے تو انہیں قتل کر دے جس طرح یہود بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا تھا اور اگر چاہے تو زر فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دے جیسا کہ اسیران بدر کے ساتھ ہوا تھا، یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں انہیں رہا کر دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سلمہ بن اکوع کی ایک عورت اور اس کی بیٹی کو ان مسلمانوں کے بدلے میں رہا کر دیا جو مشرکین کے پاس قید تھے۔ اور اگر امام کی مرضی ہو تو کافر قیدیوں کو غلام بنا کر بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف بھی ہے جو کتب فقہ میں مرقوم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اے نبی (کریم) آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اگر وہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 676
2۔ فتح الباری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 435-346، صحیح مسلم، کتاب المساجد 370-371
3۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انفال، جلد 8 صفحہ 474
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61-62

ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لئے) تو اللہ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم کے اور کچھ دیگر لوگ زبردستی لڑائی کے لئے لائے گئے ہیں، ان کی خواہش نہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ لڑائی کریں، تم میں سے کوئی بھی اگر ان میں سے کسی کو پالے تو قتل نہ کرے۔ ابوالبختری بن ہشام کو بھی نہ قتل کیا جائے اور عباس بن عبدالمطلب کو بھی نہ قتل کیا جائے کیونکہ یہ لوگ انہیں بادل نخواستہ اپنے ساتھ کھینچ لائے ہیں''۔ اس پر ابوحذیفہ بن عتبہ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے باپ، بھائیوں، بیٹوں اور قبیلہ والوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوحفص!...... حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا جس میں آپ ﷺ نے مجھے میری کنیت (ابوحفص) سے یاد فرمایا تھا...... کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے چہرہ پر تلوار کا وار کیا جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے اس بات کی وجہ سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے...... میں ہر وقت اس دن کی جسارت کے سبب خوفزدہ رہتا ہوں، صرف اطمینان کی ایک ہی صورت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں ممکن ہے اللہ تعالیٰ میری شہادت کو اس کا کفارہ بنا دے۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہو گئے، رضی اللہ عنہ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس رات بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے اس رات رسول اللہ ﷺ رات کے اوائل میں بیدار رہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے، آپ کو نیند نہیں آ رہی؟ فرمایا: مجھے اپنے چچا عباس کی بیڑیوں میں قید ہونے کی وجہ سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے، صحابہ نے اس وقت آپ کی بیڑیاں کھول دیں۔ اس کے بعد آپ محو استراحت ہو گئے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سب قیدیوں میں سے انہیں زیادہ زرفدیہ ادا کرنا پڑا کیونکہ وہ بہت مالدار تھے اس لئے انہوں نے سو اوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض انصار نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس کو بغیر فدیہ وصول کئے چھوڑ دیں آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا (2)۔ قریش نے فدیہ کی رقم رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کی۔ ہر ایک نے حسب خواہش اپنے اپنے قیدی سے فدیہ وصول کر لیا۔ عباس عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اسلام کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں واقعی سچے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ بظاہر تو تم ہمارے مخالف تھے، اس لئے اپنا، اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ ادا کرو'' عرض کی: یا رسول اللہ! میرے پاس تو اتنی رقم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور ام الفضل نے دفن کیا تھا؟ تم نے اسے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مارا جاؤں تو یہ دفن شدہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کو دے دینا'' عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جس بات کی آپ نے خبر دی ہے وہ میرے اور ام فضل کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہ تھی۔ پھر کہنے لگے کہ میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے، اسے زرفدیہ شمار کر لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ مال تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ انہیں اپنا، اپنے بھتیجوں

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 628-629 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 109

اور حلیف کا فدیہ ادا کرنا پڑا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ ..... حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام لانے کے بعد بیس اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا فرمائے جو سب مالدار تھے اور اس کے ساتھ ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید کرتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام کی خبر دی اور عرض کی کہ جو بیس اوقیہ سونا مجھ سے لیا گیا ہے اس حساب میں مجھے چھوڑ دیا جائے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں مجھے ایسے بیس غلام عطا فرمائے جو سب کمانے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم تو پہلے ہی سے آپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم تو اپنی قوم میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے تو اس وقت یہ وحی اتری: اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا ..... یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تمہارے دلوں میں ایمان اور تصدیق ہے تو جو تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر بدلہ تمہیں عطا فرمائے گا اور شرک سمیت تمام گناہوں کی مغفرت فرمادے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا پالینے کو بھی ترجیح نہیں دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سوگنا زیادہ بہتر بدلہ عطا فرمایا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ اس نے میرے گناہ بھی بخش دیئے ہیں۔ یہ دونوں خصوصیات (بہتر بدلہ اور مغفرت) مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ بحرین کا مال جو کہ اسی ہزار درہم، دینار تھا، بارگاہ نبوت ﷺ میں پہنچا، آپ ﷺ اس وقت نماز ظہر کے لئے وضو فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر شکایت کرنے والے کو عطا فرمایا اور کسی سائل کو محروم نہ کیا۔ نماز تب پڑھی جب سارا خزانہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس میں سے لے لو اور گٹھڑی باندھ لو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کرنے لگے کہ یہ میرے لئے اس مال سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا اور مجھے مغفرت کی بھی امید ہے۔ یہ مال ابن حضرمی نے بحرین سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس قدر مال آپ ﷺ کے پاس نہ اس سے پہلے آیا تھا نہ بعد میں۔ یہ سارا خزانہ ایک چٹائی پر بکھیر دیا گیا اور نماز کے لئے اذان ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے اور نمازی بھی اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سب کو دینا شروع کر دیا، اس دن نہ گنتی تھی اور نہ ناپ تول، سخاوت کے دریا بہہ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن وہ اسے اٹھا نہ سکے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ذرا اٹھوا دیجئے۔ آپ کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی حتیٰ کہ دانت نظر آنے لگے، آپ ﷺ فرمانے لگے کہ کچھ بوجھ ہلکا کرلو، جس قدر اٹھا سکتے ہو اتنا ہی لو (1)۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ تو پورا فرما دیا ہے اور دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ آپ ﷺ اس مال کے پاس کھڑے رہے حتیٰ کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچا اور ایک درہم تک آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو نہ بھیجا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز ادا کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو۔ یہ سب سے زیادہ مال تھا جو آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا۔ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور اس مال کی طرف ذرا توجہ نہ کی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور جسے دیکھتے عطا فرماتے، اسی اثناء میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 114

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے بھی عطا فرمایئے، میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔ چنانچہ انہوں نے گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کسی کو حکم فرمائیں کہ وہ مجھے اٹھانے میں مدد کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کرنے لگے پھر آپ ہی یہ مہربانی فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، چنانچہ انہوں نے کچھ بوجھ ہلکا کر کے گٹھڑی اٹھائی اور چل دیئے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے حضور ﷺ ان کی حرص کی وجہ سے انہیں دیکھتے رہے۔ جب سارا مال تقسیم ہو چکا اور ایک درہم تک باقی نہ بچا تو آپ ﷺ وہاں سے اٹھے (1)۔ امام بخاری نے متعدد مقامات پر تعلیقاً جزم کے صیغہ سے یہ روایت کی ہے۔

وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ...... یعنی اگر یہ لوگ اپنی ظاہری خوش کن باتوں کے ساتھ خیانت اور فریب کا ارادہ کریں تو یہ پریشان ہونے والی بات نہیں، یہ تو بدر سے پہلے بھی کفر کر کے خیانت کا ارتکاب کر چکے ہیں اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان اسیران بدر پر قدرت اور غلبہ عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس اور ان کے دیگر ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ہم اپنی قوم میں آپ ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اتری جب وہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت عام اور سب کو شامل ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۷۲﴾

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی نہیں تمہارے لئے ان کی وارثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے“۔

مسلمانوں کی اقسام بیان ہو رہی ہیں۔ ایک تو مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اپنے گھر اور مال و متاع کو خیر باد کہہ دیا اور دین کو قائم رکھنے کے لئے جان و مال کا نذرانہ پیش کر دیا۔ دوسری قسم مدینہ شریف میں مقیم انصار ہیں جنہوں نے مکہ سے آنے والے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی، اپنے اموال میں انہیں شریک کر کے ان کی غمگساری کی اور ان کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف جہاد کر کے اللہ کے رسول کی مدد کی۔ یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے دوست ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ

1۔ سنن کبریٰ از امام بیہقی، کتاب قسم الفیء والخراج، جلد 6 صفحہ 356

نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ استوار کر دیا۔ ایک انصاری اور ایک مہاجر دونوں بھائی بھائی بن گئے، یہ مؤاخات قرابت داری سے بھی مقدم تھی، اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے لیکن بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا(1)۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آزاد کردہ قریشی اور بنوثقیف کے آزاد شدہ لوگ قیامت تک ایک دوسرے کے دوست ہیں''(2)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں(3)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مہاجرین اور انصار کی تعریف فرمائی ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (التوبہ:100) '' اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں''۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبہ:117) ''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں''۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:9-8) '' (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو''۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انصار کے متعلق یہ بات وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا (الحشر:9) بہت خوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی جو فضیلت ان مہاجرین کو عطا فرمائی ہے اس پر انہیں ذرا حسد نہیں۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین کو انصار پر افضلیت حاصل ہے اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ مسند بزار میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو میں نے ہجرت کو پسند کر لیا(4)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا...... حمزہ نے ولایۃ کی واؤ کو مکسور پڑھا ہے(5)۔ باقی قراء نے مفتوح پڑھا ہے جیسے ''دِلَالَة'' اور ''دَلَالَة''۔ یہ مومنین کی تیسری قسم ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے لیکن ہجرت نہ کی بلکہ اپنے اپنے علاقہ میں مقیم رہے۔ نہ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ ہے اور نہ خمس میں ہاں اگر جہاد میں شریک ہوں تو اور بات ہے۔ حضرت یزید بن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی فوجی دستہ یا لشکر کا قائد بنا کر بھیجتے تو اسے تقویٰ اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نساء، جلد 5 صفحہ 190 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 363
3۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 8 صفحہ 446
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، مناقب حذیفہ، جلد 3 صفحہ 265-266
5۔ الاقناع لابن الباذش: 656

سلوک کی تاکید کرتے اور فرماتے: ''اللہ کا نام لیکر راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرو۔ جب اپنے مشرک دشمن سے ملو تو انہیں تین میں سے ایک شرط قبول کرنے کی دعوت دو، ان تینوں میں سے جس کو وہ منظور کر لیں تو تم بھی اسے قبول کر لینا اور ان سے اپنا ہاتھ روک لینا۔ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ منظور کر لیں تو تم بھی قبول کر کے جنگ سے باز رہو، پھر انہیں دار کفر سے دار مہاجرین کی طرف منتقل ہو جانے کے لئے کہو اور انہیں بتا دو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں۔ اگر وہ اپنے علاقہ میں ہی اقامت پر مصر رہیں تو انہیں بتا دینا کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے، دینی فرائض تو ان پر بھی مسلمانوں جیسے ہوں گے لیکن انہیں فی اور غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائیں۔ اور اگر وہ (مشرکین) اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ ادا کرنے کا حکم دو، اگر وہ اس شرط کو تسلیم کر لیں تو اسے قبول کر لینا اور لڑائی سے باز رہنا لیکن اگر وہ اسے بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو''(1)۔

وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ...... اگر یہ دیہاتی جنہوں نے ہجرت نہیں کی، کسی دینی لڑائی میں اپنے دشمن کے خلاف تم سے مدد طلب کریں تو تم ان کی مدد کرو، ان کی امداد کرنا تم پر فرض ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے مقابلہ میں تم سے امداد طلب کرتے ہیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا کوئی معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر تمہیں اجازت نہیں ہے کہ عہد شکنی کر کے ان کے خلاف لڑنا شروع کر دو۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ﴿۷۳﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں، اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد''۔

قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست، حمایتی اور ولی ہیں، اب یہاں مومنین اور کفار کے درمیان کسی بھی ایسے تعلق کو ختم کر دیا جو باہمی دوستی، حمایت اور موالات پر مبنی ہو جیسا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ نہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا''(2)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں بھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں''(3)۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں''(4)۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ابن جریر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نومسلم سے یہ عہد لیا: ''نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور جہاں کہیں تمہیں شرک کی آگ بھڑکتی نظر آئے، وہاں برسر پیکار ہو جانا''(5)۔ اس سند سے یہ روایت مرسل ہے۔ ایک دوسری سند سے یہ روایت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر 1356-1357، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 351
2۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 240
3۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 8 صفحہ 194، صحیح مسلم، کتاب الفرائض: 1233
4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 387، سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، جلد 3 صفحہ 125-126 وغیرہ
5۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 54

متصل بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں مقیم رہے'' پھر فرمایا: ''اسے دونوں جانب بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی نہیں دیتی'' (1)؟ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو مشرک کی موافقت کرے اور اس کے ساتھ سکونت پذیر ہو جائے وہ اس جیسا ہی ہے'' (2)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی اور مطمئن ہو تو اس کا نکاح کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں زبردست فتنہ و فساد بپا ہوگا۔'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر چہ اس میں کچھ (غیر تسلی بخش چیز) ہو۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: جب تمہارے پاس کوئی شخص (رشتہ طلب کرنے کے لئے) آئے جس کا دین اور اخلاق تمہارے لئے رضامندی کا باعث ہو تو اس کا نکاح کر دو'' (3)۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر زبردست فتنہ و فساد بپا ہوگا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکین سے اجتناب نہ کیا اور اہل ایمان کے ساتھ دوستی اور موالات کا رشتہ استوار نہ کیا تو لوگوں میں معاملہ مشتبہ ہو جائے گا، مومنوں اور کافروں کے درمیان اختلاط کسی بھی بڑے فتنہ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے اور کسی وقت بھی فساد کی آگ بھڑک سکتی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

''اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی۔ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

دنیا میں مومنین کا حکم بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اپنی ان نوازشات کا تذکرہ فرما رہا ہے جن سے اہل ایمان آخرت میں سرفراز کئے جائیں گے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی حقیقت اور ان کے سچا مومن ہونے کی تصدیق فرمائی جس طرح کہ اس سورت کے آغاز میں بھی اس چیز کو ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ان سعادت مندوں کے لئے مغفرت ہے، اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا اور انہیں ایسا پاکیزہ اور عزت کا رزق عطا فرمائے گا جو ان کے لئے باعث شرف و برکت ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ انہیں ملتا رہے گا، نہ منقطع ہوگا اور نہ ختم ہوگا، اس رزق کے حسن اور تنوع کے باعث نہ یہ بددل ہوں گے اور نہ اس سے اکتائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ دنیا میں ایمان اور عمل صالح میں ان کی پیروی کرنے والے آخرت میں ان کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ...... (التوبہ:100) ''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے......''، وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ...... (الحشر:10) ''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے......''۔ ایک متفق علیہ متواتر حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 45، سنن نسائی، کتاب القیامۃ، جلد 8 صفحہ 36

7۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 93 | 1۔ تحفۃ الاحوذی، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 205 تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 141

أَحَبَّ''(1)۔(آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت تھی) ایک اور حدیث میں آتا ہے:''مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ''(جس نے کسی قوم سے محبت کی وہ انہی میں سے ہے)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔مسند احمد میں ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:''مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں۔فتح مکہ کے موقعہ پر آزاد کردہ قریشی اور آزاد شدہ بنوثقیف قیامت تک ایک دوسرے کے ولی ہیں''(2)۔

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی حکم الٰہی میں رشتہ دار باہم ایک دوسرے کے زیادہ مستحق ہیں۔وَاُولُوا الْاَرْحَامِ سے مراد صرف وہی قرابت دار نہیں جن کا وارثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ عصبہ بنتے ہیں بلکہ وارث سے وسیلہ پکڑتے ہیں جیسے خالہ، ماموں، پھوپھی، نواسے نواسیاں، بھانجے بھانجیاں وغیرہ۔بعض حضرات کا یہی خیال ہے وہ اس آیت کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ یہ اس بارے میں صریح اور واضح ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور یہ تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رضی اللہ عنہ، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ، حسن رحمتہ اللہ علیہ، قتادہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت حلف اور بھائی چارہ کے ذریعے وارث بننے کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ پہلے یہ دستور تھا کہ لوگ ان دونوں چیزوں کے باعث باہم ایک دوسرے کے وارث بنا کرتے تھے۔اس صورت میں یہ آیت اسم خاص کے ساتھ ذوی الارحام کو شامل ہوگی۔اور جو انہیں وارث نہیں بناتے وہ کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان میں سے قوی ترین حجت یہ حدیث ہے:''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دلوا دیا ہے، اس لئے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں''(3)۔ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ بھی حق دار ہوتے تو ان کے حصے بھی کتاب اللہ میں مقرر ہو جاتے۔جب یہ بات نہیں تو وہ وارث بھی نہیں ہوں گے۔

1۔صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 5 صفحہ 14، صحیح مسلم، کتاب البر 2032 وغیرہ 2۔مسند احمد، جلد 4 صفحہ 343

3۔سنن ابوداؤد، کتاب الوصایا 3 صفحہ 114، تحفۃ الاحوذی، ابواب الوصایا، جلد 6 صفحہ 309 وغیرہ

سورۂ توبہ (مدنیہ)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝

"یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے (اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو"۔

یہ سورت سب سے آخر میں رسول خدا ﷺ پر نازل ہوئی جیسا کہ امام بخاری حضرت براء سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں آیت کریمہ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ (النساء:176) اتری، اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ براءت ہے(1)۔ اس سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی جاتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے مصحف الامام میں اس سورت کے شروع میں اسے نہیں لکھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے یہ دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کو ملا دیا ہے حالانکہ انفال مثانی میں سے ہے اور براءت مئین میں سے، اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور اسے سبع طوال میں شامل کر دیا، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ پر یکبارگی متعدد سورتیں اترتی تھیں۔ جب آپ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کسی کاتب وحی کو بلا کر فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں یہ ذکر ہے۔ مدینہ شریف میں سب سے پہلے سورۂ انفال کا نزول ہوا اور سب سے آخر میں سورۂ براءت اتری، دونوں میں مشابہت کے باعث مجھے یہ گمان گزرا کہ اس کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ سورت اسی میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور اسے میں نے سبع طوال میں رکھا۔ (2) اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں دوسری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے، حج کا موسم تھا۔ آپ ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ مشرکین اس سال بھی حسب معمول حج کے لئے آئیں گے اور برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے، یہ بات آپ ﷺ کے لئے نہایت ناگوار تھی اور آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ ان مشرکین کے ساتھ خلط ملط ہو کر ارکان حج ادا کریں، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 8 صفحہ 316　2۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 377-480، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 57، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 208-209، مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 330 وغیرہ

آپ لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیں اور مشرکین کو آگاہ کر دیں کہ وہ اس سال کے بعد حج کے لئے نہ آئیں اور لوگوں میں سورۂ براءت کا اعلان کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تا کہ قریبی رشتہ داری کے ناطے آپ ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ...... اس سے پہلے مبتدا (ھذہ) مقدر ہے۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں ان مشرکین سے لاتعلقی کا اعلان ہے جن کے ساتھ مطلق معاہدے ہوئے تھے، جن کی کوئی مدت معین نہ تھی یا ایسے عہد و پیمان تھے جن کا وقت چار ماہ سے کم تھا، اس صورت میں چار ماہ مکمل کئے جائیں گے، لیکن جن کے عہد کا وقت مقرر تھا تو وہ بدستور انتہائے مدت تک باقی رہا، اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ عہد کس نوعیت کا تھا جیسا کہ فرمایا: فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ.......... (توبہ:4) اور حدیث شریف میں ایسے عہد کی پابندی کا حکم موجود ہے جس کا بیان عنقریب ہوگا۔ جس کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی عہد تھا، اس کی وقت مقررہ تک پابندی ضروری تھی۔ یہ سب سے بہتر اور قوی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ اس فرمان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو چکا تھا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی حد مقرر کر دی کہ وہ اس مدت میں جہاں چاہیں گھومیں پھریں اور جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں تھا، ان کے لئے حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کی حد مقرر فرما دی یعنی یوم نحر (دس ذی الحجہ) سے اختتام محرم تک یہ پچاس دن بنتے ہیں۔ محرم کے ختم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دے دیا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں، اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو چکا تھا ان کے بارے میں حکم ہوا کہ انہیں دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کے لئے مہلت ہے، پھر اس مدت کے ختم ہونے کے بعد اگر وہ دین اسلام میں داخل نہ ہوں تو ان کے ساتھ جنگ کریں(1)۔ محمد بن کعب القرظی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنہ 9 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے روانہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا تا کہ وہ یہ آیات لوگوں کو سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت حاصل ہے، اس مدت میں وہ جہاں چاہیں گھومیں پھریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرفہ کے دن ان آیات کو پڑھ کر سنایا اور دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کی مہلت کا اعلان کیا۔ آپ ان کے گھروں اور ٹھکانوں تک جا جا کر انہیں یہ آیات سناتے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حضور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم بھی سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے اور نہ ہی کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ براءت کا اعلان قبیلہ خزاعہ، مدلج اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا تھا، لیکن پھر فرمایا: ''مشرکین آئیں گے اور برہنہ بدن طواف کریں گے، اس لئے میں حج کرنا پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ یہ (رسم بد) ختم ہو جائے''۔ آپ ﷺ نے حضرات ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا، انہوں نے ذوالمجاز کے بازاروں، ان کے ٹھکانوں، گلی کوچوں اور قیام گاہوں میں جا کر یہ اعلان کیا کہ انہیں دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کی مہلت ہے، پھر ان مشرکین کے ساتھ معاہدہ ختم ہو جائے گا اور ایمان نہ لانے والوں کے ساتھ جنگ ہوگی۔ سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 60

کہتے ہیں کہ شوال سے محرم کے اختتام تک مہلت تھی لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ جس مدت کا حکم ابھی انہیں پہنچا ہی نہ تھا، اس کا حساب کیسے لگایا جاسکتا تھا، انہیں تو صحابہ کرام کے ذریعے یوم نحر (دس ذی الحجہ) کو اس حکم کی اطلاع ملی۔ اسی لئے فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳

''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور اگر تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور خوش خبری سنا دو کافروں کو دردناک عذاب کی''۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حج اکبر یعنی نحر (قربانی) کے دن جو حج کے ایام میں سے سب سے افضل، ظاہر اور بڑا ہے، یہ عام اعلان اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بیزار اور لاتعلق ہے اور اس کا رسول بھی ان سے بری الذمہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ...... یعنی اگر تم شرک اور گمراہی سے توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے تو یاد رکھنا کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تم پر پوری طرح قادر ہے، تم اس کے زیر تصرف و قدرت ہو اور ان کفار کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے، دنیا میں بھی یہ ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا سے دوچار ہوں گے اور آخرت میں بھی بڑے بھاری گرز اور آہنی طوق کے عذاب کا سامنا کریں گے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں قربانی والے دن مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ بھیجا جنہوں نے منیٰ میں جا کر یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ ہی کوئی ننگا شخص طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں سورۂ براءت کے اعلان کا حکم ارشاد فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ میں دس ذی الحجہ کو سورۂ برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں اور یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے(1)۔ حج اکبر کا دن عید الاضحیٰ کا دن ہے۔ اسے اکبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ اسے حج اصغر کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے براءت اور دیگر احکام کی منادی کروادی اس لئے اگلے سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر جس میں رسول اللہ ﷺ نے حج کیا تھا، کوئی مشرک حج کرنے کے لئے نہ آیا۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں جو کتاب الجہاد میں مذکور ہیں(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے زمانہ میں جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا، پھر اس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمادیا(3)۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ یہ بیان کیا کرتے تھے کہ اس سال حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے براءت کے اعلان کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمارے پیچھے روانہ کیا اور انہیں براءت کی منادی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ امیر حج بدستور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی رہے۔ اس روایت میں اس لحاظ سے غرابت ہے کہ عمرۂ جعرانہ کے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 6 صفحہ 81　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، جلد 4 صفحہ 124　3۔ مصنف عبد الرزاق

اللہ عنہ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو سنہ 9 ہجری میں امیر الحج تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف براءت کے اعلان کے لئے بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں نے کس چیز کی منادی کی تھی؟ فرمایا کہ ہم نے یہ منادی کر دی تھی کہ جنت میں سوائے مومن کے کوئی اور داخل نہیں ہوسکتا، کوئی برہنہ شخص آئندہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا اور جس شخص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد و پیمان ہے تو اس کی مدت چار ماہ ہے۔ جب چار مہینے گزر جائیں گے تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں منادی کرتا رہا یہاں تک کہ میری آواز بیٹھ گئی(1)۔ شعبی کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے اعلان برأت کے لئے بھیجا تھا، جب اعلان کرتے کرتے ان کی آواز بیٹھ گئی تو میں نے اعلان کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا منادی کرتے تھے؟ فرمایا کہ ہم چار چیزوں کا اعلان کرتے تھے، وہ یہ کہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے، جس کا رسول خدا ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اسے مدت کی تکمیل تک پورا کیا جائے گا، جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے۔ ابن جریر نے ایک اور سند سے شعبی سے اسے روایت کیا ہے۔ شعبہ نے بھی شعبی سے یہ روایت کی ہے لیکن اس میں یہ ہے کہ جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے تو اس کی مدت چار ماہ تک کے لئے ہے۔ باقی روایت وہی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ بات کسی راوی نے وہم کی بناء پر نقل کر دی ہے کیونکہ مہلت کے بارے میں اس کے خلاف متعدد روایات ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اعلان براءت کے لئے بھیجا۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اعلان میں کروں گا یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے روانہ فرما دیا(2)۔ ترمذی نے حماد بن سلمہ سے اسے روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب سورۂ براءت کی دس آیات اتریں تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان آیات کے ساتھ انہیں بھیجا تا کہ وہ اہل مکہ کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ "ابوبکر سے جا ملو۔ جہاں بھی وہ تمہیں ملیں (پیغام والا) مکتوب ان سے لے لینا اور اہل مکہ کے پاس جا کر انہیں پڑھ کر سنانا"۔ میں جحفہ کے مقام پر حضرت ابوبکر سے جا ملا اور مکتوب ان سے لے لیا، وہ واپس لوٹے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ پیغام آپ خود پہنچائیں گے یا وہ آدمی جو آپ میں سے ہو"(3)۔ اس سند میں ضعف ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوری طور پر واپس لوٹ آئے، بلکہ جس طرح حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنایا تھا اس کے مطابق مناسک حج کی ادائیگی کے بعد واپس لوٹے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں اس اعلان براءت کے ساتھ بھیجنا چاہا تو انہوں نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں نہ تو خوش بیان ہوں اور نہ ہی خطیب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ حتمی بات ہے کہ یہ پیغام یا تو میں خود پہنچاؤں یا تم پہنچاؤ"۔ حضرت

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 299 2۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 8 صفحہ 485 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 151

علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر یہ ضروری ہے تو میں پیغام لے جانے کے لئے حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو ثبات اور دل کو ہدایت عطا فرمائے گا۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے منہ پر رکھا(1)۔ ہمدان کے ایک شخص زید بن یثیغ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ کس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا تھا؟ یعنی جب حج کے موقعہ پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کو روانہ کیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کے ساتھ روانہ کیا گیا: جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا، کوئی ننگا شخص بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرے گا، جس کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اس کی مدت انتہائے معاہدہ تک ہوگی اور اس سال کے بعد مشرکین حج کعبہ کو نہیں آئیں گے(2)۔ ترمذی نے اسے قلابہ سے اور انہوں نے سفیان بن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے(3)۔ شعبہ نے اسے ابی اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابی اسحاق سے اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی حضرت علی سے یہ روایت کی ہے اور ان مذکورہ بالا چار چیزوں کا ذکر کیا ہے(4)۔ زید بن یثیغ سے روایت ہے کہ سورۂ براءت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سورۂ براءت لے لی۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے یہ حکم ہوا تھا کہ اس پیغام کو یا تو میں خود پہنچاؤں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص“۔ چنانچہ حسب ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر مذکورہ بالا چار باتوں کا اعلان کر دیا۔ محمد بن اسحاق ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ براءت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیج چکے تھے، عرض کی گئی: یارسول اللہ! کاش یہ پیغام بھی آپ ابوبکر کو پہنچا دیتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس پیغام کو صرف میرے اہل بیت میں سے ہی کوئی آدمی پہنچائے گا“۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ”سورۂ براءت کے اس قصہ کو لے جاؤ اور عید قربان کے دن جب لوگ منیٰ میں اکٹھے ہوں گے تو یہ اعلان کر دینا کہ“ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کی اجازت نہیں، کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہے تو اسے اس کی مقررہ مدت تک پورا کیا جائے گا“۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے یہاں تک کہ رستہ میں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھنے لگے کہ کیا امیر بن کر آئے ہو یا مامور؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو مامور اور ماتحت ہی ہوں۔ پھر دونوں حضرات نے سفر جاری رکھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے حج کے انتظامات کئے اور جن مقامات پر حج ہوتا تھا وہاں حج کا بندوبست کیا۔ دسویں ذوالحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہے، انتہائے مدت تک اس کی تکمیل ہوگی۔ چنانچہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کے لئے نہ آیا اور نہ کسی نے برہنہ کو بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 150
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 79
3۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 488-499
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 64

ہوئے۔ چنانچہ مشرکین میں سے جن کے ساتھ عام اور غیر معینہ مدت کے لئے عہد تھا اس کی مدت تو چار ماہ مقرر ہوگئی اور جن کے ساتھ مقررہ مدت کے لئے عہد و پیمان تھا وہ تکمیل مدت تک بدستور قائم رہا۔ ابن جریر میں روایت ہے کہ ابوصہباء بکری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے دن سے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے امیر حج بنا کر بھیجا اور مجھے ان کے ساتھ سورۂ براءت کی چالیس آیتیں دیکر روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے میدان عرفات میں عرفہ کے دن خطبہ دیا۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے علی! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاؤ۔ چنانچہ میں نے سورۂ براءت کی چالیس آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ پھر وہاں سے لوٹ کر منیٰ میں آ گئے اور جمرہ پر کنکریاں پھینکیں اور اونٹ کی قربانی کی، پھر میں نے اپنا سر منڈوایا، مجھے پتہ چلا کہ سب حجاج عرفہ کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں موجود نہیں تھے اس لئے میں نے لوگوں کے خیموں اور قیام گاہوں میں گھوم پھر کر یہ پیغام سب لوگوں تک پہنچا دیا۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس وجہ سے تم لوگوں کا یہ گمان ہوگیا ہے کہ یہ دس ذی الحجہ کا واقعہ ہے حالانکہ پیغام پہنچانے والا واقعہ یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو ہوا تھا(1)۔ ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابوجحیفہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ یوم عرفہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا صحابہ کرام سے سن کر؟ انہوں نے کہا کہ سب کچھ اسی میں ہے۔ عبدالرزاق نے عطاء سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عرفہ کا دن ہے، یہ حج اکبر کا دن ہے، اس لئے کوئی شخص اس میں روزہ نہ رکھے۔ راوی عمر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا۔ جب مدینہ شریف آیا تو میں نے اہل مدینہ میں سے سب سے افضل شخص کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے مدنیہ کے سب سے افضل شخص کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ سعید بن مسیّب ہیں، مجھے یوم عرفہ کے روزہ کے متعلق بتائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے شخص کی طرف سے اس کا حکم بتاتا ہوں جو مجھ سے سو درجے بہتر اور افضل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس دن کے روزہ سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر قرار دیتے تھے(2)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے، اسی طرح حضرات ابن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ حج اکبر کا دن ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جسے ابن جریج نے ابن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ آج حج اکبر کا دن ہے۔ ایک اور سند سے ابن مخرمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں آتا ہے کہ حج اکبر کا دن قربانی کا دن (دس ذی الحجہ) ہے۔ حارث الاعور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد یوم نحر ہے۔ شعبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ یوم نحر کو سفید خچر پر سوار ہو کر باہر صحراء کی طرف جارہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور آپ سے حج اکبر کے دن سے متعلق سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ تو آج ہی کا دن ہے، سواری کی لگام چھوڑ دو۔ عبداللہ بن ابی اوفی اور عبدالملک بن عمیر کا بھی یہی قول ہے۔ اعمش حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 65 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 68

عبداللہ بن سنان سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عیدالاضحیٰ کے دن اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ آج عیدالاضحیٰ، قربانی اور حج اکبر کا دن ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حج اکبر کا دن قربانی والا دن ہے۔ اسی طرح حضرات ابو جحیفہ، سعید بن جبیر، عبداللہ بن شداد، نافع بن جبیر، شعبی، ابراہیم نخعی، مجاہد، عکرمہ، ابوجعفر الباقر، زہری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور صحیح بخاری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کو منیٰ میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا، اسی طرح اور متعدد احادیث اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ امام ابوجعفر بن جریر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نحر کے دن (دس ذی الحجہ) جمروں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یہ حج اکبر کا دن ہے''۔ اسی طرح اسے ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ شعبہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سرخ رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے جس کے کان کا کنارہ کٹا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ آج کا دن کون سا دن ہے؟'' صحابہ نے عرض کی کہ آج یوم نحر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا، حج اکبر کا دن''۔ حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ اس دن آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، لوگوں نے اس کی نکیل پکڑ رکھی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کونسا دن ہے؟'' راوی کہتے ہیں کہ ہم خاموش رہے کیونکہ ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ حج اکبر کا دن نہیں ہے؟'' اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کونسا دن ہے؟'' صحابہ نے جواب دیا کہ آج حج اکبر کا دن ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر کا دن یوم نحر کا دوسرا دن (گیارہ ذی الحجہ) ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حج اکبر سے مراد حج کے تمام ایام ہیں۔ سفیان کا بھی یہی کہنا ہے، یعنی یوم مفرد ہے لیکن مراد تمام دن ہیں جن میں حج کی ادائیگی ہوتی ہے، جس طرح یوم جمل اور یوم صفین کہہ کر ان لڑائیوں کے تمام دن مراد لئے جاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے حج اکبر کے دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار ہے؟ یہ تو اس سال تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا تھا۔ ابن سیرین سے حج اکبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور دیہاتی لوگوں نے حج کیا تھا۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

''بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک۔ بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو''

چار ماہ کی مہلت بیان کرنے کے بعد اس حکم سے استثناء ہو رہا ہے۔ مشرکین میں سے جس کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لئے مطلق معاہدہ تھا، اسے چار ماہ کی مہلت دی، اس مدت میں وہ جہاں چاہے، آزادی کے ساتھ گھومے پھرے، لیکن جس کے ساتھ کسی معینہ مدت تک کے لئے معاہدہ ہوا تھا تو مقررہ مدت تک اس کی پابندی لازمی قرار پائی۔ اس بارے میں احادیث گزر چکی ہیں۔ جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ تھا، اسے مقررہ میعاد تک نبھانے کا حکم ہوا بشرطیکہ وہ معاہدے والا شخص عہد شکنی نہ کرے اور نہ ہی مسلمانوں کے

خلاف کسی کی امداد کرے۔ یہ ایسا شخص ہے جس کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو اس کی مقررہ مدت تک پورا کیا جائے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کے ایفاء پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ یعنی عہد پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں اور گرفتار کرو انہیں اور گھیرے میں لے لو انہیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

آیت کریمہ میں مذکور حرمت والے مہینوں کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا ہے: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (التوبہ:36) ''ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر''۔ ابوجعفر الباقر کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن جریر کہتے ہیں کہ ان حرمت والے مہینوں میں سے ان کے حق میں آخری مہینہ محرم ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے۔ ضحاک کا بھی یہی مسلک ہے، لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور اسی طرح حضرات مجاہد، عمرو بن شعیب، محمد بن اسحاق، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہ قول ہے کہ ان مہینوں سے وہ چار مہینے مراد ہیں جن میں مشرکین کو مہلت عطا کی گئی اور جن کا ذکر اس فرمان فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (توبہ:2) میں ہے۔ پھر فرمایا: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ یعنی جب یہ چار ماہ گزر جائیں جن میں ہم نے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا تم پر حرام قرار دے دیا ہے اور ان میں انہیں مہلت عطا کی ہے، تو جہاں کہیں ان مشرکوں کو پاؤ، قتل کرڈالو۔ تو یہی چار ماہ مراد ہیں کیونکہ عہد کو مذکور کے ساتھ وابستہ کرنا بہ نسبت مقدر کے ساتھ وابستہ کرنے سے بہتر ہے۔ ان حرمت والے چار ماہ کا حکم اس سورت میں ایک دوسری آیت کے تحت بیان کیا جائے گا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یعنی زمین کے کسی مقام پر بھی تم انہیں پالو تو قتل کرڈالو۔ یہ حکم عام ہے، لیکن مشہور یہی ہے کہ حرم شریف میں جنگ کی حرمت کے باعث یہ حکم خاص ہو گیا، یعنی حرم کے علاوہ جہاں پاؤ، قتل کرڈالو جیسا کہ فرمایا: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرۃ:191) ''اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں''۔

وَخُذُوْهُمْ یعنی انہیں گرفتار کرلو اگر تم انہیں قتل کرنا چاہو یا قید کرنا چاہو۔

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ یعنی تم صرف اسی پر اکتفاء نہ کرو کہ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو جنگ کرلو، بلکہ تم خود ان پر چڑھائی کرو، ان کے قلعوں میں ہی ان کا محاصرہ کرلو اور گھات کے مقامات اور رستوں میں ان کی تاک میں بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ ان پر قافیہ تنگ کر دو اور انہیں مجبور کر دو تا کہ وہ یا تو جنگ پر آمادہ ہو جائیں یا اسلام لے آئیں اسی لئے فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ...... اسی لئے حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کرنے میں اسی آیت کریمہ اور اس جیسی دوسری آیات سے استدلال کیا تھا کہ ان کے ساتھ جہاد اس صورت میں حرام ہے جب وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمام واجبات کی بجا آوری کریں۔ اس آیت کریمہ میں بالترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ ارکان اسلام کا ذکر ہے۔ شہادتین کے بعد سب سے عظیم رکن نماز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، نماز کے بعد زکوٰۃ، اس کا نفع فقراء اور محتاجین کو حاصل ہوتا ہے، مخلوق کے ساتھ متعلقہ افعال میں اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو عموماً ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں'' (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی کوئی نماز نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، آپ کتنے عظیم فقیہ تھے! حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، ہمارے قبلہ کی جانب منہ کریں، ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں اور ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہیں مگر حق کے ساتھ۔ ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں'' (2)۔ یہ روایت صحیح بخاری اور ابن ماجہ کے سوا سنن میں بھی حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے۔ امام ابوجعفر بن جریر حضرت ربیع بن انس سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ صرف خدائے واحد کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا تھا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو اس نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی اللہ کا دین ہے جسے انبیاء و رسل لیکر تشریف لاتے رہے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو اس کا پیغام پہنچاتے رہے اس سے پہلے کہ باتیں بلاوجہ طول پکڑنے لگیں اور خواہشات اختلاف کا شکار ہونے لگیں۔ اس کی تصدیق اس آخری وحی سے ہوتی ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ ان کی توبہ یہی ہے کہ وہ بتوں کو خیرباد کہہ کر صرف اپنے رب حقیقی کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ ایک اور آیت میں فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (3) ''پس اگر یہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں''۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت آیت السیف (تلوار والی آیت) ہے جس نے نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہر قسم کے عہد و پیمان اور ہر قسم کی مدت کو منسوخ کر دیا۔ عوفی اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جب سے سورۂ برأت اتری ہے کسی مشرک کے لئے نہ کوئی عہد ہے اور نہ کوئی ذمہ، انہیں فقط چار ماہ کی مہلت حاصل تھی۔ سورۂ برأت کے نزول سے قبل جس مشرک کے ساتھ کوئی عہد و پیمان تھا، اس کی مدت اعلان برأت سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کے لئے تھی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگ جن کے ساتھ معاہدہ تھا اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 12، صحیح مسلم 52-51

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 109-108، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 225-224-199 3۔ التوبہ: 11، حوالہ روایت تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 78

ساتھ جنگ کریں، ان کے ساتھ کئے گئے تمام عہد و پیمان اور شرائط منسوخ کر دیں۔ ابن ابی حاتم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ بھیجا، ایک تو مشرکین عرب کے بارے میں، فرمایا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) ''تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں''۔ یہ روایت اسی طرح اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب کے ساتھ جہاد کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دن کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔ اور تیسری تلوار منافقین کے ساتھ جہاد ہے، فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التوبہ:73) ''اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ''۔ اور چوتھی تلوار باغیوں کے ساتھ جنگ کرنا ہے، فرمایا: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات:9) ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف''۔ پھر اس آیت سیف کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک اور سدی کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے: فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد:4) ''بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو'' اور قتادہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

''اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجئے اسے اس کی امن گاہ میں۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ میں نے آپ کو جن مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کی جانیں اور اموال آپ کے لئے مباح کر دیئے ہیں، اگر ان میں سے کوئی آپ سے امن کا خواستگار ہو تو اسے امن دیجئے تاکہ وہ قرآن کریم سن لے۔ آپ اسے قرآن کریم سنا کر اور امور دین کی تعلیم دے کر اس پر اللہ کی حجت قائم کر دیں گے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ یعنی اسے اس وقت تک امن حاصل ہے جب تک وہ اپنے وطن، گھر اور امن گاہ تک نہیں پہنچ جاتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ یعنی ہم نے اس جیسے لوگوں کے لئے اس لئے امان مشروع قرار دی ہے تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو سیکھیں اور پیغام خداوندی اس کے بندوں میں عام ہو جائے۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی انسان آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی باتیں اور قرآن کریم سننے کے لئے آئے تو وہ امن میں ہے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام الٰہی سنے اور جہاں سے آیا تھا، وہاں اپنی امن گاہ تک بعافیت واپس چلا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر اس شخص کو امان دے دیا کرتے تھے جو طلب ہدایت کے لئے آتا یا کوئی پیغام لیکر آتا جیسا کہ حدیبیہ والے دن ہوا۔ قریش کے قاصد عروہ بن مسعود،

مکرز بن حفص، سہیل بن عمرو وغیرہ یکے بعد دیگرے مذاکرات کی خاطر بلاخوف وخطر مسلمانوں کے پاس آتے رہے۔ جب انہوں نے صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی انتہائی تعظیم بجالاتے ہوئے دیکھا تو وہ دم بخود رہ گئے، یہ شان تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بھی نہ دیکھی تھی۔ واپس پلٹ کر ان قاصدوں نے اپنی قوم کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر چیزیں ان میں سے اکثر لوگوں کی ہدایت کا باعث بنیں (1)۔ جب مسیلمہ کذاب کا قاصد رسول خدا ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قاصدوں کو قتل کرنا ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا'' (2)۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ موقعہ عطا فرما دیا اور اس شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں گورنری کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا۔ اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ مسیلمہ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا اور اسے فرمایا کہ اب تو قاصد نہیں ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس ملعون کی گردن اڑا دی گئی۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص دار حرب سے دار اسلام کی طرف پیغام رسانی، تجارت، مصالحت، ادائے جزیہ یا ایسی دیگر اغراض کے لئے آئے اور امام وقت یا اس کے نائب سے امان کی درخواست کرے تو اسے امان اس وقت تک حاصل ہوگی جب تک وہ دار اسلام میں رہے اور اپنے وطن اور امن گاہ تک پہنچ جائے۔ لیکن علماء کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کے لئے سال بھر دار اسلام میں قیام کرنا جائز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک قیام کر سکتا ہے۔ چار ماہ سے زائد اور سال سے کم قیام کے بارے میں امام شافعی اور دیگر علماء کے دو قول ہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

''کیونکر ہوسکتا ہے (ان عہد شکن) مشرکوں کے لئے کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس۔ تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لئے بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین سے اعلان برأت انہیں چار ماہ کی مہلت دیئے جانے اور اس مدت کے اختتام پر جہاں مل جائیں انہیں تہ تیغ کرنے کی حکمت بیان فرما رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ یعنی ان مشرکین کے لئے کیسے کوئی عہد و پیمان اور امان ہوسکتی ہے اور کیسے انہیں ان کی موجودہ گمراہی کی حالت پر چھوڑا جا سکتا ہے حالانکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی جن کے ساتھ حدیبیہ والے دن معاہدہ ہوا جیسا کہ فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ (الفتح: 25) ''یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں''۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ...... یعنی دس سال کی مدت کے لئے جو صلح تمہارے اور مشرکین کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ہوئی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 309-308　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 600

ہے جب تک وہ مشرکین اس معاہدہ کی پابندی کرتے ہیں اور جنگ نہ کرنے کے عہد کو نبھاتے ہیں، اس وقت تک اس عہد کا ایفاء تم پر بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے اس عہد کو نبھایا۔ اہل مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ ذی القعدہ سنہ 6 ہجری تک برقرار رہا یہاں تک کہ قریش نے خود ہی عہد شکنی کی اور اپنے حلیف بنو بکر کی رسول اللہ ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف مدد کی اور اپنے حلفاء کے ساتھ مل کر حرم شریف کے اندر خزاعہ کے لوگوں کو قتل کیا۔ اس عہد شکنی کے باعث رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک سنہ 8 ہجری کو اہل مکہ پر لشکر کشی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلد حرام (مکہ) پر فتح عطا فرمائی اور اہل مکہ پر آپ ﷺ کو پورا تسلط عطا فرما دیا۔ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا، آپ ﷺ نے باوجود قدرت اور غلبہ کے سب کو آزاد کر دیا، انہی لوگوں کو ''طلقاء'' (آزاد کئے گئے) کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ ان میں سے جو کفر پر مصر رہے اور ادھر ادھر بھاگ گئے انہیں آپ ﷺ نے چار ماہ کے لئے امان دے دی، اس دوران انہیں کہیں بھی آنے جانے کی مکمل آزادی تھی۔ ان میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ تھے۔ پھر بعد از اں اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جو مقدر فرماتا ہے اور جو کرتا ہے اس پر وہ حمد و ستائش کیا ہوا ہے۔

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ﴿۹﴾

''کیونکر (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جائے) حالانکہ اگر وہ غالب آ جائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا۔ راضی کرنا چاہتے ہیں تمہیں (صرف) اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کر رہے ہیں ان کے دل۔ اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو مشرکین کے ساتھ عداوت رکھنے اور لاتعلقی کرنے پر برانگیختہ کر رہا ہے اور یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کے باعث کسی عہد و پیمان کے مستحق نہیں ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہیں نیست و نابود کرنے میں ذرا کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اور نہ تمہاری رشتہ داری اور عہد و پیمان کا لحاظ رکھیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اِلًّا'' کا معنی قرابت اور ذِمَّةً کا معنی عہد منقول ہے۔ تمیم بن مقبل کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی ''الال'' کا معنی قرابت داری ہے:

اَفْسَدَ النَّاسَ خُلُوْفٌ خَلَفُوْا　　قَطَعُوْا الْاِلَّ وَاَعْرَاقَ الرَّحِمْ (1)

(نااہل جانشینوں نے لوگوں کو بگاڑ دیا ہے، جنہوں نے قرابت داری اور رشتہ داری کی رگوں کو کاٹ دیا ہے)۔

اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں بھی:

وَجَدْنَاهُمْ كَاذِبًا اِلُّهُمْ　　وَذُو الْاِلِّ وَالْعَهْدِ لَا يَكْذِبُ (2)

(ہم نے انہیں جھوٹی اور فریب پر مبنی رشتہ داری والا پایا اور رشتہ داری اور عہد و پیمان والا شخص جھوٹ نہیں بولتا)۔

ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا میں ''اِلّ'' کا معنی اللہ ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ''لَا يَرْقُبُوْنَ اللّٰهَ وَلَا غَيْرَهٗ'' (نہ وہ اللہ کا لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی اور کا)۔ ابن جریر ابی مجلز سے بیان کرتے ہیں کہ لفظ ''اِل'' (بمعنی اللہ) جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل میں بصورت ''ایل'' آیا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور مشہور ہے، اور اکثر نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ مجاہد

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 85　　2۔ ایضاً

سے ''ال'' بمعنی عہد اور قتادہ سے ''ال'' بمعنی قسم منقول ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

''انہوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے۔ بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں پس اگر یہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) آیتیں اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے اور مومنین کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارتے ہوئے فرماتا ہے: اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا...... یعنی انہوں نے آیات الٰہی کی اتباع کے مقابلہ میں دنیا کے گھٹیا اور خسیس امور میں منہمک ہونے کو ترجیح دی ہے اور اہل ایمان کو بھی اتباع حق سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، یہ مشرکین نہایت ہی برے اعمال کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے اور اسی طرح اس سے بعد والی آیت کی بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ حافظ ابوبکر البزار کی ایک حدیث ہے جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کے لئے اخلاص اور عبادت پر دنیا کو چھوڑا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، نماز قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ دیتا تھا تو اس نے دنیا کو اس حالت میں چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا'' (1)۔ یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے پیغمبر لاتے رہے اور اس کی تبلیغ کرتے رہے اس سے پہلے کہ باتیں بلا فائدہ طویل ہو جائیں اور خواہشات مختلف ہو جائیں، اس کی تصدیق اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ اور دوسری آیت میں فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ توبہ سے مراد بت پرستی کو ترک کرنا ہے۔ پھر حضرت بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث ''وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ'' (کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا) کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے اور بقیہ کلام راوی حدیث ربیع بن انس کا ہے۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ۝

''اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے۔ بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آ جائیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرکین جن کے ساتھ تم نے ایک معینہ مدت کے لئے معاہدہ کر رکھا ہے، اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں، عہد شکنی کریں اور تمہارے دین کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے لگیں تو کفر کے ان سرغنوں کے ساتھ جنگ کرو، ممکن ہے وہ اپنے کفر، عناد اور

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 132

گمراہی سے باز آ جائیں۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، دین اسلام پر طعن کرے یا اس کا مذاق اڑائے تو اسے قتل کر دیا جائے، اسی لئے فرمایا: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ...... قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ "اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ" (کفر کے سردار اور سرغنے) ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے لوگ ہیں۔ مصعب بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کسی خارجی کے پاس سے گزرے تو اس خارجی نے آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ہے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے، میں نے تو کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جنگ کی ہے، اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اعمش حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس آیت والوں کے ساتھ جنگ نہیں کی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، اگرچہ سبب نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن یہ انہیں بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی۔ عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف بھیجا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں روانہ کرتے وقت فرمایا کہ تمہیں کچھ ایسے لوگ ملیں گے جن کے سر منڈے ہوئے ہوں گے، تلواروں کے ساتھ ان کے شیطانی ٹھکانوں پر حملہ کرنا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے ایک آدمی کو قتل کرنا دیگر ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے(1)۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

"کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر (زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے۔ (سنو!) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر ہو تم (سچے) ایماندار۔ جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے اور (یوں) دور فرما دے گا غصہ ان کے دلوں کا۔ اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے"۔

یہاں بھی ان مشرکین کے خلاف جہاد پر برانگیختہ اور آمادہ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال: 30) "اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ

1۔ الدرالمنثور، جلد 3 صفحہ 215، تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 88-89

کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔ اور فرمایا: یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ (الممتحنہ: 1) ''انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے''۔ اور فرمایا: وَ اِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا (بنی اسرائیل: 76) ''اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے''۔

وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے جب مشرکین مکہ اپنے تجارتی قافلہ کو بچانے کی خاطر نکلے تھے۔ قافلہ تو عافیت سے بچ کر نکل گیا لیکن یہ سرکشی اور غرور و نخوت کے نشہ میں اہل ایمان کے ساتھ جنگ پر مصر رہے۔ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ کی عہد شکنی اور اپنے حلفاء بنو بکر کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلفاء بنو خزاعہ کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان پر چڑھائی کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح مبین عطا فرمائی۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے فرماتا ہے کہ تم ان (مشرکین) سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو، کیونکہ میں ہی اس بات کا حقدار ہوں کہ بندے میری عقوبت اور سطوت سے ڈریں، میرے ہاتھ میں ہی ہر معاملہ ہے، وہی ہوتا ہے جو میں چاہوں اور جو میں نہ چاہوں، وہ ہرگز نہیں ہوتا۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن پھر بھی مومنین کو ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم فرمایا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یہ بات تمام مومنین کے لئے عام ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہ بنو خزاعہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس فرمان وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ میں ضمیر کا مرجع بھی یہی ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہو جاتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے کہ اے عویش! یہ دعا پڑھو: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ ذَنْبِي وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ'' (1)۔ یعنی اے اللہ! اے نبی کریم محمد (ﷺ) کے رب! میرے گناہ بخش دے، میرے دل کا غصہ دور کر دے اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے پناہ عطا فرما۔

وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ...... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اور اپنے تمام کائناتی اور شرعی اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ عادل حاکم ہے جو کبھی بھی ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ذرہ بھر نیکی اور بدی ضائع کرتا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں اس کی جزا دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''کیا تم یہ خیال کر رہے ہو کہ تمہیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کریں گے تم میں سے اور جنہوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے (کسی کو اپنا) محرم راز۔ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو''۔

4۔ ابن عساکر، ترجمہ موذن عمر بن عبد العزیز

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے مومنو! کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم تمہیں یونہی چھوڑ دیں گے اور ایسے امور کے ساتھ تمہاری آزمائش نہیں کریں گے جن میں سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز ہو جائے، اسی لئے فرمایا: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ...... ''وَلِيْجَةً'' کا معنی ہے محرم راز۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہر اور باطن میں اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہیں۔ یہاں ایک قسم کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے جن کی صفات آیت کریمہ میں مذکور ہیں، ان کی متضاد صفات کے حامل دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر نہیں جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر میں کہا ہے:

وَمَا أَدْرِيْ إِذَا يَمَّمْتُ اَرْضًا أُرِيْدُ الْخَيْرَ أَيُّهُمَا يَلِيْنِيْ

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت: 3-1) ''الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو''۔ اور فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (آل عمران: 142) ''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں''، اور فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (آل عمران: 179) ''نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو''۔ کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جہاد شروع کیا تو اس کی حکمت بھی بیان کر دی، وہ ہے بندوں کی آزمائش تاکہ مطیع اور نافرمان کے درمیان فرق واضح ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے باخبر ہے جو ہو چکی ہے، جو ہو گی اور جو نہیں ہو گی، کسی بھی کیفیت میں کوئی چیز ہو وہ اس کے رونما ہونے سے قبل اور ظہور پذیر ہوتے ہوئے جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ اس کی قضاء وقدر کو کوئی رد کرنے والا بھی نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے''۔

اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کے نام پر تعمیر کردہ مساجد کو آباد کریں۔ ''مسٰجد'' جمع کے بجائے مفرد ''مسجد'' بھی پڑھا گیا ہے(1)۔ اس قراءت کے مطابق اس سے مراد مسجد حرام ہو گی جو اس روئے

4۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش: 657

زمین پر تمام مساجد سے زیادہ افضل واشرف ہے جسے شروع دن سے ہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا اور اس کی بنیاد حضرت خلیل علیہ السلام نے رکھی۔ یہ مشرکین مساجد کو آباد کرنے کے مستحق نہیں حالانکہ یہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں یعنی ان کی حالت ان کے کفر کی نشاندہی کر رہی ہے۔ انہیں یہ کہنے کی وجہ یہ ہے جس طرح سدی کہتے ہیں کہ اگر آپ نصرانی سے پوچھیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: نصرانی۔ اگر آپ یہودی سے اس کے دین کے متعلق پوچھیں تو وہ کہے گا: یہودی۔ صابی اپنا دین صابی بتائے گا اور مشرک کہے گا کہ میں مشرک ہوں۔ اسی لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ...... یعنی شرک کے باعث ان کے اعمال اکارت گئے اور جہنم میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الانفال:34)'' (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد (اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے ایمان کی گواہی دی جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ ''(1)۔ (جب تم کسی آدمی کو مسجد میں آمد ورفت کا عادی دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو)، پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اسے ترمذی، حاکم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابوبکر البزار وغیرہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' بلاشبہ مسجدوں کو آباد کرنے والے ہی اللہ والے ہیں۔'' حدیث کے الفاظ یہ ہیں: '' إِنَّمَا عُمَّارُ الْمَسَاجِدِ هُمْ أَهْلُ اللّٰهِ ''(2)۔ دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے: '' جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آفت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اہل مساجد کو دیکھ کر (آفت کو) ان لوگوں سے دور کر دیتا ہے''(3)۔ پھر انہوں نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ الحافظ بہائی مستقصی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' میری عزت وجلال کی قسم! میں اہل زمین کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں، لیکن جب میں اپنے گھروں (مساجد) کو آباد کرنے، میری رضا کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں اور سحری کے وقت استغفار کرنے والوں کو دیکھتا ہوں تو ان سے عذاب کو ٹال دیتا ہوں''۔ ابن عساکر نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ (ریوڑ سے) دور اور الگ تھلگ رہ جانے والی بکری کو دبوچ لیتا ہے۔ تفرقہ بازی اور پھوٹ سے بچو اور جماعت، اکثریت اور مسجد کو تھامے رکھو''(4)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن میمون الاودی کا کہنا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ مساجد زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو عزت سے نوازے جو یہاں اس کی ملاقات کے لئے آئے۔ مسعودی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص نماز کے لئے اذان سنے، پھر بھی وہ اس پکار پر لبیک کہتا ہوا مسجد میں نہ آیا بلکہ (گھر میں ہی) نماز پڑھ لی تو اس کی کوئی نماز نہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ...... اسے ابن مردویہ نے

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 490-491، مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 332 وغیرہ

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 1 صفحہ 217　　3۔ سنن دار قطنی　　4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 232-233

روایت کیا ہے۔ ایک اور سند سے اسے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے اور بھی متعدد طرق سے اس کے شواہد موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ...... یعنی اس نے نماز کو قائم کیا جو بدنی عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جو مخلوق کے ساتھ بھلائی پر مبنی اعمال میں سے سب سے زیادہ افضل ہے۔ اور وہ صرف اللہ سے ڈرا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے خوف کو خاطر میں نہ لایا تو ایسے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ ابن ابی طلحہ اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کو یکتا مانا اور یوم آخرت پر ایمان لایا، پانچوں نمازیں قائم کیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے صرف اس کی عبادت کی تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''عسٰی'' کا لفظ قرآن کریم میں وجوب اور تحقق کے معنی میں آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:79) ''یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔ اس سے مراد شفاعت ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''عسٰی'' کا معنی حق ویقین ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

''کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں۔ وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) باغات کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس میں تا ابد۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے''۔

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے کہا: بیت اللہ کو آباد کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بجالانا ایمان اور جہاد سے بہتر ہے۔ وہ حرم شریف کے متولی اور منتظم ہونے پر فخر کرتے اور اس بناء پر تکبر کرتے کہ وہ اہل حرم اور اسے آباد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے فخر و غرور اور حق سے روگردانی کا ذکر کیا اور مشرکین اہل حرم سے کہا: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (المؤمنون:67-66) ''(وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے۔ غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے''۔ یعنی یہ مشرکین حرم کی وجہ سے تکبر و نخوت کا شکار ہیں، حرم شریف میں

داستان سرائی کرتے ہیں لیکن قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کو، مشرکین کے بیت اللہ کو آباد کرنے اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت سے افضل قرار دیا اور یہ واضح فرمادیا کہ شرک کے ہوتے ہوئے یہ خدمت ان کے لئے اللہ کے ہاں ذرا بھی نفع بخش نہیں۔ فرمایا: لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی جن مشرکین کا یہ گمان تھا کہ وہ مسجد حرام کو آباد کرنے والے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کے باعث ظالم قرار دیا اور فرمایا کہ یہ خدمت گزاری ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی ایک اور بھی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں اتری۔ جب انہیں غزوۂ بدر میں قید کرلیا گیا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم اسلام لانے، جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو کیا ہوا، ہم بھی مسجد حرام کو آباد کیا کرتے تھے، حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اور قیدیوں کو رہائی دلواتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی یہ ساری خدمت گزاری شرک کی حالت میں تھی، اس لئے وہ نامنظور ہے (1)۔ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمان حضرت عباس اور دیگر اسیران بدر کو شرک کی عار دلانے لگے تو حضرت عباس نے کہا کہ ہم مسجد حرام کو آباد کیا کرتے تھے، غلام آزاد کرواتے، بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ عبدالرزاق شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان یہ گفتگو ہوئی تو اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن جریر محمد بن کعب القرظی سے بیان کرتے ہیں کہ طلحہ بن شیبہ، عباس بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب اپنی اپنی وجہ افتخار باتیں کرنے لگے۔ طلحہ کہنے لگا کہ بیت اللہ شریف کا کلید بردار ہوں، اگر میں چاہوں تو اس کے اندر رات گزاروں۔ عباس نے کہا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری میرے ہاتھ میں ہے، اگر میں چاہوں تو مسجد حرام میں رات بسر کروں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے پہلے چھ ماہ قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں نے جہاد کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدی نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن ان کی روایت میں طلحہ بن شیبہ کے بجائے شیبہ بن عثمان کا نام ہے۔ عبدالرزاق حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت علی، عباس اور شیبہ کے متعلق اتری جنہوں نے یہ باتیں کی تھیں۔ حضرت عباس کہنے لگے کہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں حاجیوں کو زمزم پلانے کی ذمہ داری سے مجھے ہٹا نہ دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی ذمہ داری پر قائم رہو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے''۔ محمد بن ثور نے بھی حضرت حسن سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث مرفوع وارد ہوئی ہے جس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عبدالرزاق حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں اسلام کے بعد سوائے حجاج کو پانی پلانے کے کوئی اور نیک عمل نہ کروں۔ ایک اور آدمی کہنے لگا کہ اسلام کے بعد مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں۔ ایک اور آدمی کہنے لگا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ منبر رسول ﷺ کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ اس دن جمعہ تھا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2)۔ ایک دوسری سند سے بھی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں چند صحابہ کی جماعت میں منبر رسول ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسلام کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں سوائے حاجیوں کو پانی

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 95
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 96-95

پلانے کے اور کوئی عمل صالح نہ کروں۔ ایک اور شخص کہنے لگا: بلکہ مسجد حرام کو آباد کرنا اور دوسرا آدمی کہنے لگا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمہاری باتوں سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جھڑکا اور فرمایا کہ منبر رسول علیہ السلام کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ یہ جمعہ کے دن کی بات ہے۔ لیکن جب میں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو میں رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق آپ علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ابن جریر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

"اے ایمان والو! نہ بنالو اپنے باپوں، اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ترک تعلق کا حکم دیا ہے اگر چہ وہ باپ اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ قلبی دوستی اور روابط سے منع فرما دیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (المجادلۃ: 22) "تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں"۔ حافظ بیہقی روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے ان کے سامنے اپنے معبودان باطلہ کی ستائش شروع کر دی، پہلے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پہلوتہی کرتے رہے، لیکن جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا تو باپ بیٹے کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ حضرت ابوعبیدہ نے آگے بڑھ کر اپنے باپ کا کام تمام کر دیا تو اس پر یہ آیت "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ......" نازل ہوئی (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1499، الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان کتاب السیر، جلد 7 صفحہ 65 2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو دھمکی دے دیں جو اپنے اہل وعیال، رشتہ دار اور خاندان کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہیں، فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ یعنی اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے اموال جنہیں تم کماتے ہو، تجارت جس کے مندے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور مکانات جو اپنے حسن اور عمدگی کی بناء پر تمہیں بہت پسند ہیں، اگر یہ تمام چیزیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو کس عتاب سے دوچار کرتا ہے اور کس عبرتناک سزا کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی لئے فرمایا: حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے سوائے میری ذات کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں''۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: فَأَنْتَ الْآنَ وَاللّٰهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ ''اللہ کی قسم! اب آپ ﷺ مجھے میرے نفس سے بھی زیادہ پیارے ہیں''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْآنَ يَا عُمَرُ!(1)۔ (اے عمر! اب (تم مومن کامل ہوئے ہو))۔ ایک اور صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ(2)۔ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی بھی کامل مومن نہیں بن سکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم عمدہ چیزوں کی خرید وفروخت میں لگ جاؤ گے، گائے بیل کی دمیں تھام لو گے، کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، وہ اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے''(3)۔ مسند احمد میں ایک اور سند سے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے(4)۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

''بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں۔ اور حنین کے روز بھی۔ جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 8 صفحہ 161، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 336 2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان 67

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 274، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 42 4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 84

پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی جو آیت پہلے نازل ہوئی وہ یہی آیت ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنے فضل واحسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول کی معیت میں لڑے جانے والے بہت سے غزوات میں ان کی مدد فرمائی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور تقدیر کے طفیل ہوا نہ کثرت تعداد اور مال واسباب اور اسلحہ کی فراوانی کے باعث۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ تنبیہ کر دی کہ فتح وظفر صرف اسی کی جانب سے ہے خواہ تعداد کم ہو یا زیادہ۔ غزوۂ حنین ہی کو لے لیں جب اہل ایمان کی کثرت نے انہیں گھمنڈ میں ڈال دیا، لیکن یہ کثرت ذرا بھی ان کے کام نہ آئی اور وہ پیٹھ پھیر کر راہ فرار اختیار کر گئے، صرف چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ مومنین پر اپنی تائید ونصرت نازل فرمائی جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب ہی تفصیلاً کیا جائے گا، تاکہ مومنین یہ اچھی طرح جان لیں کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور فتح ونصرت کا دارومدار اس کی امداد پر ہے اگرچہ تعداد کم ہی ہو۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:249) ''کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین ساتھی چار ہیں، بہترین فوجی دستہ چار سو (افراد) کا ہے، بہترین لشکر چار ہزار (افراد) کا ہے اور بارہ ہزار کو قلت کے باعث کبھی مغلوب نہیں کیا جا سکتا'' (1)۔ ترمذی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن اور نہایت غریب ہے۔ جریر بن حازم کے علاوہ کسی نے اس کو مسنداً روایت نہیں کیا۔ زہری نے نبی کریم ﷺ سے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے جسے اکثم بن جون نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔ غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد شوال سنہ 8 ہجری میں پیش آیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول خدا ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہو چکے تھے، اس کے امور نبٹائے جا چکے تھے، اکثر اہل مکہ اسلام لا چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ انہیں آزاد بھی کر چکے تھے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے، مالک بن عوف النضری ان کا قائد ہے۔ قبیلہ ثقیف تمام کا تمام اس کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں بنوجشم، بنوسعد بن بکر، بنو ہلال اور بنوعمرو بن عامر اور عون بن عامر کے کچھ لوگ بھی مالک بن عوف کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہ سب لوگ اپنی عورتوں، بچوں، بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے ہمراہ تمام کے تمام جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین، انصار اور قبائل عرب پر مشتمل دس ہزار کا وہ لشکر لیکر نکلے جو فتح مکہ کے لئے آپ ﷺ کی زیر قیادت آیا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ میں سے وہ دو ہزار نومسلم بھی تھے جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا۔ یہ (بارہ ہزار کا) لشکر لے کر آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان وادی حنین میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ صبح کی تاریکی میں یہ معرکہ پیش آیا۔ قبیلہ ہوازن نے وادی میں کمین گاہیں بنا رکھی تھیں، وہاں وہ گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جب لشکر اسلام ان کے قریب سے گزرنے لگا تو انہوں نے بے

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 36، تحفۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 5 صفحہ 165-166 وغیرہ

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 944، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 156-157

خبری میں اچانک مسلمانوں پر حملہ بول دیا، ان پر تیروں کی بارش کر دی، تلواریں بے نیام کئے مسلمانوں پر پل پڑے اور اپنے قائد کے حکم کے مطابق یکبارگی اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا، اس غیر متوقع ناگہانی صورت حال سے خوفزدہ ہو کر مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے جیسا کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہ آئی اور آپ ﷺ ثابت قدم رہے۔ اس روز آپ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور اسے دشمن کی جانب بڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی سواری کی دائیں رکاب پکڑے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بائیں رکاب کو تھامے ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات سواری پر بوجھ ڈال رہے تھے تاکہ وہ زیادہ تیز نہ چلے۔ آپ ﷺ بلند آواز سے اپنا نام مبارک لیکر مسلمانوں کو واپس لوٹ آنے کے لئے پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے: إِلَيَّ يَا عِبَادَ اللّٰهِ إِلَيَّ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ''میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو میری طرف، میں اللہ کا رسول ہوں'' اور اس پر خطر حالت میں بھی آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ☆ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ''میں نبی ہوں، اس میں ذرا جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''۔ اس نازک گھڑی میں آپ ﷺ کے ساتھ صرف سو یا اسی کے قریب صحابہ ثابت قدم رہے۔ ان میں سے حضرات ابوبکر، عمر، عباس، علی، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ایمن بن ام ایمن، اسامہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بلند آواز والے تھے اس لئے آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اصحاب شجرہ (درخت والوں) کو بلائیں یعنی وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ حسب ارشاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں ندا دینے لگے اور کبھی ''يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ'' ببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو' کے الفاظ سے انہیں بلاتے اور کبھی ان الفاظ کے ساتھ: ''يَا أَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ (اے حاملین سورۂ بقرہ)۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہ لبیک لبیک کہتے ہوئے واپس پلٹے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ واپس لوٹنے پر آمادہ نہ ہوا تو اس نے اپنی زرہ پہنی، اپنی سواری سے نیچے کود گیا اور اسے چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب آپ ﷺ کے پاس چند لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگی کہ ''یا اللہ! میرے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما''، اور مٹھی بھر مٹی لیکر کفار کی طرف پھینکی تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے منہ اور آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو، اس طرح انہیں لڑائی کا ہوش ہی نہ رہا، وہ شکست کھا کر بھاگے، مسلمانوں نے انہیں قتل کرتے ہوئے اور قیدی بناتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ جب باقی ماندہ لشکر اسلام واپس لوٹا تو کفار قید ہو کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کا نام یزید بن اسید ہے، یزید بن انیس بھی کہا جاتا ہے اور کرز بھی...... بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ سخت گرمی والے دن ہم روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت ہم درختوں کے سائے تلے اتر گئے۔ جب سورج ڈھل گیا تو میں نے زرہ پہنی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ سلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کی: حضور! شام ہونے والی ہے (اور اب ہوائیں بھی ٹھنڈی ہو گئی ہیں)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال کو آواز دی۔ وہ تیزی سے ایک درخت کے نیچے سے اٹھے جس کا سایہ پرندے کے سائے جیسا تھا، عرض کرنے لگے: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَأَنَا فِدَاءُكَ ''میں حاضر ہوں، ہر خدمت بجالانے کے لئے تیار ہوں اور میری جان آپ پر فدا ہو''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ انہوں نے زین نکالی جس کے دونوں پلے کھجور کے پتوں سے

بنے ہوئے تھے، جس میں فخر وغرور والی کوئی بات نہ تھی۔ انہوں نے زین کس دی تو آپ ﷺ سوار ہوئے اور ہم بھی سوار ہو گئے۔ ہم شام کو اور رات بھر صف بستہ رہے، پھر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔ اس صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے آواز دی: ''اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں''۔ پھر آپ ﷺ اپنے گھوڑے سے نیچے کود گئے اور مٹی کی ایک مٹھی لی۔ جو شخص میری نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب تھا، اس کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے ان کے چہروں پر پھینکا اور فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ یعلی بن عطاء کہتے ہیں کہ ان مشرکین کا کہنا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو اور ہمیں زمین و آسمان کے درمیان ایسی گونج سنائی دی جیسے لوہا کسی لوہے کے طشت پر بج رہا ہے(1) حافظ بیہقی نے اسی طرح دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے(2)۔

محمد بن اسحاق حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مالک بن عوف اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل ہی وہ تنگ وادی (حنین) کی کمین گاہوں میں بھرپور تیار کر کے بیٹھ گئے۔ جب صبح سویرے تاریکی میں رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے ہمراہ وادی میں سے گزرنے لگے تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے لشکر کفار نے اچانک دھاوا بول دیا۔ اس غیر متوقع حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں پھسل گئے، وہ شکست کھا کر بھاگے، کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہو گئے اور فرمانے لگے: ''اے لوگو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں''۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی سواریاں ایک دوسرے کو کچل رہی تھیں۔ جب رسول ﷺ نے یہ معاملہ دیکھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اونچی آواز سے ندا دو: ''اے گروہ انصار، اے درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو۔'' یہ آواز سنتے ہی تمام صحابہ لبیک لبیک کہتے ہوئے واپس پلٹے۔ اگر کسی شخص کا اونٹ واپسی پر آمادہ نہ ہوتا تو وہ زرہ اپنی گردن میں ڈالتا، تلوار اور کمان پکڑ کر اس آواز کی جانب قصد کر لیتا یہاں تک کہ ایک سو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں جنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ بڑی بے جگری سے لڑنے لگے۔ اول اول منادی تو انصار کو ہوئی لیکن آخر میں صرف خزرج کے ساتھ خاص ہو گئی کیونکہ وہ جنگ کے وقت ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر میدان جنگ کو ملاحظہ کیا تو لوگوں کو صبر و استقلال سے لڑتے دیکھ کر فرمایا: ''اب میدان کارزار گرم ہوا ہے''۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ واپس آئے تو قیدی رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑے تھے، ان میں سے جسے چاہا اللہ تعالیٰ نے قتل کروا دیا اور جسے چاہا شکست سے دوچار کر دیا اور ان کے اموال و اولاد اپنے رسول ﷺ کو فیئے میں عطا کر دیئے(3)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کو حنین کے دن چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: لیکن رسول اللہ ﷺ فرار نہیں ہوئے بلکہ ثابت قدم رہے، دراصل ہوازن ماہر تیر انداز تھے، جب ہماری ان سے مڈبھیڑ ہوئی اور ہم نے ان پر بھرپور حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے، لیکن ہمارے لوگ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی، اس غیر متوقع حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ہمارے ساتھی پسپا ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور ابوسفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ''میں ہی نبی ہوں اس میں ذرا بھی شک نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''(4)۔ یہ ہے آپ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 286　　2۔ دلائل النبوۃ، جلد 5 صفحہ 141

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 442-445　　4۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 37، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1401

کی کامل بے نظیر شجاعت! میدان کارزار میں آپ تنہا رہ گئے ہیں سارا لشکر پسپا ہو چکا ہے، آپ ﷺ خچر پر سوار ہیں جو نہ تیز رفتاری سے چل سکتا ہے، نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے، اس کے باوجود آپ اسے دشمنوں کی طرف بڑھا رہے ہیں اور اپنا نام لیکر نداء دے رہے ہیں تا کہ نہ پہچاننے والے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچان لیں۔ یہ سب شجاعت، ثابت قدمی اور حوصلہ اس بناء پر تھا کہ آپ ﷺ کو ذات باری تعالیٰ پر کامل اعتماد اور مکمل توکل تھا اور یہ قطعی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا، آپ کی رسالت کو مکمل فرمائے گا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس آیت کریمہ میں جنود سے مراد لشکر ملائکہ ہے جیسا کہ امام ابوجعفر بن جریر نے ایک مشرک کے حوالہ سے روایت بیان کی ہے، جس کا کہنا ہے کہ حنین کے دن جب ہماری اہل ایمان کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے انہیں ایک بکری کے دودھ دوہنے کی دیر بھی اپنے سامنے جمنے نہ دیا۔ جب ہم نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تو ہم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا یہاں تک کہ ہم سفید خچر پر سوار ایک شخص کے پاس پہنچ گئے، کیا دیکھا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کے پاس من موہنی صورت والے خوبصورت لوگ موجود تھے جنہوں نے ہمیں کہا کہ تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، واپس چلے جاؤ۔ بس اسی وقت ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ یہ فرشتے ہی تھے۔ حافظ ابوبکر بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بھی حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین وانصار میں سے صرف اسی جوانمرد ثابت قدم رہے، میں بھی انہیں میں سے تھا۔ ہم ڈٹے رہے اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ انہی ڈٹے رہنے والے حضرات پر اللہ تعالیٰ نے سکون واطمینان نازل فرمایا۔ رسول خدا ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار مسلسل پیش قدمی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے خچر نے ٹھوکر کھائی تو آپ ﷺ زین سے ایک طرف کو جھک گئے۔ میں نے عرض کی کہ حضور! اوپر ہو جائیے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہمیشہ بلند رکھے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ایک مٹھی مٹی کی دو''۔ میں نے ایک مٹھی بھر مٹی آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ ﷺ نے یہ مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینکی، تمام دشمنوں کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ مہاجرین اور انصار کہاں ہیں؟ میں نے عرض کی کہ وہ یہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں آواز دو۔ میں نے انہیں آواز دی تو وہ چمکتی ہوئی تلواریں اپنے دائیں ہاتھوں میں لئے حاضر ہو گئے۔ اب مشرکین اس ہجوم کی تاب نہ لاتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے (1)۔ مسند امام احمد میں بھی اس قسم کی روایت عفان سے مروی ہے (2)۔ شیبہ بن عثمان کا بیان ہے کہ حنین کے دن جب رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، مجھے اپنے باپ اور چچا کی یاد آ گئی جنہیں غزوۂ بدر میں حضرات علی اور حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج آپ ﷺ سے انتقام لینے کا بڑا اچھا موقعہ ہے۔ یہ ارادہ لئے میں آپ ﷺ کی دائیں جانب آگے بڑھا لیکن وہاں چاندی جیسی سفید چمکتی ہوئی زرہ پہنے عباس بن عبدالمطلب موجود تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ چچا ہیں، کبھی بھی آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پھر بائیں جانب آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب موجود ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یہ بھی ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے پھر میں پشت کی طرف سے آیا تو اب یہی تاخیر تھی کہ میں تلوار سونت کر آپ ﷺ پر وار کر دوں لیکن اچانک میرے اور آپ کے درمیان بجلی جیسا آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شعلہ میری آنکھوں میں آپڑے گا۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھ پر رکھ لیا اور پسپائی اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 142 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 453-454

ﷺ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے شیبہ، اے شیبہ! میرے قریب آؤ، اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کردے۔'' میں نے نگاہ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مجھے میری آنکھوں اور کانوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے شیبہ! کفار کے ساتھ جنگ کرو''(1)۔ ایک اور روایت میں شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حنین کے دن میں بھی رسول خدا ﷺ کے ساتھ نکلا۔ اللہ کی قسم! میں اسلام یا اس کی معرفت کی بناء پر نہیں نکلا تھا، بلکہ قریش پر ہوازن کا غلبہ مجھے ناپسند تھا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو چتکبرے گھوڑے دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بجز کافر کے کسی اور کو دکھائی نہیں دیتے'' پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا اور دعا کی: اے اللہ! شیبہ کو ہدایت نصیب فرما۔'' پھر دوسری اور تیسری مرتبہ ہاتھ مار کر آپ ﷺ نے یہی دعا کی۔ اللہ کی قسم! تیسری مرتبہ میرے سینے سے آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھانا ہی تھا کہ آپ ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ اس کے بعد حدیث کی باقی تفصیلات ذکر کیں(2)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ دونوں لشکر باہم برسر پیکار تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ دھاری دار کپڑا آسمان سے اتر رہا ہے، وہ ہمارے اور دشمنان اسلام کے درمیان گر پڑا تو کیا دیکھتے ہیں کہ چیونٹیاں بکھری ہوئی ہیں جنہوں نے تمام وادی کو بھر دیا۔ اس وقت کفار شکست سے دوچار ہو گئے۔ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرشتے تھے(3)۔ یزید بن عامر سوائی سے جو مشرکین کے ساتھ حنین میں شریک ہوئے اور بعد میں اسلام لے آئے، جب اس رعب کے متعلق دریافت کیا جاتا جسے حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا تھا تو اس کے جواب میں وہ کنکریاں لیکر کسی طشت میں رکھ کر بجاتے اور کہتے کہ ہم اپنے دلوں میں اس طرح کی گونج پاتے تھے۔ اس کی تائید یزید بن اسید کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُوْتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ(4)۔ ''مجھے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے اور مجھے جامع کلمات (جن کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) عطا کئے گئے ہیں''، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ......۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ...... اللہ تعالیٰ نے باقی ہوازن پر مہربانی فرمائی، انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ اس وقت مکہ کے قریب جعرانہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے اور غزوہ کو تقریباً بیس دن گزر چکے تھے۔ اس مقام پر آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اپنے قیدی واپس لے لو یا اپنے اموال۔ انہوں نے قیدیوں کو واپس لینا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں سمیت ان کے چھ ہزار قیدی انہیں لوٹا دیئے اور مال غنیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ فتح مکہ کے دن آزاد کردہ نومسلموں کو بھی مال غنیمت میں سے تالیف قلوب کی خاطر آپ ﷺ نے سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ ان میں سے مالک بن عوف نضری بھی تھا جسے آپ ﷺ نے بدستور اپنی قوم پر عامل کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ اس نے آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس میں وہ کہتا ہے: میں نے حضرت محمد ﷺ جیسا تمام مخلوق میں نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ جب آپ ﷺ سخاوت کرتے ہیں تو گرانقدر عطیات سے نوازتے ہیں اور جب چاہیں مستقبل کے بارے میں آگاہ کر دیتے ہیں۔ جب لشکر نیزے اور تلواریں لئے میدان جنگ میں کود جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شیر ہیں جو اپنے ٹھکانہ میں اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے(5)۔

1۔ دلائل النبوت از بیہقی، جلد 5 صفحہ 145 2۔ دلائل النبوت، جلد 5 صفحہ 146 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 449
4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد: 372 5۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 491، دلائل النبوت از بیہقی، جلد 5 صفحہ 199، اسد الغابۃ، جلد 5 صفحہ 43

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا‌ ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَـقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡـكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۞

"اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد۔ اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں"۔

اللہ تعالیٰ پاکیزہ دین اور پاکیزہ شخصیت کے حامل اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد ان مشرکین کو مسجد حرام کے قریب تک نہ پھٹکنے دیں جو بلحاظ دین وعقیدہ نجس ہیں۔ یہ آیت کریمہ سنہ 9 ہجری میں نازل ہوئی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسی سال روانہ کیا اور حج کے موقعہ پر یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ ہی کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم شرعی کو تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے غلام اور ذمی کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مسند احمد کی ایک اور مرفوع روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک داخل نہ ہو سوائے معاہدہ والوں اور خدام کے" (1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کو مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہونے سے روکو، ان کے پیش نظر ممانعت کی وجہ یہی آیت کریمہ اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ...... تھی۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم تمام کا تمام مسجد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا یہ آیت کریمہ مشرک کے نجس ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے: اَلۡمُؤۡمِنُ لَا يَنۡجُسُ (2)۔ "مومن نجس نہیں ہوتا"۔ جہاں تک مشرک کے بدن کے نجس ہونے کا تعلق ہے، جمہور علماء کے نزدیک مشرک کا بدن اور ذات نجس نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دیا ہے۔ جبکہ ظاہر یہ مشرکین کے ابدان کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے ساتھ مصافحہ کرے، اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے۔ اسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

اِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس حکم کے نزول پر بعض لوگوں نے کہا کہ اس طرح تو ہمیں کساد بازاری کا سامنا کرنا ہوگا، تجارت ختم ہو جائے گی اور ان بازاروں سے جو منافع ہم حاصل کرتے تھے، ان سب سے ہم ہاتھ دھو

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 392
2۔ صحیح بخاری، کتاب الغسل، جلد 1 صفحہ 79

بیٹھیں گے، اس پر یہ فرمان: اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً...... عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ نازل ہوا۔ یعنی جس کاروبار کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں اندیشہ ہے، یہ اس کا عوض ہے۔ مشرکین کے ساتھ قطع تعلقی کی صورت میں متوقع کاروباری نقصان کے اندیشہ کو اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے ساتھ دور کر دیا کہ وہ اس کے بدلہ میں انہیں جزیہ دلائے گا(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ضحاک وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی وہ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور اس کے اوامر ونواہی مبنی بر حکمت ہیں کیونکہ وہی اپنے اقوال و افعال میں کامل ہے اور اپنی مخلوق اور اوامر میں عادل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ان تجارتی منافع کے عوض میں اہل ذمہ سے جزیہ دلانے کا وعدہ فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...... ان اہل کتاب نے جب حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا تو ان کا کسی بھی نبی کے ساتھ ایمان باقی نہ رہا اور نہ ہی اس کی شریعت پر، بلکہ وہ اپنے عقائد میں اپنی ذاتی آراء، خواہشات اور اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ کا دین اور اس کی شریعت ہے، کیونکہ اگر ان کا اپنی اپنی شریعتوں پر صحیح ایمان ہوتا تو وہ ضرور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آتے، کیونکہ تمام انبیاء آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری اور آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیتے رہے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ آپ ﷺ افضل الرسل ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں کو اس بناء پر تھامے ہوئے نہیں ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں بلکہ لذات وخواہشات کے اسیر ہونے کی وجہ سے، اس لئے باقی انبیاء کے ساتھ ان کا ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا جبکہ یہ سید الانبیاء، افضل الرسل، خاتم النبیین اور اکمل الرسل کے ساتھ کفر کرتے ہوں۔ اس لئے فرمایا: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...... یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم ہے۔ اس سے پہلے مشرکین کے ساتھ امور طے ہو چکے تھے، لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو چکے تھے اور جزیرہ عرب راہ راست پر چل نکلا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہود ونصاریٰ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنہ 9 ہجری میں نازل ہوا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی، آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا اور انہیں شریک جہاد ہونے کی دعوت دی، مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کرنے کے لئے پیغام بھیجا۔ تمام لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تیار ہو گئے۔ تقریباً تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر جمع ہو گیا۔ مدینہ اور اردگرد کے بسنے والے منافقین ہی پیچھے رہ گئے۔ یہ سال شدید گرمی اور قحط کا سال تھا۔ نبی کریم ﷺ نے رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے شام کا قصد کیا اور تبوک کے مقام پر فروکش ہو گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے تقریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر واپسی کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور لوگوں کے ضعف اور ناسازگاری حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے، عنقریب ان شاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔ جن حضرات کی یہ رائے ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب یا ان کے مشابہ مثلاً مجوسیوں سے لیا جائے گا، انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث شریف بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام عجمیوں سے جزیہ لیا جائے گا اگرچہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے۔ البتہ عربوں میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 547-548

جائے گا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتابی، مجوسی، بت پرست اور دیگر کفار پر جزیہ عائد کرنا جائز ہے۔ ان مذاہب کے تفصیلی دلائل کا یہ مقام نہیں۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ یعنی اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ذلیل ومغلوب ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ چونکہ یہ لوگ ذلیل، حقیر اور گھٹیا ہیں اس لئے اہل ذمہ کی نہ تو عزت وتوقیر جائز ہے اور نہ ہی انہیں مسلمانوں پر مقدم اور بلند کرنا درست ہے، بلکہ یہ ذلیل، حقیر اور بدبخت ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، جب ان میں سے کسی کے ساتھ رستہ میں تمہاری ملاقات ہوجائے تو اسے تنگی کی طرف مجبور کردو'' (1)۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی تذلیل اور تحقیر کی خاطر ان پر ایسی ہی معروف شرطیں لاگو کی تھیں اور یہ شرائط عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کی روایت میں موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ معاہدہ تحریر کیا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے نصاریٰ کے مابین طے ہوا تھا کہ یہ فلاں فلاں شہر کے نصاریٰ کی طرف سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے عہدنامہ ہے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہم نے تم سے اپنی جان ومال، اہل وعیال اور اہل ملت کے لئے امان کی درخواست کی اور ہم نے اپنے اوپر یہ شرائط عائد کیں کہ ہم اپنے شہر میں اور اس کے اردگرد کوئی نیا دیر، کلیسا، گرجا گھر اور خانقاہ تعمیر نہیں کریں گے، ان میں سے مسمار ہوجانے والی عبادت گاہ کی تجدید نہیں کریں گے، مسلمانوں کے مخصوص علاقوں میں کوئی عبادت گاہ نہیں بنائیں گے، مسلمانوں کو دن رات کے کسی وقت میں بھی اپنے گرجا گھروں میں اترنے سے نہیں روکیں گے، راہ گزر اور مسافر کے لئے ہم ان کے دروازے کھلے رکھیں گے اور ہر آنے والے مسلمان کو ہم تین دن ٹھہرائیں گے اور مہمان نوازی کریں گے، ہم اپنے کلیساؤں اور گھروں میں کسی جاسوس کو پناہ نہیں دیں گے، مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دیں گے، اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہیں کریں گے اور نہ اس کی طرف کسی کو دعوت دیں گے، اپنے کسی قرابت دار کو اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے، مسلمانوں کی عزت کریں گے، اگر وہ ہماری مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں تو اٹھ کر انہیں جگہ دیں گے، کسی چیز میں ہم مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہیں کریں گے، نہ لباس میں، نہ ٹوپی میں، نہ عمامہ اور نہ ہی مانگ نکالنے میں، ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، تلواریں حمائل نہیں کریں گے، زین ڈالے ہوئے گھوڑے پر سواری نہیں کریں گے، کوئی اسلحہ نہیں بنائیں گے اور نہ اپنے پاس رکھیں گے، اپنی انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں بنوائیں گے، شراب فروشی نہیں کریں گے، اپنے سروں کے سامنے کے بالوں کو کٹوادیں گے، جہاں کہیں ہوں گے زنار ڈالے رہیں گے، اپنے گرجا گھروں پر صلیب کا نشان ظاہر نہیں کریں گے، مسلمانوں کی گزرگاہوں اور بازاروں میں صلیب اور اپنی مذہبی کتب کا اظہار نہیں کریں گے، اپنے کلیساؤں میں بلند آواز سے ناقوس نہیں بجائیں گے، مسلمانوں کی موجودگی میں بلند آواز سے اپنی مذہبی کتابیں نہیں پڑھیں گے، پراگندہ بال اور شوریدہ حال باہر نہیں نکلیں گے، اپنے مردوں پر بین نہیں کریں گے اور نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے رستوں اور بازاروں میں آگ لیکر چلیں گے، مسلمانوں کے پڑوس میں اپنے مردے نہیں دفن کریں گے، مسلمانوں کے حصہ میں آئے ہوئے غلام ہم نہیں لیں گے، مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی کریں گے اور ان کے گھروں میں نہیں جھانکیں گے۔ جب میں یہ عہدنامہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں اس شرط کا اضافہ کردیا کہ ہم کسی مسلمان کو نہیں ماریں گے۔ یہ وہ شرائط ہیں جو ہم نے قبول کیں، اسی بناء پر ہمیں امان حاصل

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام: 1707

ہوئی، اگر ہم نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو ہمیں آپ کی طرف سے کوئی ذمہ حاصل نہیں ہوگا اور آپ کے لئے ہم پر وہ سب سلوک جائز ہوگا جو آپ دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

''اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جارہے ہیں انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح فرزند مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے، وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو کافر یہود و نصاریٰ کے خلاف ان کی اس بے سروپا اور من گھڑت بات کی وجہ سے جہاد پر برانگیختہ کر رہا ہے، یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت ارفع اور بلند ہے۔ سدی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عزیر علیہ السلام کی بابت یہ شبہ اس لئے پڑا کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے اور انہوں نے ان کے علماء کو قتل کر دیا اور ان کے زعماء کو گرفتار کر لیا تو حضرت عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کی بربادی اور علم کے اٹھ جانے پر رنجیدہ خاطر ہو کر اس قدر روئے کہ آپ کی پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ آپ ایک دن حسب معمول گریہ وزاری کر رہے تھے کہ آپ کا گزر ایک قبرستان سے ہوا۔ وہاں ایک عورت قبر پر بیٹھی رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ہائے، مجھے کھلانے والے اور پہنانے والے! آپ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا کہ تم پر افسوس! اس سے قبل تمہیں کون کھلاتا تھا؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ تو آپ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی کہ اے عزیر! مجھے بتاؤ کہ علماء سے پہلے بنی اسرائیل کو کون تعلیم دیتا تھا، فرمایا: اللہ۔ تو وہ عورت کہنے لگی کہ پھر آپ ان پر کیوں روتے ہیں؟ حضرت عزیر علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس میں تو ان کے لئے نصیحت کا پہلو ہے۔ پھر آپ کو فرمایا گیا کہ فلاں دریا پر جا کر غسل کرو اور وہاں دو رکعتیں ادا کرو، وہاں تمہیں ایک بزرگ ملیں گے، وہ جو تمہیں کھلائیں بلا جھجک کھا لینا۔ چنانچہ آپ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور حکم بجا لائے۔ ایک بزرگ انہیں آ کر کہنے لگے کہ اپنا منہ کھولو، انہوں نے اپنا منہ کھولا تو اس بزرگ نے تین مرتبہ آپ کے منہ میں ایک بہت بڑی چیز ڈالی۔ حضرت عزیر علیہ السلام واپس پلٹے تو آپ تورات کے سب سے بڑے عالم بن چکے تھے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لیکر آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ آپ جھوٹے نہ تھے۔ آپ نے اپنی ایک انگلی پر قلم باندھ لیا اور اس ایک انگلی کے ساتھ ہی تمام تورات لکھ ڈالی۔ جب بنی اسرائیل دشمن کے ساتھ قتال سے واپس لوٹے اور علماء بھی واپس پہنچ گئے تو انہیں حضرت عزیر علیہ السلام کی بابت آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ وہ تورات کے وہ تمام نسخے نکال لائے جو انہوں نے پہاڑوں میں محفوظ کر دیئے تھے اور ان

کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھوائے ہوئے نسخہ کا مقابلہ کیا تو اسے بالکل درست پایا۔ اس کمال کو دیکھ کر بعض جاہل کہنے لگے کہ آپ کے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں(1)۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کی گمراہی کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یعنی سوائے افتراء اور بہتان تراشی کے ان کے پاس اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں۔

يُضَاهِئُوْنَ...... اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی یہ ناہنجار سابقہ قوموں کی تقلید کر رہے ہیں، جس طرح وہ گمراہ ہوئے یہ بھی ان کی مشابہت اختیار کر کے گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، یہ کس طرح حق سے بھٹک کر باطل کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں دعوت اسلام پہنچی تو وہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ ان کی بہن اور ان کی قوم کے چند افراد قید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہن پر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس لوٹیں اور انہیں اسلام کی طرف راغب کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جانے کی تلقین کی۔ چنانچہ عدی مدینہ شریف حاضر ہو گئے۔ وہ اپنے قبیلہ طیٔ کے سردار تھے اور ان کا باپ حاتم طائی سخاوت میں مشہور و معروف آدمی تھا۔ لوگ ان کی آمد کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ جب عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی، حضور ﷺ اس وقت یہ آیت کریمہ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ ...... تلاوت فرما رہے تھے۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہ اپنے علماء اور راہبوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن وہ ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے تھے، اس میں لوگ ان کی پیروی کرتے، بس یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! کیا کہتے ہو؟ کیا اللہ اکبر کہنا تمہارے لئے نقصان دہ ہے؟ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ بڑی کسی چیز کا علم ہے؟ کیا نقصان ہے تمہارا؟ کیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا تمہیں نقصان پہنچاتا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟'' پھر آپ ﷺ نے عدی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ اس پر آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور نصاریٰ گمراہ ہیں''(2)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرات حذیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عباس وغیرہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے حلال و حرام میں اپنے علماء اور راہبوں کی اتباع کی۔ سدی کہتے ہیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر اپنے بزرگوں کی باتوں کو ترجیح دینا شروع کر دی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا وہ جسے حرام قرار دے وہی حرام ہے اور جسے وہ حلال کر دے وہی حلال ہے، اسی کی شریعت ہی قابل اتباع ہے اور صرف اسی کا حکم ہی نافذ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں، وہ شرکاء، نظراء، اعوان و انصار، اضداد و اولاد تمام سے اعلیٰ و ارفع اور منزہ و مقدس ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 111-112

2۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ توبہ، جلد 8 صفحہ 492-494، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 378-379

''(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچادے اپنے نور کو اگر چہ ناپسند کریں (اس کو) کافر۔ وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کردے اسے تمام دینوں پر اگر چہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب میں سے کفار کی یہ خواہش ہے کہ وہ محض اپنی حجت بازی اور افتراء پردازی سے کتاب ہدایت اور دین حق کے نور کو بجھادیں ان لوگوں کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی پھونک سے سورج کی شعاعوں یا چاند کے نور کو بجھانا چاہے، لیکن ایسا کرنا ناممکن ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کو تکمیل تک پہنچائے اور دوسرے ادیان پر غلبہ عطا فرمائے۔ اس لئے ان کے ارادہ اور خواہش کے مقابلہ میں فرمایا: وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ لغوی اعتبار سے ''کافر'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو چھپادیتا ہے اور اسے ڈھانپ دیتا ہے۔ رات کو بھی ''کافر'' اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اشیاء کو (اپنی تاریکی میں) چھپالیتی ہے۔ کسان چونکہ دانے زمین میں چھپادیتا ہے اس لئے اسے بھی کافر کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ (الحدید:20) ''اور نہال کردے کسانوں کو اس کی (شاداب وسرسبز) کھیتی''۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ہدایت سے مراد صداقت پر مبنی خبریں، ایمان صحیح اور علم نافع ہے۔ دین حق سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو دنیا و آخرت میں نفع کا موجب بنیں۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تا کہ اللہ تعالیٰ اسے تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب میرے لئے سمیٹ دیئے ہیں، عنقریب میری امت کا ملک زمین کے سمیٹے گئے مقامات تک پہنچے گا''(1)۔ مسند امام احمد میں مسعود بن قبیصہ یا قبیصہ بن مسعود سے روایت ہے کہ بنو محارب کے ایک قبیلہ نے صبح کی نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد ان میں سے ایک نوجوان کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تمہیں زمین کے مشارق و مغارب کی فتوحات حاصل ہوں گی، تمہارے حکام دوزخی ہیں بجز متقی اور امین لوگوں کے''(2)۔ مسند احمد میں ہی حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''یہ دین ضرور اس جگہ تک پہنچے گا جہاں دن اور رات پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی پختہ اور کچے (شہری و دیہاتی) گھر کو نہیں چھوڑے گا مگر اس میں اس دین کو داخل فرمادے گا۔ معزز لوگوں کو وہ عزت سے سرفراز کرے گا اور ذلیل لوگوں کو ذلت میں ڈال دے گا، ایسی عزت جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسلام کو معزز و غالب کردے گا اور ایسی ذلت جس کے ذریعے وہ کفر کو ذلیل کردے گا۔'' حضرت تمیم الداری فرماتے کہ اس چیز کو میں نے اپنے گھر والوں میں ہی ملاحظہ کرلیا ہے، ان میں سے مسلمان ہونے والوں نے خیر، شرف اور عزت و غلبہ پالیا ہے اور کفر پر ڈٹے رہنے والوں کو ذلت، حقارت اور جزیہ کا سامنا کرنا پڑا ہے(3)۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''روئے زمین پر کوئی بھی کچا پکا گھر باقی نہیں رہے گا مگر اس میں اسلام کا کلمہ داخل ہوگا۔ یہ (اسلام) معزز کو معزز اور ذلیل کو ذلیل بنا دے گا۔ یا تو اللہ تعالیٰ انہیں عزت سے نوازے گا اور انہیں اہل اسلام میں داخل کردے گا یا انہیں ذلیل و رسوا کردے گا اور وہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے''(4)۔ مسند میں ہی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2215 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 366-367 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 103 4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 4

خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے'' میں نے عرض کی کہ میں تو ایک دین کا پیروکار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے زیادہ تمہارے دین کو جانتا ہوں''۔ میں نے کہا: (کیا) آپ ﷺ مجھ سے زیادہ میرے دین کو جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کیا تم رکوسیہ میں سے نہیں ہو اور تم اپنی قوم کے مال غنیمت میں سے ایک چوتھائی ہڑپ کر جاتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے دین میں یہ چیز تمہارے لئے حلال نہیں'' جونہی آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی میں نے آپ ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو، مجھے بخوبی علم ہے کہ تمہیں کونسی چیز اسلام لانے سے مانع ہے، تم یہ خیال کرتے ہو کہ اسلام کے پیروکار کمزور اور ناچار لوگ ہیں جنہیں عربوں نے نکال باہر کیا ہے، کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں سن رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو مکمل فرمائے گا یہاں تک کہ ایک اونٹنی سوار عورت حیرہ سے نکلے گی اور بغیر کسی کی امان کے بیت اللہ کا طواف کرے گی، اور ضرور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے'' میں نے (تعجب سے) پوچھا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا'' حضرت عدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک اونٹنی سوار عورت حیرہ سے نکلتی ہے اور بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ کا طواف کرتی ہے۔ اور میں کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کرنے والوں میں خود شامل تھا، اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیسری پیشین گوئی بھی ضرور وقوع پذیر ہوگی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''دن اور رات کی حکمرانی ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لات و عزیٰ کی عبادت کی جانے لگے'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا گمان تو یہ تھا کہ آیت کریمہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ کے نازل ہونے کے بعد یہ بات تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جن میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی، یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے''(2)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾

''اے ایمان والو! بے شک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہ خدا سے اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی۔ جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو (اب) چکھو (سزا اس

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 377-378، جلد 4 صفحہ 257　2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن: 2230

کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے"۔

اَحْبَار سے مراد علماء یہود ہیں جیسا کہ فرمایا: لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ (المائدۃ:63) "کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کے بات کہنے سے اور حرام کھانے سے"۔

رُهْبَان عیسائیوں کے عبادت گزار درویشوں کو کہا جاتا ہے اور قِسِّیْسِیْن ان کے علماء کو جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا (المائدۃ:82) "یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں"۔ آیت کریمہ سے مقصود لوگوں کو علماء سوء اور گمراہ عابدوں درویشوں سے متنبہ اور خبردار کرنا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو بگڑ جائیں ان میں یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور جو ہمارے عابد بگڑ جاتے ہیں ان میں نصاریٰ کی مشابہت موجود ہوتی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: "تم ضرور پہلے لوگوں کے مکمل طور پر نقش قدم چلو گے"۔ صحابہ نے پوچھا: یہود و نصاریٰ کے؟ آپ نے فرمایا: "اور کون؟" ایک دوسری روایت میں آتا ہے: ایرانیوں اور رومیوں کی روش پر؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا لوگوں میں سے صرف یہی ہیں؟" (1)۔ مقصود کلام اقوال و افعال میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے خبردار کرنا ہے، اس لئے فرمایا: لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دینی مقام و مرتبہ، منصب اور ریاست و سروری کے باعث دنیا ہڑپ کرتے ہیں اور لوگوں کے مال ہتھیا لیتے ہیں جیسا کہ یہودی علماء کو اہل جاہلیت پر شرف و برتری حاصل تھی اور ان کے پاس ان کی طرف سے خراج، تحائف اور ٹیکس پہنچتے رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ بدستور ریاست و سروری کی طمع میں اپنی گمراہی اور کفر و عناد پر ڈٹے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نور نبوت کے ساتھ ان کی اس حکمرانی کو بجھا کر راکھ کر دیا، سروری ان سے چھین لی، ذلت و حقارت ان پر مسلط کر دی اور یہ غضب الٰہی کے سزاوار ہو گئے۔

وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی وہ حرام خوری کے ساتھ لوگوں کو اتباع حق سے روکتے، حق کو باطل کا لباس پہناتے اور اپنے جاہل پیروکاروں کو یہ باور کراتے کہ وہ تو خیر کے داعی ہیں حالانکہ وہ اس طرح نہ تھے جیسا کہ وہ گمان کرتے تھے بلکہ وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے تھے اور قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار ہوں گے۔

وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ..... اس میں رؤساء کی تیسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے، کیونکہ عوام الناس علماء، صوفیاء اور مالدار لوگوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ جب ان تین طبقات کے حالات بگڑ جائیں تو لوگوں کے حالات بھی بگڑ جاتے ہیں جیسا کہ ابن مبارک نے فرمایا:

هَلْ اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(دین کو نہیں بگاڑا مگر بادشاہوں، علماء سوء اور درویشوں نے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک "کنز" اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں، اگرچہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے پوشیدہ ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اگرچہ وہ زمین پر ظاہر ہی ہو، کنز ہوگا۔ حضرات ابن عباس، جابر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی روایت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی موقف ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں ہے اگرچہ وہ زمین میں مدفون ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے جس کے ساتھ

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 300، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 25

صاحب کنز کو داغا جائے گا اگرچہ وہ مال زمین کے اوپر ہو۔ حضرت خالد بن اسلم سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حکم زکوٰۃ سے پہلے تھا، جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اموال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا(1)۔ حضرات عمر بن عبد العزیز اور عراک بن مالک رحمہما اللہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس حکم کو اس فرمان خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً (توبہ:103) منسوخ کر دیا۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تلوار کا زیور بھی کنز میں شامل ہے۔ میں تمہیں وہی بات بتا رہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم مقدار تو نفقہ ہے جبکہ اس سے زائد کنز ہے۔ یہ قول غریب ہے۔ سونا چاندی کی قلت کی مدحت اور کثرت کی مذمت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سونا چاندی جمع کرنے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہو'' تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ یہ بات صحابہ کرام پر بہت شاق گزری، وہ کہنے لگے کہ پھر ہم کونسا مال رکھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہیں معلوم کر کے بتاتا ہوں، عرض کی: یارسول اللہ! صحابہ پر یہ چیز تو بہت گراں گزری ہے اور وہ دریافت کر رہے ہیں کہ ہم کونسا مال رکھ سکتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لِسَانًا ذَاكِرًا، وَّقَلْبًا شَاكِرًا، وَزَوْجَةً تُعِيْنُ أَحَدَكُمْ عَلٰى دِيْنِهٖ(2)۔ ''ذکر کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل اور بیوی جو دینی امور میں مددگار ہو''۔ یہ روایت مسند امام احمد میں بھی موجود ہے لیکن اس میں اس راوی کا نام موجود نہیں جس نے براہ راست اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے(3)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سونے اور چاندی کے متعلق (مذکورہ) آیت نازل ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ہم پھر کونسا مال رکھ سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہیں معلوم کر کے بتاتا ہوں، یہ کہہ کر آپ اپنی سواری تیز دوڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے جا ملے، میں (ثوبان) بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شکر ادا کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور بیوی جو امر آخرت میں معاون ہو''(4)۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، امام بخاری سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ سالم نے حضرت ثوبان سے یہ روایت نہیں سنی(5)۔ اس لئے بعض حضرات نے ان سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ نازل ہوئی تو یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری، کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کے لئے مال باقی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہاری اس پریشانی کا ازالہ کرتا ہوں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ چلے اور حضرت ثوبان آپ کے پیچھے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے نبی! صحابہ کرام پر تو یہ آیت بہت شاق گزری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ تاکہ تمہارے باقی ماندہ اموال پاک ہو جائیں اور میراث کے احکام بھی ان اموال کے متعلق مقرر کئے ہیں جو تمہارے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔'' (یہ سن کر از راہ مسرت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیریں کہنے لگے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں آدمی کا بہترین خزانہ نہ بتلاؤں ... نیک عورت، جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو اسے مسرور کر دے، جب اسے حکم

1۔ فتح الباری کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 271، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 324 2۔ مصنف عبدالرزاق 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 366
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 282 5۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 491-492، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 596

دے تو وہ اسے بجالائے اور جب وہ اس سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے''۔ اسے ابوداؤد، حاکم اور ابن مردویہ نے یحییٰ بن یعلی سے روایت کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیحین کی شروط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا(1)۔ حسان بن عطیہ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، وہ ایک جگہ اترے تو اپنے غلام سے کہنے لگے کہ بڑی چھری لاؤ تا کہ ہم اس کے ساتھ ذرا کھیلیں۔ میں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا تو حضرت شداد کہنے لگے کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، کوئی ایسی بات نہیں کی، میں تو ایسی باتوں سے احتیاط کرتا ہوں، آج کی بات کو فراموش کردو اور یہ حدیث ذہن نشین کرلو جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے: ''جب لوگ سونا چاندی خزانہ کرنے لگیں تو تم ان کلمات کو خزانہ کر لینا'': اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ، وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ، وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا، وَأَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا، وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ(2)۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے ثابت قدمی اور ہدایت پر پختگی کا سوال کرتا ہوں، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی نعمتوں کے شکر اور عمدہ طریقہ سے عبادت کی توفیق ارزانی فرما، میں تجھ سے قلب سلیم اور لسان صادق کا خواستگار ہوں، میں تجھ سے ہر اس خیر کا سوال کرتا ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور ہر اس برائی سے تیری مغفرت کی امید کرتا ہوں جو تو جانتا ہے کیونکہ تو ہی غیبوں کو بخوبی جاننے والا ہے''۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ یہ کلام انہیں خاموش کرانے، سرزنش اور استہزاء کرنے کے لئے کہی جائے گی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۞ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (الدخان: 49-48) ''پھر انڈیل اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو''۔ یعنی یہ اس کا بدلہ ہے اور یہ ہے وہ جس کو تم اپنے لئے جمع کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اور اسے اطاعت الٰہی پر ترجیح دیتا ہے تو اسی چیز کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جب ان لوگوں کے ہاں اموال کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا سے بھی زیادہ ترجیح یافتہ ہے تو انہیں ان اموال کا عذاب دیا جائے گا جیسا کہ لعین ابولہب عداوت رسول ﷺ میں پوری طرح سرگرم تھا اور اس کی بیوی اس معاملہ میں اس کی معاون تھی، قیامت کے دن بھی وہ اپنے خاوند کے لئے عذاب کے بھڑکانے میں مددگار ہوگی۔ قیامت کے روز اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی، وہاں بھی لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ میں ڈالے گی تاکہ اپنے خاوند کی آگ کو تیز تر کردے۔ جس طرح یہ اموال مالدار لوگوں کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں، اسی طرح دار آخرت میں یہ ان کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوں گے، ان اموال کو آتش جہنم میں دہکایا جائے گا اور ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! خزانہ کرنے والے آدمی کی جلد کو پھیلا دیا جائے گا اور اس پر ہر دینار اور ہر درہم الگ الگ رکھا جائے گا اور انہیں گرم کر کے اسے اس طرح داغا جائے گا کہ کوئی دینار اور درہم دوسرے دینار درہم کے ساتھ مس نہیں کرے گا۔ ابن مردویہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ قیامت کے دن خزانہ ایک اژدھا کی شکل اختیار کر کے اپنے مالک کا پیچھا کرے گا اور وہ اس سے

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 126، مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ توبہ، جلد 5 صفحہ 333
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 123

بھ گئے گا، وہ کہے لگا کہ میں تمہارا خزانہ ہوں، اس کا جو عضو اس کے سامنے آئے گا اسے پکڑ لے گا۔ ابن جریر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: '' جو شخص اپنے بعد خزانہ چھوڑ جاتا ہے، وہ قیامت کے دن ایک نہایت زہریلے گنجے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے، وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ خزانہ کا مالک پوچھے گا کہ تیری بربادی ہو، تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں وہی تمہارا خزانہ ہوں جس کو تم (دنیا میں) چھوڑ آئے تھے، وہ اس کا پیچھا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ نگل جائے گا اور پھر سارا جسم''۔ اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں سعید سے روایت کیا ہے۔ دراصل یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(1)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتا اس کے اسی مال کو قیامت کے دن آگ کی بڑی بڑی تختیوں کی شکل دے دی جائے گی اور ان کے ساتھ اس کے پہلو، پیشانی اور پشت کو ایسے دن میں داغا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، پھر بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، اس کے بعد یہ شخص اپنی راہ لے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف.... (2)۔ امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ میں ربذہ کے مقام پر مقیم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، میں نے پوچھا کہ اس جگہ آپ کی اقامت کا کیا سبب ہے؟ آپ فرمانے لگے: ہم شام میں تھے، میں نے یہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ... پڑھی تو حضرت معاویہ کہنے لگے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں بھی ہے اور ان کے بارے میں بھی(3)۔ ابن جریر کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: میرے اور ان (معاویہ) کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ انہوں نے میری شکایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بذریعہ خط مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ میں حاضر ہو گیا، جب میں مدینہ شریف پہنچا تو لوگ مجھ پر اس طرح ہجوم کر آئے گویا اس سے قبل انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس چیز کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم مدینہ شریف کے قریب کسی جگہ رہائش کرلو، بہرکیف میں نے یہ کہہ دیا کہ میں اپنے موقف سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا(4)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اہل وعیال کے اخراجات سے زائد مال کا ذخیرہ کرنا حرام ہے، آپ نہ صرف برملا یہ فتویٰ دیتے بلکہ اس موقف کے اختیار کرنے کا لوگوں کو حکم دیتے اور اس پر ابھارتے اور اس نظریہ کے مخالفین کے ساتھ سختی سے پیش آتے۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں اس سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے، حضرت معاویہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ اس کی ضرر کا شکار نہ ہو جائیں چنانچہ انہوں نے یہ شکایت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی اور یہ مطالبہ کیا کہ حضرت ابوذر کو اپنے پاس بلالیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ شریف بلالیا اور تنہا ربذہ کے مقام پر ٹھہرا دیا۔ وہاں ہی خلافت عثمانی میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا امتحان لینا چاہا کہ کیا واقعی آپ کے قول وفعل میں یکسانیت ہے، چنانچہ آپ نے ان کی طرف ایک ہزار دینار بھیجے، انہوں نے اسی دن تمام دینار تقسیم کر دیئے، پھر حضرت معاویہ نے اسی شخص کو آپ کی طرف روانہ کیا جو دینار لایا تھا کہ وہ انہیں جا کر کہے کہ مجھ تو معاویہ نے کسی اور شخص کی طرف بھیجا تھا، میں غلطی سے آپ کے پاس آ گیا، اس لئے دینار واپس کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 82، الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 106
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 682
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 82
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 121

افسوس! وہ تو اب میرے پاس نہیں رہے، البتہ جب میرا مال آئے گا تو دیناروں کے حساب سے واپس کر دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔ حنف بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں مدینہ شریف آیا، وہاں قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی محفل جمی ہوئی تھی، میں اس محفل میں پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سخت کھردرا لباس پہنے، سخت جسم خستہ حال شخص وہاں آ گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا: مال جمع کرنے والوں کو آگ کی بشارت ہو، آتش جہنم میں گرم کیا ہوا پتھر ان کی چھاتی کے سرے پر رکھ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کندھے کی ہڈی سے باہر نکل آئے گا اور کندھے کی ہڈی پر رکھا جائے گا حتیٰ کہ چھاتی کے سرے سے باہر نکل آئے گا، لوگوں نے اپنے سر جھکا لئے ان میں سے کسی کو جواب دیتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا، وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا، میں نے اسے کہا میرا خیال ہے کہ آپ کی بات ان لوگوں پر نا گوار گزری ہے۔ انہوں نے کہا: یہ لوگ کچھ نہیں جانتے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر سے فرمایا: ''میرے لئے یہ بات باعث مسرت نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مقدار سونا ہو اور تین دن گزرنے کے باوجود اس میں سے کچھ باقی بچ جائے ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ اپنے پاس رکھ لوں (تو کوئی مضائقہ نہیں)''(1)۔ اسی حدیث کے باعث حضرت ابوذر نے یہ موقف اختیار کر لیا۔ مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کے پاس مقررہ وظیفہ پہنچا۔ آپ کی لونڈی نے آپ کی ضروریات کی بہم رسانی میں خرچ کر دیا، صرف سات بچ گئے۔ آپ نے اسے اس کے بدلہ میں فلوس خریدنے کو کہا۔ میں نے کہا: اگر آپ اپنی گھریلو ضروریات اور مہمانوں کے لئے رکھ لیں (تو بہتر ہے)۔ آپ نے فرمایا: میرے خلیل نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ جو سونا چاندی محفوظ کر کے رکھا جائے وہ اپنے مالک کے لئے انگارہ ہے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے(2)۔ حافظ ابن عساکر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِلْقَ اللّٰهَ فَقِيرًا وَلَا تَلْقَهُ غَنِيًّا ''اللہ سے فقیر بن کر ملنا، غنی بن کر نہ ملنا''۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ میرے لئے کیونکر ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مَاسُئِلْتَ فَلَا تَمْنَعْ، وَمَا رُزِقْتَ فَلَا تَخْبَأْ ''جو تجھ سے مانگا جائے اس (کے عطا کرنے) میں بخل نہ کر اور جو تجھے رزق عطا کیا جائے اسے چھپا کر نہ رکھ'' انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا: هُوَ ذَاكَ وَإِلَّا فَالنَّارُ(3)۔ ''بس یہی ہے ورنہ آگ''۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے اپنے پیچھے دو دینار یا درہم چھوڑے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(آگ کے) دو داغ ہیں، تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھو''(4)۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا، اس کے تہبند سے ایک دینار برآمد ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک داغ''، پھر ایک اور شخص کی وفات ہوئی تو اس کے تہبند سے دو دینار ملے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(آگ کے) دو داغ''۔ ابن ابی حاتم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس کے پاس سونا اور چاندی تھا تو اللہ تعالیٰ ہر قیراط کے بدلہ میں آگ کی ایک تختی بنا دے گا جس کے ذریعے اس کے قدم سے لیکر ٹھوڑی تک (جسم) داغا جائے گا''(5)۔ حافظ ابویعلیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دینار کے اوپر دینار، اور درہم کے اوپر درہم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 117 — 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 165-175-176 — 3۔ ابن عساکر

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 137 -138 -412 — 5۔ ابن ابی حاتم

نہیں رکھا جائے گا، بلکہ مال کو پھیلا دیا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے جسے تم اپنے لئے سنبھال کر رکھتے تھے، اب اپنے خزانہ کئے ہوئے مال کا ذائقہ چکھو''(1)۔ اس کا راوی سیف کذاب اور متروک ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

''بے شک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار عزت والے ہیں، یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حج کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''سنو، زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی شکل پر واپس آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین متواتر ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (قبیلہ) مضر کا رجب جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اسے کوئی اور نام دیں گے۔ پھر فرمایا: ''کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا، ہم نے سمجھا شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''یہ کونسا شہر ہے؟'' ہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ اسے کوئی اور نام دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرمت والی ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں، عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ جو تم میں سے موجود ہے اسے چاہئے کہ وہ غائب شخص تک میرا پیغام پہنچا دے۔ ممکن ہے کہ جس شخص تک وہ میری بات پہنچائے گا وہ سننے والے کی نسبت زیادہ اسے محفوظ رکھنے والا ہو''(2)۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قسم کی روایت کی ہے۔ ابوحرہ رقاشی اپنے چچا جو صحابی ہیں، سے روایت کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ وسط ایام تشریق میں میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے لوگوں کو آپ سے دور ہٹا رہا تھا اس وقت آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! زمانہ گھوم کر اپنی اس ہیئت پر واپس آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے۔ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی ہے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب میں بارہ ہے،

1۔ مسند ابو یعلیٰ
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 37، صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 83، صحیح مسلم، کتاب القیامۃ: 7305-1306

ان میں سے چار حرمت والے ہیں، سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو'(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرمت والے مہینے محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔ ...حضور علیہ السلام کے اس فرمان کہ'' زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت کی طرف لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق کی'' کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اپنی اصل کیفیت پر لوٹ آیا ہے جس طرح ابتداء میں یہ بغیر کسی تقدیم و تاخیر، کمی بیشی اور تغیر وتبدل کے موجود تھا جیسا کہ تحریم مکہ کے بارے میں آپ نے فرمایا:'' اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے حرمت والا بنایا ہے جس دن اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کے حرمت عطا کرنے کے باعث یہ قیامت تک حرمت والا ہے'' اسی طرح زمانہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ گھوم کر اپنی اصل پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق کی۔ بعض مفسرین اور متکلمین کے نزدیک اس ارشاد سے مقصود یہ ہے کہ اس سال رسول اللہ علیہ السلام نے ذوالحجہ کے مہینہ میں حج ادا فرمایا اور عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے جس کے باعث ان کا حج عموماً ذوالحجہ کے علاوہ کسی اور مہینہ میں ہوتا تھا، اس لئے ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ سنہ 9 ہجری کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا لیکن یہ بات محل نظر ہے، اس کے متعلق گفتگو عنقریب آیت کریمہ'' اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ '' کے تحت ہوگی اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب طبرانی کی روایت ہے جس میں بعض سلف نے یہ کہا ہے کہ حجۃ الوداع کے سال اتفاق سے یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کے حج کا ایک ہی دن تھا یعنی یوم نحر (قربانی کا دن)۔

فصل: شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب'' اَلْمَشْھُوْرُ فِیْ أَسْمَاءِ الْاَیَّامِ وَالشُّھُوْرِ '' میں بیان کیا ہے کہ محرم کی وجہ تسمیہ اس کا حرمت والا مہینہ ہونا ہے لیکن میرے نزدیک تاکید حرمت کی بناء پر اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ عرب اسے بدلتے رہتے تھے، ایک سال اسے حلال قرار دیتے اور ایک سال حرام۔ اس کی جمع محرمات، محارم اور محاریم آتی ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں جنگ وجدال اور سفر پر نکلنے کے باعث ان کے گھر خالی ہو جاتے تھے جب کوئی جگہ اس کے مکین سے خالی ہو جائے تو کہتے ہیں'' صَفِرَ الْمَکَانُ ''۔ اس کی جمع اصفار آتی ہے جیسے'' جمل ''(اونٹ) کی جمع اَجمال۔ ربیع الاول نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں وہ مقیم ہو جاتے۔ ارتباع کا معنی ہے کسی جگہ اقامت اختیار کر لینا۔ اس کی جمع اَربعاء بھی آتی ہے جیسے نصیب کی جمع اَنصباء اور اَربعۃ بھی آتی ہے جیسے رغیف (روٹی) کی اَرغفۃ۔ ربیع الآخر کی وجہ تسمیہ بھی وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ البتہ یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں پانی جم جاتا تھا۔ ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے تھے (بلکہ ہر مہینہ ایک ہی موسم میں آتا تھا) لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ان مہینوں کا حساب تو چاند پر موقوف ہے اس لئے ان مہینوں کا مختلف موسموں میں گردش کرنا ضروری ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جب پہلی مرتبہ اسے یہ نام دیا گیا تو یہ سخت سردی کے موسم میں آیا ہو۔ اس کی جمع جمادیات آتی ہے جیسے حباری (سرخاب) کی جمع حباریات۔ یہ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے جماوی الاولی والاول (پانی جمنے کا پہلا مہینہ) اور جمادی الآخر والآخرۃ (پانی جمنے کا دوسرا مہینہ)۔ رجب ترجیب (تعظیم) سے ماخوذ ہے۔ اس کی جمع اَرجاب، رجاب اور رجبات آتی ہے۔ شعبان تَشَعُّبُ الْقَبَائِلِ وَتَفَرُّقُھَا لِلْغَارَۃِ '' قبائل کا غارت گری کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جانا اور بکھر جانا'' سے ماخوذ ہے۔ تشعب کا معنی ہے بکھرنا اور جدا جدا ہونا۔ اس کی جمع شعابین اور شعابات آتی ہے۔ رمضان رمضاء سے ہے جس کا معنی ہے شدت حرارت۔ جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہو جائیں تو کہا جاتا ہے'' رَمَضَتِ الْفِصَالُ ''۔ اس کی جمع رمضانات، رماضین اور ارمضۃ آتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 72-73 (کچھ اضافہ کے ساتھ)

تعالیٰ کے ناموں سے ہے، غلط اور ناقابل التفات ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ ضعیف ہے، میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اسے بیان کر دیا ہے۔ شوال "شَالَتِ الْاِبِلُ بِاَذْنَابِهَا لِلطِّرَاقِ" (اونٹوں کا دم اٹھانا) سے ماخوذ ہے۔ اس کی جمع شواول، شواویل اور شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ کی قاف پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں۔ اس کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عرب جنگ و جدال اور سفر سے بیٹھ جاتے تھے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ آتی ہے۔ ذوالحجہ کی "حاء" پر زبر اور زیر دونوں آسکتی ہیں۔ چونکہ عرب اس مہینہ میں حج کی ادائیگی کرتے اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔

دنوں کے نام:۔ دنوں میں پہلا یوم الاحد (اتوار) ہے۔ اس کی جمع آحاد، اوحاد اور وحود آتی ہے۔ سوموار کو یوم الاثنین کہتے ہیں، اس کی جمع "اثانین" آتی ہے۔ ہفتہ کا تیسرا دن "الثلاثاء" (منگل) ہے۔ یہ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے، اس کی جمع "ثلاثاوات" اور "اثالث" آتی ہے۔ بدھ کے دن کو "الاربعاء" کہا جاتا ہے، اس کی جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے۔ جمعرات کو الخمیس کہتے ہیں۔ اس کی جمع "اخمسة" اور "اخامس" آتی ہے۔ اس کے بعد جمعہ۔ اس کی میم پر پیش، سکون اور زبر پڑھنا جائز ہے، اس کی جمع جُمع اور جماعات آتی ہے۔ ہفتہ کے دن (سنیچر) کو السبت نام دیا گیا، اس کا لغوی معنی ہے کاٹنا اور قطع کرنا، چونکہ اس دن پر ہفتہ کے تمام دنوں کا اختتام ہو جاتا ہے اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا، قدیم عربوں کے ہاں ہفتے کے دنوں کے مندرجہ ذیل نام مروج تھے: "اَوَّلُ، اَهْوَنُ، جُبَارُ، دُبَارُ، مُؤْنِسُ، اَلْعَرُوْبَةُ، شِيَارُ" قدیم عربی شاعری میں بھی ان ناموں کا ذکر ملتا ہے۔

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کی اکثریت ان چار مہینوں کو حرام سمجھتی تھی، البتہ بسل نامی ایک گروہ بڑی شدت سے سال کے آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتا تھا(1)۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان میں رجب کی نسبت قبیلہ مضر کی طرف کی گئی ہے، اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت و عزت والا رجب وہ مہینہ ہے جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک حرمت والا رجب وہ مہینہ ہے جو شعبان اور شوال کے درمیان آتا ہے یعنی رمضان۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ تین لگاتار اور ایک الگ مہینے کو حرمت والا قرار دینے میں حکمت یہ ہے تاکہ لوگ آسانی سے مناسک حج و عمرہ کی ادائیگی کر سکیں۔ حج کے مہینہ سے قبل ایک مہینہ (ذوالقعدہ) حرام قرار دے دیا تاکہ سفر حج میں دقت نہ ہو کیونکہ لوگ اس مہینہ میں جنگ و جدال سے باز آجاتے ہیں۔ چونکہ ذوالحجہ میں حج کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے اور اس کے احکام بجالانا ہوتے ہیں اس لئے اسے حرام قرار دے دیا۔ اس کے بعد محرم بھی حرمت والا قرار دیا گیا تاکہ حجاج امن و سکون سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔ بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کی غرض سے آنے والوں کے لئے درمیان سال میں رجب کو حرام کر دیا تاکہ لوگ اپنے مقصود کو پالینے کے بعد اطمینان سے بلاخوف و خطر اپنے وطن کو لوٹ جائیں۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی حرام و معزز قرار دیئے گئے مہینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا ہی سیدھا دین اور سچی شریعت ہے۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ یعنی ان عزت والے مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، کیونکہ بہ نسبت دوسرے مہینوں کے ان مہینوں میں گناہ زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حرم شریف میں نافرمانی اور برائی کا گناہ اور جگہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الحج:25) "اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک

1۔ دیکھئے سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 101-102

عذاب''۔ اسی طرح ان حرمت والے مہینوں کا گناہ بھی سخت اور زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی اور دیگر بہت سے علماء کے نزدیک شہرحرام میں دیت بھی سخت ہوتی ہے، اسی طرح حرم شریف کے اندر قتل کی اور ذی محرم رشتہ دار کے قتل کی بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ''فِيهِنَّ'' میں ضمیر سے مراد سال کے سارے مہینے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے چار کو مختص کر کے حرمت والا قرار دے دیا۔ چنانچہ ان مہینوں میں اعمال سیئہ کا گناہ زیادہ ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کا اجر وثواب عظیم ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ اس فرمان فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان حرام مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، اگرچہ ظلم ہر حالت میں ظلم ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہے بڑا بنا دے۔ ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو چن لیا۔ فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے رسول چن لئے، کلام میں سے اپنے ذکر کو منتخب کیا، زمین میں سے مساجد کو پسند کر لیا، مہینوں میں سے رمضان اور حرمت والے مہینوں کو چن لیا، دنوں میں جمعہ کو اور راتوں میں شب قدر کو پسند فرما لیا، اس لئے ان تمام چیزوں کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھو جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظمت عطا کئے گئے امور کی تعظیم عقلمند اور سمجھدار لوگوں پر ضروری ہے۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ ان مہینوں کی حرمت کو پامال نہ کرو(1)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ ان مہینوں میں سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا معمول تھا جس کے بارے میں فرمان ہے: إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا (التوبہ: 37) بے شک (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں''۔ ابن جریر نے یہ قول اختیار کیا ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً حرمت والے مہینہ میں آغاز جنگ کی تحریم کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ منسوخ ہے یا محکم۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں: پہلا قول جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ تحریم منسوخ ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ پھر مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ ظاہری سیاق تو اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ اگر حرام مہینوں میں قتال حرام ہوتا تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان کر دی جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ایک حرام مہینے (ذوالقعدہ) میں ہی کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ ماہ شوال میں ہوازن کی طرف نکلے۔ جب آپ نے ان کو شکست دی اور ان کے اموال غنیمت میں حاصل کر لئے تو ان کے بچے کھچے شکست خوردہ لوگ بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کا قصد کیا اور چالیس روز تک ان کا محاصرہ کئے رکھا، پھر بغیر فتح کئے واپس لوٹ آئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے شہر حرام میں ان کا محاصرہ کیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المائدۃ: 2) ''اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں اور نہ عزت والے مہینہ کی''، اور فرمایا: الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرۃ: 194) ''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہئے تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو''۔ اور فرمایا: فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ (التوبہ: 5) ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 127

کو"۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ ہر سال کے چار مہینے ہیں نہ کہ تسییر کے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً یہ فرمان اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ ماقبل سے الگ اور نیا حکم ہو جس کا مقصد مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنا ہو یعنی جس طرح کفار تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح تم بھی سب مل کر ان خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس فرمان کے ذریعے اہل ایمان کو شہرِ حرام میں مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی جا رہی ہو جبکہ پہل ان کی طرف سے ہو جیسا کہ فرمایا: اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ (البقرۃ:194) "حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہئے" اور فرمایا: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرۃ:191) (اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں"۔ یہی جواب رسول اللہ ﷺ کے شہرِ حرام میں اہل طائف کا محاصرہ کرنے کا ہے کہ آپ کا یہ محاصرہ ہوازن اور ان کے حلفاء بنو ثقیف کے ساتھ لڑائی کا تتمہ تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے لڑائی میں پہل کی تھی اور لوگوں کو جمع کر کے اہل ایمان کو جنگ کی دعوت دی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کا قصد کیا۔ جب وہ طائف میں قلعہ بند ہو گئے تو آپ ﷺ ان کی طرف بڑھے تاکہ انہیں قلعوں سے نکال باہر کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔ منجنیق وغیرہ کے ذریعے چالیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ اس جنگ کا آغاز حرمت والے مہینے میں نہ تھا لیکن جنگ نے طول پکڑا اور حرمت والے مہینہ کا آغاز ہو گیا۔ اس طرح کئی روز تک محاصرہ جاری رہا، چنانچہ جنگ جاری رکھنا تو جائز ہے لیکن ان مہینوں میں جنگ کا آغاز کرنا جائز نہیں۔ اس کی بہت سی نظائر ہیں۔ اس کے متعلقہ احادیث ہم نے سیرت میں تحریر کر دی ہیں۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

"(حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال۔ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کئے ہے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت فرما رہا ہے کہ وہ اپنی فاسد آراء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں ناحق تصرف کرتے، اپنی ناپاک خواہشات سے احکام الٰہیہ کو تبدیل کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے لیتے، کیونکہ اس قدر ان میں قوت غضبیہ، جوانمردی اور حمیت پائی جاتی تھی کہ وہ مسلسل تین ماہ اس تحریم کی پابندی نہیں کر سکتے تھے جو جنگ و جدال جیسی ضروریات کی تکمیل سے مانع تھی، اس لئے قبل از اسلام انہوں نے اس طریقہ کو رواج دے لیا کہ وہ محرم کو حلال کر کے اس کی حرمت کو صفر کی طرف منتقل کر دیتے، اس طرح شہرِ حرام کو حلال اور شہرِ حلال کو حرام قرار دے لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چار ماہ کی تعداد پوری رہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "النَّسِیْٓءُ" کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ عربوں کا ایک سردار جنادہ بن

عوف بن امیہ کنانی جس کی کنیت ابوثمامہ تھی، ہر سال حج کے لئے آتا۔ یہ منادی کر دیتا کہ خبردار! ابوثمامہ کی بات کو نہ تو رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی معیوب گردانا جا سکتا ہے، سنو! پہلے سال کا صفر حلال ہے اور دوسرے کا حرام، اس طرح وہ ایک سال کے محرم کو حرام اور دوسرے سال کے محرم کو حلال قرار دے لیتا، اس کی تقلید میں عرب اس طرح کرتے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ(1)۔ لیث بن ابی سلیم مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ بنو کنانہ کا ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر ہر سال حج کے موقعہ پر آتا اور کہتا: اے لوگو! مجھ پر نہ تو عیب لگایا جا سکتا ہے، نہ میرے مقابلہ میں آواز بلند کی جا سکتی ہے اور نہ میری بات کو رد کیا جا سکتا ہے ہم نے محرم کو حرام کیا اور صفر کو مؤخر کر دیا۔ آئندہ سال پھر وہ ایسی ہی بات دہراتا اور کہتا: ہم نے صفر کو حرام قرار دیا اور محرم کو مؤخر کر دیا، یہی اس آیت لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کا مطلب ہے، یعنی وہ چار حرام مہینوں کی تعداد پوری رکھتے اور شہر حرام کو مؤخر کر کے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینہ کو حلال کر لیتے (2)۔ ابووائل، ضحاک اور قتادہ سے بھی تقریباً یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کے متعلق ایک اور چیز بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بنو کنانہ کا قلمس نامی ایک شخص تھا، اس وقت یہ لوگ حرمت والے مہینوں میں تغیر و تبدل نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ایسے مہینے میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی پا لیتا تو اس کی طرف اپنا ہاتھ دراز نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ قلمس نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ جنگ کے لئے نکلو تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو حرمت والا مہینہ ہے۔ اس نے اس کا حل تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس سال اس کو مؤخر کر دیتے ہیں، اس سال یہ دونوں (محرم اور صفر) مہینے صفر ہیں اور آئندہ سال ہم ان دونوں کو محرم قرار دے لیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ جب اگلا سال آیا تو اس نے کہا کہ ماہ صفر میں لڑائی مت کرو، اسے بھی محرم کے ساتھ حرام کر لو۔ بہرکیف یہ قول بہت عجیب و غریب اور محل نظر ہے کیونکہ اس طرح تو وہ ایک سال تین مہینوں کو اور آئندہ سال پانچ مہینوں کو حرمت والا قرار دیتے تھے، بھلا اس قول کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ مجاہد سے بھی ایک عجیب قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ میں حج فرض کیا، مشرکین ذوالحجہ کو محرم کا نام دے لیتے، باقی مہینوں کی ترتیب وہی رہتی۔ جب سال کے اختتام پر ذوالحجہ کا مہینہ آتا تو اس میں ایک مرتبہ پھر حج کرتے، پھر محرم کے متعلق سکوت اختیار کر لیتے اور اس کا ذکر ہی نہ کرتے۔ پھر دوبارہ اس کا نام صفر رکھ دیتے، پھر رجب کو جمادی الآخرة، پھر شعبان کو رمضان، پھر شوال کو رمضان، پھر ذوالقعدہ کو شوال، پھر ذوالحجہ کو ذوالقعدہ اور پھر محرم کو ذوالحجہ قرار دے کر اس میں حج کرتے اور اسے ذوالحجہ کا ہی نام دیتے۔ پھر وہ اس عمل کا اعادہ کرتے، اس طرح وہ دو سال ہر مہینے میں حج کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس سال حج کیا، اس سال مشرکین کی گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ماہ ذوالقعدہ تھا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے حج ادا فرمایا تو اس وقت ذوالحجہ کا ہی مہینہ تھا، یہی بات آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی کہ ''زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی''(3)۔ مجاہد کا قول بھی محل اعتراض ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج اگر ذوالقعدہ میں ہوا ہے تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے اور یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ فرمان الٰہی ہے: وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ(التوبہ:3) ''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی''۔ اس فرمان کی منادی حج ابوبکر میں کی گئی، اگر یہ حج ذوالحجہ میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے ''یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ'' (حج اکبر کا دن) نہ فرماتا اور ان کے فعل نسیء (تقدیم و

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 130 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 131 3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 131

تاخیر) سے مجاہد کی یہ بات لازم نہیں آتی کہ سال ان پر گھومتا رہتا اور وہ دو سال ہر ایک مہینہ میں حج کرتے کیونکہ نسیء تو اس تکلف کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ ایک سال محرم کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض صفر کو حرام قرار دے لیتے اور اس طرح سال کے بقیہ مہینے اپنی اپنی جگہ اپنے اصلی ناموں کے ساتھ برقرار رہتے۔ پھر دوسرے سال وہ محرم کو حرام قرار دیتے اور اسے اپنی حرمت پر ہی چھوڑ دیتے اور سال کے باقی مہینے اپنی اپنی ہیئت پر باقی رہتے۔ گویا وہ ایک سال محرم کو حلال اور دوسرے سال حرام گردانتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی میں موافقت پیدا کر دیں۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی تو وہ لگاتار تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینہ (محرم) کی حرمت کو مقدم رکھتے اور کبھی اسے ماہ صفر کی طرف مؤخر کر دیتے۔ باقی جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کہ ''زمانہ گھوم گھما کر اپنی ہیئت پر آ گیا ہے'' کا تعلق ہے، اس کے متعلق گفتگو ہم کر چکے ہیں، یعنی مہینوں کی گنتی اور حرمت و عزت والے مہینوں کی تحریم اس نظام کے موافق ہو گئی ہے جو نظام شروع سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا نہ کہ جاہل عربوں کے مطابق جو نسیئی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقبہ میں کھڑے ہوئے جہاں مسلمانوں کا جم غفیر جمع تھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''نسیئی (تقدیم و تاخیر) شیطان کی طرف سے کفر میں زیادتی ہے جس سے وہ کفار کو گمراہ کرتا ہے، وہ ایک سال اسے (محرم) حلال کر لیتے اور دوسرے سال حرام۔'' یہی ان کا وطیرہ تھا کہ وہ ایک سال محرم کو حرام سمجھتے اور صفر کو حلال، پھر محرم کو حلال قرار دے لیتے، یہی نسیئی ہے، امام محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں اس پر بہت عمدہ اور مفید گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نسیئی اور حلال و حرام مہینوں میں تغیر و تبدل کی طرح ڈالنے والا قلمس تھا، اس کا نسب یہ ہے: حذیفہ بن عبد فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، پھر اس کے بعد اس کے بیٹے عباد نے اس کی جگہ لی، پھر عباد کے بعد اس کا بیٹا قلع، پھر اس کا بیٹا امیہ، پھر امیہ کا بیٹا عوف، پھر آخر میں ابوثمامہ جنادہ بن عوف۔ اسی کے زمانہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ عرب جب حج سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس جمع ہو جاتے یہ انہیں خطبہ دیتا۔ رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک سال محرم کو حلال کر دیتا اور اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دیتا اور دوسرے سال محرم کو حرام رکھتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ مہینوں کی گنتی موافق رہے۔ یعنی وہ اللہ کے حرام کردہ مہینہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کر دیتا تھا(1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

''اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تمہیں کہ نکلو راہ خدا میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔ سو نہیں ہے سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ۔ اور تم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 44

نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اللہ تعالیٰ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر نہ ہونے والوں کو عتاب فرما رہا ہے، اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا، پھل پک چکے تھے اور سائے گھنے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ...... یعنی اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں راہ خدا میں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو تم بوجھل اور کاہل بن کر عیش پرستی، راحت و آرام اور پکے ہوئے پھلوں کی طرف مائل ہو جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ دنیا سے اعراض اور آخرت میں رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے: فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اس انگلی (اور اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا) کو سمندر میں ڈبوتا ہے، اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی انگلی کیا چیز لیکر لوٹی ہے؟"(1)۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے بصرہ میں اپنے دوستوں سے سنا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان کرتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں ایک لاکھ کا اجر عطا فرماتا ہے۔" حضرت ابوہریرہ فرمانے لگے بلکہ میں نے تو یہ بھی سن رکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں دو لاکھ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔" پھر آپ نے آیت کے اس حصہ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ کی تلاوت کی۔ دنیا میں سے جو گزر چکا اور جو باقی ہے وہ سب اللہ کے نزدیک قلیل ہے۔ حضرت اعمش اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع تو ایک مسافر کے زاد راہ کی طرح ہے۔ ابن ابی حازم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالعزیز بن مروان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو کہنے لگے کہ میرے پاس میرا کفن لاؤ تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ جب کفن ان کے سامنے رکھا گیا تو اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگے کہ اس بڑی دنیا سے میرا حصہ صرف یہی (کفن) ہے جو میں لئے جا رہا ہوں، پھر پیٹھ پھیر کر رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے دنیا! تم پر افسوس، تمہارا کثیر بھی قلیل ہے اور تمہارا قلیل تو بہت ہی معمولی ہے اگرچہ ہم تمہارے بارے میں فریب خوردہ رہے۔ پھر ترک جہاد پر دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: "اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قبیلہ کو راہ جہاد میں نکلنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے سستی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا، یہ ان کے لئے عذاب تھا۔ مزید فرمایا: وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ یعنی اگر تم اللہ کے نبی اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے کمربستہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں اور قوم لے آئے گا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد:38) "اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْــًٔا...... یعنی جہاد سے انحراف اور کاہلی کا مظاہرہ کر کے تم اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی دشمن کو مغلوب کرنے پر قادر ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت کریمہ اور یہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ:41) "(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل"، اور یہ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (التوبہ:120) "نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے رسول پاک سے"۔ اس فرمان الٰہی: 'وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ (التوبہ:122) "اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے۔ تو کیوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا 2193، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 228-229

نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی" کے ساتھ منسوخ ہیں، یہ قول حضرات ابن عباس، عکرمہ، حسن اور زید بن اسلم سے منقول ہے لیکن ابن جریر اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ جہاد کی دعوت دیں تو ان پر جہاد کے لئے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے، اگر وہ جہاد کو ترک کر دیں تو سخت عتاب کے سزاوار ٹھہریں گے (1)۔ یہ توجیہ عمدہ ہے۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

"اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کے ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو کیا ہوا، وہ بذات خود آپ ﷺ کا حامی و ناصر اور محافظ و مؤید ہے جیسا کہ اس نے آپ ﷺ کی اس وقت مدد کی جب ہجرت کے سال کفار نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دیا۔ مشرکین نے آپ ﷺ کو قتل کرنے، قید میں ڈالنے یا جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ اپنے سچے دوست اور ساتھی حضرت ابوبکر بن قحافہ کو لیکر مکہ سے نکلے، تین دن آپ ﷺ نے غار ثور میں پناہ لی تا کہ آپ ﷺ کو تلاش کرنے والے واپس پلٹ جائیں اور وہ مدینہ شریف کی طرف عازم سفر ہو جائیں۔ غار ثور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کا شکار ہو کر یہ سوچنے لگے کہ کہیں کفار ان کی اطلاع پا کر رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کے درپے نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دلاسا اور اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: "اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟" حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے غار کے اندر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں پر نظر ڈالے تو ضرور اپنے قدموں کے نیچے ہمیں دیکھ لے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے اللہ جن کا تیسرا ہو" (2)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکون و اطمینان نازل کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو پہلے سے ہی پر سکون تھے لیکن یہ تجدید تسکین کے منافی نہیں ہے، اس لئے فرمایا: وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار کے کلمہ سے مراد شرک ہے اور اللہ کا کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے لڑتا ہے، دوسرا حمیت کی خاطر جنگ کرتا اور تیسرا محض دکھاوے کے لئے، تو ان میں سے کون راہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 135

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ توبہ، جلد 6 صفحہ 83، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1854 وغیرہ

خدا کا مجاہد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس مقصد کے لئے جنگ کی تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ راہ خدا کا مجاہد ہے'' (1)۔

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ انتقام لینے اور غلبہ پانے میں سب سے زیادہ طاقتور ہے، اس کے دروازے پر پناہ لینے والے اور اس کے فرمان کو مضبوطی سے تھامنے والے کو ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا اور وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم بھی ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

''(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو''۔

ابو الضحیٰ مسلم بن صبیح کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ برأت کی نازل ہونے والی سب سے پہلی آیت ہے۔ ایک حضرمی کا خیال ہے کہ جب لوگوں میں سے کوئی علیل یا کبیر السن ہوتا تو وہ کہتا کہ میں گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا، اس وقت یہ آیت کریمہ اتری۔ اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غزوۂ تبوک کے سال رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اہل کتاب کے رومی کفار کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے کا حکم فرما رہا ہے۔ مومنوں پر ہر حال میں یہ حکم حتمی ہے، خواہ رضا کارانہ نکلیں یا بادل نخواستہ، خواہ تنگی ہو یا آسانی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''خِفَافًا'' اور ''ثِقَالًا'' سے مراد یہ ہے کہ خواہ تم بوڑھے ہو یا جوان کسی کا بھی عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ پھر وہ شام کی طرف نکلے اور جہاد کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جب سورت برأت کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو فرمانے لگے: میرا خیال یہ ہے کہ ہمارا رب ہمیں جہاد پر نکلنے کے لئے کہہ رہا ہے خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، اس لئے اے میرے بیٹو! میرا سامان تیار کرو۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عرض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، اسی طرح آپ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی مسلسل جہاد کرتے رہے۔ اب ہم آپ کی طرف سے جہاد میں شریک ہوں گے لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے سفر کا عزم کر لیا۔ چنانچہ کشتی پر سوار ہو گئے، دوران سفر ہی کشتی میں آپ کا وصال ہو گیا۔ نو دنوں تک کوئی جزیرہ نہ آیا جس میں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کا جسم مبارک جوں کا توں تھا، اس میں ذرا بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ، ابوصالح، حسن بصری، سہیل بن عطیہ، مقاتل بن حیان، شعبی، زید بن اسلم اور دیگر متعدد علماء سے ''خِفَافًا'' و ''ثِقَالًا'' کی یہی تفسیر منقول ہے یعنی بوڑھے اور جوان۔ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، غنی ہو یا مسکین۔ ابوصالح وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حکم بن عتیبہ کہتے ہیں کہ تم مشغول ہو یا غیر مشغول۔ عوفی حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ طوعاً و کرہاً جہاد کے لئے نکلو۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اہل ایمان کہنے لگے: ہم میں بھاری بھر کم بھی ہیں، ضرورت مند بھی، جاگیردار بھی، مصروف کار بھی اور خوشحال بھی۔ اس پر آیت کریمہ اتری اور اللہ تعالیٰ نے کسی کا بھی عذر قبول نہ کیا۔ حضرت حسن بصری خوشحالی اور تنگی سے بھی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے۔ بہرکیف ان تمام معانی و تفاسیر کا احتمال ہے کیونکہ آیت کے اندر عموم پایا جاتا ہے۔ امام ابوعمرو اوزاعی کہتے ہیں کہ جب اندرون روم جہاد مقصود ہو تو لوگ ہلکے پھلکے اور سوار ہو کر چلیں اور اگر ساحل سمندر پر لڑائی کا حکم ہو تو ہلکے پھلکے اور بوجھل، سوار اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 44، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1512-1513

پیدل ہر حالت میں نکلیں، یہ مسئلہ کی تفصیل ہے۔ حضرات ابن عباس، محمد بن کعب، عطاء خراسانی وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ اس آیت فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (التوبہ:122) ''تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی'' سے منسوخ ہے، اس کے متعلق گفتگو ان شاء اللہ عنقریب ہوگی۔ سدی ''خِفَافًا'' و ''ثِقَالًا'' کا معنی بیان کرتے ہیں: غنی اور فقیر، قوی اور ضعیف۔ ایک فربہ اندام بھاری بدن شخص (غالباً حضرت مقداد) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور موٹاپے کی شکایت کر کے جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو یہ حکم صحابہ کرام پر بہت گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کرتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (التوبہ:91) ''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جب کہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے''۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، پھر آپ تمام زندگی سوائے ایک سال کے کسی غزوہ سے پیچھے نہ رہے۔ آپ یہ آیت پڑھ کر فرماتے کہ میں بھی ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہوں، خفیف ہوں یا ثقیل۔ حضرت ابوراشد حرانی بیان کرتے ہیں کہ میں حمص میں شاہسوار رسول ﷺ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے ملا۔ آپ تابوت میں بیٹھے جہاد کے لئے جا رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ آپ کی ہڈیاں اتر گئی ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو آپ معذور ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ ہمارے بارے میں سورۂ بحوث (برأت) اتری جس میں یہ حکم ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا(1)۔ حیان بن زید شرعبی کہتے ہیں کہ ہم والی حمص صفوان بن عمرو کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کیلئے نکلے۔ میں نے دمشق کے ایک عمر رسیدہ شیخ فانی کو دیکھا کہ جس کے ابرو آنکھوں پر گر چکے ہیں لیکن پھر بھی شریک جہاد ہے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے چچا جان! آپ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور ہیں۔ اس نے اپنے ابرو اٹھا کر کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے خفیف اور ثقیل دونوں حالتوں میں ہمیں جہاد کو نکلنے کے لئے کہا ہے۔ سنو، اللہ تعالیٰ جس شخص سے محبت فرماتا ہے، اسے آزماتا ہے(2)۔ پھر اسے اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اپنے شکر گزار، صابر ذاکر اور عبادت گزار بندوں کو ہی آزماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول کی رضا اور خوشنودی کے لئے جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے: وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ...... یعنی یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تم خرچ کم کرتے ہو لیکن اس کے عوض تمہیں دنیا میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں جس عزت سے نوازا جائے گا وہ اس پر مستزاد ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کا کفیل ہے، اگر وہ اسے (شہادت کی) موت دے دے تو اسے جنت میں داخل فرماتا ہے اور اگر اسے اپنے گھر کی طرف لوٹا دے تو اجر و غنیمت کے ساتھ''(3)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''اسلام

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139-140
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 138
3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 166، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ:1496

لے آؤ۔" اس نے کہا کہ میں اس کی طرف رغبت نہیں پاتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا جی نہ بھی چاہے" (1)۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

"اگر ہوتا وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت۔ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زجر و توبیخ فرما رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوئے اور طرح طرح کے عذر اور بہانے تراش کر جہاد میں عدم شرکت کی اجازت لے لی۔ فرمایا: لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا...... یعنی اگر آسانی سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہوتا اور قریب کا سفر درپیش ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ شریک جہاد ہو جاتے لیکن شام کا سفر ان پر بہت شاق اور بھاری ہے۔ جب تم لوگ ان کے پاس واپس لوٹو گے تو یہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے اندر استطاعت ہوتی اور کوئی عذر نہ ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

"درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر وہ لوگ جنہیں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ شک میں ڈانواں ڈول ہیں"۔

کیا ہی خوب عتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے ہی عفو کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ؟ قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں تو عتاب ہے لیکن سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو رخصت عطا فرمائی کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں اجازت دے سکتے ہیں، فرمایا: فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (النور: 62) "پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے، تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں"۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ چند لوگوں کے بارے میں اتری۔ وہ ایک

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 109-181

دوسرے سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرو۔ اگر تمہیں اجازت مل جائے تو اپنے گھر بیٹھ جانا اور اگر اجازت نہ ہو تو بھی شریک جہاد نہ ہونا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے عذر ظاہر کر کے آپ سے اجازت چاہی تو آپ نے انہیں کیوں چھوڑ دیا۔ آپ ان میں سے کسی کو بھی عدم شریک جہاد ہونے کی اجازت نہ دیتے تاکہ آپ کو علم ہو جاتا کہ آپ کی اطاعت کا اظہار کرنے میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ وہ تو پہلے ہی سے غزوہ میں عدم شرکت کا عزم کئے ہوئے تھے اگرچہ آپ انہیں اجازت نہ بھی دیتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی غزوہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرتا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے لوگ جہاد کو قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جب انہیں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو فوراً تعمیل ارشاد کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ثواب آخرت کے امیدوار ہیں۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی صحت میں انہیں شک ہے، اسی شک میں یہ حیران اور متردد ہیں، ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں تو دوسرا پیچھے ہٹاتے ہیں، کسی معاملہ میں انہیں ثابت قدمی اور استقلال حاصل نہیں۔ یہ حیران و ششدر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی قوم ہے۔ یہ نہ ادھر کے ہیں اور نہ ادھر کے۔ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کی کوئی راہ ہدایت نہیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

"اور اگر انہوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انہوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لئے کچھ سامان لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لئے پست ہمت کر دیا انہیں اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔ اگر نکلتے تمہارے (لشکر) میں تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کر کے تمہارے درمیان فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو"۔

اگر ان لوگوں کا جہاد کا ارادہ ہوتا تو ضرور اس کے لئے تیاری کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہی نہ تھی کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ جہاد کے لئے نکلتے، اس لئے انہیں پیچھے ہی رکھا اور کہہ دیا گیا کہ تم بھی بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی معیت میں ان کے خروج کے لئے اپنی کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا...... چونکہ یہ لوگ بزدل اور بے یار و مددگار ہیں اس لئے یہ اگر تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہارے درمیان فساد میں ہی اضافہ کرتے اور چغل خوری کے ذریعے تمہارے اندر بغض، عداوت اور فتنہ کی آگ بھڑکا دیتے۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ یعنی تمہارے اندر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں، انہیں مخلص سمجھتے ہوئے ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ یہ بھولے لوگ ان کی شرانگیز فطرت سے بے خبر ہیں جس کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کے درمیان بہت بڑے فتنہ، شر اور فساد کی صورت میں نکلتا ہے۔ مجاہد، زید بن اسلم اور ابن جریر اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ تمہارے اندر ایسے جاسوس ہیں جو تمہاری باتیں سن

کران تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس تفسیر سے ان کے اہل ایمان کے ساتھ نکلنے کی خصوصیت باقی نہیں رہتی بلکہ یہ تو تمام احوال میں عام ہے، اس لئے پہلی تفسیر ہی سیاق کی مناسبت سے زیادہ موزوں ہے جسے قتادہ اور دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی ابن سلول اور جد بن قیس بھی تھے، یہ اپنی اپنی قوم میں بڑے جاہ و مرتبہ والے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے ہی رکھا کیونکہ اسے یہ علم تھا کہ یہ ناہنجار لشکر اسلام کے ساتھ شریک ہو کر ان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں گے اور لشکر کے اندر ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ان کے جاہ و مرتبہ کے باعث ان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے علم تام کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ یعنی جو کچھ ہوا، جو ہونے والا ہے اور جو وقوع پذیر نہیں ہوا، ان سب کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے اس لئے فرمایا: لَوۡ خَرَجُوۡا فِیۡکُمۡ مَّا زَادُوۡکُمۡ اِلَّا خَبَالًا ان کی حالت کے متعلق آگاہ کیا کہ اگر وہ نکلتے تو کیا ہوتا، باوجود اس کے وہ جہاد کے لئے نکلے ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ وَاِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ (الانعام:28)۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰہُ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا لَّاَسۡمَعَہُمۡ ؕ وَلَوۡ اَسۡمَعَہُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (الانفال:23) ''اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے''۔ مزید فرمایا: وَلَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ ؕ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَہَدَیۡنٰہُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا (النساء:66-68) ''اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لئے اور اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو جاتے تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستہ تک''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَۃَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَکَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَظَہَرَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَہُمۡ کٰرِہُوۡنَ ﴿۴۸﴾

''(اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے''۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے خلاف اپنے نبی علیہ السلام کو ابھار رہا ہے یعنی یہ وہ بدفطرت لوگ ہیں جنہوں نے اے میرے پیارے رسول، طویل عرصہ اپنے افکار و آراء اس مقصد کے حصول میں جھونک دیئے تاکہ وہ آپ اور آپ کے صحابہ کے خلاف سازش کے جال بچھا دیں اور دین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اس کے چراغ کو بجھا دیں۔ مدینہ شریف میں قدم رنجہ فرماتے ہی تمام عرب اکٹھے ہو کر پل پڑے اور دوسری طرف مدینہ کے یہود اور منافقین بھی آپ ﷺ کے ساتھ برسر پیکار ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں آپ ﷺ کو فتح و نصرت سے نوازا اور اپنا کلمہ بلند کر دیا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے دیگر منافق ساتھی کہنے لگے کہ یہ امر تو غالب آ چکا ہے، چنانچہ علی الاعلان مقابلہ کی طاقت نہ پاتے ہوئے وہ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر جب بھی اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرماتا تو یہ سیخ پا ہو جاتے، اسی لئے فرمایا: حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَظَہَرَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَہُمۡ کٰرِہُوۡنَ۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

''اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ خبر دار فتنہ میں تو وہ گر چکے۔ اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔''

منافقین میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو اے میرے رسول، آپ سے یہ کہتا ہے کہ مجھے گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دیں اور رومی عورتوں کے سبب مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اس کرتوت کی وجہ سے خود ہی فتنہ میں پڑ چکے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بنوسلمہ کے رئیس جد بن قیس سے فرمایا: ''اے جد! کیا تم اس سال رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو؟'' وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ تو مجھے معاف ہی رکھیں اور آزمائش میں نہ ڈالیں، اللہ کی قسم! میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا رسیا اور مشتاق کوئی نہیں، مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے رومی عورتوں کو دیکھ لیا تو ان سے باز نہیں رہ سکوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔ تو جد بن قیس کے بارے میں ہی یہ آیت اتری۔ یعنی اسے تو رومی عورتوں سے خطرہ تھا، حالانکہ یہ تو محض بہانہ تھا۔ اصل فتنہ و آزمائش جس سے وہ دوچار ہوا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنا تھا، درحقیقت اسے اپنی جان بچانے کی رغبت زیادہ تھی(1)۔ یہ منافق بنوسلمہ کا رئیس تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: اے بنوسلمہ! تمہارا سردار کون ہے؟'' کہنے لگے کہ جد بن قیس جو پرلے درجے کا بخیل ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بخل سے زیادہ بری بیماری کونسی ہو سکتی ہے! اب تمہارا سردار نوجوان خوبرو بشر بن براء بن معرور ہے''(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ جہنم کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس سے بچ نکلنے یا فرار ہو جانے کی کوئی راہ نہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

''اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں۔ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی ہے اللہ نے ہمارے لئے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے مومنوں کو۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان بدبختوں کی آپ کے ساتھ عداوت سے آگاہ فرما رہا ہے کہ جب بھی آپ کو فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے تو آپ اور آپ کے صحابہ تو بہت مسرور ہوتے ہیں لیکن ان منافقین کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور یہ ناشاد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی ناسازگار چیز آپ کو پہنچے تو یہ کم بخت خوشی سے اچھلتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی متابعت سے احتراز کر کے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کی عداوت کا جواب تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ...... یعنی اے میرے محبوب! آپ انہیں کہہ دیں کہ ہمیں صرف وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دی ہے، ہم اس کی مشیت او

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 148-149، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 516　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 308، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 461

تقدیر کے ماتحت ہیں، وہی ہمارا مولیٰ ہے، ہم اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، وہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

''فرمائیے کیا تم منتظر ہو ہمارے متعلق (کہ ہم مارے جائیں یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جن کے ہم خواہاں ہیں) اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ فرمائیے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم سے بے شک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انہیں کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز ادا کرنے کے لئے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں''۔

اے میرے محبوب! آپ ان منافقین سے کہہ دیں کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے یعنی شہادت یا فتح ونصرت، لیکن ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے عذاب بھیج کر سزا دے یا پھر ہمارے ہاتھوں سے تمہیں قید اور قتل کر کے۔ اس لئے تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا...... یعنی اے منافقو! تم خوشی خوشی خرچ کرو یا بادل نخواستہ، وہ کبھی بھی قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے نفقات کی عدم قبولیت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ...... یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوئے اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں تو انتہائی بے دلی سے گرتے پڑتے حاضر ہوتے ہیں یعنی اعمال بجالانے کی بھی ان میں ہمت اور قصد نہیں۔ مزید برآں جب یہ خرچ کرتے ہیں تو بڑی بددلی سے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتا جاؤ، اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کے نہ تو کسی نفقہ کو قبول فرماتا ہے اور نہ کسی عمل کو، وہ صرف متقین کی طرف سے قبول فرماتا ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

''سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں''۔

یہ فرمان فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ایسے ہی ہے جیسا کہ دو اور مقامات پر فرمایا: اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (طٰہٰ:131) ''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب وزینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لئے دی ہیں) تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے''، اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون:55) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حضرت حسن بصری کے نزدیک ''بِهَا'' کی ضمیر سے مقصود زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ہے، چونکہ نہ وہ اپنے اموال کی زکوۃ دیتے ہیں اور نہ خیرات کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں اس کی پاداش میں عذاب دے۔قتادہ کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہے: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْاٰخِرَةِ ''دنیاوی زندگی میں ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انہیں اس کے بدلہ آخرت میں عذاب دے''۔ابن جریر نے حضرت حسن کا قول ہی پسند کیا ہے(1)۔اور یہی قول قوی اور عمدہ ہے۔

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے کہ جب وہ مریں تو کفر کی حالت میں ہی موت کے گھاٹ اتر جائیں تا کہ یہ ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ اور شدت عذاب کا باعث بن جائے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ! یہ ان بدبختوں کے لئے استدراج (نعمتیں عطا کر کے آہستہ آہستہ جہنم میں جھونک دینا) ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھئے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان منافقین کی بزدلی، گھبراہٹ، خوف اور سراسیمگی کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تو تمہی میں سے ہیں حالانکہ حقیقت میں ان کا تمہارے ساتھ دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ لوگ ڈرپوک ہیں اور مارے خوف کے قسم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں۔اگر یہ لوگ کوئی قلعہ، پناہ گاہ یا غار یا سرنگ پا لیں تو تمہیں چھوڑ کر منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑتے ہوئے اس کی پناہ لے لیں کیونکہ ان کا تمہارے ساتھ میل جول مجبوری کی وجہ سے ہے نہ کہ محبت کے باعث۔ان کی دلی خواہش تو یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ناتا توڑ لیں لیکن ضرورت اور مجبوری کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔اس لئے اسلام جوں جوں ترقی کرتا ہے اور فتح و نصرت، غلبہ و رفعت کے جھنڈے گاڑتا چلا جاتا ہے، توں توں ان کے غم و حزن اور روگ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔جب بھی مسلمانوں کو خوشی نصیب ہوتی ہے، انہیں یہ خوشی ناگوار گزرتی ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ تم سے میل جول نہ رکھیں، اسی لئے فرمایا: لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً......

1۔تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 153

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

''اور بعض ان میں سے طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں۔ سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا انہیں اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ۔ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب! ان منافقین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تقسیم صدقات کے معاملہ میں آپ پر عیب اور تہمت لاتے ہیں حالانکہ یہ خود متہم اور بد بخت ہیں۔ ان کی ناراضگی کی وجہ مالی منفعت کے سوا کوئی اور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تو انہیں صدقات و زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگتے ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقات کا مال آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ادھر ادھر تقسیم کر دیا تو ایک انصاری نے کہا کہ یہ کوئی عدل نہیں ہے، اس وقت یہ آیت اتری۔ قتادہ اس آیت کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کچھ صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ ایک نو مسلم بدو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونا چاندی تقسیم کر رہے تھے، کہنے لگا: اے محمد! اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدل کرنے کا حکم دیا ہے تو تم عدل نہیں کرتے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ''تمہاری بربادی ہو! کون ہے جو میرے بعد تمہارے ساتھ عدل کرے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے اور اس قماش کے لوگوں سے بچ کر رہنا۔ میری امت میں اس جیسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب وہ نکلیں تو انہیں قتل کر ڈالو، پھر جب نکلیں تو انہیں قتل کر دو اور پھر جب نکلیں تو انہیں قتل کر ڈالو''۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!'' ''نہ تو میں تمہیں کوئی چیز عطا کرتا ہوں اور نہ تم سے کچھ روکتا ہوں، میں تو خازن ہوں''۔ قتادہ نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے مشابہ صحیحین کی ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت ابو سعید ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے حاصل شدہ غنائم کی تقسیم کر رہے تھے تو ذوالخویصرہ حرقوص نامی ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ عدل کریں، آپ نے عدل نہیں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو خائب و خاسر ہے اگر میں نے بھی عدل نہیں کیا'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس کی نسل سے ایسی قوم جنم لے گی کہ تم میں سے ایک شخص ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں اپنی نماز اور روزہ کو حقیر اور معمولی سمجھے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ جہاں کہیں بھی تم انہیں پاؤ قتل کر ڈالو، آسمان تلے یہ بدترین مقتول ہیں'' (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز پر آگاہ کر رہا ہے جو ان کے حق میں اس سے بہتر ہے، فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا...... یہ آیت کریمہ ایک اعلیٰ ادب اور اشرف راز کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا پر راضی رہے، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی بجا آوری، نواہی سے اجتناب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخبار کی تصدیق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا کی

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 617-618، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 744 وغیرہ

اتباع کی توفیق اسی سے طلب کرے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

"زکوٰۃ تو صرف ان کے لئے ہے جو فقیر، مسکین اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے، نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے"۔

تقسیم صدقات کے معاملہ میں جاہل منافقین کے نبی کریم ﷺ پر اعتراض اور تہمت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا کہ صدقات کی تقسیم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، یہ معاملہ اس نے کسی اور کے سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی ان کی تقسیم فرمائی ہے، خود ہی ان کا حکم بیان کیا ہے اور مذکورہ آٹھ مصارف مقرر کردیئے ہیں۔ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں دربار رسالت میں حاضر ہوا اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ عطا کیجئے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "اللہ تعالیٰ صدقات کے معاملہ میں کسی نبی یا غیر نبی کے حکم پر راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود اس نے تقسیم کردی ہے اور آٹھ مصارف مقرر کردیئے ہیں، اگر تو ان میں سے کسی مصرف میں ہے تو میں تمہیں عطا کردوں گا" (1)۔ علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ان مذکورہ آٹھ اصناف کو زکوٰۃ دینا واجب ہے یا جن اصناف کو ممکن ہو؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ تمام اصناف کو زکوٰۃ دینا واجب ہے، یہ قول امام شافعی اور ایک جماعت کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام اصناف میں زکوٰۃ کی تقسیم واجب نہیں ہے بلکہ بقیہ اصناف کے ہوتے ہوئے ایک کو ہی تمام کی تمام زکوٰۃ دے دینا بھی درست ہے۔ یہ قول امام مالک، سلف اور خلف کی ایک جماعت کا ہے جن میں حضرات عمر، حذیفہ، ابن عباس، ابو العالیہ، سعید بن جبیر اور میمون بن مہران شامل ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا یہی قول ہے۔ بہرکیف آیت کریمہ میں اصناف کا ذکر مصارف بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ ان سب اصناف کو دینے کے وجوب کے لئے (2)۔ ان اقوال کے دلائل اور بحث و مناظرہ کا یہ مقام نہیں۔ آیت کریمہ میں فقراء کو بقیہ اصناف پر مقدم رکھا کیونکہ شدت فاقہ و احتیاج کے باعث وہ دوسروں سے زیادہ محتاج ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی زیادہ بری حالت والا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں ہے جس کے پاس مال نہ ہو بلکہ فقیر سے مراد تنگدست اور مفلوک الحال ہے اگرچہ وہ کچھ کما بھی لیتا ہو۔ اس روایت میں "اخلق" کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ابن علیہ نے پیشہ رکھنے والا کیا ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، ابن زید، ابن جریر اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ فقیر وہ ہے جو دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرے اور مسکین وہ ہے جو گلیوں بازاروں میں گھوم کر اور لوگوں کا پیچھا کر کے سوال کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو اپاہج ہو اور مسکین وہ ہے جس کا جسم صحیح سالم ہو۔ منصور بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اس سے مہاجر فقراء مراد ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ مسلمان فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مساکین تو اہل کتاب ہیں۔ اب ہم ان آٹھ اصناف کی متعلقہ احادیث ذکر کرتے ہیں:۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 117　　2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 166

1۔ **فقراء:**۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ غنی اور طاقتور صحت مند آدمی کے لئے حلال نہیں''(1)۔ اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور صدقہ کے مال کا سوال کیا۔ جب آپ ﷺ نے ان پر نظر دوڑائی تو انہیں توانا پایا، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں عطا کر دوں لیکن غنی اور قوی کماؤ شخص کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں''(2)۔ ابن ابی حاتم کتاب الجرح والتعدیل میں بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر عبسی کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہل کتاب ہیں۔ لیکن یہ قول نہایت غریب ہے اگر سند صحیح بھی ہو۔ ابوحاتم نے اس ابوبکر کی جہالت پر واضح حکم نہیں لگایا لیکن وہ مجہول کے حکم میں ہے۔

2۔ **مساکین:**۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ نہیں ہے جو گھوم پھر کر لوگوں پر منڈلاتا رہے اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں اسے لوٹا دیں'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو اس قدر خوشحالی نہ پائے جو اسے بے نیاز کر دے، نہ اس کی حالت بھانپ کر اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ خود لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے''(3)۔

3۔ **العاملین:**۔ اس سے مراد صدقات جمع کرنے والے ہیں، اسی مال میں سے انہیں اجرت ملے گی۔ حضور ﷺ کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے وہ اس عہدے پر فائز نہیں ہو سکتے، کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے جس کے راوی عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث ہیں، وہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لیکر گئے کہ آپ ﷺ انہیں صدقات وصول کرنے پر عامل بنا دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے، یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے''(4)۔

4۔ **مؤلفۃ القلوب:**۔ ان کی متعدد اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ تاکہ وہ اسلام لے آئیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو غنائم حنین میں سے عطا کیا تھا حالانکہ وہ شرک کی حالت میں شریک جنگ ہوا تھا۔ صفوان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے حالانکہ آپ ﷺ پہلے مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھے(5)۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں اس لئے عطا کیا جاتا ہے تاکہ ان کا اسلام عمدہ اور دل ثابت ہو جائے جیسا کہ حنین کے دن مکہ کے آزاد کردہ زعماء کو آپ ﷺ نے سو سو اونٹ دیئے اور فرمایا: ''میں ایک شخص کو عطا کرتا ہوں حالانکہ دوسرا اس سے زیادہ مجھے محبوب ہوتا ہے اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ گرا دے''(6)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے خام سونا مٹی سمیت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے چار افراد اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، علقمہ بن علاثہ اور زید الخیر کے درمیان تقسیم کر کے فرمایا: ''میں ان کی دلجوئی کر رہا ہوں''(7)۔ ان میں سے بعض وہ ہیں

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 110، تحفۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 316-317 وغیرہ

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 118، سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 99-100

3۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 719

4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 753

5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1806، تحفۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 333-234

6۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 733

7۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 166، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 741

جنہیں اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ ان جیسے دوسرے لوگ اسلام لے آئیں۔ بعض کو عطا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے تاکہ وہ اطراف واکناف کے لوگوں سے صدقہ جمع کریں یا آس پاس کے دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔ اس کی تفصیلات احکام کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کیا نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یہ مصرف باقی ہے اور کیا اب بھی تالیف قلب اور دلجوئی کی خاطر صدقات میں سے کچھ دیا جاسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرات عمر رضی اللہ عنہ، عامر رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد مؤلفۃ القلوب کو نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، مختلف ممالک پر اقتدار عنایت فرمایا اور لوگوں کو ان کا ماتحت بنادیا اس لئے یہ مصرف باقی نہ رہا(1)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اب بھی انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور یہ مصرف ختم نہیں ہوا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد عطا فرمایا تھا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کی کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

5۔ رقاب (آزادئ گردن):۔ حضرات حسن بصری، مقاتل بن حیان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مکاتب ہیں یعنی وہ غلام جنہوں نے مقررہ رقم کی ادائیگی پر مالکوں سے اپنی آزادی کو مشروط کر رکھا ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے اور یہی قول حضرات شافعی اور لیث رحمہما اللہ کا ہے۔ حضرات ابن عباس اور حسن فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی مسلک امام احمد، مالک اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے یعنی زکوٰۃ کے مال سے مکاتب کو بھی آزاد کروایا جاسکتا ہے اور مستقل ایک غلام کو خرید کر بھی۔ احادیث میں غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور اجر و ثواب کا ذکر آیا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ آزاد کردہ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا عضو جہنم سے آزاد کردیتا ہے حتیٰ کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل کا اجر اس جیسا ہی ملتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الصافات:39) ''اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ کے ذمے حق ہے: 1۔ غازی جو راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلے، 2۔ مکاتب غلام جو ادائیگی مال کا ارادہ رکھتا ہو، 3۔ اور وہ نکاح کرنے والا جس کا مقصود عفت اور پاکدامنی ہو''(2)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! ایسے عمل پر میری رہنمائی فرمائیں جو مجھے جنت کے قریب کردے اور دوزخ سے دور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ ''نسمہ آزاد کرا اور گردن کو رہائی دلا''۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، نسمہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ تو اکیلا کسی غلام کو آزاد کردے اور ''فك رقبہ'' (گردن آزاد کرانا) سے مقصود یہ ہے کہ تو ادائیگی قیمت میں (کسی غلام کی) مدد کرے''(3)۔

6۔ غارمین (مقروض):۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جو کسی کا بوجھ خود اٹھالے یا کسی کے قرضہ کا ضامن بن جائے اور وہ اس پر لازم ہو جائے، پھر اس کا اپنا مال ختم ہو جائے یا وہ ادائیگی قرض میں خود مقروض ہو جائے یا کسی برائی کے ارتکاب پر قرض لے لیا لیکن پھر توبہ کرلی، ایسے لوگوں کو مال زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی کی حدیث ہے، کہتے ہیں

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 162-163

2۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 61، تحفۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 5 صفحہ 296 وغیرہ

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 299

کہ میں کسی کا ضامن بن گیا، پھر میں اس سلسلہ میں سوال کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرو یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے، اس میں سے ہم تمہیں عطا کرنے کا حکم دیں گے'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے قبیصہ! سوال تین شخصوں کے لئے جائز ہے: ایک وہ جو کسی کا ضامن بنا تو ایسے شخص کے لئے سوال جائز ہے، یہاں تک کہ جب وہ مطلوبہ رقم پالے تو سوال سے رک جائے، دوسرا وہ شخص جسے کسی ایسی آفت نے آ دبوچا جس نے اس کا مال نیست و نابود کر دیا، ایسے شخص کے لئے بھی سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ ضروریات زندگی پالے اور تیسرا وہ شخص جسے فاقہ نے آلیا حتیٰ کہ اس کے قرابت داروں میں سے تین صاحب عقل و شعور آدمیوں نے کھڑے ہو کر اس کی گواہی دی کہ بلاشبہ فلاں آدمی فاقہ کا شکار ہو گیا ہے، ایسے آدمی کے لئے بھی دست سوال دراز کرنا جائز ہے یہاں کہ اس کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ ضرورت سے زائد سوال حرام ہے، اگر کوئی سائل ایسا مال کھائے گا تو وہ حرام کھائے گا (1)۔ عہد رسالت میں ایک شخص نے باغ خریدا۔ باغ کے پھل کو اس قدر نقصان پہنچا کہ وہ شخص مقروض ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس پر صدقہ کرو''۔ لوگوں نے اسے صدقہ دیا۔ اس کے باوجود جب قرض کی ساری رقم پوری نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: ''جو تمہیں ملے لے لو، علاوہ ازیں تمہارے لئے کچھ نہیں'' (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایک قرضدار کو بلائے گا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا: اے ابن آدم! کس غرض کے لئے تو نے یہ قرض لیا اور کس بناء پر لوگوں کے حقوق ضائع کئے؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے قرض لیا لیکن نہ میں نے اسے کھایا، نہ پیا اور نہ کسی دوسرے مقصد میں اڑایا بلکہ میرے ہاں آگ لگ گئی یا چوری ہو گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے سچ بولا، آج میں اس کی طرف سے ادائیگی قرض کا زیادہ مستحق ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک چیز منگوا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دے گا تو اس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے اسے جنت میں داخل فرما دے گا'' (3)۔

7۔ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ**:۔ ان میں وہ مجاہدین شامل ہیں جن کا دیوان میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ امام احمد، حسن اور اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک حج بھی راہ خدا میں داخل ہے، کیونکہ اس ضمن میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

8۔ **ابْنِ السَّبِیْلِ**:۔ اس سے مراد وہ مسافر ہے جو کسی جگہ سے گزر رہا ہو، اس کے پاس زادراہ باقی نہ رہا ہو تا کہ وہ سفر جاری رکھ سکے، اسے زکوٰۃ کے مال میں سے اس قدر دیا جائے کہ وہ اپنے شہر پہنچ سکے اگرچہ وہ وہاں مالدار ہی ہو۔ یہی حکم ایسے مسافر کا ہے جس نے سفر کا آغاز ہی بے سروسامانی کی حالت میں کیا، اسے آمدورفت کے لئے بقدر کفایت مال زکوٰۃ دیا جائے گا۔ اس کی دلیل اس آیت کریمہ کے علاوہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مالدار کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے بجز پانچ کے: زکوٰۃ وصول کرنے والا یا ایسا آدمی جس نے اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خرید لیا یا مقروض یا راہ خدا میں جہاد کرنے والا یا ایسا غنی شخص جسے کوئی مسکین زکوٰۃ میں ملی ہوئی کوئی چیز دے دے'' (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غنی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں بجز اس کے جو راہ خدا میں ہو، مسافر ہو یا ایسا شخص جسے فقیر پڑوسی تحفہ دے دے یا اپنے ہاں بلا لے'' (5)۔

فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، اس نے اپنی تقدیر، تقسیم اور فرض کرنے سے ہی اسے مقدر کیا ہے اور اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 722　　2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ: 1191　　3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 197-198

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 119، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، جلد 1 صفحہ 590-598　　5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 119

تعالیٰ تمام ظاہری باطنی امور اور بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال، شریعت اور احکام میں حکیم ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

کچھ منافقین ایسے ہیں جو ناز یبا گفتگو سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے، جس کسی نے کوئی بات آ کر کہی اس کی تصدیق کر دی۔ جب ہم اس کے پاس جا کر قسمیں اٹھاتے ہیں تو وہ ہماری بھی تصدیق کر دیتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ خیر اور بھلائی کے کان ہیں اور جھوٹے اور سچے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، مزید برآں آپ ﷺ اہل ایمان کے لئے رحمت ہیں اور کفار پر اللہ تعالیٰ کی حجت، اس لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

''(منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے''۔

قتادہ اس آیت کریمہ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ...... کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق کہنے لگا کہ یہ ہمارے رؤساء ہیں جو بہت زیرک اور عقلمند ہیں۔ اگر محمد (ﷺ) کی باتیں برحق ہوتیں تو کیا یہ بے وقوف ہیں جو نہیں مانتے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کی باتیں حق ہیں اور تو گدھے سے بھی زیادہ شریر ہے۔ پھر اس صحابی نے یہ بات حضور ﷺ تک پہنچا دی۔ آپ ﷺ نے اس منافق کو بلوا کر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ لیکن وہ شخص قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ اس نے تو یہ بات کی ہی نہیں۔ اس وقت وہ صحابی دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ...... یعنی کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور ان کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے لئے رسوا کن عذاب جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس سے بڑھ کر اور ذلت اور شقاوت کیا ہو سکتی ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

''ڈرتے رہتے ہیں منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورت جو آگاہ کردے انہیں جو کچھ منافقوں کے دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ منافقین آپس میں کوئی بات کرتے پھر کہتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس راز کو افشاء نہ کردے(1)۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے: وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (المجادلة: 8) ''اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا۔ اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے''۔ یہاں اس آیت میں فرمایا: قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر کے تمہیں رسوا کردے گا اور تمہاری حقیقت سے پردہ اٹھائے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ (محمد: 29) ''کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو''۔ یہی وجہ ہے کہ اسے سورۂ فاضحہ کا نام بھی دیا جاتا تھا یعنی منافقین کو رسوا کرنے والی سورت۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

''اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے (گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ۔ تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کردیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے''۔

ایک منافق کہنے لگا کہ میرے خیال میں یہ قرآن پڑھنے والے بہت پیٹو، جھوٹے اور بزدل ہیں۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچا دی گئی تو یہ منافق آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار سفر پر روانہ تھے، کہنے لگا: یارسول اللہ! ہم تو یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ...... كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۔ اس منافق نے آپ ﷺ کی تلوار کو تھام رکھا تھا اور اس کے پاؤں پتھروں پر ٹھوکریں کھا رہے تھے لیکن آپ ﷺ اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں فرما رہے تھے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس قسم کی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر کسی شخص نے مسجد میں یہ کہہ دیا کہ میں نے ان قرآن خوانوں کی طرح کوئی پیٹو،

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 17 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 173

جھوٹا اور بزدل نہیں دیکھا۔ ایک صحابی نے سن کر اسے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے اور تو منافق ہے۔ میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ تک یہ بات پہنچ گئی اور وحی بھی نازل ہوگئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ وہ پتھروں پر ٹھوکریں کھاتا آپ ﷺ کی اونٹنی کا تنگ تھامے یہ کہتا چلا جا رہا تھا کہ یارسول اللہ! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ فرمان پڑھا: اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (1)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین کی بھی ایک جماعت تھی جس میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر بھی موجود تھے۔ یہ مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان میں سراسیمگی پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم رومیوں کی لڑائی کو ایسے ہی خیال کرتے ہو جیسا کہ عربوں کی آپس میں لڑائی، اللہ کی قسم! کل ہم بھی تمہارے ساتھ رسیوں میں جکڑ لئے جائیں گے۔ مخشی بن حمیر کہنے لگا کہ اس بات کی وجہ سے میری خواہش تو یہ ہے کہ بے شک ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مار دیئے جائیں لیکن ہمارے بارے میں قرآن نہ اترے۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا: ''ان لوگوں کی خبر لینا، یہ جل گئے ہیں، ان سے ان باتوں کے متعلق پوچھنا جو انہوں نے کی ہیں۔ اگر وہ انکار کریں دیں تو کہنا کہ تم نے ایسے ایسے باتیں کی ہیں۔'' چنانچہ حضرت عمار ان کے پاس گئے اور ساری بات کہہ دی۔ وہ سبھی منافق عذر پیش کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ ودیعہ نے آپ ﷺ کی اونٹنی کا تنگ پکڑ کر کہا: یارسول اللہ! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ مخشی بن حمیر نے کہا: یارسول اللہ! میرے اور میرے باپ کے نام نے مجھے اس حماقت پر اکسایا ہے، مجھے معاف کر دیں۔ اس آیت کریمہ میں جسے معاف کیا گیا وہ یہی مخشی ہے، جنہوں نے بعد میں اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے شہادت کی موت دینا اس طرح کہ میرے وجود کا بھی کسی کو علم نہ ہو۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے شہادت پائی اور ان کا نشان تک نہ ملا(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپ ﷺ سفر پر روانہ تھے۔ منافقین کا ایک گروہ بھی آپ ﷺ کے سامنے چل رہا تھا، وہ کہنے لگے کہ یہ (رسول اللہ ﷺ) روم کے محلات اور قلعے فتح کرنے کا گمان کئے ہوئے ہے حالانکہ یہ چیز بہت بعید اور محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی باتوں پر آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب انہیں بلایا گیا تو آپ ﷺ نے کہا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ وہ قسمیں اٹھا کر کہنے لگے کہ ہم تو بس یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے معاف کر دیا تھا، یہ کہا کرتا تھا: یا اللہ! میں ایک ایسی آیت سنتا ہوں جس میں میری خطاء کا ذکر ہے، اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت کی ایسی موت نصیب کرنا کہ کوئی آدمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے غسل دیا گیا، مجھے کفن دیا گیا اور مجھے دفن کیا گیا۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا، ان کے سوا تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ...... یعنی اب تم اپنی اس بات کا عذر پیش نہ کرو جس کے ساتھ تم نے تمسخر اڑایا تھا۔ ایمان لانے کے بعد تم کفر کے مرتکب ہوئے۔ تم تمام کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ ضرور تمہیں عذاب کی بھٹی میں جھونکا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غلط اور گمراہ کن بات کی وجہ سے تم مجرم ٹھہرے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 172 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 524-525، اسد الغابۃ، جلد 5 صفحہ 126 وغیرہ

يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

’’منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں حکم دیتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے بھلا دیا ہے اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں۔ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں یہی کافی ہے انہیں۔ نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لئے ہے دائمی عذاب‘‘۔

منافقین اہل ایمان کے برعکس اوصاف کے حامل ہیں۔ مومنین تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں لیکن یہ منافقین برائی کا حکم دیتے ہیں، نیکی سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ انہوں نے ذکر الٰہی کو فراموش کر دیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جیسے کوئی کسی کو فراموش کر دیتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیہ:34) ’’آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو‘‘۔ اور منافقین تو فاسق لوگ ہیں جو راہ حق سے خارج اور راہ ضلالت میں داخل ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکورہ کرتوت کے باعث ان سے نار جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے، یہ منافق اور کافر اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی عذاب انہیں کافی ہے، یہ ملعون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دھتکار کر اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

’’(منافقو!) تمہاری حالت بھی ایسی ہے جیسے ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے، وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں۔ سو لطف اٹھایا انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انہوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے یہی وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں‘‘۔

ان لوگوں کو بھی دنیا و آخرت میں پہلے لوگوں جیسا عذاب پہنچا۔ خلاق سے مراد دین ہے۔

وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا...... سابقہ لوگوں کی طرح تم بھی ہرزہ سرائی، جھوٹ اور باطل میں مشغول رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت گئے۔ ان پر انہیں کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ اعمال ہی فساد کا شکار ہیں۔ اور یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں

کیونکہ انہیں اپنے اعمال کا اجر و ثواب نہ حاصل ہو سکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس طرح آج کی رات گزشتہ رات کے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح ہم میں بھی پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے موجود ہیں۔ پہلے لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں ہمیں جن کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ ان کا کوئی آدمی اگر گوہ کے بل میں داخل ہوا تو تم بھی ضرور داخل ہو جاؤ گے۔'' اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقہ کی پیروی کرو گے، بالشت بہ بالشت، باز و بہ باز و اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کی بل میں گھسے ہوں تم بھی ضرور اس میں داخل ہو جاؤ گے''، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کون ہیں، کیا یہ اہل کتاب ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور کون؟ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: ''اگر تم چاہو تو قرآن کی اس آیت کَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ پڑھ لو''، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلاق سے مراد دین ہے۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا اہل فارس و روم کی طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور لوگ کون ہو سکتے ہیں؟(1)۔ اس حدیث کے اور بھی شواہد موجود ہیں(2)۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

''جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ آئے تھے ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے والے منافقین کو وعظ و نصیحت فرما رہا ہے۔ کیا یہ لوگ سابقہ امتوں کے انجام سے بے خبر ہیں، کیا انہیں یہ علم نہیں کہ رسولوں کو جھٹلانے کی انہیں کیا سزا ملی۔ قوم نوح کو دیکھیں جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، پانی میں غرق کر کے ان سب کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ صرف اللہ اور اس کے رسول حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے باقی بچے۔ قوم عاد نے جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں شدید آندھی کے ذریعے ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس کی پاداش میں سخت گرجدار چیخ کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم کو دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کی اور قوم پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کے بادشاہ ملعون نمرود کو پیس کر رکھ دیا۔ اصحاب مدین (قوم شعیب علیہ السلام) سخت زلزلے اور سائبان والے دن کے عذاب سے دوچار ہوئے۔ ''الْمُؤْتَفِكٰتِ'' سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں، ان کا مسکن مدائن تھا، ایک اور مقام پر فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (النجم: 53)'' اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا''۔ یعنی ''الْاُمَّةَ الْمُؤْتَفِكَةَ''۔ موصوف محذوف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کی بستیوں کا مرکز اور اصل یعنی سدوم مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ و برباد کر کے پیوند خاک کر دیا کیونکہ وہ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلاتے تھے اور ایسی بدکاری کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 176 2۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 300، صحیح مسلم، کتاب البر: 1999

ارتکاب کرتے تھے جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ تھی۔ اللہ کے رسول ان قوموں کے پاس قطعی اور واضح دلائل و براہین لیکر تشریف لائے۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ...... انہیں تباہ و برباد کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا کیونکہ اس نے تو اپنے رسول مبعوث کر کے اور تمام علل زائل کر کے اتمام حجت کر دی تھی بلکہ انہوں نے خود ہی تکذیب رسل اور مخالفت حق کے باعث اپنے اوپر ظلم کیا اور اس خوفناک اور تباہ کن انجام سے دوچار ہوئے۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

"نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے"۔

منافقین کی صفات ذمیمہ ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صفات حمیدہ کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ ان کی شان یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ہمدرد ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "مومن مومن کے لئے دیوار کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو تقویت پہنچاتا ہے"(1)۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر دیں۔ ایک اور حدیث صحیح میں آتا ہے: "ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے اور رحم کرنے میں مومنین کی مثال جسد واحد کی سی ہے، جب اس کا کوئی عضو تکلیف کا شکار ہو تو سارا جسم بخار اور بیداری میں اس کا ساتھ دیتا ہے"(2)۔

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: 104) "ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے"۔ مزید برآں یہ اہل ایمان نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں اور ہر امر و نہی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہی مذکورہ صفات سے متصف ہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے اطاعت گزار بندہ کو عزت عطا فرماتا ہے کیونکہ عزت صرف اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے، اور اہل ایمان کو ان صفات حمیدہ سے نوازنے اور منافقین کو صفات مذمومہ کے ساتھ خاص کرنے میں وہ حکیم ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں یہ ہمیشہ رہیں گے ان

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب البر 1999

2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 91، صحیح مسلم، کتاب البر 1999-2000

میں نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے"۔

اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو عمدہ چیزیں اور دائمی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ایسی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے اور وہاں ان کے لئے خوبصورت پرسکون محلات ہوں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو جنتیں سونے کی بنی ہوئی ہوں گی، جن کے برتن بلکہ ہر چیز بھی سونے کی ہوگی اور دو جنتیں چاندی کی ہوں گی جن کے برتن اور دیگر چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی، ہمیشہ رہنے والی جنت میں اہل بہشت اور دیدار الٰہی کے درمیان صرف اللہ تعالیٰ کے چہرے پر کبریائی کی چادر حائل ہوگی" (1)۔ اسی حدیث میں آتا ہے: "جنت میں مومن کے لئے ایک ہی کھوکھلے موتی سے بنا ہوا خیمہ ہوگا جس کا طول آسمان میں ساٹھ میل ہوگا، اس میں مومن کی بیویاں ہوں گی لیکن وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پائیں گی" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، اگرچہ اس نے راہ خدا میں ہجرت کی یا اسی جگہ رکا رہا جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔" صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان، جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل حصہ ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں، اور اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے" (3)۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت جنت میں بالا خانہ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان پر ستارے دیکھتے ہو" (4)۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام وہ ہے جسے وسیلہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ عرش کے قریب ہے۔ جنت میں یہی مقام حضور ﷺ کا مسکن ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو عرض کی گئی: یارسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا" (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم موذن کو (اذان دیتے) سنو تو اسی کی مثل کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے جو بندگان خدا میں سے صرف ایک کو نصیب ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا، قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی" (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 6 صفحہ 181، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 163

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 6 صفحہ 182، صحیح مسلم کتاب الجنۃ: 2182

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 103، تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 235-237 وغیرہ

4۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2177

5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 265 6۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 288-289

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو، کیونکہ جس نے بھی دنیا میں میرے لئے وسیلہ مانگا میں بروز قیامت اس کا گواہ یا شفیع ہوں گا'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں جنت کے بارے میں کچھ بتائیے، اس کی عمارت کیسی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی، اس کا گارہ کستوری، اس کے سنگریزے لؤلؤ اور یاقوت اور اس کی مٹی زعفران۔ جو اس میں داخل ہوگا خوش وخرم رہے گا کبھی تنگدل نہ ہوگا، ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ جوانی ڈھلے گی'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آئے گا'' ایک اعرابی اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہ کس کے لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے شخص کے لئے جو عمدہ و پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں'' (3)۔ طبرانی نے اسے حضرات عبد اللہ بن عمرو اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ان کے نزدیک سوال کرنے والے ابو مالک تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنو، کیا کوئی جنت کی تیاری کرنے والا ہے؟ جنت کی کوئی چار دیواری نہیں۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو چمکتا دمکتا بقعۂ نور، مہکتے پھولوں والا گلستان، پختہ محلات، جاری نہریں، پکے ہوئے پھل، حسین وجمیل بیویاں اور ریشمی ملبوسات ہیں۔ یہ ہمیشگی اور سلامتی کا مقام ہے، پھل ہیں، سبزہ ہے اور عالی شان دلکش محلات میں قسم قسم کی نعمتیں ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: جی ہاں، یا رسول اللہ! ہم سبھی اس کے لئے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو ان شاء اللہ۔ تو سب نے کہا ان شاء اللہ (4)۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا تمام جنتی نعمتوں سے زیادہ جلیل القدر اور عظیم ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ''۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں: اے پروردگار! ہم کیوں نہ راضی ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عنایت نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے: یارب! اس سے افضل چیز کونسی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے اپنی رضا تمہیں عطا فرمائی آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا'' (5)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم مزید کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! جو تو نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''رِضْوَانِي اَكْبَرُ'' (6)۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب ''صفة الجنة'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح کی شرط پر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ

1۔ معجم طبرانی
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 304-305
3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 231
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد: 1448-1449
5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ: 2176
6۔ مسند بزار

هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

''اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے۔ اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لئے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی برتنے کا حکم فرما رہا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کے ساتھ نرمی اور تواضع کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ آخرت میں کفار ومنافقین کا ٹھکانا جہنم ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت گزر چکی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا گیا! ایک تلوار مشرکین کے لئے، جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ:5) ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو''۔ دوسری تلوار کافر اہل کتاب کے لئے ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''، تیسری تلوار منافقین کے لئے جیسا کہ فرمایا: جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور چوتھی تلوار باغیوں کے لئے، قرآن میں ارشاد ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات:9) ''تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب منافقین اپنے نفاق کا اظہار کرنے لگیں تو تلوار کے ساتھ ان سے جہاد کیا جائے گا۔ ابن جریر نے اسے اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہاتھ سے جہاد کرو، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو کم از کم ناگواری اور نفرت کا اظہار ضرور کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ تلوار سے اور منافقین کے ساتھ زبان سے جہاد کا حکم فرمایا اور ان کے ساتھ نرمی کو ختم کر دیا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرو اور منافقین پر بذریعہ کلام سختی کرو، یہی ان کے ساتھ جہاد ہے۔ حضرات حسن، قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ منافقین کے ساتھ جہاد ان پر شرعی حدود کا قائم کرنا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں، حالات کے مطابق کسی بھی قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 183-184

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے بارے میں نازل ہوئی(1)۔ایک جہنی اور ایک انصاری کے درمیان لڑائی ہوگئی۔جہنی انصاری پر غالب آ گیا۔یہ منافق انصار سے کہنے لگا کہ تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرو گے؟ واللہ! ہماری اور محمد (ﷺ) کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ اس مقولہ میں کہا گیا ہے:" سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ "(اپنے کتے کو موٹا تازہ کرو کہ تمہیں ہی کاٹ کھائے)۔مزید کہنے لگا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والے ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ایک صحابی نے یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ تک پہنچا دی۔آپ ﷺ نے اس منافق سے پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ اس نے تو ایسی بات کی ہی نہیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی قوم کے ان لوگوں پر بہت صدمہ ہوا جو جنگ حرہ میں قتل ہو گئے۔حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جب میرے شدت حزن کی خبر ملی تو انہوں نے مجھے ایک حدیث لکھ بھیجی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَ لِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ "اے اللہ! انصار اور فرزندان انصار کی مغفرت فرما"۔راوی ابن الفضل کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعا میں انصار کے پوتوں کو بھی شامل کیا تھا یا نہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حاضرین میں سے کسی سے حضرت زید بن ارقم کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ وہی زید ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" اس کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی صداقت پر اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے"۔یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک منافق کہنے لگا کہ اگر یہ (محمد ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔حضرت زید رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ ﷺ سچے ہیں اور یقیناً تو گدھے سے زیادہ برا ہے۔پھر انہوں نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچا دی لیکن یہ کہنے والے منافق نے اپنی بات کا انکار کر دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن صرف ان الفاظ تک کہ" اللہ تعالیٰ نے زید کی سنی ہوئی بات کی تصدیق کی"(2)۔شاید بعد والا حصہ راوی موسیٰ بن عقبہ کا اپنا قول ہو۔محمد بن فلیح نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرنے کے بعد کہا: ابن شہاب نے کہا، اس کے بعد مابعد روایت موسیٰ سے روایت کر دی جنہوں نے ابن شہاب سے روایت کی۔بہرکیف اس قصہ میں مشہور یہ ہے کہ یہ غزوۂ بنو مصطلق کے موقعہ پر پیش آیا۔شاید آیت کے ذکر کرنے میں راوی کو وہم ہو گیا ہو۔ارادہ اور آیت ذکر کرنے کا ہوگا لیکن اسے ذکر کر بیٹھا۔مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میری قوم نے مجھے کہا کہ حضور ﷺ سے معذرت کر لو اور پھر گناہ باقی رہے جائے گا اس سے استغفار کر لینا۔کعب ان لوگوں میں شامل تھے جو اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کے بارے میں قرآن بھی اترا۔کچھ منافقین بہانے تراش کر گھروں میں بیٹھ گئے لیکن کچھ حضور ﷺ کے ساتھ شریک سفر ہو گئے تھے، ان میں سے ایک جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ام عمیر بن سعد اس کی زوجیت میں تھیں اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاں پرورش پائی تھی۔جب منافقین کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی باتوں کو ظاہر کر دیا تو جلاس کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر یہ آدمی (رسول اللہ ﷺ) اپنی بات میں سچا ہے تو ہم گدھوں سے زیادہ بد ہیں۔حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سن لیا، آپ کہنے لگے: اے جلاس! تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، میرے نزدیک سب سے زیادہ بہادر ہو اور تمہیں تکلیف پہنچنا مجھ پر بہت شاق گزرتا ہے لیکن تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اسے ذکر کروں تو رسوائی ہے اور اگر چھپاؤں تو

1۔تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 186

2۔صحیح بخاری، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 6 صفحہ 192

میری ہلاکت۔ ان دو میں ایک دوسری سے زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کی ساری بات آپ کو بتادی۔ جب جلاس کو اس معاملہ کا پتہ چلا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں اٹھا کر کہنے لگا کہ عمیر نے جھوٹ بولا ہے، میں تو یہ بات کی ہی نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس سے آپ ﷺ نے جلاس کو بھی آگاہ کر دیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جلاس نے توبہ کر لی تھی اور اپنے نفاق سے باز آ گئے تھے (1)۔ یہ توبہ والی بات ابن اسحاق کا اپنا اضافہ ہے، حضرت کعب کی کلام میں یہ چیز شامل نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جلاس بن سوید بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اور اس کا سوتیلا بیٹا مصعب قبا سے آ رہے تھے۔ جلاس کہنے لگا کہ اگر محمد (ﷺ) کا لایا ہوا پیغام برحق ہے تو ہم ان گدھوں سے بھی بدتر ین ہیں جن پر ہم سوار ہیں۔ یہ سن کر حضرت مصعب کہنے لگے: اللہ کی قسم، اے دشمن خدا! میں ضرور تمہاری بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچاؤں گا۔ مجھے تو اپنے بارے میں قرآن نازل ہونے یا کسی آفت کا شکار ہونے یا غلطی میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اور جلاس قباء سے آ رہے تھے کہ اس نے یہ یہ باتیں کیں۔ اگر مجھے اس غلطی میں ملوث ہو جانے یا کسی مصیبت سے دوچار ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز یہ بات آپ کو نہ بتاتا۔ حضور ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا: اے جلاس! کیا تم نے وہ بات کی ہے جو مصعب کہہ رہے ہیں؟ اس نے قسم اٹھا کر انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ گستاخانہ بات کہنے والا جلاس بن سوید بن صامت تھا اور حضور ﷺ تک اس بات کو پہنچانے والے اس منافق کے پروردہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ تھے، اس منافق نے پہلے تو انکار کر دیا لیکن جب اس بارے میں قرآن اترا تو اس نے خلوص دل سے توبہ کر لی اور اپنے نفاق سے باز آ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت تلے تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہارے پاس ایک انسان آئے گا اور تمہاری طرف شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا۔ جب وہ آئے تو اس سے گفتگو مت کرنا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک نیلے رنگ کا شخص نمودار ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور پوچھا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے کس بناء پر گالیاں دیتے ہو؟۔ وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا، سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے درگزر فرمایا: اس وقت یہ آیت اتری۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا بعض کہتے ہیں کہ اس کا نزول جلاس بن سوید کے بارے میں ہوا جب اس نے اپنے سوتیلے بیٹے کو اس بناء پر قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ انہوں نے اس کی بات کو نبی کریم ﷺ تک پہنچانے کا عزم ظاہر کیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری جس نے نبی کریم ﷺ کو شہید کرنا چاہا تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ کا نزول چند لوگوں کے بارے میں ہوا جنہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ ہر صورت میں عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کر کے اسے اپنا بادشاہ بنالیں گے خواہ رسول اللہ ﷺ راضی نہ بھی ہوں۔ یہ بھی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے دوران سفر ایک رات کو دس سے اوپر کچھ منافقین نے حضور ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کا ارادہ کیا، ضحاک کہتے ہیں کہ انہی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ یہ بات حافظ ابوبکر بیہقی کی روایت سے واضح ہو جاتی ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ میں اور عمار رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے۔ باری باری ہم میں سے ایک نکیل پکڑتا اور دوسرا ہانکتا تھا۔ جب ہم عقبہ پہنچے تو اچانک بارہ سوار سامنے آئے اور رستہ روک لیا۔ میں نے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 519-520
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 184

رسول اللہ ﷺ کو ان کی طرف متوجہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے ان لوگوں کو پہچانا؟'' ہم نے عرض کی: نہیں۔ یا رسول اللہ! وہ نقاب ڈالے ہوئے تھے، البتہ ان کی سواریوں کو ہم پہچان چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق ہیں اور قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس ارادے سے آئے تھے؟'' ہم نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا ارادہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مزاحمت کر کے عقبہ میں آپ کو گرادیں۔'' ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ان میں سے ہر ایک کے خاندان والوں کو یہ پیغام نہ بھیج دیں کہ وہ اپنے اپنے آدمی کا سر بھیج دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ عرب آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہیں کہ لو جی محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو ساتھ لیکر جہاد کیا، جب ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا فرمایا تو انہیں قتل کر دینے کے در پے ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ'' (اے اللہ! انہیں دبیلہ کی مار مار)۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آگ کا انگارہ ہے جو رگِ دل پر گر کر ہلاک کر دیتا ہے(1)۔ حضرت ابوالطفیل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کا رستہ اختیار کیا ہے اس لئے اور کوئی شخص عقبہ نہ آئے۔ دریں اثناء کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانک رہے تھے کہ اچانک ایک اونٹنی سوار گروہ نے حضرت عمار کو گھیر لیا۔ حضرت عمار ان اونٹنیوں کے چہروں پر مارنے لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا: ''ٹھہرو، ٹھہرو۔'' تھوڑا سا نیچے میدان میں آکر حضور ﷺ سواری سے اتر گئے اور عمار بھی واپس آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمار! کیا تم نے ان لوگوں کو پہچانا؟'' عرض کرنے لگے کہ میں نے سواریوں کو تقریباً پہچان لیا ہے لیکن سوار نقاب پوش تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ارادہ لئے آئے تھے؟'' عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا کر آپ ﷺ کو نیچے گرادیں۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے ان کی تعداد دریافت کی تو انہوں نے چودہ بتائی، وہ کہنے لگے کہ اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو پندرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے تین کے نام گنوائے۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کے اعلان کو سنا ہی نہیں تھا اور نہ ہی ہمیں یہ علم تھا کہ ہمارے ساتھی کس ارادہ سے آئے ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بقیہ بارہ افراد دنیا و آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے ہیں(2)۔ حضرت عروہ بن زبیر سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بطن وادی میں چلنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ خود حضرات حذیفہ و عمار کے ساتھ روانہ ہوئے اور ان رذیل بدبخت منافقین نے نقاب ڈالے ہوئے پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ارادہ کیا کہ وہ بھی عقبہ کے رستہ سفر جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے ارادہ پر مطلع کر دیا۔ حضرت حذیفہ آپ ﷺ کے حکم سے واپس لوٹے اور ان منافقین کی سواریوں کو مارنا شروع کر دیا۔ منافقین گھبرا کر خائب و خاسر واپس پلٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات حذیفہ و عمار کو ان منافقین کے نام اور دھوکہ سے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی بنائی ہوئی ان کی سازش سے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی ان کے نام کو پوشیدہ رکھنے کا بھی حکم دے دیا(3)۔ صحیح مسلم میں

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 260-261　　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 453-454

3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 256-257

ہے کہ اہل عقبہ کے ایک آدمی اور حضرت حذیفہ کے درمیان کچھ تعلق تھا، آپ نے انہیں اللہ کا واسطہ دیکر اصحاب عقبہ کی تعداد پوچھی۔ لوگ بھی انہیں کہنے لگے کہ بتا دو۔ کہنے لگے: کہ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ چودہ تھے۔ اگر مجھے شامل کیا جائے تو پندرہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان میں سے بارہ نے دنیا و آخرت میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام سے جنگ کی۔ ان تین افراد کو تو معذور سمجھا گیا جنہوں نے کہا تھا کہ ہمیں آپ علیہ السلام کی منادی کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس بات کا کہ یہ لوگ کیا غرض لیکر آئے ہیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا، پانی کمیاب تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرما دیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ پہلے پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو وہاں موجود پا کر آپ علیہ السلام نے انہیں ملعون ٹھہرایا۔ حضرت عمار بن یاسر حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ آٹھ کو تو دبیلہ ہی کافی ہے یعنی آگ کا شعلہ جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہو گا اور سینوں تک پہنچے گا'' (1)۔ اسی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو راز دان رسول علیہ السلام کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے صرف انہیں منافقین کے نام بتلائے تھے۔ طبرانی میں ان کے یہ نام مذکور ہیں: معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن عبداللہ بن نبتل بن حارث جس کا تعلق قبیلہ عمرو بن عوف سے تھا، حارث بن یزید طائی، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن قہد، سوید اور داعس جن کا تعلق بنو حبلی سے تھا، قیس بن عمرو بن سہل، زید بن لصیت اور سلالہ بن حمام یہ دونوں قینقاع سے تھے، یہ سب بظاہر مسلمان تھے (2)۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی ان کے نزدیک رسول علیہ السلام کا اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور علیہ السلام کی برکت سے غنی بنا دیا۔ اگر ان پر سعادت کی تکمیل ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں ہدایت نصیب فرماتا جیسا کہ حضور علیہ السلام نے انصار سے فرمایا تھا: ''کیا تم گمراہ نہیں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دے دی، تم بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی اور تم محتاج تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے طفیل تمہیں غنی کر دیا۔'' جب بھی آپ علیہ السلام ایک احسان کا ذکر فرماتے تو انصار عرض کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا اس سے بھی زیادہ احسان ہے (3)۔ یہ صیغہ ''مَا نَقَمُوْٓا'' اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی گناہ نہ ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ (البروج: 8) ''اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر''، حدیث شریف میں آتا ہے: مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ ''ابن جمیل کو کوئی چیز ناپسند نہیں سوائے اس کے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوشحال کر دیا''۔ پھر اللہ تعالیٰ ان منافقین کو توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ...... یعنی اگر وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا، دنیا میں قتل اور غم و اندوہ سے دوچار کر کے اور آخرت میں ذلت و رسوائی اور عبرتناک عذاب جہنم میں مبتلا کر کے، ان کا کوئی دوست اور حامی و ناصر نہیں ہے جو ان کی مدد کرے، نفع پہنچائے اور شر کو ان سے دور رکھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ المنافقین: 2143-2144　　2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 165-167

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8 صفحہ 47، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 738

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

''اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں، پس جب اس نے عطا فرمایا انہیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔ پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں اس دن تک جب ملیں گے اس کو اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سارے غیبوں کو''۔

منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے خوشحال کر دیا تو وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے صدقہ کریں گے اور نیکوکار لوگوں میں سے ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اپنا وعدہ ایفاء نہ کیا اور نہ ہی اپنے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ اس بدعہدی اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!'' حضرات ابن عباس اور حسن بصری رضی اللہ عنہم جیسے اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی اس نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے فراوانی مال کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس، تھوڑا جس کا تو شکر بجالا سکے اس زیادہ سے بہتر ہے جس (کے شکر) کی تم میں طاقت نہیں۔'' اس نے دوبارہ دعا کے لئے درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم بھی اللہ کے نبی کی طرح رہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو پہاڑ سونا اور چاندی بن کر میرے ساتھ چلیں۔'' وہ کہنے لگا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا! اگر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرما دے تو میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما''۔ اس نے بکریاں رکھ لیں۔ ان میں ایسے اضافہ ہوا جیسے کیڑے بڑھتے ہیں اور شہر مدینہ ان کے لئے تنگ ہو گیا۔ وہ مدینہ شریف سے نکل کر ایک وادی میں رہائش پذیر ہو گیا حتیٰ کہ ظہر اور عصر کی نمازیں تو باجماعت ادا کر لیتا اور باقی چھوڑ دیتا۔ پھر بکریوں میں اور اضافہ ہوا تو وہ مزید مدینہ شریف سے دور چلا گیا۔ اب سوائے جمعہ کے کسی نماز میں شریک نہ ہوتا۔ بکریاں کیڑوں کی طرح بڑھتی رہیں یہاں تک کہ جمعہ بھی چھوٹ گیا۔ حالات دریافت کرنے کے لئے اسے آنے جانے والے قافلوں سے رابطہ کرنا پڑتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''ثعلبہ نے کیا کیا؟'' صحابہ نے ساری صورت حال سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةَ، يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةَ، يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةَ (ہائے! ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا) اسی اثناء میں جب یہ آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ:103) ''(اے حبیب!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ'' نازل ہوئی اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجے، ان میں ایک آدمی جہنہ قبیلہ سے تھا اور دوسرا سُلیم سے۔ آپ ﷺ نے انہیں پروانہ لکھا دیا کہ کیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنی ہے۔ اور انہیں فرمایا: ''ثعلبہ اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جاؤ اور ان سے زکوٰۃ وصول کر لو''۔ دونوں ثعلبہ کے پاس گئے اور رسول اللہ

ﷺ کا تحریری فرمان سنا کر اس سے زکوٰۃ طلب کی تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، مجھے نہیں معلوم یہ کیا ہے؟ جاؤ فارغ ہو کر پھر میرے پاس آنا۔ وہ دونوں وہاں سے بنو سلیم کے شخص کی طرف چل دیئے۔ جب اس سلمی کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے بہترین اونٹ صدقہ کے لئے الگ کر دیئے اور ان جانوروں لیکر انہیں ملا۔ وہ کہنے لگے کہ نہ تو یہ جانور تم پر واجب ہیں اور نہ ہم یہ جانور وصول کریں گے۔ اس نے کہا کہ آپ انہیں قبول کر لیں۔ میں تو راضی خوشی عمدہ جانور ہی دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس سے وہی جانور وصول کر لئے۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں سے بھی زکوٰۃ جمع کرتے رہے۔ فارغ ہو کر پھر ثعلبہ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے حکم نامہ دکھاؤ جو تم لیکر آئے ہو۔ اسے پڑھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، تم چلے جاؤ، میں سوچ لوں۔ جب وہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: ''یَا وَیْحَ ثَعْلَبَۃَ'' (ہائے! ثعلبہ برباد ہو گیا)۔ اور آپ نے بنو سلیم کے آدمی کے حق میں دعا خیر فرمائی۔ پھر دونوں نے تمام واقعہ عرض کر دیا، جو کچھ ثعلبہ نے کیا اور جو سلمی نے کیا تمام سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ...... نازل ہوئی۔ اس موقع پر ثعلبہ کا ایک قریبی رشتہ دار رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا جب اس نے یہ سب کچھ سنا تو فوراً ثعلبہ کے پاس جا کر کہنے لگا کہ اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس، تمہارے بارے میں تو یہ یہ قرآن نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ثعلبہ دوڑتا دوڑتا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ اس کی طرف سے زکوٰۃ قبول فرما لیں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے''۔ اب یہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارا اپنا عمل ہے، میں نے تو تمہیں کہہ دیا تھا لیکن تم نے میری بات نہ مانی۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ وصول کرنے سے بالکل انکار کر دیا تو وہ واپس اپنے گھر لوٹ آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے وصال تک اس سے کوئی چیز وصول نہ کی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو یہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور انصار کے ہاں میرے مقام و مرتبہ کو جانتے ہیں، اس لئے میری زکوٰۃ قبول کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اس طرح انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے انتقال تک قبول نہ کیا۔ عہد فاروقی میں پھر یہ زکوٰۃ کا مال لیکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! میرا یہ مال زکوٰۃ قبول فرمائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اسے نہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور نہ حضرت ابوبکر نے تو میں کیسے اسے قبول کر لوں؟ آپ نے بھی اپنے انتقال تک اسے قبول نہ کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو پھر مال لیکر آیا اور کہنے لگا کہ آپ اسے قبول کر لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس مال کو نہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا، نہ حضرت ابوبکر نے اور نہ حضرت عمر نے تو میں کیسے قبول کر لوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی قبول نہ کیا۔ اسی طرح وہ خلافت عثمانی میں مر گیا(1)۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ...... یعنی ان کی وعدہ خلافی اور کذب کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے''(2)۔ اس کے اور بھی شواہد ہیں۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ...... اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے راز اور مخفی چیزوں کو خوب جانتا ہے۔ دلوں کے راز اور سینوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 189-190　2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 15

کے بھید اس پر مخفی نہیں ہیں۔ یہ منافقین اگر چہ اس بات کا اظہار کرتے رہیں کہ اگر انہیں مال حاصل ہو گیا تو وہ صدقہ بھی کریں گے اور شکر بھی بجالائیں گے لیکن ایسا کریں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے بھی زیادہ انہیں جانتا ہے کیونکہ وہ غیوب پر پوری طرح مطلع ہے۔ ہر غیب، شہادت، راز، سرگوشی، ظاہر اور باطن ہر چیز کا اس کو مکمل علم ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

"جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت ومشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

منافقین کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بھی کسی حالت میں بھی ان کے طعن وتشنیع، طنز اور عیب جوئی سے محفوظ نہیں رہ سکتا حتیٰ کہ صدقہ وخیرات کرنے والے بھی ان کی معترض زبانوں سے نہیں بچ سکتے۔ اگر کوئی مال کثیر صدقہ کردے تو اسے ریاکار کہہ دیتے ہیں اور اگر کوئی معمولی چیز پیش کرے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ سے بے نیاز ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم اپنی پیٹھوں پر صدقات کا مال رکھ کر لاتے۔ ایک آدمی نے بہت سا مال صدقہ کیا تو منافقین کہنے لگے کہ یہ ریاکار ہے۔ ایک اور شخص آیا جس نے صرف ایک صاع پیش کیا تو یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ سے غنی ہے۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ ابو السلیل سے روایت ہے کہ ایک آدمی بقیع میں کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ مجھے میرے باپ یا چچا نے بتایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بقیع میں یہ فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص صدقہ دے گا میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔" راوی (صحابی) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے عمامہ کی ایک یا دو تہیں کھولیں تا کہ صدقہ کردوں لیکن پھر مجھے اس (حرص) نے آلیا جس میں ابن آدم مبتلا ہو جاتا ہے اور میں نے دوبارہ اسے اپنے عمامہ میں باندھ لیا۔ ایک آدمی آیا بقیع میں میں نے کوئی شخص اس سے زیادہ سیاہ، پست قامت اور مذموم نہ دیکھا وہ ایک اونٹنی ہانک کر لا رہا تھا اس سے زیادہ خوبصورت اونٹنی مجھے بقیع میں دکھائی نہ دی۔ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا صدقہ دوں؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: یہ اونٹنی لے لیجئے۔ ایک آدمی نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ لو یہ اس اونٹنی کا صدقہ کر رہا ہے، اس کی اونٹنی اس سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی، فرمایا: "تو جھوٹا ہے، بلکہ یہ شخص تجھ سے بھی بہتر ہے اور اونٹنی سے بھی" تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "سینکڑوں اونٹ رکھنے والوں کے لئے ہلاکت۔" صحابہ نے عرض کی: سوائے کس شخص کے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: "سوائے اس شخص کے جو اپنے مال کو اس طرح، اس طرح خرچ کرے" اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے (لپ بنا کر) دائیں بائیں اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "قلیل المال کثیر العبادت شخص نے فلاح پائی" (2)۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چالیس اوقیہ سونا لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا اور ایک غریب انصاری ایک صاع اناج لائے۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ عبدالرحمٰن نے ریاکاری کے طور پر یہ سونا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص (انصاری) کے صدقہ سے بے نیاز ہے (3)۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 136، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 706 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 37 3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 194

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ اپنے صدقات جمع کرو۔ لوگوں نے اپنے صدقات جمع کر لئے۔ پھر آخر میں ایک شخص ایک صاع کھجوریں لیکر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! یہ کھجوروں کا ایک صاع ہے۔ میں رات بھر کنویں سے پانی نکالنے کی مزدوری کرتا رہا، مجھے دو صاع کھجوریں بطور اجرت ملیں۔ ایک صاع میں نے اہل وعیال کے لئے رکھ لیا اور دوسرا آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کھجوروں کو تمام اموال صدقات پر بکھیر دینے کا حکم دیا۔ منافقین اس شخص کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے بے نیاز ہیں، بھلا تمہارے صاع کو کیا کریں گے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ کیا کوئی اہل صدقات میں سے باقی بچ گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا''۔ تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سو اوقیہ سونا صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا تم مجنون ہو؟ وہ کہنے لگے مجھ میں جنون والی کوئی بات نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تمہیں شعور ہے جو کچھ کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہاں، میرے پاس آٹھ ہزار ہیں۔ چار ہزار میں نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیئے اور باقی چار ہزار اپنی ضروریات کے لئے رکھ لئے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں بھی برکت ڈالے جو تم نے اپنے لئے روکے رکھا اور اس میں بھی جو عطا کیا''۔ یہ دیکھ کر منافقین طنز کرنے لگے کہ عبدالرحمٰن نے محض ریا کاری کے طور پر اتنا زر کثیر صدقہ کیا ہے۔ یہ منافق جھوٹے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ پر بخوشی اتنا مال پیش کیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ہر ایک کی حقیقت واضح کر دی(1)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اہل ایمان میں سے بخوشی صدقہ کرنے والوں میں حضرات عبدالرحمٰن بن عوف اور بنو عجلان کے عاصم بن عدی شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے صدقہ پر رغبت دلائی اور اس پر ابھارا تو حضرت عبدالرحمٰن نے چار ہزار اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے سو وسق کھجوریں صدقہ کیں۔ اس پر منافقین نے دونوں حضرات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے ان کے صدقہ کو ریا کاری پر محمول کیا۔ جب بنو انیف سے تعلق رکھنے والے حضرت ابو عقیل نے اپنی محنت کی کمائی سے ایک صاع کھجوریں صدقہ میں دیں تو یہ بد بخت منافقین ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تو ابو عقیل کے صدقہ سے غنی ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرو کیونکہ میں مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر بھیجنا چاہتا ہوں'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے پاس چار ہزار ہیں، دو ہزار میں اپنے رب کو قرض دیتا ہوں اور باقی دو ہزار میرے اہل وعیال کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس مال میں بھی برکت ڈالے جو تم نے عطا کیا اور اس میں بھی جو تم نے روکے رکھا''۔ ایک انصاری رات بھر محنت مزدوری کر کے دو صاع کھجوریں لایا۔ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! دو صاع کھجوریں ملی ہیں، ایک صاع میں اپنے رب کو قرض دیتا ہوں اور دوسرا صاع میرے اہل وعیال کے لئے۔ یہ سن کر منافقین مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ ابن عوف نے تو محض نمود ونمائش کے لئے اس قدر مال دیا ہے اور انصاری کے بارے میں کہنے لگے کہ کیا اللہ اور اس کا رسول اس کے صاع سے بے نیاز نہیں ہیں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(3)۔ حضرت ابو عقیل کہتے ہیں کہ میں دو صاع کھجوروں کے عوض رات بھر اپنی پیٹھ پر پانی ڈھوتا رہا۔ ایک صاع میں اپنے گھر والوں کے لئے لے آیا اور دوسرا صاع رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ کھجوریں پیش کیں اور سارا واقعہ بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے صدقہ کے مال پر بکھیر دو''۔ منافقین تمسخر

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 194-195 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 196 3۔ کشف الاستار، جلد 3 صفحہ 51

اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اس مسکین کے صدقہ کی کیا ضرورت۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی(1)۔ حضرت ابوعقیل کا نام حجاب یا عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ثعلبہ تھا(2)۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ منافقین کے برے کرتوت اور اہل ایمان کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کی سزا تمسخر سے دی۔ یہ بطور مقابلہ و مشاکلہ ہے کیونکہ جزاء کا تعلق عمل کی جنس سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اہل ایمان کو غالب کرنے کیلئے منافقین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جس طرح تمسخر اڑانے والا شخص دوسرے سے کرتا ہے اور آخرت میں ان منافقین کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

''آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں یہ محض اس لئے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (مکرم) کا۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ یہ منافقین مغفرت کے اہل نہیں اور اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ آیت کریمہ میں ستر کا عدد یا تو کثرت اور مبالغہ کے لئے آیا ہے اور زیادہ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے، یا پھر اس سے ستر کا عدد ہی مقصود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب یہ آیت اتری تو میں نے سنا کہ میرے رب نے مجھے ان کے متعلق رخصت دے دی ہے۔ اللہ کی قسم! میں ان کے لئے ستر مرتبہ سے بھی زائد استغفار کروں گا، شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے''۔ ان پر شدید غضب کے باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (المنافقون:6)(3) (یکساں ہے ان کے لئے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لئے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لئے)۔ شعبی کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی نزع کی کیفیت سے دوچار ہوا تو اس کا بیٹا حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا باپ قریب الموت ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا: حباب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ تو عبداللہ ہے۔ حباب تو شیطان کا نام ہے۔'' حضور ﷺ اس کے ساتھ چلے حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے، اسے اپنی پسینے والی قمیص پہنائی اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا آپ اس کا جنازہ پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً، میں ان کے لئے ستر، ستر اور ستر مرتبہ استغفار کروں گا''(4)۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 196
2۔ اسد الغابۃ، جلد 1 صفحہ 438، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 250
3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 199-200
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 199

''خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد اور ناگوار تھا انہیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں، فرمایئے دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ کچھ سمجھتے۔ تو انہیں چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ان منافقین کی مذمت کر رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام سے پیچھے رہ گئے اور پھر اپنی اس کارگزاری پر اترانے لگے، یہ بات انہیں پسند نہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کی معیت میں اپنے جان و مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کریں۔ چونکہ سخت گرمی کا موسم تھا، پھر پھل پک چکے تھے اور سائے گھنے ہو گئے تھے، اس لئے یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ اس مخالفت کی وجہ سے جس آتش جہنم کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا وہ اس گرمی کی نسبت تو بہت زیادہ گرم ہے بلکہ دنیاوی آگ سے بھی زیادہ گرم ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''بنی آدم کی آگ جسے تم جلاتے ہو، آتش جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آگ بھی کافی ہے۔ فرمایا: ''آتش جہنم اس سے انہتر جزء زیادہ ہے''(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہاری یہ آگ آتش جہنم کا سترواں حصہ ہے، حالانکہ دو مرتبہ اسے سمندر میں ڈالا گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اس میں نفع نہ رکھتا''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار سال تک آگ کو بھڑکایا یہاں تک کہ یہ سرخ ہو گئی، پھر ایک ہزار سال اسے جلایا حتیٰ کہ سفید ہو گئی، پھر ایک ہزار سال اسے روشن کیا یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ یہ تاریک رات کی طرح سیاہ ہے''(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے یہ آیت فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ (البقرہ:24) ''تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں'' تلاوت کی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ہزار سال روشن کیا حتیٰ کہ یہ سفید ہو گئی، پھر ہزار سال یہاں تک کہ سرخ ہو گئی پھر مزید ہزار سال حتیٰ کہ یہ سیاہ ہو گئی۔ یہ رات کی طرح سیاہ ہے اس کے شعلے بھی نہیں چمکتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''اگر آتش جہنم کا ایک انگارہ مشرق میں ہو تو مغرب والے اس کی حرارت محسوس کریں''(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر اس مسجد میں ایک لاکھ سے زائد لوگ ہوں اور ان میں ایک دوزخی سانس لے اور اس کا سانس ہر ایک تک پہنچ جائے تو مسجد حاضرین سمیت جل جائے گی''۔ حافظ ابو یعلی کی یہ روایت غریب ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے ہلکے عذاب والا وہ دوزخی ہوگا جس کے آتش جہنم سے بنے ہوئے دو جوتے اور دو تسمے ہوں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح ابل رہا ہوگا، اس کا خیال ہوگا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں ہو رہا حالانکہ وہ سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا ہوگا''(5)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''بروز قیامت سب سے ادنیٰ عذاب والا شخص آگ کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2184، موطا امام مالک، کتاب جہنم 994
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 244
3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 7 صفحہ 316-317، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1445
4۔ معجم طبرانی
5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 144، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 135

بنے ہوئے دو جوتے پہنے گا جن کی حرارت کی وجہ سے اس کا دماغ جوش مارنے لگے گا''(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جہنم میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جسے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا''(2)۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ بہت سی آیات بھی آتش جہنم کے متعلق وارد ہوئی ہیں، فرمایا: كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى (المعارج: 16-15) ''بیشک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو''۔ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (الحج: 22-19) ''انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں۔ اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (النساء: 56) ''بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب بھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو''۔ اور یہاں فرمایا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ یعنی اگر ان میں سمجھ بوجھ اور عقل و شعور ہوتا تو وہ ضرور گرمی میں بھی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے لئے نکلتے تاکہ وہ اس آتش جہنم سے محفوظ رہتے جو اس گرمی سے کئی گنا زیادہ گرم ہے لیکن ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو گرمی سے بچنے کے لئے آگ کی پناہ لیتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

تو نے سرد گرم کے خوف سے اپنی عمر فنا کر ڈالی حالانکہ تیرے لئے بہتر یہ تھا کہ تو آگ سے بچنے کے لئے گناہوں سے احتراز کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ ان منافقین کو دھمکی دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دنیا قلیل ہے، یہ بدبخت جس قدر چاہیں اس میں ہنس لیں۔ جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلے جائیں گے تو یہ رونے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو بتکلف رؤو۔ دوزخی اس قدر روئیں گے کہ ان کے آنسو چہروں پر یوں بہنے لگیں گے، گویا کہ وہ (چہرے) ندیاں ہیں یہاں تک کہ ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون بہنے لگیں گے کہ آنکھیں زخمی ہو جائیں گی۔ اس قدر خون اور آنسو بہیں گے کہ اگر ہماری کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں''(3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو کچھ عرصہ آنسو بہاتے ہوئے روئیں گے، پھر کچھ عرصہ پیپ بہائیں گے۔ جہنم کے داروغہ انہیں کہیں گے: اے بدبختو! رحم کی جگہ دار دنیا میں تم نے رونا ترک کئے رکھا، کیا آج تم کوئی فریاد رس پالو گے؟ وہ چیخ چیخ کر بلائیں گے: اے اہل جنت، اے ہمارے رشتہ دارو، اے ہمارے والدین، اے ہماری اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے، محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج بھی پیاسے ہیں، کچھ پانی ہمیں دے دو یا کچھ رزق دے دو جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے۔ چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: 77) ''تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے''۔ اب وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 196-195
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 439-438
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1446، مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 162

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

''(اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمائیے نہیں نکلو گے تم میرے ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے، تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو اس غزوہ سے بسلامت واپس لے آئے گا تو ان منافقین میں سے ایک گروہ کسی اور غزوہ میں شرکت کے لئے آپ سے درخواست کرے گا تو بطور تعزیر و عقوبت انہیں صاف صاف کہہ دینا کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد کے لئے نہیں نکل سکتے اور نہ ہی میرے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کر سکتے ہو۔ اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام:110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ''۔ کیونکہ برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی کی ہی شکل میں ملتا ہے اور نیکی کا بدلہ اس کے بعد نیکی ہے جیسا کہ عمرۂ حدیبیہ میں فرمایا: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا...... (الفتح:15) ''کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہو گے اموال غنیمت کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کرلو......''۔

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ، ''خٰلِفِيْنَ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجاہدین سے پیچھے رہ گئے یا عورتیں مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عورتیں مراد لینا درست نہیں کیونکہ ''خٰلِفِيْنَ'' مذکر کا صیغہ ہے، اگر عورتیں ذکر کرنا مقصود ہوتا تو ''خوالف'' یا ''خالفات'' کا لفظ ذکر کیا جاتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

''اور نہ پڑھئے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر۔ بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو منافقین سے برأت کا اظہار کرنے، ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھنے اور استغفار یا دعا کے لئے اس کی قبر پر کھڑا نہ ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک کفر پر اڑے رہے۔ یہ حکم ہر منافق کے بارے میں عام ہے اگرچہ اس آیت کا سبب نزول رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کی وفات ہوئی تو اس کا بیٹا عبداللہ رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ میرے باپ کے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائیں آپ علیہ السلام نے اسے وہ عطا کر دی، پھر اس نے عرض کی کہ آپ خود اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں۔ جب آپ علیہ السلام اس کا جنازہ پڑھانے کے لئے اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کا دامن پکڑ کر عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اس کا جنازہ پڑھیں گے حالانکہ آپ کے رب نے آپ کو اس سے منع فرمایا ہے: آپ

ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ:80)۔ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ منافق ہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی جس پر یہ آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... نازل ہوئی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا، فرماتے ہیں: جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے سامنے آ کر عرض کی: یا رسول اللہ! کیا دشمن خدا عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھیں گے جس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کیا تھا، اس کے سارے کرتوت بیان کر دیئے۔ آپ ﷺ مسکراتے رہے، جب میرا اصرار بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! پیچھے ہٹو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ اگر مجھے یہ علم ہو کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ضرور زیادہ کروں''۔ چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آپ ﷺ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنی جسارت پر بڑی ندامت ہوئی۔ بس تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ آیت کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... نازل ہوگئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے وصال تک نہ کسی منافق کا جنازہ پڑھا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! اگر آپ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ ہمیں اس کی عار دلائی جاتی رہے گی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے لیکن اسے قبر میں داخل کیا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے داخل کرنے سے پہلے کیوں نہ بتایا؟ چنانچہ اسے قبر سے باہر نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے سارے جسم پر اپنی تھوک مبارک لگا دی اور اسے اپنی قمیص بھی پہنائی(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین مرنے لگا تو اس نے وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی خواہش آپ ﷺ تک پہنچائی۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس منافق نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے حضور ﷺ کی قمیص میں کفن دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی قمیص اتار کر اسے پہنا دی اس پر یہ آیت اتری''(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور یہ فرمان الٰہی سنایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... اسے طبری اور حافظ ابو یعلی نے روایت کیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے(5)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے اپنی بیماری کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کو بلایا۔ جب آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تمہیں تو یہود کی محبت نے ہلاک کر دیا''۔ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے تا کہ آپ میرے لئے استغفار کریں سرزنش کرنے کے لئے آپ کو نہیں بلایا، پھر اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے آپ ﷺ سے قمیص کی درخواست کی تا کہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دے سکیں آپ ﷺ نے اسے عطا فرما دی، رئیس المنافقین کی نماز جنازہ بھی پڑھی اور اس کی قبر پر بھی کھڑے ہوئے اس وقت یہ آیت اتری(6)۔ بعض سلف کا یہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 15، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2141 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 16 تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 495-499

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 371

4۔ مسند بزار

5۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 205، مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 144-145

6۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 206

کہنا ہے کہ اس منافق کو قمیص پہنانے کی غرض یہ تھی کہ جب حضرت عباس اسیران بدر میں آئے تو ان کے قد و قامت کے مطابق کسی کی قمیص انہیں پوری نہ آئی سوائے عبداللہ بن ابی کے۔ چونکہ یہ گرانڈیل اور طویل القامت تھا اس لئے اس کی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنا دی گئی۔ حضور ﷺ نے اس منافق کو اپنی قمیص دیکر بدلہ چکا دیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد نہ کسی منافق کا جنازہ پڑھتے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوتے جیسا کہ حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی جنازہ کے لئے کہا جاتا تو آپ ﷺ پہلے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ اگر لوگ اس کی تعریف کرتے تو آپ ﷺ جنازہ پڑھا دیتے بصورت دیگر آپ ﷺ میت کے لواحقین سے کہہ دیتے کہ تم جانو اور یہ۔ اور آپ ﷺ خود جنازہ نہ پڑھتے (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجہول الحال شخص کا جنازہ اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوتے کیونکہ انہیں منافقین کے بارے میں علم تھا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں منافقین کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔ اسی لئے انہیں رازدان رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کا جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چٹکی لی، گویا آپ انہیں جنازہ سے روکنا چاہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور استغفار کے لئے ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع کر دیا تو اہل ایمان کے لئے اسے مشروع قرار دے دیا کیونکہ یہ کام مسلمانوں کے لئے بڑا نفع بخش اور باعث قربت ہے۔ اس کے کرنے سے اجر جزیل عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جنازہ میں شرکت کی اور نماز پڑھے جانے تک ساتھ رہا اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) ہے اور جو دفن کئے جانے تک جنازہ کے ساتھ شریک رہا اس کے لئے دو قیراط''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا: ''سب سے چھوٹا قیراط احد (پہاڑ) کی مقدار ہے'' (2)۔ مومن کی قبر پر کھڑا ہونے کے متعلق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے'' (3)۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

''اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان سے دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں''۔

اس قسم کی آیت کی تفسیر گزر چکی ہے (4)۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 299-300
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 110، صحیح مسلم، کتاب الجنائز: 652
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 215
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 55

''اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجئے ہمیں تا کہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ، انہوں نے یہ پسند کیا کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔''

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرما رہا ہے جو جہاد سے پیچھے رہ گئے، باوجود قدرت، خوشحالی اور وسعت کے لڑائی سے اعراض کیا اور حضور علیہ السلام سے اجازت لیکر عورتوں کے ساتھ گھر بیٹھ گئے۔ اس سے بڑھ کر ذلت اور عار کیا ہو سکتی ہے کہ انسان بوقت ضرورت عورتوں کی طرح عاجز بن کر بیٹھا رہے۔ یہ لوگ جنگ کے وقت انتہائی بزدل ہوتے ہیں لیکن جب امن و امان ہو تو بڑے باتونی۔ جیسا کہ ان کے متعلق ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب:19) ''پھر جب خوف (و دہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ۝ (محمد:21-20) ''اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔ پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ..... یعنی جہاد سے اعراض کرنے اور راہ خدا میں رسول اللہ علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور اب انہیں اپنے نفع نقصان کا بھی علم نہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۸۹

''لیکن رسول اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

منافقین کی مذمت اور مومنین کی مدح کے بعد صحابہ رسول علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ وہ سعادت مند ہیں جنہوں نے اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ انہی کے لئے بھلائیاں اور مکمل کامیابی ہے۔ آخرت میں انہیں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس اور بلند درجات سے نوازے گا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''اور آئے بہانہ بنانے والے بدو تاکہ اجازت مل جائے انہیں اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک''

اللہ تعالیٰ ترک جہاد میں ان اصحاب عذر کی حالت بیان فرما رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کمزوری اور جہاد پر عدم قدرت کا عذر پیش کیا۔ ان کا تعلق مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل عرب سے تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''مُعَذِّرُوْنَ'' کی بجائے ''مُعْذِرُوْنَ'' قرأت نقل کی ہے جس کا معنی ہے اہل عذر (1)۔ اور آیت کی تفسیر میں یہی زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی یہ لوگ نہ آئے اور نہ عذر پیش کیا۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بنو غفار کے لوگ تھے جنہوں نے عذر پیش کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول نہ فرمایا۔ حسن، قتادہ اور محمد بن اسحاق کا بھی یہی کہنا ہے لیکن پہلا قول زیادہ واضح اور درست ہے، اس کی وجہ ہم نے بیان کر دی ہے کہ اس کے بعد فرمان ہے: وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی دوسرے اعراب معذرت کے لئے آنے سے رکے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں المناک عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جب کہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے۔ نہیں ہے نیکوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تاکہ آپ سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔ الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مال دار ہیں وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ۔ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ وہ عذر بیان فرما رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ان میں سے بعض عذر تو وہ

1۔ معانی القرآن للفراء، جلد 1 صفحہ 44، تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 210

ہیں جو وائی ہوتے ہیں کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتے مثلاً طبعی جسمانی کمزوری جس کے باعث جہاد کرنے کی طاقت نہ ہو، اندھا پن، لنگڑا پن۔ پہلے ان لازمی عوارض کا ذکر کیا، اور بعض عوارض ایسے ہیں جو عارضی ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے راہ خدا میں جہاد پر نہ نکل سکا یا فقیر ہونے کے باعث ضروریات اور لوازمات جہاد حاصل نہ کر سکا۔ ایسے لوگوں پر جہاد میں عدم شرکت پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خیر خواہی کا مظاہرہ کریں، لوگوں کے درمیان خوف وہراس نہ پھیلائیں اور نہ وہ انہیں راہ حق میں جہاد سے روکیں، مزید برآں وہ نیکوکار بھی ہوں، اس لئے فرمایا: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ حضرت ابوثمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ خدا کے لئے مخلص اور خیر خواہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے حق کو بندوں کے حق پر ترجیح دیتا ہے، جب اسے کوئی دو معاملات درپیش ہوں یا دنیا اور آخرت کا معاملہ درپیش ہو تو وہ پہلے آخرت کا معاملہ انجام دیتا ہے اس کے بعد دنیاوی معاملہ۔ امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ استسقاء کے لئے نکلے، ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد حاضرین سے کہا: کیا تم سب اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والے نہیں ہو؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اے اللہ! ہم تیرا فرمان: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ سنتے ہیں، یا اللہ! ہم سب نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، اس لئے ہماری مغفرت فرما، ہم پر اپنی رحمت نازل کر کے بارش برسا۔ انہوں نے خود بھی ہاتھ بلند کئے اور باقی لوگوں نے بھی، دعا کی دیر تھی کہ بارش برسنے لگی۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عائذ بن عمرو مزنی کے بارے میں اتری، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا، میں سورۂ برأت لکھ رہا تھا، میں نے قلم اپنے کان پر رکھا ہوا تھا، جہاد کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ انتظار کر رہے تھے کہ اب کیا حکم نازل ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آکر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں نابینا ہوں، میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس وقت یہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ...... اتری۔ پھر ان لوگوں کا بیان ہے جو لوازمات جہاد نہ پانے کے باعث جہاد میں شرکت کرنے سے معذور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کا ایک گروہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بن مقوی مزنی بھی تھے، یہ لوگ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہمیں سواریاں عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہاری سواری کے لئے کچھ نہیں پاتا'' چنانچہ یہ صحابہ روتے ہوئے واپس لوٹے۔ جہاد میں عدم شرکت ان پر بہت شاق گزری اور نفقات اور سواری نہ ملنے کے باعث غم سے نڈھال ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اللہ ورسول کے ساتھ شدید محبت اور وابستگی دیکھی تو قرآن کریم میں ان کے عذر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ...... فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھنے والے بنو مقرن کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ سات افراد تھے۔ بنی عمرو بن عوف کے سالم بن عوف، بنی واقف کے حرمی بن عمرو، بنی مازن سے عبدالرحمٰن بن کعب جن کی کنیت ابولیلیٰ تھی، بنی المعلی کے فضل اللہ، بنی سلمہ سے عمرو بن عتمہ، عبداللہ بن عمرو مزنی اور بنی حارثہ کے علبہ بن زید۔ محمد بن اسحاق نے کچھ تبدیلی کے ساتھ اس طرح یہ نام گنوائے ہیں: بنی عمرو بن عوف سے سالم بن عمیر، بنی حارثہ سے علبہ بن زید، بنی مازن سے ابولیلی عبدالرحمٰن بن کعب، بنی سلمہ سے عمرو بن حمام بن جموح، عبداللہ بن مغفل مزنی بعض کے نزدیک یہ عبداللہ بن عمرو مزنی تھے، بنی واقف کے ھرمی بن عبداللہ اور عرباض بن ساریہ فزاری۔ ان کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 211

متعلق یہ وحی نازل ہوئی(1)۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''تم مدینے میں ایسے لوگ چھوڑ آئے ہو کہ تم جو خرچ کرتے ہو، جس وادی میں چلتے ہو اور جو دشمن کو نقصان پہنچاتے ہو، وہ بھی تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں'' پھر آپ علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم جس وادی کو طے کرتے ہو اور جہاں چلتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں''۔ صحابہ نے عرض کی: حالانکہ وہ تو مدینہ میں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''عذر نے انہیں روک رکھا ہے''(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم مدینہ میں چند لوگ چھوڑ آئے ہو، جس وادی کو تم طے کرتے ہو اور جس رستہ پر تم چلتے ہو وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ بیماری نے انہیں پابند کر دیا''(3)۔ پھر ان لوگوں کو ملامت کی جا رہی ہے جو خوشحال ہونے کے باوجود جہاد سے رخصت طلب کرتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے ہیں، انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

''وہ بہانے پیش کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف۔ فرمائیے بہانے مت بناؤ ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر، آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر۔ اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ ناپاک ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے''۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو منافقین کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب تم مدینہ واپس لوٹو گے تو یہ منافقین طرح طرح کے عذر، بہانے پیش کریں گے لیکن انہیں کہہ دینا کہ ہم تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے باخبر کر دیا ہے۔ عنقریب اللہ اور اس کا رسول علیہ السلام تمہارے اعمال کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ پھر تمہیں اس ذات کے حضور پیش کیا جائے گا جو ظاہر اور باطن کو اچھی طرح جانتا ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال پر آگاہ کر کے جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے متعلق بتایا کہ وہ عنقریب تمہارے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے چشم پوشی کر لو اور انہیں سرزنش نہ کرو، اس لئے اظہار حقارت کرتے ہوئے ان سے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 518 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 31

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 300، صحیح مسلم، کتاب الامارہ 1518، سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد 923

اعراض کرلو کیونکہ یہ نجس اور پلید ہیں، یہ خبیث النفس اور بدعقیدہ لوگ ہیں۔ ان کی بدکرداری اور برے اعمال کے باعث ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں اٹھاتے ہیں، اگر ان کی قسموں پر یقین کرتے ہوئے تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو بھی اللہ تعالیٰ ایسی فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کئے رکھا۔ ''فٰسِقِیْنَ'' کا معنی ہے خارجین یعنی اطاعت سے نکلنے والے۔ یہ ''فسق'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے خروج۔ خرابی پیدا کرنے کے لئے جب چوہا اپنی بل سے نکلتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اَلْفَارَۃُ فُوَیْسِقَۃٌ''۔ جب کھجور کے خوشے نکل آئیں تو کہتے ہیں: ''فَسَقَتِ الرَّطْبَۃُ''۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآىِٕرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾

''اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں اور حقدار ہیں کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور منتظر ہیں تمہارے لئے (زمانہ کی) گردشوں کے۔ (حقیقت میں) انہیں پر ہے بری گردش۔ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) علیم ہے۔ اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں قرب الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے، ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے، ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ دیہاتی بدوؤں کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ ان میں کفار، منافقین اور مومنین سبھی موجود ہیں۔ ان کا کفر اور نفاق دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ عظیم اور شدید ہے اور یہ زیادہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیں، جیسا کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی کہ ایک بدو زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ اپنے ساتھیوں سے محو کلام تھے۔ جنگ نہاوند میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا، بدو انہیں کہنے لگا کہ آپ کی باتیں تو میرے دل کو بھاتی ہیں لیکن یہ کٹا ہوا ہاتھ مجھے شک میں ڈال دیتا ہے (کہ شاید چوری میں کٹا ہو) زید کہنے لگے کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کیا شک ہوا یہ تو بایاں ہے؟ بدو کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم (چوری میں) دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے یا بایاں۔ اس پر زید بن صوحان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَنْ لَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے صحراء میں سکونت اختیار کی وہ سخت مزاج ہو گیا، جو شکار کے پیچھے دوڑا وہ غافل ہو گیا اور جس نے بادشاہ کی ہمنشینی اختیار کی وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا(2)۔ تندی، بدمزاجی، اجڈپن اور درشت روی چونکہ بادیہ نشینوں میں پائی جاتی ہے اس لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 4

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3 صفحہ 111، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 357 وغیرہ

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا، بلکہ رسولوں کی بعثت شہری اور متمدن لوگوں سے ہوتی رہی جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:109) ''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ ایک مرتبہ ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو اسے راضی کرنے کے لئے آپ ﷺ کو کئی گناہ زیادہ ہدیہ لوٹانا پڑا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قریشی، ثقفی، انصاری یا دوسی کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں''(1)۔ کیونکہ یہ لوگ مکہ، مدینہ، طائف اور یمن جیسے شہروں میں رہتے ہیں۔ یہ بدوؤں سے زیادہ نرم مزاج اور بااخلاق ہیں جبکہ ان میں سختی اور درشتی پائی جاتی ہے۔

بچوں کو بوسہ دینے کے متعلق حدیث اعرابی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پوچھنے لگے کہ تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو نہیں چومتے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحمت نکال دی ہے تو بھلا میں کیا کرسکتا ہوں''(2)۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون اس بات کا مستحق ہے جسے ایمان اور علم کی توفیق دی جائے اور وہ اپنے بندوں کے درمیان علم، جہالت، ایمان، کفر اور نفاق کی تقسیم میں حکیم ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ علیم اور حکیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ بعض دیہاتی ایسے ہیں جو راہ خدا میں خرچ کرنے کو جرمانہ اور خسارہ سمجھتے ہیں اور وہ تمہارے بارے میں حوادثات زمانہ اور گردش لیل ونہار کا انتظار کر رہے ہیں لیکن یہ حوادث اور آفات ان پر ہی پڑیں گی اور برا وقت ان پر ہی آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون اس کی مدد کا مستحق ہے اور کون نامرادی کا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ...... اعراب کی یہ قسم ممدوح اور قابل ستائش ہے۔ یہ راہ خدا میں خرچ کرکے اسے قرب الٰہی اور دعائے رسول ﷺ کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، سو یہ قرب انہیں حاصل ہوگیا اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمادے گا، کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوگئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

اللہ تعالیٰ سابقین اولین مہاجر و انصار اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے اپنی رضا کی خبر دے رہا ہے، اس کی رضا یہ

1۔ سنن نسائی، کتاب العمری، جلد 6 صفحہ 280، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 295 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1808

ہے کہ اس نے ان سعادت مند ہستیوں کے لئے دائمی نعمتوں بھری جنت تیار کر رکھی ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ سابقین اولین وہ مہاجر اور انصار ہیں جنھوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کی تھی۔ حضرات ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔ محمد بن قرظی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو یہ آیت وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابی بن کعب نے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ساتھ رہنا، میں تمہیں ابی کے پاس لیکر جاؤں گا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہیں کہنے لگے کہ کیا تم نے اسے یہ آیت اس طرح پڑھائی ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا؟ حضرت ابی نے جواب دیا: ہاں۔ تو حضرت عمر کہنے لگے کہ میرا خیال تو یہ تھا کہ ہمیں ایسی رفعت حاصل ہے جو ہمارے بعد کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔ حضرت ابی کہنے لگے کہ اس آیت کی تصدیق ان آیات میں موجود ہے: وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ‌ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (الجمعہ:3) ''اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آ کر نہیں ملے۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔ وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ (الحشر:10) ''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے''۔ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا (الانفال:74) ''اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا'' (1)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ لفظ ''الۡاَنۡصَارِ'' کو ''السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ پر عطف کرتے ہوئے پیش کے ساتھ پڑھتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ وہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور اخلاص کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں سے راضی ہوگیا۔ اب ان لوگوں کے لئے ہلاکت اور بربادی ہے جو ان ہستیوں کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، انہیں سب و شتم کرتے ہیں۔ سب کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں یا بعض کے ساتھ۔ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے بعد تمام صحابہ کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ صدیق اکبر اور خلیفہ اعظم ہیں۔ رافضی ٹولہ خصوصی طور پر صحابہ کرام سے عداوت و بغض رکھتا ہے اور انہیں گالیاں دیتا ہے، ''نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ!'' یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان نابکاروں کی عقلیں الٹ گئی ہیں اور ان کے دل اوندھے ہوگئے ہیں۔ جب یہ ان خوش نصیبوں کو گالیاں دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا تو ان کا ایمان بالقرآن کے ساتھ کیا واسطہ؟ ان کا تو قرآن پر ایمان ہی نہ رہا، لیکن اہل سنت ان لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ملعون ہیں۔ یہ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جنھیں اللہ دوست رکھتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ کے دشمن ہیں، یہ متبع ہیں، بدعتی نہیں، (خدا اور رسول کی) اقتداء کرتے ہیں، (نئے نئے طریقوں کی) ابتداء نہیں کرتے۔ یہی فلاح پانے والا اور مومن بندگان خدا کا گروہ ہے۔

وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ‌ؕۛ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ‌ ؔۛ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

''اور تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے پکے ہوگئے ہیں نفاق میں تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں۔ ہم عذاب دیں گے انہیں دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔''

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 8

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دے رہا ہے کہ مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل میں بھی منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی بعض لوگ منافق ہیں جو اپنے نفاق پر مصر اور ڈٹے ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے: ''شَیْطَانٌ مَّرِیْدٌ وَّمَارِدٌ''۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: تَمَرَّدَ فُلَانٌ عَلَی اللّٰہِ'' فلاں نے اللہ تعالیٰ کی سرکشی کی''۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اس فرمان: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۖ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (محمد:30) ''اور اگر ہم چاہئیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے۔ اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے'' کے منافی اور متضاد نہیں، کیونکہ اس آیت میں جو پہچاننے کی بات ہو رہی ہے وہ ان صفات کی بناء پر ہے جن کا اس آیت میں ذکر ہوا، نہ کہ اس کا یہ مقصد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں علی التعیین پہچانتے ہیں، البتہ اہل مدنیہ میں سے بعض منافقین کو آپ جانتے تھے جن سے صبح و شام میل جول اور ملاقات ہوتی۔ اس کی تصدیق حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ گمان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں تمہارے اجر ضرور ملیں گے اگرچہ تم لومڑی کی بل میں ہی کیوں نہ ہو'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اپنا سر جھکا کر فرمایا: ''میرے اصحاب میں بعض منافقین بھی ہیں'' (1)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض منافقین اور جھوٹی باتوں کے ذریعے خوف و ہراس پھیلانے والوں کی قلعی کھول دی اور آیت کریمہ ''وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا'' کی تفسیر کے تحت گزر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقین کے بارے میں آگاہ کر دیا لیکن یہ تخصیص اس بات کی مقتضی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام منافقین کے ناموں اور ذاتوں پر مطلع تھے۔ حرملہ نامہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ایمان یہاں ہے اور اپنے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ نفاق یہاں ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی: ''یا اللہ! اس کی زبان کو ذاکر اور دل کو شاکر بنا دے، اور اسے میری اور میرے ساتھ محبت کرنے والوں کی محبت عطا فرما اور اس کے معاملہ کو خیر کی طرف منتقل کر دے۔'' اب اس کی منافقت جاتی رہی۔ وہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے منافق ساتھی ہیں جن کا میں سردار تھا، کیا میں انہیں آپ کے پاس نہ لے آؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ہمارے پاس آئے ہم اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جو نفاق پر ڈٹا رہے اس کا اللہ وارث، کسی کا پردہ مت چاک کرنا'' (2)۔ حضرت قتادہ نے اس آیت کے متعلق کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو بہ تکلف لوگوں کے بارے میں اپنا علم ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی۔ جب تم ان میں سے کسی سے اس کی ذات کے متعلق سوال کرو گے تو وہ کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم۔ میری زندگی کی قسم! تم دوسروں کے احوال جاننے سے زیادہ اپنے نصیب کو جانتے ہو، تم نے ایسا دعویٰ کیا جس کا دعویٰ انبیاء علیہم السلام کو بھی نہ تھا، دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الشعراء:112) ''مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں''۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (ہود:86) ''جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان''۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے فلاں! نکل جاؤ، تم منافق ہو، اے فلاں! نکل جاؤ، تم منافق ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ منافقین کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ حضرت عمر رضی

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 83 2۔ ابن عساکر

اللہ عنہ آئے تو یہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سمجھا شاید نماز جمعہ ہو چکی ہے اور لوگ واپس چلے گئے ہیں، اس لئے شرم کے بارے میں ان نکلنے والے منافقین سے چھپ گئے، وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس گمان کی بناء پر چھپ گئے، کہ انہیں ان کے متعلق علم ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ابھی نماز جمعہ پڑھی ہی نہیں۔ ایک مسلما ن نے انہیں بتایا: عمر! تمہیں بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کا پول کھول دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مسجد سے نکالا جانا عذاب اول ہے اور عذاب ثانی عذاب قبر ہوگا(1)۔ مجاہد سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد قتل اور قید ہے۔ ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ ایک عذاب بھوک اور دوسرا عذاب قبر، پھر انہیں عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ عذاب دنیا اور عذاب قبر، پھر آتش جہنم کا عظیم عذاب۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں: دنیا میں عذاب اور قبر میں عذاب۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ دنیا میں عذاب اموال اور اولاد ہے، اس پر یہ آیت پڑھی: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (التوبہ:55) ''سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں''، یہ مصائب ان کے لئے عذاب ہیں اور مومنین کے لئے باعث اجر وثواب اور آخرت میں عذاب آتش جہنم ہے، فرمایا: ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک عذاب ان کے لئے اسلام کی ترقی و غلبہ اور اس پر ان کی خشمنا کی، دوسرا عذاب قبر جب وہ قبروں میں جائیں گے پھر عذاب عظیم یعنی عذاب آخرت جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ سعید نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے کہا: عذاب دنیا اور عذاب قبر، پھر آخرت میں عذاب عظیم۔ اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے رازدارانہ طریقے سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ منافقوں کے متعلق آگاہ کیا، فرمایا: ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہے یعنی آتش جہنم کا شعلہ جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہو کر سینے تک چلا جائے گا اور چھ اپنی موت مر جائیں گے۔ سعید نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کے منافق ہونے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوتا تو آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے، اگر وہ جنازہ پڑھتے تو آپ رضی اللہ عنہ بھی پڑھ لیتے ورنہ ترک کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کا واسطہ دیکر پوچھا: تھا کہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن آپ کے سوا میں کسی کا ذمہ دار نہیں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

''کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

پہلے منافقین کا بیان ہوا جو اعراض، تکذیب اور شک کے باعث مجاہدین سے پیچھے رہ گئے۔ اب ان گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے جو کاہلی اور راحت طلبی کے باعث جہاد سے رکے رہے حالانکہ انہیں ایمان اور تصدیق حق حاصل تھی، فرمایا کہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، ان کے ملے جلے اعمال ہیں، اچھے بھی اور برے بھی، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو و غفران کے مستحق ہیں۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ چند معین اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم گناہوں میں ملوث ہونے والے تمام خطا کار مخلص

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 10

مسلمانوں میں عام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ذبح (کا حکم) ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت کے متعلق اتری جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد نہ ہو سکے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ ابولبابہ اور ان کے ساتھ پانچ، سات یا نو دیگر افراد تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے واپس لوٹے تو انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ لیا اور قسم اٹھائی کہ انہیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی نہیں کھولے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں رہا کر کے معاف فرما دیا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج رات دو آنے والے میرے پاس آئے، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور ہم سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوئے ایک شہر تک پہنچے۔ وہاں ہمیں کچھ لوگ ملے جن کا آدھا جسم تو انتہائی خوبصورت دکھائی دیتا تھا جبکہ باقی جسم انتہائی قبیح۔ میرے دونوں ساتھیوں نے انہیں کہا کہ اس نہر میں غوطہ لگاؤ، انہوں نے اس میں غوطہ لگایا، پھر ہمارے پاس واپس آئے تو ان کی یہ قباحت جاتی رہی اور وہ انتہائی خوبصورت ہو گئے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے کہا: یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا مقام ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ملے جلے اچھے برے اعمال کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا (1)۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

"(اے حبیب!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعے سے نیز دعا مانگئے ان کے لئے۔ بے شک آپ کی دعا (ہزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ (تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو، اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کریں جو ان کے لئے طہارت اور پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اگرچہ بعض نے "اَمْوَالِهِمْ" کی ضمیر کا مرجع ان لوگوں کو بنایا ہے جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور اچھے برے اعمال کو ملا لیا، لیکن یہ حکم عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض قبائل عرب نے یہ یقین کر لیا تھا کہ امام زکوٰۃ وصول کرنے کا مستحق نہیں بلکہ یہ حکم (وصولی زکوٰۃ) صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، انہوں نے اسی آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً سے استدلال کیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس تاویل اور فہم فاسد کو مسترد کرتے ہوئے ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ یہ اسی طرح خلیفہ کو زکوٰۃ ادا کرنے لگے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھ سے اونٹنی کا بچہ...... یا رسی...... روک لی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں منع زکوٰۃ پر ان سے جنگ کروں گا (2)۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 86
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 115 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 51-52

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ یعنی آپ ان کے لئے دعا اور استغفار کریں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ ان کے لئے دعا کرتے۔ میرے والد محترم آپ ﷺ کے پاس صدقہ لائے تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحم فرما''(1)۔ ایک عورت نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے یوں دعا کی: ''اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر رحم فرمائے''(2)۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ بعض نے ''صَلٰوتَكَ'' کو ''صَلَوٰاتِكَ'' جمع پڑھا ہے اور بعض نے مفرد۔ ''سَكَنٌ'' کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک رحمت ہے اور قتادہ کے نزدیک وقار۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون آپ کی دعا کا مستحق اور اہل ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی شخص کے لئے دعا کرتے تو اسے، اس کے بیٹوں اور پوتوں کو بھی دعا میں شامل کرتے(3)۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اس میں توبہ اور صدقہ کی ترغیب دلائی جا رہی ہے جن سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے اور جو حلال کمائی سے صدقہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں قبول فرماتا ہے پھر اسے بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور احد پہاڑ کی طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صدقہ قبول فرماتا ہے اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیکر اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے ایک شخص اپنے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور احد جیسی ہو جاتی ہے''(4)۔ اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور فرمایا: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرۃ: 276) ''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے، پھر یہ آیت اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ ...... پڑھی(5)۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن شاعر سکسکی دمشقی جو اصل میں حمص کے تھے، فقیہ تھے اور متعدد صحابہ سے روایت بھی کی تھی، کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی زیر قیادت لوگوں نے جہاد کیا۔ ایک مسلمان نے خیانت کرتے ہوئے سو دینار رومی اڑا لئے۔ جب لشکر واپس چلا گیا تو اسے بڑی ندامت ہوئی، وہ امیر لشکر کے پاس آیا لیکن اس نے دینار قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہنے لگا کہ اب تو لوگ بکھر چکے ہیں، میں قبول نہیں کروں گا، قیامت کے دن انہیں لیکر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو جانا۔ وہ شخص صحابہ کرام کے پاس گیا، انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ جب دمشق آیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دینار قبول کرنے کی درخواست کی، انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ وہ شخص روتا دھوتا اور اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوا نکلا۔ اس کا گزر عبداللہ بن شاعر سکسکی سے ہوا، انہوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس شخص نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ عبداللہ نے کہا کہ کیا تم میری بات مانو گے، اس نے کہا: ہاں۔ عبداللہ نے یہ تدبیر بتائی کہ معاویہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ آپ مجھ سے اپنا خمس قبول فرمالیں اور باقی اسی دینار لشکر کی طرف سے صدقہ کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، 756-757 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88-89 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 385-386-400

4۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 276 5۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 19-20، مزید تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 276

توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اسماء اور مقامات سے آگاہ ہے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اگر میں نے یہ فتویٰ دیا ہوتا تو یہ مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب تھا جو میری ملکیت میں ہیں۔ اس شخص نے بڑی عمدہ تدبیر بتائی۔

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ۱۰۵

''اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن۔ اور لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبر دار کرے گا تمہیں اس سے جو تم کیا کرتے تھے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں مخالفین اوامر الٰہی کے لئے وعید ہے کہ عنقریب ان کے اعمال اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین پر پیش کئے جائیں گے اور یہ قیامت کے دن ضرور ہوگا جیسا کہ فرمایا: يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ (الحاقۃ: 18) ''وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''، اور فرمایا: يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ (الطارق: 9) ''یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیے جائیں گے''، اور ایک مقام پر فرمایا: وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوۡرِ (العادیات: 10) ''اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔ اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی لوگوں پر اعمال ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی سخت ٹھوس چٹان کے اندر عمل کرے جس کا نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی سوراخ، اسے بھی اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظاہر کر دے گا جیسا بھی وہ عمل ہو'' (1)۔ حدیث میں آیا ہے کہ زندہ لوگوں کے اعمال ان کے برزخ میں موجود قریبی مردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے اعمال قبروں میں تمہارے اقارب وعشائر پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر وہ اچھے ہوں تو انہیں بڑی مسرت ہوتی ہے اور اگر اس کے برعکس ہوں تو وہ کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرما (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقارب وعشائر پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر وہ اچھے ہوں تو انہیں خوشی ہوتی ہے اور اگر ایسے نہ ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں اس وقت تک موت نہ دینا جب تک انہیں تو ہدایت نہ دے دے جس طرح ہمیں ہدایت عطا فرمائی تھی'' (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تمہیں کسی مسلمان کا عمل بھلا لگے تو کہہ: اِعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ (4)۔ اس قسم کی ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے جسے حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لئے مناسب نہیں کہ کسی پر (اس کے اعمال دیکھ کر) خوش ہو جاؤ، یہاں تک کہ تم انتظار کرو کہ اس کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے کیونکہ ایک عمل کرنے والا ایک زمانہ تک نیک عمل کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ اس پر مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا، پھر یہ شخص (عمل صالح سے) انحراف کر کے برے کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایک بندہ ایک زمانہ تک برے کام کرتا ہے اگر اس پر اسے موت آ گئی تو وہ داخل نار ہوگا، لیکن وہ اس سے اعراض کرتا ہے اور اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے پہلے اس سے عمل کرواتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ اس شخص سے کیسے عمل کرواتا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے عمل صالح کی توفیق عطا فرماتا ہے پھر اسی پر

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28
2۔ منحۃ المعبود، جلد 1 صفحہ 157
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 164-165
4۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 189

اسے موت دے دیتا ہے''(1)۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے توبہ قبول فرمالے ان کی۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ تین اشخاص تھے جن کی توبہ کی قبولیت مؤخر ہوگئی۔ یہ تھے: مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ۔ یہ حضرات ان لوگوں میں شامل تھے جو کاہلی، راحت طلبی، پکے پھلوں اور گھنے سایوں سے لطف اندوز ہونے کے باعث غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ یہ بات نہ تھی کہ ان میں شک ونفاق پایا جاتا تھا۔ ان میں سے ابولبابہ وغیرہ ایک گروہ نے خود کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور ان مذکورہ تین اشخاص نے کچھ نہ کیا۔ ستونوں سے اپنے آپ کو باندھنے والوں کی توبہ ان سے پہلے مقبول ہوئی جبکہ ان کی توبہ کی قبولیت تاخیر میں پڑ گئی یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ: 117) ''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر''، وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبۃ: 118) ''اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے''۔ اس کا تفصیلی بیان حدیث کعب بن مالک میں آئے گا۔

اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ...... یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحم وکرم پر ہیں، اگر وہ چاہے تو انہیں عذاب سے دوچار کر دے اور اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمالے لیکن اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، وہ جانتا ہے کہ کون سزا کا مستحق ہے اور کون عفو و درگزر کا، اور وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم بھی ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لئے کفر کرنے کے لئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو۔ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے''۔

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابوعامر الراہب

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 120

رہتا تھا، اس نے جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کر لیا اور اہل کتاب کا علم حاصل کیا۔ وہ بڑا عبادت گزار تھا اور اسے خزرج میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اور مسلمان آپ ﷺ کے زیر قیادت اکٹھے ہو گئے، اسلام کو سربلندی نصیب ہوئی اور غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرما دیا تو لعین ابو عامر اس پر سیخ پا ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف عداوت پر کمر بستہ ہو گیا۔ اپنے مقاصد مذمومہ کی تکمیل کی خاطر وہ بھاگ کر مشرکین مکہ کے پاس چلا گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے لگا۔ عربوں میں سے اس کی قماش کے لوگ اکٹھے ہو کر احد کے سال مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آ دھمکے اور اس میں مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا لیکن عاقبت متقین کے لئے ہی ہے۔ اس فاسق نے میدان احد میں دونوں صفوں کے درمیان گڑھے کھود رکھے تھے ان میں سے ایک کے اندر رسول اللہ ﷺ گر پڑے، اس دن آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس زخمی ہو گیا، دائیں جانب کے نچلے سامنے والے چار دانت ٹوٹ گئے اور سر مبارک میں بھی چوٹ آئی۔ احد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو دعوت مبارزت کے وقت یہ لعین اپنی قوم انصار کی طرف بڑھا اور انہیں مخاطب کر کے اپنی مدد اور موافقت کے لئے مائل کرنا چاہا۔ جب انصار نے اس کی گفتگو سنی تو کہنے لگے: اے فاسق، اے دشمن خدا! تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ چنانچہ انصار نے اس کی خوب خبر لی اور برا بھلا کہا تو یہ مایوس ہو کر واپس لوٹا اور کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم کو نظر لگ گئی۔ اس کے فرار ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تھا اور اسے قرآن کریم بھی سنایا تھا لیکن اس بدبخت نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اور کفر پر ہی سرکشی اختیار کئے رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بددعا دی تھی کہ یہ پردیس میں دھتکارا ہوا مر جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی یہ بددعا قبول ہوئی۔ ہوا یوں کہ جب لوگ احد سے فارغ ہو گئے اور اس ملعون نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ روز افزوں ترقی کر رہے ہیں تو وہ شاہ روم ہرقل کے پاس گیا تا کہ نبی کریم ﷺ کے خلاف اس سے مدد لے سکے۔ ہرقل نے اس سے وعدہ کر کے مدد کی امید دلائی۔ وہ ملعون وہاں ہی قیام پذیر ہو گیا اور اپنی قوم انصار کے منافقین کو لکھ بھیجا کہ وہ ایک ایسا لشکر لیکر آ رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کر کے ان پر غالب آ جائے گا اور انہیں ان کے مشن سے اعراض کرنے پر مجبور کر دے گا۔ مزید انہیں یہ حکم دیا کہ ایک پناہ گاہ بناؤ جہاں اس کی طرف سے آدمی پیغامات ان تک پہنچا سکے اور جب وہ بذات خود ان کے پاس آئے تو یہ جگہ اس کے لئے کمین گاہ کا کام دے۔ چنانچہ منافقین نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مسجد قبا کے قریب ایک مضبوط مسجد کی بنیاد رکھی اور رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے اس کی تعمیر سے فارغ ہو گئے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں تا کہ آپ کے نماز پڑھنے سے ہمیں اس کے اثبات اور بقاء پر دلیل مل جائے۔ مزید انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے یہ مسجد ضعیفوں اور سخت سرد راتوں میں اہل علت کے لئے بنائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے سے بچائے رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم سفر پر روانہ ہو رہے ہیں لیکن جب لوٹیں گے تو ان شاء اللہ''۔ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ شریف کی طرف عازم سفر ہوئے اور آپ ﷺ کے اور مدینہ کے درمیان ایک آدھ دن کا سفر رہ گیا تو جبرئیل امین مسجد ضرار کی خبر لئے حاضر ہو گئے کہ اس مسجد کے تعمیر کے پس پردہ ان منافقین کے عزائم یہ ہیں کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچائی جائے، یہاں کفر کی باتیں ہوں اور مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے مومنین کے درمیان تفرقہ ڈالا جائے حالانکہ مسجد قباء وہ مسجد ہے جس کی بنیاد شروع دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف پہنچنے سے قبل ہی ایک آدمی کو روانہ کیا تا کہ وہ مسجد ضرار کو منہدم کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ تھے جنہوں نے یہ

مسجد بنائی۔ ابوعامر نے انہیں کہا تھا کہ مسجد بناؤ اور اس میں جس قدر ممکن ہو اسلحہ جمع کرلو، میں قیصر کے پاس جارہا ہوں، وہاں سے لشکر لاؤں گا اور محمد اور اس کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے اپنی ایک مسجد تعمیر کی ہے، ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا...... الظّٰلِمِيْنَ نازل ہوا۔ حضرات زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمرو بن قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپسی پر ذی اوان کے مقام پر ٹھہرے، اس کے اور مدینہ شریف کے درمیان چند گھنٹوں کی مسافت ہے۔ جب آپ ﷺ تبوک روانہ ہونے کے لئے تیاری کر رہے تھے تو اس وقت مسجد ضرار کے بانی منافقین آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے عرض کی تھی: یارسول اللہ! ہم نے بیماروں، ضرورت مندوں اور بارش یا سردی میں نہ آسکنے والوں کے لئے مسجد بنائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس میں نماز پڑھائیں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں سفر پر جارہا ہوں اور کئی دیگر مصروفیات ہیں یا آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں اس مسجد میں نماز پڑھائیں گے۔ اب تبوک سے واپسی پر جب آپ ﷺ ذی اوان کے مقام پر ٹھہرے تو یہاں اس مسجد کی خبر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی۔ آپ ﷺ نے بنوسالم کے مالک بن دخشم اور بلعجلان کے معن بن عدی یا ان کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور فرمایا: ”تم دونوں اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں اور اسے منہدم کردو اور جلا دو“۔ یہ دونوں حضرات جلدی جلدی نکلے یہاں تک کہ بنی سالم بن عوف کے پاس آگئے۔ یہ مالک بن دخشم کا قبیلہ تھا۔ مالک نے معن سے کہا: ذرا ٹھہریں، میں اپنے لوگوں سے آگ لیکر آتا ہوں، وہ گئے اور کھجور کی ایک شاخ لیکر اسے آگ لگائی، پھر وہ دونوں فوراً نکل کھڑے ہوئے اور مسجد ضرار میں داخل ہوگئے، منافقین وہاں موجود تھے، انہوں نے مسجد کو آگ لگا دی اور اسے مسمار کردیا، یہ دیکھ کر منافق رفو چکر ہوگئے اور ان کے متعلق یہ فرمان نازل ہوا: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا...... اس مسجد کے بانی بارہ آدمی تھے: بنی عبد بن زید سے خدام بن خالد، اسی کے گھر سے مسجد شقاق کی راہ نکالی گئی۔ بنی عبید سے ثعلبہ بن حاطب، بنی ضبیعہ بن زید سے معتب بن قشیر، بنی ضبیعہ بن زید سے ابوحبیبہ بن ازعر، بنی عمرو بن عوف سے عباد بن حنیف، حارثہ بن عامر اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، نبتل الحارث، مخرج، بجاد بن عثمان اور ودیعہ بن ثابت(1)۔

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى...... یعنی اس مسجد کے بنانے والے قسمیں اٹھاتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد بھلائی اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق اپنے قصد اور نیت میں جھوٹے ہیں بلکہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسجد قبا کو نقصان پہنچائیں، وہاں کفریہ باتیں کریں، مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالیں اور اس شخص کو کمین گاہ فراہم کریں جس نے پہلے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی تھی۔ یہ شخص ابوعامر فاسق ہے جسے راہب کہا جاتا تھا۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا حضور ﷺ کو اس مسجد میں قیام کی ممانعت کی جارہی ہے اور اس حکم میں امت آپ ﷺ کے تابع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے پر برانگیختہ کیا جس کی بنیاد اول یوم سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ تقویٰ سے مراد اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ہے۔ یہ مسجد مومنین کو اکٹھا کرنے والی اور اسلام اور اہل اسلام کے لئے قلعہ اور پناہ گاہ ہے، اس لئے فرمایا: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ سیاق کلام کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہاں مسجد قبا کا ذکر ہے، اسی لئے حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 530، تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 23

فرمایا: ''مسجد قبا میں نماز عمرہ کی طرح ہے''(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر اور پیدل مسجد قبا جایا کرتے تھے''(2)۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی عمرو بن عوف کے پاس پہلی تشریف آوری کے وقت اس مسجد کی بنیاد رکھی تو جہت قبلہ کی تعیین جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آیت فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا اہل قبا کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا کرتے تھے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا نازل ہوئی تو رسول خدا ﷺ نے عویم بن ساعدہ کو بلا کر پوچھا: یہ کونسی طہارت ہے، جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں سے جب کوئی مرد یا عورت حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو فرج یا مقعد کو پانی سے دھو لیتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی بات ہے(3)۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مسجد قبا تشریف لائے اور اہل قبا سے فرمانے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے قصہ میں طہارت کے متعلق تمہاری خوب تعریف کی ہے، یہ کونسی طہارت ہے جو تم کرتے ہو؟'' وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم اور تو کچھ نہیں جانتے بجز اس کے کہ ہم یہود کے پڑوسی تھے۔ وہ قضائے حاجت کے بعد اپنی پیٹھوں کو دھوتے تھے، ہم نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے عویم بن ساعدہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس بناء پر تمہاری تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا؟ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم پانی کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں(5)۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل قبا کے متعلق نازل ہوئی وہ قضائے حاجت کے بعد پانی سے طہارت کرتے تھے(6)۔ رسول اللہ ﷺ قبا تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے متعلق تمہاری بہت تعریف کی ہے، کیا اس کے متعلق مجھے نہیں بتاؤ گے؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم تورات میں پایا (اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا)(7)۔ سلف کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ اس آیت میں مسجد قباء کا ذکر ہے۔ اس جماعت میں حضرات ابن عباس، زہری، عروہ بن زبیر، عوفی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، حسن بصری، سعید بن جبیر اور قتادہ شامل ہیں(8)۔ جبکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مدینہ شریف کے اندر مسجد رسول ﷺ ہی وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ یہ بات صحیح ہے۔ آیت اور اس کے درمیان کوئی تناقض یا تضاد نہیں کیونکہ جب مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تو مسجد رسول اللہ ﷺ کی تقویٰ پر بنیاد تو بدرجہ اولیٰ لازم آتی ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ میری یہ مسجد ہے''(9)۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دو آدمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی۔ ایک کہنے لگا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور دوسرا کہنے لگا کہ یہ مسجد قباء ہے، دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد ہے''(10)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''دو آدمیوں کا مسجد تقویٰ کے متعلق اختلاف رائے ہو گیا، ایک کہتا تھا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور دوسرا کہتا کہ مسجد قباء ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری مسجد ہے''(11)۔ یہ اختلاف کرنے والے نبی خدرہ اور بنی عمرو بن عوف

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب القیامۃ الصلاۃ: 1452 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج 1016، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 4-5

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 11، تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 503 وغیرہ — 4۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 67

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 422 — 6۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 30 — 7۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 6

8۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 328 — 9۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 116 — 10۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 331

11۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 67-89 وغیرہ

سے تعلق رکھتے تھے(1)۔ حمید خراط مدنی نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید سے پوچھا کہ مسجد تقویٰ کے بارے میں آپ نے اپنے والد صاحب سے کیا سنا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت اپنی کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ مسجد کہاں ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی؟ آپ ﷺ نے کچھ کنکریاں پکڑ کر زمین پر پھینک دیں اور فرمایا: ''وہ تمہاری یہی مسجد ہے''(2)۔ امام مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ حضرات عمر، ابن عمر، زید بن ثابت اور سعید بن مسیّب رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔ آیت کریمہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى...... اس بات کی دلیل ہے کہ ان قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جن کی بنیاد شروع سے ہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر رکھی گئی ہے اور اسی طرح اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ان صالح اور عامل بندوں کی معیت میں نماز پڑھنا بھی مستحب ہے جو مکمل وعمدہ وضو کرنے اور گندگی سے بچنے کی پابندی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے اس میں سورۂ روم کی تلاوت کی۔ قرأت میں آپ ﷺ کو شک گزرا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن ہم پر مشتبہ ہو جاتا ہے، تم میں سے کچھ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے، جو شخص ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو وہ وضو اچھی طرح کیا کرے''(4)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمال طہارت عبادت میں قیام کو آسان بنا دیتا ہے اور یہ تکمیل وحسن عبادت پر معاون ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ پانی کے ساتھ طہارت بڑی عمدہ چیز ہے لیکن فرمان الٰہی: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ ہیں جو گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ اعمش کہتے ہیں کہ اس طہارت سے مراد گناہوں سے توبہ اور شرک سے پاکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل قبا سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے طہارت میں تمہاری تعریف کی ہے، تم کیا کرتے ہو؟'' وہ کہنے لگے کہ ہم پانی کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں۔ آیت کریمہ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اہل قبا کے بارے میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم ڈھیلوں کے ساتھ طہارت کے بعد پانی کے ساتھ دھو لیتے ہیں(5)۔ اسے صرف محمد بن عبدالعزیز نے زہری سے روایت کیا ہے اور ان سے سوائے ان کے بیٹے کے کسی نے روایت نہیں کیا۔ اس تصریح کا مقصد یہ ہے کہ یہ چیز فقہاء میں مشہور ہے لیکن بہت سے یا تقریباً سبھی متاخرین محدثین اسے نہیں جانتے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰

''تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں۔ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو۔ ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے''۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 23 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 27 3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج:1015

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 471-472 5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 130-131

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک وہ شخص جس نے مسجد کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی اور دوسرا وہ جس نے نقصان پہنچانے، کفریہ باتیں کرنے، مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانے اور اللہ ورسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے کو پناہ گاہ مہیا کرنے کے لئے مسجد کی بنیاد رکھی، برابر نہیں ہو سکتے۔ ان منافقین نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک گڑھے کے کنارے پر رکھی ہے جو گرنے والا ہوا اور وہ انہیں جہنم میں لے گرے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ مفسدین کے عمل کی اصلاح فرماتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ چند لوگوں نے مسجد ضرار کی جگہ کو کھودا تو وہاں سے دھواں نکلتا ہوا پایا۔ قتادہ بھی یہی کہتے ہیں۔ خلف بن یٰسین کوفی کہتے ہیں کہ میں نے منافقین کی وہ مسجد دیکھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے۔ اس میں ایک سوراخ تھا جس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا، آج کل یہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکنے کی جگہ ہے(1)۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ...... یعنی ان منافقین کی بنائی ہوئی یہ عمارت اس فعل شنیع کی وجہ سے ان کے دلوں میں شک اور نفاق کا باعث بنی رہے گی۔ ان کے اس کرتوت کے باعث ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا گیا جس طرح بچھڑے کے پجاریوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دی گئی۔

إِلَّآ أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ بجز اس کے کہ ان کے دلوں کو موت کے ذریعے پارہ پارہ کر دیا جائے۔ آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو جانتا ہے اور اچھے برے اعمال کا بدلہ دینے میں وہ حکیم ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں) کتابوں میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان کی جانوں اور مالوں کے عوض جنت دے دی بشرطیکہ وہ انہیں اس کی راہ میں خرچ کریں، یہ محض اس کا فضل وکرم اور احسان ہے۔ اپنے اطاعت گزار بندوں پر فضل وکرم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہ عوض عطا فرمایا جس کا وہ مالک ہے یعنی جنت۔ اسی لئے حضرات حسن بصری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سودا کیا اور گراں قدر قیمت عطا کی۔ شمر بن عطیہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کے گلے میں اللہ تعالیٰ کے لئے بیعت (عہد و پیان) ہے وہ اسے مکمل طور پر بجالائے یا اسے پورا کرتے کرتے موت آ جائے، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی(2)۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو آدمی جہاد کے لئے نکلا، اس نے اللہ کے ساتھ بیعت کر لی یعنی اس عہد و پیان کو قبول کر لیا اور اسے پورا بھی کیا۔ محمد بن قرظی وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 33
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 35

نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ جو چاہیں اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے شرط عائد کر دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اپنے رب کے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اپنے لئے یہ شرط عائد کرتا ہوں کہ تم میری بھی ایسے ہی حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو" بیعت کرنے والوں نے عرض کی کہ جب اس حکم کو ہم بجالائیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت" وہ کہنے لگے کہ بڑا نفع بخش سودا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے اور نہ ہی عہد شکنی۔ اس پر یہ آیت اتری۔

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ یعنی اگرچہ وہ قتل کریں یا قتل ہو جائیں، دونوں چیزیں برابر ہیں، یا دونوں چیزیں جمع ہو جائیں ہر صورت میں ان کے لئے جنت واجب ہے، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص راہ خدا میں نکلا، میرے رستہ میں جہاد اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا اس کی اور کوئی غرض نہ تھی، اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے کہ وفات کے بعد اسے جنت میں داخل فرمادے یا اسے اس کے ٹھکانے میں واپس پہنچادے جہاں سے وہ نکلا تھا اور اجر و ثواب یا مال غنیمت پالے"(1)۔

وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا...... اس وعدہ کی تاکید ہے اور خبر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خود ہی اپنے اوپر فرض کر لیا ہے اور اپنی بڑی کتابوں تورات، انجیل اور قرآن میں اسے بیان کر دیا ہے۔

وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا (النساء: 87) "اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں"، وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا (النساء: 122) "اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں"۔ اس لئے فرمایا: فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ...... یعنی اس شخص کو خوشی منانی چاہئے جو اس عہد و پیمان کو پورا کرتا ہے کہ اس کے لئے بہت بڑی کامیابی اور دائمی نعمتیں ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

"توبہ کرنے والے، (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد و ثناء کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی، (اے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجئے ان (کامل) مومنوں کو"۔

اس آیت میں ان مومنین کی تعریف ہے جن کے نفوس اور اموال اللہ تعالیٰ نے ان صفات جمیلہ اور خصائل جلیلہ کے عوض خرید لئے۔ یہ سعادت مند تمام گناہوں سے توبہ کرنے والے اور تمام فواحش کو ترک کرنے والے ہیں۔ اپنے رب کی عبادت پابندی سے کرنے والے ہیں۔ یہ ہوئے ان کے اقوال اور افعال۔ اقوال میں سے خاص ترین حمد ہے اس لئے فرمایا: "اَلْحٰمِدُوْنَ" اور اعمال میں سے افضل روزے ہیں۔ کھانے، پینے اور جماع سے باز رہنا روزہ ہے اور "سیاحة" سے روزہ مراد ہے اس لئے فرمایا: "السَّآئِحُوْنَ" جیسا کہ ایک اور آیت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو "سائحات" کہا گیا ہے جس کا معنی ہے "صائمات" (روزہ دار)۔ اسی طرح رکوع و سجود سے نماز مراد ہے، اس لئے فرمایا: الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ یہ حضرات صرف اپنی ذاتی مصلحت کو ہی پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ اس کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، جلد 4 صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1495-1496

ساتھ ساتھ خلق خدا کو بھی نفع پہنچاتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی اطاعت الٰہی کی طرف کرتے ہیں اور وہ اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ کونسا فعل کرنا چاہئے اور کس سے اجتناب واجب ہے، علم و عمل کی رو سے حلال و حرام میں یہی حدود اللہ کی حفاظت ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی بھی، اس لئے فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ کیونکہ ایمان ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے اور ان سے متصف شخص کے لئے سعادت ہی سعادت ہے۔

سیاحت بمعنی صیام کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''سآئِحُوْنَ'' کا معنی ہے ''صائمون'' (روزہ دار)۔ حضرات ابن عباس اور سعید بن جبیر سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں سیاحت کا لفظ ''صوم'' (روزہ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت ''صیام'' (روزے) ہے(1)۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، عبدالرحمٰن سلمی، ضحاک بن مزاحم، سفیان بن عیینہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ ''سآئِحُوْنَ'' سے مراد ہے رمضان کے روزے رکھنے والے۔ ابوعمرو عبدی اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ مومنین جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں اور حدیث مرفوع میں بھی یہ وارد ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سآئِحُوْنَ صائمون'' ہیں۔ یہ حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے۔ عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ''سآئِحِيْنَ'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ''صائمین'' ہیں۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ یہ قول کہ سیاحت سے مراد صیام ہے سب سے زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ سیاحت کا معنی جہاد بھی منقول ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی سیاحت راہ خدا میں جہاد ہے'' (2)۔ عمارہ بن غزیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیاحت کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلہ میں جہاد فی سبیل اللہ اور ہر اونچی جگہ پر تکبیر عطا فرمائی ہے۔'' عکرمہ کہتے ہیں کہ ''سآئِحُوْنَ'' سے مراد طالب علم ہیں، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں۔ سیاحت سے مراد وہ نہیں ہے جو بعض عبادت گزار اور درویش مراد لیتے ہیں کہ زمین میں سیر و سیاحت کرنا، اور غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر خلوت نشین ہو جانا۔ یہ چیز جائز نہیں ہے، ہاں جب فتنوں کا دور دورہ ہو اور دین میں آزمائشیں درپیش ہوں تو یہ جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ زمانہ آنے والا ہے جب آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لیکر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش گاہوں میں پناہ لے گا اور فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے دین کو لیکر بھاگا پھر رہا ہوگا'' (3)۔ علی بن ابی طلحہ اور عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ کا معنی نقل کرتے ہیں: اطاعت الٰہی پر کاربند رہنے والے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، ان سے دو اور معانی بھی منقول ہیں: فرائض کی حفاظت کرنے والے اور احکام خداوندی بجالانے والے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 39 2۔ سنن ابی داؤد 3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 11

تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

''درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں۔ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہو گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے''۔

حضرت مسیب سے مروی ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ دیں، اس کلمہ کی بدولت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی (مغفرت کے لئے) حجت پیش کروں گا''۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابوطالب! کیا تم ملت عبدالمطلب سے اعراض کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ملت عبدالمطلب پر قائم ہوں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے''۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...... اور یہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (القصص:56) ''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے''، نازل ہوئیں(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے ہوئے سنا تو میں نے اسے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار نہیں کی تھی؟ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس چیز کا تذکرہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ اس روایت میں ''لَمَّا مَاتَ'' (جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مر گئے) کے الفاظ بھی ہیں، نہ معلوم وہ الفاظ سفیان نے کہے ہیں یا اسرائیل نے یا پھر یہ الفاظ حدیث میں موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ مجاہد سے ثابت ہیں(3)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں سفر پر تھے، ہم ایک ہزار کے قریب تھے۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے ہمیں ٹھہرایا اور دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی درخواست کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی تو آگ کے خوف سے دل اتنا پسیجا کہ آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا: میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو، تاکہ ان کی زیارت تمہیں آخرت یاد دلائے، میں نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا، اب کھاؤ اور جو چاہو ذخیرہ کر لو اور میں نے تمہیں برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، اب جس برتن میں چاہو پیو لیکن نشہ آور چیز مت پینا''(4)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عازم مکہ ہوئے۔ ایک جگہ ایک قبر کے نشانات دکھائی دیئے تو وہاں بیٹھ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 341، صحیح مسلم، کتاب الایمان 54، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 533
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 99
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 45
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 355

کر آپ ﷺ خطاب فرمانے لگے، پھر آنسو بہاتے ہوئے آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! جو آپ نے کیا وہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت دی۔ پھر میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔'' راوی کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کبھی آپ ﷺ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا(1)۔ ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف نکلے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے چل دیئے آپ ﷺ وہاں ایک قبر کے پاس بیٹھ کر کافی دیر تک مناجات کرتے رہے، پھر آپ ﷺ رونے لگے، آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے۔ جب آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہونے کے لئے اٹھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اور ہم سب کو بلایا اور پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے رلایا ہے؟ ہم نے عرض کی کہ آپ کو روتے دیکھ کر ہمیں بھی رونا آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس قبر کے پاس میں بیٹھا تھا وہ آمنہ کی قبر تھی۔ میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی''۔ پھر ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے تقریباً یہی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ''اور میں نے اپنی والدہ کے لئے دعا کی درخواست کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی اور مجھ پر یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...... نازل فرمائی، چنانچہ مجھ پر رقت طاری ہوگئی جس طرح ایک بچہ پر والدہ کے ملاپ کے لئے ہو جایا کرتی ہے، میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت یاد دلاتی ہیں''(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے اور عمرہ کے لئے احرام باندھا تو عسفان کی گھاٹی سے اتر کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم عقبہ کی جانب چلو میں آتا ہوں، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر کافی دیر مناجات کرتے رہے، پھر آپ ﷺ بہت روئے۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے صحابہ بھی رونے لگے، اور کہنے لگے کہ اس جگہ اللہ کے نبی کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ امت میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے جس کی اس میں وسعت نہیں۔ صحابہ کو روتے دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس چیز نے رلایا ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ ہم نے سمجھا شاید امت میں کوئی نئی چیز رونما ہوگئی ہے جو اس کی وسعت سے باہر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایک اور بات تھی، وہ یہ کہ میں اپنی والدہ محترمہ کی قبر کے پاس ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ مجھے قیامت کے دن اپنی والدہ کے لئے شفاعت کی اجازت مرحمت فرما دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میرا دل پسیج گیا اور میں رونے لگا کیونکہ وہ میری والدہ ہیں، پھر جبرئیل امین میرے پاس یہ وحی وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ...... لائے اور کہنے لگے کہ آپ ﷺ بھی اس طرح اپنی والدہ سے دستکش ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے برأت کا اظہار کیا تھا تو مجھے بڑا رحم آیا کیونکہ وہ میری والدہ ہیں۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ میری امت سے چار چیزوں کو اٹھا لے۔ دو چیزوں کو اس نے اٹھا دیا اور دو کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ میری امت سے آسمان سے سنگباری، زمین میں غرق، فرقہ بندی اور آپس کی لڑائی روک لے۔ اللہ تعالیٰ نے سنگباری اور زمین میں دھنسائے جانے سے میری امت کو محفوظ کر دیا لیکن باہمی قتل و غارت اور انتشار کو رفع کرنے سے انکار کر دیا''(3)۔ آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی طرف اس لئے گئے تھے کہ وہ ایک چٹان تلے مدفون تھیں۔ یہ حدیث بہت ہی غریب

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 42 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 1 صفحہ 189-190 3۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 374-375

ہے اور اس کا سیاق بھی بہت عجیب ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب اور قابل انکار وہ روایت ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی کتاب السابق واللاحق میں ایک مجہول سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی والدہ کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر فوت ہوگئیں، اسی طرح الروض میں سہیلی کی روایت بھی جس کی سند میں مجہولین کی ایک جماعت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے (1)۔ حافظ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ نئی زندگی ہے جیسا کہ سورج غروب ہونے کے بعد واپس پلٹا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی، امام طحاوی کہتے ہیں کہ سورج واپس لوٹنے والی حدیث ثابت ہے۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے والدین کو زندہ کیا جانا نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ شرعاً، بلکہ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کو بھی زندہ کیا اور وہ بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے (2)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں صحت حدیث پر موقوف ہیں اگر حدیث صحیح ہے تو کوئی مانع نہیں (3)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منع کر دیا۔ آپ ﷺ نے عرض کی کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی تو اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا، اس پر یہ آیت اتری: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ...... علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ پہلے لوگ مشرکین کے لئے استغفار کیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو وہ اپنے اموات کے لئے استغفار سے رک گئے۔ انہیں اپنے زندہ مشرکین کے لئے استغفار سے نہیں منع کیا گیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ چند صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہمارے آباؤ اجداد میں سے کچھ ایسے تھے جو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتے، صلہ رحمی کرتے، قیدیوں کو آزاد کرواتے اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے، کیا ہم ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کروں گا جیسا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کے لئے کیا تھا''۔ اس وقت یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ نازل ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ...... پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے کلمات کی وحی کی ہے جو میرے کانوں میں داخل ہوئے اور دل میں قرار پذیر ہوگئے۔ مجھے یہ حکم ہوا کہ میں بحالت شرک مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت نہ کروں اور جس شخص نے اپنا فالتو مال (راہ خدا میں) صدقہ کر دیا وہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور جس نے روک کے رکھا وہ اس کے لئے باعث شر ہے اور ضروریات کے لئے خرچ کرنے پر کوئی ملامت نہیں'' (4)۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی مر گیا، اس کا ایک مسلمان بیٹا تھا جو اس کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوا۔ اس بات کا تذکرہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا گیا تو آپ

1۔ الروض الانف از سہیلی، جلد 1 صفحہ 259113 2۔ التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ از قرطبی، جلد 14-16

3۔ طلب مغفرت ان کے لئے جائز ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا، کفر و شرک کی حالت میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کا دروازہ بند ہے۔ وہ تمام روایات ضعیف ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت سے منع فرما دیا کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ بہرصورت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو زندہ کیا، وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر فوت ہوگئے۔ زرقانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ سأل ربه ان يحيي ابويه فاحياهما له فآمنا به ثم اماتهما'' متعدد ائمہ حدیث وفقہ وتفسیر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسے مخالف مفہوم کی احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔

4۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 43

ﷺ نے فرمایا کہ اس مسلمان بیٹے کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ اس کے جنازہ کے ساتھ جاتا اور تدفین میں شریک ہوتا اور جب تک وہ زندہ تھا اس کی بہتری کے لئے دعا کرتا اور مرنے کے بعد اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا اور اس کے لئے دعا نہ کرتا(1)۔ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کے چچا کی گمراہی کی حالت میں وفات ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ، اسے دفنا دو اور میرے پاس آنے تک اور کچھ نہ کرنا''(2)۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ روایت میں آتا ہے کہ جب جناب ابوطالب کا جنازہ آپ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! میں نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا''۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں کسی اہل قبلہ کی نماز جنازہ ترک نہیں کروں گا اگرچہ وہ ناجائز حمل والی حبشن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سوا کسی کے لئے دعا سے منع نہیں کیا۔ زامل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے میرے لئے اور میری والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ میں نے کہا کہ آپ کے باپ کے لئے؟ فرمایا: نہیں کیونکہ میرا باپ مشرک مرگیا تھا(3)۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی موت تک دعائے مغفرت کرتے رہے جب ان پر یہ عیاں ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے براءت کا اظہار کر دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کے والد کی وفات ہو گئی تو آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے۔ مجاہد، ضحاک، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عبید بن عمیر اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ سے دست برداری کا اظہار کریں گے جب آپ کی ملاقات اپنے والد سے اس حالت میں ہوگی کہ اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا اور وہ کہے گا: اے ابراہیم! میں تمہاری نافرمانی کرتا رہا لیکن آج میں نافرمانی نہیں کروں گا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، اور اس سے بڑھ کر اور رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور ہو؟ آپ سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے دیکھو، دیکھیں گے کہ ایک بجو کی شکل میں مسخ شدہ آلودہ لاش ہے جسے پاؤں سے کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''اَوَّاهٌ'' کا معنی بتاتے ہیں، بہت زیادہ دعا کرنے والا(5)۔ عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے ''اَوَّاهٌ'' کا معنی پوچھا تو آپ ﷺ نے بتایا: بہت زیادہ خشوع و خضوع اور زاری کرنے والا(6)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی رحیم بھی منقول ہے۔ مجاہد، عمر بن شرحبیل، قتادہ، حسن بصری، وغیرہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 44 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 214 سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 79-80

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 44

4۔ 1 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، آزر آپ کا چچا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔'' آیت کریمہ میں لفظ ''اب'' سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے اور ''اب'' کا لفظ چچا کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی وفات کے کئی سال بعد تعمیر کعبہ کی تکمیل کرتے ہوئے دعا مانگی: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم: 41)۔ چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرہ: 133)۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام چچا ہیں، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ردوا علی ابی''، یہاں بھی ''اب'' سے مراد آپ ﷺ کے چچا عباس ہیں۔

5۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 47 — 6۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51

کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس کا معنی ہے صاحب ایقان اور آپ سے اس کا معنی مومن بھی نقل کیا گیا ہے، علی بن ابی طلحہ نے مومن کے ساتھ تواب (بہت زیادہ توبہ کرنے والا) کا بھی اضافہ کیا ہے۔ عوفی کہتے ہیں کہ اہل حبشہ کی زبان میں ''اوّاہ'' مومن کو کہتے ہیں۔ ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالنجادین نامی ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ ''اوّاہ'' ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ذکر آتا تو وہ دعا کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا(1)۔ سعید بن جبیر اور شعبی ''اوّاہ'' کا معنی بتاتے ہیں تسبیح پڑھنے والا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی منقول ہے: چاشت کے وقت تسبیح کی پابندی کرنے والا۔ حضرت ابوایوب کہتے ہیں کہ ''اوّاہ'' وہ شخص ہے کہ جب اسے اپنی خطائیں یاد آجائیں تو استغفار کرنے لگے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''اوّاہ'' سے مراد ہر وقت لرزاں و ترساں رہنے والا شخص ہے۔ پوشیدہ طور پر اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ فوراً اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ ابن جریر حسن بن مسلم بن بیان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح بیان کرتا۔ اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ''اوّاہ'' ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص کو دفن کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، تو ''اوّاہ'' تھا یعنی بکثرت تلاوت قرآن کرنے والا۔ ابو یونس باہلی سے مروی ہے کہ میں نے مکہ شریف میں ایک رومی الاصل قصہ گو شخص کو سنا کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتا اور اپنی دعا میں اوہ اوہ کرتا۔ جب اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ''اوّاہ'' ہے۔ حضرت ابوذر مزید فرماتے ہیں کہ رات میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اس شخص کو دفن کر رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس چراغ ہے(2)۔ ابن جریر کی یہ روایت غریب ہے۔ حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے ذکر پر اوہ اوہ کرتے اس لئے ''اوّاہ'' نام دیا گیا(3)۔ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ سب سے بہتر اور مناسب سیاق قول یہ ہے کہ ''اوّاہ'' کا معنی ہے بہت زیادہ دعا کرنے والا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر اپنے باپ کے لئے استغفار کیا اور ابراہیم بہت زیادہ دعا کرنے والے اور ظالم و بدخواہ کے لئے بہت حلیم تھے، یہی وجہ ہے کہ شدت ایذاء کے باوجود حضرت ابراہیم اپنے والد کے لئے استغفار کرتے رہے، آپ کے والد کی ایذاء رسانی اس فرمان میں ملاحظہ کریں: اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم: 47-46) ''کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود ایذاء رسانی کے اپنے باپ کے ساتھ بردباری کا مظاہرہ کیا، دعا اور استغفار کیا۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (4)۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 59
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 50
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51
4۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51-52

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾

"اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کردے کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کردے ان کے لئے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار"۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ اور حکم عادل کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو بذریعہ انبیاء ورسل اتمام حجت کئے بغیر ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم السجدہ:17) " باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر"۔ مجاہد اس آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا...... کے متعلق کہتے ہیں کہ مشرکین کے لئے مومنین پر ترک استغفار کا حکم خاص ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرنے یا نافرمانی کرنے کا حکم مومنین کے لئے عام ہے، چاہے اطاعت اختیار کریں یا نافرمانی۔ ابن جریر اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ مشرک اموات کے لئے تمہارے استغفار کی وجہ سے تم پر گمراہی کا حکم لگادے اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ہدایت مرحمت فرمائی اور ایمان لانے کی توفیق ارزانی فرمائی یہاں تک کہ وہ تمہیں اس سے منع فرمادے اور تم اس سے رک جاؤ۔ البتہ ممانعت کے ذریعے اس کی کراہت بیان کرنے سے پہلے پہلے جب کہ تم نے اس نہی کی مخالفت بھی نہیں کی، یہ نہیں ہوسکتا کہ تم پر گمراہی کا حکم لگادیا جائے، کیونکہ اطاعت اور معصیت کا انحصار تو امر اور نہی پر ہے۔ وہ شخص جسے نہ کوئی حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی تو اسے مطیع یا عاصی کہا ہی نہیں جاسکتا(1)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...... ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار و مشرکین کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کی ترغیب دلا رہا ہے اور یہ یقین دہانی کرا رہا ہے کہ اس کی مدد ان کے شامل حال ہے، وہ مالک ارض و سماء کی نصرت و تائید پر بھروسہ رکھیں اور دشمنوں سے خوف زدہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے(2)۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم وہ سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟" صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں تو کچھ نہیں سنائی دے رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور یہ باعث تعجب نہیں کیونکہ آسمان میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو"۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ روئے زمین پر سوئی کے سرے کے برابر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو اور آسمان کے فرشتوں کی تعداد مٹی کے ذرات سے بھی زیادہ ہے اور حاملین عرش میں سے ایک کے ٹخنے اور سر کے درمیان ایک سو سال کی مسافت ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر، بے شک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 50　　2۔ ایضاً، صفحہ 51

مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک کے متعلق نازل ہوئی جب اہل ایمان شدید مشکلات میں اس غزوہ کے لئے نکلے، قحط سالی اور چلچلاتی دھوپ کا سامنا تھا، پانی اور زادراہ کی کمیابی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مجاہدین تبوک کے سال سخت گرم موسم میں شام کی طرف عازم سفر ہوئے اور انہیں بڑی مشقت سے دوچار ہونا پڑا، کیفیت یہ تھی کہ دو آدمی ایک کھجور نصف نصف کر کے گزارہ کرتے، پھر یہ حالت ہو گئی کہ ایک جماعت کے حصہ میں ایک کھجور آتی، وہ باری باری اسے لے کر چوستے اور پانی پی کر دل بہلاتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی اور وہ بخیر و عافیت اس غزوہ سے واپس لوٹ آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس تنگی کی کیفیت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب سخت گرمی میں تبوک کی طرف نکلے، ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا، وہاں ہم اس قدر شدید پیاس سے دوچار ہوئے کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری جان ہی نکل جائے گی۔ اگر کوئی آدمی پانی کی تلاش میں نکلتا تو وہ یقین کر لیتا کہ لوٹنے سے قبل ہی موت اسے دبوچ لے گی۔ لوگ اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے پیٹ سے پانی نکالتے اور اسے پی لیتے۔ باقی ماندہ اپنے جگر پر لگا لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے، ہمارے لئے دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو؟ عرض کی: جی ہاں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ بلند کر دیے۔ دعا کے ختم ہونے سے پہلے پہلے موسلا دھار بارش برسنے لگی، پھر بارش تھم گئی۔ لوگوں نے پانی ذخیرہ کر لیا۔ پھر ہم نے جب باہر نکل کر دیکھا تو ہمیں پڑاؤ سے باہر بارش کا نام و نشان بھی دکھائی نہ دیا(1)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”الْعُسْرَةِ“ سے مراد نفقہ، سواری، راشن اور پانی کی تنگی مراد ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ نبی (ﷺ)، مہاجرین اور انصار پر مائل بہ کرم ہوا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل حق سے منحرف ہو گئے، وہ دین کے متعلق شک کرنے لگے اور جس مشقت اور شدت کا انہیں سامنا تھا، اس کی وجہ سے اضطراب کا شکار ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم فرمایا اور انہیں رجوع الی اللہ اور ثبات علی الدین کی توفیق ارزانی فرمائی۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ۧ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

”اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تا کہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ“۔

عبیداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد محترم کے رہبر تھے جب وہ بینائی سے محروم ہو گئے وہ اپنے والد محترم حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا غزوۂ تبوک والا قصہ بیان کرتے ہیں جب وہ حضور ﷺ کی معیت میں جہاد میں شرکت سے پیچھے رہ گئے۔ حضرت کعب بن مالک رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 55

اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بجز غزوۂ تبوک کے کسی اور غزوہ سے رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے محروم نہیں رہا۔ البتہ غزوۂ بدر میں مجھے شرکت کا موقع نہ ملا لیکن اس غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں میں سے کسی کو عتاب نہیں ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پروگرام کے دونوں لشکروں کے درمیان تصادم کروا دیا۔ میں لیلۃ العقبہ کو حضور ﷺ کے ساتھ موجود تھا جب ہم نے اسلام پر کاربند رہنے کے لئے عہد و پیمان کیا تھا۔ یہ شرف مجھے بدر میں شرکت سے زیادہ محبوب ہے اگرچہ غزوۂ بدر لوگوں میں زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ میری داستان یہ ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت سے پیچھے رہا اس سے پہلے میں کبھی بھی اس قدر قوی اور خوشحال نہ تھا جس قدر اب تھا اور اس سے قبل نہ ہی کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو کسی اور کا نام لے کر اسے مخفی رکھتے۔ یہ غزوہ سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا۔ طویل، کٹھن جنگلوں کا سفر اور کثیر التعداد دشمن کا سامنا تھا۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو آزاد چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تیاری کر سکیں اور اپنے ارادہ سے انہیں باخبر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی کثیر تعداد شریک تھی جن کے ناموں کا اندراج کسی رجسٹر میں نہیں تھا، اس لئے اگر کوئی شخص اس غزوہ سے غائب ہونا چاہتا تو وہ یہ گمان کر سکتا تھا کہ اس کا نام مخفی رہے گا جب تک کہ اس کے بارے میں وحی نہیں اترتی۔ اس غزوہ کے وقت پھل پک چکے تھے، سائے گھنے ہو گئے تھے اور میں ان سے لطف اندوز ہونے کی طرف مائل تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مومنین جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ میں صبح تیاری کے لئے نکلتا لیکن بغیر تیاری کا سامان کئے واپس لوٹ آتا اور اپنے دل میں کہتا کہ میں جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا۔ یہی صورت حال جاری رہی کہ ایک دن لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سفر پر روانہ ہو گئے، میں نے ابھی تک کوئی تیاری نہیں کی تھی، میں نے سوچا کہ ایک دو دن میں تیاری کر کے لشکر کے ساتھ جا ملوں گا، اسی طرح دن گزرتے گئے یہاں تک کہ لشکر بہت دور جا چکا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کوچ کر کے لشکر کو پالوں، کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا لیکن یہ بھی نہ کر سکا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفر پر روانہ ہو جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں یا تو نفاق کی تہمت سے متہم لوگ ہیں یا پھر معذور۔ تبوک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے مجھے یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ بنو سلمہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ اسے آرام کوشی اور راحت طلبی نے روک لیا ہے۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کی ہے، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! ہم اس کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے فکر دامن گیر ہو گئی اور میں آپ ﷺ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کسی جھوٹ کی تدبیر کرنے لگا اور اس سلسلہ میں اپنے گھر والوں میں سے ہر ایک صاحب رائے سے مشورہ کرنے لگا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اب تشریف لانے ہی والے ہیں تو جھوٹ کا خیال میرے دل سے جاتا رہا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جھوٹ بول کر میرے لئے نجات ممکن نہیں۔ اس لئے میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ پہنچ گئے۔ جب آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کرتے، پھر مجلس عام ہوتی۔ حسب معمول دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد جب آپ ﷺ لوگوں کی محفل میں بیٹھے تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آنے لگے۔ وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے عذر بہانے پیش کرتے، ان لوگوں کی تعداد اسی سے زائد تھی۔ حضور ﷺ ان کے ظاہری عذر قبول فرماتے، ان کے لئے استغفار کرتے اور ان کے دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ میں نے بھی حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے غضب آمیز تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ آگے آؤ۔ میں آگے

بڑھ کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تم کیونکر پیچھے رہے۔ کیا تم نے سواری نہیں خرید رکھی تھی؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں آپ کے سوا اہل دنیا میں سے کسی اور کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں کوئی بہانہ بنا کر اس کی ناراضگی سے محفوظ رہ سکتا تھا کیونکہ مناظرانہ گفتگو اور بحث وتمحیص کا مجھے سلیقہ آتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں آج آپ کے ساتھ جھوٹ بولوں جس سے آپ تو راضی ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا۔ اور اگر میں آپ کے ساتھ سچ بولوں جس سے آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اچھے انجام کی امید ہے۔ جنگ میں عدم شرکت کا میرے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں اس قدر فارغ البال اور خوشحال نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ بولا ہے۔ اٹھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں فیصلہ فرما دے''۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بنوسلمہ کے کچھ لوگ اٹھ کر میرے پیچھے آ گئے اور مجھے کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہمیں علم نہیں کہ اس سے قبل تم نے کوئی گناہ کیا ہے، تم پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں کی طرح عذر پیش کرنے سے بھی قاصر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لئے دعائے مغفرت کرنا تمہارے لئے کافی ہوتا۔ وہ مجھے مسلسل ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے جھوٹا بہانہ پیش کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی اور ایسا شخص ہے جسے یہ حکم ملا ہو؟ انہوں نے کہا کہ تمہاری طرح دو اور آدمی ہیں جنہوں نے تمہاری طرح سچ بولا اور انہیں بھی تمہارے جیسا جواب ملا۔ میں نے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ مرارہ بن ربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ یہ دونوں نیکوکار آدمی تھے جنہوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔ یہ میرے لئے مثال تھے۔ جب میں نے ان کا نام سنا تو اپنی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے اجتناب کرنے لگے اور ان کا رویہ بالکل بدل گیا۔ زمین بھی مجھے عجیب لگنے لگی، یہ وہ زمین ہی نہ رہی جسے میں پہچانتا تھا۔ اسی کیفیت پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو ہمت ہار کر خانہ نشیں ہو گئے اور وہاں ہی گریہ وزاری کرتے رہتے، البتہ میں زیادہ سخت جان اور حوصلہ مند تھا۔ میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتا، بازاروں میں جاتا لیکن کوئی بھی میرے ساتھ کلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی محفل میں شریک ہوتا اور سلام عرض کرتے ہوئے اپنے دل میں سوچتا کہ کیا سلام کے جواب میں آپ ﷺ نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی ہے یا نہیں، پھر آپ ﷺ کے قریب ہی نماز ادا کرتا اور کنکھیوں سے آپ ﷺ کو دیکھتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف نظر فرماتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ اعراض فرما لیتے۔ جب اس بائیکاٹ پر طویل عرصہ گزر گیا تو میں اپنے انتہائی محبوب چچازاد بھائی ابوقتادہ کے گھر دیوار پھلانگ کر گیا اور اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: اے ابوقتادہ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ پھر بھی خاموش رہے۔ دوبارہ یہی بات دہرائی لیکن پھر بھی انہوں نے سکوت اختیار کئے رکھا، سہ بارہ میرے کہنے پر صرف انہوں نے یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہو گئے اور میں دیوار پھلانگ کر واپس لوٹ آیا۔ ایک دفعہ میں مدینہ شریف کے بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کا ایک قبطی جو مدینہ شریف میں اشیائے خوردنی بیچ رہا تھا، میرا پتہ پوچھنے لگا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اسے میرا پتہ بتا دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھے شاہ غسان کا ایک مکتوب تھما دیا، میں پڑھا لکھا تھا، خط پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کمتر اور معمولی آدمی نہیں بنایا، ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے''۔ یہ خط پڑھ کر میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، چنانچہ میں نے اس خط کو

تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پاس آپ ﷺ کا یہ حکم لے کر آیا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ اسے طلاق دے دوں یا اور کیا کروں؟ جواب دیا کہ صرف الگ تھلگ رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم ملا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یارسول اللہ! ہلال بوڑھے کمزور آدمی ہیں، ان کا کوئی خادم نہیں، اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ﷺ کو ناپسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن وہ تمہارے قریب نہ آئے''۔ وہ کہنے لگیں: اللہ کی قسم! انہیں کسی چیز میں رغبت ہی نہیں، وہ تو آپ ﷺ کی ناراضگی کے دن سے آج تک مسلسل رو رہے ہیں۔ میرے کسی عزیز نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت طلب کر لو، ہلال کی بیوی کو بھی تو اپنے خاوند کی خدمت کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا: بخدا! میں رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی اجازت طلب نہیں کروں گا۔ میں جوان آدمی ہوں، اگر میں نے آپ ﷺ سے اس کی اجازت مانگی تو معلوم نہیں آپ ﷺ کیا فرمائیں۔ اس طرح مزید دس راتیں گزر گئیں اور مجموعی طور پر قطع تعلقی کے پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں دن کی صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد میں اپنے گھر کی چھت پر اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے، میری جان مجھ پر تنگ پڑ چکی تھی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی کہ ایک پکارنے والے نے سلع پہاڑ کے اوپر سے آواز دی: اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو! میں یہ سن کر سجدہ ریز ہو گیا اور مجھے علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد لوگوں کو ہماری توبہ کی قبولیت کے متعلق آگاہ کر دیا۔ لوگ ہمیں خوشخبری سنانے کے لئے دوڑے کچھ لوگ میرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھاگے۔ ایک شخص نے ایک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا میری طرف چل نکلا لیکن پہاڑ کے اوپر سے بنو اسلم کے ایک شخص کی آواز گھوڑے سے بھی زیادہ تیز تھی، وہ آواز اس سوار سے پہلے مجھ تک پہنچ گئی۔ میں نے اس بلند آواز سے خوشخبری سنانے والے شخص کو بشارت کے بدلہ میں اپنے کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس دن میرے پاس اور کپڑے نہیں تھے، اس لئے میں نے خود ادھار لے کر کپڑے پہنے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلا، لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ محفل میں تشریف فرما تھے۔ طلحہ بن عبداللہ جلدی سے میری طرف اٹھے، مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔ ان کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی شخص بھی میری طرف نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی اس کرم نوازی کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں بشارت ہو، جب سے تم پیدا ہوئے ہو یہ دن تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ بشارت آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' رسول اللہ ﷺ جب مسرور ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چمک اٹھتا، گویا چاند کا ٹکڑا ہے، مسرت آپ ﷺ کے چہرہ سے ہی عیاں ہو جاتی۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میری توبہ کی قبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال و متاع اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر صدقہ کر دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' کچھ مال اپنے پاس بچا کر رکھ لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے''۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا خیبر والا حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچائی کی بدولت نجات عطا فرمائی ہے، اس لئے اب قبولیت توبہ کے بعد ضروری ہے کہ میں تادم حیات سچ

بولوں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کے سبب کسی مسلمان کو آزمایا ہو۔ اس کے بعد میں نے آج تک جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا اور مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آئندہ بھی جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ...... وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سب سے بڑا انعام یہ فرمایا کہ مجھے سچ بولنے کی توفیق ارزانی فرمائی ورنہ آپ ﷺ کے ساتھ جھوٹ بولنے والوں کی طرح میں بھی ہلاک ہو جاتا کیونکہ ان جھوٹ بولنے والوں کے لئے سخت ترین الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ؀ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ: 96-95) ”قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ ناپاک ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے“۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تین اشخاص تھے جن کا معاملہ ان لوگوں سے ملتوی کر دیا گیا جن کے ظاہری عذر کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرماتے ہوئے ان سے بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی لیکن ہمارا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمارے متعلق فیصلہ کر دیا، اس لئے فرمایا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (1)۔ اس آیت کریمہ میں جن تین افراد کا ذکر ہے ان کے نام یہ ہیں: کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، ان تینوں کا تعلق انصار سے تھا (2)۔ حضرت مجاہد، قتادہ، سدی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے مرارہ کی ولدیت ربیع کی بجائے ربیعہ نقل کی ہے لیکن صحیح ربیع ہی ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں بھی آتا ہے (3)۔ یہ کہنا کہ باقی دونوں بدر میں شریک ہوئے تھے، درست نہیں ہے، یہ امام زہری کی خطا ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی بدر میں شریک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین حضرات کی تنگی اور کرب کا ذکر کیا جس سے یہ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب دوچار تھے، ان کی جانیں ان پر تنگ پڑ گئی تھیں اور زمین اپنی فراخی کے باوجود انہیں تنگ محسوس ہوتی تھی، کشائش کے تمام رستے مسدود دکھائی دیتے تھے، انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا کہ کیا کریں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم پر انہوں نے صبر کیا، سر تسلیم خم کر لیا اور ثابت قدم رہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سچائی اور جھوٹا بہانہ نہ بنانے کے باعث ان پر کرم فرمایا اور اس مدت کے عتاب کے بعد ان کی توبہ کو قبول فرما لیا اور ان کا صدق خیر اور قبول توبہ پر منتج ہوا، اس لئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی سچ بولو اور سچ کو لازم پکڑو، تم اہل صدق میں سے ہو جاؤ گے اور ہلاکتوں سے نجات پا لو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راہ کشائش پیدا فرما دے گا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: ”سچائی کو اختیار کرو، کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور فسق و فجور دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 6 صفحہ 3، صحیح مسلم، کتاب التوبہ 212-2128 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 56-57

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 57

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کسی صورت میں بھی جائز نہیں، نہ سنجیدگی کے طور پر اور نہ بطور ہنسی مذاق، چاہو تو یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پڑھ لو، پھر فرمایا کہ کیا تم اس میں کسی کے لئے رخصت پاتے ہو؟(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''الصّٰدِقِیْنَ'' سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے لوگوں کی معیت اختیار کرنا چاہتے ہو تو زہد اختیار کرو اور لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان ﷺ سے بےفکر ہو کر۔ یہ اس لئے کہ نہیں پہنچتی انہیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آئے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لئے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل۔ بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر''۔

اللہ تعالیٰ ان اہل مدینہ اور اردگرد کے قبائل والوں کو عتاب فرما رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہے اور جس مشقت کا آپ ﷺ کو سامنا کرنا پڑا اس میں ان لوگوں نے ذرا بھی اظہار ہمدردی نہ کیا، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو اجر سے محروم کر لیا کیونکہ نہ تو انہیں پیاس برداشت کرنا پڑی، نہ کوئی اور تکلیف اور نہ ہی بھوک کا سامنا کرنا پڑا اور نہ ہی کسی ایسی راہ پر چلے جس سے دشمن خوفزدہ ہو جاتا اور نہ دشمن پر غلبہ حاصل کیا مگر ان اعمال کے باعث ان کے لئے لکھ لیا گیا جو اعمال ان کی قدرت کے تحت داخل نہیں تھے بلکہ ان کے افعال کے نتیجہ میں اعمال صالحہ اور اجر عظیم کا ظہور ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (الکہف:30) ''ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ اور (مفید) کام کرتا ہے''۔

وَ لَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً وَّ لَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

''اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ۔ اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لئے تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے یہ لوگ جو تھوڑا بہت خرچ کرتے ہیں اور دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے کسی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 30 صحیح مسلم، کتاب البر، 2012 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 63

وادی کو طے کرتے ہیں تو ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ گزشتہ آیت کی طرح یہاں كُتِبَ لَهُمْ کے ساتھ "بِه" کا اضافہ نہیں کیا گیا کیونکہ یہ افعال ان کے ذاتی ہیں جو ان کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ سے حظِّ وافر اور نصیب عظیم حاصل ہوا۔ اس غزوہ میں آپ نے بیش بہا اور گرانقدر مال ومتاع پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حباب سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور جیش عسرت (غزوۂ تبوک میں شریک ہونے والا لشکر) کی تیاری کے لئے ساز و سامان فراہم کرنے پر برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع پالان و کجاوے پیش کر دیئے، دوبارہ حضور ﷺ کے رغبت دلانے پر مزید مکمل ساز و سامان کے ساتھ سو اونٹ آپ ﷺ کی نذر کر دیئے۔ پھر حضور ﷺ منبر کی ایک سیڑھی نیچے اترے اور لوگوں کو چندہ دینے پر ابھارا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر ایک سو تیار اونٹ دینے کا اعلان کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خوشی سے اس طرح اپنا ہاتھ ہلا رہے تھے (راوی عبدالصمد نے اس پر اپنا ہاتھ نکال کر بتایا) اور فرما رہے تھے کہ "اس کے بعد کوئی عمل عثمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا" (1)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لائے جن سے نبی کریم ﷺ نے جیش عسرت کو تیار کیا۔ آپ ﷺ نے ان دیناروں کو اپنی گود میں ڈال لیا، آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے انہیں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ "آج کے بعد کوئی عمل بھی ابن عفان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا" متعدد بار آپ ﷺ نے اس جملہ کو دہرایا (2)۔ قتادہ اس فرمان وَلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ کے متعلق کہتے ہیں کہ جو لوگ راہ خدا میں جس قدر زیادہ اپنے اہل وعیال سے دور ہوں گے وہ اس قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے۔ تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کر سکیں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں"۔

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ تبوک کے لئے نکلنے کا بیان ہے۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جہاد کے لئے نکلنا ہر مسلمان پر واجب تھا جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے روانہ ہوں، اس لئے فرمایا: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ: 41) "(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل" اور فرمایا: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ...... (التوبہ: 120) "نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں" اور اس آیت کے ذریعے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام قبائل کے نکلنے یا اگر تمام نہیں نکل سکتے تو ہر قبیلہ سے ایک جماعت کے نکلنے سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلنے والے بذریعہ وحی دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو دشمن کے حالات سے انہیں آگاہ کر کے خبردار کریں۔ اس طرح اس سفر میں دو باتیں (تفقہ اور جہاد) جمع ہو گئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر قبیلہ سے نکلنے والا طائفہ یا تو تفقہ فی الدین کے لئے ہو گا یا جہاد کے لئے کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 75　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 62

اہل ایمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تمام کے تمام نکل کھڑے ہوں اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ حضور ﷺ کی اجازت سے جہاد پر جائیں، ان کی عدم موجودگی میں جو قرآن کریم اترے اسے وہ لوگ سیکھتے رہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ باقی رہ گئے ہیں۔ جب وہ لوگ سفر سے واپس لوٹیں تو یہ انہیں کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر قرآن نازل کیا ہے جسے ہم نے سیکھ لیا ہے، اس طرح وہ لوگ ان سے نازل شدہ قرآن کریم سیکھ لیں پھر حضور ﷺ اور سریہ بھیج دیں، یہی مفہوم اس فرمان کا ہے: لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ تا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ پر اترنے والے قرآن کریم کو سیکھیں اور جب وہ لوگ ان کے پاس لوٹیں تو انہیں سکھا دیں تا کہ وہ بھی ڈرتے رہیں (1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو تفقہ فی الدین کے بعد دیہات میں چلے گئے، وہاں انہیں خوشحالی اور راحت میسر آئی اور لوگوں کو انہوں نے ہدایت کا پیغام بھی پہنچایا۔ لوگ کہنے لگے کہ تم نبی ﷺ اور صحابہ کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے ہو۔ اس بات سے وہ بہت دل گرفتہ ہوئے۔ وہاں سے انہوں نے کوچ کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے چند لوگ طلب خیر میں نکلیں، دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں، قرآن و حدیث کو سنیں اور جا کر تمام لوگوں کو اس سے خبردار کریں تا کہ وہ بھی ڈرتے رہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے لشکر روانہ کئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کا حکم دیا تھا۔ دوسری جماعت کو یہ حکم ہوا کہ وہ دین سیکھنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے اور ایک گروہ اپنی قوم کے پاس جائے، وہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دے اور انہیں گزشتہ قوموں کے واقعات سے ڈرائے (2)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بذات خود جہاد کے لئے تشریف لے جائیں تو اہل عذر کے سوا کسی کے لئے پیچھے رہ جانا جائز نہیں اور اگر آپ ﷺ خود قیام پذیر رہیں اور سریہ بھیج دیں تو آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر اس میں شرکت جائز نہیں۔ جب لوگ سریہ کے ساتھ روانہ ہو جائیں اور ان کی عدم موجودگی میں اترنے والی وحی سے حضور ﷺ باقی رہ جانے والے لوگوں کو آگاہ فرما دیں تو جب یہ سریہ واپس لوٹے تو حضور ﷺ کے ساتھ قیام کرنے والے لوگ انہیں کہہ دیں کہ تمہارے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر قرآن اتارا ہے، اس طرح وہ انہیں پڑھا دیں اور ان میں تفقہ پیدا کریں۔ یہی اس آیت کا مفہوم ہے (3)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر کے لئے قحط کی بددعا کی اور وہ تمام قحط کا شکار ہو گئے تو وہ لوگ مدینہ میں آ کر قیام کرنے لگے اور جھوٹ موٹ خود کو مسلمان ظاہر کرنے لگے۔ صحابہ کرام پر ان کی مہمان نوازی بارگراں بن گئی اور ان لوگوں نے صحابہ کو سخت مشکل سے دوچار کر دیا۔ اس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو واپس ان کے قبائل کی طرف روانہ کر دیا اور ان کی قوم کو دوبارہ ایسا کرنے سے منع کیا۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ہر عرب قبیلہ سے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرتے، وہ آپ ﷺ سے پوچھتے کہ آپ ہمیں کس چیز کے کرنے کا حکم ارشاد فرماتے ہیں اور جب ہم اپنے قبائل کے پاس جائیں تو انہیں کس چیز کا حکم دیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیتے اور ان کی قوم کے لئے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا پیغام بھیجتے۔ جب وہ لوگ اپنی قوم کے پاس جاتے تو انہیں کہتے کہ جو شخص اسلام قبول کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور وہ اس طرح انہیں ڈراتے یہاں تک کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 67
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68

ایک مومن اپنے کافر والدین سے قطع تعلق کر لیتا۔ نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو تبلیغ کرتے اور انہیں ڈراتے۔ جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس واپس جاتے تو انہیں اسلام کی دعوت دیتے، آگ سے ڈراتے اور جنت کی بشارت دیتے (1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّمَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ (توبہ:39) اتری تو منافقین کہنے لگے کہ وہ دیہاتی ہلاک ہو گئے جو محمد (ﷺ) سے پیچھے رہ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد پر روانہ نہیں ہوئے۔ چند صحابہ کرام دیہات میں اپنی قوم کو دین سکھانے کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری، اور یہ آیت بھی: وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ (الشوریٰ:16) ”اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں، سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور انہی کے لئے سخت عذاب ہے“ (2)۔ حضرت حسن بصری اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں: تاکہ جہاد پر نکلنے والے لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر انہیں اس شان و شوکت اور فتح و نصرت سے آگاہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف انہیں عطا فرمائی (3)۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

”اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے“۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے ان کفار کے ساتھ جہاد کریں جو مملکت اسلامیہ کے زیادہ قریب ہیں، الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۂ عرب میں رہنے والے مشرکین کے ساتھ جہاد کا آغاز کیا۔ جب آپ ﷺ ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت اور جزیرۂ عرب کے دیگر علاقے فتح ہو گئے اور تمام قبائل عرب کے لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل روم کے ساتھ جہاد کے لئے تیاری کی جو جزیرۂ عرب کے سب سے زیادہ قریب اور اہل کتاب ہونے کے ناطے دعوت اسلام کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ آپ ﷺ تبوک پہنچے، لیکن مسلمانوں کی خستہ حالی، تنگدستی اور قحط سالی کے پیش نظر واپس تشریف لے آئے۔ یہ سنہ 9ھ کا واقعہ ہے۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپ ﷺ حجۃ الوداع میں مشغول ہو گئے اور حجۃ الوداع کے اکیاسی دن بعد آپ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرما لیا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے وزیر، صدیق اور خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امور سلطنت سنبھال لئے۔ اس وقت دین میں کجی واقع ہو چکی تھی، قریب تھا کہ دین کی عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بدولت دین کی عمارت کو ثابت و قائم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دین کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ دین سے بدکے ہوئے لوگوں کو آپ واپس چار و ناچار دین کی طرف لائے۔ مرتدین کو واپس اسلام میں داخل کیا، منکرین زکوٰۃ سے زکوٰۃ وصول کی۔ جاہل کے سامنے حق واضح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا حق ادا کر دیا، پھر آپ نے صلیب

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 69
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 70، تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 239

پرست رومیوں اور آتش پرست ایرانیوں کے خلاف اسلامی لشکر تیار کئے اور قیصر و کسریٰ کو مغلوب کر دیا اور ان کے خزانوں کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ ان فتوحات کی پیشین گوئی حضور ﷺ نے پہلے ہی فرمادی تھی۔ ان فتوحات کی تکمیل آپ رضی اللہ عنہ کے وصی اور ولی عہد شہید محراب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کفار و ملحدین کو ذلیل و رسوا کر دیا، باغیوں اور منافقوں کا قلع قمع کر دیا اور شرق و غرب کے ممالک پر فتح حاصل کی۔ دور و نزدیک کے ممالک سے اموال کے خزانے آپ کے پاس لائے گئے جنہیں آپ نے شرعی احکام کے مطابق تقسیم کر دیا، پھر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ نے قابل ستائش زندگی بسر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار تمام صحابہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ آپ نے سلطنت اسلامیہ کو خوبصورت لباس پہنایا۔ آپ کے عہد میں دعوت اسلامی تمام ممالک تک پھیل گئی اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی۔ مشرق و مغرب میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور دین کا پرچم بلندیوں پر لہرانے لگا اور ملت حنیفیہ نے دوسری اقوام پر مکمل تسلط حاصل کر لیا۔ مسلمان ایک قوم پر فتح حاصل کرنے کے بعد دوسری قوم کا رخ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ کے مصداق قریب کے کفار کا قلع قمع کرتے۔

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً چاہئے کہ لڑائی کے وقت کفار تم میں سختی محسوس کریں کیونکہ کامل مومن وہ ہے جو اپنے مومن بھائی کے لئے نرم خو ہو اور دشمن کافر کے لئے سخت مزاج جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اہل ایمان کا وصف بیان کیا گیا ہے: فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدۃ:54) '' (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کہ محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر''، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29) '' (جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحم دل ہیں''۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ:73) '' اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر''۔ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اَنَا الضَّحُوْكُ الْقَتَّالُ '' میں (دوستوں کے لئے) ہنس مکھ اور (دشمنوں کے لئے) جنگجو ہوں''۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ یعنی تم کفار کے ساتھ جہاد کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے بشرطیکہ تم نے تقویٰ اور اطاعت اختیار کی۔ پہلی تین صدیوں میں غلبہ والی یہ کیفیت برقرار رہی کیونکہ اس دور میں اہل ایمان نے استقامت اختیار کی، اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بنائے رکھا، اس لئے وہ مسلسل فتوحات حاصل کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حد و حساب فتوحات سے نوازا، ان کے دشمن ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن اس کے بعد جب پرفتن دور کا آغاز ہوا، خواہشات نفسانی نے ڈیرے ڈال لئے اور شاہان اسلام باہم دست بگریبان ہونے لگے تو دشمنان اسلام کی نظریں مملکت اسلامیہ پر لگ گئیں۔ مسلمانوں کے اختلافات اور بادشاہوں کے باہمی تنازعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن سلطنت اسلامیہ پر حملہ آور ہو گئے اور بغیر کسی مزاحمت کے یکے بعد دیگرے اسلامی علاقے فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ مملکت اسلامیہ کے اکثر حصے پر وہ قابض ہو گئے۔ جب بھی کوئی اسلامی بادشاہ اٹھا، اس نے اوامر الٰہی کو حرز جان بنایا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فتح عطا فرمائی اور اس نے بہت سے علاقہ جات دشمن سے واگزار کروا لئے۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ دشمنان اسلام پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے اور پوری دنیا میں

اپنے کلمہ کا بول بالا فرمائے، وہ بہت سخی اور کریم ہے۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

''اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کردیا ہے اس سورۃ نے ایمان۔ تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کردیا ہے اور وہ خوشیاں منارہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورت نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے''۔

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین (از راہ تمسخر) ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ یہ آیت کریمہ ان بڑے بڑے دلائل میں سے ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ اکثر علمائے خلف وسلف کا مسلک ہے بلکہ متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ شرح بخاری کے اوائل میں اس پر مبسوط بحث ہو چکی ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...... یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے، یہ سورت ان کی پلیدی اور شک وشبہ میں مزید پلیدی اور شک وشبہ پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ (حم السجدۃ:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔ یہ کس قدر ان کی بدبختی ہے کہ دلوں کو ہدایت دینے والی چیز ان کی گمراہی اور تباہی کا سبب بن جائے جیسا کہ ایک بیمار کو اگر اچھی غذا بھی دی جائے تو بھی اس کی صحت کے لئے مضر ہوگی۔

اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل دیتے ہیں۔ پھیر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان منافقین کو دکھائی نہیں دیتا کہ انہیں ہر سال ایک دو مرتبہ آزمایا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ اپنے گزشتہ گناہوں

سے باز نہیں آتے اور نہ ہی اپنے آئندہ احوال میں نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہیں قحط سالی اور بھوک سے آزمایا جاتا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سال میں ایک دو مرتبہ جنگ کی آزمائش کا انہیں سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر سال ایک دو جھوٹی افواہیں سنتے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ معاملات کی سنگینی اور سختی میں اضافہ ہو رہا ہے، لوگوں کا بخل بڑھتا جا رہا ہے اور ہر آنے والا سال پہلے سے زیادہ شر کا حامل ہے (2)۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ...... اس آیت میں بھی منافقین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر یہ حق سے اعراض کر لیتے ہیں۔ دنیا میں ان کی یہ حالت ہے کہ یہ نہ تو حق پر ثابت رہتے ہیں، نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ ہی اسے سمجھتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (المدثر: 51-49) ''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے''۔ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ (المعارج: 37-36) ''پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے''۔

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ...... یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (الصّف: 5) ''پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ یہ تو اس سے متنفر ہیں، اسی لئے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (اے حبیب!) پھر اگر منہ موڑ لیں تو آپ فرما دیں کافی ہے مجھے اللہ، نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے''۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنا احسان جتلا رہا ہے کہ اس نے ان کی طرف ان کی جنس میں سے اور ان کی ہی زبان بولنے والا رسول بھیجا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرۃ: 129) ''اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے''، ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: 164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے''۔ اور جیسا کہ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 73
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1340-1341، مستدرک حاکم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 441-442

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہمیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جس کے نسب، اوصاف، نشست و برخاست، آمد و رفت اور صدق و امانت سب چیزوں سے ہم بخوبی واقف ہیں(1)۔ جعفر بن محمد اپنے والد گرامی سے اس فرمان لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت کی ولادت میں سے کوئی چیز بھی آپ کو نہیں پہنچی۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: خَرَجۡتُ مِنۡ نِكَاحٍ وَلَمۡ اَخۡرُجۡ مِنۡ سِفَاحٍ(2)۔ ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں ہوا''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نکاح سے پیدا ہوا اور آدم سے لے کر اپنی ولادت تک بدکاری سے پیدا نہیں ہوا اور زمانہ جاہلیت کی بدکاری کا مجھ میں شائبہ تک نہیں''۔

عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ یعنی امت کا تکلیف میں پڑنا آپ پر بہت گراں اور شاق گزرتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: بُعِثۡتُ بِالۡحَنِيۡفِيَّةِ السَّمۡحَةِ(3)۔ ''مجھے آسان دین حنیف دیکر بھیجا گیا ہے''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ سے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الدِّيۡنَ يُسۡرٌ(4)۔ ''دین تو نہایت آسان ہے''۔ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت نہایت سہل، نرم اور اس شخص پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے۔

حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ یعنی آپ تمہاری ہدایت، دنیاوی اور اخروی نفع کے بہت خواہش مند ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس قدر معلومات بہم پہنچائیں کہ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے تک کے متعلق علم عطا فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ہر وہ چیز تمہارے سامنے وضاحت سے بیان کر دی ہے جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اسے علم ہے کہ تم میں سے ایک شخص تمہیں اس کے متعلق عنقریب مطلع کرے گا۔ خبردار! میں تمہیں کمربند سے پکڑ کر پیچھے ہٹا رہا ہوں کہیں تم پروانے کی طرح آگ میں نہ گر جاؤ''(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ محوخواب تھے کہ دو فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں ایک پائنتی بیٹھ گیا اور دوسرا سرہانے۔ پائنتی والے فرشتے نے سرہانے والے فرشتے سے کہا کہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جو سفر پر روانہ ہوئے، سفر کرتے کرتے ایک جنگل تک پہنچ گئے۔ ان کے پاس کوئی زاد راہ باقی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ اس جنگل کو عبور کر لیتے اور واپس چلے آتے۔ اسی اثناء میں ان کے پاس ایک خوش پوش شخص آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں سرسبز و شاداب باغات اور جاری حوضوں پر لے چلوں تو کیا تم میرے پیچھے چلو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ وہ شخص انہیں لے کر سرسبز باغات اور جاری حوض پر لے گیا، انہوں نے وہاں سے خوب کھایا پیا اور موٹے تازے ہو گئے تو اس شخص نے کہا کہ کیا تمہاری حالت خستہ نہ تھی، اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں تمہیں سرسبز باغ اور جاری حوض پر لئے چلوں تو کیا تم میری پیروی کرو گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر اس شخص نے انہیں کہا کہ تمہارے لئے ان سے بھی زیادہ سرسبز باغات اور جاری حوض ہیں کیا تم میرے پیچھے چلو گے؟ ایک گروہ کہنے لگا کہ اس شخص نے پہلے بھی ہمارے ساتھ سچ بولا ہے، ہم ضرور اس کی پیروی کریں گے جبکہ ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ ہمیں یہی کافی ہے اور ہم اسی پر راضی ہیں، مزید کی ضرورت نہیں''(6)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 336
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 76
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266، جلد 6 صفحہ 233
4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 16، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 69
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 399
6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 287

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مانگنے کے لئے آیا، عکرمہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ خون بہا کی ادائیگی میں مدد کا خواہاں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ عطا فرمایا اور پوچھا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے؟ اعرابی نے کہا: نہیں، بلکہ حسن سلوک بھی نہیں کیا۔ یہ سن کر بعض صحابہ سخت غضبناک ہو گئے اور اعرابی کی طرف اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے انہیں اشارہ سے منع کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور اس اعرابی کو اپنے گھر بلا کر مزید عطا فرمایا اور پوچھا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تم ہمارے پاس مانگنے کے لئے آئے اور ہم نے تمہیں عطا کیا لیکن تم نے وہ بات کہی جو تم نے کہی، اس پر میرے صحابہ کے دلوں میں تمہارے بارے میں رنجش ہے، اگر تم ان کے سامنے بھی وہی بات کہو جو تم نے میرے سامنے کہی ہے تو ان کی رنجش دور ہو سکتی ہے''۔ اس نے کہا: ہاں، جب وہ اعرابی آیا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''یہ آدمی ہمارے پاس مانگنے کے لئے آیا اور ہم نے اسے عطا کیا لیکن اس نے وہ بات کی جو کی۔ ہم نے اسے بلا کر مزید عطا کیا، اس کا خیال ہے کہ وہ راضی ہو گیا ہے، اے اعرابی! کیا اسی طرح ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور اس اعرابی کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس کی اونٹنی بھاگ گئی لوگ (اسے پکڑنے کے لئے) اس کے پیچھے دوڑے لیکن اونٹنی اور زیادہ بدک گئی۔ اونٹنی کے مالک نے انہیں کہا کہ اس اونٹنی کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، میں اس کا زیادہ خیر خواہ ہوں اور مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم ہے۔ چنانچہ وہ اونٹنی کی طرف بڑھا اور گھاس کے چند تنکے لے کر اسے اپنی طرف بلایا، اونٹنی اس کے پاس آ گئی اور اس نے اس پر پالان کس لیا۔ اگر میں بھی تمہاری طرح اس کی ناروا بات پر اس سے ناراض ہو جاتا تو یہ شخص دوزخ میں چلا جاتا'' (1)۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اسی طرح اور مقام پر فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (الشعراء: 217-215) ''اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر''۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں فرمایا: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی اگر یہ لوگ آپ کی شریعت طاہرہ کاملہ سے روگردانی کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے توکل کیا جیسا کہ فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل: 9) ''مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھیئے اسی کو اپنا کارساز''۔

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یعنی وہ ہر چیز کا مالک اور خالق ہے کیونکہ وہ اس عرش عظیم کا رب ہے جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کی چھت ہے، ہر چیز اس کے عرش کے نیچے اس کی قدرت میں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کی تقدیر ہر چیز میں جاری ہے اور وہ ہر ایک کی ضروریات کا کفیل ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی اس سورت کی آخری دو آیتیں یہ ہیں یعنی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ...... (2)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے عہد خلافت میں جمع و تدوین قرآن کا کام ہوا، لوگ لکھتے جاتے تھے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لکھواتے جاتے تھے۔ جب سورۂ براءت کی اس آیت ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (توبہ: 127) پر پہنچے تو لوگوں نے گمان کیا کہ یہ آیت سب سے آخر میں

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 160　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 117

نازل ہوئی تھی لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کے بعد دو آیتیں لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ...... پڑھائی تھیں اور یہی آیتیں سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ جس طرح افتتاح ہوا تھا اسی طرح اس سورت کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہی مطلب اس آیت کا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ (الانبیاء:5) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو'' (1)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ سورۂ براءت کی آخری دو آیتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کو سنا اور حفظ کر کے محفوظ کر لیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان آیات کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، پھر فرمایا کہ اگر یہ تین آیات ہوتیں تو میں انہیں علیحدہ سورت کی شکل دے دیتا، اسے کسی سورت میں رکھ دو، چنانچہ صحابہ کرام نے ان آیات کو سورۂ براءت میں شامل کر دیا (2)۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا تھا۔ آپ کے حکم سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کو انجام دیا اور متعدد صحابہ ان کی معاونت کرتے، اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود رہے۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ براءت کا آخری حصہ خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ کے پاس پایا (3)۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا تھا جیسا کہ خزیمہ بن ثابت نے کہا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ حَسۡبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ پڑھے اللہ تعالیٰ اسے تمام ضروریات میں کافی ہے (4)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ صدق دل سے پڑھے یا کذب دل سے، لیکن ان الفاظ کی زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی اسی طرح آتا ہے لیکن یہ اضافہ قابل انکار ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 119
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 321

سورۂ یونس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②

''الف۔ لام۔ را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کے لئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں کفار نے کہا بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا''۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ ''الرٰ''، ''اَنَا اللّٰهُ اَرٰی'' کا مخفف ہے یعنی میں اللہ ہوں، ہر چیز کو دیکھ رہا ہوں۔ ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ کتاب حکیم سے مراد قرآن کریم ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات وزبور ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کریم سے پہلے کی تمام کتب مراد ہیں(1)۔ لیکن یہ قول غیر معروف ہے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا...... اللہ تعالیٰ کفار کے اس تعجب پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ اس نے بشر میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ گزشتہ قوموں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (التغابن: 6) ''کیا انسان ہماری رہبری کریں گے'' حضرات ہود اور صالح علیہما السلام نے اپنی قوموں سے فرمایا: اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ (الاعراف: 63) ''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے'' کفار قریش کا یہ کہنا تھا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص: 5) ''کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔ بیشک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو عربوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت عظیم ہے کہ وہ محمد جیسے بشر کو رسول بنا کر بھیجے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا......۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''قَدَمَ صِدْقٍ'' کا معنی نقل کرتے ہیں: پہلے ہی بیان پر تصدیق کی سعادت حاصل کرنا۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی اجر حسن نقل کیا ہے،

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 80

ضحاک، ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا (الکہف:2) "تا کہ وہ ڈرائے سخت گرفت سے"۔ مجاہد کے نزدیک اس کا معنی نماز، روزہ، صدقہ اور تسبیح جیسے اعمال صالحہ ہیں اور حضور ﷺ ان کے لئے شفاعت کریں گے۔ قتادہ کے نزدیک اس سے مراد سلف صدق ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں جس طرح کہا جاتا ہے "لَهٗ قَدَمٌ فِي الۡاِسۡلَامِ" اور جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں ہے:

لَنَا الۡقَدَمُ الۡعُلۡيَا اِلَيۡكَ وَخَلۡفُنَا　لِاَوَّلِنَا فِيۡ طَاعَةِ اللّٰهِ تَابِعُ (1)

(ہمیں آپ کے ساتھ راست اقدام اور اعمال عظیمہ حاصل ہیں اور ہمارے خلف اطاعت الٰہی میں ہمارے سلف کے تابع ہیں)۔

ذوالرمہ اپنے شعر میں کہتا ہے:

لَكُمۡ قَدَمٌ لَا يُنۡكِرُ النَّاسُ اَنَّهَا　مَعَ الۡحَسَبِ الۡعَادِيِّ طَمَّتۡ عَلَى الۡبَحۡرِ

(تمہارے ایسے کارنامے ہیں جن کے متعلق لوگ انکار نہیں کر سکتے کہ وہ باوجود قدیم خاندانی شرافت کے سمندر پر بھی حاوی ہیں)۔

قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم نے انہی میں سے ایک رسول بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا لیکن یہ میرے پیارے رسول کو جادوگر کا نام دیتے ہیں، یہ کس قدر جھوٹے ہیں!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝۳

"بیشک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے۔ کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے۔ سو عبادت کرو اس کی۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟"۔

اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ بعض نے کہا ہے کہ ہمارے دنوں جیسے چھ دن تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ ایک دن ہزار سال کی طرح تھا جیسا کہ اس کا بیان عنقریب ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا۔ عرش مخلوقات میں سے سب سے بڑا ہے اور تمام مخلوقات کے لئے چھت ہے۔ سعد طائی کہتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نور سے پیدا کیا۔ یہ بات عجیب و غریب ہے۔

يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یعنی وہ تمام مخلوقات کے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے، اس کی شان یہ ہے: لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الۡاَرۡضِ (سبا:3) "نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں"۔ ایک معاملہ دوسرے معاملہ سے اسے مشغول نہیں کر سکتا مختلف قسم کے سوالات اسے مغالطہ میں نہیں ڈال سکتے، وہ اصرار کرنے والوں کے اصرار سے اکتاتا نہیں، پہاڑوں، سمندروں، بیابانوں، آبادیوں اور جنگلوں میں بڑی چیز کی تدبیر اسے چھوٹی چیز سے غافل نہیں کر سکتی، فرمایا: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (ہود:6) "اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق"۔ اس کے علم کی یہ کیفیت ہے: وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ

1۔ دیوان حسان 114 تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 87

اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام: 59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔ حضرت سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرۃ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ...... ''اتری تو مسلمانوں سے ایک بہت بڑے قافلہ کی ملاقات ہوئی، وہ عرب دکھائی دیتے تھے، انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم جنات میں سے ہیں، مدینہ شریف سے نکلے ہیں اور اس آیت نے ہمیں نکالا ہے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ اس کا طرح کا مضمون متعدد آیات میں ہے، فرمایا: ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ: 255) ''کون ہے جو جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے''، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰى (النجم: 25) ''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آ سکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے''۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: 23) ''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو''۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ...... وہی اللہ ہی تمہارا پروردگار ہے، صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اور اے مشرکین! کیا تم اپنے معاملہ میں غور و فکر نہیں کرتے، کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تمہیں علم ہے کہ پیدا کرنے والی ذات صرف وہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: 87) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے''، ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (المومنون: 87-86) ''پوچھئے کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور (کون ہے) مالک عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمایئے تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے''۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝

''اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ بیشک وہی ابتداء کرتا ہے پیدائش کی پھر وہی دہرائے گا اسے تاکہ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انصاف کے ساتھ۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا بوجہ اس کے کہ وہ کفر کرتے رہتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جس طرح اس نے تخلیق کا آغاز کیا تھا، اسی طرح وہ دوبارہ پیدا کر کے اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لئے ذرا مشکل نہیں جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (الروم: 27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ اسے آسان تر ہے''۔ دوبارہ پیدا کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... قیامت کے دن کفار کو ان کے کفر کے باعث طرح طرح کے عذاب دیئے جائیں گے جیسے جھلسا دینے والی ہوا، گرم کھولتا ہوا پانی اور سیاہ دھواں۔ اس بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے: هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۙ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ (ص:57) ''یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب''، هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن:44-43) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا)۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ بیشک گردش لیل و نہار میں اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (ان میں اس کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو متقی ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے ایسی نشانیاں پیدا کی ہیں جو اس کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتی ہیں اور اس نے سورج سے نکلنے والی شعاعوں کو ضیاء اور چاند سے نکلنے والی شعاعوں کو نور بنایا، ہر ایک کی نوعیت الگ الگ ہے، پھر ان دونوں کے درمیان تفاوت پیدا کر دیا تاکہ دونوں مشتبہ نہ ہو جائیں۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے اور رات کو چاند کی بادشاہت اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں، شروع میں چاند بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے، پھر اس کے نور اور جسامت میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں کی رات بدر کامل بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مہینہ کے اختتام پر پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40-39) ''اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''۔ اور فرمایا: وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا (الانعام:97) ''اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لئے''۔ اور یہاں فرمایا: وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ...... سورج کے ذریعے دنوں کو پہچانا جاتا ہے اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عبث اور فضول نہیں پیدا کیا بلکہ اس میں اس کی حکمت عظیمہ اور حجت بالغہ کارفرما ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آ

گ (کے عذاب) سے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون:116-115) "کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ آیات سے مراد دلائل و براہین ہیں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اختلاف لیل و نہار سے مراد گردش لیل و نہار ہے، دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں، کوئی متاخر نہیں ہو سکتا جیسا کہ فرمایا: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف:54) "ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے"، اور فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰسین:40) "نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے"، اور فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (الانعام:97) "وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے"۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی وہ نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یوسف:105) "اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں"، قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:101) "فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے"۔ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (سبا:2) "کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے"، اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (آل عمران:190) "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے"۔ اور یہاں فرمایا: الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنی ایسی قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عتاب، ناراضگی اور عذاب سے ڈرتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾

"بیشک وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش و خرم ہیں دنیوی زندگی سے اور مطمئن ہو گئے ہیں اس (کے ساز و سامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب ان عملوں کے جو وہ کماتے رہے۔"

ان بدبخت لوگوں کی حالت بیان کی جا رہی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتے، یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش و خرم ہیں اور اسی پر ان کے نفوس مطمئن اور قانع ہو گئے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو نہ تو آراستہ کیا اور نہ اس میں کوئی رفعت پیدا کی، پھر بھی اس پر راضی ہو گئے اور یہ لوگ آیات کونیہ سے غافل ہیں، ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور شریعت سے بھی بالکل غافل ہیں، اس کی اطاعت نہیں کرتے، بروز قیامت ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ یہ دنیا میں کئے ہوئے

جرائم، معاصی اور کفر کا بدلہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ‌ۚ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝۹ دَعۡوٰٮهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ‌ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰٮهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰

''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے پہنچائے گا انہیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث۔ رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمت (وسرور) کے باغوں میں۔ (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ''سلامتی ہو'' اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

یہاں ان سعادت مندوں کی حالت سے پردہ اٹھایا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، رسولوں کی تصدیق کی اور ہر امر بجالاتے ہوئے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ انہیں عنقریب ان کے ایمان کے طفیل منزل مقصود تک پہنچادے گا۔ ''بِاِيۡمَانِهِمۡ'' میں ''باء'' سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی دنیا میں ان کے ایمان کے سبب اللہ تعالیٰ بروز قیامت انہیں پل صراط پر رہنمائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ اسے عبور کرکے جنت تک پہنچ جائیں گے۔ اور یہ ''باء'' استعانت کے لئے بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ مجاہد کا قول ہے کہ ان کے لئے ایسا نور ہوگا جس کی مدد سے وہ چلیں گے(1)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال صالحہ ایک خوبصورت مجسمے اور عمدہ خوشبو کی شکل اختیار کرلیں گے۔ جب آدمی اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ اعمال اس کے آگے آگے چلیں گے اور ہر خیر کی بشارت دیں گے، وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ جواب ملے گا کہ میں تمہارا عمل ہوں، اس کا عمل نور بن کر اس کے سامنے چلے گا یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کردے گا، یہی مطلب اس فرمان يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ کا ہے، اور کافر کا عمل نہایت قبیح صورت اور بدبودار ہوا کی شکل میں سامنے آئے گا، وہ اپنے برے ساتھی کے ساتھ چمٹا رہے گا یہاں تک کہ اسے جہنم میں لا گرائے گا(2)۔

دَعۡوٰٮهُمۡ فِيۡهَا...... یہ اہل جنت کا حال ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب اہل جنت پرندہ کو اڑتا ہوا دیکھیں گے تو اس کی خواہش کریں گے اور کہیں گے: سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ یہ ان کی صدا ہوگی۔ ایک فرشتہ ان کے پاس ان کی مرغوب چیز لیکر آئے گا، اور سلام کرے گا اور وہ اس سلام کا جواب دیں گے جس کو یوں بیان فرمایا: وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ‌ۚ جب وہ کھالیں گے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے، یہ ان کی آخری پکار ہوگی جسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَاٰخِرُ دَعۡوٰٮهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اہل جنت میں جب کوئی کسی کھانے والی چیز کی خواہش کرے گا تو کہے گا: سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ اس پر دس ہزار خادم حاضر ہوجائیں گے، ہر خادم کے پاس سونے کی پلیٹ ہوگی، ہر پلیٹ میں الگ الگ کھانا ہوگا اور وہ ہر پلیٹ میں سے کچھ نہ کچھ تناول کرے گا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جب کوئی جنتی کوئی چیز مانگے گا تو سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہے گا۔ یہ آیت ان آیات کے مشابہ ہے: تَحِيَّتُهُمۡ يَوۡمَ يَلۡقَوۡنَهٗ سَلٰمٌ‌ۖ (الاحزاب:44) ''انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو''، لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِيۡمًا ۝ اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعۃ:26-25) ''نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں۔ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی''، سَلٰمٌ‌ۚ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 89 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 89، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 345

قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ (یٰسین: 58) ''تم سلامت رہو۔ (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے''، وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ (الرعد: 24-23) ''اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر''۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ محمود ومعبود ہے، اسی لئے اس نے ابتدائے خلق، استمرار خلق، ابتدائے کتاب اور ابتدائے تنزیل کے وقت اپنی حمد بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ (الکہف: 1) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب''، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ (الانعام: 1) ''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو)، اور دیگر احوال جن کی شرح بہت طویل ہے۔ وہ دنیا میں اول وآخر محمود ہے اور آخرت کے تمام احوال میں بھی محمود ہے، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہل جنت کے دلوں میں تسبیح اور تحمید اس طرح ڈال دی جائے گی جس طرح نفس میں (خیر وشر) کا الہام کیا جاتا ہے(1)۔ جوں جوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بڑھتی جائیں گی توں توں اس کی تسبیح وتحمید میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا، نہ اس کا اختتام ہوگا اور نہ انتہاء۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ لَقُضِىَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ۝۱۱

''اور اگر جلد بازی کرتا اللہ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں بھلائی کے لئے تو پوری کردی گئی ہوتی ان کی میعاد، (لیکن یوں نہیں بلکہ) ہم چھوڑے رکھتے ہیں انہیں جو توقع نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے لطف وکرم اور حلم کو بیان فرما رہا ہے کہ بندے اگر تنگدلی، بیزاری اور غضب کی حالت میں اپنے لئے اور اپنے اموال واولاد کے لئے بددعا کر بھی دیں تو بھی وہ اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بندے دلی طور پر شر کا قصد نہیں رکھتے، اس لئے اس حالت میں وہ بددعا قبول نہیں کرتا، یہ اس کا لطف وکرم اور رحمت ہے، لیکن اس کے برعکس جب بندے اپنے حق میں یا اپنی اولاد یا اموال کے لئے خیر وبرکت اور اضافے کی دعا کرتے ہیں تو وہ قبول فرمالیتا ہے، اس لئے فرمایا:

وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ...... یعنی جب بھی وہ ایسی دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا تو وہ ہلاک ہو جاتے، لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اوپر بددعا نہ کرو، اپنی اولاد کے لئے بددعا نہ کرو اور اپنے اموال کے لئے بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم قبولیت کی گھڑی میں بددعا کرو اور وہ مقبول ہو جائے''(2)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ (بنی اسرائیل: 11) ''اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے''، مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ بوقت غضب انسان کا اپنی اولاد یا مال کے لئے یہ قول ہے کہ ''یا اللہ! اس میں برکت نہ ڈال اور اس پر اپنی لعنت کر'' اگر اللہ تعالیٰ شر میں جلدی دعا قبول کرے جس طرح وہ خیر میں قبول فرماتا ہے تو لوگوں کو ہلاک کر ڈالے۔

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، جلد 2 صفحہ 1080-2180-2181، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 349-354-384 | 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو۔ پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی۔ اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے حد سے بڑھنے والوں کے لئے وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ انسان کی اکتاہٹ، بیزاری، پریشانی اور قلق کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (حم السجدة:51) ''اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے''۔ یہ دونوں آیتیں ہم معنی ہیں۔ جب انسان سخت حالات سے دوچار ہو جاتا ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے، ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ہر حالت میں بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے شدت سے کشائش عطا فرما دیتا ہے اور اس کی تکلیف کو رفع کر دیتا ہے تو یہ شخص اعراض کر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ اسے تو کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں اور نہ اس نے کوئی دعا کی تھی۔ اس روش کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لیکن وہ سعادت مند اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، راست روی اور اپنی توفیق سے نوازا۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ہود:11) ''مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے''، اور جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بہت عجیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے، اگر اسے مصیبت پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے خوشی میسر آئے اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ بھی اس کے لئے موجب خیر ہے(1)۔ یہ نوازش سوائے اہل ایمان کے کسی کے لئے نہیں''۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا کئی قوموں کو جو تم سے پہلے تھیں جب وہ زیادتیاں کرنے لگے۔ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لیکر اور وہ (ایسے) نہیں تھے کہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوم کو پھر ہم نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں اور ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ سابقہ اقوام کے عبرتناک انجام سے آگاہ فرما رہا ہے، انبیائے کرام ان کے پاس واضح دلائل و براہین لیکر آئے لیکن انہوں نے جھٹلا دیا۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ان کا جانشین بنایا ہے اور ان کی طرف اپنا رسول مبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ یہ لوگ اطاعت کرتے ہیں یا نہیں۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا شیریں اور سرسبز ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشین بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے کیسے عمل کرتے ہو، دنیا سے بچو اور عورتوں سے احتیاط کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332-333، جلد 6 صفحہ 15

سے پہلے رونما ہونے والا فتنہ عورتوں کی وجہ سے تھا" (1)۔ ایک مرتبہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک رسی آسمان سے لٹکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھینچ لیا، پھر وہ دوبارہ معلق ہوگئی، اب ابوبکر نے اسے کھینچ لیا، پھر لوگ منبر کے اردگرد ناپنے لگ گئے۔ وہ رسی منبر کے اردگرد عمر کے ناپ میں تین ہاتھ لمبی نکلی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ چھوڑو اپنا خواب، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کہنے لگے: اے عوف! اپنا وہ خواب سنائیں۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو میرے خواب کی اب ضرورت ہے، اس وقت آپ نے مجھے جھڑک نہیں دیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، افسوس! میں نہیں چاہتا تھا کہ تم خلیفہ رسول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دو۔ جب حضرت عوف رضی اللہ عنہ خواب بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اسے ماپنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان تین میں سے ایک تو خلیفہ تھا، دوسرا وہ جو خدا کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور تیسرا شہید ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی: ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ اور فرمانے لگے: اے عمر! اب تم نے خلافت سنبھالی ہے، دیکھو کس طرح عمل کرتے ہو۔ ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے کا جو آپ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا تھا وہ احکام الٰہی کے بارے میں تھا۔ اور لفظ شہید سے مقصود یہ تھا کہ عمر کے لئے شہادت کہاں جبکہ سارے مسلمان ان کے اطاعت گزار ہوں گے (2)۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں (تو) کہنے لگتے ہیں وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ لے آیئے (دوسرا) قرآن اس (قرآن) کے علاوہ یا ردوبدل کر دیجئے اسی میں۔ فرمایئے مجھے اختیار نہیں کہ ردوبدل کر دوں اس میں اپنی مرضی سے۔ میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اس کے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں، بڑے دن کے عذاب سے آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین قریش کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرما رہا ہے جو قرآن کا انکار کرتے اور اس سے روگردانی کرتے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان پر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور واضح دلائل پیش کرتے تو یہ کہتے کہ اس قرآن کو چھوڑیں، کسی اور طرز پر لکھا ہوا قرآن لائیں یا اس قرآن میں ردوبدل کر کے اسے کوئی اور شکل دے دیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ یعنی اپنی مرضی سے ردوبدل کرنا میرے اختیار میں نہیں، میں تو عبد مامور اور رسول مبلغ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے کی جاتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس قرآن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، جلد 4 صفحہ 2098
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 94

کریم کی حقانیت کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ یعنی جو قرآن میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے۔ میں از خود قرآن نہیں پیش کرتا، نہ اپنی طرف سے کہتا ہوں اور نہ جھوٹ موٹ افتراء باندھتا ہوں، اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اس جیسا قرآن لانے سے عاجز ہو اور جب سے میں نے تمہارے درمیان پرورش پائی ہے اس وقت سے لیکر بعثت تک تم میری صداقت اور امانت سے اچھی طرح آگاہ ہو، تم مجھ پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتے، اس لئے فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تمہارے پاس عقلیں نہیں ہیں جن کے ذریعے تم حق و باطل کے درمیان امتیاز کرسکو، جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے نبی کریم ﷺ کے متعلق سوالات کئے تھے۔ ان میں سے ایک سوال ہرقل نے یہ کیا کہ کیا تم نے اعلان نبوت سے پہلے اس نبی کو کبھی جھوٹ میں متہم پایا؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اس وقت ابوسفیان کفار کا سرغنہ اور مشرکین کا لیڈر تھا، اس کے باوجود حق کا اعتراف کرنا پڑا اور فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن دیں۔ ہرقل کہنے لگا کہ جب وہ نبی لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے(1)۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبشہ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جس کی صداقت، امانت اور نسب سے ہم خوب واقف ہیں(2)۔ قبل از نبوت آپ ﷺ نے چالیس سال کا عرصہ گزارا۔ حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ تینتالیس سال، لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

”پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افتراء باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا یا جھٹلائے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی ظالم، سرکش اور مجرم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول مبعوث کیا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہو، اس سے بڑھ کر کوئی مجرم اور ظالم نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے جھوٹے شخص کا معاملہ تو غبی اور کند ذہن لوگوں پر بھی پوشیدہ نہیں تو بھلا ایسے شخص کا حال کس طرح انبیائے کرام کے ساتھ مشتبہ ہوسکتا ہے؟ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا، اللہ تعالیٰ اس کی نیکوکاری یا بدکاری پر ایسے دلائل قائم فرما دیتا ہے جو اظہر من الشمس ہوتے ہیں۔ جس شخص نے حضرت محمد ﷺ اور مسیلمہ کذاب کو دیکھا ہے، اس پر دونوں کے درمیان فرق دن کی روشنی اور آدھی رات کی تاریکی کے درمیان فرق سے بھی زیادہ واضح ہوگا، دونوں کے اخلاق و عادات، افعال اور کلام سے ہر صاحب بصیرت شخص حضرت محمد ﷺ کی صداقت اور مسیلمہ کذاب، سجاح اور اسود عنسی کے کذب پر استدلال کرسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے دوڑے، میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلے میں نے آپ ﷺ سے یہ سنا: ”اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے“(3)۔ ضمام بن ثعلبہ جب اپنی قوم بنوسعد بن بکر کا وفد لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 32، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 3 صفحہ 1395

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 201-203، جلد 5 صفحہ 299-292

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 300، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423

پوچھا کہ یہ آسمان کس نے بلند کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے۔ پھر پوچھا کہ یہ پہاڑ کس نے نصب کئے ہیں؟ فرمایا: اللہ نے، پھر پوچھا کہ یہ زمین کس نے بچھائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے۔ ضمام نے کہا کہ میں اس ذات کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس نے آسمان کو بلند کیا، یہ پہاڑ نصب کئے اور یہ زمین بچھائی، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے نماز، زکوٰۃ، حج اور روزوں کے متعلق دریافت کیا اور ہر سوال قسم دیکر پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر جواب دیتے۔ ضمام نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا(1)۔ اس شخص نے صرف اسی پر اکتفاء کیا اور دلائل و براہین کا مشاہدہ کر لینے کے بعد آپ ﷺ کی صداقت پر ایمان لے آیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ　　كَانَتْ بَدِيْهَتُهُ تَأْتِيْكَ بِالْخَبَرِ (2)

(اگر آپ ﷺ کے پاس واضح دلائل نہ بھی ہوتے تو آپ کا چہرہ انور آپ کی صداقت کی خبر دینے کے لئے کافی تھا)۔

البتہ جس صاحب بصیرت نے مسیلمہ کذاب کو دیکھا تو وہ اس کے رکیک اقوال، سوقیانہ گفتگو، قبیح افعال اور خود ساختہ قرآن جو حسرت اور رسوائی کے دن اسے داخل نار کر دے گا، سے اس مدعی نبوت کی حقیقت کو پہچان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ...... اور مسیلمہ ملعون کے اس کلام کے درمیان کس قدر فرق ہے، وہ کہتا ہے: ''یَا ضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعَيْنِ، نَقِّي كَمَا تُنَقِّيْنَ، لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِيْنَ'' اے مینڈکی، مینڈکوں کی اولاد، تو ٹرا جس طرح تو ٹراتی ہے، نہ تو تو پانی کو آلودہ کر سکتی ہے اور نہ پینے والے کو روک سکتی ہے''۔ مزید کہتا ہے: لَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى، اِذَا اَخْرَجَ مِنْهَا نَسَمَةً تَسْعٰى، مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَّحَشَا '' اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر انعام فرمایا جب باریک جھلی اور انتڑیوں کے درمیان سے زندہ روح کو نکالا''۔ اور کہتا ہے: اَلْفِيْلُ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْفِيْلُ، لَهٗ خُرْطُوْمٌ طَوِيْلٌ وَذَنَبٌ قَصِيْرٌ '' ہاتھی، تمہیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے، اس کی لمبی سونڈ اور چھوٹی دم ہے'' مزید کہتا ہے: وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا، وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا، اِهَالَةً وَّسَمْنًا، اِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ '' قسم ہے آٹا گوندھنے والیوں کی، روٹی پکانے والیوں کی، سالن اور گھی میں لقمے ڈال کر کھانے والیوں کی کہ قریش ظالم قوم ہے''۔ اسی طرح کے اس کے اور بھی خرافات اور بکواسات ہیں جنہیں اگر بچے بھی پڑھتے ہیں تو بطور تمسخر و استہزاء وہ بھی ایسا کلام پڑھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و رسوا کر دیا، یوم حدیقہ میں وہ ہلاک ہو گیا، اس کا شیرازہ بکھر گیا، اس کے ساتھی اور قریبی اسے ملعون ٹھہرانے لگے۔ یہ لوگ توبہ کرتے ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برضا و رغبت دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے تقاضا کیا کہ وہ مسیلمہ کے خود ساختہ قرآن میں سے کچھ سنائیں، انہوں نے معذرت کی لیکن آپ نے سننے پر اصرار کیا تا کہ دوسرے لوگ بھی سن کر اس ہدایت اور علم کی فضیلت کو پہچان لیں جو انہیں حاصل ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مسیلمہ کا کلام پیش کیا جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جب وہ سنا چکے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس، وہ تمہاری عقلوں کو کس طرح کھلونا بنائے ہوئے تھا؟ یہ کلام تو کسی بے وقوف سے بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص زمانہ جاہلیت میں مسیلمہ کے دوست تھے، ایک دفعہ وہ مسیلمہ کے پاس آئے، اس وقت انہوں نے اسلام قبول نہیں

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 573-575　　2۔ دیوان حسان، جلد 1 صفحہ 482

کیا تھا، مسیلمہ نے انہیں کہا کہ اس مدت میں تمہارے صاحب یعنی رسول اللہ ﷺ پر کیا وحی اتری ہے؟ کہنے لگے کہ ایک نہایت مختصر مگر جامع سورت نازل ہوئی ہے اور وہ ہے: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ...... مسیلمہ تھوڑی دیر غور وفکر کے بعد کہنے لگا کہ اس قسم کی سورت مجھ پر بھی اتری ہے اور وہ یہ ہے: یَا وَبْرُیَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ، وَسَائِرُكَ حَفْرٌ نَقْرٌ ''اے وبر، اے وبر (خرگوش جیسا جانور) تو تو دو کان اور ابھرا ہوا سینہ ہے اور باقی سارا جسم ہیچ اور معمولی ہے''، پھر پوچھنے لگا: اے عمرو! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرو کہنے لگا: اللہ کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ تم میرے نزدیک جھوٹے ہو۔ دیکھیں جب ایک مشرک پر حالت شرک میں حضرت محمد ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کا صدق اور مسیلمہ کا حال اور اس کا کذب مشتبہ نہیں ہوا تو اصحاب بصیرت اور عقول سلیمہ کے مالک لوگوں پر یہ چیز کیسے مشتبہ ہو سکتی ہے، اس لئے فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ (الانعام: 94) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے''۔ اور یہاں فرمایا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اسی طرح وہ شخص ہے جو اس حق کو جھٹلاتا ہے جو رسول لیکر آئے اور جس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں، اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ رَجُلٌ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِیٌّ(1) ''سب سے زیادہ بدبخت اور سرکش وہ شخص ہے جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی نبی نے اسے قتل کیا''۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

''اور (یہ مشرک) عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور نہیں تھے لوگ (ابتداء میں) مگر ایک ہی امت پھر (اپنی کجروی سے) باہم اختلاف کرنے لگے۔ اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبودان باطلہ کی پرستش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش انہیں نفع پہنچائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ باطل خدا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، بلکہ یہ تو کسی چیز کے مالک بھی نہیں۔ ان کے متعلق مشرکین جو عقیدہ رکھے ہوئے ہیں، وہ بالکل غلط ہے، وہ ان کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 407

کبھی بھی کچھ نہیں کر پائیں گے، اس لئے فرمایا: قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ...... یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جو نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں؟ پھر اللہ تعالیٰ شرک اور کفر سے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرمارہا ہے کہ یہ شرک بعد میں رونما ہوا، پہلے اس کا کوئی وجود نہ تھا، پہلے تو تمام لوگ ایک ہی دین (اسلام) پر کاربند تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں گزریں، اس دوران تمام لوگ دین اسلام کے پیروکار رہے، پھر اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پڑنا شروع ہوگیا اور بتوں اور دیگر معبودان باطلہ کی پرستش ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے آیات بینات، دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال:42) ''تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے''۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ حجت قائم ہونے سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور یہ کہ ایک مقررہ مدت تک وہ اپنی مخلوق کو مہلت دیتا ہے، تو ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اہل ایمان کو سعادت سے نوازتا ہے اور کفار کو ذلت سے دوچار کرتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٢٠

''اور کہتے ہیں کیوں نہ نازل کی گئی ان پر کوئی آیت ان کے رب کی طرف سے؟ سو آپ فرمائیے غیب تو صرف اللہ کے لئے ہے پس انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں''۔

یہ جھٹلانے والے سرکش کافر مطالبہ کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) پر کیوں نہ کوئی دلیل اتاری گئی جس طرح قوم ثمود کو اونٹنی عطا کی گئی، یا صفا پہاڑ ان کے لئے سونا بن جاتا، یا مکہ کے پہاڑوں کو زائل کر کے ان کی جگہ باغات آباد کئے جاتے اور نہریں جاری کی جاتیں یا اس طرح کے دیگر معجزات اور دلائل۔ ان تمام مطالبات کے پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ تو پوری طرح قادر ہے لیکن وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ (الفرقان:11-10) ''بڑی (خیرو) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ پر اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔ بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو۔ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ''، وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخلوق میں میری سنت اور طریقہ یہ ہے کہ جب میں ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے ان کی مطلوبہ دلیل انہیں دے دوں، اگر تو وہ اس پر ایمان لے آئیں تو بہتر ورنہ میں انہیں فوراً عذاب سے دوچار کر دیتا ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو اختیار دیا، اگر آپ ﷺ چاہیں تو ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں، اس صورت میں اگر وہ ایمان لائے تو فبہا ورنہ عذاب کی چکی میں انہیں پیس کر رکھ دیا جائے گا، اور اگر آپ ﷺ چاہیں تو انہیں مہلت دے دیں۔ آپ ﷺ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا۔ اس لئے ان کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے

نبی علیہ السلام سے فرما رہا ہے: فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ یعنی تمام امور اور ان کے عواقب کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ یعنی اگر تم اپنے مطالبات پورا ہوئے بغیر ایمان نہیں لاتے تو میرے بارے میں اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو حالانکہ وہ کفار ان مطلوبہ معجزات سے بڑھ کر آپ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کر چکے تھے، وہ دیکھ چکے تھے کہ جب آپ علیہ السلام نے چودھویں کی رات چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف جا گرا، یہ ان زمینی معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے جن کا مطالبہ انہوں نے کیا تھا یا نہیں۔ اگر تو ان کے مطالبات طلب ہدایت کی غرض سے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور پورا فرما دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ تو محض عناد اور تعنت کے باعث ایسے مطالبات کر رہے ہیں، اس لئے انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ (یونس: 96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں''، وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانعام: 110) ''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ''۔ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ فرمایا: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۙ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (الحجر: 15-14) ''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے''، وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور: 44) ''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ''، وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (الانعام: 7) ''اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا''۔ ایسے معاندین مطالبات پورا ہونے کے باوجود بھی بہت کم ایمان لاتے ہیں، اس لئے معجزات پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کثرت فجور و فساد کے باعث محض عناد اور تعنت کے طور پر یہ لوگ بے جا مطالبات کرتے ہیں، اس لئے فرمایا: فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ

اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

''اور جب ہم لطف اندوز کرتے ہیں لوگوں کو (اپنی) رحمت سے اس تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تو فوراً وہ مکر و فریب کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ فرمایئے اللہ زیادہ تیز ہے اس فریب کی سزا دینے میں۔ بیشک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قلم بند کر رہے ہیں جو فریب تم کر رہے ہو۔ وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں اس سے (تو اچانک) آلیتی ہے انہیں تند و تیز ہوا اور آلیتی ہیں انہیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا تو (اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے۔ (کہتے ہیں اے کریم!) اگر تو نے بچالیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب وہ بچالیتا ہے انہیں تو وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا لطف اٹھالو دنیوی زندگی سے پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمہیں۔ پھر ہم آگاہ کریں گے تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ جب وہ لوگوں کو مصیبت کے بعد رحمت، شدت کے بعد خوشحالی، خشک سالی کے بعد زرخیزی و شادابی اور قحط کے بعد بارش جیسی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ ہماری نشانیوں میں فریب سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں، ان کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ...... (یونس: 12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو......'' حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رات کے وقت بارش برسنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھانے کے بعد پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کہ آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا؟'' صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی تو ان میں سے کچھ مومن تھے اور کچھ کافر۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بارش برسی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے''(1)۔

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیکر آہستہ آہستہ عذاب کے قریب لا رہا ہے، مجرم یہ گمان کرتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا حالانکہ وہ مہلت کے دن گزار رہا ہوتا ہے، پھر اچانک اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ کراماً کاتبین اس کے تمام افعال لکھ کر شمار کر رہے ہیں، قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان تمام چھوٹے بڑے اعمال کو پیش کر دیں گے جن کی وہ جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی تمہیں خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے، وہی تمہاری حفاظت اور نگہداشت کرتا ہے۔ جب تم کشتیوں میں سوار ہو جاتے ہو اور وہ موافق ہوا کے باعث مسافروں کو لے کر تیزی سے چلتی ہیں تو وہ تیز رفتاری کے باعث بہت خوش ہو جاتے ہیں، اسی اثناء میں تند و تیز ہوا کشتیوں کو آلیتی ہے اور موجیں ہر طرف سے امڈ آتی ہیں، اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ وہ گھیر لئے گئے، اب ان کی ہلاکت یقینی ہے تو وہ خالص اعتقاد رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو عجز و نیاز سے پکارتے ہیں، اس وقت وہ کسی بت وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 41، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 83-84

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ...... یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے عقیدہ کو خالص کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ، اگر تو نے اس طوفان سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندوں میں سے بن جائیں گے، تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جس طرح ہم نے اب صرف تجھے ہی پکارا ہے اسی طرح صرف تیری ہی عبادت کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اس طوفان سے انہیں نجات دلاتا ہے تو وہ فوراً زمین میں ناحق ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے اس مصیبت میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ یعنی اس بغاوت اور ظلم کا وبال صرف تمہیں پر ہوگا، تم کسی اور کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

''بغاوت اور قطع تعلقی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ اخروی عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی جلدی دے دیتا ہے''(1)۔

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا...... یعنی اس حقیر و دنیاوی زندگی کا لطف اٹھالو، پھر تمہیں لوٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے، ہم تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کریں گے اور پورا پورا اجر دیں گے۔ جو خیر کو پائے اسے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے اور جس کے نصیب میں اس کے برعکس ہو تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾

''پس حیات دنیوی (کے عروج و زوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے سو گھنی ہو کر اگی پانی کے باعث سرسبزی زمین کی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہوگئی اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پا لیا ہے اس پر (تو اچانک) آپڑا اس پر ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کے وقت پس ہم نے کاٹ کر رکھ دیا اسے گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں۔ یونہی ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی) نشانیوں کو اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے (امن و) سلامتی کے گھر کی طرف۔ اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف''۔

اللہ تعالیٰ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کے جلد زوال پذیر ہونے کی مثال ایسی سبزی کے ساتھ پیش فرما رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسائے ہوئے پانی کے سبب زمین سے پیدا کیا۔ یہ سبزی انواع و اقسام کے پھلوں، کھیتیوں، ترکاریوں اور چارہ کی شکل

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 276، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 315-316

میں نمودار ہوئی، ان میں انسانوں اور حیوانوں کے لئے خوراک کا سامان ہے۔ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور مختلف شکلوں اور رنگوں میں اگنے والی سرسبز چیزوں کے باعث خوب آراستہ ہوگئی تو زمین کے مالک جنہوں نے کھیتی باڑی کی تھی اور پودے لگائے تھے، گمان کرنے لگے کہ وہ اپنی پیداوار کو حاصل کرنے پر پوری طرح قادر ہیں تو اچانک دن یا رات کے وقت ہمارا حکم آ پہنچا، بجلی کوندی یا سخت آندھی آئی جس نے فصلوں کو تباہ کر دیا اور پھلوں کو تلف کر دیا، شادابی اور تازگی کے بعد سوکھے ڈھیر کی شکل اختیار کر لی گویا کہ اس کا وجود تھا ہی نہیں، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے: "اہل دنیا میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جسے سب سے زیادہ نعمتیں عطا کی گئی تھیں، اسے آگ میں غوطہ دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا کبھی تم نے بھلائی دیکھی، کیا کبھی تمہیں کوئی نعمت ملی؟ وہ کہے گا کہ نہیں (1)۔ ایک اور شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ مصائب سے دوچار رہا، اسے جنت میں غوطہ دے کر پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: نہیں۔" اللہ تعالیٰ ان ہلاک شدگان کے متعلق ایک اور مقام پر فرماتا ہے: "فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (ہود: 66-67)" اور صبح کی انہوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے"۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ یعنی ہم ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے دلائل و براہین بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور زوال دنیا کی اس مثال سے عبرت حاصل کرتے ہیں، اہل دنیا تو اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس پر مکمل اعتماد کر لیتے ہیں لیکن یہ دنیا فریب دیکر نکل جاتی ہے۔ اس دنیا کی فطرت یہ ہے کہ یہ اس شخص سے بھاگتی ہے جو اسے طلب کرے اور اس شخص کو طلب کرتی ہے جو اس سے فرار اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر دنیاوی زندگی کی ایسی ہی مثالیں بیان فرمائی ہیں، ارشاد ہوتا ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکہف: 45)" بیان فرمایئے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔ اسی طرح سورۂ زمر اور حدید میں بھی ایسی مثالیں بیان کی گئی ہیں (2)۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم کو منبر پر اس طرح آیت پڑھتے ہوئے سنا: وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُهْلِكَهُمْ اِلَّا بِذُنُوْبِ اَهْلِهَا۔ لیکن یہ قرأت قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ عباس بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے ہیں لوگوں نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ابی بن کعب نے مجھے اسی طرح یہ آیت پڑھائی ہے (3)۔ بہرکیف یہ قرأت غریب ہے، شاید تفسیر و تشریح کی خاطر اس کا اضافہ کیا گیا ہو۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ...... دنیا اور اس کے زوال پذیر ہونے کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ جنت کے حصول میں رغبت دلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام دارالسلام رکھا ہے یعنی آفات، نقائص اور مصائب سے سلامتی والا گھر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے کہا گیا: چاہئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوئی رہیں، دل بیدار رہے اور کان سنتے رہیں۔ پس میری آنکھیں سوگئیں، میرا دل بیدار رہا اور میرے کان سنتے رہے، پھر مجھے کہا گیا کہ میری اور میرے لائے ہوئے پیغام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سردار نے گھر بنایا، پھر دعوت کی اور ایک

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1445 2۔ دیکھئے سورۂ زمر: 21، سورۂ حدید: 20 3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 102-103

دعوت دینے والے شخص کو بھیجا۔ جس شخص نے دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا، دستر خوان سے کھایا اور سردار اس سے راضی ہو گیا۔ جس شخص نے دعوت قبول نہ کی، وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا، نہ کھانا کھایا اور نہ ہی سردار اس سے راضی ہوا، اللہ تعالیٰ سید و سردار ہے، گھر اسلام ہے، دستر خوان جنت ہے اور داعی حضرت محمد ﷺ ہیں"(1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل میرے سرہانے ہیں اور میکائیل میری پائنتی۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ کی کوئی مثال بیان کریں تو دوسرے نے کہا: (اے سونے والے) سنو آپ ﷺ کے کان سنتے ہیں، سمجھو، آپ ﷺ کا دل بیدار ہے۔ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی مثال ایسے بادشاہ کی سی ہے جس نے گھر بنایا، پھر اس میں ایک کمرہ بنایا، اس میں دستر خوان چن دیا، پھر لوگوں کو دعوت طعام دینے کے لئے ایک قاصد روانہ کیا۔ بعض نے قاصد کی دعوت کو قبول کر لیا اور بعض نے رد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے، گھر اسلام ہے، کمرہ جنت ہے اور آپ اے محمد ﷺ قاصد (رسول) ہیں۔ جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا وہ اسلام میں داخل ہو گیا اور جو اسلام میں داخل ہو گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو جنت میں داخل ہو گیا اس نے اس میں سے کھا لیا"(1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر روز سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں، وہ آواز دیتے ہیں جسے جن و انس کے علاوہ تمام مخلوق سنتی ہے، وہ کہتے ہیں: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ، تھوڑا جو کفایت کرے وہ اس کثیر سے بہتر ہے جو (یاد الٰہی سے) غافل کر دے"(2)۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶

"ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزاء ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور نہ چھائے گا ان کے چہروں پر (رسوائی کا) غبار اور نہ ذلت (کا اثر ہوگا)، یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے دار آخرت میں جزائے خیر ہوگی جیسا کہ فرمایا: "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:60)" "کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے)۔ "زِيَادَةٌ" سے مراد ہے اعمال کے اجر و ثواب کو کئی گنا کر دینا، ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ جنت میں حور و قصور، مسرت بخش چیزیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں شامل ہے اور سب سے بڑا انعام اہل جنت کو دیدار الٰہی کی صورت میں ملے گا۔ اعمال کے اجر سے بڑھ کر جو اضافی نعمتیں انہیں عطا کی جائیں گی، رؤیت باری تعالیٰ ان سب سے عظیم نعمت ہوگی۔ وہ اپنے اعمال کے باعث ان کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کے طفیل۔ حضرات ابوبکر، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس، سعید بن میسّب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبدالرحمٰن بن سابط، مجاہد، عکرمہ، عامر بن سعد، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر علمائے خلف و سلف نے "زِيَادَةٌ" کی تفسیر رؤیت باری تعالیٰ سے کی ہے، اس بارے میں متعدد احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: "جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی کرنے والا ندا دے گا: اے اہل جنت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ایک وعدہ کر رکھا ہے وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 102-103 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 197، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ شوریٰ، جلد 2 صفحہ 444-445

کونسا وعدہ ہے؟ کیا ہمارے وزن (ترازو میں) بھاری نہیں ہوئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہروں کو چمکتا دمکتا نہیں بنایا، ہمیں جنت میں داخل کیا اور دوزخ سے پناہ دی؟ اچانک ان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ قسم بخدا! دیدار الٰہی سے بڑھ کر اہل جنت کے لئے کوئی نعمت زیادہ محبوب اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی نہیں ہوگی''(1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی کرنے والے کو بھیجے گا جو ندا دے گا کہ اے اہل جنت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جزائے خیر اور مزید عطا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ''اَلْحُسْنٰى''(جزائے خیر) جنت ہے اور ''زِيَادَةٌ'' دیدار الٰہی ہے''(2)۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ یعنی میدان حشر میں ان کے چہروں پر سیاہی اور کدورت نہیں چھائے گی جس طرح فاسق و فاجر کفار کے چہروں پر چھا رہی ہوگی، اور نہ ہی انہیں ذلت و رسوائی سے واسطہ پڑے گا۔ ظاہر و باطن ہر حالت میں وہ اہانت سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (الدہر:11) ''پس بچا لے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے۔ اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور''۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے!

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

''اور جنہوں نے برے کام کیے تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی اور چھا رہی ہوگی ان پر ذلت۔ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے۔ وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو)''۔

ان سعادت مند حضرات کا تذکرہ ہو چکا جنہیں نہ صرف کئی گنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا بلکہ اس پر مزید بھی عطا ہوگی۔ اب بدبخت لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے متعلق عدل ہوگا اور انہیں اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کے مساوی جزا دے گا، ان کے گناہوں کی سزا زیادہ نہیں ہوگی۔ بروز قیامت ان کے چہروں پر ذلت چھا رہی ہوگی، یہ نتیجہ ہوگا ان کے گناہوں اور خوف کا جیسا کہ ان کی حالت کو ان آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے: وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ (الشوریٰ:45) ''اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کئے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے''، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ (ابراہیم:43-42) ''اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگم بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے''۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا جو انہیں عذاب الٰہی سے محفوظ رکھ سکے جیسا کہ فرمایا: يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 333 وغیرہ　　2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 105-107

أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ (القيامۃ:12-10) ''(اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ...... دار آخرت میں ان کے چہروں کے سیاہ ہو جانے کے متعلق بتایا جا رہا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں ہے: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (آل عمران:107-106) ''اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ (عبس:40-38) ''کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے''۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

''اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ پھر ہم منقطع کر دیں گے ان کے باہمی تعلقات اور کہیں گے ان کے معبود (اے مشرکو!) تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں آزمالے گا ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا اور انہیں لوٹا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس دن ہم تمام جن و انس اور نیک و بد کو جمع کریں گے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ (الکہف:47) ''اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا...... پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور مومنین کی جگہ سے الگ تھلگ ہو جاؤ۔ درج ذیل آیات میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰسین:59) ''(اور حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ''، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ (الروم:14) ''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے''، ایک اور آیت میں یہ الفاظ ہیں: يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ (الروم:43) ''اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ مقدمات کے فیصلہ کے لئے جلوہ فرما ہوگا۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ وہ جلد فیصلہ فرمائے اور اس مشکل مقام سے راحت بخشے۔ حدیث شریف میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم قیامت کے دن سب لوگوں سے اونچی

جگہ پر ہوں گے'' (1)۔ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں اس حکم کے متعلق خبر دے رہا ہے جو مشرکین اور ان کے بتوں کو قیامت کے دن ہوگا: مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ...... وہ بت ان مشرکین کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان سے بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ فرمایا: كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ (مریم:82) '' ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا)، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (البقرۃ:88) '' جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے''، وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً (الاحقاف:6-5) '' اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے''، ان لوگوں کے شرکاء ان کے دعوائے عبادت کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے: فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ..... یعنی ہمیں تمہاری عبادت کے متعلق کوئی علم نہیں، تم ہماری عبادت کرتے تھے جس کا ہمیں شعور تک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے کہ ہم نے تمہیں نہ اپنی عبادت کی دعوت دی، نہ حکم دیا اور نہ اس پر راضی ہوئے۔ مشرکین کو اس طرح لاجواب کر دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے معبودان باطلہ کی عبادت کرتے رہے جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا، نہ اس پر راضی ہوئے اور نہ اس چیز کا ارادہ کیا۔ یہی ان کے شرکاء شدید ضرورت کے وقت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی خاطر انہوں نے اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کئے رکھا جو ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھے ہوئے ہے، سمیع، بصیر، قادر اور علیم ہے۔ اسی نے رسول مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں اور صرف اپنی عبادت کا حکم دیا، فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل:36) '' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی''۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) '' اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''، وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) '' اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے''۔ مشرکین کی کئی اقسام ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ان کے احوال اور اقوال وضاحت سے بیان کر کے ان کا بھرپور رد کیا ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ یعنی قیامت کے روز حساب کے وقت ہر آدمی آزمائش کرے گا اور اپنے اچھے برے اعمال جان لے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق:9) '' یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے''۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (القیامۃ:13) '' آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا''، وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:14-13) '' اور ہم نکالیں گے اس

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 345

کے لئے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔ (اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے''۔ بعض نے آیت کریمہ میں ''تَبْلُوْ'' کی بجائے ''تتلو'' پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ پڑھنا کیا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ ''تتبع'' کیا ہے یعنی وہ اچھے برے اعمال کی اتباع کریں گے (سزا پائیں گے)۔ بعض نے اس کی تفسیر اس حدیث شریف سے کی ہے: ''ہر امت اپنے معبود کے پیچھے چلے گی، آفتاب پرست آفتاب کے پیچھے، قمر پرست قمر کے پیچھے اور بت پرست بتوں کے پیچھے''(1)۔

وَرُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ...... انہیں مالک حقیقی کی طرف لوٹایا جائے گا اور تمام امور اسی حاکم عادل کے روبرو پیش ہوں گے جن کا وہ فیصلہ کر کے اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور تمام معبودان باطلہ مشرکین سے گم ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

''آپ پوچھئے کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور (کون) نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہئے (جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پس حق کے بعد کیا ہے بجز گمراہی کے۔ پھر تمہیں (حق سے) کدھر موڑا جا رہا ہے۔ یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات ان پر جو فسق و فجور کرتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین پر ان کے اعتراف وحدانیت و ربوبیت کے ساتھ اپنی وحدانیت کی دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یعنی کون ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے، اور اپنی قدرت و مشیت کے ساتھ زمین کو پھاڑ کر اس میں سے اناج، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور، گھنے باغات، پھل اور گھاس نکالتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے، انہیں بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے، اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق مہیا کرے؟

اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ یعنی وہ کون ذات ہے جس نے تمہیں قوت سماعت اور قوت بصارت ہبہ کی، اگر وہ چاہے تو ان قوتوں کو سلب کر لے فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ...... (الملک: 23) ''آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں بنائیں......''، قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ...... (الانعام: 46) ''آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں......''۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ...... کون ہے جو اپنی قدرت عظیمہ اور احسان عمیم کے ساتھ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اس آیت کے متعلق اختلاف پیچھے گزر چکا ہے، بہرصورت یہ آیت ان تمام اختلافات کو شامل ہے۔

7۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 6 صفحہ 56، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 164

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے، وہی پناہ دیتا ہے اور اسے پناہ کی ضرورت نہیں، وہی متصرف حاکم ہے جس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں، وہ جو کرتا ہے اس کے متعلق پوچھ گچھ نہیں کی جا سکتی جبکہ لوگوں سے پوچھا جاتا ہے، فرمایا: يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۞ (الرحمٰن: 29) ''مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے۔ ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے''، زمین و آسمان اور ان میں بسنے والے سب ملائکہ، جن اور انسان اس کے دست نگر، غلام اور تابع ہیں۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ یعنی وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا خالق، مالک، رازق اور مدبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر تم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت سے ڈرتے کیوں نہیں۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ...... یہ تم اعتراف کر چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، وہی تمہارا پروردگار اور خالق حقیقی ہے جو اس بات کا حقدار ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ حق کے بعد بجز گمراہی کے کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود باطل ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، جب یہ حقیقت ہے تو تم لوگ اس کی عبادت سے منہ موڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہی رب ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز میں تصرف بھی اسے ہی حاصل ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ...... یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا اور اپنے شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر مصر رہے حالانکہ یہ اعتراف کر چکے تھے کہ وہی خالق، رازق، اور متصرف ہے جس نے اپنے رسولوں کو توحید کا پیغام دیکر بھیجا، اسی طرح ان پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہوگئی کہ یہ بدبخت اور دوزخی ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الزمر: 71) ''کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر''۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۞

''(اے حبیب!) آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے۔ آپ ہی فرمایئے اللہ ہی آفرینش کی ابتداء بھی کرتا ہے اور (فنا کے بعد) اسے لوٹاتا بھی ہے۔ پس (ہوش کرو) تم کدھر پھرے جاتے ہو۔ آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے۔ (خود ہی جواباً) فرمایئے اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ تو کیا جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ (اے مشرکین) تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ اور نہیں

پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم وگمان کی۔ بلاشبہ وہم وگمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

یہاں مشرکین کے دعوائے شرک اور عبادت اصنام کا رد اور ابطال کیا جا رہا ہے، فرمایا:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ...... یعنی کس نے آسمانوں اور زمین کی آفرینش کا آغاز کیا، پھر ان میں اس قدر مخلوقات پیدا کیں، اجرام سماوی اور ارضی بکھیر دیے، پھر وہ ہر چیز کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا؟ وہ اللہ ہی ہے جو یہ سب کچھ کرتا ہے وہ مستقل بالذات ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تو پھر تم راہ راست سے بھٹک کر کیوں باطل کی طرف منہ اٹھائے جا رہے ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ...... یعنی تم جانتے ہو کہ تمہارے یہ شرکاء کسی گمراہ کو ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے، صرف معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حیران وششدر اور گمراہ لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ...... یعنی کیا ایک بندہ اس کی اتباع کرے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بصیرت عطا فرماتا ہے یا اس کی جو اندھا اور گونگا ہونے کے باعث خود رہنمائی کا محتاج ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (مریم:42) ''اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے''۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''۔ اسی طرح کی اور متعدد آیات ہیں۔

فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے، کس طرح تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان یکسانیت پیدا کر دی، انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہرا دیا اور اس کے ساتھ ان کی بھی عبادت کرنے لگے؟ تم نے صرف رب حقیقی کی عبادت کیوں نہ کی ہو جو ہر چیز کا مالک، حاکم اور ہادی ہے اور اپنی دعاؤں میں صرف اسی کی طرف رجوع کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے دین و اعتقاد کی بنیاد کسی دلیل اور برہان پر نہیں ہے، بلکہ یہ وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں، اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ اس میں ان کے لئے دھمکی اور شدید وعید ہے کیونکہ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بدلہ دے گا۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾

''اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی آئے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس وحی کی جو اس سے

پہلے نازل ہو چکی ہے اور الکتاب کی تفصیل ہے ذرہ شک نہیں اس میں کہ رب العلمین کی طرف سے (اتری) ہے۔ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کے لئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو۔ بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو جسے وہ پوری طرح نہ جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے پھر دیکھ لو کیسا انجام ہوا ظالموں کا۔ اور ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اس پر اور ان میں سے کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے مفسدوں کو"۔

یہاں اعجاز قرآن کا بیان ہو رہا ہے کہ تمام انسان اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے، اس جیسی دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہیں لا سکتے کیونکہ قرآن کریم اپنی فصاحت، بلاغت، ایجاز، حلاوت اور دنیا و آخرت کے متعلق کثیر نفع بخش معانی پر مشتمل ہونے کے باعث صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہو سکتا ہے جس کے مشابہ کوئی چیز نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں اور نہ اقوال میں، اسی طرح اس کی کلام بھی مخلوق کی کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتی، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... یعنی یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے اور یہ کلام بشر کے مشابہ نہیں۔ یہ قرآن کریم تو سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں وقوع پذیر ہونے والی تحریف، تاویل اور تغیر و تبدل کو بیان کرتا ہے اور تمام تفصیلات سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس میں تمام احکام اور حلال و حرام کا شافی اور کافی بیان ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں گزرا کہ اس میں اس کی خبر ہے جو تم سے پہلے گزرا اور پیشین گوئی ہے جو تمہارے بعد ہو گا اور تمہارے معاملات کا فیصلہ ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ...... یعنی اگر تم افتراء کا الزام لگاتے ہو اور قرآن کریم کے من عند اللہ ہونے میں شک کرتے ہو اور یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے تو محمد ﷺ بھی تمہاری طرح بشر ہیں، اگر تمہارے خیال کے مطابق انہوں نے خود اس قرآن کو گھڑا ہے تو تم کم از کم قرآن کریم جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور جس قدر ممکن ہو تم جن و انس سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کرو۔ یہ چیلنج کا تیسرا مرحلہ تھا۔ پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا اور دعوت دی کہ اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے، تو وہ اس جیسا قرآن پیش کریں اور جس سے چاہیں مدد حاصل کر لیں۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی کہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں اور ان کے لئے ایسا کرنا ممکن ہے، فرمایا: قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل:88)" (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔ پھر دوسرے مرحلہ میں تخفیف کرتے ہوئے چیلنج کو دس سورتوں تک محدود کر دیا، فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (ہود:13)" کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو"۔ پھر چیلنج کو ایک سورت تک محدود کرتے ہوئے یہاں فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ...... اسی طرح سورۂ بقرہ میں انہیں چیلنج کیا اور بتا دیا کہ وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرۃ:24)" پھر اگر ایسا نہ کر سکو

اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے''، حالانکہ فصاحت ان کی فطرت میں شامل تھی، ان کی شاعری اور معلقات عربی ادب اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کلام پیش کیا، اس جیسا کلام لانا کسی کے بس کی بات نہیں، اس لئے اس کلام الٰہی کی بلاغت، حلاوت، جزالت، رونق، افادہ اور برتری کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ ایمان لے آئے کیونکہ یہ قرآن کریم کا سب سے زیادہ فہم و ادراک رکھتے تھے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے جیسا کہ فنون سحر کے متعلق علم ہونے کے باعث جادوگر یہ پہچان گئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو عصا کا معجزہ دکھایا ہے یہ تائید الٰہی کے بغیر صادر نہیں ہو سکتا اور اذن الٰہی کے بغیر یہ کسی کے بس میں نہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ لاسلام کو اس زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا جب فن طب اپنے عروج پر تھا۔ معالجین بڑی بڑی امراض کا علاج کر دیا کرتے تھے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے اور مردوں تک کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ ان امراض کا علاج ان کی طب میں بھی نہیں تھا، اس لئے سلیم الفطرت لوگ جان گئے کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہر نبی کو معجزات عطاء کئے گئے جن پر لوگ ایمان لائے، اور مجھے قرآن عطا کیا گیا، مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سب (انبیاء) سے زیادہ ہوں گے''(1)۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا...... بلکہ انہوں نے قرآن کریم کو جھٹلا دیا، نہ اسے سمجھ سکے اور نہ پہچان سکے اور ابھی تک اس کا انجام ان تک نہیں پہنچا اور نہ ہی اس میں موجود ہدایت اور حق کو حاصل کر پائے بلکہ جہالت اور سفاہت کے باعث جھٹلانے میں مصروف رہے۔ اسی طرح سابقہ قوموں نے جھٹلایا تھا، دیکھو ظالموں کا کیا انجام ہوا، کس طرح تکذیب کی سزا دیتے ہوئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اے جھٹلانے والو! تم بھی بچو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسے ہی انجام سے دوچار کر دیا جائے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ...... جن لوگوں کی طرف نبی کریم ﷺ کو قرآن کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے ان میں سے بعض آپ ﷺ کی اتباع کریں گے اور آپ ﷺ کی رسالت سے فائدہ اٹھائیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کفر پر ہی مر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ مفسدین سے بخوبی آگاہ ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ وہ عادل ہے ظالم نہیں۔ وہ ہر شخص کو وہی عطا فرماتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴

''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں، اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔ اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف۔ تو کیا آپ سناتے ہیں بہروں کو خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے کچھ (بظاہر) دیکھتے ہیں آپ کی طرف تو کیا آپ راہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 6 صفحہ 224، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 92

دکھاتے ہیں اندھوں کو خواہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر ذرہ برابر لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلائیں تو آپ ان سے اور ان کے عمل سے بیزاری کا اظہار کریں اور کہہ دیں کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ (الکافرون: 1-6) "آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی مشرک قوم سے کہا: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (الممتحنہ: 4) "ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا"۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡكَ...... یعنی ان میں سے بعض آپ کے خوبصورت کلام، قرآن عظیم اور ایسی فصیح صحیح احادیث سنتے ہیں جو قلوب، ادیان اور ابدان تمام کے لئے نفع بخش ہیں، یہی ان کے لئے کافی ہے لیکن یہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بہرے ہیں اور بہروں کو سنانے پر آپ قادر نہیں اور نہ ہی آپ مشیت الٰہی کے بغیر انہیں ہدایت دے سکتے ہیں۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡكَ...... ان میں سے بعض آپ کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آپ کو عطا کردہ سنجیدگی، خوبصورتی، خلق عظیم اور اہل بصیرت اور عقلمند لوگوں کے لئے آپ کی نبوت کے دلائل ملاحظہ کرتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی طرح آپ کو دیکھتے ہیں لیکن ان کی طرح انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ اہل ایمان تو آپ کو چشم توقیر کے ساتھ دیکھتے ہیں اور یہ چشم حقارت کے ساتھ، فرمایا: وَ اِذَا رَاَوۡكَ اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا (الفرقان: 4-1) "اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں"۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگرچہ وہ اس قرآن کے ذریعے ہدایت عطا فرماتا ہے جسے ہدایت دینا چاہے، جسے چاہے اندھے پن سے بصیرت عطا فرما دیتا ہے، اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردوں میں مستور دلوں کو کھول دیتا ہے۔ وہ حاکم اور متصرف ہے، اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ علیم، حکیم اور عادل ہے جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ ...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں، پھر تمہیں ان (اعمال) کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو خیر پائے اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے"(1)۔

وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ ﴿۴۵﴾

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1995-1994

''اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کرے گا انہیں (وہ خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی، پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ) گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو یاد دلا رہا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے، اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا تو وہ خیال کریں گے کہ وہ دنیا میں محض دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں جیسا کہ ان آیات میں اس چیز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَ مَا يُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنۡ نَّهَارٍ (الاحقاف: 35) ''جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی''، كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰٮهَا (النازعات: 46) ''گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''، يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَٮِٕذٍ زُرۡقًا ۖۚ ۝ يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ۝ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ يَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا يَوۡمًا (طٰہٰ: 104-101) ''جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن''، وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ (الروم: 55) ''اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم، کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی''، یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دار آخرت میں دنیاوی زندگی بہت مختصر محسوس ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ۝ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـئَلِ الۡعَآدِّيۡنَ ۝ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (المومنون: 114-112) ''(ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے''۔

يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ یعنی اولاد اپنے والدین کو اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کو پہچانیں گے جس طرح وہ دنیا میں تھے، لیکن ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی، اس حقیقت کو متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ (المومنون: 101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی''، وَلَا يَسۡـئَلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا (المعارج: 10) ''اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا''۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا...... یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَيۡلٌ يَّوۡمَٮِٕذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (المطففین: 10) ''تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔ ان لوگوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارہ میں ڈال دیا، سنو، یہی واضح خسارہ ہے، اس شخص کے خسارہ سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوسکتا ہے جسے حسرت وندامت کے دن اپنے ساتھیوں سے الگ کر دیا جائے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا

يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾

''اور خواہ ہم دکھادیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان سے یا (پہلے ہی) ہم اٹھالیں آپ کو۔ ہر حالت میں ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں۔ اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے، پس جب آیا ان کا رسول (اور انہوں نے اس کو جھٹلایا) تو فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے خطاب فرما رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ...... یعنی اگر ہم آپ کی زندگی میں ہی ان سے انتقام لے لیں تا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں یا آپ کو وفات دے دیں، ہر صورت میں انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے افعال پر گواہ ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات اس حجرہ کے پاس مجھ پر میری ساری اگلی پچھلی امت پیش کی گئی۔'' ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پیدا ہونے والی مخلوق کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا (اس کی تو سمجھ آتی ہے) اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا اسے کیسے پیش کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی خاکی صورتیں میرے سامنے لائی گئیں یہاں تک کہ میں ان میں سے ہر انسان کو اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھی کو جانتا ہے''(1)۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ...... ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے اور جب قیامت کے دن ان کا رسول آئے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (الزمر:69) ''اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے''۔ ہر امت کو اس کے رسول کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا، ان کا نامہ اعمال سامنے رکھا جائے گا جو ان پر گواہی دے گا اور نگران فرشتے بھی گواہ ہوں گے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے تمام امتیں پیش ہوں گی۔ یہ امت شریفہ اگرچہ آخری امت ہے لیکن قیامت کے دن یہ اولین امت بن جائے گی جن کے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے پہلے فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم (سب سے) آخر میں آنے والے ہیں، (لیکن) قیامت کے دن (سب سے) مقدم ہوں گے، تمام مخلوقات، سے پہلے ہمارا حساب ہو گا''(2)۔ اس امت کو یہ فوقیت رسول اللہ ﷺ کے شرف و عظمت کے باعث حاصل ہوئی۔ قیامت تک آپ ﷺ پر درود و سلام ہو۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾

''اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہو گا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو آپ کہئے نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لئے ضرر کا اور نہ نفع کا مگر جتنا چاہے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے میعاد مقرر ہے جب آئے گی ان کی مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے رہ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ آپ فرمایئے (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر آجائے تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 181

2۔ فتح الباری، کتاب تعبیر الرؤیا، جلد 12 صفحہ 423، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 586

دہاڑے (توتم کیا کرلوگے) کس چیز کا جلدی مطالبہ کررہے ہیں اس سے مجرم۔کیا جب عذاب نازل ہوجائے گا تب ایمان لاؤ گے اس پر (فرشتے انہیں کہیں گے) اب (آنکھیں کھلیں) تم تو اس عذاب کے لئے بڑی جلدی مچارہے تھے پھر کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو (اب) دائمی عذاب (کا مزہ) کیا تمہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم کمایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کفار ومشرکین کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ عذاب کے لئے بڑے بے چین ہیں، نزول عذاب کے لئے جلدی مچارہے ہیں اور تعیین سے قبل وقت عذاب کے متعلق سوال کررہے ہیں حالانکہ اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ فرمایا: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ: 18) '' جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔اور جولوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے''۔عذاب ضرور آئے گا، اگرچہ انہیں اس کا وقت معین معلوم نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کو جواب تلقین فرمارہا ہے: قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا...... یعنی میں تو وہی بات کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھائی ہے اور اس کے آگاہ کئے بغیر میں ازخود کسی بھی ایسی چیز پر قادر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کی ہے، میں اس کا بندہ اور رسول ہوں، میں نے تمہیں آگاہ کردیا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی لیکن اس کے وقت معین سے مجھے آگاہ نہیں کیا گیا۔اور ہر امت کے لئے ایک مقررہ مدت ہے، جب وہ مدت گزر جاتی ہے تو ایک گھڑی کی بھی تقدیم و تاخیر ممکن نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا: '' وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا (المنافقون: 11) '' اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے''۔پھر اللہ تعالیٰ خبردار کررہا ہے کہ اس کا عذاب انہیں اچانک دبوچ لے گا، فرمایا: قُلْ أَرَأَيْتُمْ...... تَسْتَعْجِلُونَ اے محبوب! آپ انہیں فرمادیں کہ تم غور کرو، اگر تم پر عذاب الٰہی راتوں رات یا دن دہاڑے آجائے تو کیا کروگے، عذاب میں کونسی ایسی چیز ہے جسے مجرم جلد طلب کررہے ہیں۔کیا جب یہ عذاب واقع ہوگا تو اس وقت ایمان لاؤ گے؟ اس وقت ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ اس وقت کہا جائے گا، لو اب وہ عذاب آگیا جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔وہ کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اس بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (المومن: 85-84) '' پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے''۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا...... بروز قیامت انہیں بطور سرزنش یہ کہا جائے گا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۖ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الطور: 16-13) '' اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی۔اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا یہ واقعی سچ ہے؟ آپ فرمایئے ہاں! بخدا یہ سچ ہے۔ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور اگر ہر ظالم شخص کے لئے روئے زمین کی دولت ہو تو بھی وہ ساری دولت بطور فدیہ دے دے اور وہ ظالم دل ہی دل میں پچھتانے لگے جب دیکھا انہوں نے عذاب کو اور فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

یہ کفار آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد کیا قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا اور قیامت کا وقوع پذیر ہونا برحق ہے، آپ انہیں کہہ دیں ہاں، قسم بخدا، یہ برحق ہے اور تمہارا مر کر مٹی بن جانا تمہیں دوبارہ زندہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتا جس طرح کہ اس نے پہلے تمہیں عدم سے وجود بخشا۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف لفظ ''کُنْ'' (ہو جا) فرماتا ہے تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس آیت جیسی اور صرف دو آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو منکرین قیامت پر اپنے نام کی قسم کھانے کا حکم دے رہا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سبا:3) ''اور کفار کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمایئے ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم''، زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (التغابن:7) ''گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمایئے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے''۔ جب قیامت قائم ہوگی تو کافر خواہش کریں گے کہ کاش زمین بھر سونا دے کر عذاب سے رہائی پا لیں، لیکن بے سود، جب یہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو دل ہی دل میں ندامت محسوس کریں گے، ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

''سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن لو! یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے، اس کا وعدہ حق ہے جو ہر صورت میں پورا ہوگا، وہ مردوں کو زندہ کر کے اپنی طرف لوٹائے گا، وہ پوری طرح اس پر قادر ہے اور سمندروں، میدانوں اور اطراف عالم میں بکھرے ہوئے اجسام سے بخوبی آگاہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (آ گئی ہے) شفا ان روگوں کے لئے جو

سینوں میں ہیں اور (آ گئی ہیں) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لئے (اے حبیب!) آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہئے کہ اسی پر خوشی منائیں۔ یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے احسان عظیم کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم ﷺ پر قرآن عظیم نازل کیا، فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... یعنی اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار عالم کی طرف سے نصیحت آ گئی جو فحش چیزوں سے روکنے والی ہے، سینوں کے روگوں اور شکوک وشبہات کے لئے شفاء ہے، پلیدی اور گندگی کو زائل کرنے کی اس میں قوت ہے اور یہ اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور رحمت ہے، جیسا کہ فرمایا: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: 82) "اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفاء ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو"، قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ (حم السجدۃ: 44) "آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے"۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ...... یعنی ہدایت اور دین حق کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہے لوگوں کو اس پر خوشی منانی چاہئے اور یہی نعمت زیادہ خوشی منائی جانے کی مستحق ہے، اور یہ فانی دنیا کی زیب وزینت اور مال ومتاع سے بہتر ہے۔ ابن ابی حاتم اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ساتھ اسے ملاحظہ کرنے کے لئے نکلے۔ آپ اونٹوں کو شمار کرنے لگے لیکن یہ تو شمار میں آنے والے نہیں تھے، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہنے لگے الحمد للہ۔ آپ کا غلام کہنے لگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ بات ایسی نہیں ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ...... بلکہ اس کا تعلق مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کے ساتھ ہے (1)۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

"آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتارا پس بنالیا ہے تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افتراء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضل وکرم فرماتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے"۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو بعض جانوروں کو حلال اور بعض کو بحائر، سوائب اور وصائل نام دے کر حرام قرار دے دیتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 368

مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (الانعام:136) ’’اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ‘‘۔ ابوالاحوص عوف بن نضلہ مالک بن نضلہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں خستہ حالت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تمہارے پاس مال ہے؟‘‘ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کون سا مال؟‘‘ میں نے عرض کی: ہر قسم کا مال میرے پاس ہے، نوکر چاکر، غلام، اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب اللہ تعالیٰ تجھے مال عطا فرمائے تو اس کے آثار تم پر ظاہر ہونے چاہئیں اور فرمایا: تمہارے اونٹ تندرست بچے جنم دیتے ہیں لیکن تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحائر ہیں اور ان کی چھال چیر کر صرم نام دے دیتے ہو اور اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر انہیں حرام کر لیتے ہو‘‘ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چھری تمہاری چھری سے تیز دھار ہے‘‘(1)۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جو بغیر کسی دلیل کے محض اپنی آراء اور خواہشات نفسانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے لیتے ہیں، ان لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی قیامت کے دن جب وہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے تو انہیں کس قسم کے سلوک کا گمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ابن جریر کہتے ہیں کہ دنیا میں ان لوگوں کو جلد سزا نہ دینا اللہ کا فضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذو فضل (صاحب فضل) کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے دنیا میں منفعت بخش چیزیں انسان کے لئے مباح کر دیں اور صرف وہی چیز حرام قرار دی جو دینی یا دنیوی اعتبار سے انسان کے لئے ضرر رساں ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور خود کو تنگی اور حرج میں ڈالتے ہوئے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کر لیتے ہیں۔ اس چیز کا ارتکاب مشرکین نے اپنے خود ساختہ قوانین میں اور اہل کتاب نے دین میں بدعتوں کو رواج دے کر کیا۔ ابن ابی حاتم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن صباح اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن خدا پرستوں کو لایا جائے گا تو تین اقسام کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے۔ پہلی قسم کے ایک آدمی کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ’’اے میرے بندے! تو کس غرض کے لئے عمل کرتا رہا؟‘‘ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے جنت پیدا کی، اس میں اہل طاعت کے لئے درخت، پھل، نہریں، حوریں اور رنگا رنگ نعمتیں تیار کیں، میں اس جنت کی خاطر راتوں کو جاگ کر تیری عبادت کرتا رہا اور دن کو پیاسا رہ کر روزے رکھتا رہا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تو نے حصول جنت کے لئے عمل کیا، یہ ہے جنت، اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ میرا تم پر فضل ہے کہ میں نے تمہیں دوزخ سے آزاد کیا اور یہ بھی میرا فضل ہے کہ میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر دوسری قسم میں سے ایک آدمی لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ اے میرے بندے! تو نے کس مقصد کے لئے عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے دوزخ اور اس میں زنجیریں، بھڑکتی ہوئی آگ، جھلسا دینے والی ہوا، گرم کھولتا ہوا پانی اور گنہگاروں کے لئے کئی قسم کے عذاب پیدا کئے ہیں، میں جہنم کے خوف سے راتوں کو بیدار رہا اور دنوں کو پیاسا رہا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 473، جلد 4، صفحہ 136-137، جلد 3 صفحہ 473-474

بندے! تو نے آگ سے ڈر کر عمل کیا، میں نے تمہیں آگ سے رہائی دی اور یہ میرا فضل ہے کہ میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر تیسری قسم میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا، اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا: اے میرے بندے! تو کس مقصد کے لئے عمل کرتا رہا؟ وہ جواب دے گا: اے پروردگار! صرف تیری محبت اور تیرے شوق کی خاطر۔ تیری عزت کی قسم! میں تیری محبت اور شوق میں راتوں کو بیدار رہ کر عبادت کرتا رہا اور دن کو روزہ رکھتے ہوئے پیاسا رہا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو نے میری محبت اور شوق میں عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس شخص کے سامنے جلوہ فرما ہوگا اور فرمائے گا کہ یہ ہوں میں، میرا دیدار کرو، پھر فرمائے گا کہ یہ میرا فضل ہے کہ میں تمہیں آگ سے بچا کر جنت میں داخل کروں گا، اپنے ملائکہ کو تمہاری زیارت کراؤں گا اور بذات خود تم پر سلامتی نازل کرتا رہوں گا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں۔ اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو خبر دے رہا ہے کہ وہ ہر گھڑی اور ہر لحظہ آپ کے، آپ کی امت کے اور تمام مخلوقات کے احوال کو جانتا ہے۔ زمین و آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس سے بھی ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں موجود ہے جیسا کہ فرمایا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59) ''اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔ وہ درخت، جمادات اور حیوانات کی حرکات سے بھی بخوبی آگاہ ہے: فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق''، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام:38) ''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند)۔ جب ان اشیاء کی حرکات کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے تو مکلف اور مامور بالعبادۃ انسان کی حرکات کے متعلق اس کے علم کی کیفیت کیا ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (الشعراء:217-219) ''اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا''۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ... ۔ جب جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ سے احسان کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا

کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (کم از کم یہ کیفیت ہونی چاہئے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" (1)۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

"سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لئے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں یہی بڑی کامیابی ہے"۔

آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا، قیامت کی ہولناکیوں کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا میں چھوڑی ہوئی چیزوں کے متعلق انہیں کوئی حزن وملال دامن گیر ہوگا۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر علمائے سلف فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔ اس طرح کی ایک حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے" (2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بعض بندگان خدا ایسے ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے" پوچھا گیا: یا رسول اللہ! یہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسے لوگ ہیں جو بغیر کسی مالی منفعت اور نسبی تعلق کے محض رضائے الٰہی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور انہیں نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔ جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ حزن و غم کا شکار ہوں گے تو انہیں کوئی حزن نہیں ہوگا"، پھر آپ ﷺ نے اس آیت اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ ... کی تلاوت کی (3)۔ اسے ابوداؤد نے بھی سند جید کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن ابوزرعہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے (4)۔ حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مختلف قبائل اور ہر طرف سے ایسے لوگ جمع ہوں گے جن میں کوئی نسبی تعلق نہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت وخلوص کا رشتہ مستحکم کئے رکھے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے لئے نور کے منبر رکھوائے گا جن پر وہ بیٹھیں گے، لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور یہی اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے" (4)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ کے متعلق فرمایا: "رؤیا صالحہ (سچے خواب) ہیں جنہیں ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کی خاطر کسی کو دکھائے جاتے ہیں" (5)۔ ایک آدمی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى ... کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جسے تم سے پہلے صرف ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "یہ سچے خواب ہیں جنہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 37
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 241
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 132
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 288، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 445

مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے کسی کو دکھائے جاتے ہیں، یہ دنیاوی زندگی میں اس کے لئے بشارت ہے اور آخرت میں اس کے لئے بشارت جنت ہے" (1)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى...... کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا ہے جس کے متعلق میری امت میں سے تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں کیا، یہ سچے خواب ہیں جنہیں ایک شخص دیکھتا ہے یا اس کی خاطر (کسی کو) دکھائے جاتے ہیں" (2)۔ ایک آدمی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے کتاب اللہ کی ایک آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى...... کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کے متعلق سوال نہیں کیا، میں نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا: "اس کے متعلق تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ یہ سچے خواب ہیں جنہیں بندۂ مومن نیند میں دیکھتا ہے یا اس کے لئے کسی کو دکھائے جاتے ہیں" (3)۔ حضرت عبادہ بن صامت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ آخرت کی بشارت جنت ہے، دنیا کی بشارت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "رؤیا صالحہ جنہیں ایک بندہ دیکھتا ہے یا کسی کو اس کی خاطر دکھائے جاتے ہیں۔ یہ نبوت کے چوالیس یا ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہیں" (1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ایک آدمی کوئی عمل کرتا ہے جس کی لوگ ستائش اور تعریف کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دنیا میں ہی مومن کے لئے بشارت ہے" (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: "یہ سچے خواب ہیں جو مومن کے لئے بشارت ہیں، یہ انچاس اجزائے نبوت میں سے ایک جزء ہیں۔ جو شخص ان (سچے خوابوں) کو دیکھے تو اسے دوسروں کو بتانا چاہئے اور جو برا خواب دیکھے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے (جس کے ذریعے) وہ آدمی کو پریشان کرتا ہے۔ چاہئے کہ آدمی اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے، اکبر اللہ کہے اور یہ خواب کسی کو نہ بتائے" (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور حدیث میں سچے خوابوں کو چھیالیس اجزائے نبوت میں سے ایک جزء قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى...... کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں سچے خواب ہیں جنہیں بندہ دیکھتا ہے اور کسی کو اس کے لئے دکھائے جاتے ہیں اور آخرت میں بشارت جنت ہے۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رؤیا حسنہ (اچھے خواب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہیں اور یہ مبشرات میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ" (نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مبشرات باقی رہ گئے) (6)۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، یحییٰ بن ابی کثیر، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے کہ دنیا میں بشارت سے مراد سچے خواب ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بندۂ مومن کو مرتے وقت جنت اور مغفرت کی بشارت ہے جو فرشتے اسے دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 315
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134-135
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2034، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 156
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 219-220
6۔ دیکھئے مندرجہ بالا تمام آثار تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134-137

رَّحِيْمٍ (حم السجدہ:32-30) ''بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے''۔ حدیث براء رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو سفید لباس میں ملبوس نورانی چہروں والے فرشتے اس کے پاس آ کر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح! راحت و ریحان اور ایسے رب کی طرف چلو جو (تجھ پر) ناراض نہیں ہے تو وہ روح اس کے منہ سے اس طرح (آسانی کے ساتھ) نکل جاتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک پڑتا ہے (1)۔ آخرت میں ان کے لئے بشارت یہ ہے جیسا کہ فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (الانبیاء:103) ''نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''، ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الحدید:12) ''جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے''۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ...... اس وعدہ کی نہ تو خلاف ورزی ہوسکتی ہے اور نہ اس میں تغیر و تبدل ممکن ہے بلکہ یہ ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

''اور نہ غمزدہ کریں آپ کو ان کی باتیں، یقیناً ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز جاننے والا ہے۔ خبردار بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور کس کی پیروی کر رہے ہیں جو لوگ پکار رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (دوسرے) شریکوں کو؟ نہیں پیروی کر رہے مگر وہم و گمان کی اور نہیں وہ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ وہی ہے جس نے بنائی تمہارے لئے رات تاکہ تم آرام کرو اس میں اور روشن دن بنایا، بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ان مشرکین کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ ان کے مقابلہ میں آپ اللہ تعالیٰ سے مدد

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 213، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287 وغیرہ

طلب کریں اور اسی پر بھروسہ کریں کیونکہ عزت وغلبہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول ﷺ کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو ہمیشہ سننے والا اور ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے باخبر کر رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ملک اسی کے لئے ہے اور یہ مشرکین ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نفع ونقصان اور کسی چیز کے مالک نہیں اور ان مشرکین کے پاس ان کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ محض وہم وگمان، اٹکل پچو اور جھوٹ وافتراء کی بنیاد پر ایسا کر رہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ وہ تھکاوٹ، درماندگی اور جدوجہد سے راحت وسکون حاصل کریں اور حصول معاش، سفر اور دیگر اغراض ومقاصد کے حصول کی خاطر روشن دن بنایا۔ اس میں ایسے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان دلائل وبراہین کو سنتے ہیں، ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور عظمت خالق پر ان کے ذریعے استدلال کرتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

''انہوں نے کہا بنالیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا۔ وہ پاک ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بیہودہ بات) کی کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چندروزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

ان لوگوں کی مذمت کی جارہی ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ وہ پاک ہے، ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے، زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے تو بھلا مخلوق میں سے کوئی کیسے اس کا بیٹا ہوسکتا ہے جبکہ ہر چیز اس کی مملوک اور غلام ہے۔ اس جھوٹے دعویٰ اور بہتان کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ شدید دھمکی، سخت وعید اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 95-89) ''اور کفار کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کے لئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹ بولنے والوں اور اللہ تعالیٰ پر یہ افتراء باندھنے والوں کو کہ اس کی اولاد ہے، دھمکی دی ہے کہ وہ نہ دنیا میں فلاح پائیں گے اور نہ

آخرت میں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے اور کچھ مدت تک انہیں لطف اندوز ہونے دیتا ہے پھر انہیں عذاب شدید کی طرف دھکیل دیتا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا: مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں نوح (علیہ السلام) کی خبر، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کر لو اپنے شریکوں سے مل کر پھر نہ ہو تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔ بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر، نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے۔ تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انہیں ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنہیں ڈرایا گیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما رہا ہے کہ آپ ان جھٹلانے والے اور مخالفت کرنے والے کفار مکہ کو نوح (علیہ السلام) کی خبر سنائیں جنہیں ان کی قوم نے جھٹلایا پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور تمام کو غرق آب کر کے تباہ و برباد کر دیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کفار مکہ کو بھی ایسی ہی تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ...... حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمہارے درمیان میرا قیام اور دلائل و براہین الٰہیہ کے ساتھ وعظ و نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو مجھے کوئی خدشہ نہیں، میں نے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے، اس لئے اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ تمہارا ردعمل کیا ہوتا ہے اور نہ میں دعوت و تبلیغ سے باز آؤں گا۔ تم اپنے شرکاء کی معاونت سے ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور میرے خلاف لائحہ عمل ترتیب دو۔ خوب واضح فیصلہ کر لو جس میں کسی قسم کا کوئی خفاء یا التباس نہ رہے پھر اگر تم اپنے آپ کو حق پر گمان کرتے ہو تو جو چاہو میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے ایک گھڑی کی بھی مہلت نہ دو، مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور نہ میں تم سے ڈرتا ہوں کیونکہ تمہاری کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ (ہود: 55-54) '' میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا، پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے''۔

فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ...... یعنی اگر تم جھٹلا رہے ہو اور اطاعت سے اعراض برت رہے ہو تو بڑی عجیب بات ہے، میں نے وعظ و تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت تو طلب نہیں کی۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور میں اسلام پر کاربند ہوں۔ اول سے لے کر آخر تک اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے اگر چہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں جیسا کہ فرمایا: لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡہَاجًا (المائدۃ:48) ''ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ''، حضرت نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں: وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَ یَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (البقرۃ:131) ''اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم!) گردن جھکا دو۔ عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔ اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لئے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو''، حضرت یوسف علیہ السلام کہہ رہے ہیں: رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ (یوسف:101) ''اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔ اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے در آں حالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ (یونس:84) ''اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو''، جادوگروں نے کہا: رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ (الاعراف:126) ''اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں)، بلقیس نے کہا: رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَ اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (النمل:44) ''اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے''۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا (المائدۃ:44) ''بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے''، وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ (المائدۃ:111) ''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔ حضور خاتم النبیین سید البشر ﷺ کہتے ہیں: اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الانعام:164-163) ''بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''، حدیث شریف میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی (ایک باپ کی مختلف ماؤں سے اولاد) ہیں اور ہمارا دین ایک ہے''(1)۔ یعنی اگر چہ شریعتیں متنوع ہیں لیکن دین سب کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنا۔

فَکَذَّبُوۡہُ فَنَجَّیۡنٰہُ...... انہوں نے (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے پیروکاروں سمیت کشتی میں سوار

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 477-478، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1837

کر کے نجات دی اور انہیں ان کا زمین پر جانشین بنا دیا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، دیکھو ڈرائے جانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ کیسے ہم نے اہل ایمان کو بچالیا اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

''پھر ہم نے بھیجے نوح (علیہ السلام) کے بعد اور رسول ان کی قوموں کی طرف پس وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ جھٹلا چکے تھے پہلے، یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد اور رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس اپنی نبوت ورسالت کی صداقت کے لئے دلائل و براہین اور معجزات لائے لیکن یہ نہیں تھے کہ ان رسولوں کے پیغام پر ایمان لاتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے جیسا کہ فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام:110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ''۔

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ پہلی تکذیب کے سبب ایمان نہ لائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے بعد ان جیسے لوگوں کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے اور وہ بھی ایمان نہیں لاتے یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کو ہلاک کر دیا جو رسولوں کو جھٹلاتی تھیں اور ایمان لانے والے کو نجات عطا فرمائی، یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہوا کیونکہ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لوگ اسلام پر کاربند چلے آرہے تھے۔ پھر لوگ بت پرستی کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، اس لئے قیامت کے دن اہل ایمان آپ سے کہیں گے کہ آپ اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والے پہلے رسول ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں گزریں اس دوران تمام لوگ اسلام پر قائم رہے۔ فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل:17) ''اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد''۔ اس میں ان مشرکین عرب کے لئے انذار عظیم ہے جنہوں نے حضور سید الرسل، خاتم النبیین ﷺ کو جھٹلایا۔ جب پہلے انبیاء و رسل کو جھٹلانے والوں کو عبرتناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا تو ان کے بارے میں کیا گمان ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلا کر ان سے بھی بڑے جرم کا ارتکاب کیا؟

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

''پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں

کے ساتھ تو فرعونیوں نے غرور وتکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پھر جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا (سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر۔ کہنے لگے کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس تا کہ ہٹا دو ہمیں اس (دین) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو۔ اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لئے بڑائی سرزمین (مصر) میں۔ اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف دلائل و براہین کے ساتھ مبعوث کیا لیکن انہوں نے اتباع حق سے تکبر وغرور کیا کیونکہ وہ مجرم لوگ تھے۔ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ واضح جادو ہے گویا کہ انہوں نے اپنی سرکشی اور ضد پر قسم کھا رکھی تھی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا کہنا محض جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل:14) ''اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا''۔

قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ..... موسیٰ (علیہ السلام) انہیں کہنے لگے کہ تم حق کے متعلق یہ کہہ رہے ہو، کیا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتے۔ وہ کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو تا کہ تم ہمیں اس دین سے برگشتہ کر دو جس پر ہمارے آباؤ اجداد قائم تھے اور سرزمین مصر میں تمہارے لئے اور تمہارے بھائی ہارون کے لئے حکمرانی قائم نہ یہ تمام قصص سے عجیب وغریب ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے مکمل احتیاط برتتا تھا، قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیں کہ اسی کے گھر میں آپ پرورش پاتے رہے اور بیٹے کے طور پر اسی کے پاس پروان چڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام فرعون کے پاس سے نکل گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت ورسالت سے نوازا اور ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا۔ پھر اسی فرعون کی طرف آپ کو بھیجا تا کہ آپ اسے توحید کا پیغام دے کر عبادت الٰہی کی دعوت دیں۔ فرعون بڑے جاہ وجلال اور عظمت وسطوت کا مالک تھا اور ایک عظیم سلطنت کا فرمانروا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے تو سوائے آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے کوئی آپ کا معاون نہیں تھا۔ آپ کی دعوت کے جواب میں فرعون نے سرکشی اور تکبر کا مظاہرہ کیا، حمیت اور غیرت میں آ کر اس کا نفس خبیثہ حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اعراض کیا اور ناحق دعویٰ کیا، بغاوت پر اتر آیا اور بنی اسرائیل میں سے اہل ایمان کی اہانت و تذلیل کرنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور کبھی بھی نہ سونے والی آنکھ کے ساتھ ان کی نگہداشت کی۔ فرعون اور آپ علیہ السلام کے درمیان مناظرہ ومجادلہ جاری ہوا اور آپ یکے بعد دیگرے اپنے معجزات دکھاتے رہے جنہوں نے عقلوں کو دنگ کر دیا اور یہ ایسے معجزات تھے جن کا ظہور تائید الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، فرمایا: وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا (الزخرف:48) ''اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے''۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے تکذیب، انکار، عناد اور تکبر پر عزم صمیم کر لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے عذاب سے دوچار کر دیا جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور ایک صبح کو انہیں غرق کر دیا، فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام:45) ''تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا''۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

''اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر پھر جب آ گئے جادوگر تو کہا انہیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالو (میدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب ڈال دیا انہوں نے تو موسیٰ نے فرمایا یہ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دے گا اسے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ ناپسند ہی کریں (اسے) مجرم''۔

جادوگروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے، اس سورت، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ فرعون لعین نے لوگوں کو فریب دینا چاہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق مبین کا مقابلہ جادوگروں کے خرافات، ملمع سازی اور شعبدہ بازی کے ذریعے کرنا چاہا لیکن یہ سارا کھیل اس کے خلاف گیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس طرح محفل عام میں براہین الٰہیہ غالب آ گئیں اور جادوگر اسلام لے آئے: وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ (الاعراف: 120-122) ''اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا''۔ فرعون نے تو یہ خیال کیا تھا کہ وہ جادوگروں کے بل بوتے پر علام الغیوب رب کے رسول پر غلبہ پائے گا لیکن خائب و خاسر رہا اور دوزخ کا سزاوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ...... مُّلْقُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس لئے یہ کہا تھا کیونکہ فرعون نے جادوگروں کے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ کامیابی کی صورت میں وہ انہیں اپنا مقرب بنا لے گا اور بہت بڑا انعام عطا کرے گا، فرمایا: قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا (طٰہٰ: 65-66) ''جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم ہی (پہلے) پھینکو''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ آغاز جادوگروں کی طرف سے ہوتا کہ لوگ ان کی کارگزاری کو دیکھ لیں پھر آپ حق پیش کر کے باطل کو ملیامیٹ کر دیں۔ اس لئے جب انہوں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، لوگ خوفزدہ ہو گئے اور بہت عظیم جادو لائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ: 67-69) ''موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے''۔ جب جادوگروں نے رسیاں ڈال دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ...... ابن ابی سلیم کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کے حکم سے جادو سے شفا کا باعث ہیں۔ ایک برتن میں پانی ڈال کر اس پر یہ آیات پڑھی جائیں پھر سحر زدہ آدمی کے سر پر اس پانی کو انڈیل دیا جائے۔ وہ آیات یہ ہیں: فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ...... فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (الاعراف: 118)

''تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے''، اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السَّاحِرُ حَيۡثُ اَتٰى (طٰہٰ: 69) ''انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے''۔

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۸۳﴾

''پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر بجز ان کی قوم کی اولاد کے (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے۔ اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں۔ اور واقعی وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی آیات بینات، براہین ساطعہ اور دلائل قاطعہ پر قوم فرعون میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے، وہ بھی فرعون اور اس کے درباریوں سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ انہیں کفر والی پہلی حالت پر نہ لوٹا دیں کیونکہ فرعون ملعون بڑا جابر، سرکش اور متمرد حکمران تھا، اسے بہت زیادہ سطوت اور ہیبت حاصل تھی اور اس کی رعایا اس سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علاوہ قوم فرعون میں سے جو ذریت ایمان لائی ان کی تعداد بہت کم تھی، اس میں فرعون کی بیوی (آسیہ)، مومن آل فرعون، فرعون کا خازن اور اس کی بیوی شامل تھی (1)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ ابن عباس، ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قلیل جماعت تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''ذُرِّيَّةٌ'' سے مراد ان لوگوں کی اولاد ہے جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت پہلے بھیجا گیا تھا اور وہ لوگ کافی عرصہ پہلے مر گئے۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ ''ذُرِّيَّةٌ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنی اسرائیل سے تھے نہ کہ قوم فرعون سے، کیونکہ دو مذکور چیزوں میں سے قریب ترین کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اور قریب ترین لفظ موسیٰ ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ کیونکہ انہوں نے ''ذُرِّيَّةٌ'' سے مراد بنی اسرائیل کے چند نوجوان مراد لئے ہیں حالانکہ مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل تمام کے تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور انہوں نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا بلکہ وہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی سابقہ کتب میں آپ کا ذکر، اوصاف اور آپ کی آمد کی بشارت پاتے تھے اور انہیں یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل انہیں فرعون کی غلامی سے آزادی عطا فرمائے گا اور اس پر غلبہ سے نوازے گا، اس لئے فرعون کو جب اس حقیقت کے متعلق علم ہوا تو وہ آپ علیہ السلام سے بہت احتیاط برتنے لگا لیکن یہ احتیاط اس کے کسی کام نہ آئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو فرعون بنی اسرائیل پر بہت سختی کرنے لگا اس پر بنی اسرائیل چلا اٹھے: قَالُوۡۤا اُوۡذِيۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِيَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ (الاعراف: 129) ''قوم موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔ جب یہ بات ثابت ہے تو ''ذُرِّيَّةٌ'' سے مراد قوم موسیٰ (بنو اسرائیل) کے سوا کیا ہو سکتا ہے جو فرعون اور اس کی اشرافیہ سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کر دیں اور بنی اسرائیل میں قارون کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جس سے اس بات کا اندیشہ ہوتا کیونکہ قارون قوم موسیٰ میں سے ہونے کے باوجود فرعون کا طرفدار، حامی اور تعلق دار تھا۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 150

"مَلَائِهِمْ" کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے لیکن جمع کی ضمیر اس کے پیروکاروں اور ہمنواؤں کے باعث لائی گئی ہے یا فرعون سے پہلے لفظ "آل" (مضاف) محذوف ہے، مضاف الیہ (فرعون) کو مضاف کے قائم مقام رکھ دیا گیا، اس شخص کا یہ قول بعید از قیاس ہے، اگرچہ ابن جریر نے بعض نحویوں سے یہ توجیہات نقل کی ہیں۔ جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل تمام مومن تھے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

"اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لئے۔ اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم وستم) سے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ...... یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے، فرمایا: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر:36) "کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لئے؟ (یقیناً کافی ہے)"، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:3) "اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے"، اللہ تعالیٰ عموماً عبادت اور توکل کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود:123) "اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے"، قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ (الملک:29) "فرمایئے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے"، رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل:9) "مالک ہے شرق وغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اس کو اپنا کارساز"۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متعدد مرتبہ نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں" پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ بنی اسرائیل نے توکل کو اختیار کرتے ہوئے عرض کی: عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا، اے ہمارے پروردگار! ظالم قوم کو ہمارے اوپر فتح عطا کر کے مسلط نہ کر دینا ورنہ وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ انہیں اس لئے تسلط عطا ہوا ہے کیونکہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر، اس طرح وہ اور زیادہ ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر آزمائش میں مبتلا کر دیں گے۔ ابو مجلز اور ابوالضحیٰ سے یہی معنی بیان کیا گیا ہے(1)۔ مجاہد اس لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں نہ تو آل فرعون کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا کر اور نہ اپنی طرف سے عذاب دے ورنہ قوم فرعون کہے گی کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے اور نہ ہمیں ان پر تسلط واقتدار حاصل ہوتا(1)۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی ہمیں اپنی رحمت اور احسان سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما کیونکہ ہم تجھی پر ایمان لائے ہیں اور تجھی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 152

الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو اپنی قوم کے لئے مصر میں چند گھر اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز۔ اور (اے موسیٰ) خوشخبری دو مومنوں کو"۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دلانے کا سبب اور رہائی کی کیفیت یاد دلا رہا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ مصر میں اپنی قوم کے لئے چند گھر مہیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہیں گھروں کو مسجدیں بنا لینے کا حکم ہوا۔ حضرات مجاہد، ابو مالک، ربیع بن انس، ضحاک، عبدالرحمن بن زید بن اسلم اور زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ جب فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے آزمائش شدت اختیار کر گئی اور بنی اسرائیل پر قافیہ حیات تنگ کر دیا گیا تو بنی اسرائیل کو کثرت صلوٰۃ کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ:153) "اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے"۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی سنگین معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز پڑھتے (1)۔ اس لئے اس آیت میں فرمایا: وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً...... یعنی اپنے گھروں کو قبلہ بنالو اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو اجر و ثواب اور فتح و نصرت کی نوید سنا دو۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم فرعونیوں کے سامنے علی الاعلان نماز نہیں پڑھ سکتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں گھروں میں ہی نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر قبلہ رخ بنا لیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو یہ اندیشہ ہوا کہ فرعونی انہیں عبادت گاہوں میں قتل کر دیں گے تو انہیں حکم ہوا کہ وہ کعبہ کی جہت اپنے گھروں کو مساجد بنالیں جہاں وہ چھپ کر نمازیں پڑھتے رہیں۔ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اپنے گھروں کو آمنے سامنے بنالو۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کر لی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا (طریقہ) ہے"۔

جب فرعون اور اس کے زعماء نے قبول حق سے انکار کر دیا اور ظلم، عناد، انکار، سرکشی اور تکبر کے باعث کفر اور گمراہی پر مصر رہے تو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 35

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش وتجمل اور مال و دولت کی فراوانی سے کیا اس لئے نوازا کہ وہ لوگوں کو تیرے رستہ سے برگشتہ کرتے رہیں۔ ''لِیُضِلُّوا''، ''یاء'' کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اے پروردگار! تو نے انہیں یہ نعمتیں بطور استدراج بخشیں حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ میری رسالت پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمایا: لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ (طٰہ:131) ''تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے'' اور ''یاء'' کے ضمہ کے ساتھ بھی اسے پڑھا گیا ہے یعنی تو اپنی نوازشات کے ذریعے جسے چاہتا ہے فتنہ میں ڈال دیتا ہے تا کہ ان انعامات کو دیکھ کر وہ گمراہ شخص یہ گمان کرے کہ ان عطیات سے نوازے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کر دے۔ ضحاک، ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کو منقوش حالت میں ہی پتھر بنا دیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی کھیتیاں پتھروں میں تبدیل ہو گئیں۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکر کو پتھر میں تبدیل کر دیا۔ محمد بن کعب نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے سورۂ یونس کی تلاوت کی۔ جب وہ اس آیت رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ پر پہنچے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: اے ابوحمزہ! طمس کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے تمام اموال پتھر بن گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ میرے پاس تھیلی لاؤ۔ وہ آپ کے پاس تھیلی لایا، اس میں چنے اور انڈے تھے جو پتھر میں بدل چکے تھے۔

وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔۔۔ حضرت ابن عباس اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور یہ ایمان نہ لانے پائیں حتیٰ کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی خاطر غضبناک ہو کر فرعون اور اس کے سرداروں کے لئے بددعا کی تھی جن کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ ان میں کوئی خیر نہیں اور نہ ایمان لانے کی رغبت ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا(نوح:27-26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی''۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا حضرات ابوالعالیہ، ابوصالح، عکرمہ، محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آل فرعون کی بربادی کے لئے کی گئی تمہاری دعا کو شرف قبولیت عطا کیا ہے۔ اس آیت سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کی قرأت فاتحہ پر مقتدی کا صرف آمین کہہ دینا قرأت کے قائم مقام ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا۔۔۔ یعنی جس طرح ہم نے تم دونوں کی دعا کو قبول کیا اس طرح تم بھی میرے حکم پر ڈٹے رہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بتاتے ہیں کہ میرے احکام کا نفاذ کرو یہی استقامت ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ فرعون اس دعا کے بعد چالیس سال زندہ رہا۔ محمد بن کعب اور علی بن حسین کہتے ہیں کہ چالیس دن۔

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ

اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۹۰ آٰلۡــٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝۹۱ فَالۡيَوۡمَ نُـنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ۝۹۲

''اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصد یاس) کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا سو آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تا کہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لئے (عبرت کی) نشانی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کی کیفیت بیان فرمار ہا ہے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں مصر سے نکلے۔ یہ فرعون کی ایمان لانے والی ذریت کو چھوڑ کر چھ لاکھ جنگجو افراد تھے، انہوں نے قبطیوں سے بڑی تعداد میں زیورات عاریۃً لے رکھے تھے جنہیں یہ لے کر نکل گئے، فرعون غصہ سے باؤلا ہو گیا۔ اس نے لشکر جمع کرنے کے لئے مختلف شہروں اور صوبوں میں ہرکارے دوڑا دیئے اور نہایت شان وشوکت کے ساتھ لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلا۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء بھی یہی تھی۔ مملکت مصر میں سے کوئی بھی صاحب ثروت واقتدار اور بااثر شخص فرعون کا ساتھ دینے سے پیچھے نہ رہا۔ چنانچہ علی الصبح انہوں نے بنی اسرائیل کو پا لیا، اس وقت کی کیفیت کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے: فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰٓى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ۝ (الشعراء:61) ''پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لئے گئے''۔ جب بنی اسرائیل ساحل سمندر تک پہنچے اور فرعون ان کا پیچھا کرتے ہوئے قریب پہنچ گیا تو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہو جائے۔ بنی اسرائیل زور دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ اس مشکل سے خلاصی کیونکر ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہاں ہی چلنے اور راہ پیدا کرنے کا حکم ہوا ہے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ (الشعراء:62) ''ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا''۔ معاملہ کی سنگینی اور تنگی آسانی میں بدل گئی اور یاس وقنوطیت کے بادل چھٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا پر اپنا عصا مارنے کو کہا۔ آپ نے اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا، پانی کا ہر ٹکڑا عظیم پہاڑ کی شکل اختیار کر گیا، بارہ رستے بن گئے، ہر خاندان کے لئے ایک ایک رستہ اور اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو حکم دیا کہ وہ دریا کی نمناک زمین کو خشک کر دیں، قرآن کریم کہتا ہے: فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى (طٰہٰ:77) ''راہ میں سمندر حائل ہو' تو عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجئے، نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ)۔ پانی کی دیواروں میں دریچے بن گئے تاکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اطمینان حاصل کر لیں کہ وہ زندہ وسلامت ہیں اور انہیں کوئی گزند نہیں پہنچی۔ بنی اسرائیل تمام کے تمام دریا کو عبور کر گئے۔ جب آخری اسرائیلی دریا سے باہر نکلا تو دوسرے کنارے پر فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت پہنچ چکا تھا، اس لشکر میں دوسرے رنگوں کے علاوہ صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ فرعون نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو خوفزدہ ہو کر پسپا ہونے کا ارادہ

کرلیا، لیکن اب فرار کہاں، واپسی کے رستے مسدود ہو چکے تھے، تقدیر نافذ ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبولیت پا چکی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے۔ جب گھوڑے نے اس گھوڑی کو دیکھا تو ہنہنانے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی کو دریا میں ڈال دیا، فرعون کا گھوڑا بھی دریا میں کود پڑا، فرعون اس پر قابو نہ پا سکا اور بادل نخواستہ دریا میں داخل ہو گیا لیکن اپنے امراء کے سامنے بہادری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہم سے زیادہ دریا میں داخل ہونے کے مستحق نہیں۔ چنانچہ وہ تمام کے تمام دریا میں گھس گئے۔ میکائیل علیہ السلام ان کے لشکر کو ہانک رہے تھے تاکہ کوئی پیچھے باقی نہ رہ جائے۔ جب وہ سب کے سب دریا میں داخل ہو گئے اور اس کے نرغہ میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کی رکی ہوئی موجوں کو مل جانے کا حکم دے دیا۔ اب کوئی فرعونی بچ نہ سکا۔ موجیں انہیں بلند کرتیں اور پھر نیچے پھینک دیتیں۔ موجوں نے جمع ہو کر فرعون کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سکرات موت طاری ہو جانے پر وہ پکار اٹھا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس: 90) "میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ وہ اس وقت ایمان لایا جس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن: 85-84) "پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے"۔ اس لئے فرعون کے اس اعلان ایمان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ یعنی کیا اب تو ایمان لا رہا ہے حالانکہ اس سے قبل تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا اور تو ان فسادی لوگوں میں سے تھا جن کا شیوہ لوگوں کو گمراہ کرنا تھا، فرمایا: وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ (القصص: 41) "اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی"۔ یہ ہے فرعون کا قصہ اور اس کا انجام۔ اس کا تعلق ان غیبی اسرار کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب فرعون نے کہا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ تو جبرئیل مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے دریا سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دیا اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں اسے رحمت خداوندی نہ آ لے" (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ اگر آپ مجھے دیکھتے جب میں نے دریا کی مٹی لے کر فرعون کے منہ میں اس خدشہ کے پیش نظر ٹھونس دی کہ کہیں رحمت خداوندی جوش میں نہ آ جائے" (2)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز سے اعلان کیا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ...... اس وقت جبرئیل علیہ السلام کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے بارے میں غضب پر سبقت نہ لے جائے تو انہوں نے اپنے دونوں پروں کے ساتھ دریا کی مٹی لی اور فرعون کے منہ پر

4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ یونس، جلد 11 صفحہ 271، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 309

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ یونس، جلد 11 صفحہ 272، مسند ابی داؤد طیالسی: 341

دے ماری۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف کہتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت میں شک گزرا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ فرعون کے بلا روح جسد کو اس کی معروف زرہ سمیت ایک ٹیلے پر پھینک دے تاکہ بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ چنانچہ دریا نے اس کے صحیح سالم بلا روح جسم کو ایک ٹیلے پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج ہم تیرے بدن کو محفوظ کرتے ہیں تاکہ تو بنی اسرائیل کے لئے اپنی موت و ہلاکت کی نشانی بن جائے اور اس بات کی دلیل ہو جائے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی چیز اس کے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ فرعونیوں کو عاشورہ کے دن ہلاک کیا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کونسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟'' یہود کہنے لگے کہ اس دن موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون پر غلبہ پایا تھا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''تم ان (یہود) سے زیادہ موسیٰ کے مستحق ہو اس لئے اس دن کا روزہ رکھا کرو''(1)۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۳

''اور ہم نے عطا فرمایا بنی اسرائیل کو بہترین ٹھکانا اور ہم نے انہیں پاکیزہ رزق بخشا۔ پس انہوں نے اختلاف نہ کیا حتی کہ آ گیا ان کے پاس حقیقت کا علم۔ (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روز قیامت جن باتوں میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے دینی اور دنیاوی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا..... بعض نے کہا ہے کہ اس باعزت مسکن سے مراد بیت المقدس کے قریب واقع بلاد مصر و شام ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کر دیا تو سرزمین مصر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت قائم ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (الاعراف: 137) ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الشعراء: 57-59) ''سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا''۔ اور فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الدخان: 25) ''وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے''، لیکن وہ مسلسل بیت المقدس (وطن خلیل علیہ السلام) کا مطالبہ کرتے رہے۔ ان دنوں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکومت تھی۔ بنو اسرائیل کو جب ان کے ساتھ لڑائی کا حکم ہوا تو وہ ہمت ہار بیٹھے اور جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس حکم عدولی کی پاداش میں وہ چالیس

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یونس، جلد 6 صفحہ 91

سال تک دشت تیہ میں بھٹکتے رہے، اس دوران حضرت ہارون اور پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل حضرت یوشع بن نون کے ساتھ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس پر فتح عطا فرمادی۔ بیت المقدس کی فرمانروائی ان کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ کچھ مدت کے لئے بخت نصر نے اس پر قبضہ جمالیا، پھر دوبارہ بنی اسرائیل نے اقتدار لے لیا، پھر شاہان یونان ایک طویل عرصہ تک بیت المقدس پر حکومت کرتے رہے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہود جو یونانیوں کے زیر تسلط تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شاہان یونان سے ساز باز کرنے لگے اور چغلیاں کھاتے ہوئے انہیں کہتے کہ یہ شخص رعایا کو تمہارے خلاف بھڑکا کر اقتدار پر قبضہ جمالے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے کچھ آدمی بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انہیں آپ کے کسی حواری پر آپ کا گمان ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے اس حواری کو پکڑ کر سولی دے دی اور سمجھنے لگے کہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو ہی سولی دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء: 158-157) ''اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا''۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد ایک یونانی بادشاہ قسطنطین نصرانیت کو قبول کرتے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے وہ فلسفی تھا، کہتے ہیں کہ وہ تقیہ اور حیلہ بنا کر دین نصاریٰ میں اس لئے داخل ہوا تھا تا کہ اس میں فساد اور خرابی پیدا کردے۔ چنانچہ عیسائی پادریوں نے اس کے حکم پر نئے قوانین وضع کئے، نئی شریعت ایجاد کی، طرح طرح کی بدعتوں کو رواج دیا، چھوٹے بڑے کنیسے، عبادت گاہیں اور ہیاکل تعمیر کئے۔ اس زمانہ میں دین نصرانیت خوب پھیلا اور اس تغیر و تبدل، وضع و تحریف اور کذب و بہتان سمیت اس کی خوب تشہیر ہوئی جبکہ دین مسیح پر صرف چند راہب کار بند رہے جنہوں نے جنگلوں، بیابانوں اور چٹیل میدانوں میں عبادت گاہیں تعمیر کرلیں۔ نصاریٰ نے شام، جزیرہ اور روم پر اپنی حکومت قائم کرلی اور اس مذکور بادشاہ نے قسطنطنیہ اور قمامہ کے شہر آباد کئے، بیت المقدس میں بیت لحم اور کنائس بنائے اور بُصریٰ جیسے عظیم شہر بسائے، بڑی بڑی پختہ اور پر شکوہ عمارتیں بنوائیں۔ اس وقت سے صلیب پرستی کا آغاز ہوا اور انہوں نے کنیسے تعمیر کئے، خنزیر کا گوشت حلال قرار دے لیا، اس طرح دین کے اصول و فروع میں نئی نئی بدعات گھڑلی گئیں۔ امانت حقیرہ کا اصول وضع کر کے اسے امانت کبیرہ کا نام دے لیا اور کئی دیگر قوانین بادشاہ کے اشارہ پر وضع کر لئے۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک اس پر ان کی حکومت قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوگیا۔ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یعنی ہم نے انہیں ایسا حلال رزق فراہم کیا جو طبعی اور شرعی لحاظ سے نافع ہے۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی مسائل میں ان کا اختلاف اس وقت رونما ہوا جب ان کے پاس علم آگیا اور یہ اختلاف ان کے لئے روا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ ہر چیز بیان کردی تھی اور کسی چیز میں کوئی التباس یا شبہ باقی نہیں رکھا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں سے ایک جنتی ہے اور بہتر دوزخی'' عرض کی گئی: یارسول اللہ! یہ (جنتی) کون ہیں؟ فرمایا: ''اس طریقہ پر کاربند لوگ جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں''(1) اس لئے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ......۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 197-198، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 128-129 وغیرہ

جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

''اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعے) تیری طرف اتارا تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو، ورنہ تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں سے بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ سوال کرتا ہوں۔'' حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے، اس میں امت کے لئے تثبیت اور اس بات کی آگاہی ہے کہ ان کے نبی ﷺ کے اوصاف اہل کتاب کی سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: 157) ''(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''، پھر اس علم کے باوجود کہ وہ اپنے بچوں کی طرح آپ کو جانتے ہیں، حق میں تلبیس پیدا کرتے ہیں، کتاب الٰہی میں تحریف و تبدیل کے مرتکب ہوتے ہیں اور قیام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے، اسی لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ...... الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔ یعنی یہ لوگ اس وقت ایمان نہیں لائیں گے جب ایمان نافع ہوتا ہے بلکہ اس وقت ایمان لانے کا اعلان کریں گے جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے خلاف بددعا کرتے ہوئے کہا تھا: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 88) ''اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تا کہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (الانعام: 111) ''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان سابقہ امتوں میں کوئی امت سب کی سب ایمان لے آتی جن کی طرف ہم نے رسول مبعوث فرمائے اور جس رسول کو بھی مبعوث کیا اس کی تکذیب کی گئی جیسا کہ فرمایا: یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (یٰسین:30) ''صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے''، كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ۚ (الذاریات:52) ''اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ''، وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ (الزخرف:23) ''اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: ''انبیاء مجھ پر پیش کئے گئے، کسی نبی کے ساتھ امتیوں کی بڑی بڑی جماعتیں تھیں، کسی نبی کے ساتھ ایک امتی، کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا''(1)۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا ذکر کیا، پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کی کثرت کا ذکر فرمایا جس نے مشرق و مغرب کو ڈھانپ رکھا تھا۔ غرض یہ کہ قوم یونس کے علاوہ کسی بستی کے لوگ تمام کے تمام ایمان نہیں لائے۔ قوم یونس نینوا کے باشندے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں جس عذاب سے ڈرایا تھا، اس کے آثار دیکھ لینے کے بعد خوفزدہ ہو کر آپ کی قوم ایمان لائی۔ حضرت یونس علیہ السلام اس دوران باہر نکل گئے تھے۔ جب آپ کی قوم کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی، آہ و زاری اور عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہی اور اپنے بچوں اور مال مویشیوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں اس عذاب سے رہائی دلا دے جس سے ان کے نبی نے انہیں ڈرایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور کچھ مدت کے لئے عذاب کو ٹال دیا جیسا کہ فرمایا: اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ۔ مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا دنیاوی عذاب کے ساتھ اخروی عذاب بھی ان سے ٹال دیا گیا یا صرف دنیاوی عذاب؟ اس میں دو اقوال ہیں: 1۔ صرف دنیاوی عذاب ان سے دور کر دیا گیا کیونکہ آیت کریمہ میں صرف اسی کا ذکر ہے۔ 2۔ دنیا و آخرت دونوں کے عذاب کو ان سے دور کر دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ ۚ فَاٰمَنُوۡا فَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ (الصافات:148-147) ''اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''، اس آیت میں ان پر ایمان کا اطلاق ہوا اور ایمان اخروی عذاب سے نجات دلاتا ہے، ظاہر بات یہی ہے۔ ''وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ''۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب کسی بستی والوں نے کفر کیا اور پھر عذاب کے نزول کے وقت ایمان لے آئے تو ان کے اس ایمان نے انہیں کوئی نفع نہ پہنچایا بجز قوم یونس کے۔ جب حضرت یونس علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب عذاب الٰہی انہیں اپنی لپیٹ میں لینے ہی والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ کی رغبت ڈال دی۔ انہوں نے ٹاٹ کا لباس پہنا، اپنے مویشیوں اور ان کے بچوں کو جدا جدا کر دیا اور چالیس دن تک بارگاہ خداوندی میں فریاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلوص نیت، صدق توبہ اور ندامت کو دیکھتے ہوئے اس عذاب کو ٹال دیا جس کے سیاہ بادل ان پر منڈلا رہے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم یونس ارض موصل میں نینوا کے رہنے والی تھی۔(2) حضرت ابن مسعودؓ ''لولا کانت'' کی بجائے ''ھلا کانت'' پڑھتے۔ ابوالجلد کہتے ہیں کہ جب ان پر عذاب نازل ہوا تو وہ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ان

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الاہوال، جلد 4 صفحہ 577-578
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 171

کے سروں پر منڈلانے لگا۔ وہ اپنے ایک عالم کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہمیں ایک دعا سکھا دیں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس عذاب کو ٹال دے۔ اس عالم نے یہ دعا کرنے کی تلقین کی: یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ ، یَا حَیُّ مُحْیِ الْمَوْتٰی، یَا حَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ '' اے ہمیشہ زندہ رہنے والے جب کہ کوئی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، مردوں کو زندہ کرنے والے، ایک ہمیشہ زندہ رہنے والے، بجز تیرے کوئی معبود نہیں''۔ چنانچہ یہ دعا کرنے سے عذاب ٹل گیا۔ سورۂ صافات میں یہ قصہ اپنی تفصیلات کے سمیت ذکر کیا جائے گا، ''ان شاء اللہ''۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

'' اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب۔ کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔ اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ ایمان لا سکے بغیر حکم الٰہی کے۔ اور (سنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو بے سمجھ ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو اس کے اذن سے تمام روئے زمین کے لوگ آپ کی رسالت پر ایمان لے آتے لیکن اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ہود: 119-118) '' اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی رحمت کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپکے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانس (دونوں) سے''، اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا (الرعد: 31) '' کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اس لئے: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: 8) '' پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے''، لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (البقرۃ: 272) '' نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء: 3) '' (اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے''، اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: 56) '' بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں''، فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ (الرعد: 7) '' (تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں''، فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ (الغاشیہ: 22) '' پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں''۔ اور اس طرح کی دیگر متعدد آیات اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اپنے علم، حکمت اور عدل کی بناء پر اپنی مشیت کے مطابق کسی کو گمراہ کرتا ہے یا ہدایت مرحمت فرماتا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ..... یعنی کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ گمراہی کی آلودگی ایسے لوگوں پر ڈال دیتا ہے جو دلائل و براہین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں عادل ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

”فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ پس وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے آپ فرمائیے اچھا انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ (جب وہ عذاب آجائے گا) پھر ہم بچا لیں گے اپنے رسولوں کو اور انہیں جو ایمان لائے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچالیں گے اہل ایمان کو“۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتوں اور عقلمند لوگوں کے لئے زمین وآسمان میں پیدا کی گئی طرح طرح کی نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے جیسے درخشندہ ستارے، سیارے، سورج، چاند، دن، رات اور ان کا یکے بعد دیگرے آنا اور چھوٹا بڑا ہونا، آسمان کی رفعت، حسن و زیبائش اور بارش جس سے بنجر زمین کو زرخیزی عطا کی جاتی ہے اور انواع و اقسام کی کھیتیاں، نباتات، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں، رنگا رنگ کے جانور اور حیوان اور ان سے حاصل شدہ منافع، پہاڑ، میدان، جنگل، آبادیاں، ویرانے، سمندر، اس کے عجائبات اور موجیں۔ اس کے باوجود اس کا مسخر ہونا اور بحری سفر کرنے والوں کے لئے اس کا مطیع ہونا جہاں ان کی کشتیاں اس خالق حقیقی کے حکم سے چلتی ہیں جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی آسمانی اور زمینی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کے رسول اپنے دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ ایسی قوم کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں جس کے دل میں ایمان لانے کا کوئی جذبہ ہی نہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یونس: 54) ”بیشک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے“۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا..... یعنی یہ لوگ ان سابقہ قوموں جیسے حالات کا انتظار کر رہے ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اس تکذیب کی پاداش میں انہیں مبتلائے عذاب کر دیا گیا۔ آپ ان کو فرما دیں کہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو بچا لیتے ہیں، اور مومنین کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) ”لازم کر لیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا“۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے

ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب (لوح محفوظ) لکھی جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''(1)۔

قُلْ يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

''فرمائیے اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں تو (سن لو) میں عبادت نہیں کرتا ان (بتوں) کی جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہل ایمان سے۔ نیز (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اپنا رخ سیدھا کر۔لے اس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے اور نہ عبادت کر اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے۔ اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے بجز اس کے۔ اور اگر ارادہ فرمائے تیرے لئے کسی بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ سرفراز فرماتا ہے اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور وہی بہت مغفرت فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کہہ دیں: اے لوگو! اگر تمہیں میرے لائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین حنیف میں شک ہے تو یاد رکھو میں ان معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو بلکہ میں تو صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں اسی طرح مارے گا جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا تھا، پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ اگر تمہارے یہ معبود حق ہیں تو تم انہیں بلا لو اور ان سے کہو کہ وہ مجھے نقصان پہنچا لیں۔ ان میں تو نفع و نقصان پہنچانے کی استعداد و صلاحیت ہی نہیں نفع و نقصان تو صرف اس وحدہ لاشریک ذات کے ہاتھ میں ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مومنین میں سے ہو جاؤں۔

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم باطل سے اعراض کرتے ہوئے اپنا رخ سیدھے دین کی طرف کر لو اور شرک سے انحراف کرتے ہوئے اسی یکتا ذات کی عبادت کرو، اس لئے فرمایا: وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اس کا عطف وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ پر ہو رہا ہے۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ...... اس میں اس بات کا بیان ہے کہ خیر و شر اور نفع و ضرر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 4 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2107

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمر بھر خیر کے طلب گار رہو اور اپنے رب کے نفحات (جھونکے) کو سامنے رکھو، کیونکہ رحمت الٰہی کی ہواؤں کے ایسے جھونکے ہیں جن سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نواز دیتا ہے اور اس سے التجا کرو کہ وہ تمہاری عیب پوشی کرتا رہے اور آفات سے محفوظ رکھے'' آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یعنی توبہ کرنے اور توکل اختیار کرنے والے کے لئے وہ غفور رحیم ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

''(اے حبیب!) فرمایئے اے لوگو! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لئے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اور (اے حبیب!) آپ پیروی کرتے رہیں جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور (ظلم کفار پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ فیصلہ فرمادے اللہ، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں کو اس بات کی خبر دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام انہیں پہنچا ہے وہ برحق ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ اب جو ہدایت کو قبول کر کے اس کی اتباع کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں اور نہ تمہیں زبردستی مسلمان بنانے کے لئے مجھے نگران مقرر کیا گیا ہے، میری ذمہ داری تو صرف تمہیں ڈرانے کی ہے اور ہدایت دینا مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔

وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ...... یعنی آپ وحی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور مخالفین کی مخالفت پر صبر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ اپنے عدل اور حکمت کے ساتھ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

سورۂ ہود (مکیہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو کس چیز نے بوڑھا بنا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود، واقعہ، عم یتساءلون اور واذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا'' (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور واذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا'' (2)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں (واقعہ، حاقۃ اور واذا الشمس کورت) نے بوڑھا کر دیا (3)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کو کس نے بوڑھا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ ہود اور واقعہ نے'' (4)۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ ﴿١﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ ﴿٢﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿٣﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤﴾

''الف۔ لام۔ را۔ یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنا دی گئی ہیں جس کی آیتیں۔ پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف سے۔ کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ کی۔ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل سے) متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کرے گا تمہیں زندگی کی راحتوں سے اچھی طرح مقرر میعاد تک اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب)۔ اور اگر تم (یونہی) روگرداں رہے تو میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

حروف ہجاء (مقطعات) کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ فرمایا: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ...... یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے محکم ہے اور بلحاظ معنی مفصل ہے۔ گویا یہ کتاب صورۃً اور معنیً درجۂ کمال پر فائز ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے یہی معنی مروی ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم اور نتائج امور سے بخوبی آگاہ ہے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ یعنی یہ محکم و مفصل قرآن اس لئے نازل کیا گیا تا کہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 1 صفحہ 102
2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 12 صفحہ 181
3۔ معجم کبیر، جلد 6 صفحہ 148
4۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 125-126

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔

اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ یعنی مخالفت کی صورت میں میں تمہیں عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اطاعت کی صورت میں ثواب کی نوید سنانے والا ہوں جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کو بلایا پہلے سب سے زیادہ قریبی قبیلہ کو پھر اس سے زیادہ قریب، اس طرح یکے بعد دیگرے سب کو بلایا، جب وہ تمام جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے گروہ قریش! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر صبح صبح تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو بتاؤ تم میری تصدیق کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ آپ نے کسی وقت جھوٹ بولا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو، میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں''(1)۔

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ...... یعنی میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ گزشتہ گناہوں سے استغفار کر لو اور آئندہ گناہوں سے توبہ کر لو اور ہمیشہ اس پر پختہ رہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مقررہ میعاد تک دنیاوی راحت وسکون سے لطف اندوز کرے گا اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو آخرت میں زیادہ اجر وثواب سے نوازے گا جیسا کہ فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً (النحل:97) ''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی''۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جو بھی تم رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا حتیٰ کہ جو کھانا اپنی بیوی کو کھلاتے ہو (اس کا بھی ثواب ملے گا)''(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ جس نے برائی کی اس کی برائی لکھ لی جاتی ہے اور جس نے نیکی کی اس کے لئے دس نیکیاں لکھ لی جاتی ہیں۔ اگر دنیا میں اسے کی گئی برائی کی سزا مل جائے تو دس نیکیاں اس کے لئے باقی رہتی ہیں اور اگر دنیا میں اس کی سزا نہ ملے تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک لے لی جاتی ہے اور باقی نو نیکیاں بچ جاتی ہیں، پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آ گئیں(3)۔

وَ اِنْ تَوَلَّوْا...... اس میں اوامر الٰہی سے روگردانی کرنے والوں اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے شدید دھمکی ہے کہ قیامت کے دن انہیں ضرور اسے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تمہیں بروز قیامت لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اپنے اولیاء کے ساتھ احسان کرنے، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ یہ مقام ترہیب ہے جیسا کہ اس سے پہلے مقام ترغیب گزرا۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

''سنو! وہ دہرا کر رہے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپا لیں اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بغض) سنتے ہو! جس وقت وہ خوب

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ لہب، جلد 8 صفحہ 737، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193-194

2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 136، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1250-1251

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 182

اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے۔ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان تلے بول و براز اور جماع سے احتراز کرتے اس وقت یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یثنون کو تثنونی پڑھتے۔ راوی محمد بن عباد بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے ابوالعباس! ''مَا تَثْنَوْنِیْ صُدُوْرُهُمْ'' کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے کہا کہ ایک آدمی اپنی عورت سے صحبت کرتے وقت شرم محسوس کرتا یا خلوت کرنے میں اسے حیا دامن گیر ہو جاتی تو اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان تلے خلوت کرنے اور اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنے سے شرم محسوس کرتے تو ان کے متعلق یہ آیت اتری (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''یَسْتَغْشُوْنَ'' کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں (1)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ معنی منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک کرتے ہیں اور برے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں (2)۔ مجاہد اور حسن وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے کہ جب وہ کوئی بات کرتے ہیں یا کام کرتے ہیں تو اپنے سینوں کو دوہرا کر لیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اس طرح اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے چھپا لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آگاہ فرما رہا ہے کہ جب وہ رات کی تاریکی میں سوتے وقت اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو وہ پوشیدہ رکھتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں، وہ دلوں کے رازوں، بھیدوں اور نیتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے مشہور معلقہ میں کیا خوب کہا ہے:

فَلَا تَكْتُمُنَّ اللّٰهَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ لِيَخْفٰى وَمَهْمَا يُكْتَمِ اللّٰهُ يَعْلَمِ

يُؤَخَّرْ فَيُوْضَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ لِيَوْمِ حِسَابٍ اَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْقَمِ (3)

(اپنے دلوں کے راز اللہ تعالیٰ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو، جس قدر بھی اللہ تعالیٰ سے چھپایا جائے گا وہ جان لے گا، اسے مؤخر کر دیا جاتا ہے، نامہ اعمال میں درج کر کے یوم حساب تک کے لئے جمع کر لیا جاتا ہے یا جلد اس کا انتقام لے لیا جاتا ہے)۔ زمانہ جاہلیت کے اس شاعر نے بھی صانع کے وجود، جزئیات کے متعلق اس کے علم، معاد، جزاء اور نامہ اعمال لکھے جانے کا اعتراف کیا ہے۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ جب کوئی کافر نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرتا تو اپنا سینہ آپ سے موڑ لیتا اور اپنا سر ڈھانپ لیتا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیکن ''مِنْهُ'' کی ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے: اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَلَآ اِنَّهُمْ تَثْنَوْنِیْ صُدُوْرُهُمْ پڑھا ہے، اس کا معنی بھی تقریباً وہی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ بر و بحر میں چھوٹی بڑی تمام جاندار مخلوق کے رزق کا کفیل ہے اور ان کے ٹھکانے اور

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 91 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 185، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 400 3۔ دیوان زہیر: 18

ودیعت رکھے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ ''مُسْتَقَرّ'' سے مراد زمین میں ان کی قرار گاہ ہے جہاں ان کے سفر کی انتہاء ہوتی ہے اور ''مُسْتَوْدَعْ'' سے مراد وہ گھونسلہ وغیرہ ہے جہاں یہ پناہ لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاں جاندار پناہ لیتے ہیں وہ ان کا ''مُسْتَقَرّ'' ہے اور جہاں مرتے ہیں وہ ''مُسْتَوْدَعْ'' ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''مُسْتَقَرّ'' سے مراد رحم اور ''مُسْتَوْدَعْ'' سے مراد صلب (پیٹھ) ہے(1)۔ ابن ابی حاتم نے یہاں مفسرین کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ (الانعام:38) ''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے''، وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (الانعام:59) ''اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۞ وَ لَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰۤی اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّیَقُوۡلُنَّ مَا یَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمۡ لَیۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۞

''اور وہی (خدا) ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں۔ اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (زمین اور آسمان پیدا کئے) تاکہ آزمائے تمہیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے۔ اور اگر آپ (انہیں) کہیں کہ یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے موت کے بعد تو ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا۔ اور اگر ہم ملتوی کر دیں ان سے عذاب کچھ عرصہ تک تو (ازرہ مذاق) کہیں گے کہ کس چیز نے روک دیا ہے اس عذاب کو۔ وہ کان کھول کر سن لیں جس دن عذاب آ جائے گا ان پر تو نہیں پھیرا جا سکے گا ان سے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے اور یہ کہ اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں کی، اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنو تمیم! بشارت قبول کرو'' وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ نے بشارت دی اب کچھ عطا فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرو''، انہوں نے کہا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام: 98

کہ ہم نے قبول کیا، آپ ہمیں مخلوق کی ابتداء کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا، اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کے متعلق لکھ دیا''۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دوران میرے پاس ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ تمہاری اونٹنی زانوؤں کی رسی کھلوا کر بھاگ گئی ہے، میں اس کے پیچھے نکلا اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے آغاز آفرینش کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے (دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ) کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا، اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھ دیا پھر زمین وآسمان کی تخلیق کی''(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا''(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خرچ کرو، میں تمہیں زیادہ دوں گا'' اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن اور رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا'' اور فرمایا: ''کیا تم نے غور کیا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے لیکر اس نے کتنا خرچ کیا لیکن جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ اس میں کمی نہیں لاسکا، اس کا عرش پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں میزان ہے جسے وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے''(4)۔ حضرت ابورزین لقیط بن عامر بن منتفق عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عماء (بادل) میں، اس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا، پھر اس کے بعد اس نے عرش کو پیدا کیا''(5)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ وہب بن منبہ، ضمرہ، قتادہ اور ابن جریر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ اس فرمان وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے کس طرح اس نے آفرینش کا آغاز کیا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ عرش کے نیچے رکھا یہی بحر مسجور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بلندی کی وجہ سے عرش کو عرش کہا جاتا ہے۔ سعد طائی کہتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ محمد بن اسحاق اس فرمان هُوَ الَّذِیْ ... عَلَى الْمَآءِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے متعلق بیان کیا ہے، پانی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، اس پر عرش تھا اور عرش پر جلال واکرام، عزت وسلطان، ملک وقدرت، حلم وعلم اور رحمت ونعمت کا مالک خداوند رحمٰن جلوہ فرما تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہوا کے دوش پر۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق اپنے ان بندوں کے فائدے کے لئے کی ہے جن کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عبث اور فضول پیدا نہیں کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 431-432
2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 128
3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 92
5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ہود، جلد 10 صفحہ 272-273، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 11

ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) ہے''۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المومنون:115) ''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے''، فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون:116) ''پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا''، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56) ''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں اَيُّكُمْ اَكْثَرُ عَمَلًا ''تم میں سے کس کا عمل زیادہ ہے'' نہیں بلکہ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ''تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے'' فرمایا ہے اور کوئی بھی عمل اس وقت تک ''حسن'' (اچھا) نہیں ہو سکتا جب تک وہ شریعت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو۔ کوئی بھی عمل جب ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک کو بھی مفقود پائے گا تو وہ رائیگاں اور باطل جائے گا۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! اگر آپ ان مشرکین کو آگاہ کریں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد عنقریب انہیں اسی طرح دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا جس طرح اس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا تو باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے''، وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت:61) ''اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے''، پھر بھی وہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے جانے کا انکار کر دیں گے حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت آسان ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''، مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کفر وعناد کے باعث یا سے جادو کہتے ہیں اور اس کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم ان مشرکین سے ایک خاص مدت تک عذاب اور مواخذہ مؤخر کر دیں اور ایک مقررہ میعاد تک انہیں مہلت دے دیں تو بھی یہ جھٹلاتے ہوئے اور جلدی مچاتے ہوئے کہیں گے کہ کس چیز نے ہم سے عذاب کو روک رکھا ہے کیونکہ ان کی فطرتیں تکذیب وشک کی عادی ہو چکی ہیں، اب اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

''اُمَّةٌ'' کا لفظ قرآن وحدیث میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے، اس سے مراد مدت بھی لی جاتی ہے جیسا کہ مذکورہ آیت اور اس آیت میں: وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (یوسف:45) ''اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف کی یاد آئی ایک عرصہ بعد''، امام ومقتدی کے معنی میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل:120) ''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے''۔ ملت ودین کے معنی میں بھی جیسا کہ مشرکین کہتے: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى

اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف:22) ''کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ جماعت کے معنی میں بھی جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص:23) ''اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے''، وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''، وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (یونس:47) ''اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے پس جب آیا ان کا رسول (اور انہوں نے اس کو جھٹلایا) تو فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا''، یہاں امت سے مراد مومن و کافر سب لوگ ہیں جن کی طرف رسول مبعوث کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے جس یہودی اور نصرانی نے میرے بارے میں سنا پھر مجھ پر ایمان نہ لایا وہ آگ میں داخل ہوگا'' (1)۔ تابعدار امت وہ ہے جو رسولوں کی تصدیق کرے جیسا کہ فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) ''ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے''، حدیث صحیح میں آتا ہے: ''میں کہوں گا: میری امت، میری امت'' (2)۔ اور امت کا لفظ فرقہ اور طائفہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف:159) ''اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے''، مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ (آل عمران:113) ''اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے''۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿9﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿10﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿11﴾

''اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا ہے مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے) وہی ہیں جن کے لئے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے''۔

سوائے اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کے تمام لوگوں میں پائی جانے والی صفات مذمومہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جب انسان کو نعمت کے بعد شدت سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ مستقبل کی ہر نعمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمتوں کا انکار کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر تکلیف کے بعد اسے نعمت سے نوازا جائے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میری ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔ اس کے بعد اب مجھے نہ سختی کا سامنا کرنا ہوگا اور نہ کسی دوسری تکلیف کا۔ پھر وہ اس نعمت پر خوش ہوتے ہوئے اترانے لگ جاتا ہے لیکن وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو تکالیف اور شدائد پر صبر کرتے ہیں اور خوشحالی، فارغ البالی اور عافیت کے وقت اچھے اعمال کرتے ہیں ان کے لئے تکلیف کے عوض مغفرت اور نیک اعمال کے بدلہ میں اجر کبیر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے'' مومن کو جو بھی غم، روگ، تکلیف،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 134
2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 473، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 183

دکھ اور مرض لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے(1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے'' ، ''مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ باعث خیر و برکت ہے: اگر اسے خوشی میسر آئے اور وہ اس پر شکر بجالائے تو یہ اس کے لئے موجب خیر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے، مومن کے سوا یہ کسی اور کی خصوصیت نہیں''(2)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: 3-1) ''قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (المعارج: 19) ''بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے''۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

''پس کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور تنگ ہو جائے اس کے ساتھ آپ کا سینہ (اس اندیشہ سے) کہ کافر یہ کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے۔ آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔ پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمہاری دعوت تو پھر جان لو کہ یہ قرآن محض علم الٰہی سے اتارا گیا ہے اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مشرکین کی ہرزہ سرائیوں اور دل آزاریوں پر تسلی دے رہا ہے، وہ آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے کہتے: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (الفرقان: 8-7) ''اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔ یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلقین فرما رہا ہے کہ مشرکین کی اس ہرزہ سرائی پر آپ رنجیدہ اور دل گرفتہ نہ ہوں اور نہ ہی ان کی یہ بے رخی آپ کو پیغام حق سے باز رکھے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ

1۔ فتح الباری، کتاب المرضیٰ، جلد 10 صفحہ 103، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1993-1992 2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، جلد 4 صفحہ 2295

نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (الحجر:97) "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں"۔ اور یہاں فرمایا: فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ...... یعنی کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ ان مشرکین کے کہنے پر کچھ وحی سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ تو نذیر ہیں۔ سابقہ انبیاء ورسل کا اسوہ آپ کے سامنے موجود ہے، انہیں بھی جھٹلایا گیا اور ایذاء دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ نصرت الٰہی نے ان کی دستگیری فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اعجاز قرآن کو بیان فرما رہا ہے کہ کسی فرد بشر میں اس قدر اہلیت اور صلاحیت نہیں کہ وہ اس جیسا قرآن یا اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی لا سکے کیونکہ کلام الٰہی کلام مخلوق کے مشابہ نہیں جس طرح اس کی صفات مخلوق کی صفات کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتیں، اسی طرح اس کی ذات کے مشابہ بھی کوئی چیز نہیں، وہ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ پھر فرمایا: فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ ...... اگر وہ اس جیسا قرآن لانے کی تمہاری دعوت کو قبول نہ کریں تو تم جان لو کہ وہ اس سے عاجز ہیں۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اس میں علم، اوامر اور نواہی ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"جو طلب گار ہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب وزینت تو ہم پورا بدلہ دیں گے انہیں ان کے اعمال کا اس زندگی میں اور انہیں اس میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں نہیں ہے جن کے لئے آخرت میں مگر آگ۔ اور اکارت گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا اور (درحقیقت) مٹ جانے والا تھا جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ریاکاروں کو دنیا میں ہی ان کی نیکیوں کا بدلہ دے دیا جاتا ہے اور ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جاتا۔ جو شخص دنیا طلبی کی خاطر نماز، روزہ اور تہجد جیسے نیک اعمال کرتا ہے تو اس کے اعمال اکارت جاتے ہیں اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھاتا ہے۔ مجاہد اور ضحاک وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ حضرت انس بن مالک اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا نزول ریاکاروں کے حق میں ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا طلبی کی نیت سے نیک اعمال کرتا ہے تو اللہ اسے دنیا میں ہی اس کی نیکیوں کا بدلہ دے دیتا ہے، پھر آخرت میں اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے اجر دیا جائے۔ مومن کو دنیا میں بھی اس کی نیکیوں کا بدلہ دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اجر وثواب سے نوازا جائے گا(1)۔ اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل:21-18) "جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلب گار ہوتا ہے آخرت کا اور جد وجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 12

کوشش مقبول ہوگی۔ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا، ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل وکرم سب سے اعلیٰ ہے''۔ اور فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ:20) ''جو طلب گار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل وکرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے۔ اور جو شخص خواہش مند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ''۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''تو کیا وہ شخص (انکار کرسکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آ گیا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آچکی ہو جو امام اور سراپا رحمت ہے؟ (قطعاً نہیں بلکہ) یہ لوگ تو ایمان لائیں گے اس پر، اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ پس (اے سننے والے!) نہ پڑ جا شک میں اس کے متعلق۔ بلاشبہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے''۔

اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان کی حالت بیان فرما رہا ہے جو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا یعنی اعتراف توحید جیسا کہ فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:30) ''پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور صحیح سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم کوئی کان کٹا بچہ پاتے ہو؟''(1)۔ حدیث قدسی میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، لیکن شیطان ان کے پاس آ کر انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، میری حلال کردہ چیزوں کو وہ ان پر حرام قرار دے دیتے ہیں اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنانے کا انہیں حکم دیتے ہیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری''(2)۔ مسند اور سنن میں حدیث ہے: ''ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی زبان کے ذریعے اظہار کلام کرنے لگے''(3)۔ مومن اپنی اس فطرت پر باقی رہتا ہے۔

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ، ''شَاهِدٌ'' سے مراد وہ پاکیزہ، مکمل اور معظم شریعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عطا کیں اور جن کا اختتام حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر ہوا، اس لئے حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابوالعالیہ، ضحاک، ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ ''شَاهِدٌ'' سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ حضرات علی، حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''شَاهِدٌ'' حضرت محمد ﷺ ہیں، یہ دونوں قریب المعنی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف:30 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 30-102 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 353

ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبرئیل علیہ السلام دونوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں، جبرئیل آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ اپنی امت کی طرف۔ بعض نے کہا ہے کہ ''شَاهِدٌ'' سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے جس کا کوئی قائل ثابت ہی نہیں۔ پہلے دونوں اقوال برحق ہیں۔ کیونکہ مومن کو ایسی فطرت حاصل ہوتی ہے جو اجمالی طور پر شریعت کی گواہی دیتی ہے اور باقی تفصیلات شریعت سے مل جاتی ہیں فطرت جن کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر ایمان لاتی ہے، اس لئے فرمایا: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ اس سے مراد قرآن ہے جسے جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے اسے اپنی امت تک۔ پھر فرمایا: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً یعنی قرآن کریم سے قبل اللہ تعالیٰ نے کتاب موسیٰ (تورات) نازل کی جو امام وقدوہ ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہے، جو شخص کماحقہ اس پر ایمان لایا وہ لازماً قرآن کریم پر بھی ایمان لائے گا، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ پھر تکذیب قرآن کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی ساری روئے زمین کے مشرک، کافر اور اہل کتاب خواہ وہ کسی رنگ، شکل یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، جو بھی قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ''تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''، قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) ''آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کا کوئی بھی یہودی یا نصرانی میرے پیغام کو سنتا ہے پھر مجھ پر ایمان نہیں لاتا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا'' (1)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں جو بھی حدیث سنتا اس کا مصداق یا تصدیق قرآن کریم میں پالیتا۔ جب میں نے یہ (مندرجہ بالا) حدیث سنی تو سوچنے لگا کہ کتاب اللہ میں اس کا مصداق کہاں ہے؟ چنانچہ تلاش کے بعد اس حدیث کی تصدیق اس آیت سے ملی: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ ''الْاَحْزَابِ'' سے مراد تمام ملتوں والے ہیں۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ　یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ فرمایا: ''الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (السجدۃ: 1)'' الف۔ لام۔ میم۔ اس کتاب کا نزول، اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے''، الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ (البقرۃ: 2-1) ''الف لام میم یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں''۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ　اس فرمان کی طرح مندرجہ ذیل آیت بھی ہیں: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ خواہ آپ کتنا ہی چاہیں ایمان لانے والے''، وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام: 116) ''اور (اے سننے والے!) اگر تو طاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''، وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سبا: 20) ''اور بیشک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ثابت رہا)''۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 34 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿﴾

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ یہ لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے اور کہیں گے گواہ یہی وہ (گستاخ) ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ خبردار! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور چاہتے ہیں کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں تھے زمین میں اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار تھا دوگنا کر دیا جائے گا ان کے لئے عذاب نہ وہ (آوازحق) سن سکتے تھے اور نہ وہ (نورحق) دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ (بدقسمت) ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ تراشا کرتے تھے۔ یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے''۔

دار آخرت میں ملائکہ، انبیاء و رسل اور تمام جن وانس کے سامنے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے والوں کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے جیسا کہ حضرت صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے قیامت کے روز سرگوشی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کیا سن رکھا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا، اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر لوگوں سے چھپا لے گا اور گناہوں کا اقرار کروائے گا اور فرمائے گا کہ کیا تمہیں فلاں گناہ یاد ہے؟ فلاں گناہ اور فلاں؟ حتیٰ کہ جب وہ اس سے تمام گناہوں کا اقرار کروالے گا اور وہ مومن اپنے بارے میں یہ یقین کر لے گا کہ بس اب وہ ہلاک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی اور لو آج بھی میں تمہاری مغفرت کرتا ہوں''۔ پھر اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال اسے عطا کیا جائے گا۔ کفار اور منافقین کے بارے میں گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولتے تھے، ان ظالموں پر خدا کی لعنت (1)۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی وہ جو لوگوں کو اتباع حق اور راہ ہدایت سے روکتے ہیں، انہیں جنت سے دور کر دیتے ہیں اور ٹیڑھے اور غیر معتدل رستہ کی تلاش میں رہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں اور اس کے وجود اور وقوع کی تکذیب کرتے ہیں، یہ لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کے قبضہ، قدرت، غلبہ اور اقتدار کے تحت ہیں اور وہ دار آخرت سے پہلے دار دنیا میں ہی ان سے انتقام لینے پر قادر ہے، فرمایا: اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم: 42) ''وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2120

جا ئیں گی آنکھیں''۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑ لے تو پھر نہیں چھوڑتا'' (1)۔ اس لئے فرمایا: یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ...... ان کے لئے عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے لیکن ان اعضاء نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ سماع حق سے یہ بہرے بنے رہے اور نور حق کو دیکھنے سے اندھے بنے رہے جیسا کہ آگ میں داخل ہوتے وقت وہ کہیں گے: وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: 10) ''وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے''، اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل: 88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر''، اس لئے ہر امر کے ترک پر اور ہر نہی کے ارتکاب پر انہیں عذاب دیا جائے گا، اس لئے صحیح ترین قول یہی ہے کہ کفار و مشرکین بلحاظ آخرت فروع شرع (اوامر و نواہی) کے مکلّف ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا...... یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خسارہ میں ڈال لیا کیونکہ دہکتی ہوئی آگ میں انہیں عذاب دیا جائے گی۔ وہ آگ کبھی بھی فرو نہیں ہوگی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی بھسم نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (بنی اسرائیل: 97) ''جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے''، اللہ تعالیٰ کے سوا جن انداد و اصنام کی یہ پرستش کرتے رہے، قیامت کے دن وہ تمام ان سے منہ موڑ کر گم ہو جائیں گے اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ الٹا نقصان پہنچائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف: 6) ''اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82-81) ''اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت: 25) ''کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (مریم: 82-81) ''جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات''، اور اس طرح کی دیگر آیات بھی ان کے خسارہ اور تباہی پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے فرمایا: لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کی حالت کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ آخرت میں یہ لوگ سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے کیونکہ انہوں نے (جنت کے) درجات کے بدلہ میں (جہنم کے) درکات کو پسند کر لیا ہے۔ نعیم جنت کے عوض آتش جہنم قبول کر لی، سربمہر عمدہ شراب کی بجائے جھلسا دینے والی ہوا اور گرم کھولتا ہوا پانی، حوروں کے بجائے پیپ، بلند محلات کی بجائے دوزخ کی گھاٹی اور قرب و دیدار رحمٰن کے بجائے اس کا غضب و عقوبت پسند کر لیا، اس لئے بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ۭ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

''بے شک جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے پروردگار کی طرف یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں کا حال۔ کیا تم (اس مثال میں) غور و فکر نہیں کرتے''۔

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ ان کے دل ایمان لائے اور ان کے اعضاء بذریعہ قول و فعل اعمال صالحہ کرتے رہے اور اعمال سیہ سے احتراز کرتے رہے۔ اس بناء پر وہ اس جنت کے وارث بن گئے جس میں بالا خانے، قرینے سے رکھے ہوئے پلنگ، جھکے ہوئے پھلوں کے خوشے، عالیشان بستر، خوبرو صالح بیویاں، انواع واقسام کے پھل، لذیذ کھانے، عمدہ مشروبات اور سب سے بڑھ کر دیدار الٰہی کی نعمت، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی، نہ بڑھاپا، نہ مرض، نہ نیند، نہ تھوک اور نہ رینٹ بلکہ کستوری جیسا خوشبودار پسینہ آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ...... بدبخت لوگ اندھے اور بہرے شخص کی طرح ہیں جبکہ سعادت مند لوگ ایک دیکھنے اور سننے والے شخص کی طرح ہیں۔ کافر دنیا میں نورِ حق دیکھنے سے اندھا ہے اور آخرت میں بھی بھلائی کا چہرہ نہیں دیکھ سکے گا، اسی طرح وہ دلائل و براہین سننے سے بہرہ ہے اور نفع بخش چیزوں کو سننے سے قاصر ہے، فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (الانفال: 23) ''اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا''، جبکہ مومن ذہین، فطین، عقلمند اور صاحب بصیرت ہوتا ہے، وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کر کے حق کی اتباع کرتا ہے اور شر کو ترک کر دیتا ہے۔ حجت کو غور سے سننے کے بعد حجت اور شبہ کے درمیان تفریق کر لیتا ہے، اس لئے باطل اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا تو کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، عبرت نہیں پکڑتے اور دونوں گروہوں کے درمیان فرق محسوس نہیں کرتے جیسا کہ دوسری آیات میں فرمایا: لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (الحشر: 20) ''یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں''، وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر: 24-19) ''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا

نہ ہونے پر راضی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

"اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔ (انہوں نے کہا اے قوم) میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آجائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمہیں مگر انسان اپنے جیسا اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت ہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں"۔

حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرکین کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنِّیْ لَكُمْ .... یَوْمٍ اَلِیْمٍ یعنی اگر تم نے غیر اللہ کی عبادت کی تو میں تمہیں عذاب الٰہی سے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ میری دعوت یہی ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اگر تم کفر پر ڈٹے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار کردے گا۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا .... "اَلْمَلَاُ" سے مراد ان کفار کے سردار اور زعماء ہیں وہ حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم ہماری طرح بشر ہو، فرشتے نہیں، جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ کر تمہاری طرف کیسے وحی نازل کردی؟ پھر یہ کہ گھٹیا اور معمولی قسم کے لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اشرافیہ اور رؤساء میں سے کوئی بھی آپ کی فرمانبرداری کرنے کے لئے تیار نہیں، مزید برآں یہ لوگ غور و فکر اور سوچ بچار کے باعث ایمان نہیں لائے بلکہ جونہی آپ نے انہیں دعوت دی یہ بغیر کسی تامل اور غور و فکر کے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ کی اطاعت کرنے لگے، اسی لئے انہوں نے کہا: وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ .... وہ کہتے کہ اس نئے دین میں داخل ہونے کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو گئی ہو، سیرت و صورت میں تمہیں ہم پر برتری حاصل ہو گئی ہو اور تمہاری معاشی حالت ہم سے زیادہ سدھر گئی ہو بلکہ جس نیکی، صلاح، عبادت اور سعادت آخرت کے حصول کا تم دعویٰ کر رہے ہو اس میں ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا اعتراض حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں پر۔ یہ اعتراض ان کی جہالت، کم علمی اور کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ متبعین حق کا معمولی اور گھٹیا ہونا حق کے لئے باعث عار نہیں ہے۔ حق حق ہی ہے خواہ اس کی اتباع کرنے والے بڑے لوگ ہوں یا کمتر، بلکہ حق بات یہ ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ حق کے پیروکار شریف لوگ ہی ہوتے ہیں اگرچہ وہ فقراء ہوں اور حق کا انکار کرنے والے رذیل اور گھٹیا لوگ ہوتے ہیں اگرچہ وہ مالدار اور خوشحال ہوں۔ عموماً ہوتا یہی ہے کہ حق کی اتباع کرنے والے کمزور لوگ ہوتے ہیں اور زعماء و اشراف حق کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ

فرمایا: وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف:23) ''اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پسندوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے نبی کریم ﷺ کی صفات کے متعلق دریافت کیا تھا تو اس نے ایک سوال یہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے اثر ونفوذ والے لوگ ہیں یا کمزور؟ ابوسفیان نے کہا تھا کہ کمزور لوگ، تو ہرقل نے کہا کہ یہی لوگ رسولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اہل ایمان کے متعلق ''بَادِیَ الرَّاْیِ'' کہنا یعنی بلا تامل ایمان لانے والے ظاہر بین لوگ، مذمت و عیب کا باعث نہیں کیونکہ حق جب واضح ہو جائے تو اس کی قبولیت میں رائے اور فکر کی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ فوری طور پر بلا سوچے سمجھے اس کی اتباع ضروری ہو جایا کرتی ہے۔ عقلمند کا یہی شیوہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد وہ تردد و تامل کا شکار نہیں ہوتا۔ تردد اور شک میں صرف جاہل اور غبی شخص ہی مبتلا ہوتا ہے۔ تمام پیغمبر واضح اور جلی دلائل لیکر تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی اس نے تعجب کا اظہار کیا سوائے ابوبکر کے کہ انہوں نے تردد کا مظاہرہ نہیں کیا'' اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حق کو واضح اور جلی شکل میں ملاحظہ کر چکے تھے اس لئے فوراً اسے قبول کر لیا۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ چونکہ ان کی آنکھیں نور حق دیکھنے سے اندھی تھیں اس لئے ان کی رائے میں اہل ایمان کو ان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ آواز حق کو سننے اور نور حق کو دیکھنے سے قاصر تھے بلکہ شکوک وشبہات اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ دراصل یہی لوگ افترا پرداز، جھوٹے اور رذیل ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

''آپ نے فرمایا اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے خاص رحمت اپنی جناب سے پھر پوشیدہ کر دی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت درآنحالیکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی کافر قوم کے رد میں کہتے ہیں کہ اے میری قوم! اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل، یقین محکم، امر جلی اور نبوت صادقہ کی شکل میں رحمت عظیمہ حاصل ہو جبکہ تم پر یہ نعمت دین مخفی رہی، نہ تم اس کی طرف راہ پا سکے اور نہ تم نے اس کی قدر کی بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے تو کیا ہم اسے تمہارے ناپسند کرنے کے باوجود تم پر جبراً مسلط کر دیں گے۔

وَ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور اے میری قوم! میں طلب نہیں کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال۔ نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالی کے ذمہ اور میں (تمہیں

خوش کرنے کے لئے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے۔ اور اے میری قوم! کون مدد کر سکتا ہے میری اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر میں نکال دوں اہل ایمان کو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں دعوت و تبلیغ اور اظہار خیر خواہی کا معاوضہ تم سے طلب نہیں کرتا بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا خواستگار ہوں۔ شاید ان کفار کو یہ گوارا نہ تھا کہ معمولی قسم کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بیٹھیں، اس لئے انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا ہوگا کہ ہماری نفاست اور جاہ و حشمت کا تقاضا ہے کہ آپ ان لوگوں کو دھکے مار کر اپنے پاس سے نکال باہر کریں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس طرح کا مطالبہ کفار قریش نے بھی حضور ﷺ سے کیا تھا کہ پہلے آپ معمولی قسم کے لوگوں کو اپنی محفل سے نکال دیں پھر ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سنیں گے، اس پر یہ آیت اتری: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (الانعام: 52) ''اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام''، اور فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام: 53) ''اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تا کہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار (بندوں کو)''۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

''اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں کہ ہرگز نہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بتا رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میرے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ میں اس وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دوں، اس پر میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، ہر چھوٹے بڑے اور عظیم حقیر کے لئے میری دعوت عام ہے۔ جس نے میری دعوت کو قبول کیا وہ نجات پا گیا۔ آپ علیہ السلام انہیں اس بات سے بھی آگاہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں از خود تصرف کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگاہ کئے بغیر نہ ہی مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں بلکہ میں انسان ہوں جسے منصب رسالت پر فائز کر کے معجزات عطا کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں ان کے اعمال حسنہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی حقیقت سے بخوبی واقف ہے۔ اگر وہ ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو انہیں اچھی جزاء ملے گی۔ اگر ان کے ایمان لانے کے بعد بھی کوئی ان کے متعلق بری بات کہتا ہے تو وہ ظالم اور جہالت پر مبنی بات کہنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ

''وہ (برافروختہ ہوکر) بولے اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا۔ (اس مباحثہ کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے، وہ پروردگار ہے تمہارا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

قوم نوح نے جلد بازی میں عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ کر دیا، کہنے لگے: اے نوح (علیہ السلام) تم نے ہمارے ساتھ بہت جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دے دیا، ہم کسی صورت میں بھی تمہاری پیروی نہیں کریں گے، اس لئے اگر تو سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ عذاب لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، جب اس کی مرضی ہوگی وہ عذاب لے آئے گا اور اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکے گی۔ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہے تو میری تبلیغ، انذار اور خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی، وہی تمہارا پروردگار ہے اور اس کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے، تمام امور کا مالک، متصرف، حاکم اور عادل وہی ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہر چیز کو پیدا کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور ہر حکم کا مالک وہی ہے۔ وہی ہر چیز کا آغاز کرنے والا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے گا، دنیا و آخرت کا مالک بھی وہی ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے اگر میں نے خود گھڑا اسے تو مجھ پر ہوگا وبال میرے جرم کا اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے جو تم کرتے ہو''۔

اس قصہ کے وسط میں یہ جملہ معترضہ ہے، اس کا مقصد اس قصہ کی تاکید اور تثبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ کفار اور منکرین آپ پر از خود قرآن کریم کے گھڑ لینے کا الزام عائد کر رہے ہیں تو آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر میں نے خود اسے گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال مجھ پر ہے اور میں تمہارے جرائم سے بری الذمہ ہوں یعنی میں جو قرآن پیش کر رہا ہوں یہ میرا خود ساختہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کی سزا سے میں بخوبی واقف ہوں۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ۚ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾

''اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے بجز ان کے جو ایمان لا چکے، اس لئے آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور بنایئے ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔ اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ تو تم جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے اور (کون ہے) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا''۔

قوم نوح نے عذاب کے لئے جلد بازی کی تو حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا''، فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر:10) ''آخرکار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا: اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ اس لئے آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ ہی ان کا انجام آپ کو رنجیدہ خاطر کرے۔ پھر کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا یعنی ہمارے سامنے اور ہماری تعلیم کے مطابق کشتی بنائیں اور ظالموں کے متعلق ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرنا کیونکہ انہیں غرق کیا جانے والا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو لکڑیاں لانے، کاٹنے اور خشک کرنے کا حکم دیا، اس میں سو سال لگے، پھر لکڑیاں چیر کر کشتی تیار کرنے میں مزید ایک سو سال صرف ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ چالیس سال لگے۔ محمد بن اسحاق تورات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ساگوان کی لکڑی سے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ اس کا طول اسی ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ تھا، اندر باہر سے اسے تارکول کے ساتھ روغن کیا گیا تھا اور پانی کاٹ کر رستہ بنانے کے لئے اس کا اگلا تنگ حصہ بھی بنایا گیا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ تھا۔ حسن کہتے ہیں کہ طول چھ سو ہاتھ اور عرض تین سو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو۔ بعض نے طول دو ہزار اور عرض ایک سو ہاتھ بتلایا ہے، ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''۔ تمام کہتے ہیں کہ اس کشتی کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ تھی۔ تین درجے تھے، ہر درجہ کی بلندی دس ہاتھ تھی۔ سب سے نچلے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے، درمیانے درجے میں انسان اور سب سے بالائی درجے میں پرندے۔ اس کا دروازہ عرض میں تھا۔ اوپر سے کشتی بالکل بند تھی۔ امام ابوجعفر بن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک غریب اثر نقل کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی کہ آپ کسی ایسے مردے کو زندہ کریں جس نے کشتی نوح دیکھ رکھی ہو اور وہ ہمیں اس کشتی کی بابت تفصیلات سے آگاہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں لیکر ایک ٹیلے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے مٹھی بھر مٹی لیکر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ حواری کہنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ یہ حام بن نوح کا ٹخنہ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا عصا اس ٹیلے پر مار کر فرمایا: ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (اللہ کے حکم سے اٹھو) تو اچانک وہ (حام) اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بوڑھا دکھائی دیتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم اسی حالت میں مرے تھے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، مرا تو میں جوانی کی حالت میں ہی تھا لیکن اب مجھے یہ گمان ہوا کہ قیامت قائم ہو

چکی ہے، اس دہشت کے باعث میں بوڑھا ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ سفینۂ نوح کے متعلق ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا اس کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ اس کے تین درجے تھے، ایک میں چوپائے اور جنگلی جانور، دوسرے میں انسان اور تیسرے میں پرندے۔ جب جانوروں کا گوبر زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ نے دم ہلائی تو اس میں سے نر اور مادہ خنزیر نکل آئے اور دونوں گوبر پر پل پڑے۔ جب چوہے کشتی کو درمیان سے کترنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ شیر کی پیشانی پر ضرب لگاؤ۔ چنانچہ آپ کے ضرب لگانے سے شیر کے نتھنوں سے نر و مادہ بلی کا جوڑا برآمد ہوا اور چوہوں پر لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حام سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہوا؟ اس نے جواب دیا۔ انہوں نے اس غرض کے لئے کوے کو روانہ کیا لیکن وہ مردار کھانے میں لگ گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی، یہی وجہ ہے کہ وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو روانہ کیا۔ وہ اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لیکر آیا جس سے معلوم ہو گیا کہ شہر غرق ہو چکے ہیں آپ علیہ السلام نے اس کی گردن میں خضرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے انس و امان کی دعا کی، اس لئے یہ گھروں سے مانوس ہے۔ حواریوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اسے اپنے ساتھ نہ لے چلیں تاکہ یہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر اور باتیں سنائے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص تمہارے ساتھ کیسے جا سکتا ہے جس کا رزق ہی نہ ہو؟ فرمایا: اللہ کے حکم سے اپنی پہلی حالت پر لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مٹی میں تبدیل ہو گیا(1)۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ　آپ کشتی بنانے لگے۔ جب بھی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کی غرق کرنے کی دھمکی کی تکذیب کرتے لیکن آپ فرماتے: قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا　اس میں شدید وعید اور دھمکی ہے۔ آخر میں فرمایا: فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ...۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

"یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا تنور تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کرا لو کشتی میں ہر جنس سے نر و مادہ دو دو اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کرا لو) جو ایمان لا چکے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ مگر تھوڑے لوگ"۔

وعدۂ خداوندی کے مطابق آسمان سے نہ تھمنے والی، لگاتار اور موسلا دھار بارش برسنے لگی، بلکہ اس کی کیفیت یوں تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (القمر: 12-11) "پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔ وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔ (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی کا) جس کا انکار کیا گیا تھا"۔

تنور　سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سطح زمین ہے یعنی تمام روئے زمین نے بہتے ہوئے چشموں کی شکل اختیار

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 36-35

کر لی یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور سے بھی پانی ابلنے لگا۔ جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''تَنُّوْرُ'' کا معنی صبح کا پھوٹنا اور فجر کا روشن ہونا منقول ہے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں کہ یہ تنور کوفہ میں تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں ایک چشمہ ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جزیرہ میں ایک چشمہ ہے جسے عین الوردۃ کہا جاتا ہے لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ساتھ جاندار مخلوق کی ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ سوار کرنے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ جاندار مخلوقات کے علاوہ نباتات میں سے بھی۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے پرندوں میں سے طوطا کشتی میں داخل کیا گیا اور حیوانات میں سے سب سے آخر میں گدھا آیا۔ جب یہ سوار ہونے لگے تو ابلیس اس کی دم کے ساتھ لٹک گیا اور اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا، اس بوجھ کے باعث گدھے کے لئے اٹھنا مشکل ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام گدھے سے کہنے لگے، تیرا ناس ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کشتی میں داخل ہو جاؤ لیکن پھر بھی وہ اٹھنے سے قاصر رہا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: داخل ہو جاؤ اگرچہ ابلیس تمہارے ساتھ ہو، چنانچہ وہ دونوں کشتی میں داخل ہو گئے۔ بعض سلف نے ذکر کیا ہے کہ وہ شیر کو اپنے ساتھ کشتی میں سوار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اسے بخار میں مبتلا کر کے عاجز بنا دیا گیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جب نوح نے کشتی میں ہر جنس کا ایک جوڑا (نر اور مادہ) سوار کر لیا تو آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ شیر کی موجودگی میں باقی مویشی کس طرح اطمینان سے رہیں گے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بخار مسلط کر دیا۔ زمین پر آنے والا یہ پہلا بخار تھا۔ پھر لوگوں نے چوہوں کی شکایت کی کہ یہ ہمارا کھانا اور مال ومتاع خراب کر رہے ہیں تو بحکم خدا شیر کی چھینک سے ایک بلی برآمد ہوئی جس کے خوف سے تمام چوہے چھپ گئے۔

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی کشتی میں اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو بھی سوار کر لو بجز ان کے جو ایمان نہیں لائے اور جن کے متعلق ایک بات پہلے سے طے ہو چکی ہے۔ ان میں سے ایک آپ علیہ السلام کا بیٹا یام تھا جو از خود آپ سے الگ ہو گیا تھا اور آپ علیہ السلام کی بیوی تھی جو اللہ اور اس کے رسول کی منکر تھی۔

وَمَنْ اٰمَنَ...... یعنی اپنی قوم کے اہل ایمان کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیں لیکن ساڑھے نو سو سال کی طویل مدت کے قیام کے باوجود صرف چند لوگ آپ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کل اسی افراد تھے جن میں ان کی عورتیں بھی شامل تھیں۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ بہتر افراد تھے۔ بعض نے دس تعداد بتلائی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کے تین بیٹے سام، حام اور یافث تھے، ان تینوں کی بیویاں اور یام کی بیوی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی کشتی میں سوار تھی لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ وہ بھی ہلاک ہو گئی کیونکہ وہ اپنی قوم کے دین پر قائم تھی، اس لئے اسے بھی اسی عذاب کا سامنا کرنا پڑا جس عذاب سے وہ کفار دوچار ہوئے تھے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا بھی اپنی قوم جیسا انجام ہوا۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝۴۳

''اورنوح نے کہا سوار ہوجاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے۔ بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا بیٹا سوار ہوجاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچالے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا (بیٹا) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔ اور (اسی اثناء میں) حائل ہوگئی ان کے درمیان موج پس ہوگیا وہ ڈوبنے والوں سے''۔

کشتی میں سوار ہونے والوں کو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں سوار ہوجاؤ، سطح آب پر اس کا چلنا اور پھر لنگر انداز ہونا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ہے۔ ابورجاء عطاردی نے اسے ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِىٰهَا وَمُرْسِيْهَا'' پڑھا ہے(1)۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (المومنون:28) ''پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھ کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور وستم) سے اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے''۔ اس لئے کشتی میں یا کسی جانور پر سواری کرتے وقت اور دیگر امور کے آغاز وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) مستحب ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ (الزخرف:13-12) ''اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنادیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر)۔ اور حدیث شریف میں بھی اس کی رغبت دلائی گئی ہے، اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۂ زخرف میں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے لئے ڈوبنے سے امان اس میں ہے کہ وہ کشتیوں میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں: بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(2)۔

اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمانا اس مقام کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے کیونکہ کافروں سے انتقام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی غرقابی کے متعلق بیان کیا اور اپنے قہر وغضب کے ذکر کے ساتھ یہ بھی بیان کردیا کہ وہ غفور رحیم بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دونوں قسم کی صفات کو عموماً ایک جگہ لایا جاتا ہے، فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الاعراف:167) ''بےشک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بےشک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''، وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (الرعد:2) ''اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بےشک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔

اس طرح کی دیگر متعدد آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور انتقام کو یکجا ذکر کیا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ یعنی کشتی انہیں لے کر اس پانی کی سطح پر چلنے لگی جس نے تمام روئے زمین بلکہ پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی ڈھانپ لیا اور پندرہ ہاتھ یا بقول بعض اسی میل پہاڑوں سے بھی بلند ہوگیا۔ اس پانی پر کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے فضل وکرم اور اس کی حفاظت میں چل رہی تھی جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقۃ:12-11)

1۔ الدر المصون للسمین الحلبی، جلد 6 صفحہ 326 — 2۔ معجم کبیر، جلد 12، صفحہ 124-125

تمہارے سب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتی میں سوار کر دیا۔ تا کہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: 13-15) "اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔ وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔ (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی۔ پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ - یہ یام نامی آپ علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا، یہ کفر پر بضد رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت اسے ایمان لانے اور کشتی میں سوار ہو جانے کی دعوت دی تا کہ وہ غرق ہونے سے محفوظ ہو جائے لیکن وہ کہنے لگا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھے اس پانی سے بچا لے گا۔ کہتے ہیں کہ اس نے شیشے کی ایک کشتی بنائی تھی۔ اس قول کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جس کی حقیقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ قرآن پاک تو یہ کہتا ہے کہ اس نے کہا تھا: سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ۔ اپنی جہالت کے باعث اسے یہ یقین تھا کہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے اگر وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا تو پانی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں عاصم (اسم فاعل) بمعنی معصوم (اسم مفعول) ہے یعنی بچنے والا جس طرح طاعم (کھانے والا) بمعنی مطعوم (کھلایا ہوا) اور کاس (پہنانے والا) بمعنی مکسو (پہنایا گیا)۔ پھر کیا ہوا، اس کے متعلق فرمایا: وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اور حکم دیا گیا اے زمین! نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لئے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے سوائے کشتی والوں کے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا تو زمین کو اس پانی کے نگل جانے کا حکم دیا جو نیچے سے پھوٹ کر سطح زمین پر جمع ہو گیا تھا اور آسمان کو بھی تھم جانے کا حکم دیا۔ پانی کم ہونے لگا، تمام کفار کا قلع قمع ہو گیا اور ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ کشتی اپنے سواروں سمیت جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ جزیرہ میں ہے۔ باقی پہاڑوں نے تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو بہت بلند سمجھا لیکن اس پہاڑ نے تواضع کا اظہار کیا، اس لئے یہ غرق ہونے سے بچ گیا اور اسی پر کشتی نوح علیہ السلام لنگر انداز ہوئی(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کشتی ایک مہینہ تک اس پہاڑ پر ٹھہری رہی یہاں تک کہ وہ سب اس سے اتر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین جزیرہ کے جودی پہاڑ پر اس کشتی کو عبرت اور نشانی کے طور پر باقی رکھا حتی کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا، حالانکہ اس کے بعد کتنی کشتیاں بنیں اور نیست و نابود ہو گئیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جودی موصل میں پہاڑ ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ کوہ طور ہی ہے۔ توبہ بن سالم کہتے ہیں کہ میں نے زر بن حبیش کو دیکھا کہ وہ ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف زاویہ میں بکثرت نماز پڑھتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جمعہ کے روز یہاں بکثرت نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفینہ نوح یہاں لنگر انداز ہوئی تھی،

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 48

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ مع اہل وعیال اسی افراد تھے۔ وہ ایک سو پچاس دن کشتی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ شریف کی طرف کر دیا، یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف موڑ دیا جہاں وہ آ کر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو خشکی کی خبر لانے کے لئے بھیجا لیکن وہ مردار کھانے میں لگ گیا اور خبر لانے میں دیر کر دی۔ آپ نے کبوتر کو روانہ کیا۔ وہ زیتون کا پتہ اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا جس سے آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ پانی خشک ہو چکا ہے۔ آپ جودی پہاڑ سے نیچے اترے اور ایک بستی کی بنیاد رکھی جسے ''ثمانین'' نام دیا گیا۔ ایک دن صبح کے وقت جب وہ لوگ بیدار ہوئے تو اسی مختلف زبانیں بول رہے تھے جن میں سے سب سے اعلیٰ عربی زبان تھی، کوئی شخص دوسرے کی گفتگو نہیں سمجھ پا رہا تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام ترجمانی کرتے(1)۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جودی پہاڑ پر قرار پذیر ہونے سے پہلے کشتی مشرق اور مغرب کے درمیان چکر لگاتی رہی۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے۔ ایک سو پچاس دن کشتی چلتی رہی اور ایک ماہ جودی پر ٹھہری رہی۔ دس محرم کو وہ کشتی سے باہر نکلے، اس قسم کی ایک حدیث مرفوع بھی ہے(2)۔ انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا، ''وَاللّٰہُ اَعْلَمُ''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کچھ یہود کے پاس سے گزرے جنہوں نے عاشورۂ محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کونسا روزہ ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی اور فرعون کو غرق کر دیا اور اسی دن کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ چنانچہ حضرات نوح و موسیٰ علیہما السلام نے شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں موسیٰ کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اور اس دن کے روزے کا بھی میں زیادہ مستحق ہوں''۔ پس آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ سے فرمایا: ''تم میں جو آج صبح روزے سے تھا وہ اپنا روزہ مکمل کرے اور جو شخص غذا کھا چکا ہے وہ باقی دن بغیر کھائے پیئے مکمل کرے''(3)۔ یہ روایت اس سند سے غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کی شاہد حدیث صحیح موجود ہے(4)۔

وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور کہا گیا کہ ظالم قوم کے لئے خسارہ، ہلاکت اور رحمت الٰہی سے دوری ہو۔ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے، کوئی ایک بھی باقی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کو قوم نوح میں سے کسی پر رحم فرمانا مقصود ہوتا تو وہ بچے کی ماں پر رحم کرتا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے رہے۔ آپ علیہ السلام نے ایک درخت لگایا جو سو سال تک پھلتا پھولتا رہا، پھر آپ اسے کاٹ کر کشتی بنانے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ کی قوم کے لوگ جب آپ کے پاس سے گزرتے تو تمسخر اڑاتے اور پوچھتے کہ آپ خشکی پر کشتی تیار کر رہے ہیں یہ چلے گی کیسے؟ آپ فرماتے کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب آپ فارغ ہوئے اور پانی ابلنے لگا جس سے تمام رستے اور سڑکیں زیر آب آ گئیں تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بیٹے کے متعلق اندیشہ ہوا، اسے اپنے بیٹے سے شدید محبت تھی۔ وہ اسے لے کر ایک پہاڑ کی طرف نکلی یہاں تک کہ پہاڑ کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب پانی وہاں پہنچا تو مزید اوپر چڑھتے ہوئے دو تہائی پہاڑ تک پہنچ گئی۔ جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو پہاڑ کے اوپر جا ٹھہری لیکن پانی وہاں تک بھی پہنچ گیا۔ جب پانی اس کی گردن تک پہنچا تو اس نے

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 431　　2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 47

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 359-360　　4۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 91، صحیح مسلم، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 795

اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر بلند کر لیا لیکن دونوں غرق ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرماتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا''(1)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ کعب الاحبار اور مجاہد بن جبیر نے یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

''اور پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں۔ پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے۔ عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں کاروں سے''۔

یہاں حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی حقیقت حال کے متعلق استفسار کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے ساتھ میرے اہل کی نجات کا وعدہ کر رکھا ہے، تیرا وعدہ حق ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں، پھر میرا بیٹا کیسے غرق ہو گیا حالانکہ تو احکم الحاکمین ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یہ تیرے اس اہل میں سے نہیں جس کی نجات کا میں نے وعدہ کر رکھا ہے۔ نجات کا وعدہ تو صرف تمہارے اہل کے ایماندار لوگوں کے ساتھ ہے، اس لئے فرمایا: وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ (ہود:40) اور یہ بیٹا ان میں شامل تھا جن کے متعلق کفر اور مخالفت نوح علیہ السلام کے باعث غرق کئے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ متعدد آئمہ نے اس قول کو رد کیا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا بلکہ بدکاری سے پیدا ہوا۔ مجاہد، حسن، عبید بن عمیر، ابو جعفر باقر اور ابن جریج سے یہ منقول ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی بیوی سے کسی اور خاوند کا لڑکا تھا۔ بعض حضرات نے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ اور فَخَانَتٰهُمَا (التحریم:10) ''پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی'' سے استدلال کرتے ہوئے اسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی بیوی کا بیٹا تھا، اس سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کے نطفہ سے نہ تھا اور یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اسے مجازی طور پر آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ وہ آپ کے ہاں پرورش پاتا رہا لیکن ان دونوں اقوال کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد علمائے سلف فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ اس فرمان اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تیرے اس اہل میں سے نہیں جن کی نجات کا وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہی حق ہے جس سے انحراف بہت بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو برداشت نہیں کرتی کہ کسی نبی کے گھر میں فاحشہ عورت ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 342

لگانے والوں پر شدید غضب کا اظہار کیا اور جن لوگوں نے آپ پر یہ بہتان لگایا تھا اور اس کی اشاعت کی تھی ان کے متعلق فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۝ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ (النور:15-11)

''بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا۔ اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لئے عذاب عظیم ہوگا............ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ آپ علیہ السلام کا بیٹا تھا لیکن اعمال اور نیت میں آپ کا مخالف تھا۔ عکرمہ نے ایک قرأت میں اسے ''اِنَّهٗ عَمِلَ عَمَلًا غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھا ہے(1)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ''اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ بھی: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر:53) ''اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو''۔ (اور اسے کوئی پرواہ نہیں) کیونکہ وہ غفور رحیم ہے(2)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھا(3)۔ یہ ام المومنین ام سلمہ نہیں بلکہ اسماء بنت یزید ہیں کیونکہ ان کی کنیت بھی یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جبکہ آپ کعبہ کے پہلو میں تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فَخَانَتٰهُمَا'' کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس خیانت سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں کو بتاتی کہ یہ مجنون ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں کے متعلق اپنی قوم کو آگاہ کرتی، پھر آپ نے یہ آیت ''اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیر سے جب دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی(4)۔ حضرات مجاہد، عکرمہ، ضحاک، میمون بن مہران اور ثابت بن حجاج سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ مسلک بھی یہی ہے اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۴۸

''ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندواز کریں گے انہیں، پھر پہنچے گا انہیں ہماری

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 51
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 454
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 294-322
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 53

طرف سے دردناک عذاب''۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ آپ پر، آپ کے ساتھی اہل ایمان اور قیامت تک آنے والے ان کی اولاد میں سے ہر مومن پر سلامتی ہو جیسا کہ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ اس سلام میں قیامت تک آنے والے تمام مومن مرد عورتیں شامل ہیں، اسی طرح عذاب اور سامان زیست سے لطف اندوز ہونے میں قیامت تک آنے والے تمام کافر مرد عورتیں داخل ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان کو روک دینے کا ارادہ فرمایا تو سطح زمین پر ہوا بھیجی جس سے پانی ساکن ہوگیا، زمین سے ابلتے ہوئے پانی کے چشمے اور آسمان کے دروازے بند ہوگئے جیسا کہ فرمان ہے: وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ...... (ہود 44) پانی کم ہونا شروع ہوگیا۔ اہل تورات کا خیال ہے کہ کشتی جودی پہاڑ پر ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ کو ٹھہری، دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ جب مزید چالیس دن گزر گئے تو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کو وہ دروازہ کھول دیا جس میں سے وہ سوار ہوئے تھے، پھر آپ نے کوے کو پانی کی کارگزاری معلوم کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ لوٹ کر نہ آیا۔ آپ نے کبوتر کو روانہ کیا، وہ لوٹا تو اسے پاؤں رکھنے کے لئے بھی جگہ نہ ملی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ پر لیا اور اندر داخل کر لیا، پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ روانہ کیا، وہ شام کے وقت واپس پلٹا تو اس کے منہ میں زیتون کا پتہ تھا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ پانی سطح زمین پر بہت کم باقی رہ گیا ہے۔ سات دن کے بعد پھر آپ نے کبوتر کو روانہ کیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ پورا ایک سال گزر جانے کے بعد زمین نظر آئی خشکی ظاہر ہوگئی اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا۔ دوسرے مہینے کی چھبیس تاریخ تھی، اس وقت حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا: قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ......۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

''یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم اس سے پہلے پس آپ صبر کریں۔ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات کا تعلق غیب کی گزشتہ خبروں کے ساتھ ہے، ہم بذریعہ وحی آپ کو ان کی اس طرح تعلیم دیتے ہیں گویا کہ خود آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو علم تھا، اس لئے آپ کو جھٹلانے والے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے اس سے ان واقعات کو سیکھ لیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان واقعات کی صحیح صحیح خبر دی جیسا کہ سابقہ آسمانی کتب بھی اس کی گواہ ہیں، اس لئے آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کریں، ہم آپ کی مدد کریں گے، نگاہ لطف و کرم فرمائیں گے اور دنیا و آخرت میں آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو اسی طرح غلبہ عطا فرمائیں گے جس طرح ہم نے پہلے انبیاء و رسل کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا تھا جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن: 51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی''، وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (الصافات: 172) ''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی''۔ اور یہاں فرمایا: فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

''اور عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ نہیں ہو تم مگر افتراء پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ نہیں ہے میری اجرت مگر اس (ذات پاک) کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف وہ اتارے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھا دے گا تمہیں قوت میں تمہاری پہلی قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور ان بتوں کی پرستش سے منع کیا جو انہوں نے خود ہی گھڑ لئے تھے اور خود ہی ان کے نام تجویز کر لئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں آگاہ کیا کہ میں اس تبلیغ اور نصیحت پر تم سے کوئی اجرت کی خواہش نہیں رکھتا بلکہ میں تو اس ذات سے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ میں تمہیں بغیر اجرت طلب کئے ایسی چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے نفع بخش ہے۔ پھر آپ نے انہیں گزشتہ گناہوں سے استغفار اور آئندہ گناہوں سے توبہ کا حکم دیا۔ جو شخص ان صفات (استغفار و توبہ) سے متصف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اس کا معاملہ آسان بنا دیتا ہے اور ہر حالت میں اس کی حفاظت فرماتا ہے اس لئے فرمایا: يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''جو شخص استغفار کی پابندی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اسے اس جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا''(1)۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

''انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 85، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1254-1255

ہو، اس کے سوا پس سازش کرلو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے"۔

قوم ہود علیہ السلام نے اپنے نبی سے کہا کہ آپ اپنے دعویٰ پر کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک کرنے والے نہیں اور نہ ہی آپ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے بتوں کی مذمت کرنے اور ان کی عبادت سے منع کرنے کے باعث انہوں نے آپ کو دماغی خلل میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ جواب میں کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان تمام تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ پھر آپ جلال میں آکر انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ اگر تمہارے معبود حق پر ہیں تو تم ان کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش کرلو، پھر مجھے پلک جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ دینا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اور ہر جاندار کو اس نے پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے یعنی ہر چیز اس کے قہر، اختیار اور اقتدار کے ماتحت ہے، وہ عادل حاکم ہے جو اپنے حکم میں ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ صراط مستقیم پر ہے۔ ایفع بن عبد الکلاعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے، وہ مومن کو تلقین کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بندوں پر اس سے بھی زیادہ شفیق ہے جس قدر والدین اولاد کے لئے ہوتے ہیں۔ کافر سے کہا جاتا ہے: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار:6) "انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں"۔ حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان میں آپ کی رسالت کی صداقت اور ان بتوں کی عبادت کے بطلان پر قطعی دلیل ہے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان بلکہ بے جان جمادات ہیں جن میں نہ قوت سماعت ہے اور نہ قوت بصارت، نہ کسی کے دوست ہیں اور نہ دشمن، اس لئے عبادت کا مستحق وہی اللہ وحدہ لا شریک ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر قسم کی بادشاہی اور تصرف ہے۔ ہر چیز اس کی ملکیت، قہر اور اقتدار کے ماتحت ہے، بجز اس کے نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾

• "پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف۔ اور جانشین بنا دے گا میرا رب کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی واستان) ہے۔ انہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی

اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر متکبر منکر حق کے حکم کی، اور ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہو عاد کے لئے جو ہود کی قوم تھی''۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میری رسالت سے روگردانی کرتے ہو اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے اعراض برتتے ہو تو میں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر کے تم پر حجت قائم کر دی ہے۔ میرا رب کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں کیونکہ تم اپنے کفر کے ساتھ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ میرا پروردگار ہر چیز پر محافظ ہے، وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کا شاہد ہے اور ان کا انہیں بدلہ عطا کرے گا۔ خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا...... اَمْرَ، ''اَمْر'' سے مراد خیر و برکت سے خالی ہونا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور اپنی رحمت اور لطف و عنایت سے حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو نجات عطا فرمائی۔ یہ بدبخت عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، کیونکہ ایک نبی کے ساتھ کفر تمام انبیاء کے ساتھ کفر کے مترادف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وجوب ایمان میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا۔ ان کا یہ کفر تمام انبیاء و رسل کے ساتھ کفر کے قائم مقام ہے۔ اور انہوں نے اپنے رسول کی اتباع کو ترک کر کے ہر سرکش منکر حق کے حکم کی اتباع کی اس لئے یہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ اس دنیا میں جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن بھی سب کے روبرو ندا دی جائے گی: اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ عاد کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوا اس کی زبانی ان پر لعنت برستی رہی۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝

''اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ اس نے پیدا فرمایا تمہیں زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔ بیشک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانے والا ہے''۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ ان کا مسکن تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن حجر تھا۔ قوم عاد کے بعد ان کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ہی تمہیں پیدا کرنے کا آغاز کیا اور تمہارے باپ آدم کو زمین سے ہی پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا جس سے تم سامان زیست حاصل کرتے ہو، اس لئے اسی کے حضور اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ گناہوں سے توبہ کر لو کیونکہ میرا رب بہت قریب اور التجاؤں کو سننے والا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ:186) ''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے''۔

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 444

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

''انہوں نے کہا اے صالح! تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ اور بیشک ہم اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائے گا مجھے اللہ (کے عذاب سے) اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لئے سوا نقصان کے''۔

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان گفتگو اور ان کی جہالت وعناد کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس اعلان رسالت سے پہلے ہمیں آپ کے ساتھ بڑی امیدیں وابستہ تھیں، کیا آپ ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت پر ہمارے اسلاف کاربند تھے، آپ کی دعوت کے باعث ہم تو ایک پریشان کن شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میری قوم! مجھے یہ تو بتاؤ اگر مجھے اپنی رسالت کی صداقت پر اپنے رب کی طرف سے یقین اور دلیل حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے نواز رکھا ہو تو اس کی نافرمانی کرنے، دعوت حق کو ترک کرنے اور عبادت الٰہی کو چھوڑنے کی صورت میں کون میری مدد کرے گا اور عذاب الٰہی سے بچائے گا۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا تو تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ خسارہ میں ہی اضافہ کرو گے۔

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۠ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

''اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب بہت جلد۔ پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے فرمایا لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک۔ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا صالح کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے نیز (بچا لیا) اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک (اے محبوب) تیرا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے۔ اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے اور صبح کی انہوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی

آباد ہی نہ ہوئے تھے سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لئے''۔

ان آیات کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں(1)۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

''اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھنا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں۔ تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے، بعض نے کہا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری لے کر اور بعض نے کہا کہ قوم لوط کی ہلاکت کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان'' فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ............'' پہلے کی تائید کرتا ہے۔ علماء بیان کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام فرشتوں کے سلام سے بہتر ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا سلام کہنا (جو اصل میں سلام علیکم ہے) جملہ اسمیہ پر مشتمل ہے اور جملہ اسمیہ دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ یعنی آپ جلدی سے گئے اور گرم پتھر پر بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ (الذاریات:27-26) ''پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔ لاکر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں''۔ اس آیت کریمہ میں متعدد آداب ضیافت موجود ہیں۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ...... جب آپ نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو آپ نے انہیں اجنبی خیال کیا اور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف:73-79

ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ چونکہ فرشتے کھاتے نہیں اور نہ ہی انہیں کھانے کی طلب ہوتی ہے اس لئے جب آپ علیہ السلام نے انہیں بالکل کھانے سے اعراض کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں اجنبی خیال کرتے ہوئے کچھ خوف سا محسوس کیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قوم لوط کی طرف بھیجا تو وہ نوجوانوں کی صورت میں چلتے ہوئے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے ان کی ضیافت کا سامان کیا۔ جلدی سے گھر گئے، ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا اور اسے گرم پتھروں پر بھون کر ان کے پاس لے آئے اور خود بھی دستر خوان پر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت سارہ ان کی خدمت بجالانے میں مصروف ہو گئیں۔ یہی مطلب ہے وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ کا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''وَامْرَاَتُہٗ قَائِمَۃٌ وَّھُوَ جَالِسٌ'' آیا ہے آپ نے کھانا ان کے قریب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم نہیں کھاؤ گے؟ وہ کہنے لگے کہ اے ابراہیم! ہم بغیر قیمت کے کھانا نہیں کھاتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی قیمت ہے، انہوں نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانے کے شروع میں ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھو اور آخر میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''، یہی اس کی قیمت ہے۔ یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ اس فضیلت کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جب آپ نے دیکھا کہ وہ کھانا کھانے پر آمادہ نہیں ہیں تو آپ گھبرا گئے اور ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کی بڑی عزت وتکریم کی ہے اور وہ بذات خود بھی ان کی خدمت میں مشغول ہیں تو بے ساختہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے مہمان بھی عجیب ہیں، ہم بذات خود ان کی خدمت بجالانے میں مشغول ہیں لیکن یہ ہمارا کھانا کھاتے ہی نہیں (1)۔ عثمان بن محیصنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان چار فرشتے تھے: جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور رفائیل علیہم السلام۔ نوح بن ابی شداد کا خیال ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے بچھڑا پیش کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے اپنے پر کے ساتھ چھوا، وہ زندہ ہو کر چلتے ہوئے گھر میں اپنی ماں سے جاملا۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ...... فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ڈریئے مت، ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم انہیں ہلاک کر دیں۔ قوم لوط کے کثرت فساد اور شدت کفر وعناد کے باعث ان کی ہلاکت کی بشارت پر حضرت سارہ ہنس پڑیں، اس لئے اس کے بدلہ میں آپ کو بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا حالانکہ آپ ناامیدی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ہنس پڑیں اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ قوم لوط پر عذاب آنے والا ہے اور وہ اس سے غافل ہیں۔

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''ضَحِکَتْ'' کا معنی ''حَاضَتْ'' (انہیں حیض آ گیا) نقل کیا ہے۔ محمد بن قیس کہتے ہیں کہ ان کے ہنسنے کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ وہ بھی قوم لوط جیسا عمل کرنا چاہتے ہیں۔ کلبی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت سارہ کو ہنسی آ گئی۔ لیکن محمد ابن قیس اور کلبی کے اقوال نہایت ہی بودے اور کمزور ہیں، اگرچہ ابن جریر نے ان دونوں کو بیان کیا ہے لیکن یہ ناقابل توجہ ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری پر آپ کو ہنسی آئی لیکن یہ قول سیاق کے مخالف ہے کیونکہ بشارت صراحۃً ''ضحك'' (ہنسی) پر مرتب ہو رہی ہے: فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ یعنی بیٹے اور پھر پوتے کی خوشخبری سے یہ باور کرا دیا کہ ان کی نسل باقی رہے گی جیسا کہ فرمایا: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 72

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ(البقرۃ:133)'' بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب علیہ السلام کو موت۔ جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد۔ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام واسمٰعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے''۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی جا رہی ہے اور یہ بھی مژدہ سنایا جا رہا ہے کہ ان کے ہاں یعقوب پیدا ہوں گے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے جبکہ ابھی آپ چھوٹے بچے تھے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ابھی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں، اس لئے اس حالت میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا ممتنع ہے تو ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اور یہ سب سے عمدہ، صحیح اور واضح استدلال ہے۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى...... اس آیت میں حضرت سارہ کی بات کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ(ہود:72)'' سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں''، سورۂ ذاریات میں ان کے تعجب کو یوں بیان فرمایا: فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ(الذاریات:29)'' پس آئی آپ کی بیوی نے چیں بجبیں ہو کر اور (فرط حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا)!'' جس طرح عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تعجب کے وقت اپنے اقوال وافعال میں ایسا کرتی ہیں فرشتے انہیں کہنے لگے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تعجب کا اظہار کر رہی ہیں۔ وہ جس کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو لفظ ''کن'' کہہ دیتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس پر تعجب نہ کریں اگرچہ آپ اور آپ کے خاوند دونوں بڑھاپے اور ناامیدی کی عمر کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی کے گھرانے والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں بلاشبہ وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں قابل ستائش اور اپنی ذات وصفات میں عظیم ہے۔ اس لئے صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنا ہمیں سکھا دیا گیا ہے۔ ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''(1)۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

'' پھر جب دور ہو گیا ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے میں۔ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے بردبار، رحمدل (اور) ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو رہنے دیجئے۔ بے شک آ گیا تیرے رب کا حکم۔ اور ان پر آ کر رہے گا عذاب جو پھیرا نہیں جا سکتا''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 178، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 305

جب فرشتوں کی حقیقت پر آگاہی ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خوف دور ہوگیا، اس کے بعد فرشتوں نے آپ کو بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تو آپ قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگے جیسا کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل اور دیگر فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے: ''اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ'' (العنکبوت:31) ''ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو''۔ آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم اس بستی کو نیست و نابود کر دو گے جس میں تین سو مومن ہوں؟ فرشتوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا اس بستی والوں کو ہلاک کر دو گے جس میں دو سو مومن ہوں؟ فرشتے کہنے لگے: نہیں۔ فرمایا: کیا تم اس بستی کو برباد کر دو گے جس میں چالیس مومن ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، پھر فرمایا کہ اگر تیس ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں، یہاں تک کہ تعداد کم کرتے کرتے آپ پانچ تک پہنچ گئے تو فرشتوں نے کہا: نہیں۔ آخر میں آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ اگر اس بستی میں ایک مسلمان ہو تو کیا اسے برباد کر دو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٚ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (العنکبوت:32) ''اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے''، یہ سن کر آپ کو اطمینان ہوا اور آپ خاموش ہو گئے۔ قتادہ وغیرہ نے بھی تقریباً یہی کہا ہے۔ ابن اسحاق نے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے کہ فرشتوں سے حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ اس بستی میں لوط بھی ہیں؟ تو فرشتوں نے جواب دیا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا (العنکبوت:32) ''عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں''۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ مذکورہ صفات جمیلہ کے ساتھ آپ علیہ السلام کی مدح و توصیف کی جارہی ہے، ان صفات کی تفسیر گزر چکی ہے(1)۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ...... یعنی ان میں قضاء وقدر نافذ ہو چکی ہے، ان کی ہلاکت اور نزول عذاب کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَيْفِیْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

''اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور بڑے پریشان ہوئے ان کی وجہ سے۔ اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور (مہمانوں کی خبر سنتے ہی) آئے ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے۔ اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے برے کام۔ لوط نے کہا اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لئے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ:114

کے معاملہ میں۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں)''۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط کی ہلاکت کے متعلق آگاہ کرنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت اپنی زمین یا گھر میں تھے۔ فرشتے نہایت ہی خوبرو نوجوانوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ درحقیقت قوم کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، اس میں اس کی حکمت اور حجت مضمر تھی۔ مہمانوں کی آمد سے حضرت لوط علیہ السلام سخت دلگیر اور پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ اگر میں نے انہیں اپنے ہاں نہ ٹھہرایا تو قوم کا کوئی دوسرا آدمی انہیں اپنے گھر لے جائے گا اور ان کی بے حرمتی کرے گا، یہ سوچ کر کہنے لگے کہ آج کا دن سخت آزمائش کا دن ہے، اس لئے کہ ان مہمانوں کی مدافعت اور حفاظت آپ کو مشکل محسوس ہو رہی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی زمین میں تھے کہ یہ فرشتے آپ کے پاس آئے اور آپ کے مہمان بنے، شرم وحیاء کے باعث آپ انکار نہ کر سکے اور انہیں لے کر ان کے آگے چلنے لگے۔ رستے میں اشارہ کنایہ سے انہیں واپس لوٹ جانے کو کہا اور انہیں یہ باور کرایا کہ روئے زمین پر اس شہر والوں سے زیادہ خبیث لوگ نہیں ہیں۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر آپ نے اپنی بات دہرائی۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ یہی بات کی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان فرشتوں کو یہ حکم ہوا تھا کہ وہ انہیں اس وقت تک ہلاک نہ کریں جب تک حضرت لوط علیہ السلام ان پر ان کی بدکاری کی گواہی نہ دے دیں۔ سدی کہتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف نکلے۔ دوپہر کو وہ نہر سدوم پہنچے، وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کی ملاقات ہوگئی جو پانی لینے کے لئے آئی تھیں۔ فرشتے ان سے پوچھنے لگے کہ کیا ٹھہرنے کے لئے کوئی گھر ہے؟ آپ علیہ السلام کی صاحبزادی نے کہا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آتی ہوں۔ وہ ڈر گئیں کہ قوم کے لوگ ان کی عزت پر ہاتھ ڈالنے سے باز نہیں آئیں گے۔ وہ اپنے والد محترم سے عرض کرنے لگیں: ابا جان! شہر کے دروازہ پر کچھ نوجوان ہیں، ان سے زیادہ خوبرو لوگ میں نے نہیں دیکھے، ان کی خبر لیجئے کہیں آپ کی قوم ان کی بے حرمتی نہ کر ڈالے۔ آپ کی قوم نے آپ کو کسی بھی شخص کو مہمان بنانے سے روک رکھا تھا، ان کا کہنا تھا کہ آپ چھوڑیں، ہم لوگوں کی مہمان نوازی کیا کریں گے۔ بہرصورت حضرت لوط علیہ السلام ان فرشتوں کو اپنے ساتھ لے آئے، سوائے آپ کے گھر والوں کے کسی کو ان کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ آپ کی بیوی نے راز فاش کر دیا اور اپنی قوم کو ان کے متعلق آگاہ کر دیا تو یہ اوباش خوشی سے بھاگتے ہوئے آئے اور اس سے پہلے بھی وہ برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ یہ فعل بد ان کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں انہیں دھر لیا گیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو عورتوں کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ ان کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں اس لئے کہا کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ آپ نے ان کی رہنمائی ایسی چیز کی طرف کی جو دنیا وآخرت میں ان کے لئے زیادہ نفع بخش ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (الشعراء:166-165) ''کیا تم بدفعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو''، ایک اور آیت میں فرمایا: قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (الحجر:70) ''وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو''، قَالَ

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الحجر: 72-71) ''آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کرلو)۔ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں''، اس آیت کریمہ میں فرمایا: هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''بَنَاتِيْ'' سے مراد آپ کی بیٹیاں نہیں بلکہ آپ کی قوم کی بیٹیاں مراد ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے، ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا، یہ نہیں کہ بغیر نکاح کے عورتوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کو کہا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ قوم کی عورتیں آپ کی بیٹیاں اور آپ ان کے باپ ہیں۔ ایک قرأت میں یہ بھی آیا ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ (1)۔ ''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں''۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ...... یعنی میرے حکم کے مطابق صرف عورتوں پر اکتفاء کرو، کیا تم میں کوئی عقلمند اور سمجھدار آدمی نہیں ہے جو میرے احکام کو قبول کرلے اور نواہی سے اجتناب کرے۔ وہ جواب میں کہنے لگے کہ ہمیں اپنی عورتوں سے کوئی سروکار اور رغبت نہیں۔ ہمیں تو لڑکوں سے غرض ہے، اس چیز کو آپ بھی بخوبی جانتے ہیں، اس لئے بحث و تکرار کی کیا ضرورت ہے؟

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ط اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ط اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝

''لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ لے کر نکل جایئے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جایئے۔ بیشک وہی (عذاب) اسے بھی پہنچے گا جو ان (دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟''۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر مجھ میں قوت ہوتی تو میں تمہیں عبرت ناک سزا سے دوچار کرتا اور تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوط پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو وہ ایک مضبوط سہارے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ آپ کے بعد جو پیغمبر آیا اسے قوی کثرت میں مبعوث کیا گیا'' (2)۔ اس وقت فرشتوں نے آپ کو اپنی حقیقت کے متعلق آگاہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور آپ کو رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال سمیت چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ آپ ان کے پیچھے پیچھے رہیں اور کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے یعنی قوم پر اترنے والے عذاب کے متعلق جب آپ کو پریشان کن آوازیں سنائی دیں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بلکہ اپنا سفر جاری رکھنا۔ لیکن آپ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 84

2۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 11 صفحہ 282، مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 561

السلام کی بیوی اس حکم سے مستثنٰی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ '' آپ بجز اپنی بیوی کے گھر والوں کو راتوں رات لے چلیں) اس صورت میں '' امْرَاَتَكَ '' کو منصوب پڑھنا واجب ہے لیکن اگر استثناء وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ سے ہو تو رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ اس صورت کے قائلین کا کہنا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے ساتھ نکلی، جب اس نے قوم کی چیخ و پکار سنی تو مڑ کر دیکھنے لگی اور قوم کی تباہی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی: ہائے میری قوم! اسی وقت آسمان سے ایک پتھر آیا اور اسے بھی پیوند خاک کر گیا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بہت جلد ان اوباشوں کی ہلاکت کی خوشخبری دی کیونکہ آپ نے ان سے تقاضا کیا تھا کہ انہیں ابھی ہلاک کر ڈالو فرشتے کہنے لگے: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۔ یہ بدکردار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور حضرت لوط علیہ السلام کے دروازہ پر ڈیرے جما لیئے، آپ علیہ السلام دروازے پر کھڑے انہیں روک رہے تھے اور فعل شنیع کے ارتکاب سے منع کر رہے تھے لیکن وہ آپ کی بات ماننے کو تیار نہیں تھے بلکہ الٹا آپ کو دھمکیاں دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نکلے اور اُن کے منہ پر اپنا ایک پر مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں، وہ واپس پلٹے تو انہیں رستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا، اس کیفیت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا: وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (القمر:37) '' اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو، لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ''۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم لوط کے پاس آتے اور کہتے کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے منع کرتا ہوں۔ اگر باز نہیں آؤ گے تو عذاب الٰہی کے سزاوار ہو جاؤ گے لیکن وہ آپ کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئے۔ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں تو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، آپ اس وقت اپنی زمین میں کام کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں اپنے پاس ٹھہرانے کی دعوت دی۔ وہ کہنے لگے کہ آج رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ انہیں اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک حضرت لوط ان کے خلاف تین مرتبہ گواہی نہیں دے دیتے۔ جب آپ انہیں لے کر چلے تو انہیں اپنی قوم کی بدچلنی کے متعلق آگاہ کر دیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر آپ فرشتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں معلوم ہے اس بستی والے کس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر ان سے زیادہ کوئی برے لوگ ہوں گے، میں تمہیں کہاں لے کر جاؤں؟ کیا اپنی قوم کی طرف جو بدترین مخلوق ہے؟ یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ساتھی فرشتوں سے کہا کہ اسے یاد رکھنا، یہ ایک گواہی ہو گئی۔ پھر آپ فرشتوں کو لے کر چلتے رہے۔ جب بستی کے وسط میں پہنچے تو انہیں اپنے مہمانوں پر بہت ترس آیا اور شرم محسوس کرتے ہوئے انہیں کہا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اس بستی والے کس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہیں؟ روئے زمین پر ان سے زیادہ بدکردار کوئی مخلوق نہیں۔ جبرئیل دوسرے ملائکہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اسے بھی یاد رکھنا، دو گواہیاں ہو گئیں۔ جب حضرت لوط علیہ السلام انہیں لے کر اپنے گھر کے دروازہ تک پہنچے تو شرم و حیا اور مہمانوں پر ترس کھاتے ہوئے رو دیئے اور کہنے لگے کہ میری قوم سب سے زیادہ بری مخلوق ہے، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کرتوت کرتے ہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر اس بستی والوں سے بھی زیادہ بدقماش لوگ ہوں گے۔ تو جبرئیل اپنے ساتھی ملائکہ سے کہنے لگے کہ یہ بات بھی محفوظ رکھنا، یہ تیسری گواہی ہوئی۔ اب عذاب ثابت ہو چکا۔ جب فرشتے آپ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ علیہ السلام کی بڑھیا بیوی نے اونچی جگہ چڑھ کر اپنا کپڑا اہلایا جسے دیکھتے ہی یہ اوباش دوڑتے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ لوط کے پاس ایسے مہمان آئے ہیں جن سے زیادہ خوبرو اور عمدہ خوشبو والے لوگ میں نے نہیں دیکھے۔ یہ سن کر وہ

دروازے کی طرف لپکے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے مزاحمت کرنے لگے۔ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہنے لگے: ''هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ'' فرشتہ فلز دروازے پر کھڑا ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے عذاب کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی آسمانی صورت میں اٹھے اور اپنا ایک پر پھیلا دیا...... جبرئیل کے دو پر ہیں...... ان پر موتیوں کا جڑاؤ ہے، آپ کے چمکتے دمکتے دانت ہیں، پیشانی نمایاں اور اجلی اجلی، سر لؤلؤ و مرجان کی طرح اور دونوں ٹانگیں سبزی کی طرف مائل۔ کہنے لگے: اے لوط! ہم تمہارے رب کے فرستادہ ہیں۔ آپ دروازے سے ہٹ جائیں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے سے ہٹ گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر نکلے۔ آپ نے اپنا ایک پر پھیلا کر ان بدمعاشوں کے چہروں پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے اور انہیں رستہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، پھر حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (1)۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾

''پھر جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کی بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور''۔

طلوع آفتاب کے وقت ان پر عذاب الٰہی آپہنچا، ان کی بستی سدوم زیروزبر کر دی گئی جیسا کہ فرمایا: فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿٥٤﴾ (النجم:54) ''پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا'' اور پختہ مٹی کے پتھروں کی لگاتار بارش ان پر برسنے لگی جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ (الذاریات:33) ''مٹی کے پتھر''۔ بعض نے کہا ہے کہ انہیں آگ میں پکایا گیا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ''سِجِّيْلٍ'' کا معنی ہے سخت بھاری اور وزنی پتھر۔ ''سِجِّيْلٍ'' اور ''سِجِّيْنٍ'' دونوں ہم معنی ہیں (2)۔ ''مَّنْضُوْدٍ'' کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے آسمان میں تیار تہ در تہ پڑے تھے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ لگاتار یکے بعد دیگرے ان پر گرتے تھے۔ ''مُسَوَّمَةً'' کا معنی ہے نشان زدہ، ان پر ناموں کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام مکتوب تھا جس پر اسے گرنا تھا۔ قتادہ اور عکرمہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ طوق ڈالے ہوئے جنہیں سرخی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ پتھر شہریوں پر بھی برسے اور اردگرد کے دیہات والے لوگوں پر بھی۔ دریں اثناء ایک آدمی لوگوں کے ساتھ محو گفتگو ہے کہ آسمان سے ایک پتھر اس پر گرتا ہے اور اسے ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ ان تمام لوگوں پر ہر طرف سے پتھر برسے جنہوں نے تمام کو نیست و نابود کر دیا، کوئی ایک شخص بھی باقی زندہ نہ بچا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قوم لوط کو ان کے مکانات، مویشی اور ساز و سامان سمیت اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آسمان والے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سننے لگے پھر انہیں نیچے پلٹ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستی کو اپنے دائیں پر کے کناروں پر اٹھایا۔ جب آپ نے اسے نیچے پلٹا تو سب سے پہلے اس بستی کی بلندیاں نیچے گریں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے بستی کو درمیان سے اٹھایا اور اسے اوپر آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سننے لگے، پھر انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیست و نابود کر دیا۔ جو لوگ بچ گئے تھے انہیں پتھروں کے ذریعے برباد کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں ہر بستی ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ تین بستیاں تھیں جن میں سے سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 92 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھار اس بستی میں تشریف لاتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس بستی کی زمین کو محلات، جانور، پتھروں، درختوں اور دیگر چیزوں سمیت اکھیڑ کر اپنے پر کے اندر سمیٹ لیا۔ پھر ان تمام چیزوں کو لے کر آسمان دنیا تک بلند ہوئے یہاں تک کہ آسمان کے مکین لوگوں اور کتوں کی آوازیں سننے لگے۔ ان کی تعداد چالیس لاکھ تھی۔ انہیں اوندھا کر کے زمین پر پلٹ دیا اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیست و نابود کر دیا، بستی تہہ و بالا کر دی گئی اور پھر ان پر پتھروں کی بارش برسنے لگی(1)۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں: سدوم (یہ سب سے بڑی تھی)، صعبہ، صعود، عمرہ اور دوحاء۔ تمام کو جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کے ساتھ اٹھایا اور آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے فرشتے ان کے کتوں اور مرغیوں کی آوازیں سننے لگے پھر ان بستیوں کو الٹ دیا جس کے بعد پتھروں کی بارش برسنے لگی۔ اس طرح تمام بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو جبرئیل نے ساتوں زمینوں کو نیچے سے زمین کو اکھیڑا اور اسے آسمان تک لے گئے جہاں آسمان والے ان کے کتوں اور مرغوں کی آوازیں سننے لگے پھر انہیں الٹ کر پیوند خاک کر دیا یہی مطلب ہے وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (النجم: 53) "اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا" کا جو مرنے سے بچ گئے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش برسا دی۔ اگر کوئی ان بستیوں سے باہر تھا تو وہ بھی پتھروں کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ یہ چیزیں ان کی مشابہت رکھنے والے ظالموں سے بعید نہیں۔ سنن کی حدیث ہے: "جس کو تم قوم لوط جیسا فعل (لواطت) کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو" (2)۔ حضرت امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے لواطت کرنے والے کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے بلند پہاڑ سے گرا کر پتھر برسائے جائیں گے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

"اور اہل مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے"۔

مدین معان کے قریب حجاز اور شام کے درمیان ایک بستی کا نام ہے جہاں عرب قبیلہ آباد تھا۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، آپ ان میں سے سب سے زیادہ شریف النسب تھے، چونکہ آپ بھی انہی میں سے تھے اس لئے فرمایا: اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ آپ نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ آپ انہیں کہنے لگے کہ میں تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر ایسے عذاب کا خدشہ ہے جو ہر چیز کو گھیر لے گا اور اگر تم اسی طرح احکام الٰہی کو پامال کرتے رہے تو تم سے ساری نعمتیں چھن جائیں گی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 98

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 158، عارضۃ الاحوذی، کتاب الحدود، جلد 6 صفحہ 240 وغیرہ

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

''اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان''۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو جب وہ لوگوں کو ان کے حقوق دیں، ناپ تول میں کمی سے منع کیا، پھر انہیں لین دین کرتے وقت انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا اور زمین میں فساد بپا کرنے سے انہیں روکا۔ ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کے علاوہ وہ ڈاکہ زنی بھی کیا کرتے تھے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رزق اللہ بتاتے ہیں حسن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق اس رزق سے بہتر ہے جو تم ڈنڈی مار کر حاصل کرتے ہو۔ ربیع بن انس کے نزدیک اس کا معنی ''وَصِيَّةُ اللّٰهِ'' ہے۔ مجاہد کے نزدیک ''طَاعَةُ اللّٰهِ''، قتادہ کہتے ہیں کہ فضل الٰہی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ عذاب میں ہلاکت ہے اور رحمت میں بقاء۔ ابن جریر اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ناپ تول کو پورا کرنے کے بعد حاصل ہونے والا منافع لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے بہتر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے(1)۔ اور اس کے مشابہ یہ آیت ہے: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ (المائدة:100) '' آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت''۔

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ یعنی میں تمہارا نگہبان اور رقیب نہیں ہوں۔ نیکی کرو اور برائی سے اجتناب کرو صرف رضائے الٰہی کے لئے نہ کہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

'' قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں۔ (از راہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو''۔

وہ حضرت شعیب علیہ السلام کو از راہ تمسخر کہتے کہ کیا آپ کی نماز (اعمش نے صلوٰۃ بمعنی قرأت لیا ہے) آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں سے دستکش ہو جائیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے اور آپ کے کہنے پر اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا اور ناپ تول میں کمی کرنا ترک کر دیں۔ یہ ہمارے اموال ہیں ہم جیسے چاہیں ان میں تصرف کریں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا انہیں یہی حکم تھا کہ وہ اپنے اسلاف کے گھڑے ہوئے معبودان باطلہ کی عبادت ترک کر دیں۔ ثوری اس فرمان اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی مراد زکوٰۃ تھی یعنی بقول ان کے وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ کیوں دیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 100

یہ لعین حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید بطور استہزاء کہتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

''آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے۔ اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روشن دلیل اور نور بصیرت عطا کیا ہے اور اپنی طرف سے مجھے بہترین رزق سے نوازا ہے۔ رزق سے مراد نبوت یا رزق حلال یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ فرمایا: وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ ثوری اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک چیز سے منع کروں اور پھر پوشیدہ طور پر تم سے چھپ کر اس کے برعکس کرتا رہوں۔ قتادہ بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں کسی معاملہ سے منع کروں اور پھر خود ہی اس کا ارتکاب کرنے لگوں۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ...... یعنی میرے ہر امر و نہی میں مقدور بھر تمہاری اصلاح مقصود ہے اور اپنے ارادہ میں حق کو پا لینے کی توفیق کا انحصار اللہ تعالیٰ پر ہے، تمام امور میں اسی پر میں نے توکل کر رکھا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے بھائی مالک نے کہا: اے معاویہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے، تم ان کے پاس جاؤ کیونکہ آپ کی تمہارے ساتھ بات چیت اور جان پہچان ہو چکی ہے۔ میں اس کے ساتھ چلا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ میرے پڑوسیوں کو رہا کر دیں، وہ مسلمان ہو چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کر لیا۔ وہ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ یہ گمان کریں گے کہ آپ ہمیں کسی معاملہ کا حکم دیتے ہیں اور خود اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ معاویہ کا کہنا ہے کہ وہ گفتگو کر رہا تھا اور میں اسے کھینچ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ یہ گمان کریں گے کہ آپ کسی چیز کا حکم دے کر خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے، کون ہے یہ بات کہنے والا؟ اگر میں نے ایسا کیا تو اس کا وبال مجھ پر ہے، ان پر تو کوئی چیز نہیں، اس کے پڑوسیوں کو آزاد کر دو''(1)۔ حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی الزام میں میری قوم کے چند لوگ گرفتار کر لئے۔ میری قوم کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کس بناء پر آپ نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کر لی تو وہ شخص کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایک چیز سے منع کر کے خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' حضرت بہز کے دادا کہتے ہیں کہ میں نے درمیان

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 447

میں بولنا شروع کر دیا اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں آپ ﷺ اس کی بات سن کر میری قوم کے لئے بد دعا نہ کر دیں جس کے بعد فلاح کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا، لیکن آپ ﷺ سننے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ اس کی بات سمجھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے، ان میں سے کوئی اس کا قائل ہے؟ اللہ کی قسم! اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ پر ہے، اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو''(1)۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میری طرف سے ایسی حدیث سنو جسے تمہارے دل قبول کر لیں، تمہارے بال اور بدن نرم پڑ جائیں اور تم یہ سمجھنے لگو کہ وہ تمہارے قریب ہے تو میں اس سے زیادہ تمہارے قرب کا مستحق ہوں اور جب تم میری طرف سے ایسی حدیث سنو جس کا تمہارے دل انکار کر دیں، تمہارے بال اور بدن اس سے متنفر ہو جائیں اور تم سمجھنے لگو کہ یہ تم سے بعید ہے تو میں اس سے بھی زیادہ تم سے بعید ہوں''(2)۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اسی سند سے ایک اور حدیث مروی ہے: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ'' اور جب نکلے تو یہ کہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ''(3)۔ مطلب ہے کہ میری طرف سے جو اچھی بات تم تک پہنچے میں (حضور ﷺ) اس کا زیادہ حقدار ہوں اور جو بھی بری بات ہو میں سب سے زیادہ اس سے دور ہوں۔ ایک عورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ کیا آپ بالوں میں دوسروں کے بال لگانے سے منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ عورت کہنے لگی کہ آپ کے گھر کی کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو آپ نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو میں نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کی وصیت وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡهٰکُمۡ کی حفاظت نہیں کی(4)۔ ابو سلیمان ضبی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اوامر و نواہی پر مشتمل حضرت عمر بن عبد العزیز کے خطوط آتے جن کے آخر میں یہ لکھا ہوتا کہ میں بھی اس میں اسی طرح ہو جس طرح عبد صالح نے فرمایا: وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡهِ اُنِیۡبُ۔

وَ یٰقَوۡمِ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شِقَاقِیۡۤ اَنۡ یُّصِیۡبَکُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ هُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ بِبَعِیۡدٍ ﴿۸۹﴾ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ رَحِیۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴿۹۰﴾

''اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح (علیہ السلام) یا قوم ہود (علیہ السلام) یا قوم صالح (علیہ السلام) کو۔ اور قوم لوط (علیہ السلام) تو تم سے کچھ دور نہیں۔ اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان) سے رجوع کرو اس کی طرف۔ بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرمار ہے ہیں کہ میری عداوت اور بغض تمہیں کفر و فساد پر ڈٹے رہنے پر نہ اکسائے ورنہ تمہیں بھی ایسے ہی عذاب سے واسطہ پڑے گا جیسا عذاب قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کو پہنچا تھا۔ قتادہ ''شِقَاقِیْ'' کا معنی ''فِرَاقِیْ'' کرتے ہیں۔ سدی اس کا معنی عداوت بتلاتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے آقا کے ساتھ اس کے جانور کو تھامے ہوئے تھا اور لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، آپ نے اپنے گھر سے باہر جھانک کر اس آیت کی تلاوت کی اور

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 5　　2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 497

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 494　　4۔ الدر المنثور، جلد 4، صفحہ 467

فرمایا: اے میری قوم! مجھے قتل نہ کرو، کیونکہ تم اس طرح تھے، یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا دیں۔

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ یعنی قوم لوط کا زمانہ کچھ بعید نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ کل تمہارے سامنے ہلاک ہوئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوم لوط کا علاقہ تم سے بعید نہیں۔ بہر صورت زمان ومکان دونوں میں دوری مراد ہو سکتی ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ..... یعنی اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ اعمال سیئہ کے ارتکاب سے توبہ کرو کیونکہ میرا رب ہمیشہ رحم فرمانے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

''وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اس کو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے''۔

وہ کہنے لگے کہ اے شعیب! آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور آپ خود ہم میں بہت کمزور ہیں۔ سعید بن جبیر اور ثوری کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ سدی آپ کو کمزور کہنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ تنہا تھے۔ ابوروق کہتے ہیں کہ ضعیف کہنے سے قوم کی مراد حقیر تھی کیونکہ آپ کا خاندان بھی آپ کے دین پر نہ تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگے کہ اگر ہمیں آپ کے کنبے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے۔ بعض نے ''لَرَجَمْنٰكَ'' کا معنی ''لَسَبَبْنَاكَ'' (تجھے برا بھلا کہتے) بیان کیا ہے۔ مزید کہنے لگے کہ آپ کو ہمارے ہاں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اس کے جواب میں آپ فرمانے لگے کہ اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ معزز ہے؟ کیا تم میرے خاندان کی خاطر مجھے چھوڑتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں اور کتاب اللہ کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے، نہ اس کی اطاعت کرتے ہو اور نہ تعظیم۔ میرا رب تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور عنقریب تمہیں جزا دے گا۔

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

''اور اے میری قوم! تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور

جب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لئے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود"۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! تم اپنی جگہ اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرو اور میں اپنے طریقہ پر کاربند ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا، "جٰثِمِيْنَ" کا معنی ہے بے جان، بے حس و حرکت۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر "صَيْحَةُ" (کڑک) کی صورت میں عذاب آیا۔ سورۂ اعراف میں "رَجْفَةٌ" (زلزلہ) کا ذکر ہے اور شعراء میں عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ "چھتری والے دن کا عذاب" کا۔ ایک ہی امت پر یہ تینوں عذاب کیسے جمع ہوئے؟ ہر سیاق میں اس عذاب کا ذکر ہے جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ جب انہوں نے کہا: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ (الاعراف: 88) "ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے"۔ اس کے مناسب رجفہ کا ذکر کیا۔ ان ظالموں کو زلزلہ نے آ دبوچا جو اپنے نبی کو اپنی بستی سے نکالنا چاہتے تھے۔ یہاں اس صورت میں جب انہوں نے اپنی باتوں سے اپنے نبی کی توہین اور بے ادبی کی تو "صَيْحَةُ" (کڑک) کا عذاب آ گیا جس نے انہیں بے جان لاشوں میں بدل دیا۔ جب انہوں نے یہ کہا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء: 187) "(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راستبازوں میں سے ہو"، تو انہیں عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ نے آ لیا جیسا کہ فرمایا: "فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء: 189)" "تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا"۔ یہ نہایت ہی دقیق اسرار ہیں۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا..... گویا کہ وہ کبھی اس میں آباد ہوئے ہی نہ تھے۔ ہلاکت اور بربادی ہو قوم مدین کے لئے جس طرح قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی۔ قوم ثمود قوم مدین کے پڑوس میں آباد تھی۔ کفر اور ڈاکہ زنی میں دونوں ایک جیسی تھیں اور تھیں بھی دونوں عرب قومیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

"اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔ وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا روز قیامت اور لا ڈالے گا انہیں آتش (جہنم) میں۔ بہت بری داخل ہونے کی جگہ ہے جہاں انہیں داخل کیا جائے گا اور ان پر بھیجی جاتی رہے گی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات واضحہ اور دلائل باہرہ کے ساتھ شاہ قبط فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، وہ گمراہی میں فرعون کی روش اختیار کئے ہوئے تھے اور فرعون کا طریقہ رشد و ہدایت پر نہیں بلکہ جہالت، گمراہی، کفر اور عناد پر

مبنی تھا۔ جس طرح دنیا میں یہ ان کا رہنما تھا اسی طرح قیامت کے دن بھی یہ ان کا پیشوا اور رئیس ہوگا۔ ان کے آگے آگے چلتے ہوئے انہیں جہنم میں لا ڈالے گا جہاں وہ ہلاکت کے جام پئیں گے جبکہ فرعون کو ان کا لیڈر ہونے کے ناطے زیادہ عذاب ملے گا جیسا کہ فرمایا: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (المزمل:16) ''پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا''، فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (النازعات:26-21) ''پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر روگرداں ہوکر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہوگیا۔ پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے''۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ...... متبوعین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا کہ انہیں روز قیامت زیادہ عذاب کا سامنا ہوگا جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38) ''ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''، کفار جہنم میں کہیں گے: رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (الاحزاب:68-67) ''اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امرؤالقیس زمانہ جاہلیت کے شعراء کا جھنڈا اٹھائے جہنم میں جائے گا''(1)۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی آتش جہنم کے علاوہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ دو لعنتیں ہوئیں۔ ایک دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (القصص:42-41) ''اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا''، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46) ''دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝

''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں۔ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی جب آ گیا حکم آپ کے رب کا۔ ان دیوتاؤں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا''۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 228

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کئے اور کفار کی ہلاکت اور مومنین کی نجات کے متعلق آگاہ کیا، اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ ان بستیوں کی خبریں ہیں جن کے متعلق ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں اب بھی آباد ہیں اور بعض پیوند خاک ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ہلاک کر کے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ تکذیب اور کفر کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے اور ان کے معبودان باطلہ انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور نہ انہیں ہلاکت سے بچا سکے بلکہ انہوں نے تو ان کی تباہی میں ہی اضافہ کیا۔ مجاہد، قتادہ وغیرہ ''تَتْبِیْب'' کا معنی خسارہ بیان کرتے ہیں کیونکہ معبودان باطلہ کی اتباع کے سبب انہیں برباد کیا گیا اس لئے دنیا و آخرت میں وہ خائب و خاسر رہے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝

''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو جھٹلانے والی قوموں کو ہلاک کر دیا اسی طرح وہ ان جیسی قوموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اس کی گرفت بہت سخت اور دردناک ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں'' (1)۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

''بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کئے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب)''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کو ہلاک کرنے اور مومنین کو نجات دینے میں قیامت کے متعلق کئے گئے ہمارے وعدہ کی صداقت پر دلیل ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن:51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے''، فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ (ابراہیم:13) ''پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو''، یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (الکہف:47) ''اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یعنی یہ ایسا عظیم دن ہوگا جس میں فرشتے حاضر ہوں گے، انبیاء و رسل موجود ہوں گے، انسان، جن، پرندے، چوپائے، جنگلی جانور اور ہر قسم کی مخلوق وہاں جمع ہوگی اور وہ عادل فیصلہ فرمائے گا جو ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا بلکہ نیکیوں کو دوگنا کر دیتا ہے۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ قیامت قائم ہونے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا میں اس قدر اولاد آدم آباد رہے گی۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور یہ لوگ دنیا میں اپنا مخصوص وقت گزار لیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی، اس لئے فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ یعنی ایک مخصوص مدت تک کے لئے ہم اسے مؤخر کئے ہوئے ہیں جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یعنی جب قیامت کا دن آئے گا تو اذن الٰہی کے بغیر کوئی کلام نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (النباء:38) ''کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''، وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہ:108) ''اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے''، صحیحین کی حدیث شفاعت میں ہے: ''اس دن صرف رسول ہی کلام کر سکیں گے اور ان کی کلام بھی صرف یہ ہوگی: ''اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' (اے اللہ! سلامت رکھ، سلامتی عطا فرما)''(1)۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ قیامت کے دن مخلوق کے دو گروہ ہوں گے: بد بخت اور نیک بخت جیسا کہ فرمایا: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوریٰ:7) ''(اس دن) ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اس فرمان فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ کا نزول ہوا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر کس بناء پر ہم عمل کریں؟ کیا ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت ہو چکی ہے یا ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت نہیں ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت ہو چکی ہے اور قلمیں چل چکی ہیں، لیکن ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان بنا دی جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا''(2)۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۙ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

'' سو وہ جو بدنصیب ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے (مقدر میں) وہاں چیخنا اور چلانا ہوگا وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا پروردگار۔ بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

جہنم میں بد بخت لوگوں کے چیخنے چلانے کا بیان ہو رہا ہے۔ ان کی چیخ و پکار گدھے کی آواز جیسی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''زَفِيْرٌ'' حلق میں اور ''شَهِيْقٌ'' سینے میں ہوتی ہے۔ یہ ان کے لئے عذاب ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی چیز کے دوام کو بیان کرنا چاہتے تو کہتے: هٰذَا دَائِمٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ یعنی جب تک زمین و آسمان قائم ہیں یہ چیز ہمیشہ رہے گی۔ اسی طرح وہ کہتے کہ یہ چیز باقی ہے جب تک گردش لیل ونہار جاری رہے گی، قصہ گو رات کو قصے سناتے رہیں گے اور جانور اپنی دمیں ہلاتے رہیں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 204، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163-167

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ ہود، جلد 11 صفحہ 274-275، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 475

اس سے مراد وہ دوام اور ابدیت لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے محاورۂ عرب کے مطابق خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ فرمایا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سے مراد جنس ہے کیونکہ عالم آخرت میں لازماً اور زمین و آسمان ہوں گے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم:48) ''یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے''، اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمین و آسمان کے علاوہ اور زمین و آسمان ہوں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر جنت کا آسمان اور زمین ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جب تک زمین زمین ہے اور آسمان آسمان ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ...... یہ اس آیت کی طرح ہے: اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ (الانعام:129) ''آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ (نجات دینا) چاہے بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''۔ اس آیت میں مذکور استثناء کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ شیخ ابوالفرج بن جوزی نے اپنی کتاب ''زادالمسیر'' میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں(3)۔ اسی طرح دیگر مفسرین نے بھی متعدد اقوال بیان کئے ہیں جن میں بہت سے اقوال ابن جریر نے نقل کئے ہیں(4)۔ لیکن ان کا پسندیدہ قول وہی ہے جو خالد بن معدان، ضحاک، قتادہ اور ابن سنان سے منقول ہے اور جسے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ یہ استثناء ان اہل توحید گنہگاروں کی طرف لوٹ رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء و رسل اور مومنین کی شفاعت کے باعث آگ سے نکالے گا۔ پھر کبیرہ گناہ کرنے والوں کے متعلق شفاعت ہوگی اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت چارہ سازی فرمائے گی اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکال دے گا جنہوں نے کبھی نیک کام نہیں کیا لیکن اس کی توحید کا اقرار کیا تھا۔ اس مضمون کی کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جہنم میں وہی رہ جائیں گے جنہیں ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کثیر علمائے متقدمین و متاخرین کا یہی موقف ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں متعدد صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ سے غریب اقوال مروی ہیں۔ معجم الطبرانی الکبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی سے ایک غریب حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ استثناء اس فرمان خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے ساتھ منسوخ ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

''اور وہ جو خوش نصیب ہیں تو وہ (نعیم) جنت میں ہوں گے ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا رب۔ یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔

رسولوں کی اطاعت کرنے والے سعادت مند جنت میں ہمیشہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے۔ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ میں استثناء کا معنی یہ ہے کہ نعمتوں بھری جنت میں ان کا دائمی قیام ایسا امر نہیں جو بالذات واجب ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہی ان پر دائمی احسان ہے، اس لئے انہیں تسبیح اور تحمید اس طرح سکھائی جائے گی جس طرح دل میں کوئی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 117
2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 477
3۔ زادالمسیر، جلد 4 صفحہ 160-161
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 120

القاء کی جاتی ہے۔ ضحاک اور حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ بھی موحد گنہگاروں کے حق میں ہے جنہیں کچھ مدت جہنم میں گزارنے کے بعد نکال لیا جائے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ یعنی یہ ایسی عطاء ہے جو ختم ہونے والی نہیں۔ یہ فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ذکر مشیت سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جنت میں قیام دائمی نہیں ہوگا بلکہ دوام اور عدم انقطاع حتمی ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا کہ دوزخیوں کا دائمی عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے اور وہ اپنے عدل اور حکمت سے انہیں عذاب دے گا اس لئے وہاں فرمایا: ''اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ'' اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (الانبیاء: 23) ''نہیں پرسش کی جا سکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی''، یہاں دلوں کو مسرت و اطمینان دلاتے ہوئے اور مقصود کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''موت کو (روز قیامت) چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! ہمیشگی ہے، موت نہیں، اور اے دوزخیو! ہمیشگی ہے، موت نہیں''(1)۔ ایک اور حدیث صحیح میں آتا ہے: ''کہا جائے گا: اے اہل جنت! تم یہاں رہو گے اور کبھی نہ مرو گے، تم جوان رہو گے اور تم پر بڑھاپا کبھی نہیں آئے گا، تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تمہیں نعمتوں کی فراوانی سے نوازا جائے گا اور ہمیشہ مصائب سے دور رہو گے''(2)۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

''تو (اے سننے والے!) نہ ہو جا تو شک میں ان کے متعلق جن کی یہ پوجا کرتے ہیں۔ وہ نہیں پوجتے مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم یقیناً پورا پورا دینے والے ہیں انہیں ان کا حصہ جس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پھر اختلاف کیا جانے لگا اس میں۔ اور اگر ایک بات پہلے طے نہ کر دی گئی ہوتی آپ کے پروردگار کی جانب سے تو فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایسے شبہ میں ہیں اس کے متعلق جو بے چین کر دینے والا ہے۔ اور یقیناً ان سب (اختلاف کرنے والوں) کو پورا پورا بدلہ دے گا انہیں آپ کا رب ان کے کرتوتوں کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کام وہ کرتے ان سے خوب آگاہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرکین کے معبودان باطلہ کے متعلق کسی شک میں نہ پڑنا، ان کی یہ روش باطل، جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے کیونکہ یہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شرک کی پوری پوری جزاء دے گا اور انہیں ایسے عذاب سے دوچار کرے گا جو عذاب وہ کسی اور کو نہ دے گا۔ اگر ان کی کوئی نیکیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے پہلے دنیا میں ہی ان کا پورا پورا بدلہ انہیں عطا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ کا معنی بتلاتے ہیں کہ خیر یا شر کا جو وعدہ ان کے ساتھ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم

1۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ مریم، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 2182

نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی۔ اس کے متعلق لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے، بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا، اے میرے پیارے رسول! آپ کے لئے سابق انبیاء کا اسوۂ موجود ہے، ان کی بھی تکذیب کی گئی، اس لئے ان کفار و مشرکین کی تکذیب پر برافروختہ اور غمزدہ نہ ہوں۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ابھی عذاب آ جاتا۔ ابن جریر اس وَلَوْلَا كَلِمَةٌ...... کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ایک معین مدت تک عذاب کی تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیتا(1)۔ کلمہ سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حجت اور ارسال رسول سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل :15) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''، ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (طٰہٰ :130-129) ''اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے حبیب!) صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر''۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ عنقریب سب لوگوں کو جمع کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ خیر کے بدلے میں خیر اور شر کے عوض شر۔ کیونکہ وہ بندوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اس آیت میں ''لَمَّا'' کے متعلق کئی قرأت ہیں جن کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور آیت میں بھی ہے: وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین :32) ''اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا''۔

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''پس آپ ثابت قدم رہئے جیسے حکم دیا گیا ہے آپ کو اور وہ بھی (ثابت قدم رہیں) جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں اور سرکشی نہ کرو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام اور اہل ایمان کو استقامت پر ہمیشہ کاربند رہنے کا حکم فرما رہا ہے کیونکہ دشمنوں اور مخالفین کے خلاف یہ سب سے بڑا معاون اور مؤثر ہتھیار ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سرکشی اور زیادتی سے منع کیا کیونکہ یہ اگرچہ کسی مشرک پر ہی ہو، تباہ کن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، وہ کسی چیز سے غافل نہیں اور نہ کوئی چیز اس پر مخفی ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''لَا تَرْكَنُوْۤا'' کا معنی ''لَا تُدَاهِنُوْا'' (خوشامد اور چاپلوسی نہ کرو) نقل کرتے ہیں جبکہ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ شرک کی طرف نہ جھکو۔ ابو العالیہ اس کا معنی ''لَا تَرْضَوْا بِاَعْمَالِهِمْ'' ان کے اعمال پر پسندیدگی کا اظہار نہ کرو) بیان کیا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ظالموں کی طرف مت جھکو۔ یہ قول عمدہ ہے، یعنی تم ظالموں سے مدد طلب نہ کرو

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 123

ورنہ تم اس طرح ہو جاؤ گے گویا ان کے اعمال پر تم راضی ہو چکے ہو۔ فرمایا کہ تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آتش جہنم چھوئے گی اور بجز اللہ تعالیٰ کے تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے رہائی دلوا سکے۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

''اور قائم کیجئے نماز دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں۔ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔ اور آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کے اجر کو''۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ طَرَفَیِ النَّهَارِ (دن کے دونوں سرے) سے مراد فجر اور مغرب کی نمازیں مراد ہیں، حسن، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ حضرات حسن (ایک دوسری روایت میں) قتادہ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز فجر اور عصر مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ دن کے پہلے سرے سے مراد نماز فجر اور دوسرے سرے سے مراد نماز ظہر و عصر ہے۔ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ کے متعلق حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت حسن بصری اس سے مراد نماز مغرب اور عشاء لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مغرب اور عشاء دونوں رات کی گھڑیاں ہیں'' (1)۔ مجاہد، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت معراج کی رات پانچ نمازوں کی فرضیت سے قبل نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے صرف دو نمازیں فرض تھیں: ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے دوران آپ ﷺ پر اور امت پر قیام (تہجد) فرض تھا، پھر امت کے حق میں اسے منسوخ کر دیا گیا لیکن آپ ﷺ پر یہ جوں کا توں واجب ہی برقرار رہا۔ ایک قول کے مطابق پھر آپ ﷺ سے بھی یہ (وجوب قیام) منسوخ ہو گیا۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی نیکیاں گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ کو جس قدر منظور ہوتا وہ اس سے مجھے نفع پہنچاتا اور اگر کوئی شخص مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ جب وہ قسم اٹھا لیتا تو میں پھر اس کی تصدیق کرتا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک حدیث بتائی اور انہوں نے سچ بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُذْنِبُ ذَنْبًا فَیَتَوَضَّأُ وَیُصَلِّی رَكْعَتَیْنِ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ (2)۔ ''جو مسلمان کوئی گناہ کرتا ہے، پھر وہ وضو کر کے دو رکعتیں ادا کر لیتا ہے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ جیسا وضو کر کے فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھے جن میں وہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں'' (3)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمان بیٹھے ہوئے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، میرا خیال ہے کہ اس میں بقدر مد پانی ہوگا پھر وضو کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جیسا وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس شخص نے میرے اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 130 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 2

3۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، جلد 1 صفحہ 51، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 204-205

وضو جیسا وضو کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور نماز ظہر ادا کی تو ظہر اور فجر کے درمیان اس کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر عصر کی نماز ادا کی تو اس کے عصر اور ظہر کے درمیان کئے گئے گناہ معاف کر دیئے گئے، پھر نماز عشاء کی ادائیگی سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر وہ بستر پر لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے رات گزارتا ہے پھر اگر بیدار ہو کر اس نے وضو کر کے نماز فجر ادا کر لی تو فجر و عشاء کے درمیان اس کے گناہوں کی مغفرت ہو گئی، یہ ہیں وہ نیکیاں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس سے نہر گزرتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس (کے جسم) پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی؟" صحابہ نے عرض کی: نہیں، یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی طرح پانچ نمازوں کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ اور خطائیں مٹا دیتا ہے" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچوں نمازیں، دو جمعے اور دو رمضان اپنے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے" (3)۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے: "ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطائیں مٹا دیتی ہے" (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نادم ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا اس پر یہ آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... اتری۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ میرے لئے مخصوص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری تمام امت کے لئے" (5)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے باغ میں ایک عورت کے ساتھ سوائے جماع کے سب کچھ کیا۔ صرف میں نے بوس و کنار کیا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا، آپ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کریں۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ شخص چلا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی پردہ پوشی کی تھی، کیا ہی اچھا تھا کہ یہ اپنی پردہ پوشی کرتا، رسول اللہ ﷺ اس شخص کو دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ اس شخص کو میرے پاس لوٹاؤ۔ جب وہ واپس آ گیا تو آپ ﷺ نے اسے یہ آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... سنائی۔ حضرت معاذ، ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ صرف اس شخص کے لئے خاص ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلکہ، تمام لوگوں کے لئے" (6)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کئے ہیں اسی طرح اخلاق بھی تقسیم کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا اس شخص کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس کے ساتھ وہ محبت نہیں کرتا، لیکن دین صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے اسے محبت ہو۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین عطا کر دیا وہ اس کا محبوب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو اور بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے بوائق (ایذاء رسانیاں) سے مامون نہیں ہوتا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! بوائق سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بددیانتی اور ظلم۔ جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے خرچ کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی اور اگر وہ اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 71　　2۔ صحیح بخاری، کتاب المواقیت، جلد 1 صفحہ 140، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 462-463

3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 209　　4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 413

5۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 94، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2115-2116 وغیرہ

6۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2116-2117، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 160 وغیرہ

اسے قبول نہیں کیا جاتا اور وہ جو تر کہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ اس کے لئے آتش جہنم کا توشہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا بلکہ نیکی سے برائی کو ختم کرتا ہے کیونکہ خبیث سے خبیث کو نہیں مٹایا جاسکتا'' (1)۔ ایک انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں ایک عورت کے پاس گیا اور ہر طرح سے اس سے لطف اندوز ہوا لیکن جماع نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ ایک عورت میرے پاس سودا لینے کے لئے آئی۔ میں اسے کوٹھڑی میں لے گیا اور بجز جماع کے ہر طرح سے لطف اندوز ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صد حیف! شاید اس کا خاوند جہاد میں مصروف ہونے کے باعث غیر حاضر ہو گا؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر کے پاس جاکر مسئلہ دریافت کرو۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا، تو آپ نے بھی پوچھا کہ شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ آپ نے بھی عمر جیسی بات کہی۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا، آپ ﷺ نے پوچھا: '' شاید اس کا خاوند راہ خدا میں مصروفیت کے باعث غیر حاضر ہوگا؟'' اس وقت یہ آیت کریمہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... نازل ہوئی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ میرے لئے ہی خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے؟ حضرت عمر نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: نہیں، صرف تیری آنکھیں ہی ٹھنڈی نہ ہوں، بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر نے سچ کہا ہے (3)۔ حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت میرے پاس ایک درہم کی کھجوریں خریدنے کے لئے آئی، میں نے کہا کہ اندر گھر میں اس سے بھی عمدہ کھجوریں موجود ہیں۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تو میں اس کی طرف بڑھا اور بوسہ لے لیا۔ پھر نادم ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ستر پوشی کرو اور کسی کو اس بارے میں آگاہ نہ کرو لیکن مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ جب مجھے یارائے صبر نہ رہا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: '' تم نے راہ خدا میں جانے والے غازی کی بیوی کے ساتھ یہ حرکت کر کے خیانت کی؟'' یہ سن کر میں اپنے آپ کو دوزخی سمجھنے لگا اور خواہش کرنے لگا کہ کاش اس کے بعد میں مسلمان ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر سر جھکائے رکھا۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... لے کر نازل ہوئے۔ آپ ﷺ نے مجھے یہ آیت سنائی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ ایک انسان کے ساتھ خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگوں کے لئے'' (4)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آکر کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ ایسے آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی عورت کے ساتھ ناشائستہ حرکت کرتا ہے اور سوائے جماع کے ہر طرح سے لطف اندوز ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اچھی طرح وضو کرو، پھر اٹھو اور نماز پڑھو''۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دریافت کرنے لگے کہ کیا یہ اس شخص کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے؟ فرمایا: '' بلکہ سب کے لئے'' (5)۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسے ایک عورت یاد آگئی۔ اس نے کسی کام کے بہانے آپ ﷺ سے جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ شخص

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 387 2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 135 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 245

4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 137 5۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 134 تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 136

اس عورت کو تلاش کرنے لگا لیکن نہ پا سکا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو بارش کی نوید سنانے کا ارادہ کیا۔ ادھر آتے ہوئے اس نے ایک کنویں پر اس عورت کو پالیا۔ اسے دھکا دے کر اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا لیکن آلہ تناسل یوں ڈھیلا ہو گیا جیسے کپڑے کا پلو ہوتا ہے۔ وہ نادم ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کارگزاری بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے رب سے استغفار کرو اور چار رکعتیں نماز ادا کرو'' اور آپ ﷺ نے اس پر اس آیت وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... کی تلاوت کی(1)۔ حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ پر حد قائم کیجئے۔ اس نے ایک دو مرتبہ ایسا کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کر لیا۔ پھر نماز کھڑی ہو گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جو کہتا ہے کہ مجھ پر حد لگائیں؟'' اس نے عرض کی: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اچھی طرح وضو کیا اور ہمارے ساتھ ابھی نماز پڑھی؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنی غلطی سے اس طرح پاک ہو گیا ہے جیسا کہ تو اپنی ولادت کے دن تھا، آئندہ ایسا نہ کرنا۔'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری(2)۔ حضرت ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی درخت تلے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی لے کر اسے ہلایا تو اس کے پتے جھڑ گئے، پھر فرمایا: ابوعثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کی: فرمائیے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ گئے۔ پھر اس آیت وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... کی تلاوت کی(3)۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''برائی کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ'' (4)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں کہیں بھی تم ہو، برائی کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو'' (5)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو کوئی برائی کر بیٹھے تو اس کے بعد نیکی کر وہ اس برائی کو ختم کر دے گی۔'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا بھی نیکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب سے افضل نیکی ہے'' (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دن یا رات کی کسی گھڑی میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہتا ہے اس کے نامہ اعمال سے تمام برائیاں ختم کر دی جاتی ہیں اور اس قدر نیکیاں ثبت کر دی جاتی ہیں'' (7)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! میری کوئی چھوٹی بڑی حاجت تشنہ تکمیل نہیں رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (شہادت) ان سب کا خاتمہ کر دے گی'' (8)۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 136　2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 137　3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 437

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 228　5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 153　6۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 169

7۔ مسند ابی یعلی، جلد 6 صفحہ 294، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 82

8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الاذکار، جلد 4 صفحہ 7، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 83

رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

”تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ہوتے جو روکتے زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے مگر وہ قلیل تھے جنہیں ہم نے نجات دی تھی ان سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اس عیش وطرب کے جس میں وہ تھے اور وہ مجرم تھے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ پہلی امتوں میں سے کچھ زیرک اور صالح لوگ ہوتے جو معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں اور خرابیوں سے منع کرتے۔ فرمایا: اِلَّا قَلِيْلًا یعنی ایسے لوگ بہت کم تھے، زیادہ نہیں تھے اور یہی وہ سعادت مند ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بچالیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت شریفہ کو یہ حکم دیا ہے کہ ان میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں جیسا کہ فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: 104) ”ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں“۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جب لوگ برائی کو دیکھیں لیکن اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کو عذاب میں مبتلا کردے“ (1)۔ اس لئے فرمایا: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ......

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...... یعنی یہ ظالم مسلسل گناہ کرتے رہے، کسی نے ان پر اظہار ناپسندیدگی نہ کیا اور یہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ وہ صرف اسی بستی کو برباد کرتا ہے جس کے لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، کسی صالح بستی پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ہود: 101) ”اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر“، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حم السجدۃ: 46) ”اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں“۔

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

”اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھردوں گا جہنم کو جن وانسان (دونوں) سے“۔

اللہ تعالیٰ باخبر کررہا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ایمان یا کفر پر جمع کرکے ایک ہی امت بنادینے پر قادر ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا (یونس: 99) ”اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب“۔

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ لیکن لوگ دین، عقیدہ، مذہب، مسلک اور آراء میں مختلف رہیں گے، عکرمہ کہتے ہیں کہ ہدایت میں مختلف رہیں گے، حسن بصری فرماتے ہیں کہ رزق میں، لیکن مشہور اور صحیح قول پہلا ہے۔ اس حکم سے ان لوگوں کی استثناء کردی جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا، انہوں نے انبیاء ورسل کی اتباع کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیا، وہ اسی دین پر کاربند رہے یہاں تک کہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ کی اتباع کی، آپ کی تصدیق کی اور آپ کی تائید ومعاونت کی، اس

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 122 وغیرہ

طرح وہ دنیا وآخرت کی سعادت کے حصول میں کامیاب ہو گئے کیونکہ نجات پانے والا یہی گروہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی بجز ایک فرقہ کے تمام فرقے دوزخی ہیں'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا: اس طریقہ کے پیروکار جس پر میں اور میرے صحابہ کار بند ہیں''(1)۔ عطاء کہتے ہیں کہ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ سے مراد یہود، نصاریٰ اور مجوسی ہیں اور اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے مراد دین حنیف کے پیروکار ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ رحمت الٰہی کی مستحق یہی جماعت ہے خواہ ان کے وطن اور بدن جدا جدا ہوں اور اہل معصیت فرقوں میں بٹے ہوئے لوگ ہیں اگرچہ ان کے وطن اور بدن ایک ہوں۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ میں ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ کس طرف ہے؟ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اشارہ اختلاف کی طرف ہے یعنی اس اختلاف کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو گروہوں میں پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہے: فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ (ہود: 105) ''بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب''۔ بعض نے کہا ہے کہ اشارہ رحمت کی طرف ہے یعنی رحمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے انہیں پیدا کیا۔ دو شخص حضرت طاؤس کے پاس جھگڑا لے کر آئے اور جھگڑا طول اختیار کر گیا۔ حضرت طاؤس فرمانے لگے کہ تم نے اختلاف کو طول دے دیا ہے تو ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ تو نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ...... آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اختلاف کریں بلکہ متحد رہنے اور رحمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے، عذاب کے لئے نہیں پیدا کیا۔ مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور یہ قول اس آیت کی طرف راجع ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 56) ''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔ بعض نے کہا ہے کہ اشارہ رحمت اور اختلاف دونوں کی طرف ہے یعنی رحمت اور اختلاف کے لئے پیدا کیا جیسا کہ ایک روایت میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ لوگ مختلف ادیان میں بٹے رہیں گے۔ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا وہ اختلاف کرنے والا نہیں ہوگا۔ آپ سے کہا گیا کہ اسی لئے انہیں پیدا کیا گیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کے لئے پیدا کیا، انہیں دوزخ کے لئے اور انہیں عذاب کے لئے۔ عطاء بن ابی رباح اور اعمش کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک فریق جنت میں اور ایک دوزخ میں۔ اس قول کو ابن جریر اور فراء نے پسند کیا ہے۔(2) ایک دوسری روایت میں مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں رحمت کے حصول کے لئے پیدا کیا جبکہ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اختلاف کی خاطر انہیں پیدا کیا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے علم تام اور حکمت نافذہ کے باعث قضاء وقدر میں یہ طے کر رکھا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کچھ لوگ جنت کے مستحق ہوں گے اور کچھ دوزخ کے اور ان دونوں گروہوں سے جنت اور دوزخ پر کئے جائیں گے۔ اس میں اس کی حجت بالغہ اور حکمت تامہ مضمر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہو گیا، جنت کہنے لگی: مجھے کیا ہے، مجھ میں صرف کمزور اور حقیر لوگ داخل ہوں گے، دوزخ نے کہا: مجھے متکبر اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 128-129، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 197-198 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 12، صفحہ 144، معانی القرآن للفراء، جلد 2، صفحہ 31

گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے سبب میں جس پر چاہوں رحم فرماؤں اور دوزخ سے کہا کہ تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعے میں جس سے چاہوں انتقام لوں، تم میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے۔ جنت میں ہمیشہ مزید کی گنجائش ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو باقی ماندہ جنت میں سکونت اختیار کرے گی اور دوزخ ہمیشہ یہ کہتا رہے گا: ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' (کیا اور ہے) یہاں تک کہ اللہ رب العزت اس پر اپنا قدم رکھ دے گا تو وہ کہہ اٹھے گا: تیری عزت کی قسم! بس بس'' (1)۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

''اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لئے ہیں کہ پختہ کر دیں ان سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔ اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورت میں حق اور یہ نصیحت اور یاددہانی ہے اہل ایمان کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم سابق انبیاء و رسل کے واقعات آپ کو سنا رہے ہیں کہ ان کی امتوں نے کس طرح ان کی تکذیب کی، جھگڑتے رہے اور کس طرح ان ہستیوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی کو برداشت کیا اور پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح و نصرت سے شادکام کیا اور اپنے دشمن کافروں کو بے یار و مددگار کر کے نیست و نابود کر دیا، ان تمام واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ ہم ان کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں کیونکہ ان انبیاء و رسل کا اسوہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ میں ''هٰذِهِ'' کا اشارہ یا تو اس سورت کی طرف ہے یا دنیا کی طرف یعنی اس سورت میں یا اس دنیا میں آپ کے پاس حق آ گیا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اشارہ اس سورت کی طرف ہے یعنی اس سورت میں جو قصص انبیاء، مومنین کی نجات اور کفار کی ہلاکت کی کیفیت پر مشتمل ہے، آپ کے پاس حق، صداقت اور ایسی پند و نصیحت آ گئی جو کفار کے لئے عبرت ہے اور اس میں اہل ایمان کے لئے یاددہانی ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

''اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر، اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ایمان نہ لانے والوں سے بطور دھمکی کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ اپنے طریقے کے مطابق عمل کرو اور میں اپنے طریقے اور منہج پر گامزن ہوں، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی منتظر ہوں، فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (الانعام: 135) ''تو تم جان لو گے کہ کس کے لئے ہوتا ہے اچھا انجام اس دنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھ فتح و نصرت اور تائید و حمایت کا کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ اپنے کلمہ کو سربلند اور کفار کے کلمہ کو سرنگوں کر دیا اور اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2186

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

''اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام پوشیدہ چیزوں کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ عنقریب یوم حساب کو ہر آدمی اپنے عمل کی جزاء پائے گا۔ ہر چیز کی تخلیق اور ہر حکم اسی کا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے اور توکل اختیار کرنے کا حکم دیا اور وہ ہر شخص کے لئے کافی ہے جو اس پر توکل کرے اور اس کی طرف رجوع کرے اور وہ جھٹلانے والوں کے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ وہ ان کے احوال اور اقوال سے باخبر ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں عنقریب انہیں پوری جزاء دے گا اور اے میرے پیارے رسول! آپ کو اور آپ کی جماعت کو دارین میں نصرت و سعادت حاصل ہوگی۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ سورۂ ہود کے اختتام جیسا تورات کا اختتام ہے(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 148

سورۂ یوسف (مکیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دم کرنے والے کو سورۂ یوسف سکھاؤ کیونکہ جو مسلمان اس (سورت) کی تلاوت کرتا ہے یا اپنے گھر والوں کو یا اپنے ماتحتوں کو یہ سورت سکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر سکرات موت آسان کر دیتا ہے اور اسے اس قدر قوت عطا فرماتا ہے کہ وہ کسی مسلمان پر حسد نہیں کرتا'' اسناد کے بالکل ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس کا ایک متابع ذکر کیا ہے لیکن اس کی تمام سندیں منکر ہیں۔ امام بیہقی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کرتے ہیں کہ یہود کے ایک گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو مسلمان ہو گئے کیونکہ ان کے ہاں تورات میں بھی یہ قصہ اسی طرح بیان ہوا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (1)۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۞ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ۞

''الف۔ لام۔ را۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی بیشک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تا کہ تم (اسے) خوب سمجھ سکو۔ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے''۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ فرمایا کہ یہ اس واضح اور جلی کتاب کی آیات ہیں جو مبہم اشیاء کی وضاحت اور تفسیر بیان کرتی ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ عربی زبان میں قرآن کریم نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ زبان تمام زبانوں سے زیادہ فصیح، واضح اور وسیع معانی کو بیان کرنے والی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے اعلیٰ کتاب، سب سے بہترین زبان میں، سب سے افضل رسول پر، سب سے اشرف فرشتے کے ذریعے اور سب سے زیادہ مقدس جگہ پر نازل فرمائی، اس لئے فرمایا: نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ...... یعنی ہم بذریعہ وحی قرآن آپ پر بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر آپ ﷺ کوئی قصہ ہمیں سناتے؟ اس پر یہ آیت اتری (2)۔ حضرت مصعب بن سعد اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تک قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر اترتا رہا اور آپ ﷺ صحابہ پر اس کی تلاوت کرتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6 صفحہ 276 2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 150

کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کوئی واقعہ بیان کر دیں، اس پر یہ آیت اتری اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (الزمر: 23) ''اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام'' (1)۔ حضرت عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کچھ اکتا سے گئے، عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہمیں کوئی واقعہ سنائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ نازل فرمائی۔ پھر اکتا کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں عام گفتگو سے اوپر اور قرآن کریم سے نیچے کا کوئی قصہ سنائیں۔ اس پر سورۂ یوسف کی یہ آیات اتریں۔ انہوں نے کسی حدیث (خبر) کی خواہش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث پر ان کی رہنمائی کر دی، انہوں نے کوئی قصہ سننا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں احسن القصص پر آگاہ کر دیا (2)۔ چونکہ یہ آیت کریمہ مدح قرآن پر مشتمل ہے اور قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو باقی تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے، اس لئے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کو بیان کر دیا جائے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو کسی اہل کتاب سے آپ کے ہاتھ لگی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نہایت غضبناک ہو کر فرمانے لگے: ''کیا اس میں پڑ کر تم بہک جانا چاہتے ہو، اے ابن خطاب؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس اسے (شریعت کو) نہایت روشن اور بڑا ں لایا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھو، ممکن ہے کہ وہ تمہیں حق بات کی خبر دیں اور تم اسے جھٹلا دو یا باطل کی خبر دیں اور تم اس کی تصدیق کر بیٹھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی، بجز میری اتباع کے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا'' (3)۔ حضرت عبداللہ بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میں بنو قریظہ کے اپنے ایک (یہودی) دوست کے پاس سے گزرا تو اس نے مجھے تورات کی چند جامع باتیں لکھ دیں، کیا میں آپ کو سناؤں؟ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا حضرت عبداللہ بن قیس حضرت عمر سے کہنے لگے کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ناگواری اور غصے کے آثار نہیں دیکھ رہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد (ﷺ) ہمارے رسول ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ جاتا رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں موسیٰ آ جاتے پھر تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو گمراہ ہو جاتے، امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو اور انبیاء میں سے میں تمہارا حصہ ہوں'' (4)۔ خالد بن عرفطہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص جس کا مسکن سوس تھا، لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: کیا تم فلاں بن فلاں قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم ہی سوس میں مقیم ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے اسے ایک چھڑی ماری۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میرا کیا قصور ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھو، جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے اس پر سورۂ یوسف کی یہ آیات الٓرٰ...... لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ تلاوت کیں۔ تین مرتبہ آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور چھڑی کی تین ضربیں لگائیں۔ وہ آدمی پوچھنے لگا کہ اے امیر المومنین! میرا گناہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ہی ہے جس نے دانیال کی کتاب نقل کی ہے، وہ کہنے لگا کہ آپ حکم دیں، میں اس کی اتباع کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اور اسے گرم پانی اور سفید روئی کے ساتھ مٹا ڈالو، پھر اسے نہ خود پڑھنا اور نہ کسی کو پڑھانا۔ اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ تم نے

1۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ یوسف، جلد 2، صفحہ 345
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 150
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 387
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 265-266

اسے خود پڑھا ہے یا کسی کو پڑھایا ہے تو میں سزا دیکر تمہارا کچومر نکال دوں گا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے اہل کتاب سے ایک کتاب لکھی پھر میں اسے ایک چمڑے میں لپیٹ کر لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے عمر! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کتاب میں نے نقل کی ہے تا کہ ہم مزید علم حاصل کرلیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ شدید غصہ میں آ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے رخسار سرخ ہو گئے۔ پھر منادی کی گئی کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔ انصار کہنے لگے کہ کیا آپ ﷺ غضبناک ہو گئے ہیں؟ اسی وقت انہوں نے ہتھیار سنبھالے اور منبر رسول ﷺ کے اردگرد چوکنے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے جامع اور خاتم کلمات سے نوازا گیا ہے اور میرے لئے نہایت ہی اختصار کیا گیا ہے، میں تمہارے پاس سفید اور صاف ستھری شریعت لایا ہوں، اس لئے بیوقوفی کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ بے وقوف تمہیں دھوکے میں ڈالیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں اس بات پر راضی ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور آپ میرے رسول ہیں۔ پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے(1)۔ اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی حدیث صحیح نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ ایک اور سند سے اس کا ایک شاہد موجود ہے جسے حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی نے بیان کیا ہے کہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حمص میں دو شخص رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حمص کے چند افراد کے ساتھ ان دونوں کو بھی بلا بھیجا۔ انہوں نے یہود سے چند منتخب چیزیں لکھ کر ایک مجموعہ تیار کیا ہوا تھا، وہ اس مجموعے کو بھی ساتھ لیتے آئے تا کہ اس کے متعلق امیر المومنین کی رائے لے لیں۔ اگر تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تو اس میں ہماری رغبت بڑھ جائے گی اور اگر آپ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تو ہم اس سے دستکش ہو جائیں گے۔ وہ دونوں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ رہتے ہیں اور ہم ان سے ایسی کلام سنتے ہیں جس سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا ہم اس میں سے کچھ لے لیں یا ترک کر دیں؟ آپ نے پوچھا کہ شاید تم نے اس میں سے کچھ لکھا ہے، وہ کہنے لگے: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں میں خیبر گیا۔ وہاں ایک یہودی سے میری ملاقات ہوئی، اس کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنی کچھ باتیں لکھ دو گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں ایک چمڑا لایا جس پر وہ مجھے املاء کروانے لگ گیا یہاں تک کہ میں نے کناروں پر بھی لکھ لیا۔ جب میں واپس لوٹا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لاؤ'' میں خوشی خوشی اس خیال سے اسے لانے کے لئے چلا کہ شاید کوئی چیز آپ ﷺ کو پسند آ جائے۔ جب میں آپ ﷺ کے پاس اسے لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھو اور مجھے پڑھ کر سناؤ'' میں تھوڑی دیر اسے پڑھتا رہا، پھر میں نے آپ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو اسے متغیر پایا۔ یہ دیکھ کر میں لرز گیا، پھر میری زبان سے مزید ایک حرف بھی نہ نکلا۔ جب آپ ﷺ نے میری یہ حالت دیکھی تو اس تحریر کو اٹھا لیا اور پھر آپ ﷺ اپنی تھوک سے ایک ایک حرف مٹانے لگے اور فرمانے لگے: ''ان لوگوں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ یہ خود بھی بہک گئے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکا رہے ہیں'' یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس تحریر کا ایک ایک حرف مٹا دیا۔ پھر حضرت عمر ان دونوں آدمیوں کو فرمانے لگے کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم نے ان کی باتیں لکھی ہیں تو میں تمہیں سزا دیکر اس امت کے لئے عبرت بنا دیتا۔ وہ کہنے لگے: قسم بخدا، ہم کبھی بھی کوئی ایسی چیز نہیں لکھیں گے۔ وہ دونوں اپنے

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 497، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 182

مجموعے کو لے کر نکل گئے اور گڑھا کھود کر دفن کر دیا(1)۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝

”(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے (محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں“۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ علیہ السلام کے والد یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز سب سے زیادہ متقی ہے“۔ صحابہ عرض کرنے لگے کہ ہم اس بارے میں آپ سے نہیں پوچھ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسف ہیں جن کے والد بھی نبی، دادا بھی نبی اور پردادا بھی نبی اور خلیل اللہ ہیں“۔ صحابہ عرض کرنے لگے کہ یہ بھی سوال سے ہمارا مقصود نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تم قبائل عرب کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”زمانہ جاہلیت میں ممتاز اور نمایاں لوگ اسلام میں بھی ممتاز اور نمایاں ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لیں“ (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء کے خواب وحی خدا ہوتے ہیں۔ مفسرین نے اس خواب کی تعبیر کے متعلق کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے بھائی ہیں جن کی تعداد گیارہ تھی۔ سورج اور چاند سے مراد آپ کے والدین ہیں۔ یہ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے۔ اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد اور بقول بعض اسی سال بعد ظہور پذیر ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ نے اپنے والدین کو اپنے تخت پر بٹھایا اور آپ کے بھائی آپ علیہ السلام کے سامنے تھے، وہ سجدہ ریز ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا (یوسف: 100) ”اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے“۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بستانہ نامی ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ مجھے ان ستاروں کے نام بتایئے جنہیں یوسف علیہ السلام نے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا؟ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو ان ستاروں کے نام بتا دیئے۔ آپ ﷺ نے اس یہودی کو بلایا اور پوچھا: اگر میں ان کے نام بتا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جربان، طارق، ذیال، ذوالکتفین، قابس، وثاب، عمودان، فیلق، مصبح، ضروح اور ذوالفرع“۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا: ہاں، خدا کی قسم، ان ستاروں کے یہی نام ہیں(4)۔ اس روایت کو ابن جریر، ابویعلیٰ، بزار اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے۔

1۔ مراسیل ابی داؤد: 48
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6، صفحہ 95، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 96
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6، صفحہ 95
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3، صفحہ 53، دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6، صفحہ 277 وغیرہ

مسند ابویعلیٰ میں کچھ اضافہ بھی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب یوسف نے یہ خواب دیکھا تو اپنے والد محترم حضرت یعقوب سے بیان کر دیا۔ آپ کے والد محترم آپ سے فرمانے لگے کہ یہ بکھرا ہوا معاملہ ہے جسے بعد میں اللہ تعالیٰ جمع کر دے گا۔ سورج باپ ہیں اور چاند ماں''۔ اسے بیان کرنے میں حکم بن ظہیر فزاری منفرد ہیں جنہیں آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اکثر نے متروک گردانا ہے۔ جورجانی نے ساقط کہا ہے۔ حدیث حسن یوسف کے یہی راوی ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

''آپ نے فرمایا اے میرے بچے نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے اپنا وہ خواب بیان کیا جس کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے بھائی سر تسلیم خم کریں گے اور اس قدر آپ کی تعظیم بجالائیں گے کہ آپ کے احترام واکرام میں آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے تو آپ کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو منع کر دیا کہ اپنے کسی بھائی کو یہ خواب مت سنانا ورنہ خدشہ ہے کہ وہ آتش حسد میں مبتلا ہو کر تمہارے درپے آزار ہو جائیں گے اور تمہیں کسی گہری سازش کا شکار کر دیں گے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے بیان کر دے اور جب برا خواب دیکھے تو کروٹ بدل لے اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے اور اس کی شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی کے سامنے اسے بیان نہ کرے تو یہ (خواب) اسے نقصان نہیں پہنچائے گا''(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے (گویا) وہ پرندے کے پاؤں پر ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے''(2)۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نعمت جب تک حاصل نہ ہو جائے اور خود ظاہر نہ ہو اسے چھپانا چاہئے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ضروریات کے پورا کرنے پر ان کے چھپانے سے مدد لیا کرو کیونکہ ہر ذی نعمت شخص پر حسد کیا جاتا ہے''(3)۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

''اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب اور سکھا دے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر۔ یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نور نظر یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا اور تمہیں یہ ستارے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 3، صفحہ 1772-1773، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 305 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 305، سنن ابن ماجہ، کتاب الرویا، جلد 2، صفحہ 1288 وغیرہ

3۔ جامع صغیر از سیوطی، جلد 1، صفحہ 128

مع شمس وقمر تمہیں سجدہ کرتے ہوئے دکھائے، اسی طرح وہ تمہیں نبوت کے لئے چن لے گا اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور منصب نبوت ورسالت پر فائز کر کے اسی طرح تم پر نعمت کی تکمیل فرمائے گا جس طرح اس نے تمہارے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام اور پردادا حضرت خلیل علیہ السلام پر اپنی نعمت کو مکمل کیا تھا اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون شرف نبوت ورسالت سے مشرف ہونے کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

''بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں (کے قصہ) میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں دریافت کرنے والوں کے لئے۔ جب بھائیوں نے (آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے حالانکہ ہم ایک (مضبوط) جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارے والد (ایسا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں۔ قتل کر ڈالو یوسف کو یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں۔ (یوں) تنہا ہو جائے گا تمہاری طرف تمہارے باپ کا رخ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم۔ (یہ سن کر) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں اٹھا لیں گے اسے کوئی راہ چلتے مسافر اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں دریافت کرنے والوں کے لئے عبرت ونصیحت کی متعدد نشانیاں ہیں کیونکہ یہ عجیب وغریب قصہ ہے جو واقعی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک ہی والدہ کے شکم سے تھے۔ آپ کے بھائی قسم اٹھا کر کہنے لگے کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین ہمارے باپ کو ہماری نسبت زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، اس لئے ہمارے مقابلے میں یہ دو کیسے زیادہ محبوب ہو گئے، یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس ترجیحی سلوک میں ہمارے والد صریح غلطی کا شکار ہیں۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں اور ان آیات کا سیاق تو بالکل اس کے برعکس پر دلالت کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ خیال محل نظر ہے اور کسی دلیل کی محتاج ہے۔ ان کے پاس اس آیت کے سوا اور کوئی دلیل نہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (البقرہ:136) ''کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام و اسحٰق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف''۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ لفظ ''اَسْبَاطِ'' کے لفظ کو بطور دلیل پیش کرنا بھی احتمال سے زیادہ وقعت کا حامل نہیں کیونکہ بنی اسرائیل کے بطون (خاندانوں) کے لئے ''اَسْبَاطِ'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس طرح عربوں کے لئے قبائل اور عجمیوں کے لئے شعوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اسباط بنی اسرائیل میں سے پیغمبروں کی طرف وحی کی، چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے اجمالی طور پر ان کا ذکر کیا لیکن ہر سبط برادران یوسف میں سے ہی کسی ایک کی نسل تھی اور اس

بات کی کوئی دلیل نہیں کہ خاص ان بھائیوں کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔

اقْتُلُوْا یُوْسُفَ...... برادران یوسف آپس میں کہنے لگے کہ یہ جو تمہارے ساتھ باپ کی محبت میں رکاوٹ بنا ہوا ہے، اس کا قصہ ہی پاک کردو، اسے کہیں غائب کردو تاکہ والد صاحب کی توجہ ہمارے لئے خاص ہو جائے۔ یا تو اسے قتل کر ڈالو یا کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں پھینک دو اور پھر اس کے بعد توبہ کر کے نیکوکار بن جانا۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نے مشورہ دیا، یہ سب سے بڑا تھا جس کا نام روبیل تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ مشورہ دینے والا یہودا تھا، مجاہد کہتے ہیں کہ شمعون نے یہ مشورہ دیا کہ تم یوسف کی عداوت اور بغض میں انتہاء پسندی کا مظاہرہ نہ کرو کہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو جاؤ، اور وہ آپ علیہ السلام کو قتل کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنا تھا اور ملک مصر کی بادشاہت سے نوازنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے روبیل کے مشورہ کے ذریعے انہیں اس اقدام سے باز رکھا کہ اسے کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں ڈال دو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ بیت المقدس کا کنواں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرے گا اور وہ اسے اٹھا کر کہیں دور لے جائیں گے، اس طرح مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور قتل کرنے کے جرم سے بھی بچ جائیں گے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ برادران یوسف علیہ السلام نے ایک بہت بڑے جرم پر اتفاق کیا یعنی قطع رحمی، والد کی نافرمانی، بے گناہ چھوٹے بھائی پر ظلم، حق و حرمت اور مرتبہ وفضیلت کے حامل بڑے بوڑھے کے ساتھ زیادتی، اپنے بوڑھے باپ اور ان کے کمسن، لاڈلے اور محبوب نور نظر کے درمیان جدائی ڈالنا، یہ سب معمولی چیزیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، وہ ارحم الراحمین ہے(1)۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

"(یہ طے کرنے کے بعد) انہوں نے (آکر) کہا اے ہمارے باپ کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار ہی نہیں کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ ہم تو اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔ آپ بھیجئے اسے ہمارے ساتھ کل تا کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور (کوئی فکر نہ کیجیے) ہم اس کے نگہبان ہیں"۔

جب انہوں نے اپنے بھائی روبیل کے مشورہ پر آپ علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے پر اتفاق کر لیا تو وہ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم سے مطمئن نہیں حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ یہ ان کی تمہید کلام اور جھوٹ پر مبنی دعویٰ تھا کیونکہ وہ تو حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ کہنے لگے کہ آپ کل یوسف کو ہمارے ساتھ روانہ کریں، ہم سیر و تفریح کریں گے۔ "یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ" اور "نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ" دونوں قرأتیں ہیں(2)۔ مزید کہنے لگے کہ ہم اس کے محافظ ہیں، ہم آپ کی خاطر اس کی مکمل دیکھ بھال کریں گے۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا لَىٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

"آپ نے فرمایا بیشک مجھے غمزدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا اور تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 154
2۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 669

(سیر و تفریح کے باعث) اس سے بے خبر ہو۔ کہنے لگے اگر کھا جائے اسے بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں۔ بلاشبہ ہم تو بڑے زیاں کار ہوئے“۔

بیٹوں کے مطالبہ کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اتنی دیر بھی یوسف کا میری نظروں سے اوجھل ہونا مجھے غمزدہ کرتا ہے اور مجھ پر شاق گزرتا ہے، اس فرط محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی ذات میں خیر عظیم، شمائل نبوت اور کمالات صوری و معنوی کے آثار کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ آپ فرمانے لگے کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تم تیراندازی اور جانور چرانے میں مشغول ہو جاؤ اور تمہاری اس لاشعوری کی حالت میں کوئی بھیڑیا آ کر یوسف کو کھا لے۔ یہ بات انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے سن کر پلے باندھ لی اور پھر اپنے جرم کا یہی عذر پیش کیا۔ وہ اسی وقت جواب میں کہنے لگے: لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ......

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

”پھر جب (بڑے اصرار سے) اسے لے گئے اور سب نے یہی طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں۔ اور (عین اس وقت) ہم نے اس کی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں) تم ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر اور وہ (تیرے رتبہ عالی کو) نہیں سمجھتے“۔

برادران یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے ساتھ بات چیت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں ڈال دینے پر اتفاق کر لیا، حالانکہ جب وہ آپ کو اپنے باپ کے پاس سے لائے تھے تو اس وقت بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہ کہہ کر لائے تھے کہ اس کی سیر و تفریح ہو جائے گی، دل بہل جائے گا اور مسرت حاصل ہو گی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے لگے تو آپ نے انہیں سینے سے لگایا، بوسہ لیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ بس باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہونے کی دیر تھی کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے احترام و اکرام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایذاء دینی شروع کر دی۔ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور زدوکوب کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ پھر آپ کو لے کر اس گہرے کنوئیں کی طرف بڑھے جس میں آپ کو پھینکنے کا انہوں نے پروگرام بنایا تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے آپ کو رسی کے ساتھ جکڑ دیا اور ڈول میں ڈال کر نیچے گرانا چاہا۔ آپ ہر ایک سے رحم کی اپیل کرتے لیکن وہ چپت رسید کر کے اور برا بھلا کہہ کر آپ کو پیچھے دھکیل دیتا۔ جب آپ کنوئیں کے کناروں کے ساتھ چمٹتے تو وہ آپ کے ہاتھوں پر ضربیں لگاتے، آخرکار انہوں نے آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ جب آپ کنوئیں کی نصف مسافت پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی آپ پانی کی تہہ میں جا گرے۔ درمیان میں ایک بڑا پتھر تھا جسے راغوفہ کہا جاتا ہے اس کے اوپر آپ کھڑے ہو گئے۔ اس نازک صورت حال اور تنگی کے وقت آپ پر لطف و کرم فرماتے ہوئے، اطمینان دلاتے ہوئے اور تثبیت قلب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ضرور اپنے بھائیوں کو ان کی اس کارستانی سے آگاہ کریں گے، اس لئے صورت حال سے آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے عہدہ برآ ہونے کی آپ کو توفیق مرحمت فرمائے گا اور اس مصیبت سے خلاصی کی راہ پیدا کر دے گا۔ وہ آپ کو بلند مرتبہ سے نوازے گا، درجات بلند فرمائے گا اور بھائیوں پر فوقیت عطا کرے گا۔ اللہ

تعالیٰ کے فرمان وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کے متعلق مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ برادران یوسف کو یہ شعور نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شرف نبوت سے نوازے گا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ انہیں ان کے جرم سے آگاہ کریں گے اس حال میں کہ وہ آپ کو نہیں پہچانیں گے بلکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ آپ یوسف ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب برادران یوسف علیہ السلام آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا، لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ آپ نے ایک پیالہ منگوایا اسے اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا، جب اس میں سے آواز نکلی تو آپ نے فرمایا کہ یہ جام مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی یوسف تھا جو اپنے باپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، تم اسے بہانے سے لے گئے اور ایک گہرے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر آپ نے پیالے کو انگلی کے ساتھ بجایا تو اس میں سے آواز نکلی۔ آپ فرمانے لگے کہ پھر تم اپنے باپ کے پاس اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر چلے آئے اور کہنے لگے کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ جام تو بادشاہ کو تمہارے کرتوت سے آگاہ کر رہا ہے۔ اس چیز کو اس آیت لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا...... میں بیان کیا گیا ہے(1)۔

جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿16﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾

''اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری کرتے ہوئے۔ (آکر) کہا اباجی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس!) کھا گیا اس کو بھیڑیا اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں۔ اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر۔ آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمہارے نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بھائیوں نے جو کھیل رچایا اس کی خبر دی جارہی ہے۔ وہ واپس اپنے باپ کے پاس روتے پیٹتے، گریہ و فغاں کرتے ہوئے، یوسف پر اظہار تاسف اور جزع فزع کرتے ہوئے، اپنے باپ کو دکھ کا تاثر دلاتے ہوئے اور یہ بہانہ گھڑتے ہوئے آئے کہ ابا جان! ہم ذرا دوڑ لگانے اور تیراندازی کے لئے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ ایک بھیڑیا آیا اور یوسف کو نگل گیا، اسی خدشہ کا اظہار حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ اپنے دعویٰ کو پختہ کرنے کے لئے بڑی حیلہ سازی سے کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہے اگرچہ ہم سچے ہیں پھر بھی آپ ہماری تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہماری بات پر آپ یقین کریں گے، خصوصاً اس صورت حال میں تو آپ کو بالکل یقین نہیں آئے گا کیونکہ آپ کو پہلے ہی یہ خدشہ تھا کہ کہیں بھیڑیا یوسف کو نہ کھا جائے، سو ایسا ہی ہوا۔ اب اگر آپ ہمیں جھٹلائیں تو اس میں آپ معذور ہیں اور اس کا حق بھی آپ کو پہنچتا ہے کیونکہ یہ واقعہ ہی بہت غریب

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 162

ہے اور اتفاق ہی ایسا ہوا ہے کہ ہمیں خود اس پر بہت تعجب ہے۔ اپنے دعویٰ کی صداقت پر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود پیرہن پیش کر دیا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور اس کے خون میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لت پت کیا یہ وہم دلانے کے لئے کہ بھیڑیا کے حملہ آور ہوتے وقت یوسف نے یہ قمیص پہن رکھی تھی، لیکن اس قمیص کو پھاڑنا بھول گئے، اس لئے یہ کھیل کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صراحۃً تو نہیں البتہ اشارۃً ان کے جھوٹ کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یعنی جس طرح تم کہہ رہے ہو معاملہ اس طرح نہیں بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے اس جرم کو آراستہ کر دیا، اب میں تمہاری اس گھناؤنی سازش پر صبر جمیل کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے میری چارہ سازی فرمائے اور اس دکھ کو ٹال دے اور جس جھوٹ اور محال چیز کا تم دعویٰ کر رہے ہو، اس پر میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر درندے نے آپ کو کھایا ہوتا تو آپ کی قمیص ضرور پھٹ جاتی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جس میں جزع فزع نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے صبر جمیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا صبر جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔ حضرت ثوری کسی سے نقل کرتے ہیں کہ صبر تین چیزوں کا نام ہے: اپنے دکھ درد کا اظہار نہ کرنا، اپنی مصیبت کے متعلق کسی کو آگاہ نہ کرنا اور اپنے آپ کو پاک نہ سمجھنا (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کی ہے جس میں آپ پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے، اس میں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میری اور تمہاری مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ (2)۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَٰبُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَٰهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلزَّٰهِدِينَ ﴿٢٠﴾

"اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا تو اہل قافلہ نے (پانی لانے کے لئے) اپنا آب کش بھیجا اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکار اٹھا مژدہ باد! یہ (لو کتنا من موہنا) بچہ ہے۔ اور انہوں نے چھپا دیا اسے متاع (گراں بہا) سمجھتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور انہوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیری قیمت پر چند درہموں کے عوض۔ اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے"۔

کنوئیں میں ڈالے جانے کے بعد کنوئیں کی تاریک اور وحشت ناک تنہائی میں آپ علیہ السلام پر کیا بیتی، اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ بقول ابوبکر بن عیاش تین دن تک کنوئیں میں رہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈالنے کے بعد برادران یوسف تمام دن کنوئیں کے ارد گرد بیٹھے تماشا دیکھتے رہے کہ یوسف پر کیا گزرتی ہے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک قافلہ اس کنوئیں کے نزدیک فروکش ہوا، انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آبکش بھیجا جب وہ اس کنوئیں پر آیا اور اپنا ڈول اس میں ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ پانی کے بجائے ایسا من موہنا بچہ دیکھ کر وہ آبکش خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ پکار اٹھا: اے خوشخبری، یہ (چاند سا) بچہ ہے۔ ایک قرأت میں "يَٰبُشْرَاىَ" بھی آیا ہے (3)۔ سدی کا خیال ہے کہ بشریٰ اس آبکش کے ساتھی کا نام ہے جسے اس نے پکار کر آگاہ کیا تھا کہ اسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 166　　2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6 صفحہ 96　　3۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 679

ایک بچہ ملا ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ اس لفظ کی یہ تفسیر صرف حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں منقول ہے۔
''یٰبُشْرٰی '' قرأت ہو یا ''یٰبُشْرَایَ '' (یائے متکلم کی طرف اضافت کے ساتھ) ہو دونوں ہم معنی ہیں۔ کبھی کبھی یائے متکلم کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن وہ مراد لی جاتی ہے جیسے عرب کہتے ہیں: ''یَا نَفْسُ اصْبِرِیْ '' اور'' یَا غُلَامُ اَقْبِلْ ''۔ اصل میں یا نفسی اور یا غلامی ہے۔ یاء متکلم کو حذف کر دیا، حذف کی صورت میں منادیٰ کو پیش اور زیر دینا دونوں جائز ہیں۔ ''یٰبُشْرٰی '' کی قرأت اسی کی تفسیر بیان کرتی ہے(1)۔

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً قافلہ کے پانی لانے والے لوگوں نے آپ علیہ السلام کو متاع گراں بہا سمجھتے ہوئے چھپالیا۔ چونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اگر قافلہ کے باقی لوگوں کو اس خبر کی بھنک پڑ گئی تو وہ بھی اس میں شریک ہونے کا دعویٰ کریں گے، اس لئے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے کنوئیں کے پاس کے لوگوں سے یہ بچہ خریدا ہے۔ مجاہد، سدی اور ابن جریر کا یہ قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''اَسَرُّوْهُ'' کا فاعل اخوۃ یوسف ہیں یعنی برادران یوسف نے آپ کے معاملہ کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ یوسف ان کا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس راز سے پردہ نہ اٹھایا کہ کہیں بھائی انہیں قتل نہ کر دیں اور بیچے جانے کو ہی ترجیح دی برادران یوسف نے آبکش سے ذکر کیا کہ وہ اس بچے کو بیچنا چاہتے ہیں تو اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی: اے مژدہ! یہ بچہ بیچا جارہا ہے۔ چنانچہ آپ کے بھائیوں نے آپ کو بیچ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح باخبر تھا جو برادران یوسف اور خریدنے والے کر رہے تھے۔ وہ یوسف علیہ السلام کو اس صورت حال سے بچانے پر قادر تھا لیکن اس کی حکمت اور تقدیر کا یہی تقاضا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''سن لو! (اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو اشارۃً تسلی دے رہا ہے اور آگاہ فرما رہا ہے کہ مجھے معلوم ہے آپ کی قوم آپ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آتی، اگرچہ میں انہیں تباہ و برباد کرنے پر قادر ہوں، پھر بھی میں انہیں مہلت دے رہا ہوں لیکن آخرکار غلبہ آپ کو ہی حاصل ہوگا جس طرح میں نے اپنی حکمت کے مطابق آخرکار یوسف کو ان کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرما دیا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ یعنی برادران یوسف نے آپ علیہ السلام کو معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بخس کا معنی ہے نقص جیسا کہ فرمایا: فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (الجن: 13) ''تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا''۔ اخوۂ یوسف نے نہایت ہی حقیر سی قیمت پر آپ کا سودا کر لیا حالانکہ انہیں تو آپ کی ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی بلکہ اگر وہ (قافلے والے) آپ کو ان سے بلا قیمت مانگ لیتے تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس پر بھی آمادہ ہو جاتے۔ ابن عباس، مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں کہ ''شَرَوْهُ'' میں ضمیر فاعل کا مرجع اخوۂ یوسف ہیں جبکہ قتادہ نے اس کا مرجع قافلے والوں کو بنایا ہے لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ میں بھی ضمیر برادران یوسف کی طرف ہی لوٹ رہی ہے نہ کہ قافلے والوں کی طرف کیونکہ قافلے والوں نے تو خوشی کا اظہار کیا تھا اور آپ علیہ السلام کو قیمتی متاع سمجھتے ہوئے چھپالیا تھا، اگر انہیں آپ کے ساتھ دلچسپی نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی آپ کو خریدنے پر تیار نہ ہوتے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''شَرَوْهُ'' کی ضمیر اخوہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے بخس کا معنی حرام بیان کیا ہے اور بعض نے ظلم۔ اگرچہ اس لفظ کے یہ معانی بھی ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ یہ بات ہر ایک کے علم میں ہے کہ اس کی قیمت ہر حال میں اور ہر ایک پر حرام

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 167-168، المحتسب لابن جنی، جلد 1 صفحہ 336

ہے کیونکہ آپ علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی بن خلیل اللہ ہیں اور کریم بن کریم بن کریم بن کریم ہیں۔ یہاں بخس کا معنی ہے ناقص (کم) یا کھوٹی یا دونوں یعنی انہوں نے آپ کو انتہائی کم قیمت پر بیچ دیا یعنی چند دراہم کے عوض۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آپ کو بیس درہموں کے بدلے میں بیچ ڈالا اور یہ درہم آپس میں بانٹ لئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بائیس دراہم میں سودا کیا۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ کہتے ہیں کہ چالیس دراہم میں۔ ضحاک برادران یوسف کی آپ میں عدم دلچسپی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں آپ کی نبوت اور مقام ومرتبہ کے بارے میں علم نہیں تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ آپ کو بیچ دینے کے بعد قافلے کے پیچھے چل دیئے اور ان سے کہنے لگے کہ اسے اچھی طرح باندھ لینا، کہیں فرار نہ ہو جائے۔ اسی طرح آپ کو مصر لایا گیا۔ وہاں جب بازار میں آپ کو بیچنے لگے تو آپ نے فرمایا: جو مجھے خریدے گا وہ خوش ہو جائے۔ چنانچہ عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا اور وہ مسلمان تھا۔

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ٘ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

''اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے اپنی بیوی کو عزت واکرام سے اسے ٹھہراؤ شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں نبوت اور علم۔ اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو''۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات اور الطاف کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کو آپ کی دیکھ بھال کے لئے مخصوص کر دیا اور اس کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ آپ علیہ السلام کی ذات میں نجابت، شرافت، خیر اور صلاح کے آثار کو بھانپتے ہوئے اس نے آپ کی بڑی عزت وتکریم کی اور اپنی بیوی کو یہ تاکید کی کہ اسے عزت کے ساتھ ٹھہراؤ ممکن ہے یہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ مصر کے جس شخص نے آپ کو خریدا وہ عزیز (وزیر) تھا۔ اس کا نام قطفیر یا اطفیر بن روحیب تھا۔ اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بنت رعائیل تھا(1)۔ اس وقت عمالیق میں سے ریان بن ولید بادشاہ تھا جس نے عزیز مصر کو خزائن مصر پر داروغہ مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے خریدنے والے کا نام مالک بن ذعر بن یویب بن عیفا بن مدیان بن ابراہیم بتاتے ہیں(2)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب لوگوں سے زیادہ زیرک اور فہم وفراست کے مالک تین اشخاص گزرے ہیں: ایک عزیز مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا: ''اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ''، دوسری وہ عورت جس نے اپنے باپ (حضرت شعیب علیہ السلام) سے کہا تھا: یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ (القصص:26) ''میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے''، اور تیسرے ابوبکر صدیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 174-175 2۔ المؤتلف والمختلف للدارقطنی، جلد 1 صفحہ 241

رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے یوسف کو ان کے بھائیوں سے بچا کر اپنے لطف و کرم سے شاد کام کیا، اسی طرح انہیں سرزمین مصر میں قرار بخشا تا کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنے امر پر پوری طرح غالب ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو نہ اسے رد کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی مزاحمت کی جا سکتی ہے اور نہ مخالفت۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اس کی حکمت، تدبیر اور ارادے کے متعلق علم نہیں رکھتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ...... یعنی جب یوسف علیہ السلام پختہ عمر کو پہنچے اور آپ کی عقلی و جسمانی صلاحیتیں مکمل ہو گئیں تو انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور علم سے نوازا اور نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ وہ عمر جس میں آپ اپنے جوبن کو پہنچے وہ تینتیس برس تھی یا تیس سے کچھ زائد یا بیس یا چالیس یا پچیس یا تیس یا اٹھارہ برس تھی یا اس سے مراد جوان ہونا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال مروی ہیں۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

''اور بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب برآری کرے۔ اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے''۔

عزیز مصر کی بیوی کا ذکر ہو رہا ہے جسے عزیز نے یہ تاکید کر رکھی تھی کہ یوسف کو عزت و اکرام سے رکھنا اور اس کے آرام و آسائش کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ یہ عورت آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی، آپ کی محبت میں از خود رفتہ ہو گئی، ایک دن خوب بن سنور کر اور دروازوں کو اچھی طرح قفل لگا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اشتعال انگیز دعوت دی اور مطلب برآری کے لئے آپ کو ورغلانا چاہا، کہنے لگی: ''هَیْتَ لَكَ'' (بس آ بھی جاؤ) لیکن آپ نے اس طرف توجہ ہی نہ دی بلکہ بالکل باز رہے اور فرمانے لگے: قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ اس وقت وہ لوگ سردار اور بڑے آدمی پر لفظ رب کا اطلاق کیا کرتے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا شوہر میرا مربی اور محسن ہے اور اپنے محسن کی عزت پر دست اندازی کر کے اس کے احسان کو فراموش کر دینا مجھے زیب نہیں دیتا، کیونکہ ایسا کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ''هَیْتَ'' کے لفظ میں کئی قرأتیں ہیں۔ اکثر نے اسے ہاء کے فتح اور تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور دیگر علماء کے نزدیک یہ لفظ اپنی طرف کسی کو متوجہ کرنے اور دعوت دینے کے لئے آتا ہے اور یہ ''ھلم'' (آؤ) کا ہم معنی ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، سدی اسے قبطی زبان کا بتاتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ حورانی زبان کا لفظ ہے(2)۔ جبکہ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عربی زبان کا ہی لفظ ہے۔ کسائی کا کہنا ہے کہ یہ اہل حوران کی لغت ہے جو وہاں سے اہل حجاز کی طرف منتقل ہو گئی اس کا معنی ہے ''تَعَالَ'' (آؤ) کسائی کی یہ پسندیدہ قرأت تھی۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ میں نے اہل حوران کے ایک بوڑھے عالم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ یہ ان کی معروف لغت ہے۔ ابن جریر نے اس قرأت ''هَیْتَ'' کی تائید میں ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔(3) بعض لوگوں نے اس لفظ کو ''هِئْتُ'' پڑھا ہے(4)۔ یہ ''تَهَیَّاْتُ لَكَ'' (میں تمہارے لئے تیار

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 176
2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6 صفحہ 56
3۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 179
4۔ الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 670

ہوں) کے معنی میں ہے۔ حضرات ابن عباس، ابوعبدالرحمٰن سلمٰی، ابووائل، عکرمہ اور قتادہ سے یہ قرأت اسی مذکورہ معنی میں منقول ہے۔ ابوعمرو اور کسائی اس قرأت کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک اور غریب قرأت عبداللہ بن اسحاق سے "هَيْتِ" منقول ہے۔ اکثر اہل مدینہ کی قرأت "هَيْتَ" ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لفظ میں مختلف قرأتیں سنیں تو آپ پڑھنے والوں سے فرمانے لگے کہ جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے اس طرح پڑھو لیکن اختلاف اور غلو سے پرہیز کرو۔ یہ لفظ "هَلُمَّ" اور "تَعَالَ" (آؤ) کے معنی میں ہے۔ پھر آپ نے اس لفظ کو پڑھا تو ایک شخص نے کہا کہ اسے اور طریقے سے بھی پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اسی طرح پڑھوں گا جس طرح مجھے سکھایا گیا ہے۔ آپ اسے "هَيْتَ" پڑھتے اور کچھ لوگ "هِيْتُ" پڑھتے۔ ابوعبید معمر بن مثنی کہتے ہیں کہ اس لفظ سے نہ تثنیہ بنتا ہے، نہ جمع اور نہ مونث بلکہ سب کے لئے یہ لفظ یکساں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: "هَيْتَ لَكِ"، "هَيْتَ لَكُمْ"، "هَيْتَ لَكُمَا"، "هَيْتَ لَكُنَّ" اور "هَيْتَ لَهُنَّ" (1)۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

"اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا تا کہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لئے گئے ہیں"۔

اس مقام پر مفسرین کے بہت سے اقوال وارد ہوئے ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، اور سلف کی ایک جماعت سے وہ مروی ہے جسے ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بغوی نے بعض اہل تحقیق سے "هَمَّ بِهَا" کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں زلیخا کا صرف خیال گزرا اور کھٹکا پیدا ہوا۔ (2) پھر بغوی نے یہاں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی پیش کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اگر وہ نیکی کرے تو اس کے لئے دس گنا نیکیاں لکھ دو اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میری وجہ سے اسے ترک کیا ہے، اگر وہ برائی کر گزرے تو اس کی مثل ہی لکھو" (3)۔ بعض کہتے ہیں کہ "هَمَّ بَضربها" یعنی آپ نے زلیخا کو مارنے کا قصد کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے بیوی بنانے کی خواہش کی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ "وَهَمَّ بِهَا" کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے یعنی یہ جزا مقدم ہے اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط موخر ہے، معنی یہ ہوگا کہ اگر آپ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو اس کا قصد کر لیتے۔ لیکن قواعد عربیہ کی رو سے یہ قول محل نظر ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اسے بیان کیا ہے (4)۔ وہ کونسی برہان تھی جو آپ نے دیکھی؟ اس میں متعدد اقوال ہیں، حضرات ابن عباس، سعید، مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، ابوصالح، ضحاک اور محمد بن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی اس حال میں کہ آپ اپنے دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینے پر ہاتھ مارا (5)۔ عوفی حضرت ابن عباس سے نقل

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 182
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 420-419
3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 177، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 117
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 185
5۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 187

کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے عزیز مصر کی خیالی صورت دیکھی۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ایک دیوار پر یہ لکھا ہوا پایا: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:32) ''اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے''۔ جس برہان کو آپ نے دیکھا بقول قرظی وہ کتاب اللہ کی یہ تین آیات تھیں: وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (الانفطار:10) ''حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں''، وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ...... (یونس:61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں......''، اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (الرعد:33) ''کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ''۔ ابو ہلال نے ان تین آیات کے علاوہ ایک چوتھی آیت وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى...... (الاسراء:32) کا اضافہ کیا ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ آپ نے کتاب اللہ کی کوئی آیت دیوار پر لکھی ہوئی پائی جس میں اس اقدام سے ممانعت کی گئی تھی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی دیکھی جو آپ کو اس ارادے سے باز رکھ رہی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ برہان حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت ہو، یا عزیز مصر کی صورت ہو یا کوئی آیت لکھی ہوئی آپ نے دیکھی ہو، لیکن ان میں سے کسی ایک کی تعیین پر کوئی قطعی حجت موجود نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اسے مطلق رکھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ...... یعنی جس طرح ہم نے آپ کو ایسی دلیل دکھائی جس نے آپ کو برائی سے بچالیا اسی طرح ہم آپ کو تمام امور میں برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ آپ بلاشبہ ہمارے چنے ہوئے، برگزیدہ اور پاکیزہ بندوں میں سے ہیں(1)۔

وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹

''اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔ جھٹ بول اٹھی (میرے سرتاج! بتائیے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب برآری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 191

دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔ اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی قصورواروں میں سے ہے''۔

دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو اپنا دامن بچانے کے لئے بھاگے لیکن زلیخا آپ کو پکڑ کر واپس لانے کے لئے لپکی۔ اس دوران وہ آپ تک پہنچ گئی اور پیچھے سے آپ کی قمیص کو پکڑ لیا۔ زور سے کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ قمیص پھٹ کر گر پڑی۔ حضرت یوسف علیہ السلام برابر دوڑتے رہے اور زلیخا برابر آپ کے تعاقب میں رہی۔ دونوں جب دروازے پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں اس عورت کا خاوند موجود ہے۔ اپنے خاوند کو دیکھتے ہوئے اپنے اس مکر وفریب کے خول سے باہر نکلی اور ایک چال چلتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام پر عصمت دری کا الزام تھوپ دیا، اپنے خاوند سے کہنے لگی: مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ...... یعنی اس شخص کی سزا کیا ہے جو آپ کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے مگر یہ کہ اسے قید کر دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے حق بات واضح کرتے ہوئے اور خیانت کے الزام سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِيْ...... مِنَ الصّٰدِقِيْنَ آپ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس عورت نے مطلب برآری کے لئے مجھے ورغلایا۔ اس وقت ایک آدمی نے فیصلہ دیا کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت الزام لگانے میں سچی ہے کیونکہ یوسف کی دعوت پر لبیک کہنے سے جب عورت نے انکار کر دیا تو اس نے یوسف کو پیچھے دھکیلا اور اس مزاحمت میں اس کا کرتا آگے سے پھٹ گیا، اس لئے عورت کی بات درست ہے۔ لیکن اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ کیونکہ یوسف اس عورت سے دامن بچا کر بھاگا، یہ عورت چونکہ اس کی طرف مائل تھی اس لئے یہ تعاقب میں دوڑی اور پیچھے سے قمیص کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا جس سے قمیص پھٹ گئی۔ اس شاہد (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑا آدمی؟ علماء سلف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ (شاہد) باریش بڑا آدمی تھا اور عزیز مصر کا معتمد خاص تھا(1)۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق وغیرہ کا ہے کہ وہ شاہد بڑا آدمی تھا۔ زید بن اسلم اور سدی کہتے ہیں کہ وہ زلیخا کا چچا زاد بھائی تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔ عوفی حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ وہ (شاہد) گہوارے میں کھیلتا چھوٹا بچہ تھا۔ حضرات ابو ہریرہ، ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم سے یہی مروی ہے کہ وہ معصوم بچہ تھا۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے(2)، اس بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی'' ان میں ایک اس شخص کا ذکر کیا جس نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی: ''بنت فرعون کی مشاطہ کا بیٹا، شاہد یوسف، صاحب جریج اور عیسیٰ بن مریم'' (4)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم تھا، کوئی انسان نہیں تھا لیکن یہ قول بہت عجیب وغریب ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ...... تحقیق کرنے سے جب عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور زلیخا کا جھوٹ عیاں ہو گیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 195
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 196
3۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 194
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 193

تو وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ یہ فریب اور بہتان ہے جس سے تو نے اس نوجوان کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی، تم عورتوں کے مکر و فریب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اس واقعہ کو فراموش کر دیں، اس پر مٹی ڈالیں اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کریں اور پھر اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ اس نرم ردعمل کی وجہ یہ تھی کہ عزیز مصر نرم خو آدمی تھا یا اپنی بیوی کے اس اقدام پر وہ اسے معذور سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے ایسا مرقع حسن و جمال اور پیکر رعنائی دیکھا جس کے سامنے وہ صبر نہ کر سکی، اس لئے اس نے اسے گناہ کی معافی مانگنے کے لئے کہا اور اسے ہی خطا کار ٹھہرایا: اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''اور کہنے لگیں عورتیں شہر میں کہ عزیز کی بیوی بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تا کہ اس سے مطلب برآری کرے۔ اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اس کی محبت۔ ہم دیکھ رہی ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ پس جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انہیں بلا بھیجا اور تیار کیں ان کے لئے مسندیں اور (جب وہ آ گئیں تو) دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری اور یوسف کو کہا کہ (ذرا) نکل (تو) آ ؤ ان کے سامنے۔ پس جب (یوسف آئے اور) انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں اور (وارفتگی کے عالم میں) کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں اور کہہ اٹھیں سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ زلیخا (فاتحانہ انداز میں) بولی یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا۔ اور اگر وہ نہ بجا لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔ پس قبول فرما لی اس کی دعا اس کے رب نے اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو۔ بیشک وہ (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا اور ان کے (حالات) خوب جاننے والا ہے''۔

یہ داستان محبت شہر میں مشہور ہوگئی، گھر گھر اس کے چرچے ہونے لگے۔ امیرزادیاں زلیخا کے اس اقدام کو نظر احتقار سے دیکھنے لگیں اور اسے معیوب سمجھتے ہوئے کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے اور اسے اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ اس نوجوان کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے۔ شغاف دل کے اس پردہ کو کہتے ہیں جس میں وہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک قاتل محبت کو شغف کہتے ہیں اور شعف اس سے ذرا کم درجہ کی محبت کو کہا جاتا ہے اور شغاف دل کے پردے کا نام ہے۔ پھر کہنے لگیں کہ ہماری رائے میں زلیخا اس نوجوان کے ساتھ محبت کرنے اور مطلب برآری کے لئے اسے بہلانے پھسلانے میں صریح گمراہی کا شکار ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ...... عورتوں کی ان مکارانہ باتوں کا علم زلیخا کو ہوگیا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ان عورتوں نے حسن یوسف کا چرچا سنا تو آپ کے دیدار کی تمنا کرنے لگیں۔ زلیخا کے خلاف انہوں نے مکروفریب پر مبنی باتیں اس مقصد کے لئے کیں تاکہ وہ حیلہ سے آپ علیہ السلام کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرسکیں، یہی ان کا مکر تھا۔ اس چال کو سمجھتے ہوئے اور اپنا عذر بیان کرنے کے لئے زلیخا نے ان عورتوں کو ضیافت پر بلا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں تیار کروادیں۔ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ ''مُتَّكَاً'' سے مراد وہ تیار شدہ نشست گاہ ہے جہاں گاؤ تکیے وغیرہ لگے ہوں، چادریں بچھی ہوئی ہوں اور ایسی اشیائے خوردنی بھی ہوں جنہیں چھریوں سے کاٹ کر کھایا جاتا ہے، اس لئے فرمایا: وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا زلیخا نے ان عورتوں کے خلاف یہ تدبیر اختیار کی جنہوں نے مکروفریب سے کام لے کر آپ علیہ السلام کا دیدار کرنا چاہا تھا۔ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے جنہیں اس نے دوسری جگہ چھپا رکھا تھا، کہنے لگی کہ ان عورتوں کے سامنے آؤ۔ جب آپ نکلے تو وہ آپ کی جلالت شان اور عظمت جمال کے سامنے دہشت زدہ اور مرعوب ہوگئیں۔ اس عالم بے خودی میں اپنی انگلیاں کاٹنے لگیں حالانکہ ان کا گمان تھا کہ وہ پھل وغیرہ ہی کاٹ رہی ہیں۔ ہاتھ کٹنے سے مراد ہے خراش آنا اور زخمی ہونا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کٹ کر نیچے جاگرے۔ بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد زلیخا نے ان عورتوں کے سامنے ترنج رکھ دیئے اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری تھمادی۔ پھر زلیخا ان سے پوچھنے لگی کہ کیا تم یوسف کی جھلک دیکھنا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ زلیخا نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب عورتوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت سے مرعوب ہوکر اپنے ہی ہاتھ کاٹنے لگیں۔ پھر زلیخا نے آپ علیہ السلام کو واپس چلے جانے کے کہا تاکہ وہ آتے جاتے آپ کا اچھی طرح دیدار کرلیں۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد انہیں تکلیف کا احساس ہوا۔ اب وہ تلملانے اور واویلا کرنے لگیں۔ زلیخا نے انہیں کہا کہ تم ایک نظر سے گھائل ہوگئیں اور یہ کچھ کر بیٹھیں، بھلا مجھے کیسے ملامت کی جاسکتی ہے (جبکہ میں ہر وقت اس کا دیدار کرتی ہوں)؟

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ وہ عورتیں زلیخا سے کہنے لگیں، سبحان اللہ، یہ کوئی بشر نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے۔ اے زلیخا! ہم تمہیں معذور سمجھتی ہیں۔ یہ دیکھ لینے کے بعد ہم تمہیں قابل ملامت نہیں سمجھتیں کیونکہ اس قدر حسین و جمیل جوان انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو نصف حسن عطا ہوا تھا جیسا کہ حدیث اسراء میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرے، فرمایا: ''انہیں آدھا حسن عطا کیا گیا ہے''(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو نصف حسن دیا گیا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یوسف علیہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 145-147

السلام اور آپ کی والدہ کو ایک تہائی حسن سے نوازا گیا۔ آپ علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا، جب کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لئے آتی تو آپ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ عورت فتنہ میں نہ پڑ جائے، اپنا چہرہ ڈھانپ لیتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو ایک تہائی حسن سے نوازا گیا اور باقی دو تہائی سب لوگوں کو عطا ہوا'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو دو تہائی اور باقی سب لوگوں کو ایک تہائی حسن عطا ہوا''۔ ربیعہ جرشی کہتے ہیں کہ حسن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک حصہ آپ اور آپ کی والدہ حضرت سارہ کو عنایت کیا گیا اور دوسرا حصہ باقی تمام لوگوں میں تقسیم ہوا۔ امام ابوالقاسم سہیلی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو حسن آدم علیہ السلام کا نصف حصہ عطا کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بہترین اور کامل ترین صورت میں پیدا فرمایا، آپ کی اولاد میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حسن و جمال میں آپ کا مقابلہ کر سکے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے حسن میں سے نصف عطا کیا گیا(1)۔ ان عورتوں نے آپ کے حسن و جمال کی تاب نہ لاتے ہوئے کہا: ''حَاشَ لِلّٰهِ'' یعنی ''مَعَاذَ اللّٰهِ'' (خدا کی پناہ)۔ یہ انسان تو نہیں۔ ایک دوسری قرأت میں ''بَشَرًا'' کو ''بِشِرِیّ'' پڑھا گیا ہے یعنی یہ خریدا ہوا نہیں ہے(2)۔ یہ تو معزز فرشتہ ہے۔ اب زلیخا کہنے لگی کہ اسی چیز کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں حالانکہ میں اس محبت میں معذور ہوں۔ یہ اپنے جمال و کمال کے باعث واقعی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ میں نے تو اسے ورغلانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ رکا رہا اور اپنے نیک ارادے پر ڈٹا رہا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب ان عورتوں نے آپ کے ظاہری حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو زلیخا نے آپ کی ان عمدہ صفات کا تذکرہ کیا جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ تھیں یعنی اس قدر حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عفت اور پاکبازی۔ پھر زلیخا یوسف علیہ السلام کو دھمکی دیتے ہوئے کہتی ہے: وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ...... اس وقت آپ علیہ السلام ان عورتوں کے مکر و فریب اور شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے عرض کرتے ہیں: رَبِّ السِّجْنُ...... عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! ان عورتوں کی بدکاری کی اشتعال انگیز دعوت کی نسبت مجھے قید زیادہ محبوب ہے۔ اگر تو نے مجھے اپنے نفس کے سپرد کر دیا تو مجھے اپنے نفس پر قدرت نہیں اور نہ ہی میں تیری توفیق کے بغیر اس کے نفع و نقصان کا مالک ہوں، تجھی سے میں مدد طلب کرتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ کی حفاظت فرمائی اور ان عورتوں کے مکر و فریب سے دور رکھا۔ آپ نے اپنے دامن عفت کو داغدار نہ ہونے دیا اور جیل جانے کو ترجیح دی۔ یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے کہ آپ کو حسن و جمال اور دیگر اعلیٰ خصوصیات سے نوازا گیا تھا، ایک رئیس زادی عزیز مصر کی بیوی اپنے حسن و جمال اور جاہ و منصب کے ہوتے ہوئے آپ کو اشتعال انگیز دعوت دیتی ہے لیکن آپ اسے خوف الٰہی اور امید ثواب کے باعث ٹھکرا دیتے ہیں اور اپنے لئے جیل کو منتخب کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائے گا جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہوگا: عادل فرمانروا، وہ جوان جو عبادت الٰہی میں مشغول رہا، وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہے، جب وہ مسجد سے نکلے تو اس کی طرف لوٹنے کا خیال اس کے ذہن میں ہو، وہ دو اشخاص جو محض رضائے الٰہی کے لئے آپس میں محبت کریں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر الگ الگ، ایسا شخص جو چھپا کر صدقہ کرے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ نہ معلوم ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا

1۔ دیکھئے گزشتہ آثار در تفسیر طبری، جلد 12، صفحہ 207 2۔ دیکھئے روح المعانی از آلوسی، جلد 12، صفحہ 232

دیا ہے، ایسا شخص جسے جاہ ومنصب والی خوبصورت عورت اپنی طرف بلائے لیکن وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں" (1)۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

"پھر مناسب معلوم ہوا انہیں اس کے باوجود کہ وہ (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ وہ اسے قید کر دیں کچھ عرصہ تک"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت، عفت اور پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ آپ علیہ السلام کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس واقعہ کے زبان زد عام ہونے کے بعد انہوں نے اس مقصد کے لئے آپ کو قید میں ڈالا ہو تا کہ لوگوں کو یہ باور کرا سکیں کہ قصور یوسف کا تھا، اس نے زلیخا پر دست درازی کی تھی اور اس جرم کی پاداش میں اسے قید کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہ مصر نے آپ کو قید خانے سے رہا کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا تو آپ نے اس وقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس الزام سے آپ کی برأت ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر جب آپ کی براءت اور پاکدامنی ثابت ہوگئی تو آپ جیل سے اس حالت میں باہر آئے کہ آپ کی شخصیت بے داغ تھی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

"اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان، ان میں سے ایک نے (آکر) کہا کہ میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر کچھ روٹیاں، پرندے کھا رہے ہیں اس سے۔ آپ بتائیے ہمیں اس کی تعبیر۔ بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکوکاروں سے"۔

جو دو نوجوان آپ کے ساتھ ہی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جس کا نام نبوا تھا اور دوسرا باورچی تھا جس کا نام مجلث تھا (2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ان دونوں کو قید میں ڈالنے کا سبب بادشاہ کا یہ گمان تھا کہ انہوں نے اسے زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں بھی اپنی صفات حمیدہ اور اخلاق عالیہ کی وجہ سے مشہور ہو گئے، وہاں بھی آپ کے جود وکرم، امانت، دیانت، صداقت، عالی ظرفی، خوش خلقی، کثرت عبادت، معرفت تعبیر، احسان، مروت، بیمار پرسی اور حسن سلوک کا چرچا ہونے لگا۔ یہ دونوں نوجوان آپ سے مانوس ہو گئے اور شدید محبت کرنے لگے اور آپ سے کہتے کہ ہمیں آپ سے بڑی محبت ہے۔ آپ فرماتے: اللہ تعالیٰ تم دونوں میں برکت ڈالے، لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ جس نے بھی میرے ساتھ محبت کی وہ محبت میرے لئے ضرر کا باعث بنی۔ میری پھوپھی نے میرے ساتھ محبت کی، اس کی وجہ سے مجھے نقصان ہوا۔ اپنے والد محترم کی محبت کے باعث مجھے ایذاء دی گئی، عزیز کی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 271

2۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12، صفحہ 381، مفحمات الاقران للسیوطی 123

بیوی نے میرے ساتھ محبت کی تو بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ دونوں کہنے لگے کہ ہمیں اس محبت پر ضبط نہیں۔ پھر ان دونوں نے خواب دیکھے۔ ساقی نے خواب دیکھا کہ وہ شراب نچوڑ رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں "خَمْراً" کی بجائے "عنباً" (انگور) کا لفظ ہے (1)، مقصد یہی ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔ اہل عمان عنب کو خمر کا نام دیتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس ساقی نے یہ بیان کیا کہ اس نے خواب میں انگور کی ایک بیل بوئی، یہ بیل اگی اور اس پر خوشے نمودار ہو گئے، اس نے انہیں نچوڑا اور پھر بادشاہ کو پلا دیا۔ آپ نے اسے تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا کہ تم تین دن جیل میں رہو گے پھر رہا ہو جاؤ گے اور اپنے (شراب پلانے والے) کام پر واپس چلے جاؤ گے۔ دوسرے نو جوان (باورچی) نے کہا:

اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ...... اکثر کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ ان دونوں نے یہ خواب دیکھے تھے اور ان کی تعبیر آپ علیہ السلام سے دریافت کی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمانے کے لئے انہوں نے مصنوعی خواب بیان کر دیئے (2)۔

قَالَ لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِہٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُکُمَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمَا ؕ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

"آپ نے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتا دوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس آئے۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں تو پیرو بن گیا اپنے باپ دادا ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام کے دین کا۔ نہیں روا ہمارے لئے کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ (توحید پر ایمان) تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام ان دونوں کو بتانے لگے کہ جو خواب تم نے دیکھے ہیں مجھے ان کی تعبیر معلوم ہے اور میں تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے ہی تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا، اس لئے فرمایا: لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ...... مجاہد کہتے ہیں کہ اس دن کا کھانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک غریب اثر مروی ہے، فرماتے ہیں: مجھے نہیں معلوم، شاید یوسف علیہ السلام اس وقت تعبیر بتلاتے جب کھانا آتا کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ نے ان دونوں سے کہا: لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ...... جب روکھا سوکھا، تلخ شیریں کھانا آتا تو آپ اس وقت تعبیر سے آگاہ فرما دیتے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے کیونکہ میں نے ان لوگوں کے دین سے اجتناب کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کا انکار کرتے ہیں اور قیامت کے دن ثواب وعتاب کی امید نہیں رکھتے، اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کی اتباع کی یعنی میں کفر وشرک کے رستہ کو چھوڑ کر ان پیغمبروں کے رستہ پر گامزن

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 536، فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12 صفحہ 382
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 214

ہوں۔ ہدایت کے رستے پر گامزن، پیغمبروں کی اتباع کرنے والا اور گمراہوں کی راہ سے اعراض کرنے والا ایسا ہی شخص ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نصیب فرماتا ہے، اسے اپنی جناب سے ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا وہ علم نہیں رکھتا اور اسے امام، پیشوا اور داعی بنا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ...... یہ توحید کا اقرار ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں منصب نبوت پر فائز کیا اور دعوت و تبلیغ کا حکم ارشاد فرمایا اور لوگوں پر بھی اس کا یہ فضل ہے کہ ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ہمیں مقرر فرمایا، لیکن اکثر لوگ نعمت رسالت کے متعلق کچھ نہیں جانتے بلکہ: بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم:28) ”جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دادا کو بھی باپ کے حکم میں سمجھتے اور فرماتے کہ جو چاہے میں حجر اسود کے پاس اس سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی دادا دادی کا ذکر نہیں کیا بلکہ دادا کے لئے بھی باپ کا لفظ ہی استعمال کیا ہے، دیکھیں حضرت یوسف کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

”اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ تم نہیں پوجتے اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اس کے۔ یہی دین قیم ہے لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

حضرت یوسف علیہ السلام دونوں جوانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور ان بتوں کی عبادت کو ترک کرنے پر انہیں آمادہ کرتے ہیں جن کی عبادت ان کی قوم کیا کرتی تھی۔ فرمایا: ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ...... کیا جدا جدا متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک ہی خدا جو اپنی جلالت وعظمت کے باعث ہر چیز پر غالب ہے؟ پھر آپ نے ان پر واضح کیا کہ تم جن معبودوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہو اور انہیں اپنا معبود کہتے ہو یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے از خود تجویز کر لئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے انہیں بتایا کہ حکم، تصرف، مشیت اور تمام کی تمام بادشاہی اللہ کے لئے ہے۔ اس نے اپنے تمام بندوں کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے پھر فرمایا: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی جس توحید اور اخلاص عمل کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں وہی دین مستقیم ہے، جس پر عمل پیرا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس کے دلائل نازل فرمائے، لیکن اکثر لوگ ان حقائق سے لاعلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت مشرک ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:103) ”اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے“۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ تعبیر بتانے سے

پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مذکورہ چیزوں کی طرف متوجہ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک کے حق میں تعبیر نقصان دہ ہے، اس لئے آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ انہیں کسی اور چیز میں مشغول کر دیں تا کہ وہ دوبارہ تعبیر نہ پوچھیں۔ جب انہوں نے دوبارہ رجوع کیا تو آپ نے انہیں پھر وعظ و نصیحت شروع کر دی(1)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ آپ تعبیر بتانے کا وعدہ ان سے کر چکے تھے۔ انہوں نے آپ کی عزت و احترام اور عظمت کے پیش نظر خوابوں کی تعبیر پوچھی، آپ نے اسے دعوت توحید اور تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنا لیا کیونکہ آپ ان کی فطرت میں قبول خیر کے آثار دیکھ رہے تھے، اس لئے دعوت و تبلیغ سے فارغ ہونے کے بعد آپ از خود تعبیر بتانے لگے حالانکہ انہوں نے مکرر سوال نہیں کیا تھا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾

”اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ (اٹل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو“۔

آپ ان دونوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتا رہے ہیں لیکن آپ نے کسی کو معین نہیں کیا تا کہ ان میں ایک بری تعبیر سن کر غمزدہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلاتا رہے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اسے سر سے نوچ کھائیں گے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے خواب میں اپنے آپ کو روٹیاں اٹھائے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر آپ نے ان دونوں کو آگاہ کیا کہ اس کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ ہو کر رہے گا، اس لئے کہ خواب پرندے کی ٹانگ کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر لے لی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد وہ کہنے لگے کہ ہم نے تو خواب دیکھا ہی نہیں تو آپ نے فرمایا: قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص جھوٹ موٹ خواب گھڑ لے اور اس کی تعبیر بھی لے لے تو وہ لازم ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”خواب پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر لے لی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے“(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ”خواب سب سے پہلے تعبیر بتانے والے کے لئے ہے“(3)۔

وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾

”اور کہا (یوسف علیہ السلام) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ نجات پا جائے گا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس۔ لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانہ میں کئی سال“۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 217

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 305، سنن ابن ماجہ، کتاب الرؤیا، جلد 2 صفحہ 1288 3۔ مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 158-159

حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ ساقی نجات پانے والا ہے۔ آپ نے اسے رازدارانہ طریقے سے کہا تاکہ دوسرا یہ نہ محسوس کر لے کہ اسے سولی پر لٹکایا جائے گا، کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا تذکرہ کرنا یعنی میرا قصہ بیان کرنا لیکن اسے یہ بات فراموش ہوگئی، یہ بھی شیطان کا مکروفریب تھا تاکہ آپ علیہ السلام قید خانے سے رہا نہ ہو پائیں۔ یہی بات درست ہے کہ "فَاَنْسٰىهُ" کی ضمیر مفعول کا مرجع نجات پانے والا ساقی ہے جیسا کہ مجاہد اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے اس ضمیر کو یوسف علیہ السلام کی طرف لوٹایا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ (یوسف) یہ بات نہ کرتے تو اتنا طویل عرصہ قید خانے میں نہ رہتے کیونکہ انہوں نے غیر اللہ سے کشادگی کی امید وابستہ کر لی تھی" (1)۔ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ سفیان بن وکیع ضعیف راوی ہے اور ابراہیم بن یزید اس سے بھی زیادہ ضعیف۔ حسن اور قتادہ نے ان سے مرسلاً روایت کی ہے لیکن ایسی روایات ایسے مقامات پر قابل قبول نہیں اگرچہ اور مقامات پر مرسل روایات کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

بِضْع کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک آزمائش سے دوچار رہے، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید میں رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال جاری رہا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام بارہ سال قید میں رہے اور ضحاک کہتے ہیں کہ چودہ سال۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور (کچھ عرصہ بعد ایک روز) بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں کیا) دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انہیں سات دبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے ہو۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں۔ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 223　2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 224

کی یاد آئی ایک عرصہ بعد۔ میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجئے۔ اے یوسف! اے صدیق! بتایئے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں اور سات خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک۔ تاکہ میں (آپ کا جواب لے کر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف شاید وہ (آپ کے علم وفضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور۔ تو جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لئے نکال لو) جسے تم کھالو۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا ان کے لئے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لئے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے''۔

یہ تھا وہ خواب جو شاہ مصر نے دیکھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اعزاز واکرام کے ساتھ قید خانہ سے رہائی کا سبب بنا دیا۔ اس ہولناک خواب نے بادشاہ کو قلق میں ڈال دیا۔ اس نے کاہنوں، ماہرین تعبیر، سلطنت کے اہم عہدیداروں اور امراء کو جمع کیا اور اس خواب کی تعبیر دریافت کی لیکن وہ تعبیر بتانے سے قاصر رہے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو محض خواب پریشان ہیں اور توہمات کا مجموعہ ہیں، ہم اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کو نہیں جانتے۔ اس وقت بادشاہ کا ساقی جو ایک دوسرے نوجوان کے ساتھ جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکٹھے رہے تھے اور جس نے نجات پائی تھی، اسے حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے تاکید کی تھی کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا۔ آج کافی عرصہ کے بعد جب اسے آپ کی یاد آئی تو بادشاہ اور دیگر جمع شدہ درباریوں سے کہنے لگا کہ میں تمہیں اس خواب کی تعبیر سے آگاہ کروں گا، مجھے قید خانے میں یوسف صدیق کے پاس بھیجو۔ انہوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ قید خانے میں جا کر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کا خواب بیان کر دیا اور اس کی تعبیر دریافت کی۔ آپ علیہ السلام نے فوری طور پر اس خواب کی تعبیر سے اسے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی اس خواب سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر بھی بتا دی لیکن آپ نے اسے جتلایا تک نہیں کہ تم نے بادشاہ کے سامنے میرا ذکر فراموش کر دیا، نہ ہی اسے ملامت کی اور نہ ہی تعبیر بتانے سے قبل رہائی کی شرط عائد کی بلکہ فرمایا کہ تم سات سال حسب دستور کاشتکاری کرو گے، زرخیزی کا دور دورہ ہوگا اور بارشیں خوب برسیں گی۔ آپ نے سات گایوں کی تعبیر خوشحالی کے ساتھ سالوں سے کی اور سبز سات خوشوں کی تعبیر ہری بھری کھیتیوں اور پھلوں سے بیان کی۔ پھر آپ نے انہیں یہ تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ ان سات سالوں کی پیداوار کو ذخیرہ کر کے رکھنا لیکن یہ رہے خوشوں میں ہی تاکہ گلنے سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے اور صرف بقدر ضرورت اس میں سے لے لینا، اس سے زائد نہیں تاکہ یہ بچی ہوئی پیداوار آئندہ سختی کے سات سالوں میں کام آئے۔ سات لاغر اور دبلی گایوں سے مراد یہی سختی اور قحط سالی کے سات سال ہیں جن میں جمع شدہ خوراک کو استعمال کیا جائے گا اور یہی تعبیر ہے سات خشک خوشوں کی۔ آپ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ آئندہ سختی کے سات سالوں میں کوئی چیز نہیں اگے گی، اگر وہ زمین بیج ڈالیں گے تو بھی کچھ نہیں حاصل ہوگا، اس لئے فرمایا: یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ۔ پھر آپ نے انہیں یہ مژدہ سنایا کہ سات سالہ مسلسل قحط سالی کے بعد خیر و برکت والا سال آئے گا جس میں خوب بارش برسے گی، غلہ عام ہو جائے گا اور لوگ زیتون کا تیل اور شیرہ وغیرہ نچوڑیں گے بعض نے يَعْصِرُوْنَ میں دودھ دوہنے کو بھی شامل کیا ہے۔

نوٹ:۔ لفظ ''اُمَّةٍ'' میں ایک دوسری قرأت ''اَمَهٍ'' بھی ہے جس کا معنی نسیان(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 228-229

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۲ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵۳

”(یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا (فوراً) لے آؤ انہیں میرے پاس۔ پس جب (فرمان شاہی لے کر) ان کے پاس قاصد آیا (تو) آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ بے شک میرا پروردگار تو ان کے مکر (وفریب) سے خوب آگاہ ہے بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تمہارا جب تم نے یوسف کو بہلایا تھا اپنی مطلب برآری کے لئے (بیک زبان) بولیں حاش اللہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی۔ عزیز کی بیوی (گویا رائے ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب برآری کے لئے بخدا وہ تو سچا ہے۔ (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لئے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو۔ اور میں اپنے نفس کی براءت (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے“۔

جب بادشاہ کو خواب کی تعبیر سے مطلع کیا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اور اسے اطمینان حاصل ہو گیا، مزید برآں وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت، علم تعبیر خواب کی مہارت، حسن اخلاق اور مصری رعایا کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معترف ہو گیا، کہنے لگا کہ یوسف کو قید خانے سے نکال کر میرے پاس لائیں۔ جب قاصد یہ پیغام لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس وقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک بادشاہ اور رعایا یہ تحقیق نہ کر لیں کہ زلیخا کے لگائے گئے الزام سے آپ بری اور پاکدامن ہیں اور یہ کہ آپ کو قید خانے میں بے گناہ بربنائے ظلم وزیادتی ڈالا گیا تھا اس لئے آپ نے اس قاصد کو اس تحقیق کی غرض سے بادشاہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ حدیث شریف میں بھی آپ علیہ السلام کی اس بات کو قابل تعریف گردانا گیا ہے اور آپ کی فضیلت، شرف، بلندی مرتبت اور صبر کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم ابراہیم (علیہ السلام) سے زیادہ شک کے مستحق ہیں جب انہوں نے کہا: رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (البقرۃ:260) ”اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو“ اور اللہ تعالیٰ لوط (علیہ السلام) پر رحم فرمائے انہوں نے ایک مضبوط سہارے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ لی تھی، اگر یوسف (علیہ السلام) کے جیل میں ٹھہرنے کی مدت میں (جیل میں) گزارتا تو فوراً رہائی کا پیغام لانے والے کے پیغام کو قبول کر لیتا“ (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 6 صفحہ 97، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 133
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 389

ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فَسْئَلْهُ مَابَالُ النِّسْوَةِ...... کی تفسیر میں فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو رہائی کے پیغام کو فوراً قبول کر لیتا اور کوئی عذر پیش نہ کرتا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یوسف، ان کے صبر اور کرم پر تعجب ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بخشے جب سات لاغر اور سات فربہ گائیوں کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو رہائی کی شرط عائد کئے بغیر کبھی خواب کی تعبیر نہ بتاتا'' (2)۔

قَالَ مَاخَطْبُكُنَّ...... بادشاہ کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اس نے ان عورتوں کو اکٹھا کیا جنہوں نے زلیخا کے ہاں دعوت میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا اس وقت کیا معاملہ تھا جب ضیافت کے دن تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی۔ وہ یک زبان ہوکر کہنے لگیں کہ معاذ اللہ! یوسف تو اس تہمت سے بری ہے، ہم نے تو اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی کو بھی یارائے ضبط نہ رہا وہ بھی کہنے لگی کہ اب حق نمایاں ہوکر سامنے آ گیا ہے، میں نے ہی مطلب برآری کے لئے اسے پھسلانا چاہا تھا اور یہ تو بالکل سچا ہے۔ میں اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہوں تاکہ میرے خاوند کو علم ہو جائے کہ میں اس کی عدم موجودگی میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی اور نہ بڑے گناہ میں مبتلا ہوئی۔ میں نے اس نوجوان کو ورغلایا ضرور تھا لیکن اس کی پاکدامنی کے باعث ہم دونوں اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہے اس لئے معلوم ہوا کہ میں بھی بری ہوں اور اللہ تعالیٰ خائن لوگوں کی تدبیر کو کبھی بامراد نہیں کرتا اور میں تو اپنے نفس کی برأت کا اظہار کرتی بھی نہیں کیونکہ نفس بری خواہشات پیدا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی چال میں آ کر میں اس فعل شنیع پر آمادہ ہوگئی اور نفس کے حملوں سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ زیادہ مناسب، سیاق قصہ کے مطابق اور معانی کے ہم آہنگ یہی قول ہے کہ اس کلام ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ...... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کا تعلق بھی زلیخا کی بات سے ہے۔ ماوردی نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور ابن تیمیہ نے تو اسے ایک مستقل تصنیف کی شکل میں تحریر کر دیا ہے (3)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان دو آیات کا تعلق کلام یوسف علیہ السلام سے ہے مطلب یہ ہوگا: میں نے قاصد کو اس لئے واپس بھیجا ہے تاکہ بادشاہ کو میری برأت کا علم ہو جائے اور عزیز کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی حرمت میں خیانت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو بامراد نہیں ہونے دیتا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو اس قول کے سوا اور کوئی قول بیان ہی نہیں کیا۔ ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ نے جب عورتوں کو جمع کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا: حَاشَ لِلّٰهِ...... حَصْحَصَ الْحَقُّ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ...... اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے کہنے لگے کہ کیا اس دن بھی نہیں جب آپ نے (اس عورت) کا ارادہ کر لیا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ......(4)۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، ابن ابی ہذیل، ضحاک، حسن، قتادہ اور سدی کا یہی قول ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ قوی اور ظاہر ہے کیونکہ سیاق کلام یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا کلام ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ بعد میں بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 235-236، تاریخ طبری، جلد 1 صفحہ 240
2۔ دیکھئے دقائق التفسیر، جلد 3 صفحہ 280
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 1
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 6

اَمِیْنٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿٥٥﴾

''اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس۔ میں چن لوں گا اسے اپنی ذات کے لئے۔ پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہو گیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابل اعتماد (درباری) ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر، بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں''۔

جب بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور پاکدامنی کا یقین ہو گیا تو وہ کہنے لگا کہ انہیں میرے پاس لاؤ، میں انہیں اپنے خاص مشیروں میں شامل کر کے معتمد خصوصی بنالوں گا۔ جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کی، آپ کی پروقار شخصیت کو پہچان گیا، آپ کی فضیلت اور مہارت کو دیکھا اور آپ کی ذات میں پائے جانے والے صوری و معنوی کمالات سے آگاہ ہوا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، کہنے لگا کہ آپ آج سے ہمارے ہاں محترم اور قابل اعتماد ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے سرزمین مصر کے خزانوں پر مقرر کر دیں اور اپنی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں محافظ بھی ہوں اور معاشی امور کا ماہر بھی۔ جو خزانے مجھے تفویض کئے جائیں گے میں ان کی پوری پوری حفاظت کروں گا اور قحط کے سالوں سے عہدہ برآ ہونے کا مجھے پورا پورا علم ہے۔ جب آدمی کی ذات غیر معروف ہو تو ضرورت کے وقت اپنی خصوصیات سے آگاہ کرنا جائز ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس منصب کے حصول کے لئے اس لئے سوال کیا تھا کیونکہ آپ کو اس کی ذمہ داریاں نبھانے کا پورا علم اور قدرت حاصل تھی اور اسی میں لوگوں کی مصلحت کارفرما تھی، اس لئے وزارت خزانہ کا عہدہ آپ نے طلب کیا تا کہ قحط کے سالوں میں آپ اپنے محتاط، حکیمانہ اور درست تصرف کے ذریعے لوگوں کو قحط کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ آپ کی رغبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بطور اعزاز و تکریم یہ عہدہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٥٦﴾ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

''یوں ہم نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں۔ تا کہ رہے اس میں جہاں چاہے۔ ہم سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا۔ اور آخرت کا اجر (اس سے) یقیناً بہتر ہے ان کے لئے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کئے رہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں اقتدار اور تصرف عطا فرمایا، جس طرح چاہیں تصرف کریں اور تنگی اور قید و بند کے بعد جہاں چاہیں قیام کریں، ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ یعنی بھائیوں کی ایذاء رسانی اور قید و بند کی صعوبتوں پر آپ کے صبر کو ہم نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اپنی تائید و نصرت سے نوازا اور ایسے نیکوکار لوگوں کے اجر کو ضائع کرنا ہماری شان نہیں۔ اور دار آخرت میں انہیں جس انعام سے نوازا جائے گا وہ اس دنیاوی اقتدار، تصرف اور اثر و رسوخ سے کہیں بڑھ کر ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ (ص:40-39) ''(اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس

رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام"۔ الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے آپ کو وزارت کی ذمہ داریاں تفویض کر دیں۔ قبل ازیں اس وزارت پر وہ شخص فائز تھا جس نے آپ کو خریدا اور جس کی بیوی نے آپ کو ورغلانا چاہا۔ اس بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کو بادشاہ نے قبول کیا اور اطفیر کو معزول کر کے آپ کو اس وزارت پر فائز کر دیا۔ کہتے ہیں کہ انہی دنوں اطفیر انتقال کر گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی راعیل (اور بقول بعض زلیخا) کی شادی حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دی، جب آپ ان سے ملے تو فرمایا کہ کیا یہ تمہاری اس خواہش سے بہتر نہیں؟ انہوں نے کہا: اے صدیق! مجھے اس بات پر ملامت نہ کریں، میں معذور تھی، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں خوبصورت مال و دولت اور جاہ و منصب والی عورت تھی لیکن میرے خاوند کو (نامردی کے باعث) عورتوں کے ساتھ کوئی رغبت ہی نہیں تھی اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کی بے پناہ دولت سے نواز رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ واقعی آپ علیہ السلام نے انہیں کنواری پایا۔ ان سے آپ کے دو بیٹے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے (1)۔ افرائیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع علیہ السلام کے والد ہیں اور ایک بیٹی رحمت نامی پیدا ہوئی جنہیں حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ عزیز مصر کی بیوی رستہ میں کھڑی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری گزری، یہ دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی اطاعت کے باعث غلاموں کو بادشاہ بنا دیا اور اپنی نافرمانی کے باعث بادشاہوں کو غلام بنا دیا۔

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

"اور (ایک روز) آ نکلے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ سو جب مہیا کر دیا ان کے لئے ان (کی رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لئے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔ اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو ان کا سامان (جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا) ان کی خورجیوں میں تا کہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آ کیں"۔

سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر مفسرین برادران یوسف علیہ السلام کا سرزمین مصر میں آنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 6

یوسف علیہ السلام نے وزارت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، خوشحالی کے سات سال گزر گئے اور قحط نے پورے مصر میں ڈیرے جما لئے تو سرزمین کنعان (حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد کا وطن) بھی اس قحط کی دست برد سے محفوظ نہ رہی۔ آپ نے اس مشکل وقت کے لئے تمام احتیاطی تدابیر کر لیں اور خوب غلہ جمع کر لیا۔ مختلف صوبوں اور علاقوں سے لوگ غلہ حاصل کرنے کے لئے آپ علیہ السلام کے پاس آتے تو آپ سال بھر کے لئے ایک آدمی کو اونٹ بھر غلہ سے زیادہ عطا نہ فرماتے۔ آپ بذات خود پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ، بادشاہ، درباری اور لشکر کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک بار دن کے وسط میں کھانا کھاتے، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس سات سالہ قحط کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کا وجود اہل مصر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ بعض مفسیرین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے پہلے سال مال کے بدلے غلہ بیچا، دوسرے، تیسرے، اور چوتھے سال سامان کے بدلے غلہ فروخت کیا، پھر ان کے مال ومتاع غلہ کے عوض فروخت ہو جانے کے بعد خود لوگوں کی جانوں اور ان کی اولاد کے بدلے غلہ فراہم کیا لیکن اس کے بعد آپ نے لوگوں کو آزاد کر دیا اور ان کا مال ومتاع سب کا سب لوٹا دیا۔ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے جن کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب، اس قسم کی روایات کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ الغرض برادران یوسف علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی کے حکم سے غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ عزیز مصر قیمت کے عوض غلہ مہیا کر رہے ہیں، چنانچہ غلہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ساتھ کچھ سامان لے لیا اور دس بھائی بار برداری کے جانور لے کر عازم مصر ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد آپ کے سب سے زیادہ محبوب فرزند تھے۔ جب وہ دس بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ بڑی شان وشوکت کے ساتھ مسند آراء تھے۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے کیونکہ وہ تو کافی عرصہ پہلے ننھے یوسف کو اہل قافلہ کے ہاں فروخت کر چکے تھے، انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ یوسف کو کہاں لے گئے ہیں اور یہ بات تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ آپ اس منصب اقتدار پر بھی فائز ہو سکتے ہیں، اس لئے وہ آپ کو نہ پہچان سکے لیکن آپ نے پہلی نظر میں ہی انہیں پہچان لیا۔ سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے انہیں ایک اجنبی شخص کی طرح مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کہ میرے ملک میں تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ شاید تم جاسوس ہو؟ وہ کہنے لگے: معاذ اللہ! آپ نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے: کنعان سے اور ہمارے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا ان کی تمہارے علاوہ بھی اولاد ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بارہ بھائی تھے، ہم میں سے سب سے چھوٹا جو ہمارے باپ کو سب سے زیادہ محبوب بھی تھا، جنگل میں ہلاک ہو گیا۔ اس کا ایک بھائی ہے جسے والد محترم نے اپنے پاس روک لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے اس کے بھائی کے غم کو غلط کر سکیں اور تسلی پا لیں۔ اس کے بعد آپ نے خدام کو انہیں ٹھہرانے، مہمان نوازی کرنے اور عزت واکرام کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی۔ جب آپ نے انہیں سامان رسد وخوراک مہیا کر دیا اور غلہ کے ساتھ ان کی خورجیاں بھر دیں تو آپ انہیں فرمانے لگے کہ آئندہ اپنے اس بھائی کو بھی لیتے آنا جس کا تم نے ذکر کیا تھا تاکہ تمہاری صداقت پر مجھے یقین آ جائے۔ آپ نے انہیں دوبارہ آنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: اَلَا تَرَوْنَ...... پھر آپ نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ...... وہ کہنے لگے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے اپنے باپ کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ اس بھائی کو بھی ہمارے ساتھ روانہ کر دیں اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے تاکہ آپ کو ہماری صداقت پر یقین ہو جائے۔ سدی

نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے ان سے رہن رکھ لیا تا کہ وہ اپنے بھائی کو بھی یقینی طور پر ساتھ لائیں، لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ آپ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں واپسی کی بہت زیادہ رغبت دلائی کیونکہ آپ ان کی واپسی کے بہت حریص تھے۔ جب بھائی واپسی کی تیاری کرنے لگے تو آپ علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جس سامان کے عوض انہوں نے غلہ خریدا ہے وہ ان کی خورجیوں میں واپس رکھ دو اس طرح کہ انہیں محسوس تک نہ ہو تا کہ یہ اسے لے کر دوبارہ لوٹ سکیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے پاس اور سامان نہیں ہوگا جس کے عوض غلہ خریدنے کے لئے یہ دوبارہ آسکیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے باپ اور بھائیوں سے غلہ کا معاوضہ لینا مناسب نہ سمجھا اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا خیال یہ تھا کہ جب وہ غلہ کھولیں گے اور اس میں یہ چیزیں پائیں گے تو انہیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں سمجھیں گے اور ضرور واپس کرنے کے لئے لوٹیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

''پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پدر (بزرگوار) روک دیا گیا ہے ہم سے غلہ سو (ازراہ نوازش) بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل، پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے''۔

وہ (بھائی) اپنے باپ سے کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو روانہ نہیں کریں گے تو آئندہ غلہ نہیں ملے گا، اس لئے آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ مزید غلہ لانا ممکن ہو۔ بعض نے ''نَكْتَلْ'' کو ''يَكْتَلْ'' پڑھا ہے۔ مزید کہنے لگے کہ ہم اس کی پوری پوری نگہبانی کریں گے، آپ کسی قسم کے اندیشے کو دل میں جگہ نہ دیں کیونکہ بنیامین عنقریب آپ کے پاس لوٹ آئے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے اس طرح یقین دہانی کروائی تھی اور کہا تھا: ''اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں فرمایا: هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ...... یعنی کیا تم بنیامین کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہو جو سلوک تم نے پہلے اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا، تم اسے بھی غائب کر کے میری نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتے ہو؟ بس اللہ تعالیٰ ہی بہترین محافظ اور نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ میرے بڑھاپے، میری کمزوری اور بیٹے کی جدائی کے غم پر ضرور رحم فرمائے گا اور مجھے اس ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میرے بچھڑے ہوئے نور نظر کو ضرور ملا دے گا اور میری پراگندہ حالت کو درست فرما دے گا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ

يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾

''اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا مال انہیں واپس لوٹا دیا گیا ہے (ترغیب دینے کے لئے) کہنے لگے اے ہمارے پدر (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں۔ یہ (دیکھئے) ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (اگر بنیامین ساتھ گیا تو) ہم رسد لائیں گے اپنے اہل خانہ کے لئے اور رکھوالی کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے ایک اونٹ کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے۔ آپ نے کہا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ کرو تم میرے ساتھ وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے۔ پس جب وہ لے آئے آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے''۔

جب برادران یوسف علیہ السلام نے غلہ کی بوریاں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی رقم اور سامان جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا تھا، اسے واپس کر دیا گیا ہے اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بوریوں میں رکھوا دیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ اے والد محترم! ہمیں اور کیا چاہئے، دیکھیں ہمیں اپنا سامان بھی لوٹا دیا گیا ہے اور غلہ بھی پورا پورا مل گیا ہے(1)۔ جب آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ہم اپنے اہل خانہ کے لئے مزید غلہ لائیں گے، ہم اپنے بھائی کی پوری طرح نگہداشت کریں گے اور اس کے حصے کا بار شتر ہمیں مزید مل جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہر آدمی کو ایک بار شتر ہی دیتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک گدھے کا بوجھ دیتے تھے، ایک لغت میں گدھے کو ''بَعِيْرٍ'' کہا جاتا ہے، اپنی کلام کو مکمل اور مزین کرتے ہوئے کہنے لگے: ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ یعنی اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کے مقابلے میں یہ آسان ناپ ہے۔ آپ نے فرمایا: لَنْ اُرْسِلَهٗ...... یعنی جب تک تم حلفیہ عہد و پیمان نہیں کر لیتے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ روانہ نہیں کروں گا۔ تمہیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے ہاں اگر تم بے بس ہو جاؤ اور اسے رہا کروانے پر قادر نہ رہو تو یہ اور بات ہے۔ جب انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ پختہ عہد کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری باتوں پر گواہ ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غلہ کی نایابی کے باعث بنیامین کو ساتھ بھیجنے کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں تھا، اس لئے آپ علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ مجبوراً روانہ کر دیا۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۚ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۚ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۚ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

''اور آپ نے کہا اے میرے بچو! (شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 11

توکل کرنا چاہئے توکل کرنے والوں کو۔ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا انہیں ان کے باپ نے۔ وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر (یہ احتیاطی تدبیر) ایک خیال تھا نفس یعقوب میں جسے انہوں نے پورا کیا اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا تھا انہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ تیار کر کے مصر بھیجنا چاہا تو اپنے بیٹوں کو تاکید کی کہ ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس کی وجہ بقول ابن عباس، محمد بن کعب، مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی وغیرہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام کو ان پر نظر بد کا اندیشہ تھا کیونکہ وہ تمام خوبصورت، تنومند اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں لوگ انہیں نظر نہ لگا دیں کیونکہ نظر کی تاثیر ہی اس قدر ہے کہ وہ شہسوار کو گھوڑے سے گرا دیتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ یعنی یہ احتیاط اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو نہیں لوٹا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ مزاحمت۔ چنانچہ بیٹے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تو نہیں لوٹا سکتے تھے، ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک خیال ضرور پورا ہو گیا وہ نظر بد سے بچنے کا خیال تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

"اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (نیز) اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو (ان حرکتوں پر) جو یہ کیا کرتے تھے"۔

جب برادران یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کا سگا بھائی بنیامین بھی ساتھ تھا تو آپ نے انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا، بڑی عزت وتکریم سے پیش آئے اور ان پر اپنی عنایات کی بارش کر دی۔ خلوت میں اپنے بھائی سے اپنا تعارف کروایا اور تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور بنیامین کو تاکید کی کہ میرے ساتھ ان کے ناروا سلوک پر غمزدہ نہ ہونا اور ابھی اس حقیقت اور راز سے پردہ بھی نہ اٹھانا۔ بنیامین کے ساتھ آپ علیہ السلام نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ انہیں باعزت طور پر اپنے ہاں ٹھہرانے کی تدبیر کریں گے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾

"پھر جب فراہم کر دیا انہیں ان کا سامان (خوراک) تو رکھ دیا (اپنا) پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک پکارنے والا اے قافلہ والو! بلاشبہ تم چور ہو۔ (حیرت زدہ ہو کر) وہ بولے درآنحالیکہ وہ ان کی طرف متوجہ تھے کونسی چیز تم نے گم کی ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو ڈھونڈ لائے گا اسے (بطور انعام) بار شتر (غلہ) دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں"۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں سامان رسد مہیا کر دیا اور ان کے اونٹوں کو غلہ سے لاد دیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے کسی غلام کو حکم دیا کہ وہ بنیامین کی خورجی میں قیمتی پیالہ رکھ دے۔ اکثر کے نزدیک یہ پیالہ چاندی کا تھا، بعض کہتے ہیں کہ سونے کا تھا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس میں پانی پیتے تھے اور غلہ کی کمیابی کے باعث اس سے ناپ کر غلہ دیتے تھے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ بادشاہ کا پیالہ چاندی کا بنا ہوا تھا جس میں وہ لوگ پانی پیتے تھے۔ یہ کپڑا بننے کی نالی کی طرح تھا۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اس جیسا پیالہ تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم نے چپکے سے پیالہ بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا، ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ...... وہ (بھائی) ندا دینے والے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ؟ جواب ملا: نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ......۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

”کہنے لگے خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اس لئے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں۔ خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، آخر کار نکال لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خورجی سے۔ یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے۔ نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے“۔

جب برادران یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا تو وہ کہنے لگے: تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ...... یعنی تم خوب ہماری تحقیق کر چکے ہو اور ہماری عمدہ سیرت اور اچھے اخلاق کا مشاہدہ کر چکے ہو اس لئے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ ہم چور ہیں، فساد بپا کرنا ہمارا مقصد نہیں اور نہ ہی ہماری فطرت اور عادت ہمیں اس فعل بد کے ارتکاب پر آمادہ کر سکتی ہے۔ شاہی ملازموں نے کہا کہ اگر چور تم میں سے برآمد ہو گیا تو اس کی کیا سزا ہو گی؟ وہ کہنے لگے: جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ...... شریعت ابراہیم علیہ السلام میں یہی دستور تھا کہ سارق (چور) کو مسروق (جس کی چوری کی گئی ہو) کے حوالے کر دیا جاتا۔ یہی حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش تھی، لہٰذا ان کی تلاشی لئے جانے کا حکم ہوا۔ بنیامین کے سامان کی تلاشی لینے سے پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی۔ آخر کار پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس روک لیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ حکمت اور مصلحت کی رو سے یہ بہت عمدہ تدبیر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے پسند کیا ورنہ شاہ مصر کے قانون کے

مطابق بنیامین کو اپنے پاس رکھنا آپ علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے یہ تدبیر کی کہ بھائیوں کے بتائے ہوئے قانون کو آپ علیہ السلام نے ان پر لاگو کر دیا حالانکہ شریعت ابراہیمی کے اس قانون کی بابت آپ علیہ السلام کو بھی علم تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلۃ: 11) ''اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا''۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر عالم سے اوپر کوئی اور عالم بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ پر علم کی انتہاء ہو جاتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ایک بہت عجیب و غریب بات بیان کی۔ یہ سن کر ایک آدمی تعجب سے کہنے لگا: الحمد للہ، ہر عالم سے اوپر کوئی عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے بہت بری بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ ہر عالم سے زیادہ عالم ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر ذی علم سے زیادہ کوئی نہ کوئی عالم ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تک علم کی انتہاء ہو جاتی ہے، اسی سے علم کی ابتداء ہوئی اور علماء نے سیکھا اور اس کی طرف انتہاء ہے۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں ''وَفَوْقَ كُلِّ عَالِمٍ عَلِیْمٌ'' آیا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

''بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بیشک چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے۔ پس چھپا لیا اس بات کو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ (جی میں) کہا تم بہت بری جگہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو''۔

جب پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا تو برادران یوسف کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کا ارتکاب کیا ہے تو تعجب کی بات نہیں، اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کو ایک جیسا چوری کا مرتکب ٹھہرایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنے نانا کا بت چپکے سے اٹھایا اور اسے توڑ دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر سب سے پہلی آزمائش یہ نازل ہوئی کہ آپ کی پھوپھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں، ان کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کا کمر بند تھا جو خاندان کے سب سے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام اپنی ولادت کے وقت سے اپنی ان پھوپھی کے ہاں پرورش پا رہے تھے جنہیں آپ کے ساتھ شدید محبت تھی اور وہ آپ علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو نہیں چاہتی تھیں۔ جب آپ پروان چڑھے اور سات سال کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام آپ علیہ السلام کو اپنے پاس لے جانے کے مشتاق ہوئے۔ اپنی بہن کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ یوسف کو میرے حوالے کر دیں، میں ایک گھڑی بھی اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا، وہ کہنے لگیں کہ میں کبھی بھی یوسف کو جدا نہیں کر سکتی۔ آخر کار وہ اس بات پر آمادہ ہو گئیں کہ چند دن یوسف کو میرے پاس رہنے دیں تاکہ میں جی بھر کر اسے دیکھ لوں، ممکن ہے اس طرح کچھ تسلی ہو جائے اور پھر اس کی جدائی مجھ پر شاق نہ گزرے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے تو آپ کی بہن نے وہ کمر بند لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ کی کمر پر باندھ دیا، پھر کہنے لگیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا کمر بند گم ہو گیا ہے، دیکھیں کس نے لیا ہے؟ آخر طے یہ ہوا کہ افراد خانہ کی تلاشی لی جائے، تلاشی لی گئی تو حضرت یوسف علیہ

السلام کے پاس سے برآمد ہو گیا۔ آپ کی پھوپھی کہنے لگیں کہ اب یوسف میری تحویل میں ہے جیسے چاہوں اس میں تصرف کروں۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی آگاہ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر واقعی یوسف نے ایسا کیا ہے تو وہ تمہاری تحویل میں ہے، میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کی وفات تک ان کے پاس رہے، اسی بات کی طرف بھائیوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (1)۔

فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ ...... ''ھا'' کا مرجع وہ کلمہ ہے جو بعد میں مذکور ہے یعنی اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ یعنی اس بات کو آپ نے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا۔ اس آیت میں اضمار قبل الذکر ہے۔ قرآن وحدیث اور نظم ونثر میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝

''وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے (اس کی جدائی برداشت نہ کر سکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے۔ بے شک ہم تجھے نیکوکاروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے کہا ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ ہم ظالم ہوں گے''۔

جب بھائیوں کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس ٹھہرا لیا تو بھائی بڑے رقت آمیز لہجے میں آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے عزیز! اس لڑکے کے والد بہت ضعیف اور بوڑھے ہیں، انہیں اس سے شدید محبت ہے، وہ اس کے ذریعے اپنے گم شدہ بیٹے کی جدائی کا غم غلط کرتے ہیں، اس لئے اس لڑکے کے عوض ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں، ہم آپ کو بہت نیکوکار، عادل اور منصف سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مَعَاذَ اللّٰهِ...... یعنی ہم تو صرف اسے ہی پکڑیں گے جس نے سرقہ کا ارتکاب کیا ہے اور اگر ہم مجرم کے بدلے بری الذمہ کو پکڑ لیں تو ہم بہت ظالم ٹھہریں گے۔

فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝ وَ سْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

''پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 29۔ تفسیر قرطبی، جلد 9 صفحہ 239

چکے ہو۔ (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لئے، اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں یہ) عرض کرواے ہمارے محترم باپ! بلاشبہ آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لئے وہ گرفتار کرلیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم رہے اور (پوچھئے) اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم سچ عرض کر رہے ہیں''۔

جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہو گئے تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ وہ تو اپنے والد سے یہ پختہ عہد و پیمان کر کے آئے ہیں کہ وہ بنیامین کو عنقریب واپس لے آئیں گے۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر تنہائی میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ سب سے بڑا (روبیل یا یہوذا، یہ وہی ہے جس نے بھائیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ یوسف کو قتل کرنے کے بجائے کنوئیں میں ڈال دیں) کہنے لگا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے تمہارے باپ نے تم سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ تم ضرور بنیامین کو واپس لوٹاؤ گے لیکن اس کا تو اب امکان ہی باقی نہیں رہا۔ بنیامین کی رہائی بہت مشکل ہے اور یوسف کو ضائع کرنے کا جرم اس پر مستزاد ہے، میں تو اس وقت تک اس شہر کو نہیں چھوڑوں گا جب تک میرے والد صاحب مجھے راضی خوشی واپسی کی اجازت نہیں دیتے یا اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی فیصلہ فرمادے۔ بعض نے کہا ہے کہ تلوار کے ذریعے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے(1)۔ یا اس طرح کہ وہ بنیامین کو رہا کر کے لے جانے کی قدرت عطا فرمائے۔ پھر اس نے بھائیوں سے کہا کہ تم جاؤ اور والد صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر دو تاکہ انہیں معذور اور بری الذمہ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ کا معنی قتادہ اور عکرمہ کے نزدیک یہ ہے: ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کا فرزند چوری کرتا ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں: ہمیں یہ غیبی علم نہ تھا کہ بنیامین نے کوئی چیز چرالی ہے، عزیز مصر نے تو ہم سے چور کی سزا کے متعلق پوچھا جس کے متعلق ہم نے اسے آگاہ کر دیا(2)۔ اگر یقین نہیں آتا تو اہل مصر سے دریافت کرلیں اور جس قافلہ کی رفاقت میں ہم آئے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ ہمارا دعویٰ صداقت پر مبنی ہے۔ ہم نے تو پوری دیانتداری اور کوشش سے بنیامین کی حفاظت کی تھی لیکن وہ چوری کے جرم میں پکڑ لیا گیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

''آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے یہ بات۔ (میرے لئے) اب صبر ہی زیبا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو بے شک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے اور کہا ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔ بیٹوں نے عرض کی بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 35 عن ابی صالح باذام 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 36

صحت یا آپ ہلاک نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا خدا کی بارگاہ میں اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی اس بات کو سن کر وہی فرمایا جو آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے خون آلود پیرہن یوسف پیش کر کے اپنی من گھڑت کہانی سنائی تھی، کہنے لگے: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو بنیامین کا واقعہ سنایا تو آپ نے انہیں مُتّہم گردانتے ہوئے یہ گمان کیا کہ انہوں نے بنیامین کے ساتھ بھی یوسف جیسا سلوک کیا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے چونکہ بھائیوں کا یہ فعل بھی ان کے پہلے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اس لئے آپ علیہ السلام نے پہلا حکم ہی لگا دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ ان کے تینوں بیٹوں (یوسف، بنیامین اور روبیل) کو ان کے پاس لوٹا دے گا کیونکہ وہ ان کی حالت سے بخوبی واقف ہے اور اپنے افعال اور قضاء وقدر میں حکیم ہے۔ اس نئے غم نے آپ کے دل میں یوسف کے مدفون غم کو بھی تازہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام اپنے بیٹوں سے اعراض کرتے ہوئے کہنے لگے: يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ استرجاع اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے کا ارشاد صرف اس امت کو ہوا ہے، دیکھیں اس موقعہ پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (1)۔ شدت غم کی وجہ سے رو رو کر آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی لیکن لبوں پر مہر سکوت لگی رہی، اپنے غم کا شکوہ مخلوق کے سامنے نہیں کیا، یہ ہے قتادہ وغیرہ کے نزدیک کظیم کا معنی۔ ضحاک نے اس کا معنی غمزدہ اور شکستہ خاطر بتایا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: ''اے پروردگار! بنی اسرائیل حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے وسیلہ سے تجھ سے دعائیں مانگتے ہیں، مجھے ان کے لئے چوتھا بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! ابراہیم کو میری وجہ سے آگ میں ڈالا گیا اور انہوں نے صبر کیا، یہ ایسی آزمائش ہے جس سے آپ دوچار نہیں ہوئے، اسحاق نے میری خاطر اپنی جان قربان کر دی، یہ بھی ایسی آزمائش ہے جس سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا اور یعقوب سے میں نے ان کے نور نظر کو جدا کر دیا تو انہوں نے صبر کیا، یہ آزمائش بھی آپ کو نہیں پہنچی۔'' یہ حدیث مرسل اور منکر ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس روایت کے راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر اور غریب ہیں۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت احنف بن قیس نے یہ روایت کعب، وہب یا ان جیسے کسی اسرائیلی سے لی ہے، کیونکہ بنی اسرائیل یہ بات نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس چوری کے الزام میں ٹھہرا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے بنیامین کی رہائی کے لئے خط لکھا۔ اپنے خاندان پر آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ابراہیم آگ میں ڈالے گئے، اسحاق ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے اور یعقوب کو فراق یوسف کی آزمائش میں ڈالا گیا۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بیٹوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی تو نرمی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے: تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا...... یعنی آپ ہر وقت یوسف کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں، اگر آپ کی یہی حالت رہی تو ہمیں خطرہ ہے آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ اس کا جواب آپ علیہ السلام نے یوں دیا: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور مزید فرمایا: وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ سے میں ہر خیر کی امید کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں جانتا ہوں یوسف کا خواب سچا ہے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 39

اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ یوسف کا خواب سچا ہے اور میں انہیں سجدہ کروں گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یعقوب علیہ السلام کا ایک مخلص دوست تھا، اس نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کی بینائی کو ختم کر دیا اور کمر کو خمیدہ؟ آپ نے فرمایا کہ یوسف پر گریہ و فغاں نے میری بینائی زائل کر دی اور بنیامین کے غم نے میری کمر خمیدہ کر دی۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے یعقوب! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ دوسروں کے سامنے میرے شکوے کرنے سے تم شرماتے نہیں؟ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شکوہ سے بخوبی آگاہ ہے'' (1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾

''اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے، بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ۔ پھر جب وہ گئے اس یوسف (علیہ السلام) کے پاس، تو انہوں نے عرض کی اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیر سی پونجی پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور (اس کے علاوہ) ہم پر خیرات بھی کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو''۔

تحسس کا لفظ خیر کی جستجو کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تجسس کا لفظ شر کی طلب کے لئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یوسف اور بنیامین کی تلاش کے لئے روانہ کر دیا، انہیں بشارت دی اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا اور نہ امید توڑنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے گا اور رحمت الٰہی سے مایوس ہونا صرف کافر قوم کا کام ہے۔ چنانچہ وہ حسب ارشاد وہاں سے نکلے اور مصر جا پہنچے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل خانہ قحط سالی اور قلت طعام کے باعث بڑی مشکل سے دوچار ہیں اور ہم اپنے ساتھ معمولی سی قیمت لائے ہیں۔ مجاہد، حسن وغیرہ نے ''بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ'' کا معنی معمولی قیمت بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بوری اور اس جیسی ردی چیز جو عوض کے طور پر کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے اس کا معنی ردی درا ہم کیا ہے۔ قتادہ، سدی اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ یہ قیمت صنوبر اور گندہ بروزہ کے درخت کے پھل پر مشتمل تھی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ وہ ایسا سامان تھا جس کی بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ وہ بن کا پھل اور صنوبر لائے۔ اصل میں ''ازجاء'' کا معنی ہے دور کرنا، ہٹانا اور مؤخر کرنا۔ اپنی خستہ حالی ظاہر کر کے کہنے لگے: فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ...... یعنی باوجود اس معمولی اور حقیر قیمت کے ہمیں پہلے کی طرح غلہ عطا فرمائیں۔ حضرت ابن مسعود

1۔ معجم صغیر، جلد 2 صفحہ 33

رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "فَاَوْقِرْ رِکَابَنَا" (ہمارے اونٹ غلہ سے لاد دیں) ہے۔ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا کے بارے میں ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی کو لوٹا کر ہم پر صدقہ کیجئے۔ سعید بن جبیر اور سدی کہتے ہیں کہ اس معمولی سی قیمت کو قبول کر کے اور ہمیں غلہ فراہم کر کے صدقہ کریں۔ سفیان بن عیینہ سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی پر صدقہ حرام کیا گیا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کیا تم نے یہ آیت فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ...... نہیں سنی؟ یعنی پہلے حرام نہیں ہوا(1)۔ حضرت مجاہد سے سوال کیا گیا کہ کیا کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا "اَللّٰهُمَّ تَصَدَّقْ عَلَيَّ" (یا اللہ! مجھ پر صدقہ کر) مکروہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، صدقہ تو وہ کرتا ہے جو ثواب کا خواہاں ہو(2)۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

"آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔ (سراپا حیرت بن کر) کہنے لگے کیا (سچ مچ) آپ ہی یوسف ہیں۔ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا خدا کی قسم! بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی خطا کار تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔ معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے"۔

جب برادران یوسف نے آپ کے سامنے اپنی مشکلات، قحط سالی، قلت طعام اور دونوں بیٹوں کی جدائی پر اپنے باپ کے شدید غم کا ذکر کیا تو آپ کا دل پسیج گیا، آپ پر رقت طاری ہوگئی اور جذبہ شفقت و محبت اور رحمت کے تاثرات سے مغلوب ہو کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی پیشانی سے تاج ہٹا دیا جہاں تل کا نشان تھا اور فرمانے لگے: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ...... یعنی کس طرح تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے درمیان جدائی ڈال دی، پھر خود ہی ان کی طرف سے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت تم نادان اور جاہل تھے اس لئے اس فعل کے مرتکب ہوئے جیسا کہ بعض سلف کا کہنا ہے: "كُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ" (اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان جاہل ہے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ...... (النحل:119) "پھر بے شک آپ کا رب ان کے لئے جنہوں نے غلطی کی (لیکن) نادانی سے......"۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو دفعہ ملاقات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو ظاہر نہیں کیا کیونکہ حکم خداوندی یہی تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھائیوں سے تعارف کراتے ہوئے اپنا آپ ظاہر کر دیا کیونکہ صورت حال جب زیادہ سنگین ہوگئی اور سختی حد سے تجاوز کر گئی تو اس آیت فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح:6-5) کے مصداق اللہ تعالیٰ نے سختی کو آسانی میں بدل دیا۔ اس وقت بھائی کہنے لگے: ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ؟ ابی ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 53 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 54

کعب نے اسے ہمزہ استفہام کے بغیر پڑھا ہے، ابن محیصن کی قرأت میں صرف "اَنْتَ یُوْسُفُ" ہے لیکن مشہور قرأت پہلی ہی ہے کیونکہ استفہام تعظیم پر دلالت کرتا ہے یعنی انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ وہ دو ڈھائی سال کے عرصہ سے آپ کے پاس آ رہے ہیں، اس کے باوجود وہ آپ کو نہ پہچان سکے حالانکہ آپ نے انہیں پہچان لیا تھا لیکن اس سے پہلے اس راز کو پوشیدہ رکھا، اسی لئے انہوں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا: ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: اَنَا یُوْسُفُ ..... یعنی میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اس طویل جدائی کے بعد ہمیں ملا دیا۔ جو بھی تقویٰ اور صبر کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے: تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ ... وہ آپ علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت، صورت، اقتدار اور مال و دولت میں ہم پر ترجیح اور فضیلت عطا فرمائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ منصب نبوت پر فائز کیا اور یہ منصب انہیں نہیں ملا تھا۔ انہوں نے آپ کے حق میں کی جانے والی زیادتیوں کا برملا اقرار کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: لَا تَثْرِیْبَ ..... یعنی آج تم پر کوئی گرفت، عتاب اور سرزنش نہیں، بلکہ میں تو تمہاری زیادتیوں کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔ پھر ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے کہا: یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ بھائیوں نے عذر پیش کیا جسے قبول کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ، میں تمہاری زیادتیوں کا ذکر تک نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کرے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿٩٥﴾

"لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور (جا کر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا بخدا! (باباجی!) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں"۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کثرت گریہ وفغاں کے باعث بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے اور آپ علیہ السلام کی تمام اولاد کو اور اہل خانہ کو میرے پاس لے آؤ۔ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس وقت موجود اپنی بقیہ اولاد سے فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے مخبوط الحواس نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قافلہ ابھی کنعان سے آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ ہوا نے آپ تک پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہنچا دی۔ حسن اور ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اور قافلے کے درمیان اسی فرسخ کی مسافت تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بچھڑے اسی سال کا عرصہ گزر چکا تھا(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سعید بن جبیر لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ کا معنی بیان کرتے ہیں: اگر تم مجھے بیوقوف نہ کہو۔ حسن کہتے ہیں: تم اگر مجھے (کم عقل) بوڑھا نہ سمجھو۔ آیت کریمہ میں ضلال کا لفظ بقول ابن عباس خطا کے معنی میں ہے جبکہ قتادہ اس کا معنی محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کے لئے بڑا سخت کلمہ استعمال کیا تھا۔ انہیں اپنے باپ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا زیب نہیں دیتا تھا خصوصاً جب کہ وہ نبی بھی تھے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 589

فَلَمَّآ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِیۡرُ اَلۡقٰىهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِیۡرًا ۚ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ ۚ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیۡنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹۸﴾

''پس جب آ پہنچا خوشخبری سنانے والا (اور) اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے جتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بیشک ہم ہی قصور وار تھے۔ فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہی غفور رحیم ہے''۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک کہتے ہیں کہ ''بَشِیْرٌ'' کا معنی قاصد ہے۔ مجاہد اور سدی کا کہنا ہے کہ یہ خوشخبری لانے والا حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹا یہودا تھا، اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود پیراہن پیش کر کے یہ باور کرایا تھا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، اب وہی آپ علیہ السلام کی قمیص کے ساتھ مژدہ سنانے آرہا تھا تا کہ وہ اس ذریعے سے اس داغ کو دھوڈالے اور اس طریقے سے اس جرم کی تلافی ہو جائے۔ جونہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کو ڈالا گیا، آپ کی بینائی لوٹ آئی اور آپ بالکل بینا ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ...... یعنی مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب یوسف کو ملا دے گا اور میں نے تمہیں کہا تھا: اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ اس وقت انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑی نرمی اور ملائمت کے ساتھ درخواست کی: یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا...... اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ......حضرات ابن مسعود، ابراہیم تیمی، عمرو بن قیس اور ابن جریج وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے ساتھ سحری کے وقت دعا کرنے کا وعدہ کیا۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر مسجد میں آتے تو کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنتے: یا اللہ! تو نے مجھے بلایا تو میں نے (تیری دعوت پر) لبیک کہی اور تو نے حکم دیا، میں نے اس کی اطاعت کی، یہ سحری کا وقت ہے تو میری بخشش فرما دے۔ آپ نے کان لگا کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز عبداللہ بن مسعود کے گھر سے آتی ہے۔ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قول ''سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ'' کے ساتھ اپنی دعا سحری تک کے لئے ملتوی کر دی (1)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ جمعہ کی رات تھی جب آپ نے دعا کی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ یعنی جب جمعہ کی رات آ جائے، یہ بات میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہی تھی (2)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى یُوۡسُفَ اٰوٰۤى اِلَیۡهِ اَبَوَیۡهِ وَقَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِیۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 64 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 65

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾

''پھر جب وہ سب یوسف کے روبرو ہوئے آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو اور (انہیں) کہا داخل ہو جاؤ مصر میں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے۔ اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے، اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے قید خانہ سے اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بیشک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ یقیناً وہی سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصر میں آمد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ اپنے اہل و عیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کے مطابق کنعان سے عازم مصر ہوئے۔ جب مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے۔ بادشاہ کے حکم سے تمام امراء، وزراء اور دیگر اکابرین سلطنت آپ کے ساتھ تھے، یہ بھی منقول ہے کہ خود بادشاہ بھی استقبال کے لئے آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ یہ آیت اکثر مفسرین پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل میں کلام یوں ہے: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَبَوَیۡهِ ...... ابن جریر نے بڑے عمدہ طریقے سے اس کی تردید کی ہے اور سدی کے اس قول کو پسند کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے والدین کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی تو انہیں اپنے پاس جگہ دی، پھر جب شہر کے دروازے تک پہنچے تو آپ نے فرمایا: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ ...... لیکن ابن جریر کا یہ پسندیدہ قول بھی محل نظر ہے کیونکہ ''ایواء'' کا معنی ہے کسی کو گھر میں جگہ دینا جیسا کہ یہ فرمان ہے ''اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَخَاهُ'' اور حدیث شریف میں آتا ہے: ''مَنۡ اٰوٰی مُحۡدِثًا'' (1)۔ اور اس میں کونسی چیز مانع ہے کہ ان کے مصر میں داخل ہونے اور انہیں جگہ دینے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ ...... دوسری بات یہ ہے کہ ''اُدۡخُلُوۡا''، ''اُسۡکُنُوۡا'' (سکونت اختیار کریں) کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ فرمایا کہ تم مصر میں داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم قحط سالی، تنگی اور مشقت سے محفوظ رہو گے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تشریف آوری کی برکت سے قحط سالی کے باقی سال اہل مصر سے رفع کر دیئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے طفیل اہل مکہ سے قحط سالی کے بقیہ سال رفع کر دیئے گئے جس قحط سالی کی دعا پہلے آپ ﷺ نے کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ ''یا اللہ! اہل مکہ کو عہد یوسف کے سات سالہ قحط جیسے قحط میں مبتلا کر۔'' پھر اہل مکہ عجز و نیاز سے آپ ﷺ کی خدمت میں التجائیں کرنے لگے اور سفارشیں کروانے لگے اور ابوسفیان کو آپ کی خدمت میں بھیج کر قحط سالی کی شکایت کی تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مصیبت سے چھٹکارا عطا فرما دیا (2)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو بہت عرصہ پہلے انتقال

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 7، صفحہ 192، صحیح مسلم، کتاب العتق، جلد 2، صفحہ 1147

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ روم، جلد 7، صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4، صفحہ 2155-2156

ہو چکا تھا۔ آپ علیہ السلام کے والد گرامی کے ہمراہ آپ کی خالہ آئی تھیں۔ محمد بن اسحاق اور ابن جریر کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کے ماں اور باپ دونوں بقید حیات تھے اور بقول ابن جریر آپ کی والدہ کے انتقال پر کوئی دلیل نہیں اور قرآن کریم کا ظاہر بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس وقت آپ کی والدہ زندہ تھیں (1)، یہی بات درست اور سیاق کلام کے مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا۔ اس وقت آپ کے والدین اور بقیہ گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے تو آپ نے کہا: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ...... پہلی شریعتوں میں یہ سجدہ جائز تھا۔ جب وہ کسی بڑے کو سلام کرنا چاہتے تو اس وقت اسے سجدہ کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر شریعت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ (سجدۂ تعظیمی) جائز رہا لیکن اس ملت محمدیہ کے لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ حضرت قتادہ وغیرہ کے قول کا ماحصل یہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے، وہاں انہوں نے لوگوں کو اپنے پادریوں اور مذہبی علماء کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ واپس آئے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ یا رسول اللہ! آپ زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا بیوی پر بہت بڑا حق ہے'' (2)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی رستے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ملاقات ہوگئی، اس وقت حضرت سلمان نو مسلم تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، سجدہ صرف اس ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات کو کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی'' الغرض ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، اس وقت آپ نے کہا: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ...... تاویل کسی چیز کے انجام کو کہتے ہی جیسا کہ فرمایا: هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ...... (الاعراف: 53) '' کافر کس چیز کے منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام''۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے کہا: قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا...... یعنی میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا اور مجھ پر احسان فرمایا جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں صحرا سے یہاں لے آیا۔ وہ صحراء نشین تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ شام کے زیریں علاقہ میں سرزمین فلسطین کے دیہات میں رہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حسمی کے زیریں طرف وادیوں میں مقیم تھے اور اونٹ بکریاں پالتے تھے (3)۔ آپ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ملا دیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ناچاقی ڈال دی تھی، میرا رب بہت لطف و کرم فرمانے والا ہے، وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال، قضاء و قدر اور اختیار و ارادہ میں حکیم ہے۔ سلیمان کہتے ہیں کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تعبیر ظاہر ہونے میں چالیس سال کا عرصہ گزرا۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ تعبیر ظاہر ہونے میں اس سے زیادہ مدت نہیں لگتی (4)۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باپ بیٹا اسی سال کے بعد ملے۔ اس دوران حضرت یعقوب علیہ السلام ہمیشہ غمزدہ رہے اور رخساروں پر آنسو بہتے رہے حالانکہ روئے زمین پر آپ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 67　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 595، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 381

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 71-72　4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 70

السلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی محبوب بندہ نہ تھا(1)۔ایک روایت میں حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے فراق کی مدت تراسی سال بتائی ہے(4)۔آپ رحمتہ اللہ علیہ ہی بیان کرتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر میں آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا، اسی سال اپنے باپ کی نظروں سے اوجھل رہے اور اس کے بعد آپ تیئس سال زندہ رہے۔جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔قتادہ کہتے ہیں کہ فراق کا زمانہ پینتیس سالوں پر محیط تھا۔بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ برس اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ تقریباً چالیس سال، حضرات یعقوب و یوسف علیہما السلام فراق کے بعد اکٹھے سترہ برس رہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو ان کی تعداد تریسٹھ تھی اور جب یہاں سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔مسروق کہتے ہیں کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تو ان کے مردوں اور عورتوں کی تعداد تین سو نوے تھی۔عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ یہ سب چھوٹے بڑے چھیاسی افراد تھے وہاں سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی(2)۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

''اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔مجھے وفات دے درآنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر نعمت مکمل کر دی، بچھڑے ہوئے والدین اور بھائی مل گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت سے نوازا اور ایک عظیم سلطنت سے آپ کو سرفراز فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مذکورہ دعا کے ساتھ ہاتھ بلند کر دیئے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ جس طرح اس نے دنیا میں اپنی نعمتوں کی تکمیل کی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ اپنے انعامات سے بہرہ ور فرمائے اور جب موت کا وقت آئے تو اسلام کی حالت پر اور وہ اپنے صالح بندوں انبیاء و رسل کے ساتھ ملا دے۔اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا وفات کے وقت کی ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ وصال کے وقت رسول اللہ ﷺ نے (تین مرتبہ) اپنی انگلی اٹھائی اور یہ دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی'' (اے اللہ، رفیق اعلیٰ!)(3)۔یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی دعا کا یہ مقصد ہو کہ جب بھی وفات پاؤں، اسلام پر ہی وفات ہو اور صالحین کے ساتھ مل جاؤں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے فوری موت کے لئے التجا کی جس طرح کوئی آدمی کسی کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسلام پر موت دے یا ہم دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ، اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسی وقت موت طلب کی ہو اور ایسا کرنا ان کی ملت میں جائز تھا جیسا کہ قتادہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا، آپ کے سب کام سنور گئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا اور مال و دولت، جاہ و مرتبہ، سلطنت واقتدار سے نواز دیا تو آپ صالحین کے ساتھ مل جانے کی طرف بہت مشتاق ہو گئے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف

1۔تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 70-71 2۔تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 72، صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 9 صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 15

3۔فتح الباری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7 صفحہ 20، صحیح مسلم، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 1721-1722

علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے کبھی موت کی تمنا نہیں کی۔ آپ پہلے نبی ہیں جنہوں نے ایسی دعا کی (1)۔ یہ قول اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ سب سے پہلے یہ دعا کرنے والے آپ ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ دعا مانگی تھی: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا (نوح:28) ''میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فوری موت کے لئے دعا کی، قتادہ کے قول کا سیاق بھی اسی چیز کا متقضی ہے۔ لیکن ہماری شریعت میں ایسی دعا جائز نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی تکلیف کے نازل ہونے کی وجہ سے تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ لازماً موت کی خواہش رکھتا ہے تو اسے یہ دعا کرنی چاہئے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جس وقت تک زندگی میرے لئے بہتر ہے، اور مجھے اس وقت موت دے دے جب موت میرے لئے بہتر ہو'' (2)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ''کسی مصیبت کے باعث کوئی موت کی خواہش نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ ہوگا اور اگر وہ گنہگار ہے تو شاید کسی وقت اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے، بلکہ وہ یہ کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جس وقت تک زندگی میرے لئے باعث خیر ہے اور مجھے وفات دے دے جب وفات میرے لئے موجب خیر ہو'' (2)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قدر رقت انگیز وعظ فرمایا کہ کثرت گریہ کے باعث سعد بن ابی وقاص کی ہچکی بندھ گئی اور وہ کہنے لگے: کاش میں مر جاتا! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے سعد! کیا تم میرے پاس موت کی تمنا کر رہے ہو؟'' یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار دہرائے اور پھر فرمایا: ''اے سعد! اگر تمہیں جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جس قدر تمہاری عمر طویل ہوگی اور جس قدر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے وہ تمہارے لئے بہتر ہے'' (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی کسی تکلیف کے نازل ہونے کے باعث موت کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی اس کے آنے سے قبل اس کی دعا کرے، ہاں اگر کوئی ایسا ہو جسے اپنے اعمال پر وثوق ہو، کیونکہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کا عمل اس کی نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے'' (4)۔ یہ حکم اس وقت ہے جب تکلیف اور مصیبت کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہو، لیکن فتنہ اور مصیبت اگر دینی ہو تو موت کا سوال کرنا جائز ہے جیسا کہ جادوگروں نے اس وقت دعا کی تھی جب فرعون نے انہیں دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے قتل کی دھمکی دی: رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (الاعراف:126) ''اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں''، حضرت مریم علیہا السلام کو جب دردزہ نے آلیا تو پریشان ہو کر کھجور کے تنے تلے چلی گئیں تو وہاں بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا (مریم:23) ''کہنے لگیں کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی''، چونکہ بغیر خاوند کے آپ نے بچے کو جنم دیا، اس لئے آپ کو معلوم تھا کہ لوگ ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا، وہ کہنے لگے: یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ (مریم:28-27) ''اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی''۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مشکل

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 73
2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، جلد 4 صفحہ 2064، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 101 وغیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266-267
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 350

صورت حال سے نکالنے کی تدبیریوں کی کہ پنگھوڑے میں کھیلتے ہوئے شیر خوار بچے کو قوت گویائی عطا فرمادی، ننھے عیسیٰ کہنے لگے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ یہ آپ کا زبردست معجزہ اور عظیم نشانی تھی۔ ایک طویل حدیث جس میں خواب اور دعا کا ذکر ہے جس کے راوی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں یہ بھی آتا ہے: اے پروردگار! جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے اس آزمائش میں ڈالے بغیر اپنے پاس بلا لے(1)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں ابن آدم ناپسند کرتا ہے: وہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مومن کے لئے فتنوں سے بہتر ہے اور وہ قلت مال کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ قلت مال قلت حساب کا باعث ہے''(2)۔ الغرض دین کے متعلقہ فتنوں میں موت کا سوال جائز ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ امور بکھرتے چلے جارہے ہیں اور مشکلات میں اضافہ ہورہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے، میں لوگوں سے اور لوگ مجھ سے تنگ آچکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ آزمائش سے دوچار ہوئے اور امیر خراسان کے ساتھ بڑے بڑے معرکے پیش آئے تو آپ نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ یا اللہ! '' مجھے وفات دیکر اپنے پاس بلا لے(3)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ (دجال کے پرفتن دور میں) ایک آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا اور (قبر والے سے مخاطب ہو کر) کہے گا کہ کاش تیری جگہ میں ہوتا''(4)۔ کیونکہ فتنوں، زلزلوں اور ہولناک امور کی اس قدر کثرت ہو جائے گی کہ ہر آدمی فتنہ میں مبتلا ہوگا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے استغفار کی درخواست کی، آپ علیہ السلام نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی، انہیں معاف فرمادیا اور ان کے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا سارا خاندان مصر میں جمع کردیا تو برادران یوسف ایک دن اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے والد محترم اور یوسف کو ہماری وجہ سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے؟ یہ حضرات تو ہمیں معاف کردیں گے لیکن اپنے رب کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے؟ آخر کار یہ طے ہوا کہ وہ سب مل کر اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے، حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ سب کہنے لگے: ابا جان! آج ہم آپ کی خدمت میں ایک ایسے اہم کام کے لئے آئے ہیں کہ اس جیسے کام کے لئے ہم پہلے کبھی آپ کے پاس نہیں آئے اور معاملہ بھی ایسا درپیش ہے کہ اس طرح کے معاملہ سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا، اس طرح انہوں نے اپنے والد گرامی کے جذبہ شفقت و محبت کو جوش دلایا اور انبیائے کرام ویسے بھی بہت زیادہ رحمدل ہوتے ہیں، آپ علیہ السلام فرمانے لگے: بیٹو، معاملہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے آپ کو اور بھائی یوسف کو کس قدر تکلیف دی اور ستایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ دونوں نے ہمیں معاف فرمادیا ہے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں، پھر وہ کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں معاف نہ فرمائے تو پھر آپ دونوں کے معاف کرنے کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ فرمانے لگے: بیٹو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟ وہ کہنے لگے: ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں جب آپ کے پاس بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی نامہ آگیا تو اس وقت ہماری آنکھیں ٹھنڈی اور دل مطمئن ہوں گے ورنہ دنیا میں ہمیں ایک پل کے لئے بھی قرار نصیب نہیں ہوگا۔

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ص، جلد 114 - 116، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 243 — 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 427

3۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، جلد 11، صفحہ 30 — 4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2231، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1340

چنانچہ آپ علیہ السلام قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور یوسف علیہ السلام آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بھائی دونوں کے پیچھے نہایت خشوع و خضوع اور عجز و نیاز سے صف بستہ ہو گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر آمین کہی، کہا جاتا ہے کہ بیس سال تک دعا قبول نہ ہوئی۔ آپ علیہ السلام انہیں ڈراتے رہے یہاں تک کہ بیس سال کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اس بشارت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمالیا ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں کے حق میں کی تھی اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آپ کے بعد انہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا(1)۔ یہ اثر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کے دوراوی یزید رقاشی اور صالح مری نہایت ضعیف ہیں۔ سدی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) کے پاس دفن کیا جائے۔ جب آپ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو آپ کو حسب وصیت شام میں اپنے دادا جان اور والد گرامی کے پاس دفن کیا گیا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''(اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر رہے تھے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے۔ اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درس ہدایت) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے آگاہ کیا کہ کس طرح آخر کار انہیں اپنی تائید و نصرت سے نوازا، سلطنت و اقتدار سے سرفراز کیا اور بھائیوں کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا، یہ اور اس جیسے واقعات کا تعلق غیب کی گزری ہوئی خبروں کے ساتھ ہے جسے اے میرے محبوب، ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ کو سکھاتے ہیں کیونکہ ایسے واقعات میں عبرت اور نصیحت کا پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ اس وقت برادران یوسف کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے پر اتفاق کیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ہم نے آپ کو بذریعہ وحی پہنچائی ہے جیسا کہ ان آیات میں آتا ہے: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (آل عمران: 44) ''اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں''، وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص: 44) ''اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا''، وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (القصص: 46) ''اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی''، وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (القصص: 45) ''اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا'' اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تاکہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں''، مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (ص: 70-69) ''مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 74

میں جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں''، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو ایسے غیبی واقعات کی اطلاع دی ہے جن میں لوگوں کے لئے عبرت اور دارین میں نجات کا سامان موجود ہے۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اس لئے فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام:116)'' اور (اے سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الشعراء:190)۔'' بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے''۔

وَمَا تَسْئَلُهُمْ...... یعنی اے میرے رسول ﷺ! آپ دعوت رشد و خیر اور وعظ و نصیحت پر ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے بلکہ یہ فریضہ آپ محض رضائے الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کی خاطر انجام دے رہے ہیں اور یہ قرآن کریم تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے، لوگ اسی سے نصیحت حاصل کر کے دارین میں نجات پاتے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾

''اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (سجی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کئے ہوتے ہیں۔ اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔ کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو''۔

اس حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اکثر لوگ زمین و آسمان میں بکھری ہوئی مخلوقات میں پائی جانے والی نشانیوں اور دلائل توحید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یہ درخشاں ستارے اور سیارے، یہ گردش کرتے ہوئے افلاک، ہر چیز اللہ کے حکم کے پابند، زمین میں یہ کھیتیاں، باغات، پہاڑ، موجزن سمندر، تلاطم خیز موجیں، جنگل و بیابان، زندہ و مردہ، حیوان و نباتات، یکساں اور مختلف پھل، یہ انواع و اقسام کی مخلوقات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی گواہی دے رہی ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ان کا ایمان یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین، آسمان اور پہاڑ کس نے پیدا کئے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس اقرار کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بھی ٹھہراتے ہیں (1)۔ مجاہد، عطاء، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ صحیحین میں ہے کہ مشرکین اپنے تلبیہ میں یہ کہتے: ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے جسے تو نے خود شریک بنایا ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے'' (2)۔ جب مشرکین اتنا کہتے: ''لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ'' تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: ''بس بس'' (2)۔ یعنی اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 77
2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 843

قدر ہی کافی ہے، مزید کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:13) ”یقیناً شرک ظلم عظیم ہے“، اور اس سے بڑھ کر کیا شرک ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کی جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے“(1)۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ...... کا مصداق وہ منافق ہے جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے عمل کرتا ہے تو یہ اپنے ایسے عمل کے باعث مشرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء:142) ”بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر“۔ شرک کی ایک اور قسم شرک خفی بھی ہے جس کا مرتکب عموماً اسے محسوس نہیں کرتا جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس گئے تو اس کے بازو پر ایک دھاگہ بندھا ہوا پایا۔ آپ نے اسے توڑ دیا اور یہ آیت وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ...... پڑھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ“(2)۔ (جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا“۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو شرک ہے“(3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”بدشگونی شرک ہے، اللہ تعالیٰ توکل کے ذریعے اسے دور کر دیتا ہے“(4)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب عبد اللہ باہر سے گھر آتے تو دروازے پر کھنکارتے اور تھوکتے کیونکہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اچانک ہمارے پاس آ کر کوئی ایسی حالت دیکھ لیں جو انہیں بری لگے۔ ایک دن عبد اللہ گھر میں داخل ہونے لگے تو حسب عادت کھنکارے، اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی جو مجھے ایک وبائی بیماری کا دم کر رہی تھی۔ میں نے اسے فوراً چار پائی کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبد اللہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میرے گلے میں دھاگہ دیکھ کر پوچھنے لگے کہ یہ دھاگہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس دھاگے پر میں نے دم کروا رکھا ہے۔ آپ نے اس دھاگے کو پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر فرمایا کہ آل عبد اللہ شرک سے بے نیاز ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو شرک ہے“۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں حالانکہ میری آنکھ دکھتی تھی، میں فلاں یہودی کے پاس دم کروانے کے لئے جاتی تھی تو مجھے سکون آجاتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا تھا وہ اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھوں میں کچوکا مارتا۔ جب دم کیا جاتا تو وہ رک جاتا تھا، ایسی صورت حال میں یہ پڑھ لینا کافی ہے جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے: اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا(5)۔ ”اے لوگوں کے پروردگار! مصیبت کو ٹال دے، تو شفا عطا فرما، تو ہی شفا بخشنے والا ہے، بجز تیری شفاء کے کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی“۔ عیسیٰ بن عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن حکیم بیمار پڑ گئے ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، ان

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ:22

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب النذور، جلد 7 صفحہ 18

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 9، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 381

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 18، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389

5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 381

سے کہا گیا کہ اگر آپ کوئی تعویذ وغیرہ لٹکا لیتے ؟ آپ نے فرمایا: (کیا) میں تعویذ وغیرہ لٹکا لوں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے کوئی چیز لٹکائی اسے اس کے سپرد کر دیا گیا'' (1)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ'' (جس نے تعویذ لٹکایا، اس نے شرک کیا) (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جو شخص تعویذ باندھے اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا نہ کرے اور جس نے منکے (گلے میں) ڈالے، اللہ تعالیٰ اسے راحت نصیب نہ کرے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا تو میں اسے اس کے شرک کے حوالے کر دیتا ہوں'' (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اول آخر سب لوگوں کو ایسے دن (یوم قیامت) میں جمع کر دے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے کئے گئے عمل میں شرک کیا تھا وہ اپنے عمل کا ثواب اس (شریک) غیر اللہ سے ہی طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہے'' (4)۔ حضرت محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم سے زیادہ شرک اصغر کا اندیشہ ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ''ریاکاری، قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ (ریاکاروں سے) فرمائے گا کہ تم ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم عمل کیا کرتے تھے اور دیکھو کیا تمہیں ان کے ہاں بدلہ ملتا ہے؟'' (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو بدشگونی نے اپنے کام سے لوٹا دیا اس نے شرک کیا'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ کہے: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (6)۔ ''یا اللہ! کوئی بھلائی نہیں بجز تیری بھلائی کے، کوئی شگون نہیں بجز تیرے شگون کے اور کوئی معبود نہیں بجز تیرے''۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اس شرک سے بچو کیونکہ یہ چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ عبداللہ بن حرب اور قیس بن مضارب کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ اس کی کوئی دلیل پیش کریں ورنہ ہم عمر کے پاس جائیں گے ہمیں اجازت ملے یا نہ ملے۔ آپ فرمانے لگے کہ میں اس کی دلیل پیش کرتا ہوں،

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الطب، جلد 8، صفحہ 229، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 310 — 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 156-154

مؤثر حقیقی اور فاعل مستقل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مؤثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرنا شرک ہے اس لئے وہ منتر، دم، جھاڑ پھونک، نقوش اور تعویذ قطعاً حرام اور ممنوع ہیں جن میں شرک یا شرکیہ اعمال کا شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ جن احادیث میں تعویذ، دم، جھاڑ پھونک وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک یا قرآن وحدیث میں سے کچھ الفاظ موجود ہوں، وہ بالکل جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے، صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو بھی۔ آپ ﷺ حسنین کریمین کو ان الفاظ کے ساتھ دم فرماتے: ''اعیذک بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ''۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی، جبریل امین علیہ السلام عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور ان کلمات کے ساتھ آپ ﷺ کو دم کیا: ''باسم اللہ ارقیک من کل شیء یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد، اللہ یشفیک، باسم اللہ ارقیک'' (میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس کی شر اور حاسد کی نظر سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں)۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی چیز نفع نہیں پہنچاتی۔ اگر ادویات، جڑی بوٹیاں اور ٹیکے وغیرہ اذن الٰہی سے تاثیر رکھتے ہیں اور صحت وعافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اسمائے حسنیٰ اور آیات واحادیث اذن الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔

3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2289 — 4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 215

5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 428 — 6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 220

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! شرک سے بچو کیونکہ یہ چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' ایک آدمی عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! جب یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے تو ہم کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ(1)۔ ''یا اللہ! ہم اس بات سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ تیرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائیں جسے ہم جانتے ہیں، اور جسے نہیں جانتے اس سے تیری مغفرت طلب کرتے ہیں''۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شرک تم میں چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: شرک تو یہی ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شرک تم میں چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہے''، پھر فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی چیز پر نہ کردوں جس سے تمام چھوٹا بڑا شرک جاتا رہے؟ یہ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ(2)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں شرک پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس سے نجات کیونکر ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی دعا پر نہ کردوں کہ جب تم اسے پڑھو تو ہر چھوٹے بڑے اور کم زیادہ شرک سے بری ہو جاؤ؟'' عرض کی: یارسول اللہ! ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ...... 'یک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھایئے جسے میں صبح وشام اور سوتے وقت پڑھ لیا کروں تو آپ نے اس دعا کی تلقین کی: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ(3)۔ ''اے اللہ! زمین وآسمان کے خالق، ظاہر وباطن کے عالم، ہر چیز کے رب اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس کی شر سے، شیطان کی شر سے اور شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔ مسند احمد میں اس روایت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ ''میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے حق میں یا کسی مسلمان کے ساتھ برائی کا ارتکاب کروں''(4)۔

اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ...... یعنی کیا یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے چھا جانے والے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل: 47-45) ''کیا بے خوف (اورنڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آجائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے یا انہیں پکڑ لے جب وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں، پس بے تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''، اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (الاعراف: 99-97) ''تو کیا بے خوف ہو گئے ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 403　　2۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 61-63، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 224

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 316-317، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 279　　4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 14

خوف ہو گئے ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں۔ تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے، پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے"۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٨

"آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں۔ اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جنہیں تمام جن وانس کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، وحدانیت اور کبریائی کی دعوت دینا ہی میرا طریقہ، مسلک اور سنت ہے، میں اور میرے پیروکار یقین، بصیرت اور دلیل کے ساتھ یہ دعوت دینے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شریک، نظیر، عدیل، مدمقابل، اولاد، والد، بیوی، وزیر اور مشیر سے منزہ، مبرا، اعلیٰ، اعظم اور مقدس ہے۔ وہ پاک ہے اور ہر چیز سے برتر ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:44) "پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بیشک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠٩

"اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے۔ کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کہ کیا ہوا تھا انجام ان (منکرین) کا جو ان سے پہلے (ہو گزرے) تھے۔ اور دار آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سننے والو!) کیا تم نہیں سمجھتے"۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں میں سے رسول مبعوث فرمائے ہیں نہ کہ عورتوں میں سے، یہ جمہور علماء کا قول ہے جیسا کہ یہ آیت بھی اسی چیز پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کی طرف تشریعی وحی نہیں کی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم بنت عمران نبیہ تھیں، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملائکہ نے حضرت سارہ کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی بشارت دی اور ام موسیٰ کو وحی کی جیسا کہ فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ (القصص:7) "اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ"، اور یہ کہ فرشتوں نے آ کر حضرت مریم علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی، قرآن کریم فرماتا ہے: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران:43-42) "اور جب کہا فرشتوں نے

اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ''، یہ مقام اگرچہ ان مستورات کو حاصل ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبیہ بھی ہیں۔ اگر نبوت سے مقصد صرف ان کا مقام و مرتبہ اور شرف ہو تو اس میں کوئی شک نہیں لیکن منصب نبوت پر فائز ہونے کے لئے کیا یہ کافی ہے؟ اہل سنت و جماعت کا یہ موقف ہے اور اسے ہی امام ابوالحسن اشعری نے نقل کیا ہے کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں بلکہ صدیقات ہیں جیسا کہ سب سے افضل عورت حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدۃ:75) ''نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا''، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے اعلیٰ مقام کو ذکر کرتے ہوئے انہیں صدیقہ کہا ہے، اگر وہ نبیہ ہوتیں تو اس تشریف و اعزاز کے مقام پر انہیں نبیہ کہا جاتا، بہرصورت آپ قرآن کریم کے مطابق صدیقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سے پیغمبر بھیجے نہ کہ آسمان سے فرشتے، اس قول کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''، وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ (الانبیاء:9-8) ''اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو''، قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:9) ''آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے اہل قریٰ (شہر والوں) سے پیغمبر مبعوث فرمائے، اہل بادیہ میں سے نہیں کیونکہ بادیہ نشین عموماً سخت مزاج اور بداخلاق ہوتے ہیں جبکہ شہری عموماً متمدن، تہذیب یافتہ، نرم مزاج اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ دیہاتی اور بستیوں کے رہنے والے بھی تقریباً بادیہ نشینوں کی طرح ہوتے ہیں اس لئے فرمایا: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (التوبۃ:97) ''اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں''، قتادہ کہتے ہیں کہ شہری علاقوں سے پیغمبر چننے کی وجہ یہ ہے کیونکہ شہری زیادہ علم و حلم والے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی بدو نے رسول خدا ﷺ کو اونٹنی کا تحفہ دیا۔ آپ ﷺ اسے عطا فرماتے رہے، وہ مزید مانگتا رہا، آپ مزید عطا فرماتے رہے پھر وہ راضی ہوا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: ''میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سوائے کسی قریشی، انصاری، ثقفی یا دوسی کے کسی اور سے ہبہ قبول نہیں کروں گا''(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور نہ ان کی ایذاء رسانی پر صبر کرتا ہے''(2)۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ...... یعنی کیا یہ جھٹلانے والے زمین میں گھومے پھرے نہیں تاکہ انہیں گزشتہ جھٹلانے والی قوموں کے انجام کا علم ہو جاتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا جیسا کہ فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ (الحج:46) ''کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 295 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 43

(حق) کو سمجھ سکتے''۔ جب یہ لوگ گزشتہ قوموں کی بربادی کے متعلق داستانیں سن لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا اور مومنین کو نجات بخشی اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، اس لئے فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جس طرح ہم دنیا میں اہل ایمان کو نجات عطا فرماتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کے لئے نجات مقدر ہے اور یہ دنیا سے بہت بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (المومن:52-51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا''۔ آیت کریمہ میں دار کی اضافت ''الْاٰخِرَةِ'' کی طرف کر کے فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ جس طرح کہا جاتا ہے: ''صَلٰوةُ الْاُوْلٰى''، ''مَسْجِدُ الْجَامِعِ''، ''عَامُ الْاَوَّلِ''، ''بَارِحَةُ الْاُوْلٰى'' اور ''يَوْمُ الْخَمِيْسِ''۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

''جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے اس وقت آ گئی ان کے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا۔ اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں ضرورت پڑنے پر بروقت اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (البقرۃ:214) ''اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟''، آیت کریمہ میں ''كُذِبُوْا'' اور ''كُذِّبُوا'' (تشدید کے ساتھ) دونوں قراءتیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھتیں۔ بخاری شریف میں ہے، حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا یہ لفظ ''كُذِبُوا'' ہے یا ''كُذِّبُوْا؟'' حضرت عائشہ نے فرمایا: ''كُذِّبوا''۔ میں نے گزارش کی کہ پیغمبروں کو تو اس بات کا یقین تھا کہ ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا ہے تو پھر ظن کے کیا معنی ہوئے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں واقعی انہیں اس بات کا یقین تھا۔ میں نے عرض کی: پھر ''كُذِبُوْا'' ہوگا یعنی ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا؟ آپ فرمانے لگیں: معاذ اللہ! پیغمبر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان نہیں کر سکتے۔ میں نے پوچھا: پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ پیغمبروں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی لیکن ان پر آزمائش لمبی ہوگئی اور نصرت الٰہی میں تاخیر ہوگئی یہاں تک کہ رسول بھی اپنی قوم کے جھٹلانے والے لوگوں سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اب ان کے پیروکار بھی انہیں جھٹلانے لگے ہوں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے پاس آ پہنچی (1)۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اسے ''كُذِبُوْا'' تخفیف کے ساتھ پڑھتے، آپ نے اس طرح پڑھ کر مجھے فرمایا کہ انہیں فتح و نصرت کا مژدہ سنایا گیا، پھر آپ نے اس آیت کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 8 صفحہ 367

تلاوت کی: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ:214)'' یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے''۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قرأت کا انکار کرتیں اور تشدید کے ساتھ ہی پڑھتیں۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جتنے وعدے کئے، آپ کو ان کے متعلق یقین تھا کہ وہ ہر صورت میں پورے ہو کر رہیں گے۔ وصال تک یہی کیفیت رہی لیکن پہلے پیغمبروں پر مسلسل آزمائشیں آتی رہیں یہاں تک کہ انہوں نے گمان کر لیا ہے کہ ان کے ساتھی اہل ایمان کہیں انہیں جھٹلانے پر آمادہ نہ ہو گئے ہوں(1)۔ ایک شخص قاسم بن محمد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ محمد بن کعب قرظی ''كُذِبوا'' پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''كُذِّبوا'' پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری قرأت ''كُذِبوا'' تخفیف کے ساتھ ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس میں نقطہ نظر اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اسی طرح پڑھا اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جسے تو ناپسند کرتا ہے(2)۔ حضرات ابن عباس اور ابن مسعود سے یہ روایت اس روایت کے مخالف ہے جو اوروں نے ان دونوں حضرات سے کی ہے۔ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب پیغمبر اپنی دعوت کے قبول کئے جانے سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ پیغمبروں نے ان سے جھوٹ بولا ہے تو اس وقت اللہ کی مدد آ پہنچی اور جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا بچا لیا(3)۔ ایک نوجوان قریشی نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا: اے ابو عبداللہ! اس لفظ کو کیسے پڑھیں گے، کیونکہ جب بھی میں تلاوت کرتے ہوئے اس لفظ پر پہنچتا ہوں تو تمنا کرتا ہوں کہ اس سورت کو نہ ہی پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب انبیاء اپنی قوم کی تصدیق سے مایوس ہو گئے اور قوم یہ سمجھنے لگی کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ سن کر حضرت ضحاک خوشی سے کہنے لگے کہ کسی صاحب علم سے میں نے ایسا جواب نہیں سنا، اگر مجھے ایسے جواب کے لئے یمن بھی جانا پڑتا تو معمولی بات تھی(4)۔ مسلم بن یسار نے حضرت سعید بن جبیر سے جب یہ سوال پوچھا تو آپ نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ یہ جواب سن کر انہوں نے حضرت سعید کو گلے لگا لیا اور یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات دور کرے جس طرح آپ نے میری مشکل دور کی(5)۔ بہت سے مفسرین نے اسی طرح اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ مجاہد نے تو اسے پڑھا ہی ''كَذَبُوْا'' ہے یعنی ذال کی زبر کے ساتھ۔ بعض مفسرین نے ''ظَنُّوْا'' میں ضمیر فاعل کو مومنین کی طرف لوٹایا ہے اور بعض نے کفار کی طرف یعنی کفار نے یہ گمان کیا کہ پیغمبر اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ان کے ساتھ مدد کا وعدہ کیا گیا ہے(6)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور نصرت الٰہی میں تاخیر کے وقت ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ یہ دو روایتیں ہیں جو حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا بالکل انکار کرتی ہیں۔ ابن جریر نے حضرت عائشہ کے موقف کی تائید کی ہے اور اسے ہی پسند کیا ہے جبکہ دوسرے قول کی تردید کی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 87
2۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 86
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 82
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 84
5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 88
6۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 85

''بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھداروں کے لئے۔ نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑ لی گئی ہو۔ بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت ورحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاء ورسل، اہل ایمان کی نجات اور اہل کفر کی بربادی کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے درس عبرت ہے۔ یہ قرآن کریم ایسا نہیں جسے جھوٹ موٹ گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ سابقہ آسمانی کتب کی صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں وقوع پذیر ہونے والی تحریف اور تغیر وتبدل کی نفی کرتا ہے۔ کسی چیز کو منسوخ کرنے یا برقرار رکھنے میں یہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ اس کتاب میں حلال و حرام، محبوب ومکروہ، طاعات، واجبات، مستحبات، مکروہات، محرمات، اخبار ماضی، غیوب استقبال، اسماء وصفات وتنزیہہ باری تعالیٰ اور دیگر تمام قسم کے امور کی تفصیلات درج ہیں، اس لئے فرمایا: وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی اس کے ذریعے دل گمراہی سے ہدایت پاتے ہیں اور دنیا وآخرت میں رحمت الٰہی طلب کرتے ہیں۔ ہم بھی التجا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اللہ ان اہل ایمان میں شامل فرمائے جس دن چمکتے دمکتے چہروں والے کامیاب ہوں گے اور سیاہ چہروں والے ناکام۔

سورۂ رعد (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ①

''الف۔لام۔را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی اور جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے، وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ (اپنی کج فہمی کے باعث) ایمان نہیں لاتے''۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی سورت کے آغاز میں ان حروف کے لانے کا مقصد قرآن کریم کی برتری اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہے، اس لئے فرمایا: تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور بقول مجاہد وقتادہ اس سے مراد تورات اور انجیل ہے لیکن اس قول میں کچھ کلام ہے بلکہ یہ حقیقت سے بعید ہے۔ جس طرح صفات کا باہم عطف کیا جاتا ہے اس طرح عطف کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ...... یعنی اے میرے رسول! آپ کی طرف جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ ''اَلْحَقُّ'' خبر ہے، اس کا مبتدا الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ...... پہلے مذکور ہے۔ یہی صحیح اور مجاہد وقتادہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ واؤ زائدہ ہے یا عاطفہ یعنی صفت کا صفت پر عطف ہے جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔ انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پیش کیا ہے:

اِلَی الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنِ الْهُمَامِ وَلَیْثِ الْكَتِیْبَةِ فِی الْمُزْدَحَمِ (1)

آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''، یعنی اس بیان اور وضاحت کے باوجود اکثر لوگ اپنے عناد، ہٹ دھرمی، مخالفت اور نفاق کے باعث ایمان نہیں لاتے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

''اللہ وہ (قدرت وحکمت والا ہے) جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے (جیسے) تم انہیں دیکھ رہے ہو پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور پابند حکم بنا دیا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی کھول کر

1۔ معانی القرآن للفراء، جلد 1 صفحہ 52، جلد 2، صفحہ 58 اور صفحہ 286، تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 92

بیان کرتا ہے (اپنی) نشانیوں کو شاید تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کرلو"۔

اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور عظمت سلطنت کے متعلق آگاہ فرمارہا ہے کہ اس نے اپنے اذن اور حکم سے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا۔ یہ اس کے اذن، امر اور تسخیر کا کرشمہ ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین سے اتنی دوری پر رکھا ہے کہ نہ انہیں پایا جاسکتا ہے اور نہ ان کی انتہاء کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ آسمان دنیا زمین کو پانی اور ہوا سمیت ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ہر جانب سے یہ زمین پر یکساں بلند ہے۔ ہر سمت سے زمین اور پہلے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اس کی موٹائی کو طے کرنے میں بھی پانچ سو سال لگتے ہیں، پھر دوسرا آسمان پہلے آسمان (آسمان دنیا) اور اس کی تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ان دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی دوری ہے، اسی طرح اس کی موٹائی کو طے کرنے میں بھی پانچ سو سال لگتے ہیں، اسی طرح بقیہ آسمان ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق: 12) "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے وہ کرسی کے مقابلے میں یوں ہے جیسے چٹیل میدان میں کوئی حلقہ ہو اور عرش کے مقابلہ میں کرسی یوں ہے جیسے وسیع میدان میں حلقہ"۔ ایک روایت میں آتا ہے: "عرش کی قدر اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معلوم نہیں" (1)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرش سے زمین تک دوری پچاس ہزار سال کی ہے اور اس کے دو قطروں کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور یہ (عرش) سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، حسن اور قتادہ وغیرہ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ آسمان کے ستون تو ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتے۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ آسمان زمین پر قبہ کی طرح ہے (2)۔ یعنی بغیر ستون کے، قتادہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول سیاق آیت کے زیادہ لائق اور مناسب ہے اور اس آیت وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) "اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے"، سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں "تَرَوْنَهَا" اس نفی کی تاکید ہوگی یعنی بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور یہی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ اس کی شاعری مومنانہ تھی لیکن اس کا دل کافر اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ اشعار حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: "تو ہی وہ خدا ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے موسیٰ کو رسول مبعوث فرمایا اور ان سے فرمایا کہ تم اور ہارون سرکش فرعون کو دعوت توحید دینے کے لئے جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا تو نے بغیر میخوں کے یہ زمین بچھائی ہے یہاں تک کہ یہ اس طرح قرار پذیر ہوگئی ہے؟ کیا تو نے بغیر ستونوں کے یہ آسمان بلند کیے ہیں اور ان کے اوپر والی چیزیں بنائی ہیں؟ کیا تو نے آسمان کے وسط میں روشن چاند پیدا کیا جو تاریک رات میں راہنما کا کام دیتا ہے؟ اس سے کہو: صبح صبح سورج کو کون بھیجتا ہے جو زمین کو اپنی حرارت اور روشنی فراہم کرتا ہے؟ مٹی میں سے دانوں کو کون اگاتا ہے جن کی وجہ سے زمین پر سبزہ نمودار ہو جاتا ہے اور ہرے بھرے کھیت لہلہانے لگ جاتے ہیں؟ ہر صاحب شعور اور عقلمند کے لئے ان چیزوں میں قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں (3)۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے (4)۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ جس طرح بیان ہوا اسے ویسا ہی چھوڑ دیا

1۔ دونوں روایتوں کا تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 255　　2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 94

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 228　　4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 54

جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تکییف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل سے پاک اور بہت بلند ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ...... بعض نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ سورج اور چاند روز قیامت اپنے انقطاع تک برابر اسی طرح چلتے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰسین: 38) ''اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف'' بعض نے یہ مراد لیا ہے کہ دونوں اپنے مستقر (ٹھکانے) کی طرف رواں ہیں، اور ان کا مستقر عرش کے نیچے وہ جگہ ہے جو زمین کے بطن کے ساتھ دوسری جانب سے متصل ہے۔ جب سورج، چاند اور تمام ستارے اس جگہ پہنچ جاتے ہیں تو وہ عرش اور دور ہو جاتے ہیں کیونکہ صحیح بات جس پر دلائل موجود ہیں وہ یہ ہے کہ عرش قبہ ہے جو عالم کے ساتھ متصل ہے اور وہ باقی افلاک کی طرح محیط نہیں، اس لئے کہ اس کے پائے بھی ہیں اور اس کے اٹھانے والے بھی ہیں اور اس بات کا فلک متدیر (گول آسمان) کے بارے میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آیات و احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرنے والے پر یہ بات واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف سورج اور چاند کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سات سیاروں میں سب سے زیادہ نمایاں، اعلیٰ اور اعظم ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخر کر لیا تو باقی ستاروں کی تسخیر تو بدرجہ اولیٰ ہوگئی جیسا کہ اس آیت میں متنبہ فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدۃ: 37) ''مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو''، ایک اور مقام پر اس نے صراحت سے بیان فرما دیا: وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''، آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے اور ایسے دلائل اور نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

''اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو اور بنا دیئے اس میں پہاڑ اور دریا۔ اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو جوڑے بنا دیئے وہ ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو بیشک ان تمام چیزوں میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں بیشک ان میں (اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو عقل مند ہو''۔

عالم علوی میں اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ عالم سفلی میں پائے جانے والے اپنی قدرت وحکمت کے شاہکاروں کی طرف توجہ مبذول کرا رہا ہے، فرمایا کہ وہی ذات ہے جس نے زمین کو بچھایا، طول وعرض میں اسے وسعت بخشی، اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں دریا، ندی نالے اور چشمے جاری کر دیئے تاکہ رنگ، شکل، ذائقہ اور بو میں مختلف انواع واقسام کے پھلوں کو سیراب کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شکل کے دو دو جوڑے پیدا کئے۔ وہی رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔ دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مکان اور مکینوں میں تصرف کرتا ہے اسی طرح زمانے میں بھی اسی کا ہی تصرف ہے۔ ان نعمتوں، حکمتوں اور دلائل میں غور وفکر میں کام لینے والی قوم کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔

وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ یعنی قطعات اراضی تو قریب قریب ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ ٹکڑے زرخیز ہوتے ہیں جو اپنی پیداوار سے لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں لیکن کچھ ٹکڑے بنجر اور شور یلے ہوتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اس آیت میں قطعات اراضی کے رنگوں کا مختلف ہونا بھی داخل ہے، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی زرد، کوئی سیاہ، کوئی ٹکڑا پتھریلا ہے، کوئی ہموار میدان، کوئی ریتلا، کوئی سخت، کوئی نرم، کہیں نشیب اور کہیں فراز حالانکہ تمام ٹکڑے قریب قریب واقع ہیں۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان چیزوں کا ایک فاعل خود مختار ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ کا عطف اگر ''جَنّٰتٌ'' پر کیا جائے تو انہیں مرفوع پڑھیں گے اور اگر ''اَعْنَابٍ'' پر عطف ہو تو مجرور۔ یہ دونوں قرأتیں علماء سے مروی ہیں(1)۔ ''صِنْوَانٌ'' سے مراد وہ مختلف تنے ہیں جو ایک ہی جگہ میں مجتمع ہوں جیسے انار، انجیر اور بعض کھجوریں اور غَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ ہے جس کا ایک ہی تنا ہو جیسے تمام درخت، اسی سے ہے: ''عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ'' (آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے) جیسا کہ یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے(2)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صِنْوَانٌ'' سے مراد وہ کھجوریں ہیں جن کا تنا ایک ہو اور غَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ کھجور کے درخت ہیں جن کے تنے متفرق ہوں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کا یہی قول ہے۔

يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ردی، عمدہ، شیریں اور تلخ'' (3)۔ یعنی یہ انواع واقسام کے پھل اور کھیتیاں رنگ، بو، ذائقہ، شکل، پتوں اور پھول کلیوں میں مختلف ہیں۔ ایک انتہائی شیریں اور دوسری انتہائی تلخ، ایک خوش ذائقہ اور دوسری بدمزہ۔ کسی کا رنگ پیلا، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ اور کسی کا نیلا حالانکہ ان تمام کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ قدرت کی ان نیرنگیوں اور کرشمہ سازیوں میں ہر عقل مند صاحب شعور کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں اور ان چیزوں میں فاعل خود مختار کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے جس کی قدرت سے ان چیزوں میں تفاوت پایا جاتا ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

1۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 675 2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 676-677، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 115
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ رعد، جلد 11 صفحہ 284

''اے سننے والے! اگر تو (ان کے تعصب پر) حیران ہوتا ہے تو حیرت انگیز ان کا یہ قول بھی ہے کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا۔ یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا۔ اور انہیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں۔ وہ اس (آگ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور ایسے دلائل کا مشاہدہ کررہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں اور یہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اس نے ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا پھر یہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ تعجب خیز چیز کا وہ خود اقرار کرچکے ہیں تو اے میرے محبوب! اگر آپ کو ان مشرکین کے قیامت کو جھٹلانے پر تعجب ہے تو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ان کا یہ قول ہے کہ ''کیا جب ہم مرکر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟'' حالانکہ ہر عالم اور ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نسبت آسان ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف:33) ''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''، پھر جھٹلانے والوں کے متعلق فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ......۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

''اور یہ تیزی سے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کا نیکی (یعنی بخشش) سے پہلے۔ اور (ان نادانوں کو یاد نہیں کہ) گزرچکے ہیں ان سے پہلے نزول عذاب کے کئی واقعات۔ اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے مغفرت سے پہلے عذاب کے لئے جلدی مچارہے ہیں جیسا کہ ان کے متعلق ان آیات میں فرمایا: وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (الحجر:8-6) ''اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اتارا گیا ہے جس پر قرآن بیشک تو مجنون ہے۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی''، وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (العنکبوت:53) ''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں''، سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (المعارج:1) ''مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے''، يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ:18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے''، وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (ص:16) ''اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب)''، وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (الانفال:32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ یہ کفار و مشرکین شدت تکذیب، عناد اور کفر کے باعث عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ یعنی ہم نے گزشتہ قوموں کو عذاب سے دوچار کیا اور انہیں درس عبرت و نصیحت بنا دیا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس کا حلم اور عفو نہ ہوتا تو انہیں فوراً عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیتا جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا (فاطر:45) ''اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے)''، اور یہاں فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ یعنی دن رات لوگوں کے ظلم اور گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے، گناہوں کو معاف کر کے لوگوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ سخت عذاب بھی دیتا ہے تاکہ رجاء و خوف کے درمیان توازن قائم ہو جائے جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ (الانعام:147) ''پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ فرمایئے تمہارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو''، اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (الاعراف:167) ''بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''، نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۙ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (الحجر:49) ''بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں رجاء و خوف کو یکجا جمع کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کا عفو و درگزر نہ ہوتا تو کوئی خوشگوار زندگی بسر نہ کر سکتا اور اگر اس کی وعید اور عتاب نہ ہوتا تو ہر شخص ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا''۔ حسن بن عثمان ابو حسان رمادی نے خواب میں اللہ رب العزت کا دیدار کیا اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے اپنے ایک امتی کی شفاعت کر رہے ہیں جسے یہ فرمایا گیا کہ کیا تجھے یہ کافی نہیں تھا کہ میں نے سورۂ رعد میں یہ آیت نازل فرمائی: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔ ابو حسان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

''اور کافر کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی ان کی طرف کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے۔ آپ تو (کجروی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے آپ ہادی ہیں''۔

مشرکین کفر و عناد کے باعث یہ مطالبہ کرتے کہ جس طرح پہلے پیغمبر معجزات لے کر آئے اس طرح یہ پیغمبر ہمارے پاس معجزات کیوں نہیں لایا مثلاً صفا پہاڑی کو سونا بنا دے اور پہاڑوں کو ہٹا کر مرغزار آباد کر دے اور نہریں جاری کر دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)''۔ آپ ﷺ سے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ یعنی آپ کا فریضہ صرف دعوت و تبلیغ ہے لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (البقرۃ:272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو

سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے داعی ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد! آپ منذر ہیں اور میں ہر قوم کا ہادی ہوں۔ مجاہد نے ''هَادٍ'' کا معنی نبی بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: 24) ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو''۔ ابو صالح اور یحییٰ بن رافع نے ''هَادٍ'' بمعنی قائد لیا ہے۔ ابو العالیہ نے اس کا معنی قائد اور امام کیا ہے۔ عکرمہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے ہادی ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا کہ ''مُنْذِرٌ'' ''تو میں ہوں'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے علی! تو ہادی ہے میرے بعد ہدایت پانے والے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے'' یہ حدیث شدید منکر ہے(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''هَادٍ'' سے مراد بنو ہاشم کا ایک شخص ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے (اس کے علم میں)''۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم تام و محیط کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور ہر جاندار مادہ کے شکم میں جو کچھ ہے وہ اس سے پوری طرح واقف ہے جیسا کہ فرمایا: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان: 34) ''اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے''، یعنی ہر مادہ اپنے پیٹ میں جو اٹھائے ہوئی ہوتی ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی مذکر ہے یا مؤنث، خوبصورت ہے یا بدصورت، بدبخت ہے یا نیک بخت، لمبی عمر والا ہے یا کم عمر جیسا کہ فرمایا: هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ (النجم: 32) ''وہ (اس وقت) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے''، يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (المومنون: الزمر: 6) ''وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں''، یعنی تمہیں مختلف حالات سے گزار کر پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون: 14-12) ''اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 108، میزان الاعتدال ترجمہ حسن بن حسین، جلد 1 صفحہ 484

سے بہتر بنانے والا ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک جمع ہوتی رہتی ہے، پھر اتنے ہی دن وہ جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کا لوتھڑا، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، عمر، عمل اور شقی ہوگا یا سعید'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے: ''اے پروردگار! کیا (یہ) مذکر ہے یا مؤنث؟ اے پروردگار! شقی ہے یا سعید؟ رزق کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتاتا ہے اور وہ (فرشتہ) لکھ لیتا ہے'' (2)۔

وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، جو کچھ کل ہونے والا ہے اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، رحم جو کم کرتے ہیں اور بڑھاتے ہیں اسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب برسے گی، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کسی شخص کی موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی'' (3)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ کا مطلب ہے کہ رحم جس ناتمام بچے کو ساقط کرتے ہیں یعنی حمل کا ساقط ہونا اور ''مَا تَزْدَادُ'' کا مفہوم یہ ہے کہ رحم جس حمل کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کامل بچہ جنم دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عورتیں دس ماہ حاملہ رہتی ہیں اور بعض نو ماہ، کسی کی مدت حمل میں اضافہ ہوتا ہے اور کسی کی مدت حمل میں کمی، یہی غیض اور زیادۃ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور ہر چیز اس کے علم کے مطابق ہے (4)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کرتے ہیں کہ جو حمل نو ماہ سے کم ہوتا ہے اور جو اس مدت سے زیادہ۔ حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے شکم میں دو سال رہا۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے اگلے دو دانت نکل چکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حمل کی مدت دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی (5)۔ مجاہد مَا تَغِيْضُ...... کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ دوران حمل جو خون دکھائی دیتا ہے اور جو حمل نو ماہ سے بڑھ جاتا ہے۔ عطیہ عوفی، حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب عورت نو سے پہلے خون دیکھے تو مثل ایام حیض کے نو سے زائد ہو جاتے ہیں۔ عکرمہ، سعید بن جبیر اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کا یہ بھی کہنا ہے کہ مَا تَغِيْضُ کا معنی خون کا گرنا جس کے باعث بچہ اچھا ہوتا ہے اور ''مَا تَزْدَادُ'' سے مراد یہ ہے کہ خون کا نہ بہنا جس کی وجہ سے بچہ مکمل اور خوب موٹا تازہ ہوتا ہے۔ مکحول فرماتے ہیں کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں نہ کوئی چیز طلب کرتا ہے اور نہ غمزدہ ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں ہی اسے حیض کا خون بطور خوراک ملتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے، اس کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نئی جگہ سے اسے وحشت ہوتی ہے۔ جب اس کی نال کاٹ دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ماں کے سینے سے اس کی روزی کا انتظام کر دیتا ہے تاکہ وہ نہ غمزدہ ہو اور نہ کسی اور چیز کا خواہاں۔ پھر ذرا بڑا ہوتا ہے تو اپنے ہاتھ سے کھانے لگتا ہے اور جب بالغ ہو جائے تو روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور اسے ہر طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ طریقہ موت ہو یا قتل۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں، اے انسان، صد حیف! اللہ تعالیٰ نے تجھے ماں کے پیٹ میں غذا دی، پھر پیدا ہونے کے بعد بھی اس نے تیرے لئے روزی کا انتظام کیا لیکن جب تو بالغ اور عقلمند ہو گیا تو روزی کے حصول میں موت اور قتل

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 234
2۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2038
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ رعد، جلد 6 صفحہ 99
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 109
5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 110

سے بھی باز نہ آیا؟ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی:......۔

وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ قتادہ کہتے ہیں کہ مقدار کا معنی اجل (مقررہ میعاد) ہے۔ یعنی مخلوق کے لئے رزق اور عمر مقرر ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب الموت ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائیں، آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی طرف یہ پیغام بھیجا: ''اللہ تعالیٰ جو لے لے اور جو عطا فرمائے وہ سب اسی کا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقررہ میعاد ہے، ان سے کہو کہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں''(1)۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ...... یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کا مشاہدہ لوگ کرتے ہیں یا وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، وہ ہر چیز سے بڑا اور اعلیٰ ہے۔ اپنے علم کے ساتھ ہر چیز کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ غالب ہے اور ہر چیز مغلوب۔ تمام بندے چار و ناچار اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے۔ اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے متعلق اپنے علم محیط سے باخبر کر رہا ہے۔ پست ہو یا بلند وہ ہر آواز کو سنتا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ:7) ''اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی''، وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ (النمل:25) ''اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس کی ساعت نے تمام آوازوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اللہ کی قسم! جھگڑنے والی عورت اپنے خاوند کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں گھر میں ہی بیٹھی ہوئی تھی پھر بھی اس (عورت) کی کچھ کلام مجھ سے مخفی رہی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (المجادلۃ:1) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے

1۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 153، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 635-636

والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے''۔

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ یعنی رات کی تاریکی میں اپنے گھر کے اندر چھپنے والا اور دن کی روشنی میں چلنے پھرنے والا دونوں یکساں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ (ہود:5) ''سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے''، وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (یونس:61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں۔ اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے''۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ...... اَمْرِ اللّٰهِ یعنی بندے کے لئے نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو دن رات باری باری اس کے پاس آتے ہیں اور اسے آفات، مصائب اور حوادثات سے محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ اچھے برے اعمال لکھنے کے لئے اور فرشتے مقرر ہیں، ان میں دن اور رات کے لئے الگ الگ فرشتے مقرر ہیں۔ ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب جس کے ذمے برائیاں لکھنا ہے۔ ان کے علاوہ انسان کے آگے اور پیچھے دو اور فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان ہر وقت چار فرشتوں کی تحویل میں رہتا ہے: دو محافظ فرشتے اور دو اعمال لکھنے والے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے: ''تم میں رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے رہتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نمازوں میں ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ رات گزارنے والے اوپر چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور (جب) ہم نے انہیں چھوڑا تو اس وقت بھی نماز میں مشغول تھے''(1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو سوائے قضائے حاجت اور جماع کے وقت تم سے علیحدہ نہیں ہوتے، اس لئے ان کا حیاء کرو اور ان کی عزت کرو''(2)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ''مُعَقِّبٰتٌ'' سے مراد ملائکہ ہیں(3)۔ عکرمہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ یہ فرشتے انسان کے آگے پیچھے اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جب تقدیر الٰہی آپہنچتی ہے تو یہ وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہر بندے کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جو سوتے جاگتے جن وانس اور موذی جانوروں سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ ان میں سے جو چیز انسان کو نقصان پہنچانا چاہے وہ فرشتہ اسے روک دیتا ہے لیکن اس چیز سے نہیں جو تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو۔ وہ پہنچ کر ہی رہتی ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ...... میں دنیاوی بادشاہوں کا ذکر ہے جن کے آگے پیچھے پہریدار ہوتے ہیں۔ عوفی آپ سے ہی نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں ولی عہد کا ذکر ہے جس پر پہریدار مقرر ہوتے ہیں۔ عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ امراء ہیں جن کے آگے پیچھے جلوس ہوتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ حاکم ہے جو بحکم الٰہی اہل شرک سے محفوظ ہو۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور ضحاک کے اقوال کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ جس طرح ان

1۔ صحیح بخاری، جلد 9، صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 439
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10، صفحہ 241
3۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 117

بادشاہوں اور امراء کے پہریدار ہوتے ہیں اسی طرح بندے کے لئے نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔ ابن جریر نے ایک نہایت غریب حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے آگاہ فرمائیے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک فرشتہ تمہاری دائیں جانب نیکیاں لکھنے پر مقرر ہے وہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر ہے۔ جب تو کوئی نیکی کرتا ہے تو دس لکھ لی جاتی ہیں اور جب تو کوئی برائی کرتا ہے تو بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف والے سے پوچھتا ہے کہ کیا اسے لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: نہیں، شاید یہ استغفار اور توبہ کر لے۔ وہ تین مرتبہ اجازت مانگتا ہے۔ اس کے بعد (اگر بندہ توبہ نہ کرے) وہ اسے کہتا ہے کہ اب لکھ لو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے، یہ بڑا برا ساتھی ہے، نہ اسے خدا کا لحاظ ہے اور نہ ہم سے حیاء، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18) '' وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے''، اور دو فرشتے تمہارے آگے پیچھے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور ایک فرشتہ تیری پیشانی کے بالوں کو پکڑے ہوئے ہے۔ جب تو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے تو وہ تجھے بلند کر دیتا ہے اور جب تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتا ہے تو وہ تجھے پست اور ذلیل کر دیتا ہے، اور دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر مقرر ہیں، وہ مجھ پر پڑھے گئے تمہارے درود وسلام کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک فرشتہ تمہارے منہ پر کھڑا ہے جو سانپ (اور اس جیسی موذی چیز) کو تمہارے منہ میں جانے سے روکتا ہے اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر مقرر ہیں۔ یہ کل دس فرشتے ہیں جو ہر آدمی پر مقرر ہیں۔ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے پاس آتے ہیں کیونکہ دن اور رات کے الگ الگ فرشتے ہیں، اس طرح ہر آدمی پر بیس فرشتے ہیں، ابلیس دن کے وقت (بہکانے میں مصروف رہتا ہے) اور اس کی اولاد رات کے وقت''(1)۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جن ساتھی ہے اور دوسرا ساتھی فرشتہ'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس (جن) پر غلبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے وہ مجھے بھلائی کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا''(2)۔

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ یعنی وہ فرشتے اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک قرأت میں مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کی بجائے ''بِاَمْرِ اللّٰهِ'' آیا ہے۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اگر ہر نرم اور سخت انسان پر عیاں ہو جائے تو اسے ہر چیز دکھائی دینے لگے، اگر اللہ تعالیٰ خورد ونوش اور شرمگاہوں میں تمہاری حفاظت کے لئے فرشتے مقرر نہ کرتا تو تم یقیناً اچک لئے جاتے۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ ہر آدمی کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اسے اس تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہوتی ہے۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ قبیلہ مراد کا ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ سے کہنے لگا کہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے حفاظتی تدابیر کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو اسے ہر اس چیز سے محفوظ رکھتے ہیں جو مقدر نہیں ہوتی، اور جب تقدیر کا فیصلہ آ جاتا ہے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں اور بندے کو تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اجل ایک محفوظ ڈھال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ''بِاَمْرِ اللّٰهِ'' کے معنی میں ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس جھاڑ پھونک کے متعلق ہمیں بتائیے، کیا اس سے تقدیر الٰہی ٹل جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی اللہ کی تقدیر میں سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 115　　2۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2167-2168، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 397

ہے"(1)۔ ابن ابی حاتم میں ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کے کسی نبی کو بذریعہ وحی اپنی قوم کو یہ کہنے کا حکم دیا کہ جس بستی والے اور جس گھر والے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے کرتے نافرمانی کی طرف پھر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی محبوب چیزوں سے مکروہ چیزوں کی طرف پھیر دیتا ہے، پھر فرمایا، اس کی تصدیق اس قرآنی آیت سے ہوتی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ...... اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جب میں خاموش رہتا تو رسول اللہ ﷺ مجھ سے گفتگو کا آغاز فرماتے اور جب میں آپ ﷺ سے کوئی چیز دریافت کرتا تو آپ ﷺ مجھے آگاہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک حدیث قدسی بتاتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت، جلال اور عرش پر اپنی بلندی کی قسم! جس بستی اور گھرانے کے لوگ میری ناپسندیدہ چیز یعنی نافرمانی میں مشغول ہوں پھر اس سے میری محبوب چیز یعنی اطاعت کی طرف منتقل ہو جائیں تو میں انہیں ان کی ناپسندیدہ چیز یعنی عذاب سے ان کی محبوب چیز یعنی اپنی رحمت کی طرف پھیر دیتا ہوں"(2)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جسے میں نہیں جانتا۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ﴿۱۲﴾ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ؕ﴿۱۳﴾

"وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لئے اور (کبھی) امید دلانے کے لئے اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل۔ اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے پھر گراتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے اس حال میں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے"۔

بجلی (بادلوں کے درمیان سے ظاہر ہونے والی روشنی) بھی اس کے حکم کی پابند ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوالجلد سے برق (بجلی) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ برق پانی ہے(3)۔ قتادہ خَوْفًا وَّ طَمَعًا کے متعلق کہتے ہیں کہ مسافر کو خوفزدہ کرنے کے لئے جو بجلی کے باعث ایذاء اور مشقت پڑ ڈرتا ہے اور مقیم کو امید دلانے کے لئے جسے حصول برکت ومنفعت کی امید ہوتی ہے اور رزق کا لالچ ہے۔ بادلوں کے متعلق فرمایا: وَ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ یعنی وہی بوجھل بادلوں کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے جو پانی کی بہتات کے باعث بوجھل اور زمین کے قریب ہوتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بوجھل بادل وہ ہیں جن میں پانی ہو۔

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) "اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے"، حدیث شریف میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو خوبصورت بولتے ہیں اور خوبصورت ہنستے ہیں"(4)۔ سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے، اس سے زیادہ خوبصورت ہنسی والا اور اس سے زیادہ مانوس گفتگو والا کوئی نہیں، اس کی ہنسی بجلی ہے اور اس کی گفتگو کڑک۔ ابن ابی حاتم میں محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ برق

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الطب، جلد 8 صفحہ 224، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 314، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 421
2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 616　　3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 123　　4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 435

ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں: ایک انسان جیسا، ایک بیل جیسا، ایک گدھ جیسا اور ایک شیر جیسا۔ جب وہ اپنی دم ہلاتا ہے تو بجلی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور کڑک سنتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ(1)۔'' اے اللہ! ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ کر، ہمیں اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت عطا فرما'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بجلی کی گرج سنتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے ''سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ(2)۔'' پاک ہے وہ ذات گرج جس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب گرج سنتے تو یہ کہتے: ''سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهٗ'' حضرات ابن عباس، طاؤس اور اسود بن یزید بھی یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔ ابن ابی زکریا فرماتے ہیں کہ جو شخص کڑک سنتے وقت ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' کہے، بجلی اس کا کچھ نہیں بگاڑتی(2)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جب گرج سنتے تو باتیں چھوڑ کر یہ کہتے: سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اور فرماتے کہ یہ اہل زمین کے لئے شدید وعید ہے(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا رب العزت فرماتا ہے: اگر میرے بندے میری اطاعت کرتے تو میں ان پر رات کے وقت بارش برساتا اور دن کے وقت ان پر سورج طلوع کرتا اور انہیں گرج کی آواز نہ سناتا''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم گرج سنو تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ ذاکر پر بجلی نہیں گرتی''(5)۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بجلیاں گراتا ہے اور اس عذاب کے ذریعے انتقام لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں بکثرت بجلیاں گریں گی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے قریب بجلیاں بکثرت گریں گی حتیٰ کہ ایک آدمی اپنی قوم سے پوچھے گا کہ آج صبح کس پر بجلی گری؟ وہ کہیں گے کہ فلاں، فلاں اور فلاں پر بجلی گری''(6)۔ اس آیت کا شان نزول یہ روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو عربوں کے ایک فرعون صفت سرکش آدمی کے پاس بھیجا اور فرمایا: ''جاؤ اور اسے میرے پاس بلا لاؤ'' وہ شخص جا کر اسے کہنے لگا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں، وہ کہنے لگا کہ کون رسول اللہ؟ کون اللہ؟ کیا وہ سونے کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا یا پیتل کا؟ وہ قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس حاضر ہوا اور کہنے لگا! یا رسول اللہ! میں نے پہلے ہی آپ کو بتایا تھا کہ وہ سرکش لاپرواہ اور متکبر ہے، اس نے تو مجھے یہ یہ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''دوبارہ اس کے پاس جاؤ۔'' جب قاصد گیا تو پھر اس نے وہی باتیں کیں۔ قاصد لوٹ آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ وہ بہت مغرور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر جاؤ اور اسے بلا لاؤ''۔ قاصد تیسری بار اس کے پاس گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اس تک پہنچایا وہ فرعون اپنا وہی جواب دینے میں مصروف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیجا، وہ کڑکا اور اس سے بجلی نکل کر اس کے اوپر گری اور اس کی کھوپڑی اڑا دی، اس وقت یہ آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ اتری(7)۔ عبدالرحمٰن بن صحار عبدی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک جابر اور سرکش شخص کو بلانے کے لئے بھیجا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہارا رب سونے

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 8، مستدرک حاکم، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 286، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 100

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 124 | 3۔ موطا امام مالک، کتاب الکلام، جلد 2 صفحہ 992، الادب المفرد: 187 | 4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 359

5۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 164 | 6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 64-65

7۔ مسند ابی یعلی، جلد 6 صفحہ 183-184، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 54

کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا، یا موتی کا؟ وہ جھگڑ ہی رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا وہ کڑکا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک یہودی کہنے لگا: اے محمد! اپنے رب کے متعلق مجھے بتایئے وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے، کیا پیتل کا، یا موتی کا یا یاقوت کا؟ اس پر بجلی گری جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک شخص قرآن کریم کا انکار کرتا تھا اور نبی کریم ﷺ کو جھٹلاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا اور یہ آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ نازل فرمائی۔ اس آیت کے شان نزول میں عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کا قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں سلطنت میں شریک کر لیں اور آدھا حصہ دے دیں (تب ایمان لائیں گے)۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ عامر بن طفیل لعین کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ کے علاقہ کو کم مو گھوڑوں اور بے ریش جوانوں پر مشتمل لشکر سے بھر دوں گا۔ آپ نے اسے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اور انصار تمہاری ایک نہیں چلنے دیں گے“ پھر ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سازش کے مطابق ان میں سے ایک آپ کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا اور دوسرا پشت کی جانب سے تلوار کا وار کرنے کے لئے پر تولنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے ناپاک ارادے سے محفوظ رکھا۔ وہ دونوں بدقماش مدینے سے نکل عرب قبائل کی طرف چلے گئے تاکہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے لوگوں کو اکسائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اربد پر بجلی گرا کر اسے خاکستر کر دیا اور عامر بن طفیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔ طاعون کی گلٹی نکلی جس کے باعث اس نے سسک سسک کر جان دے دی۔ اس طرح دونوں ملعون فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اربد کے بھائی لبید بن ربیعہ نے اپنے بھائی کے اس واقعہ کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل مدینہ شریف میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ یہ دونوں بھی آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ عامر بن طفیل آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اگر میں اسلام لے آؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں جیسے تمہارے حقوق اور فرائض ہوں گے“۔ عامر کہنے لگا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا آپ مجھے اپنے بعد سلطنت کا مالک بنا دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں جیسے تمہارے حقوق اور فرائض ہوں گے“۔ عامر کہنے لگا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا آپ مجھے اپنے بعد سلطنت کا مالک بنا دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ امر سلطنت نہ تیرے لئے ہے اور نہ تیری قوم کے لئے البتہ ہمارا لشکر تمہارے لئے (مددگار) ہوگا۔ وہ کہنے لگا کہ نجد کے لشکر کی تائید مجھے حاصل ہے، میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے دیہاتی علاقہ سونپ دیں اور شہری علاقہ آپ کے پاس رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“۔ جب وہ دونوں واپس جانے لگے تو عامر بن طفیل دھمکی آمیز لہجے میں آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! ہم لشکر جرار کے ساتھ آپ پر چڑھائی کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں روکے رکھے گا“ جب وہ دونوں باہر نکل گئے تو عامر نے اربد سے کہا کہ میں محمد (ﷺ) کو باتوں میں لگائے رکھوں گا اور تم تلوار کا وار کر دینا کیونکہ جب تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا تو لوگ زیادہ سے زیادہ دیت کا تقاضا کریں گے اور جنگ میں الجھنا پسند نہیں کریں گے اس لئے ہم انہیں دیت دیں گے۔ اربد نے اس کی تائید کی۔ دونوں واپس حضور ﷺ کے پاس گئے۔ عامر آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ میرے ساتھ اٹھو، میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک دیوار کے نیچے وہ آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اربد نے تلوار سونت لینا چاہی۔ جب اس نے اپنا ہاتھ تلوار پر رکھا تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 125
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 126

اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر ہی شل ہو گیا اور وہ تلوار نیام سے باہر ہی نہ نکال سکا۔ وار کرنے میں اربد نے کافی دیر لگا دی، اسی اثناء میں حضور ﷺ نے پشت کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کو اربد کی سازش کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ وہاں سے لوٹ آئے۔ یہ دونوں وہاں سے نکلے اور حرہ راقم میں آ کر ٹھہر گئے۔ حضرات سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے تعاقب میں نکلے اور انہیں للکارا اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جب وہ راقم کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اربد پر بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا۔ عامر بن طفیل جب جریم کے مقام پر پہنچا تو اسے طاعون کی گلٹی نکلی۔ بنوسلول کی ایک عورت کے گھر میں رات بسر کرنے کے لئے ٹھہرا۔ وہ گردن پر گلٹی کو دباتا اور کہتا کہ یہ تو ایسی گلٹی ہے جس طرح اونٹ کی ہوتی ہے اور ہائے افسوس! موت بنی سلول کی عورت کی گھر میں آ رہی ہے۔ آخر کار وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا لیکن رستے میں ہی اسے موت نے دبوچ لیا۔ ان دونوں کے بارے میں یہ آیات اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ ...... مِنْ وَّالٍ نازل ہوئیں اور ان آیات میں یہ بھی ذکر ہے کہ بحکم الٰہی فرشتے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر اربد کو بجلی کے ذریعے قتل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (1)۔

وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی الوہیت میں شک کرتے ہیں۔ ابن جریر شَدِیْدُ الْمِحَالِ کا معنی بتاتے ہیں کہ سرکشوں، مخالفوں اور کافروں کو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۞ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ (النمل: 51-50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شَدِیْدُ الْمِحَالِ کا معنی سخت گرفت کرنے والا بیان کرتے ہیں اور مجاہد اس کا معنی بہت قوی بیان کرتے ہیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝۱۴

''اسی کو پکارنا سچ ہے۔ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ نہیں جواب دے سکتے انہیں کچھ بھی مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور (یوں تو) پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا، اور نہیں کافروں کی دعا بجز اس کے کہ وہ بھٹکتی پھرتی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دَعْوَةُ الْحَقِّ سے مراد توحید ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس آیت کریمہ میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے، ان کی مثال بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص کی سی ہے جو اپنے ہاتھ کے ساتھ کنوئیں کے کنارے سے پانی کو پکڑتا ہے لیکن وہ نہیں پکڑ پاتا تو پھر وہ اس کے منہ تک کیسے پہنچ سکے گا؟ مجاہد كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکین کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بلاتا ہے لیکن ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''بَاسِطِ'' بمعنی قابض ہے اور قابض ماء (پانی کو پکڑنے والا) کا لفظ عرب استعمال کرتے ہیں، اشعار میں بھی اس کے شواہد موجود ہیں (2)۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پانی کو اپنی مٹھی میں لینے کے لئے یا دور

1۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 379-381، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 42
2۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 129

سے پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتا ہے جس طرح اس کی کوشش بے سود ہے اور پانی اس طرح منہ تک نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح یہ مشرکین ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن بے سود، ان کی عبادت سے نہ انہیں دنیا میں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ آخرت میں کوئی نفع حاصل ہوگا، اس لئے فرمایا: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵

''اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی''۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت اور اقتدار کے متعلق باخبر کر رہا ہے جس کے سامنے ہر چیز سر افگندہ اور مطیع ہے، لہٰذا اہل ایمان بخوشی اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور اہل کفر مجبوراً۔ ''غُدُوِّ'' کا معنی ہے صبح اور ''اٰصَالِ'' اصیل کی جمع ہے جس سے مراد ہے دن کا آخری حصہ (عصر اور مغرب کے درمیان)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ...... (النحل:48) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے......''۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶

''آپ (ان سے) پوچھئے کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا؟ (خود ہی) فرمائیے اللہ۔ (انہیں) کہئے کیا تم نے بنا لئے ہیں اللہ کے سوا ایسے حمایتی جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لئے بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا (ان سے) پوچھئے کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا۔ یا کیا یکساں ہوتے ہیں اندھیرے اور نور کیا انہوں نے بنائے ہیں اللہ کے لئے ایسے شریک جنہوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پس یوں تخلیق ان پر مشتبہ ہوگئی ہو۔ فرمائیے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو پختگی کے ساتھ بیان فرما رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ مشرکین بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کا رب، مدبر اور منتظم ہے۔ اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسے حمایتی بنا لئے جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور ان معبودان باطلہ کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ وہ اپنے لئے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں اس لئے اپنے عبادت گزاروں کے لئے بدرجہ اولیٰ نفع و نقصان پر قادر نہیں یعنی یہ نہ تو کوئی نفع انہیں پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف ان سے دور کر سکتے ہیں، تو کیا ان معبودان باطلہ کی عبادت کرنے والا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والا جسے اپنے رب کی طرف سے نور ہدایت حاصل ہے، برابر ہیں؟ اس لئے فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ...... یعنی کیا ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ایسے معبود بنا لئے ہیں جو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مشابہ اور مماثل ہوں اور انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہو، اس طرح

تخلیق ان مشرکین پر مشتبہ ہوگئی ہو اور ان کے لئے تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہو کہ کس چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کس چیز کے خالق ان کے معبود ہیں، یعنی معاملہ ایسا نہیں، نہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور نہ مماثلت، نہ اس کا کوئی مدمقابل ہے اور نہ ہی کوئی عدیل، نہ اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ کوئی مشیر، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ کوئی بیوی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور برتر ہے۔ ان بتوں کی پرستش کرنے والے مشرکین اس بات کے معترف ہیں کہ یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے مملوک ہیں جیسا کہ وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے: "اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے جسے تو نے شریک ٹھہرایا ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جو اس کی ملکیت میں ہے"(1)۔ اور قرآن کریم نے بھی ایک اور مقام پر ان کے اس عقیدہ کو یوں بیان کیا: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:3) "ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں"، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس عقیدہ کی مذمت کی ہے اور اس پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23) "اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو"، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ (النجم:26) "اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں"، اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم:95-93) "کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا"، جب تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلام ہے تو مخلوق کا مخلوق کی عبادت کرنے کا کیا جواز ہے؟ مخلوق کی عبادت کرنے والے کسی دلیل اور حجت کے باعث ایسا نہیں کرتے بلکہ محض خود ساختہ رائے کے پیش نظر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت سے منع کرنے کے لئے پیغمبر بھیجے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب اور مخالفت کی جس کے باعث ان پر عذاب الٰہی یقینی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۥ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿١٧﴾

"اس نے اتارا آسمان سے پانی پس بہنے لگیں وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق تو اٹھا لیا سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور بنانے کے لئے یا دیگر سامان بنانے کے لئے اس میں بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی پس (بیکار) جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لئے تو وہ باقی رہے گی زمین میں، یوں ہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں حق کے ثبات و بقا اور باطل کے زوال و فناء کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 843۔

بارش برساتا ہے جس کے باعث وادیاں اپنی وسعت کے مطابق بہنے لگتی ہیں کوئی وادی بڑی ہے، اس میں اس کی وسعت کے مطابق پانی ہوگا اور کوئی چھوٹی ہے، اس میں اس کی گنجائش کے مطابق پانی ہوگا۔ یہی کیفیت دلوں اور ان کے تفاوت کی ہے، بعض دلوں میں علوم کے سمندر موجزن ہوتے ہیں اور بعض دلوں میں علوم بہت کم جگہ پاتے ہیں، پھر فرمایا: فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا یعنی وادیوں میں بہنے والے پانی کی سطح پر جھاگ نمودار ہوتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ اور دوسری مثال وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ...... میں ہے۔ یعنی جب زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے سونا، چاندی، تانبا یا لوہا آگ پر تپایا جاتا ہے تو ان کے اوپر بھی اسی طرح جھاگ پیدا ہوتا ہے جس طرح پانی کے اوپر لیکن دونوں طرح کے جھاگ فوراً ختم ہوجاتے ہیں، یہی حالت حق و باطل کی ہے۔ جب یہ دونوں باہم برسر پیکار ہوں تو ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باطل کو غلبہ مل جائے لیکن آخر فتح حق کی ہی ہوتی ہے، ثبات اور دوام حق کو ہی حاصل ہے اور باطل جلد ہی فنا ہوجاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً یعنی پانی کے اوپر جھاگ اور اسی طرح سونے چاندی اور دیگر معدنیات کا میل کچیل غیر نفع بخش چیزیں ہیں، اس لئے جلد ہی ان کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور ان سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ فائدہ تو پانی اور معدنیات سے حاصل ہوتا ہے اس لئے فرمایا: وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت: 43) ''اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ جب میں کوئی مثال قرآن کریم میں پڑھتا اور اسے سمجھ نہ سکتا تو مجھے اپنے آپ پر رونا آجاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے جس سے دل اپنے یقین اور شک کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شک کے ساتھ کسی عمل کا کوئی فائدہ نہیں اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نفع پہنچاتا ہے۔ ''زَبَدًا'' سے مراد شک ہے جو اکارت جاتا ہے اور مَا يَنْفَعُ النَّاسَ سے مراد یقین ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جس طرح زیورات کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو ان میں سے خالص لے لیا جاتا ہے اور میل کچیل کو آگ میں ہی جلنے دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ یقین کو قبول فرماتا ہے جبکہ شک کو رد کر دیتا ہے۔ یہ آپ سے علی بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ پانی کے اوپر جھاگ اور تنکے وغیرہ اور اسی طرح سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور دیگر معدنیات کی کھوٹ اور میل کچیل بے کار، فضول، اور غیر نافع چیزیں ہیں۔ لوگوں کو معدنیات اور پانی سے فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح جو پانی زمین میں جذب ہوجائے تو وہ اس کے لئے فائدہ بخش ہوتا ہے۔ جس طرح جھاگ اور میل کچیل کا جلد ہی خاتمہ ہوجاتا ہے اور پانی اور معدنیات سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں یہی مثال اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی ہے۔ اعمال صالحہ ہمیشہ برقرار رہتے ہیں اور نفع پہنچاتے ہیں لیکن اعمال سیئہ بے کار اور غیر نافع ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ جس نے اس پر عمل کیا، اسے بقا حاصل ہوگئی بالکل اسی طرح جیسے نفع رساں چیزیں زمین پر باقی رہتی ہیں اور اسی طرح لوہا ہے جسے آگ میں داخل کئے بغیر اس سے چھری یا تلوار نہیں بنائی جاسکتی۔ آگ میل کچیل کو کھا جاتی ہے اور عمدہ کو باہر نکال دیتی ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو زوال ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا، لوگوں کو حاضر کیا جائے گا اور اعمال پیش ہوں گے تو باطل فنا ہوجائے گا اور اہل حق حق سے ہی فائدہ اٹھائیں گے (1)۔ مجاہد، حسن بصری، عطاء، قتادہ اور دیگر علمائے سلف وخلف سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لئے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 135

ایک آگ کی اور دوسری پانی کی۔ فرمایا: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ (البقرۃ:17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے''، پھر فرمایا: أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ (البقرۃ:19) ''یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث موت کے ڈر سے''، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں کفار کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں، ایک میں فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ (النور:39)۔ ''سراب سخت گرمی میں دکھائی دیتا ہے''، حدیث شریف میں آتا ہے: ''قیامت کے دن یہود سے کہا جائے گا کہ تمہاری کیا خواہش ہے؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی چاہئے، انہیں کہا جائے گا کہ تم پانی پینے کے لئے جاتے کیوں نہیں؟ وہ آگ میں جائیں گے تو انہیں جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گا(1)۔ دوسری مثال میں فرمایا: أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (النور:40)۔ ''یا (اعمال کفار) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں''۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ زمین کا ایک ٹکڑا ایسا تھا جس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس، سبزہ اور چارہ بکثرت اگایا اور اس کے بعض ٹکڑے بنجر تھے جنہوں نے پانی کو روک لیا تو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا، انہوں نے خود بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور کھیتوں کو بھی سیراب کیا اور زمین کے کچھ ایسے ٹکڑوں پر بارش برسی جو سخت اور سنگلاخ تھے، جنہوں نے نہ پانی روکا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے میری بعثت سے فائدہ پہنچایا، اس نے خود بھی علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس کے لئے سر بھی نہ اٹھایا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے''(2)۔ یہ پانی کی مثال ہے۔ ایک دوسری حدیث میں جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ کیڑے جو آگ میں گرتے ہیں، آگ میں گرنا شروع ہو گئے، آدمی نے انہیں بہت ہٹایا لیکن وہ اس (آگ) میں گھس جانے پر ہی مصر رہے۔ یہ میری اور تمہاری مثال ہے، میں تمہیں کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور کرتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم منہ زور ہو کر آگ میں گھسے جا رہے ہو''(3)۔ یہ آگ کی مثال ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

''ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا بھلائی (ہی) بھلائی ہے اور جنہوں نے نہیں مانا اس کا حکم تو اگر ان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 420-422۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 167-171

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1788-1789

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 127، صحیح مسلم کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1789، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 312

ملک میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو وہ (عذاب سے بچنے کے لئے) اسے بطور فدیہ دے دیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن کے لئے سخت باز پرس ہوگی اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے''۔

سعادت مند اور بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالائے اور گزشتہ اور آئندہ خبروں کی تصدیق کی تو ان کے لئے اچھی جزاء ہے جیسا کہ ذوالقرنین کے متعلق بتایا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ اِۨلْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (الکہف:88-87) ''جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے''۔ اور فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس:26) ''ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزاء ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے اگر قیامت کے دن انہیں زمین بھر سونا مل جائے بلکہ اتنی مقدار میں اور حاصل ہو جائے اور یہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے اسے بطور فدیہ پیش کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کوئی فدیہ قبول کرے گا اور نہ کوئی معاوضہ۔ دار آخرت میں معمولی معمولی چیزوں پر بھی ان سے سخت باز پرس ہوگی اور جس کے ساتھ حساب میں مناقشہ شروع ہوا گیا اس کے لئے عذاب حتمی اور یقینی ہے، اس لئے فرمایا: وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شخص جو اس بات کا علم رکھتا ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے جس میں کوئی شک و شبہ، التباس اور اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ تمام کا تمام حق ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اس میں تضاد نام کی کوئی چیز نہیں، اس کی خبریں حق ہیں، اس کے اوامر اور نواہی عدل پر مبنی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا (الانعام:115) ''اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے''، یہ شخص اس اندھے کی طرح نہیں ہو سکتا جو ہدایت کی طرف راہ ہی نہیں پاتا اور نہ اسے سمجھتا ہے۔ بالفرض اگر وہ اسے سمجھ بھی لے تو اس کی نہ اتباع کرتا ہے اور نہ تصدیق جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (الحشر:20) ''یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ...... هُوَ اَعْمٰى یعنی کیا یہ اس کی طرح ہے؟ کوئی یکسانیت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقول سلیمہ کے مالک ہی سمجھتے ہیں، نصیحت پکڑتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے!

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

''وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے جس کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت حساب سے اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں نیکی سے برائی کی انہیں لوگوں کے لئے دار آخرت کی راحتیں ہیں (یعنی) سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے (وہ بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر''۔

مذکورہ صفات حمیدہ سے متصف اہل ایمان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی اور اچھا انجام مقدر ہے اور اُخروی راحتیں صرف انہیں ہی حاصل ہوں گی۔ ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو ایفاء کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے۔ یہ منافقین کی طرح نہیں ہیں کہ جب ان میں سے کوئی عہد کرتا ہے تو غدر کرتا ہے، جب جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے، جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ یہ نفوس قدسیہ ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ان کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں اور اپنے تمام اعمال میں جن کو وہ بجالاتے ہیں یا ترک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرتے ہیں اور انہیں دار آخرت میں سخت حساب کا اندیشہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام حرکات و سکنات اور تمام احوال میں صبر و استقامت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا...... یعنی یہ وہ حضرات ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی کے لئے محرمات اور گناہوں سے احتراز پر ڈٹ جاتے ہیں اور پسندیدہ شرعی طریقے کے مطابق نماز کو مکمل حدود، اوقات، رکوع، سجود اور خشوع و خضوع کے ساتھ قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے دن رات خفیہ اور اعلانیہ ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں جن پر خرچ کرنا ضروری ہے یعنی اہل و عیال، قریبی رشتہ دار، فقراء، مساکین اور محتاج۔ مزید برآں وہ نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں۔ اگر کوئی انہیں اذیت بھی پہنچائے تو بھی یہ صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے احسان کے ساتھ ہی جواب دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (حم السجدۃ: 35-34) ''برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔ اس لئے ان صفات حسنہ سے

متصف سعادت مندوں کے متعلق فرمایا کہ اچھا انجام اور دار آخرت کی راحتیں ان حضرات کے لئے ہی ہیں، پھر عُقۡبَى الدَّارِ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جَنّٰتُ عَدۡنٍ یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات جہاں ان کا قیام بھی دائمی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جس کا نام عدن ہے، اس کے اردگرد برج اور (1)۔ مرغزار ہیں، اس میں پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں۔ یہ محل انبیاء، صدیقین اور شہداء کے لئے مخصوص ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء، رسل، شہداء اور ائمہ ہدایت ہوں گے، باقی لوگ ان کے اردگرد ہوں گے اور اس (شہر) کے اردگرد جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سعادت مندوں کے ساتھ ان کے نیکوکار آباؤ اجداد، زوجات اور اولاد کو بھی ملا دے گا تاکہ جنت میں ان سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں یہاں تک کہ ان میں سے ادنیٰ درجہ والے کو بھی اعلیٰ درجے والے کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اعلیٰ درجے کے حامل فرد کے درجہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ (الطّور: 21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو''۔

وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ...... عُقۡبَى الدَّارِ یعنی فرشتے دخول جنت کی مبارکباد دینے کے لئے ہر طرف سے ان پر داخل ہوں گے اور ان کے پاس آکر انہیں سلام پیش کریں گے اور اس بات پر ہدیہ تبریک پیش کریں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب، انعام اور جنت میں انبیاء، رسل اور صدیقین کی معیت میں اقامت سے سرفراز کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مخلوق خدا میں سب سے پہلے کون جنت میں داخل ہوگا؟'' صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''مخلوق میں سے سب سے پہلے وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جن کے ذریعے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، تکالیف سے بچاؤ کیا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اس کی حاجت اور امنگ اس کے دل میں ہی ہوتی ہے جسے پورا کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جن فرشتوں کو چاہے گا حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم تیرے آسمان کے مکین ہیں اور تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، کیا تو ہمیں ان کے پاس جانے اور انہیں سلام کرنے کا حکم فرما رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میرے ایسے بندے ہیں جو صرف میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، ان کے باعث سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور تکالیف سے بچاؤ کیا جاتا اور یہ اپنی ضروریات اپنے سینے میں تشنہ تکمیل لئے فوت ہو جاتے۔ چنانچہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ...... (2)۔ حضرت عبداللہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے فقراء مہاجرین کا وہ گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کے ذریعے ناپسندیدہ چیزوں سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ جب انہیں حکم دیا جائے تو سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ حاکم وقت سے ان کی ضروریات مرتے دم تک تشنہ تکمیل رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کو بلائے گا تو وہ خوب آراستہ و پیراستہ اور بنی سنوری حاضر ہوگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں جو میرے رستہ میں لڑتے رہے، میری خاطر انہیں اذیتیں دی گئیں اور میری راہ میں وہ مشغول جہاد رہے؟ ان سے فرمایا جائے گا کہ جنت میں بغیر عذاب اور حساب کے داخل ہو جاؤ۔ ملائکہ حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر جائیں گے اور عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم دن رات تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، یہ کون لوگ ہیں جنہیں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 168

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 141-142

تو نے ہم پر فضیلت اور ترجیح دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جو میرے رستے میں جہاد کرتے رہے اور میری خاطر اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ چنانچہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ..... (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن جنت میں ایک آراستہ تخت پر بڑی آن بان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا۔ خدام کی دو قطاریں اس کے ادھر ادھر کھڑی ہوں گی ہر قطار کی طرف پر دروازہ ہوگا۔ ایک فرشتہ آئے گا اور دروازے کے ساتھ کھڑے خادم سے اجازت طلب کرے گا وہ اپنے ساتھ والے خادم سے کہے گا کہ ایک فرشتہ اذن باریابی طلب کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ پیغام مومن کے پاس پہنچ جائے گا، وہ کہے گا کہ اسے آنے کی اجازت دے دو۔ مومن کے سب سے زیادہ قریب خادم اپنے ساتھ والے خادم سے کہے گا کہ فرشتے کو آنے دو، آخر کار اذن کا یہ پیغام دروازے والے خادم تک پہنچ جائے گا، وہ دروازہ کھول کر فرشتے کو اندر آنے کی اجازت دے گا۔ وہ (فرشتہ) داخل ہو کر سلام کرے گا اور واپس لوٹ جائے گا (2)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال کے آغاز پر شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے اور فرماتے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ آپ ﷺ کے بعد حضرات ابوبکر، عمر و اور عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا۔

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

''اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کئے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے''۔

یہاں بدبختوں کی صفات اور آخرت میں ان کے برے انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی حالت اہل ایمان سے مختلف ہے۔ اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کا ایفاء کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں لیکن یہ بدبخت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو بھی قطع کرتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے، علاوہ ازیں زمین میں فساد اور خرابی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے''۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ''جب وہ عہد کرے تو غدر کا مرتکب ہو اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے'' (3)۔ اس لئے فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ...... لعنت کا مطلب ہے رحمت سے دور کر دینا۔ ان کے لئے لعنت اور جہنم کا برا ٹھکانا ہے، ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ یہ چھ خصلتیں ہیں جن کا اظہار منافقین اس وقت کرتے ہیں جب انہیں لوگوں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ وہ چھ خصائل یہ ہیں: گفتگو میں جھوٹ، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے پختہ عہد کو توڑنا، قطع تعلقی اور فساد، اور جب یہ مغلوب ہو جائیں تو بھی ان تین خصلتوں کے اظہار سے باز نہیں آتے: جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی

1۔ معجم طبرانی　　2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 142　　3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 177

الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾

''اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے (جسے چاہتا ہے) اور کفار بڑے مسرور ہیں دنیوی زندگی (کی راحتوں) سے اور (حقیقت یہ ہے کہ) نہیں ہے دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر متاع حقیر''۔

اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی یہ تقسیم نہایت ہی عادلانہ اور حکیمانہ ہے۔ یہ کفار دنیا ملنے پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے کر اور نعمتوں سے نواز کر آہستہ آہستہ عذاب کے قریب لا رہا ہے جیسا کہ فرمایا: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (المومنون: 56-55) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''، پھر دار آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کو ہیچ اور حقیر گردانتے ہوئے فرمایا: وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (النساء: 77) ''(اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کئے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر''، بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (الاعلیٰ: 17-16) ''البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے''، رسول اللہ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: ''دنیا آخرت کے مقابلے میں یوں ہے جیسے کوئی آدمی اپنی ہی انگلی سمندر میں ڈبوئے، پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے''(1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکری کے ایک چھوٹے چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اللہ کی قسم! جس قدر یہ (مردہ بچہ) اپنے مالکوں کے لئے ہیچ ہے، دنیا اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیچ ہے''(2)۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿ۖۚ۲۷﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿ؕ۲۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

''اور کفار کہتے ہیں (کہ اگر یہ سچے نبی ہیں) تو کیوں نہ اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور رہنمائی فرماتا ہے اپنی (بارگاہ قرب کی) طرف جو صدق دل سے رجوع کرتا ہے (یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے۔ دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان بھی لائے اور عمل (بھی) نیک کئے مژدہ ہو ان کے لئے اور (انہی کے لئے) اچھا انجام ہے''۔

مشرکین کے قیل و قال کے متعلق بتایا جا رہا ہے وہ کہتے کہ اس (حضور ﷺ) پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی

1۔ صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 156، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 228　2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2272، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 365 وغیرہ

جیسا کہ ایک اور آیت میں بھی ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے: فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (الانبیاء:5) ''تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء''، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کے لئے صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں، ان کے لئے چشمے جاری کر دیں اور مکہ کے گردونواح سے پہاڑ ہٹا کر ان کی جگہ مرغزار اور باغات بسا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام سے فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطالبات پورے کر دوں اور ان کی مطلوبہ چیزیں انہیں عطا کر دوں لیکن اس کے بعد اگر انہوں نے کفر کیا تو انہیں ایسا عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان پر اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: ''بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھیں'' (1)۔ اس لئے اپنے رسول علیہ السلام سے فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ...... یعنی ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اگرچہ ان کفار و مشرکین کے تجویز کردہ معجزات پیغمبروں کے ذریعے انہیں دکھائے جائیں یا نہ دکھائے جائیں۔ ہدایت اور گمراہی کسی معجزے کے دیکھنے یا نہ دیکھنے کے ساتھ وابستہ نہیں، جیسا کہ فرمایا: وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:101) ''اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے''، اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''، وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (الانعام:111) ''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔ اس لئے فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ...... یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور ہدایت سے اسے نوازتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، اسی سے مدد مانگے اور اسی کے حضور عجز و نیاز کا اظہار کرے۔ یہ وہ سعادت مند ہیں جو ایمان لائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں، اسی کی یاد سے تسکین پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جاتا ہے، اس لئے فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ......۔ پھر فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان اہل ایمان کو دل کی مسرت اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جو انعامات انہیں حاصل ہوں گے وہ نہایت عمدہ ہوں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہیں لائق رشک مقام حاصل ہوگا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ان کے لئے خیر ہی خیر ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ''طُوْبٰى'' عربی زبان کا لفظ ہے، کہا جاتا ہے: ''طُوْبٰى لَكَ'' یعنی تم نے خیر کو پالیا۔ ایک اور روایت میں قتادہ ''طُوْبٰى'' کا معنی نیکی بتاتے ہیں۔ ''طُوْبٰى'' کے بارے میں مذکورہ تمام اقوال کا مدعا ایک ہی ہے، ان اقوال کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ ''طُوْبٰى'' حبشی زبان میں جنت کی زمین کو کہا جاتا ہے۔ سعید بن مسجوع کہتے ہیں کہ ہندی زبان میں ''طُوْبٰى'' جنت کا نام ہے۔ عکرمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ''طُوْبٰى'' سے مراد جنت ہے اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ جنت کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تو اس نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ یہ اس وقت فرمایا جب جنت پسند آ گئی (2)۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ''طُوْبٰى'' جنت میں ایک درخت ہے جس سے جنت کے تمام درخت پھوٹے ہیں، اس کی شاخیں تمام جنت بلکہ باہر تک پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر گھر میں اس کی

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 242 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 147

شاخ موجود ہے۔ حضرات ابوہریرہ، ابن عباس، مغیث بن سلیمان، ابواسحاق السبیعی اور دیگر سلف سے یہی مروی ہے۔ بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور موتی کے دانہ سے اسے اگایا ہے۔ بحکم خدا یہ پھیلتا چلا گیا جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ اس کی جڑوں سے شہد، شراب، پانی اور دودھ کی جنتی نہریں نکلتی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے: ''''طُوْبٰی'' جنت میں ایک سو سال کی مسافت کا درخت ہے، اس کے خوشوں سے اہل جنت کے لباس نکلتے ہیں'' (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص کو مبارک ہو جس نے آپ ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مبارک ہو اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا اور مبارک ہو، مبارک ہو پھر مبارک ہو اس شخص کو جو مجھ پر ایمان لایا لیکن اس نے مجھے دیکھا نہیں''۔ اس آدمی نے عرض کہ ''طُوْبٰی'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت جس کی مسافت ایک سو سال ہے، جنتیوں کے کپڑے اس کی شاخوں سے برآمد ہوں گے'' (2)۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن اسے طے نہیں کر سکے گا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال چلتا رہے گا لیکن پھر بھی اسے عبور نہیں کر سکے گا'' (3)۔ صحیح بخاری میں ''وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کی تفسیر میں بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سوار ستر یا سو سال تک چلتا رہے گا، یہ شجرۃ الخلد ہے'' (5)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک سوار اس کی ایک ٹہنی کے سائے میں سو سال چلتا رہے گا...... یا یہ فرمایا کہ سو سوار اس کی ایک شاخ تلے ٹھہر سکیں گے، اس کے نیچے سونے کا فرش بچھا ہے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح ہیں'' (6)۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو بھی جنت میں داخل ہوگا اسے ''طُوْبٰی'' کے پاس لے جایا جائے گا اور اس کے شگوفوں کے غلاف اس کے سامنے کھول دیئے جائیں گے، جسے چاہے پسند کر لے۔ چاہے تو سفید، یا سرخ، یا زرد اور اگر چاہے تو سیاہ، گل لالہ کی طرح نہایت ہی خوبصورت اور نرم'' (7)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''طُوْبٰی'' جنت میں ایک درخت ہے، اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کے لئے ان کی من پسند چیزیں نکال تو اس میں سے زین و لگام سمیت گھوڑے، مہار سمیت اونٹ اور لباس نکلیں گے (8)۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ سے ایک عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے، وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جنت میں ''طُوْبٰی'' نامی ایک درخت ہے، ایک سوار اس کے سائے تلے سو سال سفر کرنے کے باوجود اسے عبور نہیں کر سکے گا۔ اس کے پھول کلیاں تر و تازہ چمن ہیں، اس کے پتے دھاری دار چادریں ہیں، اس کی ٹہنیاں عنبر ہیں، اس کے کنکر یاقوت ہیں، اس کی مٹی کافور ہے، اس کا کیچڑ کستوری ہے، اس کی جڑوں سے شراب، دودھ اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں، اس کے نیچے اہل جنت کی مجلسیں ہوں گی۔ دریں اثناء وہ اپنی مجلسوں میں ہوں گے کہ فرشتے اپنے رب کی طرف سے ان کے پاس عمدہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 49
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 71
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2176
4۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 14
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 455
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 12
7۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 644 بحوالہ ابن ابی شیبہ
8۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 147

اونٹنیاں لے کر آئیں گے جن کی مہاریں سنہری زنجیریں ہوں گی، ان کے چہرے حسن و جمال میں روشن چراغوں کی طرح ہوں گے، ان کے بال ریشم جیسے نرم ہوں گے، ان پر یاقوت کے پالان ہوں گے جن پر سونے کا جڑاؤ ہوا ہوگا، نہایت عمدہ ریشم کی جھولیں ہوں گی۔ فرشتے وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر رب کریم کے حضور حاضری دو، اس کا دیدار کرو اور سلام عرض کرو۔ وہ جنتی ان اونٹنیوں پر سوار ہو جائیں گے، ان کی رفتار پرندوں سے بھی زیادہ ہوں گی اور وہ بہت مطیع ہوں گی۔ ایک جنتی اپنے دوسرے جنتی ساتھی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اور سرگوشیاں کرتے ہوئے چل رہا ہوگا لیکن مجال نہیں کہ دونوں کی سواریوں کے کان بھی ٹکرا جائیں یا وہ رستے میں بیٹھ جائیں۔ درخت خود بخود ان کے رستے سے ہٹتے جائیں گے۔ چنانچہ وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور کہیں گے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَحَقٌّ لَكَ الْجَلَالُ وَالْاِكْرَامُ ''اے اللہ! تو ہی سلامت رکھنے والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے اور تیرے لئے ہی جلالت و اکرام ثابت ہے''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اَنَا السَّلَامُ وَمِنِّي السَّلَامُ عَلَيْكُمْ حَقَّتْ رَحْمَتِيْ وَمَحَبَّتِيْ مَرْحَبًا بِعِبَادِيَ الَّذِيْنَ خَشُوْنِيْ بِغَيْبٍ وَاَطَاعُوْا اَمْرِيْ''۔ ''میں سلامت رکھنے والا ہوں، میری طرف سے ہی سلامتی ہے اور تم پر میری رحمت اور محبت ثابت ہوگئی۔ میرے ان بندوں کو خوش آمدید جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے اور میرے حکم کی پیروی کرتے رہے''۔ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم نے کما حقہ نہ تیری عبادت کی اور نہ تیری قدر پہچانی، ہمیں اپنے حضور سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ مشقت اور عبادت کا گھر نہیں بلکہ یہ تو نعمتوں اور راحتوں کا گھر ہے۔ میں نے عبادت کی مشقت تم سے زائل کر دی، جو چاہو مجھ سے سوال کرو، تم میں سے ہر آدمی کی آرزو پوری کی جائے گی۔ جنتی اپنی اپنی خواہشات اور امنگیں پیش کریں گے یہاں تک کہ سب سے کم سوال کرنے والا اور سب سے چھوٹی آرزو والا کہے گا: اے میرے پروردگار! دنیا دار دنیا کے حصول میں مقابلہ کرتے رہے لیکن اپنی آرزوئیں پانے سے قاصر رہے۔ یا اللہ! دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک جو تو نے پیدا کیا ہے اس کی مثل مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہاری آرزو تو بہت معمولی ہے اور تمہارے مقام و مرتبے سے بہت کمتر، یہ میں نے تمہیں عطا کیا۔ میری عطاء میں کوئی کمی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندوں کو ان نعمتوں سے شاد کام کرو جن تک نہ ان کی خواہشات پہنچ سکیں اور نہ ان کا کبھی انہیں خیال آیا۔ چنانچہ وہ نعمتیں انہیں دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کے دل کی امنگیں پوری ہو جائیں گی۔ جو چیزیں انہیں ملیں گی ان میں تیز رفتار گھوڑے ہوں گے۔ ان میں سے ہر چار پر ایک یاقوت سے بنا ہوا تخت ہوگا، ہر تخت پر سونے کا قبہ (خیمہ) ہوگا جس میں جنتی فرش ہوگا۔ ہر قبہ میں دو بڑی بڑی آنکھوں والی خوبصورت حوریں ہوں گی، ہر حور جنت کے دو حلے زیب تن کئے ہوگی جن میں جنت کا ہر رنگ جھلک رہا ہوگا، ہر قسم کی خوشبوئیں ان سے مہک رہی ہوں گی اور ان کے چہروں کی روشنی خیموں سے باہر سرایت کر رہی ہوگی دیکھنے والا گمان کرے گا کہ وہ باہر بیٹھی ہوئی ہیں، ان کی پنڈلی کا گودا باہر سے دکھائی دے رہا ہوگا جیسے سرخ یاقوت میں سفید لڑی۔ ہر ایک اپنی فضیلت اس طرح جانتی ہوگی جیسے سورج کی فضیلت پتھر پر اور جنتی بھی ان کی قدر پہچانتا ہوگا۔ جنتی ان کے پاس جائے گا تو وہ سلام کریں گی، بوس و کنار کریں گی اور اسے کہیں گی کہ ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ جیسا خاوند عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان جنتیوں کو اسی طرح صف بستہ واپس جنت میں ہر ایک کے ٹھکانے تک پہنچا دیں گے (1)۔ ابن ابی حاتم

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 149-148

نے بھی یہ اثر وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: فرشتے انہیں کہیں گے کہ اپنے رب کی عنایات ملاحظہ کرو تو وہ اعلیٰ درجہ کے حامل لوگوں کے پاس خیموں اور موتیوں سے بنے ہوئے بالا خانوں میں ہوں گے جن کے دروازے سونے کے، تخت یاقوت کے، فرش نرم اور موٹے ریشم کے اور منبر نور کے ہوں گے، سورج کی شعاعوں کی طرح ان کے دروازوں اور صحنوں سے نور پھوٹ رہا ہوگا۔ ان کے لئے اعلیٰ علیین میں یاقوت کے بنے ہوئے محلات ہوں گے جن میں سے نور ابل رہا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نور سے آنکھوں کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ سفید یاقوت کے بنے ہوئے محلات کا فرش سفید ریشم کا ہوگا، سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محلات کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے سبز یاقوت کے محلات میں سبز ریشم کے فرش بچھے ہوں گے اور زرد یاقوت کے محلات میں زرد ارغوانی فرش بچھے ہوں گے جن کے دروازے سبز زمرد، سرخ سونا اور سفید چاندی کے ہوں گے۔ ان دروازوں کے پائے جواہر کے ہوں گے، ان کی چھتیں موتیوں کے خیمے ہوں گے اور ان کے برج مرجان کے بالا خانے ہوں گے۔ جب یہ اپنے رب کے عطیات کی طرف متوجہ ہوں گے تو دیکھیں گے کہ سفید یاقوت کے گھوڑے ہیں جن میں روح پھونک دی گئی ہے، غلمان ان گھوڑوں کی لگامیں تھامے کھڑے ہیں۔ ان گھوڑوں کی لگامیں سفید چاندی کی ہوں گی جن میں موتیوں اور یاقوت کا جڑاؤ کیا ہوگا، ان کی زینیں ایسے تخت ہوں گے جن پر ریشم بچھا ہوگا۔ وہ گھوڑے انہیں لے کر باغات جنت میں کشاں کشاں سیر کروائیں گے۔ جب وہ اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچیں گے تو فرشتوں کو نور کے منبروں پر بیٹھے ہوئے اپنا منتظر پائیں گے، وہ ان کا استقبال کریں گے، مصافحہ کریں گے اور انعامات خداوندی پر مبارکباد دیں گے۔ جب وہ اپنے محلات میں داخل ہوں گے تو وہاں ہر مطلوبہ چیز پالیں گے۔ ہر محل کے دروازے پر چار باغات ہوں گے۔ دو ہرے بھرے اور دو پھلدار۔ ان میں دو چشمے جاری ہوں گے، ہر پھل کے دو جوڑے ہوں گے، خیموں میں پست نگاہوں والی حوریں ہوں گی۔ جب وہ اپنے محلات میں قرار پذیر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے اپنے رب کے کئے ہوئے وعدہ کو سچ پایا ہے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں، اے ہمارے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اپنے رب کے عطا کردہ ثواب سے راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم تو راضی ہیں، تو بھی ہم سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اپنی رضا اور خوشنودی کے باعث ہی تمہیں اپنے گھر میں اتارا ہے، اپنا دیدار عطا کیا ہے اور میرے ملائکہ نے تم سے مصافحہ کیا ہے، تمہیں مبارک ہو، سکون و راحت کے ساتھ رہو۔ میں نے تمہیں اپنی ایسی عطاء سے نوازا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی، میری عطاء میں کوئی کمی نہیں۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے غم و حزن کو ہم سے دور کیا اور ہمیں اپنے فضل سے ہیشگی کے گھر میں داخل فرمایا جہاں کوئی رنج، تھکاوٹ اور تکلیف نہیں۔ ہمارا رب بڑا مہربان اور قدر دان ہے (1)۔ یہ اثر غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شواہد موجود ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ اس آدمی سے فرمائیگا جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا: "تمنا کرو، وہ تمنائیں کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس چیز کی خواہش کرو، فلاں چیز کی تمنا کرو، اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا پھر فرمائے گا یہ سب کچھ میں نے تمہیں عطا کر دیا بلکہ اس سے دس گنا زیادہ اور بھی" (2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان اگر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 647-649
2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 148، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 166

اس کی مطلوبہ چیز دے دوں تو میری بادشاہت میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی جتنی کمی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے'' (1)۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جنت میں طوبیٰ نامی ایک درخت ہے اس کے تھن ہیں جن سے اہل جنت کے بچے دودھ پیتے ہیں اور نا تمام بچے جنت کی ایک نہر میں ہیں۔ قیامت کے دن یہ چالیس سال کے بن کر اٹھیں گے (2)۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝

''اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ (کلام) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا۔ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اس کی جناب میں رجوع کئے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! جس طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے آپ کو اس امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے، اسی طرح ہم نے گزشتہ امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے لیکن انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس میں آپ کے لئے اسوہ ہے۔ جس طرح ہم نے ان قوموں کو عذاب میں مبتلا کر کے برباد کیا اس طرح ایسے انجام سے انہیں بھی ڈرنا چاہئے کیونکہ ان کی تکذیب پہلی قوموں کی تکذیب کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے، فرمایا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ (النحل: 63) ''بخدا! ہم نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے''، وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام: 34) ''اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں'' یعنی آخر کار ہم نے اپنے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں کو فتح و نصرت سے نوازا۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ یعنی جس امت کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے، یہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں اور اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات رحمٰن اور رحیم سے چڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کے دن صلح نامہ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کو انہوں نے ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم رحمٰن اور رحیم کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے (3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل: 110) ''آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں''۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اسماء عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں'' (4)۔ فرمایا: قُلْ هُوَ رَبِّيْ...... یعنی جس کا تم انکار کرتے ہو، میں اس کی ربوبیت اور الوہیت کا معترف ہوں، اسی پر میں ایمان لایا ہوں، تمام امور میں اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں اور اسی کی طرف میں نے لوٹ کر جانا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1994-1995
2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 645
3۔ کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 331
4۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1182

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۗ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۗ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾

''اور اگر کوئی ایسا قرآن اتر تا جس کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جاسکتی۔ (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں۔ (با ایں ہمہ وہ ایمان نہ لاتے) کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ اور کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا انہیں (آئے دن) اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ یا اترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں یہاں تک کہ آجائے اللہ کے وعدہ (کے ظہور کا دن) بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مدح اور باقی ساری آسمانی کتب پر اس کی فضیلت کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا...... یعنی اگر سابقہ کتابوں میں کوئی ایسی کتاب ہوتی جس کے ذریعے پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے چلنے لگتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا قبروں میں مردے اس کے باعث کلام کرنے لگ جاتے تو یہ قرآن کریم ہی ہوتا جو اس بات کا اہل تھا کیونکہ یہ وہ سراپا اعجاز کتاب ہے کہ تمام جن وانس بھی اس کی مثل ایک سورت لانے سے بھی عاجز ہیں، اس کے باوجود یہ مشرک اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا یعنی تمام امور کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوسکتا۔ جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت سے سرفراز فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ لفظ قرآن کا اطلاق تمام سابقہ کتب پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سب سے مشتق اور ماخوذ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''داؤد پر قرآن آسان کردیا گیا تھا۔ وہ اپنے سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے ہی قرآن ختم کرلیتے اور وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ہی کھاتے تھے''(1)۔ قرآن سے مراد زبور ہے۔

اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ...... جَمِيْعًا یعنی کیا اہل ایمان تمام مخلوق کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے اور کیا انہیں معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا کیونکہ اس قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی بلیغ معجزہ اور مؤثر دلیل نہیں کہ اگر اسے پہاڑ پر نازل کردیا جاتا تو وہ خشیت الٰہی کے باعث ریزہ ریزہ ہوجاتا۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسی چیز عطا کی گئی جس پر لوگ ایمان لائیں، مجھے جو ایسی چیز عطا کی گئی ہے وہ وحی خداوندی ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے''(2)۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا معجزہ اس کے وصال کے ساتھ ختم ہوگیا لیکن یہ قرآن ہمیشہ باقی رہے گا، نہ اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں، نہ کثرت تلاوت سے یہ فرسودہ ہوتا ہے اور نہ علماء اس سے سیر ہوتے ہیں۔ یہ سراپا سنجیدگی ہے، ہنسی مذاق نہیں۔ جو سرکش اسے ترک کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور جو غیر قرآن سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کردیتا ہے۔ کفار مکہ نے حضور ﷺ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 194، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 314　2۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 113، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 92

سے مطالبہ کیا کہ مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے تا کہ زمین فراخ ہو جائے اور اس میں ہم کھیتی باڑی کر سکیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح ہم ہوا کے دوش پر دور دراز کا فاصلہ آسانی سے طے کر لیں یا ہمارے لئے مردوں کو زندہ کیا جائے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے لئے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو اس وقت یہ آیت اتری۔ یہ حدیث شریف میں موجود ہے جس کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر غیر قرآن کے ساتھ ایسا ہوا ہوتا تو اس قرآن کے ساتھ بھی ایسا ضرور ہوتا(1)۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ متعدد سلف نے اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ کا معنی ''اَفَلَمْ يَعْلَمْ'' کیا ہے اور بعض نے ''اَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ'' کیا ہے، یعنی کیا ان پر یہ واضح نہیں ہوا(2)۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ مایوس ہونے کے معنی میں ہے یعنی اہل ایمان ان کفار کی ہدایت سے مایوس ہو گئے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی یہ کفار اپنی تکذیب کے باعث دنیا میں کسی نہ کسی صدمے سے دوچار ہوتے ہیں یا ان کے اردگرد کوئی نہ کوئی مصیبت اترتی رہتی ہے تا کہ یہ نصیحت اور عبرت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الاحقاف: 27) ''اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء: 44) ''اور وہ سرکش ہو گئے)۔ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آ سکتے ہیں؟''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''تَحُلُّ'' میں ضمیر کا مرجع ''قَارِعَةٌ'' ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ ''قَارِعَةٌ'' کا معنی اسلامی لشکر کا ایک دستہ ہے اور تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ سے مراد حضرت محمد ﷺ اور حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ میں وعدہ سے مراد فتح مکہ ہے(3)۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ''قَارِعَةٌ'' سے مراد آسمانی آفت اور تَحُلُّ قَرِيْبًا سے مراد حضور ﷺ کا ان کے ہاں اتر کر ان سے جنگ کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک ''وَعْدُ'' سے مراد قیامت کا دن ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ کئے گئے دنیا و آخرت میں فتح و نصرت کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (ابراہیم: 47) ''تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے''۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

''اور بیشک تمسخر اڑایا گیا رسولوں کا جو آپ سے پہلے گزرے۔ پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انہیں۔ تو (دیکھو!) کیسا (بھیانک) تھا میرا عذاب''۔

کفار کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ سے قبل بھی پیغمبروں کا تمسخر اڑایا گیا، اس میں آپ کے لئے مثال اور نمونہ موجود ہے ہم نے کفار کو مہلت دی پھر ان کی سخت گرفت کی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کے ساتھ کیسا

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 152 2۔ دیکھئے روح المعانی، جلد 13 صفحہ 156 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 156

سلوک کیا اور کس عذاب میں انہیں مبتلا کیا جیسا کہ فرمان ہے: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (الحج:48) ''اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑلیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا'' (1)۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود:102) ''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اسکی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے''۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

''کیا وہ خدا جو نگہبانی فرمارہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ۔ (ان کے بتوں جیسا ہے؟ ہرگز نہیں) اور ان مشرکین نے بنالئے ہیں اللہ تعالیٰ کے شریک۔ فرمائیے ذرا نام تو لوان کا۔ (نادانو!) کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو ایسی بات سے جسے وہ (ہمہ دان) ساری زمین میں نہیں جانتا یا یونہی یاوہ گوئی کررہے ہو۔ بلکہ آراستہ کردیا گیا ہے کافروں کے لئے ان کا مکروفریب اور روک دیئے گئے ہیں راہ (راست) سے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ ہونے دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔

فرمایا: اَفَمَنْ...... كَسَبَتْ یعنی کیا وہ (اللہ تعالیٰ) جو ہر انسان کے اچھے برے اعمال کا محافظ، عالم اور رقیب ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (یونس:61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں''، وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (الانعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو''، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''، سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد:10) ''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت''، يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ:7) ''وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی''، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید:4) ''اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے''۔ کیا ان صفات سے متصف اللہ تعالیٰ جو

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

سب اعمال کو جانتا ہے، ان بتوں کی طرح ہو سکتا ہے جن کی یہ کفار و مشرکین عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اپنے لئے اور نہ ہی اپنے عبادت گزاروں کے لئے نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ دلالت کلام موجود ہونے کے باعث اس جواب کو حذف کر دیا گیا اور وہ یہ فرمان وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ہے۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ آپ ان سے فرمائیں کہ ذرا تم اپنے بتوں کے نام تو لو، ان کی حقیقت حال سے آگاہ تو کرو تاکہ ان کی اصلیت ہر ایک پر عیاں ہو جائے۔ ان کی تو کوئی حقیقت ہے ہی نہیں، اس لئے فرمایا: اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ...... الْقَوْلِ یعنی ان کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو ضرور معلوم ہوتا کیونکہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں یا تم یونہی ظن و تخمین پر مبنی یاوہ گوئی کر رہے ہو۔ مجاہد نے ''ظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ'' کا معنی بیان کیا ہے: ظنی بات، ضحاک اور قتادہ نے اس کا معنی باطل قول کیا ہے یعنی تم محض ظن کی بناء پر ان بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ یہ نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور تم نے ویسے ہی انہیں معبود نام دے رکھا ہے، جیسا کہ فرمایا: اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (النجم: 23) ''نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت''۔ یہاں فرمایا: بَلْ زُيِّنَ...... مجاہد کہتے ہیں کہ کفار کی گمراہی اور دن رات گمراہی کی دعوت دینے کے مکر و فریب کو ان کے لئے آراستہ کر دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ...... (حم السجدة: 25) ''اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں......''، اور ان کفار کو راہ راست سے روک دیا گیا ہے۔ بعض نے ''وَصَدُّوْا'' صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ راہ راست سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ اور صاد کے ضمہ کے ساتھ ''صُدُّوْا'' بھی پڑھا گیا ہے یعنی انہیں راہ راست سے روک دیا گیا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (المائدة: 41) ''اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی''، اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (النحل: 37) ''آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا''۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

''ان (بدبختوں) کے عذاب ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت ہو گا۔ اور نہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے، ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا۔ یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے''۔

کفار کے عتاب اور نیکو کاروں کے ثواب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، مشرکین کی حالت اور ان کے کفر و شرک کو واضح کرنے کے بعد فرمایا:

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی اہل ایمان کے ہاتھوں انہیں قتل کر کے اور قید کر کے دنیاوی عذاب میں مبتلا کیا اور اس دنیاوی رسوائی کے علاوہ اخروی عذاب اس سے بھی بہت زیادہ سخت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ملاعنہ کرنے والے میاں بیوی سے فرمایا: ''عذاب دنیا عذاب آخرت کے مقابلے میں بہت معمولی ہے''(1)۔ واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ ﷺ نے فرمایا کیونکہ دنیا کا عذاب ختم ہو جانے والا ہے لیکن آخرت کا عذاب دائمی ہے۔ اس کی آگ دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے اور پھر قید و بند جس کی شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ (الفجر: 26) ''پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا''، وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا (الفرقان: 15-11) ''اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں۔ ان سے پوچھئے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام''۔ اس لئے اس کے ساتھ اہل جنت کی صفت اور حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ...... جس جنت کا وعدہ متقی لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ہر طرف نہریں رواں ہیں، جہاں اور جس طرح جنتی چاہیں ان کی مرضی کے مطابق نہروں کا رخ مڑ جائے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ (محمد: 15) ''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لئے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں ان کے لئے) بخشش ہوگی''، اس جنت کے پھل، اور خور و نوش کی باقی اشیاء دائمی ہوں گی، نہ منقطع ہوں گی اور نہ فناء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ کسوف پڑھی تو صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے یہاں آپ کو دیکھا کہ آپ نے کوئی چیز پکڑنا چاہی لیکن پھر آپ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا اور (انگوروں کا) ایک خوشہ توڑنا چاہا اور اگر میں اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے''(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دریں اثناء ہم نماز ظہر ادا کر رہے تھے کہ حضور ﷺ آگے بڑھے اور ہم بھی آگے بڑھے، پھر آپ ﷺ نے کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد ابی بن کعب نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ کو نماز میں وہ کرتے دیکھا ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جنت اپنے باغ و بہار اور تر و تازگی سمیت پیش کی گئی میں نے چاہا کہ اس میں سے انگوروں کا ایک خوشہ لے کر تمہیں دوں لیکن میرے اور اس کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی،

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2 صفحہ 1130-1131، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 176

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 232، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 626

اگر میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین وآسمان کے درمیان تمام مخلوق اسے کھاتی لیکن ذرا بھی کمی نہ ہوتی‘‘(1)۔ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے جنت کے متعلق دریافت کیا اور کہنے لگا کہ کیا اس میں انگور بھی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں‘‘ وہ کہنے لگا کہ کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک تازہ دم سفید سیاہ داغوں والے کوے کی ایک مہینہ بھر کی مسافت جتنے‘‘(2)۔حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب جنتی کوئی پھل توڑے گا تو اسی وقت اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا‘‘(3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جنتی کھائیں پئیں گے لیکن نہ انہیں رینٹ آئے گی، نہ پاخانہ اور نہ پیشاب۔بس کستوری جیسی خوشبو کی طرح کھانے کا انہیں ڈکار آئے گا۔انہیں تسبیح وتقدیس الہام کی جائے گی جس طرح بے تکلف سانس لیتے ہیں‘‘(4)۔حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک آدمی حضور ﷺ سے کہنے لگا: اے ابوالقاسم! آپ کا یہ خیال ہے کہ اہل جنت کھائیں پئیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں، قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! ایک جنتی کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت میں سو آدمیوں کی قوت عطا کی جائے گی‘‘۔وہ کہنے لگا کہ کھانے پینے والے شخص کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی ہے حالانکہ جنت میں کوئی گندگی نہیں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ’’ان کے جسموں سے بہنے والے پسینے کے ذریعے کھانا ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ بھی کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا‘‘(5)۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ’’تم جنت میں جس پرندے کی خواہش کرو گے وہ بھنا ہوا تمہارے سامنے آگرے گا‘‘ ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ پھر بحکم خدا زندہ ہو کر اڑنے لگے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (الواقعہ:33-32) ’’اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا‘‘، وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (الدہر:14) ’’اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے‘‘، اسی طرح جنت کا سایہ نہ زائل ہوگا، نہ ڈھلے گا اور نہ سمٹے گا جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (النساء:57) ’’اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد۔ان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے سایہ میں‘‘، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک تیز رفتار پتلی کمر والے گھوڑے کا تیز رفتار سوار سو سال چلتا رہے گا لیکن عبور نہیں کر سکے گا‘‘(6)۔پھر آپ نے ان الفاظ ’’وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ‘‘ کی تلاوت کی۔اللہ تعالیٰ عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کی صفات کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ جنت میں رغبت دلائی جائے اور دوزخ سے ڈرایا جائے، اس لئے جنت کے وصف کے بعد دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (الحشر:20) ’’یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں‘‘، خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: اے بندگان خدا! کیا تمہارے ساتھ کوئی ایسا شخص آیا ہے جس نے تمہیں یہ خبر دے دی ہو کہ تمہاری عبادت قبول کر لی گئی ہے یا تمہارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں؟ ’’کیا تم نے

1۔صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 633 2۔مسند احمد، جلد 4 صفحہ 183-184 3۔معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 102
4۔صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2181 5۔سنن نسائی، کتاب التفسیر، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 367 6۔صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 14 کتاب بدء الخلق

یہ گمان کر رکھا ہے کہ تمہیں فضول ہی پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے'' اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس دنیا میں ہی ثواب عطا فرماتا تو تم فرائض کو بہت قلیل گمان کرتے۔ کیا تم دنیا کی خاطر اطاعت الٰہی میں رغبت رکھتے ہو اور جنت کے حصول میں مقابلہ نہیں کرتے جس کے پھل دائمی ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝

''اور جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ خوش ہو رہے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف اور ان لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بعض قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ فرما دیجئے (مجھے تمہاری مخالفت کی پروا نہیں) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اسے فیصلہ عربی زبان میں۔ اور اگر تم پیروی کرو ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس صحیح علم تو نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار اور نہ کوئی محافظ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں، وہ تو آپ پر قرآن کریم کے نازل ہونے کے باعث خوش ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی صداقت اور آمد کی بشارت پر شواہد اور دلائل موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (البقرة:121) ''جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں)، اور فرمایا: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا...... اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:108-107) ''آپ (کفار کو) کہئے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ......... بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ہماری کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا کیا ہوا وعدہ حق، سچ اور پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ پاک ہے وہ ذات، اس کا وعدہ کس قدر سچا ہے! وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل:109) ''اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے''۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ یعنی بعض گروہ آپ ﷺ کی طرف نازل کئے گئے بعض قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''الْاَحْزَابِ'' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قتادہ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے، یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ...... (آل عمران:199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر......''۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ...... یعنی سابقہ انبیاء کی طرح مجھے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے، اسی کی طرف میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا یعنی جس طرح پہلے پیغمبروں کو آسمانی کتب کے ساتھ بھیجا، اسی طرح ہم نے آپ کو بھی عربی زبان میں محکم قرآن سے نوازا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے ہم نے آپ کو مشرف کیا اور باقی لوگوں پر فضیلت دی، یہ وہ واضح اور جلی کتاب ہے کہ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ

مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ (حم السجدة:42) ''اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ...... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد اگر آپ ان کی خواہشات اور آراء کی اتباع کریں گے تو کوئی آپ کا دوست اور محافظ نہیں ہوگا۔ اس میں اہل علم کے لئے وعید ہے اور سنت نبویہ پر چلنے کے بعد اہل ضلالت کی راہوں کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ ۖۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

''اور بیشک ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ان کے لئے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ممکن کسی رسول کے لئے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر۔ ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو بشر ہونے کے باوجود رسول بنا کر بھیجا، اسی طرح پہلے رسول بھی بشر تھے، کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے تھے اور ان کی بیویاں اور اولاد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے افضل الرسل اور خاتم النبیین ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ (الکہف:110) ''آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف''۔ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، (رات کو) قیام بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں''(1)۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں: خوشبو لگانا، نکاح کرنا، مسواک کرنا اور مہندی''(2)۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ...... یعنی کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر از خود کوئی معجزہ دکھا دے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہے۔ ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ (الحج:70) ''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بیشک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے''۔ ضحاک اللہ تعالیٰ کے فرمان لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ کے متعلق کہتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقررہ مدت اور معین مقدار ہے اس لئے وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے(3)۔ قرآن کریم کے ذریعے گزشتہ تمام کتابیں اور صحیفے منسوخ ہو گئے۔

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1020

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب النکاح، جلد 4 صفحہ 298-299، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 421

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 165

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور جو چاہے مٹا دیتا ہے سوائے شقاوت، سعادت، موت اور حیات کے (کیونکہ یہ چیزیں حتمی ہیں) ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز سوائے موت و حیات اور شقاوت و سعادت کے کیونکہ ان سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے سوائے موت وحیات اور شقاوت و سعادت کے کیونکہ انہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد سے سوال کیا کہ یہ دعا کرنا کیسا ہے: ''اے اللہ! اگر میرا نام سعادت مندوں میں ہے تو اسے ان میں برقرار رکھ اور اگر بد بختوں میں ہے تو اسے وہاں سے مٹا کر سعادت مندوں میں ثبت کر دے''۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اچھی دعا ہے۔ سال ڈیڑھ کے بعد پھر آپ سے میری ملاقات ہوئی تو میرے اسی سوال پر آپ نے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان:3) ''بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات''، والی دو آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لیلۃ القدر میں سال بھر کے رزق اور مصائب کے فیصلے کر دیئے جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے مقدم کر دے اور جسے چاہے مؤخر، لیکن سعادت اور شقاوت کا نوشتہ ثابت اور ناقابل تغیر ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ ابووائل شقیق بن سلمہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے ہمیں بدبختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا کر سعادت مندوں میں لکھ دے اگر تو نے ہمیں سعادت مندوں میں لکھ رکھا ہے تو ہمیں وہاں ہی باقی رکھ کیونکہ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی ام الکتاب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور روتے ہوئے یہ دعا بھی عرض کر رہے تھے: ''اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر شقاوت یا گناہ لکھ دیا ہے تو اسے مٹا دے کیونکہ تو جو چاہے مٹاتا اور برقرار رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی ام الکتاب ہے تو اسے سعادت اور رحمت کا حامل بنا دے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت کعب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر کتاب اللہ کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں آپ کو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے تمام امور سے آگاہ کر دیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ بتایا: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ...... (2)۔ ان تمام اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن تقدیروں کو چاہے منسوخ کر دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ اس کی تائید حضرت ثوبان کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' آدمی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا تقدیر کو ٹال دیتی ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے'' (3)۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی کے باعث بھی عمر بڑھ جاتی ہے، ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''دعا اور قضاء کی زمین و آسمان کے درمیان مڈبھیڑ ہوتی ہے'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سفید موتی کی پانچ سو سال کی مسافت کی لوح محفوظ ہے، اس کی جلد کے دونوں گتے یاقوت سے بنے ہوئے ہیں۔ ہر روز تین سو ساٹھ ایسے لحظات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے برقرار رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے (5)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات کی تین ساعتیں باقی رہنے پر ذکر کھول دیا جاتا ہے، پہلی ساعت میں اللہ تعالیٰ اس ذکر پر نظر ڈالتا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا تو جو وہ چاہے مٹاتا اور باقی رکھتا ہے...... (6)۔ کلبی کہتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے رزق اور عمر کو کم کرتا ہے اور بڑھا دیتا ہے، ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 167
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 168
3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 277 وغیرہ
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الادعیۃ، جلد 4 صفحہ 37
5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170
6۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170

سے پوچھا گیا کہ یہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا: ابوصالح نے جنہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سب باتیں لکھ لی جاتی ہیں اور جمعرات کے دن ان میں سے وہ باتیں نکال دی جاتی ہیں جن پر ثواب اور عتاب مرتب نہیں ہوتا مثلاً میں نے کھایا، پیا، میں اندر گیا، باہر آیا وغیرہ جو سچی باتیں ہیں اور ایسی چیزیں باقی رکھی جاتی ہیں جن پر ثواب یا عتاب مرتب ہوتا ہے(1)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ دو کتابیں ہیں، ایک کتاب ایسی ہے جس میں سے جو چاہے اللہ تعالیٰ مٹاتا اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کچھ عرصہ اطاعت الٰہی میں مشغول رہتا ہے، پھر نافرمانی کرنے لگتا ہے اور گمراہی پر ہی اس کی موت آجاتی ہے، یہ وہ شخص ہے جس کی نیکی محو کردی جاتی ہے اور جس کی نیکی باقی رکھی جاتی ہے وہ وہ شخص ہے جو نافرمانی کرتا ہے لیکن اس کے لئے خیر مقدر ہو چکی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اطاعت الٰہی میں فوت ہو جاتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے لئے نیکی برقرار رکھی جاتی ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کے معنی میں ہے: فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ:284) ''پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بدل کر منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے اور اسے تبدیل نہیں کرتا۔ یہ تمام چیزیں اس کے پاس ام الکتاب میں ہیں جو ناسخ ہے اور جو تبدیل کیا جاتا ہے اور باقی رکھا جاتا ہے وہ سب کچھ بھی کتاب میں درج ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرۃ:106) ''جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی)، مجاہد اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ جب یہ آیت وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے کہ جب ہر امر سے فراغت ہو چکی ہے تو محمد (ﷺ) کو کسی چیز کا اختیار نہ رہا تو اس وقت ان کفار کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ کے لئے حسب مشیت پیدا کر دیں اور ہر رمضان میں تو ہم پیدا کرتے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں کے رزق، مصائب اور اپنی نوازشات میں سے جو چاہیں ہم محو کر دیتے ہیں اور جو چاہیں باقی رکھتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اس آیت يَمْحُوا اللّٰهُ...... کے متعلق کہتے ہیں کہ جس کی موت کا وقت آجائے وہ چل بستا ہے اور جسے ابھی زندہ رہنا ہے وہ اپنی مقررہ میعاد تک باقی رہتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے(2)۔ اور وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ کا مطلب ہے حلال و حرام۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کتاب کا خلاصہ اور اصل۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کتاب خود ربّ العالمین کے پاس ہے۔ حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے ام الکتاب کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور ان کے اعمال کے متعلق علم ہے پھر اس نے اپنے علم سے فرمایا کہ کتابی شکل اختیار کر لو تو وہ کتاب بن گیا۔ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ام الکتاب کا معنی ذکر نقل کرتے ہیں(3)۔

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 168 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 171

لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

''اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کی ہم نے کفار کو دھمکی دی ہے (تو ہماری مرضی) یا ہم (پہلے ہی) اٹھا لیں آپ کو (تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (ان کے مقبوضہ) علاقہ کو ہر طرف سے (رفتہ رفتہ) کم کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اس کے حکم میں۔ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر ہم آپ کو بعض وہ رسوا کن اور عبرتناک عذاب دکھا دیں جس کی دھمکی ہم آپ کے دشمنوں کو دے چکے ہیں یا اس سے پہلے آپ کو اپنے پاس بلا لیں تو آپ کے ذمے صرف تبلیغ ہے اور ان سے حساب لینا اور جزا دینا یہ ہمارے ذمے ہے جیسا کہ فرمایا: فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (الغاشیہ:26-21) ''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ ... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم محمد ﷺ کو یکے بعد دیگرے ہر طرف سے فتوحات عطا کر رہے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ بیان کرتے ہیں کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ایک بستی ویران کر دی جاتی ہے اور دوسری طرف کوئی علاقہ آباد کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں کہ زمین کے اطراف کو کھنڈرات میں بدل دیا جاتا ہے۔ حسن اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمانوں کا مشرکین پر غلبہ ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بیان کرتے ہیں: اہل زمین اور زمین کی برکت میں کمی واقع ہونا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جانوں اور پھلوں میں کمی اور زمین کا ویران ہونا۔ شعبی کہتے ہیں کہ اگر زمین تنگ ہو جاتی تو چھپر ڈالنا بھی محال ہو جاتا، اس لئے اس آیت سے مقصود جانوں اور پھلوں کی کمی ہے(1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اگر زمین کم ہو جاتی تو تمہیں بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ ملتی لیکن یہاں زمین کی کمی و تنگی مراد نہیں بلکہ موت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ علماء، فقہاء اور اہل خیر کی موت کے باعث زمین کا خراب اور ویران ہونا، مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد علماء کی موت ہے، اسی معنی کے حامل یہ اشعار ہیں:

اَلْاَرْضُ تَحْيَى إِذَا مَا عَاشَ عَالِمُهَا   مَتَى يَمُتْ عَالِمٌ مِنْهَا يَمُتْ طَرَفُ

كَالْاَرْضِ تَحْيَا إِذَا مَا الْغَيْثُ حَلَّ بِهَا   وَإِنْ أَبَى عَادَ فِي أَكْنَا فِهَا التَّلَفُ (2)

(زمین زندہ رہتی ہے جب تک اس کا عالم زندہ رہتا ہے۔ جب اس کا عالم فوت ہو جائے تو یہ بھی ویران ہو جاتی ہے جس طرح کہ بارش برسنے سے زمین زرخیز اور شاداب رہتی ہے اور اگر اس کے اطراف میں بارش برسنے سے رک جائے تو بربادی اپنے ڈیرے جما لیتی ہے)۔ بہر کیف پہلا قول (یکے بعد دیگرے مختلف علاقوں میں شرک پر اسلام کا غلبہ) زیادہ بہتر اور موزوں ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى (الاحقاف:27) ''اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد (آباد) تھے''، ابن جریر کا یہ پسندیدہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 171   2۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر، جلد 7 صفحہ 67

قول ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝42

''اور مکاریاں کرتے رہے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے سو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان سب کو مکر کی سزا دینا۔ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر شخص۔ اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ دار آخرت (کی ابدی مسرتیں) کس کے لئے ہیں''۔

پہلے لوگوں نے سابقہ انبیاء ورسل کے ساتھ مکروفریب سے کام لیا اور انہیں ان کے اوطان سے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مکر کی سزا دی، ان کی سازشوں کو مٹی میں ملا دیا اور اچھے انجام سے اہل تقویٰ کو ہی نوازا جیسا کہ فرمایا: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:30) ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''، وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا (النمل:52-50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث''۔

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ..... یعنی اللہ تعالیٰ سینے کے بھیدوں سے بھی واقف ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا اور عنقریب کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کن کے حق میں ہے اور آخروی راحتوں کے کون مستحق ہیں، وہ یا پیغمبروں کے پیروکار؟ یقیناً انبیاء ورسل کے متبعین ہی اُخروی آسائشوں سے شادکام ہوں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝43

''اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمایئے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی بطور گواہ کافی ہے۔ وہ میری دعوت وتبلیغ کا بھی گواہ ہے اور تمہاری تکذیب اور بہتان تراشی کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کے بارے میں مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جیسا کہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے (1)۔ بقول قتادہ حضرات عبداللہ بن سلام، سلمان اور تمیم

1۔ روح المعانی، جلد 13 صفحہ 176

الداری ان میں شامل ہیں۔ ایک روایت میں مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اس سے عبداللہ بن سلام مراد لینے کا انکار کرتے تھے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آپ اس آیت کو وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ پڑھتے یعنی "مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ" مجاہد اور حسن بصری کی قرأت بھی یہی ہے (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ پڑھا لیکن بقول ابن جریر اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ اسم جنس ہے جو اہل کتاب کے ان علماء کو شامل ہے جو اپنی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اور آپ کی تشریف آوری کی بشارتیں پاتے جیسا کہ فرمان ہے: وَرَحۡمَتِىۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ (الاعراف:157-156) "اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں"، اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ (الشعراء:197) "کیا نہیں تھی ان (مشرکین مکہ) کے لئے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء"۔ اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں جو اس بات پر روشنی ڈالتی ہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اپنی کتابوں کے ذریعے اس چیز کا علم تھا۔

حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی جلیل القدر کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے علماء یہود سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل کی مسجد میں جا کر عید مناؤں، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ لوگ حج سے لوٹے تو ان کی منیٰ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور لوگ آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: "(کیا) تم عبداللہ بن سلام ہو؟" کہنے لگے: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قریب آجاؤ" کہتے ہیں کہ میں قریب ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہ بن سلام! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف بیان کریں۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... الخ"۔ حضرت ابن سلام کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ سورت ہمیں سنائی۔ اسی وقت میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضرت ابن سلام مدینہ لوٹ گئے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ بیان کرتے ہیں کہ میں کھجور پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا، آپ ﷺ کی تشریف کی خبر سن کر میں فوراً کھجور سے نیچے کود گیا۔ میری ماں کہنے لگیں کہ اللہ تمہارا بھلا کرے! اگر موسیٰ بن عمران بھی آجاتے تو تم اس طرح درخت سے نہ کودتے۔ میں نے کہا مجھے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کی بعثت سے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی زیادہ ہے (2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 178　　2۔ دلائل النبوۃ از ابونعیم اصفہانی: 300

سورۂ ابراہیم (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِۙ ۝ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ۝ الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ۝

"الف۔ لام۔ را۔ یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تا کہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم) کی تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان) کی طرف۔ ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف۔ وہی اللہ جس کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بربادی ہے کفار کے لئے سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر اور (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں راہ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دیں۔ یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں"۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم کی صورت میں ایک عظیم کتاب نازل کی ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل پیغمبر پر روئے زمین کے تمام عربی عجمی لوگوں کے لئے اتاری ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر رشد و ہدایت کے نور کی طرف گامزن کریں، ایک اور آیت میں فرمایا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (البقرۃ:257) "اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف"، هُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ (الحدید:9) "وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تا کہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف"، فرمایا: بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ..... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے صرف اس شخص کو ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کے لئے ہدایت مقدر کی جا چکی ہو۔ ایسے شخص کو ایسے رستے کی طرف ہدایت نصیب ہوتی ہے جو عزیز اور حمید ذات کا رستہ ہے۔ وہ ہر ایک پر غالب ہے اور اپنے تمام افعال، اقوال، شریعت، اوامر اور نواہی میں قابل ستائش ہے۔ لفظ جلالت "اللہ" کو جملہ مستانفہ ہونے کی صورت میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اور ماقبل کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور بھی پڑھا گیا ہے۔ جیسا کہ اس

آیت میں ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الاعراف: 158) ''آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی''۔ فرمایا کہ مخالفت اور تکذیب کے سبب کفار کے لئے قیامت کے دن عذاب شدید کے باعث ہلاکت ہے۔ یہ ایسے نابکار ہیں جو آخرت پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دنیا کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں اور اسی کے لئے اعمال بجالاتے ہیں لیکن آخرت کو فراموش کر کے اسے انہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے، اسی پر ہی بس نہیں بلکہ وہ لوگوں کو بھی اتباع رسل اور راہ خدا سے روکتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ اللہ کا رستہ ٹیڑھا ہو جائے حالانکہ یہ مستقیم اور سیدھا ہے، مخالفین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ یہ اپنی اس خواہش میں جہالت اور حق سے بہت دور گمراہی کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اس حالت میں ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لئے (احکام الٰہی کو) پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب، بہت دانا ہے''۔

مخلوق پر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ وہ ان کی زبانوں میں ہی اپنے رسول مبعوث فرماتا ہے تاکہ لوگ ان کے پیغام کو سمجھ سکیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں مبعوث فرمایا'' (1)۔ فرمایا: فَيُضِلُّ اللّٰهُ...... یعنی بیان اور حجت کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت سے گمراہ کر دے اور جسے چاہے حق کی طرف ہدایت نصیب کر دے۔ وہ عزیز ہے، جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوسکتا اور وہ اپنے افعال میں حکیم بھی ہے، اس لئے وہ اسے ہی گمراہ کرتا ہے جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اور اس شخص کو ہی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے ہر نبی کو اس کی امت کی زبان میں مبعوث فرمایا۔ ہر نبی کا پیغام صرف اس کی اپنی امت تک ہی محدود تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کی رسالت تمام لوگوں کے لئے عمومی اور عالمی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: مجھے ایک ماہ کی مسافت پر رعب کے ذریعے مدد دی گئی، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا، غنائم کو میرے لئے حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہ تھیں، مجھے شفاعت سے نوازا گیا اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا'' (2)۔ اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) ''آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 158

2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ آل عمران: 151

''اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ (اور انہیں حکم دیا) کہ نکالو اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے نور (ہدایت) کی طرف۔ اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں، اسی طرح ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف اپنی نشانیاں دیکر بھیجا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نو نشانیاں تھیں(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ جہالت اور گمراہی کے گھپ اندھیروں سے نکال کر انہیں نور ہدایت اور بصیرت ایمان کی طرف لے جائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلائیں کہ اس نے انہیں فرعون کے ظلم وستم، قہر وغضب اور قید وبند سے رہائی دلوائی، سرکش دشمن سے نجات دی، سمندر ان کے لئے پایاب کیا، ان پر بادلوں کا سایہ کیا، من وسلویٰ نازل کیا اور اس طرح کے دیگر انعامات سے نوازا۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ کا یہ قول ہے۔ اس میں ایک حدیث مرفوع وارد ہوئی ہے جس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ''ایام اللہ'' کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے(2)۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ...... یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے رہائی دلا کر اور رسوا کن عذاب سے نجات دلاتے کہ بنی اسرائیل پر جو احسان فرمایا، اس میں ہر اس شخص کے لئے عبرت ہے جو تکلیف پر صبر کرتا ہے اور راحت کے وقت شکر، جیسا کہ قتادہ کہتے ہیں کہ بہترین بندہ وہ ہے کہ جب وہ آزمائش میں گرفتار ہو تو صبر کرتا ہے اور جب اسے نعمتیں عطا کی جائیں تو شکر ادا کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا تمام کا تمام معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ جو بھی اس کے لئے فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لئے موجب خیر ہوتا ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے راحت ملے تو شکر ادا کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے سبب خیر ہے''(3)۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟ۧ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

''اور جب فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (واحسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کردوں گا اور اگر تم نے ناشکری

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 182　　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 122　　3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2295

کی (تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔ نیز (یہ بھی) فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعونیوں اور ان کے ذلت آمیز عذاب سے نجات دی جب وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیا کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس عذاب سے بچا کر عظیم انعام فرمایا، اسی لئے فرمایا: وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر اتنا بڑا انعام ہے کہ تم اس کا شکر بجالانے سے عاجز ہو۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ فرعون تمہارے ساتھ جو سلوک کیا کرتا تھا، اس میں تمہارے لئے بہت بڑی آزمائش تھی، بہرصورت دونوں معانی مراد لئے جاسکتے ہیں، اسی طرح فرمایا: وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاعراف:168) "اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں"۔

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ...... یعنی جب تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کے متعلق تمہیں آگاہ کیا اور اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ جب تمہارے رب نے اپنی عزت، کبریائی اور جلال کی قسم اٹھائی جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ...... (الاعراف:167) "اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک......"۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں ان میں ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی، انہیں چھپایا اور ان کا انکار کیا تو میں ان نعمتوں کو سلب کر کے تمہیں سخت عذاب سے دوچار کر دوں گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے بندہ کو رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے"(1)۔ ایک سائل نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نے اسے ایک کھجور عطا فرمائی، وہ بڑا ناراض ہوا اور اسے قبول نہ کیا۔ پھر ایک اور سائل آپ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نے وہی کھجور اسے عطا فرمائی تو اس نے فوراً قبول کر لی اور کہنے لگا کہ یہ کھجور رسول اللہ ﷺ کی عطاء ہے، آپ ﷺ نے اسے چالیس درہم دینے کا حکم دیا(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سائل آیا، آپ ﷺ نے اسے ایک کھجور دینے کا حکم دیا لیکن اس نے وہ نہ لی۔ ایک اور سائل آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اسے بھی ایک کھجور دینے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: سبحان اللہ! رسول خدا ﷺ کی طرف سے کھجور (کیا ہی خوب عطا ہے)۔ آپ ﷺ نے لونڈی سے فرمایا: "ام سلمہ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس پڑے ہوئے چالیس درہم اسے دلوا دو"(4)۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا...... یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم بلکہ روئے زمین کے تمام لوگ بھی کفر کرنے لگیں تو کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے شکر سے بے نیاز ہے اور ہر حالت میں قابل ستائش ہے جیسا کہ فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ (الزمر:7) "اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں"، فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (التغابن:6) "پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ متقی دل کے حامل شخص کی طرح ہو جائیں تو بھی میرے ملک میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کرسکیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334　　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 154　　3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 155

گے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول آخر جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ فاجر دل والے شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں کر سکتے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مطلوبہ چیز دے دوں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی مگر اس طرح جیسے سوئی کو سمندر میں ڈالنے سے کمی واقع ہوتی ہے''(1)۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛ۬ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝۹

''کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود۔ اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں پس انہوں نے (از راہ تمسخر) ڈال لئے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں اور (بڑی بیباکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں جو تذبذب میں ڈالنے والا ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ کا اختتام ہو رہا ہے(2)۔ آپ نے اپنی قوم کو انعامات خداوندی یاد دلانے کے بعد ان قوموں کے انجام سے پردہ اٹھایا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، لیکن ابن جریر کا یہ قول محل نظر ہے۔ ظاہر بات یہی ہے کہ یہاں سے نئی کلام کا آغاز ہو رہا ہے اور خطاب اس امت کو ہے کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ عاد اور ثمود کے قصے تورات میں موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر اس آیت کا تعلق کلام موسیٰ علیہ السلام سے ہوتا تو یہ دونوں قصے ضرور تورات میں موجود ہوتے۔ بہرصورت اللہ تعالیٰ ہمیں قوم نوح، عاد، ثمود اور دیگر قوموں کے قصے سنا رہا ہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ یہ رسول جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اپنی قوموں کے پاس قطعی اور واضح دلائل و معجزات لے کر تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ کے متعلق فرماتے ہیں کہ نسب بیان کرنے والے غلط گو ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان کے بعد کا نسب نامہ صحیح طور پر کوئی بھی نہیں جانتا۔

فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب رسولوں نے انہیں دعوت توحید دی تو انہوں نے ان رسولوں کے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے انہیں خاموش رہنے کے لئے کہا۔ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے تکذیب کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ رسولوں کے جواب میں انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔ مجاہد، قتادہ اور محمد بن کعب اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اپنے مونہوں کے ساتھ ان کی بات کو ان پر لوٹا دیا۔ ابن جریر اس کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ یہاں ''فِیْ''، ''باء'' کے معنی میں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں جس طرح عرب کہتے ہیں: اَدْخَلَكَ اللّٰهُ بِالْجَنَّةِ یَعْنِیْ فِی الْجَنَّةِ ''اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے''(3)۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے بعد والی کلام وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا...... ''اس کلام ''فَرَدُّوْۤا ...... کی تفسیر ہے۔ حضرت عبداللہ اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غصے کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1994-1995
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 187
3۔ معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 70، تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 189

باعث اپنی انگلیاں منہ میں لے کر چبا ڈالیں (1)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اس قول کو پسند کیا ہے اور بقول ابن جریر اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران: 119) ''اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے''۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے کلام الٰہی سنا تو بڑے تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ کر کہنے لگے: اِنَّا كَفَرْنَا...... یعنی ہم تمہاری رسالت کا انکار کرتے ہیں اور تمہارے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ ہمیں اس میں بہت زیادہ شک ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

''ان کے پیغمبروں نے پوچھا کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ جو (اتنا کریم ہے کہ) بلاتا ہے تمہیں تاکہ بخش دے تمہارے گناہ اور جو (اتنا مہربان کہ پیہم نافرمانی کے باوجود) تمہیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک۔ ان (نادانوں نے) جواب دیا نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح۔ تم یہ چاہتے کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔ کہا انہیں ان کے رسولوں نے کہ ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل بجز اذن خداوندی اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور ہم کیوں نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے تمہاری اذیت رسانیوں پر۔ پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیئے توکل کرنے والوں کو''۔

کفار اور پیغمبروں کے درمیان ہونے والی بحث کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ان امتوں نے جب رسولوں کی نبوت و رسالت، دعوت توحید اور عبادت الٰہی کے پیغام میں شک و شبہ کا اظہار کیا تو پیغمبر انہیں کہنے لگے: اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ اس میں دو معانی کا احتمال ہے:

1۔ کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک ہے حالانکہ فطرت اس کے وجود پر شاہد ہے اور اس کے وجود کا اقرار انسانی جبلت میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس لئے فطرت سلیمہ تو اس کے وجود کی معترف ہے لیکن بعض اوقات فطرت سلیمہ کو بھی شک اور اضطراب لاحق ہو جاتا ہے جس کے باعث اسے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی موجودیت کے یقین تک پہنچا دے، اسی لئے پیغمبروں نے معرفت الٰہی کے رستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونے کے زمین و آسمان کی تخلیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 188

کی کیونکہ حدوث، تخلیق اور تسخیر کے شواہد اور علامات ان پر ظاہر ہیں تو لازمی بات ہے کہ ان (زمین و آسمان) کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور معبود ہے۔

2۔ کیا اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور صرف اس کے مستحق عبادت ہونے میں شک ہے حالانکہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے اور عبادت کا مستحق بھی صرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اکثر قومیں اللہ تعالیٰ کے خالق اور صانع ہونے کا اقرار تو کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت بھی کیا کرتی تھیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے شرکاء انہیں نفع پہنچاتے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ چنانچہ رسولوں نے انہیں کہا: يَدْعُوكُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں بلاتا ہے تاکہ آخرت میں وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور دنیا میں تمہیں ایک مقررہ میعاد تک مہلت دے جیسا کہ فرمایا: وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (ہود: 1) ''اور یہ کہ مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل) سے متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کرے گا تمہیں زندگی کی راحتوں سے اچھی طرح مقرر میعاد تک اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب)''۔ وہ قومیں پیغمبروں کے مقام اول کو تسلیم کر لینے کی تقدیر کے بعد ان کے مقام رسالت میں جھگڑا کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ ہم صرف تمہارے کہنے پر کیسے تمہاری پیروی کریں حالانکہ ہم نے ابھی تک کوئی معجزہ نہیں دیکھا اس لئے کوئی ایسا معجزہ دکھائیں جو ہم تجویز کریں۔ پیغمبر انہیں کہنے لگے کہ یہ بات درست ہے کہ ہم بشر ہیں اور ہماری بشریت بظاہر تمہاری بشریت جیسی ہے لیکن یہ تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور ہمارے یہ بس میں نہیں کہ تمہارے مطالبے پر بغیر اذن الٰہی کوئی دلیل اور معجزہ لے آئیں اور اہل ایمان کو تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ پھر پیغمبروں نے کہا: وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ...... یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے سے کونسی چیز ہمیں مانع ہے حالانکہ اس نے فلاح و بہبود کے رستوں کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ ہم ضرور تمہاری ایذاء رسانیوں پر صبر کریں گے اور اہل توکل کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

''اور کہا کفار نے اپنے رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو۔ نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے۔ اور رسولوں نے حق کی فتح کے لئے التجا کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق۔ اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی۔ وہ بمشکل ایک ایک

گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں۔ (علاوہ ازیں) اس کے پیچھے ایک اور سخت عذاب ہوگا''۔

کفار نے اپنے رسولوں کو جلاوطن اور ملک بدر کر دینے کی دھمکیاں دیں جیسا کہ قوم شعیب علیہ السلام نے آپ اور آپ کی قوم سے کہا: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ (الاعراف:88) ''ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے''، قوم لوط نے کہا: اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ (النمل:56) ''نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے''، اور مشرکین قریش کے متعلق فرمایا: وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:76) ''اور انہوں نے ارادہ کرلیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ''۔ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:30) ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، اپنے رسول کو فتح و نصرت سے نوازا اور ہجرت کے بعد آپ کو ایسے جانثار اور مخلص ساتھی عطا کر دیئے جو راہ خدا میں جہاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ بتدریج آپ کو ترقی کی منازل طے کراتا رہا یہاں تک کہ آپ نے بالآخر اس مکہ کو فتح کر لیا جہاں سے آپ کو ہجرت کرنا پڑی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار سے سرفراز فرمایا اور روئے زمین کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے آپ ﷺ کے سامنے مغلوب کر دیا یہاں تک کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر مدت میں اپنے کلمے کو بلند کر دیا اور دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا، اس لئے فرمایا: فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ...... مِنْۢ بَعْدِهِمْ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات:173-171) ''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے''، كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلۃ:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''، وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''، قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف:128) ''فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے (مخصوص) ہے''، وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (الاعراف:137) ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے

صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے"۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ..... یعنی یہ وعدہ اس شخص کے لئے ہے جو قیامت کے دن میرے روبرو کھڑا ہونے سے لرزاں وترساں رہتا ہے اور میری وعید اور عذاب سے ڈرتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰى (النازعات: 39-37) "پس جس نے سرکشی کی ہوگی۔ اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا"۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞ (الرحمن: 46) "اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے"، اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَاسْتَفْتَحُوْا" کے متعلق حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے اپنی قوموں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ان امتوں نے اپنے لئے عذاب کی خواہش کی جیسا کہ مشرکین نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (الانفال: 32) "اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب"۔ ممکن ہے کہ یہ بھی اور وہ بھی مراد ہو جس طرح مشرکین نے بدر والے دن عذاب کی خواہش کی اور رسول اللہ ﷺ نے فتح ونصرت کے لئے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے فرمایا: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ (الانفال: 19) "(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے"، فرمایا: وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ یعنی ہر جابر، سرکش اور منکر حق نامراد ہوا جیسا کہ فرمان ہے: اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ (ق: 26-24) "جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو۔ جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا۔ جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا، وہ مخلوقات کو ندا دے گی اور کہے گی کہ مجھے ہر سرکش اور منکر حق کے لئے مقرر کیا گیا ہے" (1)۔ جب انبیائے کرام نے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی تو ہر سرکش منکر حق نامراد ہو گیا۔ آیت کریمہ میں "وَرَآئِهٖ" کا لفظ "امام" (آگے سامنے) کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا (الکہف: 79) "اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں "وَكَانَ اَمَامَهُمْ" ہے۔ یعنی ہر جابر سرکش کے سامنے جہنم اس کی تاک میں ہوگا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا لیکن قیامت تک بھی اسے صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا (2)۔ جہنم میں پینے کے لئے خون اور پیپ ملا کھولتا ہوا گرم پانی اسے دیا جائے گا۔ ایک پانی انتہائی گرم اور دوسرا انتہائی ٹھنڈا اور بدبودار جیسا کہ فرمایا: فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۙ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (ص: 58-57) "یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب"، مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں کہ "صَدِیْدٍ" پیپ اور خون کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "صَدِیْدٍ" وہ ہے جو جہنمیوں کے گوشت اور کھالوں سے بہے گی۔ ایک اور روایت میں آپ بیان کرتے ہیں کہ یہ کافر کے پیٹ سے خارج ہوگی جس میں پیپ اور خون ملا ہوا ہوگا۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! "طِیْنَةُ الْخَبَالِ" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں کی پیپ" ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے اس کا معنی بیان کیا ہے: "دوزخیوں سے نچڑی ہوئی

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 11 صفحہ 45-44 2۔ روح المعانی، جلد 16 صفحہ 9

چیز'' (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ يَّتَجَرَّعُهٗ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے (پیپ کو) اس کے قریب لایا جائے گا تو وہ اس سے کراہت محسوس کرے گا۔ جب اسے اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی۔ جب وہ اسے پیئے گا تو اس کی انتڑیاں کٹ کٹ کر دُبر سے خارج ہوں گی'' (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: 15) ''اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو''، وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ (الکہف: 29) ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائیں گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو''۔ فرمایا: ''يَّتَجَرَّعُهٗ'' یعنی وہ بمشکل اور بادل نخواستہ اس کا ایک گھونٹ لے گا، لیکن پینے کو جی نہیں چاہے گا تو فرشتے لوہے کے گرز سے پیٹتے ہوئے اسے زبردستی پلائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (الحج: 21) ''اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے''۔ اور یہ پانی اتنا کڑوا، بدبودار، بدذائقہ، بدرنگ اور انتہائی گرم یا انتہائی ٹھنڈا ہوگا کہ اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا اور موت اسے ہر سمت سے آتی دکھائی دے گی یعنی اس کا تمام بدن اور تمام اعضاء درد اور تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔ عمر بن میمون کہتے ہیں کہ اس کی ہڈی ہڈی، جوڑ جوڑ اور رگ رگ اور بقول عکرمہ اس کے بال بھی عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ابن جریر اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے آگے پیچھے سے، دائیں بائیں سے اور اوپر نیچے سے بلکہ تمام اعضائے جسم سے موت آئے گی۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب کی انواع ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو دوچار کرے گا، ہر نوع موت کے مترادف ہوگی لیکن ان کی خواہش کے باوجود بھی انہیں موت نہیں آئے گی کیونکہ فرمان خداوندی ہے: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر: 36) ''نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ہر نوع اس بات کا تقاضا کرے گی کہ وہ مرجائے لیکن اسے موت نہیں آئے گی کیونکہ اسے ہمیشہ دائمی اور عبرتناک عذاب میں رہنا ہے، اسی لئے فرمایا: وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ پھر آخر میں فرمایا: وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ یعنی اس تکلیف دہ اور سنگین حالت کے بعد ایک اور سخت دردناک اور غلیظ عذاب ہوگا جو پہلے عذاب سے بھی زیادہ شدید، تباہ کن اور تلخ ہوگا۔ یہ اسی طرح ہوگا جیسا کہ درخت زقوم کے متعلق فرمایا: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (الصافات: 68-64) ''یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف''۔ بتادیا کہ کبھی انہیں ''زقوم'' (کانٹے دار سخت کڑوا درخت) کھانا ہوگا، کبھی کھولتا ہوا گرم پانی پینا ہوگا اور کبھی جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں غوطے کھانا ہوں گے، فرمایا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ (الرحمن: 43-44) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 1587، سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 327

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 265، تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 195-196

ہوگا''، اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (الدخان:50-43)'' بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی خوراک ہوگا۔ پگھلے تانبے کی مانند۔ پیٹوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔(حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑلو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں۔ پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے''، وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (الواقعہ:44-41)'' اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ''، هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ (ص:58-55)'' یہ (تو پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہوگا (یعنی) جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں۔ تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انہیں انواع و اقسام کے عذاب دیئے جائیں گے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور یہ ان کے برے اعمال کی پوری پوری سزا ہوگی اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی سخت آندھی کے دن۔ نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کمائے تھے کوئی فائدہ۔ یہ (اعمال کا اکارت جانا ہی) بہت بڑی گمراہی ہے''۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے کفار کے اعمال کی مثال بیان کی جا رہی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غلط اور کمزور بنیاد پر اپنے اعمال کی عمارت کھڑی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سخت ضرورت کے وقت ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کا ثواب طلب کریں گے کیونکہ وہ تو ان اعمال سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اعمال ان کے کام آئیں گے لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا اور وہ کچھ بھی نہ حاصل کر سکے۔ سو ان کے اعمال کی مثال یوں ہے جیسے راکھ کا ڈھیر ہو جسے سخت آندھی والے دن تند و تیز ہوائیں اڑا لے جائیں۔ جس طرح ایسی راکھ کو جمع کرنا ناممکن ہے اسی طرح ان کفار کو ان کے دنیاوی اعمال کا اجر و ثواب ملنا محال ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:23)'' اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے''، مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ (آل عمران:117)'' مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں''، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:264) ''اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر۔ (ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو''۔ اس آیت میں فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یعنی ان کی سعی لا حاصل ہے اور ان کے اعمال اساس محکم اور استقامت سے خالی ہیں، اس لئے ضرورت پڑنے پر بھی ان سے ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

''کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں''۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار فرما رہا ہے، کیا وہ ذات جس نے انسان سے بڑے بڑے زمین و آسمان پیدا کئے، آسمانوں کو اس قدر وسعت، عظمت اور رفعت بخشی اور انہیں چاند، سورج، ستاروں اور دیگر آیات کے ساتھ آراستہ کیا۔ زمین کو بچھونا بنا دیا اور اس میں پہاڑ، صحراء، جنگل، چٹیل میدان، سمندر، نباتات اور انواع و اقسام کے جاندار پیدا کئے، کیا ایسی قدرت کی مالک ذات چھوٹے سے انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہے، فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الاحقاف:33) ''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین:83-77) ''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب

سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ..... یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور کوئی نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر نہ مشکل ہے اور نہ کوئی بڑی بات ہے بلکہ اس کے لئے نہایت ہی آسان ہے جیسا کہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (فاطر: 17-15) "اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراپا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں"۔ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد: 37) "اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المائدۃ: 54) "اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے"، اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا (النساء: 133) "اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝21

"اور (روز حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے (سب چھوٹے بڑے) حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیروکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے فرمانبردار رہے پس کیا (آج) تم ہمیں بچا سکتے ہو عذاب الٰہی سے وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔ یکساں ہے ہمارے لئے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے لئے (آج) کوئی راہ فرار نہیں ہے"۔

نیک و بد تمام مخلوق ایک وسیع میدان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہو گی، وہاں ماتحت اور پیروی کرنے والے کمزور لوگ اپنے ان قائدین، زعماء اور سرداروں سے کہیں گے جنہوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور رسولوں کی موافقت سے تکبر کئے رکھا کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع اور فرمانبردار تھے۔ جو تم نے حکم دیا، ہم اسے بجالائے۔ کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ جس طرح تم ہمارے ساتھ وعدے کرتے تھے، آرزوئیں دلاتے تھے اور سہانے سپنے دکھاتے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے ٹال دو۔ وہ قائدین اور سردار کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری صحیح رہنمائی کرتے لیکن ہم تو خود مصیبت کا شکار ہیں، ہم میں تقدیر الٰہی نافذ ہو چکی ہے اور عذاب ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ ہم گھبراہٹ کا اظہار کریں یا صبر کریں، دونوں چیزیں یکساں ہیں اب اس سنگین صورت حال اور عذاب سے چھٹکارے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی ہمارے لئے کوئی راہ فرار ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ دوزخی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ جنتیوں نے بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری، عجز و نیاز اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے کے طفیل جنت حاصل کر لی۔ آؤ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و بکا کریں اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ چنانچہ وہ گریہ وزاری اور عجز و نیاز کا اظہار کریں گے لیکن جب یہ حیلہ کارگر ثابت نہیں ہو گا تو

کہیں گے کہ اہل جنت نے صبر کے باعث جنت پالی، آؤ صبر کریں چنانچہ وہ ایسا صبر کریں گے کہ ایسا صبر کبھی نہیں دیکھا گیا لیکن یہ صبر بھی ان کے کچھ کام نہیں آئے گا اس وقت وہ کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا(1)۔ میں کہتا ہوں: ظاہر بات یہ ہے کہ ان کا یہ مکالمہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ فرمایا: وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ (المومن: 48-47)'' اور (کتنا ہوشربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق''، قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (الاعراف: 39-38)'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ) جب بھی داخل ہوگی کوئی امت تو وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب امتیں۔ تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے متعلق اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی امتیں پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے''، رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا (الاحزاب: 68-67)'' اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت''۔ میدان حشر میں ان کے جھگڑے کو یوں بیان فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ اِۨلْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سبا: 33-31)'' کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 199-200

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

”اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے۔ ان کی دعا وہاں ایک دوسرے کو یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو“۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا، مومنین جنت میں اور کفار جہنم میں چلے جائیں گے تو ابلیس ملعون دوزخیوں کے غم واندوہ اور حسرت وملال میں مزید اضافہ کرتے ہوئے انہیں کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کی اتباع میں ہی دارین کی سلامتی اور نجات مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ حق اور یہ خبر سچ تھی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے بھی تمہارے ساتھ وعدہ کیا لیکن وعدہ خلافی کی جیسا کہ فرمایا: يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء:120) ”شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا“، پھر کہے گا: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ یعنی جو دعوت میں نے تمہیں دی اور جو وعدہ تم سے کیا، اس کی میرے پاس کوئی دلیل اور حجت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا حالانکہ انبیاء ورسل نے اپنی نبوت ورسالت کی صداقت پر صحیح دلائل پیش کر دیئے تھے لیکن تم نے ان کی مخالفت کی، اسی لئے تمہیں آج یہ روز بد دیکھنا پڑا اور اس برے انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ میری اتباع کرنے اور صرف میرے کہنے پر انبیاء ورسل کے دلائل وبراہین کی مخالفت کرنے میں گناہ اور قصور تمہارا اپنا ہے، اس لئے میں تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا، نہ تمہیں اس عذاب سے بچا سکتا ہوں اور نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہوں۔ تمہاری بھی یہی کیفیت ہے، تم بھی میری طرح بے بس ہو، تم بھی میری فریاد رسی نہیں کر سکتے اور نہ تم مجھے اس عبرتناک عذاب سے نجات دلا سکتے ہو، اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس سبب سے انکار کیا(1)۔ اس سے پہلے جو تم مجھے شریک ٹھہراتے تھے۔ ابن جریر اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بننے سے انکار کیا، یہی قول راجح ہے جیسا کہ فرمایا: وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 200

مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82) ''ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ فرمایا: اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ یعنی حق سے اعراض کرنے اور باطل کی اتباع کرنے کے سبب ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ابلیس کا اپنے پیروکاروں کے ساتھ یہ مکالمہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور ان کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا تو اہل ایمان کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے، اب کون ہے جو ہمارے لئے شفاعت کرے؟ چنانچہ وہ باری باری حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کے پاس جائیں گے۔ عیسیٰ کہیں گے کہ نبی امی (ﷺ) کی طرف میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ وہ میرے پاس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے حضور کھڑا ہونے کی اجازت دے گا۔ اس وقت میری مجلس سے ایسی عمدہ اور پاکیزہ خوشبو مہکے گی کہ ایسی خوشبو کبھی کسی نے نہ سونگھی ہوگی، یہاں تک کہ میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گا۔ وہ مجھے شفاعت کا اختیار دے گا اور سر کے بالوں سے لے کر قدموں کے ناخنوں تک وہ مجھے سراپا نور بنا دے گا۔ پھر کافر کہیں گے کہ اہل ایمان نے تو شافع (محشر) پالیا، اب ہماری شفاعت کون کرے گا؟ یہ سفارشی ابلیس ہی ہو سکتا ہے، اس نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ مومنین نے تو اپنے لئے سفارشی پالیا، تم اٹھو اور ہماری سفارش کرو کیونکہ تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ وہ لعین اٹھے گا تو اس کی مجلس سے سخت بدبو برآمد ہوگی کہ ایسی بدبو کسی نے نہ سونگھی ہوگی۔ اس وقت جہنمی شدت سے آہ و بکا اور گریہ وزاری کریں گے، وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ...... محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب دوزخی کہیں گے: ''سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ...... '' تو ابلیس انہیں کہے گا: ''اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ...... جب وہ ابلیس کی یہ بات سنیں گے تو اپنی جانوں سے بھی بیزار ہو جائیں گے، اس وقت انہیں ندا دی جائے گی: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ (المومن:10) ''اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے''، عامر شعبی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے دو خطیب کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدۃ:119-116) ''کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا...... فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ''، اور ابلیس کھڑا ہو کر کہے گا: مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ...... بدبختوں کے رسوا کن انجام، عبرتناک عذاب اور ابلیس کے ساتھ ان کا مکالمہ ذکر کرنے کے بعد سعادت مندوں کے اچھے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... یعنی یہ سعادت مند ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جنت میں ان کے لئے دعا یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو جیسا کہ فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الزمر:73) ''حتی کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت

کے محافظ تم پر سلام ہو"، وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:23) " اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر"، وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا (الفرقان:75) " اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے"، دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:10) " (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ " سلامتی ہو" اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو"۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

" کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی مانندہ ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ (انہیں) خوب ذہن نشین کرلیں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو۔ جسے اکھاڑ لیا جائے زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ بھی قرار نہ ہو"۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے، شجرہ طیبہ سے مراد مومن، "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" سے مراد قلب مومن میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا راسخ ہونا اور فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ سے مراد مومن کے اعمال کا آسمان کی طرف بلند ہونا ہے(1)۔ ضحاک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کا یہی کہنا ہے کہ یہ مومن کے قلب طیب اور عمل صالح سے عبارت ہے اور مومن کھجور کے درخت کی طرح ہے، صبح وشام ہر گھڑی اور ہر وقت اس کا عمل صالح بلند ہوتا رہتا ہے۔ حضرات ابن مسعود اور انس رضی اللہ عنہما بھی کہتے ہیں کہ یہاں کھجور کا درخت مراد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں کا خوشہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس آیت مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً...... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: " مجھے بتاؤ کہ کونسا درخت مسلمان کے مشابہ ہے جس کے پتے نہ موسم گرما میں جھڑتے ہیں اور نہ موسم سرما میں اور یہ اپنے رب کے حکم سے ہر گھڑی اپنا پھل دیتا ہے؟" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن جب میں نے دیکھا کہ حضرات ابوبکر اور عمر بھی گفتگو نہیں کررہے، بالکل خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں تو میں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ جب صحابہ کرام نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: " یہ کھجور کا درخت ہے"۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو میں نے اپنے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابا جان! اللہ کی قسم، میرے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے فرمانے لگے کہ پھر گفتگو کرنے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 203
2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 11 صفحہ 285 تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 204-205

جواب دینے سے کونسی چیز مانع تھی؟ میں نے عرض کی کہ جب میں نے آپ لوگوں کو سکوت اختیار کئے ہوئے دیکھا تو مجھے گفتگو کرنا مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم جواب دے دیتے تو یہ مجھے فلاں فلاں چیز سے بھی زیادہ محبوب تھا'' (1)۔ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ شریف تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا لیکن میں نے آپ کو صرف ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس درخت خرما کا گوندلایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کی مثال مرد مسلمان جیسی ہے'' میں نے کہنا چاہا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجلس میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث خاموش رہا۔ حضور ﷺ نے خود ہی فرمایا: ''یہ کھجور کا درخت ہے'' (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، وہ مومن کی طرح ہے۔'' حاضرین کے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کوئی جنگلی درخت ہوگا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن حیا کے باعث خاموش رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خود ہی بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے (3)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! مالدار لوگ اجر و ثواب لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو بتاؤ اگر کوئی آدمی دنیا کا مال و متاع لے کر اوپر نیچے جوڑ دے تو کیا وہ آسمان تک پہنچ جائے گا؟ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جس کی جڑیں زمین میں ہیں اور جس کی شاخیں آسمان میں؟'' (4)۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نماز کے بعد دس مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا۔ اس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان میں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شجرہ طیبہ سے مراد جنت کا ایک درخت ہے۔ تُؤْتِيٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ کا مطلب یہ ہے کہ وہ درخت بقول بعض صبح و شام اپنا پھل لاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہر ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر دو ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر چھ ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر سات ماہ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ہر سال پھل دیتا ہے۔ ظاہر بات یہی ہے کہ مومن کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جو دن رات گرمی سردی میں ہر وقت پھلدار رہتا ہے، اسی طرح دن رات میں ہر گھڑی اور ہر وقت مومن کے اعمال صالحہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت عمدہ، طیب، مبارک، خوش ذائقہ، خوش رنگ اور کثیر پھل لاتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ...... یہاں کافر کی مثال بیان کی جارہی ہے۔ اس کی مثال اندرائن جیسے درخت کی ہے جس کی نہ جڑیں ہیں اور نہ اسے زمین پر قرار حاصل ہے۔ ایک موقوف روایت میں آتا ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت اور شجرہ خبیثہ سے مراد اندرائن ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بھی اس سے مراد حنظل (اندرائن) بتایا گیا ہے (5)۔ یہ ایسا خبیث اور بے برکت درخت ہے جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھیڑ لیا گیا، جڑ کے نہ ہونے کے باعث اسے نہ ثبات حاصل ہے اور نہ قرار۔ اسی طرح کفر ہے، اس کی نہ جڑیں ہوتی ہیں اور نہ شاخیں اور کافر کا عمل نہ اوپر بلند ہوتا ہے اور نہ یہ قبولیت حاصل کرتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 6، صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2165 وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2165 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 28، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2164-2165

4۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 22

5۔ مسند ابی یعلی، جلد 7، صفحہ 182-183

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو۔ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قبر میں مسلمان سے سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہی مراد اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ...... سے ہے''(1)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی انصاری کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے نکلے۔ قبرستان پہنچے لیکن قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد (یوں خاموشی سے) بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا: ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو'' پھر فرمایا: ''جب بندۂ مومن دنیا سے آخرت کی طرف رخت سفر باندھتا ہے تو اس کے پاس سورج جیسے نورانی چہروں والے فرشتے اترتے ہیں، ان کے پاس جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے یہاں تک کہ تاحد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کی طرف نکل، تو وہ روح اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی ٹپکتا ہے، جب وہ روح کو قبض کر لیتا ہے تو فرشتے پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کے پاس نہیں رہنے دیتے بلکہ فوراً اس روح کو لے لیتے ہیں، اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں، اس سے کستوری سے بھی زیادہ عمدہ خوشبو برآمد ہوتی ہے۔ ملائکہ اسے لے کر اوپر آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور جن فرشتوں کے پاس سے بھی وہ گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے بتلاتے ہیں: فلاں بن فلاں اور اس کا وہ پسندیدہ نام بتاتے ہیں جس کے ساتھ اسے دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، دروازہ کھلواتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وہاں کے فرشتے اسے اگلے آسمان تک الوداع کرنے کے لئے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب اسے لے کر ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کی کتاب (نامہ اعمال) علیین میں ثبت کر دو اور اسے زمین پر لوٹا دو کیونکہ میں نے زمین سے ہی بندوں کو پیدا کیا ہے، اس میں انہیں لوٹاتا ہوں اور اسی سے ایک مرتبہ پھر نکالوں گا۔ چنانچہ اس مرد مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ جواب ملتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ یہ کونسی شخصیت ہے جسے تمہارے اندر مبعوث کیا گیا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اس وقت ایک منادی کرنے والا آسمان سے ندا دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لئے جنتی فرش بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی روح پرور ہوائیں اور عمدہ خوشبوئیں اس تک پہنچنے لگتی ہیں، تاحد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور ایک خوبصورت، خوش لباس اور عمدہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 6 صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 4 صفحہ 220

خوشبو والا شخص اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں ان راحتوں کی خوشخبری ہو۔ یہ وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔ بندہ مومن اس سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بھلائی کا پیامبر ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں تو وہ (بندہ مومن) کہے گا کہ اے پروردگار! ابھی قیامت قائم کردے، بالکل ابھی، تاکہ میں اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کی طرف لوٹ جاؤں۔ جب کافر دنیا سے آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رو فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے پاس سخت ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ تاحد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! غضب الٰہی کی طرف نکل، لیکن وہ اس کافر کے جسم میں بکھر جاتی ہے چنانچہ ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جس طرح تر روئی سے سیخ کو کھینچا جاتا ہے۔ روح قبض کرنے کے بعد فرشتے پلک جھپکنے کی دیر بھی ملک الموت کے پاس نہیں رہنے دیتے، فوراً اچک کر ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں تو اس میں سے مردار سے بھی زیادہ بدبو خارج ہوتی ہے۔ فرشتے اسے لے کر اوپر بلند ہوتے ہیں۔ جن فرشتوں کے پاس سے بھی گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ اس کا سب سے زیادہ قبیح نام لے کر بتایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کی، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں لیکن اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: 40) ''نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہوا اونٹ سوئی کے ناکہ میں)، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب زمین کے نیچے سجین میں لکھ دو، چنانچہ اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: 31) ''اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندنے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں''۔ پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے سو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے! مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے! مجھے نہیں معلوم۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ شخصیت کون ہے جسے تم میں مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں۔ اس وقت آسمان سے ندا آتی ہے کہ یہ بندہ جھوٹا ہے، اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھاؤ اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دوزخ کی جھلسا دینے والی گرم ہوائیں اس تک آتی ہیں اور اس کی قبر کو اس پر اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں اس کے پاس ایک بدصورت، بدلباس اور بدبودار شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں ہر تکلیف دہ چیز کی بشارت ہو۔ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ کافر پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تمہارا چہرہ شر کا حامل ہے۔ وہ جواب میں دیتا ہے کہ میں تمہارا عمل خبیث ہوں تو وہ کہے گا کہ اے پروردگار! قیامت قائم نہ کرنا''(1)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مذکورہ روایت کے علاوہ یہ بھی مروی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''جب بندۂ مومن کی روح نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے درمیان ہر فرشتہ اور آسمان کا ہر فرشتہ اس پر رحمت بھیجتا ہے، آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر دروازے کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح ان سے اور اوپر بلند کی جائے'' اس روایت کے آخر میں آتا ہے: ''بدکار شخص کے لئے قبر میں ایک اندھا گونگا اور بہرہ فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 213، سنن نسائی، کتاب الجنائز مختصراً، جلد 4 صفحہ 78، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287 وغیرہ

اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ اس گرز کی اسے ایک ایسی ضرب مارتا ہے کہ وہ مٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلی حالت میں لوٹاتا ہے اور فرشتہ اسے ایک اور ضرب لگاتا ہے جس کے باعث وہ ایسی دلدوز چیخ مارتا ہے جسے جن وانس کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے'' حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے لئے آگ کا بچھونا تیار کیا جاتا ہے اور دوزخ کا ایک دروازہ بھی اس کی طرف کھول دیا جاتا ہے(1)۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ یہ آیت عذاب قبر کی بھی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب مومن مرتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹنے لگتے ہیں اور وہ ابھی ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تو اس شخصیت کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ مومن تو یہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ دوزخ کا اپنا یہ ٹھکانہ دیکھو جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں ٹھکانہ عطا فرمایا ہے''(3)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسے دونوں ٹھکانے دکھائی دیتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کی قبر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور قیامت تک اسے سبزے سے بھر دیا جاتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کو ان کی قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ جب مومن کو قبر میں اتارا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹ آتے ہیں تو اس کے پاس ایک سخت جھڑکنے والا فرشتہ آتا ہے وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ مومن تو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو فرشتہ اسے کہتا ہے کہ وہ دیکھو، یہ جہنم میں تمہارا ٹھکانا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دے دی ہے اور جو ٹھکانا تمہیں جہنم میں دکھائی دے رہا ہے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ ٹھکانا عطا فرمایا ہے جو جنت میں تمہیں نظر آرہا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں ٹھکانے دیکھ لیتا ہے۔ اس وقت مومن کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو تا کہ میں اپنے اہل وعیال کو یہ خوشخبری سناؤں، اسے کہا جاتا ہے کہ ٹھہرے رہو۔ جہاں تک منافق کا تعلق ہے، جب اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں تو اسے قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخصیت (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ خدا کرے تمہیں معلوم نہ ہی ہو۔ یہ جنت میں تمہارا ٹھکانا تھا جسے تبدیل کر کے تمہیں جہنم میں ٹھکانا دے دیا گیا۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہر بندے کو قبر میں اسی حالت پر اٹھایا جاتا ہے جس پر اسے موت آتی ہے: مومن اپنے ایمان پر اور منافق اپنے نفاق پر''(4)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ جب انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے الگ ہو جاتے ہیں تو ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے بٹھا کر پوچھتا ہے کہ تم اس شخصیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 296-295
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 216
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2201-2200، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 97
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 346

فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے سچ کہا۔ پھر اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتا تو تمہارا یہ ٹھکانہ تھا۔ چونکہ تم مومن تھے اس لئے تمہارا ٹھکانا یہ ہے اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ مومن اس دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ ٹھہرے رہو اور اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے۔ اگر وہ کافر یا منافق تھا تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس شخصیت کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا فرشتہ اسے کہتا ہے کہ خدا کرے نہ تمہیں معلوم ہو اور نہ تو راہ ہدایت پائے۔ پھر اس کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے رب پر ایمان لاتا تو یہ تمہارا ٹھکانا ہوتا۔ چونکہ تو کفر کرتا رہا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں یہ ٹھکانا تمہیں دیا ہے، ساتھ ہی اس کے سامنے جہنم کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر فرشتہ اسے ہتھوڑے کی ضرب لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر زور سے چیخ مارتا ہے کہ سوائے جن و انس کے تمام مخلوق اس کی آواز سن لیتی ہے''۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب آدمی پر فرشتہ ہتھوڑا لئے کھڑا ہوگا تو اس کے حواس کیسے برقرار رہیں گے تو آپ ﷺ نے اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کی تلاوت فرمائی (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے میت کے پاس آتے ہیں۔ اگر وہ نیکوکار ہو تو فرشتے اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں تھی، نکل قابل ستائش حالت میں، تمہیں بشارت ہو راحت و آرام، پھل پھول اور ایسے رب کی جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ اسے مسلسل یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جسم سے نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ایسی روح طیبہ کو خوش آمدید جو جسد طیب میں تھی، قابل ستائش حالت میں اندر داخل ہو جاؤ اور تمہیں خوشخبری ہو راحت و سکون، پھول و پھل اور ایسے رب کی جو ناراض نہیں ہے۔ لگاتار اسے یہ کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس روح کو بارگاہ خداوندی کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے۔ اگر برا انسان ہو تو اس کی روح کو کہا جاتا ہے: نکل اے خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی، قابل مذمت حالت میں نکل اور تجھے کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور اس جیسے دوسرے عذاب کی بشارت ہو۔ اسے لگاتار یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جسم سے باہر آ جاتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے، دروازہ کھلوایا جاتا ہے تو سوال ہوتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم اس خبیث روح کو خوش آمدید نہیں کہتے جو خبیث جسم میں تھی، مذموم حالت میں واپس چلی جا کیونکہ تمہارے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے پھر اسے قبر میں واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ نیکوکار اور بدکار کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور وہی کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے تھام لیتے ہیں اور اسے لے کر آسمان کی طرف بلند ہو جاتے ہیں۔ اس سے کستوری کی طرح عمدہ خوشبو آتی ہے۔ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین کی جانب سے پاکیزہ روح آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تم پر بھی رحمت ہو اور اس جسم پر بھی جس میں تم نے ایک عرصہ گزارا۔ چنانچہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے آخری مدت تک کے لئے لے جاؤ۔ جب کافر کی روح نکلتی ہے تو اس سے سخت بدبو آتی ہے۔ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین کی طرف سے خبیث روح آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسے آخری میعاد تک کے لئے لے جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (روح کافر کی بدبو کا ذکر کرتے ہوئے) رسول خدا ﷺ نے اپنی چادر اپنی ناک پر رکھ لی (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 4-3 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 62 3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2202

ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی جب روح قبض کی جاتی ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے پاس سفید ریشم لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں کہ رحمت الٰہی کی طرف نکلو۔ وہ روح نکلتی ہے تو اس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ فرشتے ایک دوسرے کو تھماتے ہوئے اسے سونگھتے ہیں اور اسے لے کر آسمان کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کس قدر عمدہ خوشبو ہے جو زمین کی جانب سے آئی ہے۔ آسمان پر پہنچ کر بھی یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ اسے دوسری ارواح مومنین کے پاس لے جاتے ہیں، ایک غائب کو غائب سے مل کر جس قدر خوشی ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اس روح سے مل کر انہیں خوشی ہوتی ہے وہ ارواح پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے، ساتھی روحیں انہیں کہتی ہیں کہ اسے آرام کر لینے دو، دنیا میں یہ غم واندوہ کا شکار رہی لیکن وہ جواب دیتی ہے کہ وہ تو مر گیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ روحیں کہتی ہیں کہ وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ میں چلا گیا ہوگا۔ کافر کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور اس کی روح کو کہتے ہیں کہ غضب الٰہی کی طرف نکلو، وہ نکلتی ہے تو اس سے مردار سے بھی زیادہ شدید بدبو نکلتی ہے اور اسے لے کر زمین کے دروازے تک لے جایا جاتا ہے''(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہی آتا ہے: ''اس روح سے پوچھا جاتا ہے کہ فلاں کا کیا حال ہے، فلاں کیسا ہے اور فلاں (عورت) کا کیا بنا۔ کافر کی روح جب قبض کی جاتی ہے تو اسے لے کر زمین کے دروازے تک لایا جاتا ہے۔ زمین کے محافظ فرشتے کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سخت بدبو ہم نے نہیں سونگھی۔ چنانچہ اسے سب سے نچلی زمین میں پھینک دیا جاتا ہے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح جابیتین میں جمع ہوتی ہیں اور کفار کی ارواح حضرموت میں برہوت نامی شور یلی زمین میں جمع کی جاتی ہیں۔ کافر کی قبر کو خوب تنگ کر دیا جاتا ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ فام نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں، ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں پوچھتے ہیں کہ تم اس شخصیت کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے؟ وہ وہی جواب دیتا ہے دنیا میں جو وہ کہا کرتا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ دونوں (فرشتے) کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا تم یہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر ستر مربع گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جاؤ۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جا کر انہیں اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ منکر نکیر کہتے ہیں کہ دلہن کی طرح سو جا جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب ترین فرد ہی بیدار کر سکتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی آرام سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اگر وہ منافق ہو تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا، میں نے بھی ان کی طرح کہا، مجھے نہیں معلوم (کہ یہ کون شخصیت) ہے۔ منکر نکیر اسے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا تم یہی جواب دو گے۔ زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر سکڑ کر مل جا۔ چنانچہ زمین اس پر سمٹ جاتی ہے یہاں تک کہ دونوں طرف کی پسلیاں باہم پیوست ہو جاتی ہیں، اسی طرح عذاب کی چکی میں وہ پستا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا''(3)۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کی تلاوت کی اور فرمایا: ''یہ اس وقت ہوتا ہے جب قبر میں اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے اور تمہارا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 5، صفحہ 8
2۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 5، صفحہ 7
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنائز، جلد 4، صفحہ 291-293

ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں جو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات بینات لے کر تشریف لائے، میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تم نے سچ کہا ہے، اسی پر تم زندہ رہے، اسی پر مرے اور اسی (عقیدہ) پر تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میت، جب تم (اسے دفنانے کے بعد) واپس لوٹتے ہو، تمہارے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔ اگر وہ مومن ہو تو نماز اس کے سرہانے ہوتی ہے، زکوٰۃ دائیں جانب، روزہ بائیں طرف، صدقہ، صلہ رحمی، بھلائی اور لوگوں کے ساتھ احسان جیسی نیکیاں اس کی پائنتی ہوتی ہیں۔ جب اس کے سر کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جانے کا کوئی رستہ نہیں۔ اس کی دائیں جانب سے کوئی آنے کی کوشش کرتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے کوئی مَدخل (داخل ہونے کی جگہ) نہیں ہے، بائیں جانب سے اگر کوئی اس کے پاس آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے کوئی مدخل نہیں اور اگر پائنتی کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نیکیاں کہتی ہیں کہ ہماری جانب سے بھی کوئی مدخل نہیں۔ چنانچہ اسے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ جاتا ہے، سورج اس کے سامنے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے ڈوبنے کے قریب ہو۔ اسے کہا جاتا ہے کہ ہمارے سوالوں کا جواب دو۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ سکوں۔ اسے فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تو تم عنقریب کر ہی لوگے لیکن اب ہمارے سوالات کے جوابات دو۔ وہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے کس بارے میں پوچھنا چاہتے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اس شخص کے متعلق بتاؤ جو تم میں تھا، اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو اور کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ پوچھتا ہے کہ کیا محمد ﷺ؟ کہا جاتا ہے: ہاں۔ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات بینات لائے اور ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ چنانچہ اسے کہا جاتا ہے کہ تم اسی (عقیدہ) پر زندہ رہے، اسی پر فوت ہوئے اور اسی پر ان شاء اللہ تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ پھر ستر گز اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے، اسے منور کر دیا جاتا ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول کر اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں رہتی۔ پھر اس کی روح ان پاکیزہ روحوں کے ساتھ ملا دی جاتی ہے جو جنت کے درختوں کے ساتھ لٹکے ہوئے سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور اس کا جسم اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی ابتداء کی گئی تھی۔ یہی اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کا مطلب ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت میں آتا ہے: "مومن پر جب موت اترتی ہے اور وہ انعامات خداوندی ملاحظہ کر لیتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی روح نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ملاقات محبوب ہوتی ہے۔ مومن کی روح آسمان کی طرف بلند کی جاتی ہے، اہل ایمان کی روحیں اس کے پاس آتی ہیں اور اس سے اپنی جان پہچان والے لوگوں کے متعلق حالات دریافت کرتی ہیں۔ جب وہ روح یہ کہتی ہے کہ میں نے فلاں کو بقید حیات چھوڑا ہے تو انہیں بہت خوشی ہوتی ہے اور جب وہ روح یہ کہتی ہے کہ فلاں تو مر گیا ہے تو ارواح کہتی ہیں کہ اسے ہمارے پاس نہیں لایا گیا۔ مومن کو قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اپنا ٹھکانہ دیکھو۔ پھر وہ قبر

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 32 تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 215

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 215-216، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 413-414

دیکھے گا گویا کہ وہ کھلا رستہ ہے۔ جب اللہ کے دشمن پر موت نازل ہوتی ہے اور وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ اس کی روح کبھی بھی نہ نکلے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ملاقات مبغوض ہوتی ہے۔ جب اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ خدا کرے تجھے معلوم نہ ہی ہو، پھر جہنم کا ایک دروازہ اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے اور اسے ایک ایسی ضرب لگائی جاتی ہے جسے جن وانس کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ مار گزیدہ کی طرح سوجا، پھر اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے (1)۔ حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان قبر میں داخل ہوتا ہے، اگر وہ مومن ہو تو اس کا عمل نماز اور روزہ اسے گھیر لیتا ہے۔ فرشتہ اس کے پاس نماز کی طرف سے آتا ہے تو نماز اسے لوٹا دیتی ہے اور روزے کی طرف سے آتا ہے تو روزہ اسے واپس لوٹا دیتا ہے پھر فرشتہ اسے ندا دیتا ہے کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ جاتا ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے کہ تم اس شخصیت یعنی نبی ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ پوچھتا ہے: کون؟ فرشتہ کہتا ہے: محمد (ﷺ)۔ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو فرشتہ کہتا ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا، کیا تم نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر تم نے زندگی گزاری، اسی پر مرے اور اسی پر تمہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر وہ فاجر یا کافر ہو تو ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے۔ اس کے اور فرشتے کے درمیان کوئی ایسا عمل نہیں ہوتا جو فرشتے کو واپس لوٹا دے۔ فرشتہ اسے بٹھا کر پوچھتا ہے کہ اس آدمی کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ وہ پوچھتا ہے: کونسا آدمی؟ فرشتہ کہتا ہے کہ محمد (ﷺ)۔ وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم۔ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا میں نے بھی کہہ دیا۔ فرشتہ اسے کہتا ہے کہ اسی پر تو زندہ رہا، اسی پر مرا اور اسی پر تجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا، قبر میں اس پر ایک ایسا جانور مسلط کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایسا چابک ہوتا ہے جس کے سرے کی گرہ دہکتا ہوا انگارا ہوتی ہے، وہ اسے اس قدر مارتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہ بہرہ ہوتا ہے، نہ اس کی آواز سنتا ہے اور نہ رحم کھاتا ہے'' (2)۔ عوفی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو ملائکہ اس کے پاس آتے ہیں، اسے سلام کرتے ہیں اور اسے جنت کا مژدہ سناتے ہیں۔ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلتے ہیں، پھر لوگوں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ جب اسے دفن کر دیا جائے تو اسے اپنی قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: محمد ﷺ۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تمہاری گواہی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر تا حد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ کافر پر فرشتے اترتے ہیں اور موت کے وقت اس کی طرف اپنے ہاتھ بڑھاتے ہیں یعنی اسے مارتے پیٹتے ہیں۔ جب اسے قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اسے بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ بالکل فراموش کرا دیتا ہے۔ جب اسے کہا جاتا ہے کون سے رسول تمہاری طرف بھیجے گئے تو بھی وہ کوئی جواب نہیں دے پاتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے (3)۔ حضرت ابو قتادہ انصاری اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ مومن جب فوت ہو جاتا ہے تو اسے اپنی قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: محمد بن عبداللہ۔ متعدد بار اس سے یہ سوالات کئے جاتے ہیں پھر اس

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 413-414

2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 352-353، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 27

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 216-218، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 29

کے سامنے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اگر تم بھٹک جاتے تو جہنم میں یہ تمہارا ٹھکانہ تھا، پھر اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو چونکہ تم ثابت قدم رہے اس لئے جنت میں یہ تمہارا ٹھکانہ ہے(1)۔ جب کافر مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے نہیں معلوم۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تمہیں خدا کرے معلوم نہ ہی ہو، پھر اس کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے دیکھو اگر تم ثابت قدم رہتے تو جنت میں یہ تمہارا مقام تھا۔ پھر اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے دیکھو چونکہ تم بھٹک گئے اس لئے جہنم میں یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں ثابت قدمی کلمہ توحید پر استقامت ہے اور آخرت میں ثابت قدمی منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ خیر اور اعمال صالحہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں یعنی قبر میں بھی ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ ابوعبداللہ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''میں نے گزشتہ رات ایک عجیب خواب دیکھی، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے آیا لیکن اپنے والدین کے ساتھ اس کی نیکی نے اسے واپس لوٹا دیا اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے عذاب قبر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن اس کا وضو آیا اور اس نے اسے اس سے بچا لیا۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے شیاطین وحشت زدہ کر رہے تھے لیکن ذکر الٰہی نے ان سے اسے رہائی دلوا دی۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے عذاب کے فرشتے گھیرے ہوئے تھے لیکن اس کی نماز اس کے پاس آئی اور اسے ان سے بچا لیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جو پیاس کے باعث بلک رہا ہے، جب بھی حوض پر جاتا ہے اسے روک دیا جاتا ہے، اس کا روزہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے سیراب کر دیتا ہے، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا اس حال میں کہ انبیاء حلقوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، جب بھی وہ کسی حلقہ میں جانے کی کوشش کرتا اسے دھتکار دیا جاتا۔ چنانچہ اس کا غسل جنابت اس کے پاس آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے میرے پہلو میں بٹھا دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے وہ اس میں حیران و ششدر ہے لیکن اس کا حج اور عمرہ اس کے پاس آتے ہیں اور اسے تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کر دیتے ہیں، میں نے ایک اور اپنے امتی کو دیکھا جو اہل ایمان کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے کلام نہیں کرتے لیکن صلہ رحمی آئی اور کہنے لگی: اے گروہ مومنین! اس کے ساتھ گفتگو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اس سے گفتگو کی، میں نے اپنے ایک اور امتی کو دیکھا جو اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے چہرے سے آگ کے شعلوں اور شراروں کو دور کرنا چاہ رہا تھا، اس کا صدقہ اس کے پاس آیا اور اس کے چہرے پر ڈھال اور سر پر سایہ بن گیا۔ ایک اور اپنے امتی کو دیکھا کہ ہر طرف سے آگ کے فرشتوں نے اسے پکڑ رکھا ہے لیکن اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے پاس آتے ہیں اسے ان فرشتوں سے رہائی دلاتے ہیں اور اسے رحمت کے فرشتوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے، اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے، اس کا حسن خلق آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا، اپنے ایک اور امتی کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کی بائیں جانب سے آ رہا ہے لیکن اس کے خوف الٰہی نے وہ نامہ اعمال لیا اور اسے اس کی دائیں جانب کر دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کی میزان ہلکا ہے، اس کی آگے بھیجی ہوئی نیکیاں آئیں جنہوں نے اس کے پلڑے کو بھاری کر دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 30

جہنم کے کنارے پر کھڑے پایا لیکن اس کے پاس اس کا خوف خدا کی وجہ سے رونا آیا اور اسے جہنم سے بچالیا، میں نے اپنے ایک امتی کو آگ میں گرا ہوا دیکھا کہ دنیا میں خشیت الٰہی کے باعث اس کے بہنے والے آنسو اس کے پاس آئے اور اسے آگ سے باہر نکال دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو پل صراط پر لرزتے اور ڈگمگاتے ہوئے دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا حسن ظن اس کے پاس آیا تو اسے سکون آگیا، ایک امتی کو میں نے پل صراط پر کبھی رینگتے اور کبھی گھسٹتے ہوئے دیکھا تو اس کی نماز نے اس کی دستگیری کی، اسے سیدھا کھڑا کر دیا اور وہ اس پر آسانی سے چلنے لگا اور میں نے اپنے ایک اور امتی کو دیکھا جو جنت کے دروازے تک پہنچا تو اس پر تمام دروازے بند کر دیئے گئے لیکن ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی شہادت نے اس کے لئے دروازے کھلوا دیئے اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔'' قرطبی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بہت عظیم حدیث ہے جس میں خاص اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو خاص مشکلات سے نجات دلائیں گے(1)۔ اس بارے میں حافظ ابو یعلی نے ایک طویل غریب حدیث روایت کی ہے جس کے راوی حضرت تمیم الداری ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے دوست کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ کیونکہ میں نے خوشی اور غمی ہر طریقے سے اسے آزمالیا ہے اور اسے ویسا ہی پایا ہے جیسے میں چاہتا تھا، اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے ہر طرح کے آرام اور راحت سے نوازوں گا۔ ملک الموت اس کی طرف روانہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ پانچ سو فرشتے ہوتے ہیں جن کے پاس جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے اور ریحان کے خوشے ہوتے ہیں ہر خوشے کے سرے پر بیس رنگ ہوتے ہیں اور ہر رنگ کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے، مزید برآں ان کے پاس سفید ریشم ہوتا ہے جس میں اعلیٰ قسم کی کستوری لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ملک الموت اس بندے کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور باقی فرشتے اس کے اردگرد۔ ہر فرشتہ اپنا ہاتھ اس کے کسی عضو پر رکھتا ہے اور وہ سفید ریشم اور عمدہ کستوری اس کی ٹھوڑی کے نیچے بچھا دیتا ہے اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اس کی روح کبھی جنتی حوروں سے، کبھی جنتی پوشاکوں سے اور کبھی جنتی پھلوں سے بہلائی جاتی ہے جس طرح روتے ہوئے بچے کو بہلایا جاتا ہے۔ حوریں بہت زیادہ اس کی مشتاق ہوتی ہیں۔ ان روح پرور مناظر کو دیکھ روح بہت جلد اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف نکل جانا چاہتی ہے، ملک الموت اسے کہتا ہے: اے روح طیبہ! بغیر کانٹے کے بیری کے درخت، پھلوں سے لدے ہوئے کیلوں کے درخت، لمبے لمبے سائے اور بہتے ہوئے پانی کی طرف نکل۔ ملک الموت اس سے بھی زیادہ اس پر مہربان ہوتا ہے جس قدر ماں اپنے بیٹے پر مہربان ہوتی ہے، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح اپنے رب کی محبوب ہے، وہ اس کے ساتھ مہربانی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے چنانچہ اس کی روح (آسانی کے ساتھ) اس طرح نکال لی جاتی ہے جس طرح آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ (النحل:32) ''وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں''، فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (الواقعہ:89-88) ''پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی''، یعنی موت سے راحت اور دنیا کے بدلے نعمتوں بھری جنت۔ جب ملک الموت اس کی روح کو قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے! تو اطاعت الٰہی کی طرف مجھے جلدی لے جانے والا اور اس کی نافرمانی کی طرف دیر کرنے والا تھا تو نے بھی نجات پائی اور مجھے بھی نجات مل گئی۔ جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے۔ زمین کے وہ ٹکڑے اس پر چالیس دن روتے ہیں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہا کرتا تھا، اسی طرح

1۔ التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ للقرطبی: 240-242

آسمان کے دروازے جہاں سے اس کا عمل بلند ہوتا تھا اور اس کا رزق اترتا تھا، اس پر چالیس دن روتے ہیں۔ جب ملک الموت اس کی روح قبض کرتا ہے تو پانچ سو فرشتے اس کے جسم کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس میت کی کروٹ بدلنے سے پہلے فرشتے اس کی کروٹ بدل دیتے ہیں، لوگوں کے کفن دینے اور خوشبو لگانے سے پہلے فرشتے اسے کفن دے دیتے ہیں اور خوشبو لگا دیتے ہیں۔ اس کے گھر کے دروازے سے لے کر اس کی قبر تک ملائکہ کی دورویہ صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں، وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہوئے استقبال کرتے ہیں، اس وقت ابلیس ایسی چیخ مارتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں، وہ اپنے لشکر سے کہتا ہے کہ تمہاری بربادی ہو، یہ بندہ تمہاری دست برد سے کیسے بچ گیا؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم تھا۔ جب ملک الموت اس بندے کی روح کو لے کر آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اس کا استقبال کرتے ہیں، ہر فرشتہ الگ الگ بشارت دیتا ہے۔ جب ملک الموت اس روح کو لے کر عرش الٰہی تک پہنچتا ہے تو یہ روح سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو لے جاؤ اور اسے بغیر کانٹوں کے بیری کے درخت، تہہ در تہہ کیلوں، لمبے گھنے سائے اور بہتے پانی سے شاد کام کرو۔ جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کی دائیں جانب سے اس کی نماز آتی ہے، بائیں جانب سے روزہ، سر کی طرف قرآن، پیروں کی طرف سے نماز کے لئے چلنا اور قبر کے ایک کنارے صبر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دائیں طرف سے عذاب کی ایک رو لپکتی ہے تو نماز اسے کہتی ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ قسم بخدا! یہ ہمیشہ عمل میں مصروف رہا اور یہاں قبر کے اندر ہی اب اسے کچھ راحت ملی ہے، بائیں جانب سے عذاب ٹپکتا ہے تو روزہ اسی طرح کہتا ہے، سر کی طرف سے عذاب آتا ہے تو قرآن اور ذکر یہی کہتا ہے، پاؤں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو نماز کے لئے چلنا یہی گفتگو کرتا ہے۔ گویا وہ بندہ مومن ہر طرف سے اپنی حمایت پالیتا ہے اور عذاب کو اس تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ نہیں ملتی۔ آخر کار عذاب پسپا ہو جاتا ہے۔ اس وقت صبر تمام اعمال سے کہتا ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا تھا، اگر تم عذاب ٹالنے سے عاجز آ جاتے تو میں بذات خود یہ فریضہ انجام دیتا۔ اب چونکہ تم نے اس بندے سے عذاب کو دور کر دیا ہے اس لئے میں پل صراط اور میزان کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اب اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیجتا ہے جن کی آنکھیں اچک لینے والی بجلی کی طرح ہیں، آوازیں کڑکتی بجلی کی طرح، دانت بافندے کے کوچ کی طرح سانس شعلوں جیسے، بال پاؤں تک لٹکے ہوئے، ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے اور ان کے دلوں میں رحمت، شفقت اور نرمی نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھوڑا ہوتا ہے جسے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے تمام لوگ بھی جمع ہو کر نہیں اٹھا سکتے۔ وہ فرشتے (منکر نکیر) اس بندے سے کہتے ہیں کہ بیٹھو۔ وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے، اس کا کفن اس کے دونوں پہلوؤں پر آتا ہے۔ وہ اس سے سوال کرتے ہیں، تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ صحابہ بے تاب ہو کر پوچھنے لگے: یا رسول اللہ! ایسے ڈراؤنے فرشتوں کو جواب دینے کی کس میں طاقت ہوگی؟ آپ ﷺ نے اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے، میرا دین اسلام ہے جو فرشتوں کا بھی دین ہے اور میرے نبی محمد خاتم النبیین (ﷺ) ہیں۔ منکر نکیر اسے کہتے ہیں کہ تو سچا ہے۔ اب وہ اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، سر اور پاؤں کی جانب سے چالیس چالیس گز قبر کو کشادہ کر دیتے ہیں۔ وہ دو سو گز کی وسعت دے دیتے ہیں اور چالیس گز مربع کی فراخی۔ پھر اسے کہتے ہیں کہ اپنے اوپر دیکھو تو وہ جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا پاتا ہے، فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اطاعت الٰہی کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام بخشا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس وقت اسے ایک لافانی مسرت حاصل ہوتی ہے'' پھر اسے کہا جاتا ہے کہ

اپنے نیچے دیکھو تو وہ دوزخ کا ایک کھلا ہوا دروازہ پاتا ہے، فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے نجات بخشی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اس وقت بھی اسے نہ ختم ہونے والی خوشی حاصل ہوتی ہے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے لئے جنت کے ستر دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہاں سے قیامت تک ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی ہے۔

اسی سند سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ میرے (فلاں) دشمن کی طرف جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ، میں نے اسے فراخی رزق سے نوازا اور اپنی نعمتوں سے اسے شاد کام کیا لیکن اس کے باوجود وہ میری نافرمانی پر بضد رہا، اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے انتقام لوں۔ چنانچہ ملک الموت نہایت مکروہ صورت میں اس کے پاس آتا ہے، اس کی بارہ آنکھیں ہوتی ہیں، اس کے پاس کانٹے دار آتشی گرز ہوتا ہے اور پانچ سو دیگر فرشتے جن کے پاس آگ کے انگارے تانبا اور آگ کے ہی کوڑے ہوتے ہیں۔ ملک الموت اسے زور سے وہ گرز مارتا ہے کہ اس کے کانٹے اس کے رگ وریشے، بالوں اور ناخنوں میں گھس جاتے ہیں، پھر بڑی سختی سے وہ اسے گھماتا ہے اور اس کی روح کو پاؤں کے ناخنوں سے کھینچ کر اس کی ایڑیوں پر پھینک دیتا ہے۔ اس وقت یہ دشمن خدا بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ملک الموت اسے کچھ مہلت دیتا ہے۔ پھر باقی فرشتے اس کے منہ اور پیٹھ پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے ہیں اور ملک الموت بڑی شدت سے اس کی روح اس کی ایڑیوں سے کھینچ لیتا ہے اور اس کے گھٹنوں پر پھینک دیتا ہے۔ پھر وہ دشمن خدا بے ہوش ہو جاتا ہے، ملک الموت کی طرف سے ذرا آرام ملتا ہے کہ باقی فرشتے کوڑوں کے ساتھ اس کے چہرہ اور پیٹھ کو پیٹنا شروع کر دیتے ہیں، پھر ملک الموت سختی سے اس کی روح کو گھٹنوں سے کھینچ کر اس کے پہلوؤں پر پھینک دیتا ہے تو وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ملک الموت کے اسے ہوش میں لانے کے بعد فرشتے اس پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے ہیں، پھر اسی طرح سینے کی طرف اور پھر حلق کی طرف روح جاتی ہے۔ پھر فرشتے جہنمی تانبے اور انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے بچھا دیتے ہیں اور ملک الموت اس روح سے کہتا ہے کہ اے لعین روح! جھلسا دینے والی گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی، سیاہ سائے جس میں نہ خنکی ہے اور نہ کوئی دوسری مفید چیز، کی طرف نکل۔ جب ملک الموت اس کی روح قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے بری جزا دے کیونکہ تم مجھے معصیت الٰہی میں مصروف رکھا کرتے تھے اور اطاعت الٰہی سے باز رکھتے تھے، تو بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاکت میں ڈالا۔ جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے اور زمین کے وہ حصے اس پر لعنت بھیجتے ہیں جہاں وہ معصیت الٰہی میں مشغول رہا کرتا تھا۔ ابلیس کا لشکر ابلیس کے پاس آتا ہے اور اسے مژدہ سناتا ہے کہ ہم نے اولاد آدم میں سے ایک بندے کو جہنم رسید کر دیا۔ جب اس بدکار کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اونٹوں کی گردنوں جیسے سیاہ ناگ اس کی طرف بھیجتا ہے جو اس کے کانوں اور پاؤں کے انگوٹھوں سے ڈسنا شروع کرتے ہیں کہ ڈستے ڈستے جسم کے درمیان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو بھیجتا ہے جن کی آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح ہیں، آوازیں گرجتی بجلی جیسی، دانت بافندے کے کوچ کی طرح، سانسوں سے شعلے برآمد ہوتے ہیں، بال پیروں تک لٹکے ہوئے اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے، ان کے دل رحمت، مہربانی اور نرمی سے یکسر خالی ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے جسے ربیعہ اور مضر کے لوگ مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اسے بیٹھنے کو کہتے ہیں تو وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا کفن اس کے دونوں پہلوؤں پر آتا ہے، اس سے سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے، اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ خدا کرے تجھے معلوم

نہ ہی ہو۔ وہ اسے ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ قبر میں شعلے نکل آتے ہیں۔ پھر اسے کہتے ہیں کہ اپنے اوپر دیکھ تو وہ اوپر جنت کا ایک کھلا ہوا دروازہ پاتا ہے، وہ کہتے ہیں: اے دشمن خدا! اگر تو اطاعت کرتا تو یہ تیرا مقام ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''قسم بخدا! اس وقت اسے ایک لافانی حسرت گھیر لیتی ہے۔'' پھر فرشتے اسے کہتے ہیں کہ نیچے دیکھ تو وہ اپنے نیچے جہنم کا ایک دروازہ کھلا ہوا پاتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں: اے اللہ کے دشمن! چونکہ تم نے نافرمانی کی اس لئے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت اس کا دل ایسی حسرت سے دوچار ہوتا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ اس کے لئے جہنم کے ستتر دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہاں سے قیامت تک اس کی طرف گرم ہوائیں آتی رہتی ہیں۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور سیاق بھی عجیب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والا راوی یزید الرقاشی ائمہ کے نزدیک ضعیف الروایۃ ہے۔ اس کی غرائب اور منکرات کثیر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی التجا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے''(1)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ..... (الانعام: 93) کی تفسیر میں غرائب سے پر ایک طویل حدیث وارد کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور بنالئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مدمقابل تاکہ بھٹکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے۔ آپ (انہیں) فرمائیے (کچھ وقت) لطف اٹھالو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ''اَلَمْ تَرَ'' بمعنی ''اَلَمْ تَعْلَمْ'' (کیا تمہیں معلوم نہیں) ہے جیسا کہ ''اَلَمْ تَرَ كَیْفَ'' اور ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا'' میں بھی ہے۔ ''بَارَ یَبُوْرُ بَوْرًا'' سے ''اَلْبَوْرُ'' ہلاکت کے معنی میں ہے اور ''بُوْرٌ''، ''هَالِكُوْنَ'' (ہلاک ہونے والے) کے معنی میں ہے۔ عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے وہ کفار مکہ ہیں(2)۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد جبلہ بن ایہم اور اس کے عرب پیروکار ہیں جو رومیوں کے ساتھ مل گئے تھے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور اور صحیح قول پہلا ہی ہے اگرچہ آیت کے الفاظ تمام کفار کو شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت اور تمام لوگوں کے لئے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ جس نے اس رحمت ونعمت کو قبول کرلیا اور اس کی قدر کی وہ جنت کا مستحق ہو گیا اور جس نے رد کر کے کفر کا ارتکاب کیا، اس کی قسمت میں جہنم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پہلے قول جیسا قول مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 215 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 8 صفحہ 378 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 223

سے ان لوگوں کی بابت دریافت کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل ڈالا اور اپنی قوم کو دار ہلاکت میں لا ڈالا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بدر کے دن کفار قریش ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ منافقین قریش ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھ سے قرآن کریم کے متعلق دریافت کرے۔ اللہ کی قسم! اگر آج مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر عالم ہے، اگرچہ وہ سمندر پار ہو تو بھی میں ضرور اس کے پاس جاؤں۔ عبداللہ بن کواء نے اٹھ کر دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے نعمت الٰہی کو بدل دیا اور اپنی قوم کو دار ہلاکت میں اتارا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرکین قریش جن کے پاس نعمت ایمان آئی لیکن انہوں نے اس کے بدلے میں کفر اختیار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنوامیہ اور بنومغیرہ ہیں۔ بنومغیرہ نے بدر والے دن اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالا اور بنوامیہ نے احد والے دن۔ بدر میں ابوجہل تھا اور احد میں ابوسفیان اور دارالبوار سے مراد جہنم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنوامیہ اور بنومغیرہ ہیں۔ بنومغیرہ کو تو بدر والے دن ہلاک کر دیا گیا البتہ بنوامیہ کو کچھ مہلت مل گئی (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنومغیرہ اور بنوامیہ ہیں۔ بنومغیرہ کو تو تم نے بدر کے دن نیست و نابود کر دیا لیکن بنوامیہ کو مہلت دے دی گئی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ قریش کے دو فاجر قبیلے ہیں۔ ایک میرے ماموں اور دوسرے تمہارے چچا۔ میرے ماموں تو بدر والے دن ہلاک ہو گئے، البتہ آپ کے چچاؤں کو اللہ تعالیٰ نے کچھ مہلت دے دی۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہاں ان کفار قریش کا ذکر ہے جو بدر کے دن قتل کر دیئے گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا...... یعنی انہوں نے ایسے شریک بنا لئے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: قُلْ تَمَتَّعُوْا...... یعنی دنیا میں جو تمہارے بس میں ہے، کر لو، آخر کار تمہیں جہنم میں جانا ہے جیسا کہ فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70) ''(چندروزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

''آپ فرمایئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے پیشتر کہ آ جائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت کرنے، حقوق اللہ بجا لانے اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے تاکید فرما رہا ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، نماز کو مقررہ اوقات میں تمام آداب اور حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پابندی کے ساتھ قائم

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 352　　2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 219

کریں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے زکوۃ ادا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر خرچ کریں خواہ پوشیدہ طور پر، خواہ علی الاعلان۔ انہیں اپنی نجات کے لئے یہ اعمال صالحہ یوم قیامت سے پہلے پہلے بجالانے چاہئیں کیونکہ اس دن کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی کہ کوئی فدیہ دیکر بچ جائے جیسا کہ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الحدید:15) ''پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کفار سے''، اور نہ ہی اس دن کوئی دوستی کام آئے گی کہ کوئی دوست دوستی کے باعث درگزر کرے۔ ''خِلَالٌ'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے جیسا کہ امرؤالقیس کے شعر میں بھی آیا ہے:

صَرَفْتُ الْهَوٰى عَنْهُنَّ مِنْ خَشْيَةِ الرَّدٰى وَلَسْتُ بِمُقْلِيِّ الْخِلَالِ وَلَا قَالِيْ (1)

قتادہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بیع وشراء اور دوستی کام آجاتی ہے۔ آدمی کو دوستی کرتے وقت خیال رکھنا چاہئے۔ اگر تو دوستی رضائے الٰہی کے لئے ہو تو وہ دائمی ہوتی ہے، آخرت میں بھی کام آتی ہے لیکن اگر غیر اللہ کے لئے ہو تو ختم ہو جاتی ہے(1)۔ بہرصورت آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی بیع نفع بخش ہوگی اور نہ کوئی فدیہ، اگرچہ کوئی، بفرض محال، زمین بھر سونا ہی پیش کردے اور نہ کسی کی دوستی اور نہ کسی کی سفارش کافر کے کام آئے گی جیسا کہ فرمایا: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرۃ:123) ''اور ڈرو اس دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی''، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرۃ:254) ''اے ایمان والو! خرچ کرلو اس (مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لئے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لئے) شفاعت اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی، پھر پیدا کئے اس پانی سے پھل تمہارے کھانے کے لئے اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لئے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے اور تابع فرمان کر دیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر کر دیا تمہارے لئے رات اور دن کو۔ اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا ازحد ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنی ان گنت اور لاتعداد نعمتوں کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے مخلوق کے لئے آسمانوں کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 224

زمین کو بچھونا۔ آسمان سے بارش برسائی جس کے ذریعے رنگ، بو، ذائقہ، شکل اور نفع میں مختلف انواع و اقسام کی کھیتیاں اور پھل پیدا کئے، کشتیاں اس کے حکم سے پانی پر تیرتی ہیں، سمندر انسان کے لئے مسخر ہیں جن کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیا جاتا ہے اور سامان منتقل کیا جاتا ہے۔ نہروں کے ساتھ بھی انسان کے متعدد مفادات وابستہ ہیں، ان کے ذریعے زمینوں کو سیراب کر کے رزق حاصل کیا جاتا ہے، پینے کے لئے پانی بھی انہی سے حاصل ہوتا ہے اور بھی ان کے متعدد منافع ہیں۔ آفتاب اور ماہتاب دونوں دن رات بغیر کسی کمزوری اور تھکاوٹ کا اظہار کئے مصروف گردش ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40) ''نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''، يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف:54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''، سورج اور چاند، دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے۔ فرمایا: يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر:5) ''وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک''۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضروریات کی تمہاری تمام مطلوبہ چیزیں تمہیں تمام احوال میں مہیا کر دی ہیں۔ بعض حضرات کی قرأت میں یوں ہے: مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَمَالَمْ تَسْاَلُوْهُ ''ہر وہ چیز جو تم نے مانگی اور جو نہ مانگی''(1)۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے سے عاجز ہیں چہ جائیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر بجا لائیں جیسا کہ طلق بن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے بجا لائیں اور اللہ کی نعمتیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے انہیں شمار کر سکیں لیکن صبح و شام توبہ کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں اس حال میں کہ تیرے بغیر کفایت نہیں، نہ ہی تجھے چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ تجھ سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے''(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ابن آدم کے تین دیوان نکلیں گے، ایک دیوان میں نیکیاں لکھی ہوں گی، دوسرے میں اس کے گناہ اور تیسرے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں درج ہوں گی، اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ نیک اعمال سے اپنی قیمت لے لے تو وہ تمام اعمال صالحہ پر حاوی ہو جائے گی، پھر پیچھے ہٹ کر عرض کرے گی: تیری عزت کی قسم! ابھی میں نے اپنا پورا حق وصول نہیں کیا۔ ابھی گناہ اور باقی نعمتیں جوں کی توں ہوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ بندے پر رحم فرمانا چاہے گا تو فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے تیری نیکیوں کو دوگنا کر دیا، تیرے گناہوں سے تجاوز کیا اور اپنی نعمتوں کو تمہارے لئے ہبہ کر دیا''(3)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 226-227

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، جلد 7 صفحہ 106

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 160

تیرا کیسے شکر ادا کروں حالانکہ تیرا شکر ادا کرنا بھی مجھ پر تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تو نے (دراصل) شکر ادا کیا ہے۔ یعنی ادائے شکر سے عاجزی کا اعتراف ہی حقیقت میں شکر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے بھی ایک نئی نعمت (توفیق شکر) کی ضرورت ہے اور پھر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے (1)۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

ترجمہ:۔ اگر تیرے احسانات کے باعث تیری حمد وثناء کرنے کے لئے میرے ہر عضو کو زبان مل جائے تو بھی میں تیرے انعامات اور احسانات کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

''اور (اے حبیب ﷺ) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس مقام پر خصوصاً مشرکین کو یہ باور کرارہا ہے کہ بلد حرام مکہ کو شروع ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے بسایا گیا، اسے آباد کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے بری الذمہ اور بیزار تھے اور انہوں نے مکہ کے لئے امن وسلامتی کی دعا کی جسے قبولیت سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (العنکبوت:67) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنادیا ہے''، اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران:97-96) ''بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ''، اور یہاں یوں دعا کی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا یہاں ''الْبَلَدَ'' کو معروف باللام ذکر کیا اس لئے کہ یہ دعا شہر آباد ہونے کے بعد کی ہے، اس لئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (ابراہیم:39) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند)''، اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اس جگہ چھوڑ کر گئے تھے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے۔ اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر کے لئے دعا کی تھی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہم مفصل بیان کر چکے ہیں (2)۔ چونکہ شہر ابھی آباد نہیں ہوا تھا اس لئے ''بَلَدًا'' نکرہ ذکر کیا۔ اپنی دعا میں مزید کہا: وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ

1۔ الرسالۃ للشافعی: 7-8 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 126

ہر داعی کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دعا کرے۔ پھر آپ نے اس بات کا ذکر کیا کہ بتوں نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال کر راہ راست سے برگشتہ کر دیا۔ لیکن وہ اس سے بیزار ہیں۔ پھر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا چاہے تو وہ انہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدۃ:118) ''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے'' اس میں صرف مشیت الٰہی کی طرف لوٹنا ہے نہ کہ اس کے وقوع کو جائز سمجھنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ...... اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ...... کی تلاوت کی، پھر اپنے ہاتھ بلند کر کے کہا: ''اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت'' یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ رو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ حالانکہ تمہارا رب خوب جانتا ہے اور رونے کا سبب دریافت کرو؟ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور رونے کا سبب دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے جبرئیل کو اس سے آگاہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو پھر حکم دیا کہ محمد ﷺ کی طرف جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے، ناراض نہیں کریں گے (1)۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تا کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں''۔

یہ دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا آپ علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے قبل اس وقت کی تھی جب آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ کر گئے تھے اور یہ دوسری دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی، اس لئے آیت میں عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے الفاظ ذکر کئے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا تعلق ''الْمُحَرَّمِ'' کے ساتھ ہے یعنی میں نے اسے حرمت والا بنایا تا کہ یہاں کے رہنے والے یہاں نماز قائم کر سکیں (2)۔ ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آیت میں مِّنَ النَّاسِ کہہ کر صرف مسلمانوں کو مختص کر دیا، ورنہ اگر وہ ''اَفْـِٕدَةَ النَّاسِ'' کہہ دیتے تو یہاں فارس، روم، یہود، نصاریٰ بلکہ تمام لوگوں کا ہجوم ہو جاتا (2)۔ مزید دعا کرتے ہوئے کہا: وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ یعنی انہیں پھلوں سے بھی نواز تا کہ یہ انعام ان کے جذبہ اطاعت کے لئے معاون ثابت ہو اور چونکہ یہ غیر زرعی وادی ہے اس لئے کھانے کے لئے انہیں پھل مہیا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا جیسا کہ ایک اور مقام پر اسے یوں بیان فرمایا: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (القصص:57) ''کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے''، یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 229
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 233-234

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت، رحمت، فضل اور برکت ہے کہ مکہ شریف میں کوئی بھی پھلدار درخت نہ ہونے کے باوجود یہاں ہر قسم کے پھل ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

''اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ...... یعنی تو اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس شہر والوں کے لئے میری دعا کا مقصد اظہار اخلاص اور تیری رضا کا حصول ہے کیونکہ تمام ظاہری اور باطنی چیزوں کو تو ہی جانتا ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز تجھ پر پوشیدہ نہیں۔ پھر بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے باوجود نعمت اولاد سے مشرف ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ...... یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے فرزند عطا فرمائے اور وہ ہر ایک کی دعا کو سنتا ہے۔ اس نے میری التجا کو بھی شرف قبولیت بخشتے ہوئے مجھے اولاد کی نعمت عطا فرمائی۔ پھر عرض کی: رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ...... یعنی اے پروردگار! مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی تمام حدود و آداب کے ساتھ پابندی سے نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما، میری، میرے والدین اور اہل ایمان کی مغفرت فرما اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔ یہ دعا اس وقت کی ہے جب آپ نے اپنے باپ سے ابھی بیزاری کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

''اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگم بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے۔ ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل (دہشت سے) اڑے جا رہے ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ یہ نہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی کارستانیوں اور کرتوتوں سے بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے، وہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے، انہیں یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ انہیں

پوری پوری سزا ملے گی۔ انہیں ایسے دن تک مہلت حاصل ہے جس دن کی ہولناکیوں کے باعث آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ پھر ان کے قبروں سے اٹھنے اور جلدی جلدی میدان حشر کی طرف جانے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "مُهْطِعِيْنَ" جیسا کہ اور مقام پر فرمایا: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر:8) "ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے بلانے والے کی طرف"، يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ...... وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ:108-111) "اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی، کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے...... اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی وقیوم کے سامنے"، يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا (المعارج:43) "اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی"۔ حضرات ابن عباس، مجاہد وغیرہ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ کا معنی بیان کرتے ہیں: اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے۔ مزید ان کی یہ کیفیت ہوگی لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ یعنی ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی اور اس دن پیش آنے والے ہولناک واقعات، تفکرات اور خوف کے باعث ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں جھپکیں گی، اس لئے فرمایا: وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ یعنی خوف وہراس کی وجہ سے ان کے دل خالی ہوں گے اور اڑے جارہے ہوں گے، اسی لئے قتادہ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان کے دلوں کی جگہیں خالی ہوں گی کیونکہ دل تو حلقوم تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور شدت خوف کے سبب اپنی جگہ چھوڑ چکے ہوں گے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان کے دل ویران ہوں گے اور سنگین صورت حال سے دوچار ہونے کے باعث کسی چیز کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾

"(اے میرے نبی!) ڈرایئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لئے۔ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کئے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بھی بیان کی تھیں تمہارے لئے (طرح طرح کی) مثالیں اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کا توڑ تھا۔ اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے"۔

جب ظالم اپنی آنکھوں سے عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا فرما، ہم تیری دعوت کو بھی قبول کر لیں گے اور تیرے رسولوں کی بھی اتباع کریں گے جیسا کہ متعدد مقامات پر اس چیز کو بیان فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (المومنون:99) "یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا

میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے"، یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ...... (المنافقون: 9) "اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کردیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے......"، میدان حشر میں ان کی یہ حالت ہوگی: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ ...... (السجدۃ: 12) "اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے"، وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا (الانعام: 27) "اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو"، وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا (فاطر: 37) "اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے"، ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ ...... یعنی کیا تم اس حالت سے قبل قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے کہ اس موجودہ زندگی سے زوال ممکن ہی نہیں، نہ دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا اور نہ ثواب وعتاب ہوگا، اس لئے اس کے بدلے میں عذاب کا ذائقہ چکھو۔ مجاہد وغیرہ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ تمہیں دنیا سے آخرت کی طرف منتقل نہیں ہونا جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ (النحل: 38) "اور بڑی شد ومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جو (ایک بار) مرجاتا ہے"۔

وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ ...... یعنی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کے انجام سے تم خوب واقف ہو، اس کے باوجود تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور ان قوموں جیسے انجام بد کا تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ ...... کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، اس نے گدھ کے دو بچے لے کر پالے۔ جب وہ بڑے اور طاقتور ہوگئے تو اس نے ہر ایک کی ٹانگ ایک تابوت کے کیل کے ساتھ باندھ دی اور انہیں بھوکا رہنے دیا۔ وہ خود اور اس کا ایک ساتھی تابوت میں بیٹھ گئے اور اس نے ایک لکڑی کے سرے پر گوشت باندھ کر تابوت میں کھڑا کردیا۔ وہ دونوں بھوکے گدھ گوشت کھانے کے لئے اوپر اڑے اور اپنے زور سے تابوت کو بھی لے اڑے۔ بلندی پر پہنچ کر وہ شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ دیکھو، تمہیں کیا نظر آرہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں فلاں چیز دیکھ رہا ہوں اور ساری دنیا مجھے مکھیوں کی طرح دکھائی دے رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے لکڑی نیچے جھکا دی تو دونوں گدھ بھی نیچے اترنا شروع ہوگئے۔ پس یہی ہے جس کا ذکر اس آیت وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ ...... میں کیا گیا ہے۔ ایک دوسری قرأت میں "وَاِنْ كَادَ" آیا ہے(1)۔ یہ قصہ کنعان کے بادشاہ نمرود کا ہے، اس نے حیلے سے آسمان تک پہنچنے کا قصد کیا جس طرح اس کے بعد شاہ قبط فرعون نے ایک بلند مینار تعمیر کرکے ایسا ہی پروگرام بنایا تھا لیکن دونوں کے پروگرام اور حیلے خاک میں مل گئے، دونوں اپنے مقصد میں ناکامی سے دوچار ہوئے، ان کی کمزوری، عاجزی، ذلت اور حقارت واضح ہوگئی۔ مجاہد نے بخت نصر کے متعلق یہ قصہ بیان کیا ہے کہ اس نے اوپر چڑھنا شروع کردیا جب انتہائی بلندی پر پہنچ کر زمین اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تو اسے ایک آواز سنائی دی کہ اے سرکش! کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ ڈر گیا، پھر اوپر سے اسے آواز سنائی دی تو اس نے جلدی سے نیزہ جھکا کر نیچے اترنا شروع کردیا۔ دھماکے کی ایسی آواز آئی کہ پہاڑ لرزنے لگے اور قریب تھا کہ وہ اپنی جگہ سے زائل ہوجاتے، یہی اس قول وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ ...... کا مطلب ہے(2)۔ مجاہد نے "لِتَزُوْلَ" کی بجائے "لَتَزُوْلُ" پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک "اِنْ" نافیہ ہے(3)، حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر اس کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو شرک اور کفر کیا وہ پہاڑوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 244، روح المعانی، جلد 13 صفحہ 251 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 244 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 247

وغیرہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا بلکہ اس کا وبال ان پر ہی پڑے گا۔ یہ معنی اس آیت کے مشابہ ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل:37)'' اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں)، دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ مکر سے مراد شرک ہے یعنی ان کا شرک قریب ہے کہ پہاڑوں کو زائل کر دے جیسا کہ فرمایا: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ''۔ ''قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے''۔ ضحاک اور قتادہ کا بھی قول ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

''تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائیں گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یقین دہانی اور تاکید بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسولوں کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اور فتح و نصرت سے ہاتھ اٹھانے والا ہے۔ وہ غالب ہے، کوئی چیز اس پر ممتنع اور مشکل نہیں، نہ ہی اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے اور وہ کفر کرنے والوں اور انکار کرنے والوں سے انتقام لیتا ہے اور اس دن کو جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہو، اس لئے فرمایا: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ..... یعنی اس کا وعدہ اس دن پورا ہو گا جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ یہ اپنی موجودہ معروف صفت کے برعکس ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قیامت کے دن لوگوں کو میدہ کی ٹکیہ جیسی سفید زمین میں جمع کیا جائے گا جہاں کسی کے لئے کوئی علامت نہیں ہو گی''(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ..... کے متعلق دریافت کیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوگ اس دن (پھر) کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پل صراط پر''(2)۔ ایک اور روایت میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو پہلے کسی امتی نے مجھ سے نہیں کیا، لوگ پل صراط پر ہوں گے''(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس فرمان وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر:67)'' (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے'' کے متعلق دریافت کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم کے اوپر (پل صراط پر) ہوں گے''(4)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا کہ ایک یہودی عالم آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کا نام لے کر کہنے لگا:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 135، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2150

2۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2150، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 35، 134 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 253

4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 116-117

''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ''۔ میں نے اسے اس زور سے دھکا دیا قریب تھا کہ وہ گر جائے۔ وہ مجھے کہنے لگا: تم نے مجھے دھکا کیوں دیا ہے؟ میں نے کہا: (آپ کا نام لینے کے بجائے) تم یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں کہتے۔ اس یہودی نے کہا کہ ہم تو آپ ﷺ کو اسی نام سے پکارتے ہیں جو نام آپ ﷺ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کا رکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ہی رکھا ہے۔'' یہودی کہنے لگا کہ میں ایک بات دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تمہیں کوئی فائدہ ہوگا؟'' اس نے کہا کہ میں پہلے سن تو لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں موجود لکڑی سے زمین کریدتے ہوئے فرمایا: ''پوچھو''۔ یہودی کہنے لگا کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے جس دن زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ پل صراط کے پاس تاریکی میں ہوں گے''۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ سب سے پہلے اسے عبور کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فقراء مہاجرین''۔ یہودی کہنے لگا کہ جب وہ جنت میں جائیں گے تو ان کے لئے کیا تحفہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مچھلی کی کلیجی'' اس نے پوچھا کہ اس کے بعد ان کے لئے کونسی غذا ہوگی؟ فرمایا: ''ان کے لئے جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جنت میں چرتا رہا''۔ اس نے کہا: ان کے لئے پھر مشروب کونسا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلسبیل نامی چشمے کا پانی''۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ میں آپ ﷺ سے ایک اور بات پوچھنا چاہتا ہوں جسے صرف نبی یا ایک دو اور آدمی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تجھے فائدہ ہوگا؟'' وہ کہنے لگا کہ پہلے اپنے کانوں سے سن تو لوں۔ کہنے لگا کہ میں آپ ﷺ سے بچے کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مرد کا پانی (مادہ منویہ) سفید رنگ کا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد رنگ کا۔ جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو بحکم خدا لڑکا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو بحکم خدا لڑکی ہوتی ہے۔'' یہودی کہنے لگا کہ آپ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ پھر وہ چلا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا''(1)۔ طبری میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ...... کے متعلق دریافت کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مخلوق کہاں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اس لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان کے مقابلے میں معمولی نہیں ہوگا''(2)۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ اس زمین کو بدل دیا جائے گا اور وہ سفید چاندی جیسی صاف ستھری ہوگی جس پر نہ خون بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا، ان کی نگاہیں تیز ہوں گی، داعی کی آواز کو خوب سنیں گے۔ برہنہ پا اور برہنہ بدن کھڑے ہوں گے بالکل اسی طرح جب وہ پیدا ہوئے تھے یہاں تک کہ پسینہ لگام کی طرح ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سفید زمین ہوگی جس پر نہ خون بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا''(3)۔ حضرت زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ یہود کو بلا بھیجا۔ پھر صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ میں نے انہیں کیوں بلوایا ہے؟'' صحابہ کرام عرض کرنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے انہیں اس لئے پیغام بھیجا ہے تا کہ ان سے اس فرمان یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ...... کے متعلق دریافت کروں، یہ زمین اس دن چاندی جیسی سفید ہوگی(4)۔ جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا۔ وہ کہنے لگے کہ زمین میدہ کی طرح سفید ہوگی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، جلد 1 صفحہ 252-253
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 253-254
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 249-250، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 156
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 250

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ آسمان باغات کی شکل اختیار کر لیں گے۔ محمد بن قیس کہتے ہیں کہ زمین روٹی بن جائے گی جسے اہل ایمان اپنے قدموں تلے سے ہی کھائیں گے۔ حضرت سعید بن جبیر بھی یہی کہتے ہیں کہ زمین سفید روٹی بن جائے گی جسے مومن اپنے قدموں تلے سے کھائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن زمین آگ بن جائے گی، اس کے پیچھے جنت ہوگی جس کی جواں سال حوریں اور جام دکھائی دیں گے، لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے اور ابھی حساب نہیں شروع ہوا ہوگا(1)۔ حضرت عبداللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تمام کی تمام زمین آگ بن جائے گی اور جنت اس کے پیچھے نظر آ رہی ہوگی اور اس کی نعمتیں بھی دکھائی دیں گی، قسم بخدا! لوگ اس قدر پسینے سے شرابور ہوں گے کہ زمین پر پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ بعض لوگ تو ناک تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے لیکن ابھی حساب شروع نہیں ہوا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا، یوم قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ آسمان باغات بن جائیں گے، سمندر آگ بن جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "سمندر کا سفر صرف غازی، حاجی یا عمرہ کرنے والے ہی کریں کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے، یا یہ فرمایا کہ آگ کے نیچے سمندر ہے" (2)۔ صور کی مشہور حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں: "اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کو بدل دے گا اور زمین کو عکاظی چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دے گا جس میں کوئی اونچ نیچ نظر نہیں آئے گی، پھر مخلوق کو ایک ہی جھڑک ہوگی کہ وہ اس تبدیل شدہ (نئی) زمین پر جمع ہو جائیں گے" (3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبَرَزُوْا...... یعنی تمام مخلوق قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہو جائے گی جو یکتا اور سب پر غالب ہے۔

وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

"اور تم دیکھو گے مجرموں کو اس روز کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی ان کے چہروں کو آگ یہ اس لئے تاکہ بدلا دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

جس دن قیامت قائم ہوگی، زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خالق کائنات کے حضور جمع ہوگی تو اس دن کفر و فساد کا ارتکاب کرنے والے مجرم ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ہر قسم کے گنہگار اپنے جیسے گنہگاروں کے ساتھ پابند سلاسل ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) "(اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو"، وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: 7) "اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی"، وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (الفرقان: 13) "اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو"، وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ص: 38-37) "اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں"۔ بقول ابن عباس، سعید بن جبیر، اعمش اور عبدالرحمٰن بن زید اصفاد کا معنی بیڑیاں ہیں اور یہی مشہور معنی ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 251 | 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 6 | 3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ انعام: 73

سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ یعنی ان کے کپڑے جنہیں وہ پہنیں گے، تارکول کے ہوں گے۔ ''قَطِرَانٍ'' وہ سیال ہے جو اونٹوں پر ملا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ گندھک ہے جسے آگ تیزی سے پکڑتی ہے۔ اس لفظ کو ''قِطِرَان''، ''قَطْرَان'' اور ''قِطْران'' بھی پڑھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''قَطِرَانٍ'' سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

وَتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا: تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ (المومنون:104) ''بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟)''۔ حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں یہ کبھی نہیں ترک کریں گے۔ حسب پر فخر، نسب میں طعنہ زنی، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ۔ اور نوحہ گر عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا، اس پر تارکول کا لباس ہوگا اور خارش کا دوپٹہ'' (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ نہیں کرتی تو اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، اس کا لباس تارکول کا ہوگا اور آگ اس کے چہرہ کو ڈھانپ لے گی'' (2)۔

لِيَجۡزِىَ اللّٰهُ...... جیسا کہ فرمایا: لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا (النجم:31) ''تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا''، آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ۔ ممکن ہے یہ فرمان اس آیت کی طرح ہو: اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ (الانبیاء:1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کے محاسبہ کے وقت جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کے سامنے تمام مخلوق فرد واحد کی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ احاطہ اور شمار کرنے میں وہ سریع الحساب ہے، اور ممکن ہے کہ دونوں معانی مراد لئے جائیں۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۲﴾

''یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے (اسے اتارا گیا ہے) تاکہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمندانہ لوگ''۔

فرمایا کہ یہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لئے پیغام ہے جیسا کہ فرمایا: لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ (الانعام:19) ''تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''، یعنی جن وانس تمام مخلوق کے لئے یہ پیغام ہدایت ہے جیسا کہ فرمایا: الٓرٰ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ (ابراہیم:1) ''الف۔ لام۔ را۔ یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان) کی طرف''۔

وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ...... تاکہ وہ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں اور اس کے دلائل و براہین کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال کریں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 342-343　2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 60

سورۂ حجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③

''الف۔ لام۔ را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی اور روشن قرآن کی۔ (عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ انہیں رہنے دیجئے وہ کھائیں (پئیں) اور عیش کریں اور غافل رکھے انہیں (جھوٹی) امید، کچھ عرصہ بعد وہ (حقیقت کو خود بخود) جان لیں گے''۔

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات پر بحث گزری چکی ہے۔ کفار کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ عنقریب اپنے کفر پر نادم ہوں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں وہ مسلمان ہوتے۔ سدی نے اپنی تفسیر میں حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم سے نقل کیا ہے کہ کفار قریش کو جب آگ میں جھونکا جائے گا تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر کافر موت کے وقت یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ مومن ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ روز قیامت ہر کافر کی یہ تمنا ہوگی جیسا کہ فرمان ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام: 27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے''۔ حضرت عبداللہ آیت کریمہ رُبَمَا يَوَدُّ...... کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آیت جہنمیوں کے بارے میں ہے، جب وہ مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکلتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے۔ حضرات ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمانوں کو بھی مشرکین کے ساتھ جہنم میں ڈال دے گا تو مشرکین انہیں کہیں گے کہ دنیا میں جو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، اس نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ ان کی یہ بات سن کر رحمت الٰہی جوش میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم سے نکال لے گا، اس وقت مشرک یہ تمنا کریں گے(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جہنمی موحدین سے کہیں گے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ جب وہ یہ بات کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر اس شخص کو جہنم سے نکال دو جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے۔ اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے(1)۔ ضحاک، قتادہ اور ابوالعالیہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث مرفوعہ مروی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جائیں گے تو لات وعزیٰ کے پجاری انہیں (طعنہ دیتے ہوئے) کہیں گے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قول نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 3

تمہیں کیا فائدہ دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ ہی آگ میں (جھلس رہے) ہو۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا کرم جوش میں آجائے گا اور انہیں جہنم سے نکال کر نہر حیات میں ڈال دے گا۔ وہ آگ کے اثرات سے اس طرح چھٹکارا پالیں گے جیسے چاند گرہن سے نکل آتا ہے۔ پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا''۔ ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت سنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے''۔ ہاں، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے (1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جہنمی جہنم میں جمع ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کفار مسلمانوں سے کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں، کفار کہیں گے کہ جب تم بھی ہمارے ساتھ جہنم میں ہو تو پھر تمہارا ایمان تمہارے کس کام آیا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے کچھ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا جن کے باعث پکڑ لئے گئے۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ اہل قبلہ کو جہنم سے نکالنے کا حکم دے گا۔ چنانچہ انہیں نکال دیا جائے گا۔ جب کافر یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تاکہ جیسے انہیں جہنم سے نکالا گیا ہے، ہم بھی نکال دیئے جاتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھ کر دو آیتیں الٓرٰ...... مُسْلِمِیْنَ تلاوت کیں (2)۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں استعاذہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ'' کے بجائے تسمیہ مذکور ہے (3)۔ صالح بن ابی شریف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اس آیت رُبَمَا یَوَدُّ...... کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے کچھ لوگوں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد جہنم سے نکال دے گا''۔ اور فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ انہیں مشرکین کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا تو مشرکین انہیں کہیں گے کہ تم تو دنیا میں یہ خیال کرتے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو، پھر جہنم میں ہمارے ساتھ کیسے آ گئے؟ جب اللہ تعالیٰ یہ بات سنے گا تو ان کے لئے شفاعت کا اذن مرحمت فرمائے گا۔ چنانچہ ملائکہ، انبیاء اور مومنین ان کے لئے شفاعت کریں گے یہاں تک کہ وہ اذن الٰہی سے باہر نکل آئیں گے۔ جب مشرکین یہ (عنایت ربانی) دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی ان جیسے ہوتے تاکہ ہمیں بھی شفاعت نصیب ہو جاتی اور ہم بھی ان کے ساتھ جہنم سے نکل آتے۔ بس یہی مطلب اس آیت رُبَمَا یَوَدُّ...... کا ہے۔ ان (نو واردان جنت) کے چہروں پر کچھ سیاہی کے نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں جہنمی کہا جائے گا تو یہ عرض کریں گے: اے پروردگار! یہ (معیوب) نام ہم سے دور کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی ایک نہر میں غسل کرنے کا حکم دے گا تو یہ نام بھی (سیاہی کے ساتھ) زائل ہو جائے گا'' (4)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض لوگوں کو آگ نے گھٹنوں تک پکڑ رکھا ہوگا، بعض کے ازار بند باندھنے کی جگہ تک، بعض کی گردن تک (یعنی) اپنے اپنے گناہوں اور اعمال کے مطابق۔ ان میں سے بعض ایک ماہ وہاں (جہنم میں) رہیں گے اور پھر نکل آئیں گے، کچھ ایک سال رہنے کے بعد نکل آئیں گے اور سب سے زیادہ طویل عرصہ وہاں ٹھہرنے والا وہ شخص ہوگا جو دنیا کی تخلیق سے فنا تک کی مدت کے برابر وہاں ٹھہرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں وہاں سے نکالنے کا ارادہ فرمائے گا تو یہود، نصاریٰ، بت پرست اور دیگر ادیان کے پیروکار جہنمی اہل توحید سے کہیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے

1۔ طبرانی — 2۔ طبرانی — 3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 14 صفحہ 2

4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان [باب وصف الجنۃ واھلھا، جلد 9 صفحہ 261-262

لیکن آج ہم اور تم جہنم میں یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر اس قدر شدید غضبناک ہوگا جس قدر پہلے وہ کبھی نہ ہوا ہوگا اور انہیں وہاں سے نکال کر جنت کے ایک چشمے پر لائے گا۔ اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے (1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذَرۡهُمۡ يَأۡكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا میں ان کے لئے شدید دھمکی اور وعید ہے جیسا کہ فرمایا: قُلۡ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمۡ إِلَى النَّارِ (ابراہیم:30) ''آپ (انہیں) فرمایئے (کچھ وقت) لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''، كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجۡرِمُونَ (المرسلات:46) ''(اے منکرو!) اب کھالو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو''، اس لئے فرمایا: وَيُلۡهِهِمُ الۡأَمَلُ تاکہ لمبی آس انہیں توبہ اور رجوع الی اللہ سے غافل کر دے اور عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

وَمَآ أَهۡلَكۡنَا مِن قَرۡيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُومٌ ۝ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَـٔۡخِرُونَ ۝

''اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔ نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ قیام حجت اور انتہائے اجل سے پہلے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اور جب کسی قوم کی ہلاکت کا وقت آ جاتا ہے تو پھر اس سے تقدیم و تاخیر ممکن نہیں ہوتی۔ یہاں اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور انہیں شرک، عناد اور الحاد کی تباہ کن روش سے باز آ جانے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

وَقَالُوا يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ إِنَّكَ لَمَجۡنُونٌ ۝ لَّوۡ مَا تَأۡتِينَا بِالۡمَلَـٰٓئِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّـٰدِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلَـٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَا كَانُوٓا إِذًا مُّنظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝

''اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اتارا گیا ہے جس پر قرآن بیشک تو مجنون ہے۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی۔ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

کفار اپنے کفر و عناد کے باعث نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ اے وہ جس پر ذکر (قرآن کریم) نازل کئے جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، تم جو ہمیں اپنی اتباع اور ہمارے باپ دادا کے دین کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہو، اس میں تم ہمیں مجنون لگتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ لے آئے تاکہ وہ تمہاری صداقت اور تمہارے پیغام کی حقانیت پر گواہی دیتے۔ فرعون نے بھی اسی طرح کہا تھا: فَلَوۡلَآ أُلۡقِيَ عَلَيۡهِ أَسۡوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلَـٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِينَ (الزخرف:53) ''(اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرۡجُونَ لِقَآءَنَا لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡنَا الۡمَلَـٰٓئِكَةُ أَوۡ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسۡتَكۡبَرُوا فِيٓ أَنفُسِهِمۡ وَعَتَوۡ عُتُوًّا كَبِيرًا ۝ يَوۡمَ يَرَوۡنَ الۡمَلَـٰٓئِكَةَ لَا بُشۡرَىٰ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجۡرًا

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 64

مَّحۡجُوۡرًا (الفرقان:22-21) "اور کہاان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے"۔ اسی طرح یہاں فرمایا: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ...... مجاہد نے آیت کریمہ میں "بِالْحَقِّ" کا معنی بیان کیا ہے: "بالرسالة والعذاب" یعنی رسالت یا عذاب کے ساتھ (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پختہ کر کے بیان کیا کہ ذکر (قرآن کریم) اسی کا نازل کردہ ہے اور وہی تغیر و تبدل سے اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ بعض نے لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ کو بنایا ہے یعنی ہم ہی آپ ﷺ کے محافظ ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67) "اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے"، لیکن سیاق کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کو اس ضمیر کا مرجع بنانا زیادہ موزوں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

"اور بیشک ہم نے بھیجے (پیغمبر) آپ سے پہلے اگلی امتوں میں۔ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو مجرموں کے دلوں میں۔ وہ نہیں ایمان لائیں گے اس پر اور گزر چکی ہے پہلوں کی یہی روش"۔

کفار قریش کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے گئے اور جو بھی رسول تشریف لایا اس کی تکذیب کی گئی اور مذاق اڑایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اتباع ہدایت سے پہلوتہی کرنے والے متکبر اور سرکش مجرموں کے دلوں میں تکذیب ڈال دیتا ہے۔ حضرات انس اور حسن بصری کہتے ہیں کہ "نَسْلُكُهٗ" میں ضمیر مفعول سے مراد شرک ہے یعنی ہم شرک ان کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا: قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو کیسی تباہی سے دوچار کیا اور کس طرح دنیا و آخرت میں اپنے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

"اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے"۔

یہ بدبخت اپنے کفر، عناد، تکبر اور انکار حق میں اس انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کہ اگر بالفرض ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے جس سے وہ اوپر چڑھ کر آیات الٰہی کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں تو بھی اس کی تصدیق نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 7

دی گئی ہے، آنکھیں بہکا دی گئی ہیں اور بقول کلبی ہماری آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جادو کر دیا گیا ہے ابن زید اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بے وقوف بنا دیا گیا ہے(1)۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

”اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور گاڑ دیئے اس میں محکم پہاڑ اور ہم نے اگا دی اس میں ہر چیز اندازے کے مطابق۔ اور ہم نے بنا دیئے تمہارے لئے بھی اس میں رزق کے سامان اور ان کے لئے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو“۔

اس قدر بلند آسمان کی تخلیق اور اسے ثابت رہنے والے اور حرکت کرنے والے ستاروں کے ساتھ آراستہ کرنے میں ہر اس شخص کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں موجود ہیں جو ان میں غور و فکر کرتا ہے اور بار بار نگاہ بصیرت اور چشم عبرت سے انہیں دیکھتا ہے۔ ان میں اس قدر عجائبات اور نشانیاں ہیں کہ انہیں دیکھتے دیکھتے نظر حیران ہو جاتی ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں بروج سے مراد ستارے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان: 61) ”بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج“، بعض کہتے ہیں کہ بروج سے مراد شمس و قمر کی منازل ہیں۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہاں بروج سے مراد وہ محلات ہیں جہاں پہریدار موجود ہوں۔ سرکش شیطانوں کو بھگانے کے لئے شہابیوں کو ان کا چوکیدار مقرر کیا گیا ہے تاکہ وہ آسمانی فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔ ان میں سے جو سرکشی کرتے ہوئے چوری چھپے باتیں سننے کے لئے آسمان کی طرف بڑھتا ہے تو ایک روشن شہابیہ (شعلہ) اس کی تواضع کے لئے موجود ہوتا ہے اور وہ اسے مار بھگاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ شہابیے کے حملہ آور ہونے سے پہلے وہ آسمان سے سنی ہوئی بات نیچے والے اپنے ساتھی تک پہنچا دیتا ہے اور پھر وہ اپنے زمینی دوست تک جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان سے کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے سر جھکا لیتے ہیں جیسے چٹان پر زنجیر۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جو بھی فرمایا، حق ہے، وہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ چوری چوری سننے والے (جنات و شیاطین) اس بات کو سن لیتے ہیں۔ یہ چوری چوری سننے والے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ راوی سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اوپر نیچے رکھ کر بتایا کہ اس طرح۔ بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ سنی ہوئی بات اپنے ساتھی تک پہنچائے، شہابیہ اسے دبوچ لیتا ہے اور اسے جلا ڈالتا ہے لیکن کبھی وہ اسے نہیں پا سکتا حتیٰ کہ وہ اس سنی ہوئی بات کو اپنے نیچے والے ساتھی کی طرف منتقل کر دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے، اس طرح وہ اس بات کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہاں وہ کسی جادوگر یا کاہن کے پاس اسے پہنچا دیتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سو

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 13

جھوٹ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ جب اس کی بات (جو آسمان سے اس تک پہنچی تھی) سچ ثابت ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا اس (جادوگر یا کاہن) نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ فلاں فلاں دن یوں یوں ہوگا۔ واقعی ایسا ہی ہوا(1)۔ اس کے بعد زمین کی تخلیق، وسعت، پھیلاؤ اور اس میں پائے جانے والے پہاڑ، وادیاں، صحراء، قطعات زراعت اور اگنے والی کھیتیوں اور پھلوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "مَّوْزُوْنٍ" کا معنی "معلوم" کیا ہے، اسی طرح حضرات سعید بن جبیر، ابومالک، مجاہد، حکم بن عیینہ، حسن بن محمد، ابوصالح اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا ہے: جس کی مقدار مقرر کر دی گئی ہو۔ اور آپ ہی اس کا یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ چیز بازار والے جس کا وزن کرتے ہیں۔ فرمایا: وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ یعنی ہم نے لوگوں کے لئے زمین میں انواع واقسام کے اسباب معیشت اور وسائل رزق مہیا کر دیئے ہیں۔ "مَعَايِش"، "معيشة" کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ سے مراد بقول مجاہد چوپائے اور جانور ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ غلام، لونڈی اور جانور(2)۔ بہرکیف مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طرح طرح کے وسائل رزق، اور اسباب معیشت مہیا کرنے پر اپنا احسان جتلا رہا ہے۔ مزید برآں یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے سواری کے لئے جانور، کھانے کے لئے جانور اور خدمت کے لئے لونڈی اور غلام لوگوں کے لئے مسخر کر دیئے۔ ان کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے نہ کہ ان کے ذمے۔ فائدہ یہ حاصل کرتے ہیں لیکن ان کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ٘ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ١ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾

"اور نہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں۔ اور ہم نہیں اتارتے اسے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ پس ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو باردار بنا کر پھر ہم اتارتے ہیں آسمان سے پانی پھر ہم پلاتے ہیں تمہیں وہی پانی۔ اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔ اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو۔ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی انہیں (روز قیامت) جمع کرے گا۔ بے شک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس پر نہایت سہل اور معمولی ہے، انواع واقسام کی تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور وہ ایک معین مقدار میں ہی اپنے خزانے عطا فرماتا ہے، اس میں بھی اس کی حکمت اور رحمت کارفرما ہے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اس نے خود ہی بندوں پر مہربانی فرماتے ہوئے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا سال نہیں جس میں دوسرے سال کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہو (بلکہ ہر سال یکساں مقدار میں بارش برستی ہے) لیکن اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اسے تقسیم فرما دیتا ہے، ایک سال ادھر اور دوسرے سال ادھر۔ پھر انہوں نے اسی آیت وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ...... کی تلاوت کی(3)۔ حکم بن عیینہ اس آیت کے متعلق فرماتے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 101　2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 18　3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 18-19

ہیں کہ کوئی ایسا سال نہیں جس میں دوسرے سال کی نسبت زیادہ یا کم بارش برستی ہو۔ لیکن ہوتا یوں ہے کہ بعض پر بارش برسائی جاتی ہے اور بعض کو محروم رکھا جاتا ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ اولاد ابلیس اور اولاد آدم کی تعداد سے زیادہ فرشتے بارش کے ساتھ اترتے ہیں، وہ قطرہ قطرہ شمار کرتے ہیں کہ وہ کہاں گرا اور اس سے کیا اگا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے خزانے محض کلام ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''(2)۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ یعنی ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پانی برساتی ہیں اور درختوں کو باردار کرتی ہیں تو ان سے پتے اور کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ یہاں ہواؤں کا وصف ''لَوَاقِحَ'' جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان سے بارداری اور پیداوار کے عمل کا امکان ظاہر ہو سکے۔ یہ ''رِیْحٌ عَقِیْمٌ'' کے برعکس ہے۔ اس میں عقیم مفرد وصف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بارداری اور پیداوار کے حصول کا امکان نہیں ہوتا۔ اور بارداری کے لئے کم از کم دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہوائیں آسمان سے پانی اٹھاتی ہیں، پھر بادل کی طرح گزر جاتی ہیں یہاں تک کہ بادلوں کو پانی سے پُر کر کے برساتی ہیں(3)۔ حضرات ابن عباس، ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں پر بھیجتا ہے جو انہیں پانی سے بھر دیتی ہیں۔ عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ زمین کو صاف کر دیتی ہیں، پھر ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اڑا لے جاتی ہیں، پھر ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو جمع کرتی ہیں، پھر باردار کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔ پھر انہوں نے اسی آیت وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ کی تلاوت کی(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنوب کی طرف سے چلنے والی ہوا جنتی ہے، اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اسی سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں''(5)۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے سات سال بعد جنت میں ایک ہوا پیدا کی۔ ایک بند دروازہ اسے روکے ہوئے ہے اور اسی دروازے سے تمہارے پاس ہوا پہنچتی ہے، اگر اسے کھول دیا جائے تو یہ زمین و آسمان کے درمیان تمام چیزیں لے اڑے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی کا نام ازیب ہے اور تمہارے ہاں جنوب''(6)۔

فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ یعنی ہم نے تمہارے پینے کے لئے میٹھا پانی اتارا ہے اور اگر ہم چاہتے تو اسے نمکین اور کھاری بنا دیتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں متنبہ کیا: اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۞ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ (الواقعہ: 70-68) ''کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ (النحل: 10) ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو''۔ سفیان ثوری اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ تم اسے روکنے والے نہیں(7)۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ تم اس کی حفاظت کرنے والے نہیں بلکہ ہم

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 70　　2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 70　　3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 20
4۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 21　　5۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 22، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 72
6۔ مسند حمیدی، جلد 1 صفحہ 70-71، مطالب عالیہ، جلد 3 صفحہ 264　　7۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 22

ہی اسے اتارتے ہیں، ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ہم ہی اسے چشموں کی صورت میں جاری کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پانی کو زمین کی تہہ میں دھنسا دے اور اسے غائب کر دے لیکن یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ پانی برساتا ہے، میٹھا پانی مہیا کرتا ہے اور اسے چشموں، کنوؤں، نہروں اور دریاؤں وغیرہ میں محفوظ رکھتا ہے تاکہ پورا سال پینے اور کھیتی باڑی کے لئے زمین سیراب کرنے کے کام آسکے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ...... اللہ تعالیٰ نے ہی تمام مخلوق کو عدم سے وجود بخشا، وہی انہیں مارتا ہے اور وہی قیامت کے دن ایک بار پھر تمام مخلوق کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ زمین اور اہل زمین کا وہی وارث ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر تمام اولین وآخرین کے متعلق اپنے علم محیط کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اَلْمُسْتَقْدِمُوْنَ" سے مراد وہ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر فوت ہو چکے ہیں اور "اَلْمُسْتَاْخِرُوْنَ" سے مراد وہ ہیں جو زندہ ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں۔ اسی طرح عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک، محمد بن کعب اور شعبی وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(1)۔ مروان بن حکم کا کہنا ہے کہ بعض لوگ عورتوں کی وجہ سے پچھلی صفوں میں رہا کرتے تھے، اس پر یہ آیت اتری(2)۔ اس بارے میں ایک غریب حدیث بھی مروی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ایک بہت خوبصورت عورت نماز پڑھا کرتی تھی، میں نے اس جیسی حسین وجمیل عورت نہیں دیکھی۔ بعض مسلمان آگے کھڑے ہوتے تاکہ اس پر نظر ہی نہ پڑے اور بعض پیچھے کھڑے ہوتے۔ جب وہ سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں تلے سے اسے دیکھ لیتے، اس پر یہ آیت اتری(3)۔ یہ حدیث بہت منکر ہے۔ ابوالجوزاء اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نماز کی صفوں میں آگے کھڑے ہونے والے اور پیچھے رہنے والے۔ یہ ابوالجوزاء کا اپنا قول ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس میں ذکر نہیں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ نوح بن قیس کی روایت سے زیادہ مشابہ ہے۔ عون بن محمد نے یہی بیان کیا یعنی نماز کی صفوں میں آگے اور پیچھے رہنے والے۔ یہ سن کر محمد بن کعب کہنے لگے کہ یہ مطلب نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ ہیں جو مر چکے اور قتل ہو گئے اور پچھلوں سے مراد بعد میں پیدا ہونے والے۔ عون بن محمد کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق اور جزائے خیر سے نوازے(4)۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

"اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جن کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں"۔

حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ "صَلْصَالٍ" سے مراد خشک مٹی ہے۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ (الرحمٰن:15-14) "پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند۔ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے"۔ مجاہد اس کا معنی بدبودار مٹی کرتے ہیں لیکن آیت کی آیت سے تفسیر زیادہ موزوں ہے۔ "حَمَاٍ" کا معنی ہے مٹی اور "مَسْنُوْنٍ" کا معنی چکنی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی تر مٹی (کیچڑ) ہے۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 23
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 26
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التفسیر، جلد 1 صفحہ 332، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 305 وغیرہ
4۔ الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 75 تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 23

عباس، مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں کہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا معنی ہے بد بودار مٹی۔ بعض نے "مَسْنُوْنٍ" کا معنی بیان کیا ہے: قالب میں ڈھلی ہوئی۔ پھر فرمایا: وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ...... یعنی ہم نے انسان سے پہلے جنات کو جلا دینے والی سخت آگ سے پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نَّارِ السَّمُوْمِ کا معنی وہ آگ بیان کیا ہے جو قتل کر ڈالے۔ بعض نے سموم کا معنی دن اور رات کی گرمی کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سموم رات کی گرمی کو کہتے ہیں اور حرور دن کی گرمی کو۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں عمر الاعصم کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک بات نہ سناؤں جو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ گرمی اس گرمی کا سترواں حصہ ہے جس سے جان کو پیدا کیا گیا پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات بہت ہی بہتر آگ کے شعلوں سے تخلیق کئے گئے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ان کی تخلیق سورج کی آگ سے ہوئی۔ حدیث صحیح میں ہے: "ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا، جنات کی تخلیق شعلے والی آگ سے اور آدم اس سے پیدا ہوئے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے"(2)۔ اس آیت سے مقصود آدم علیہ السلام کی فضیلت، آپ کے عنصر کی پاکیزگی اور آپ کی اصل کی طہارت بیان کرنا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

"اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بد بودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔ پس سر بسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔ سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ (گستاخ) کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بد بودار تھی"۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شان بیان ہو رہی ہے کہ ان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں ان کا ذکر کیا، پھر ملائکہ سے سجدہ کروا کر آپ کو شرف عظیم بخشا لیکن ابلیس نے حسد، کفر، عناد، تکبر اور فخر کے باعث سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، کہنے لگا: لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ...... کیونکہ اس کا کہنا تھا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف:12) "میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے"، اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ...... (بنی اسرائیل:62) "مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟......" ابن جریر نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک غریب اثر نقل کیا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 30-31 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف:12

کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو پیدا کیا تو انہیں فرمایا: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا ...... وہ کہنے لگے کہ ہم آدم کو سجدہ نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا، پھر اور ملائکہ پیدا کئے اور انہیں بھی یہی حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، لیکن ابلیس سجدہ نہ کرنے پر بضد رہا، یہ پہلے منکرین میں سے تھا (1)۔ اس اثر کا کوئی ثبوت نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

''اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا یہاں سے تو مردود ہے۔ اور بلاشبہ تجھ پر لعنت ہے روز جزاء تک۔ کہنے لگا اے میرے رب! پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔ (جنہیں) وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، فرمایا کہ فرشتوں میں جو مقام و مرتبہ تجھے حاصل ہے، اس سے دستکش ہو جا اور یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے اور قیامت تک لگاتار تجھ پر لعنت اور پھٹکار برستی رہے گی۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب ابلیس ملعون ٹھہرا تو اس کی صورت ملائکہ کی صورت سے بدل گئی۔ اس نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ دنیا میں تمام نوحے اسی سے شروع ہوئے۔ جب ابلیس غضب الٰہی کا سزاوار ٹھہرا، مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا تو اس نے آدم اور اولاد آدم کے شدید حسد کے باعث قیامت تک کے لئے مہلت مانگی۔ چنانچہ اس کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت اور ڈھیل دے دی۔ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو اسے مبتلائے عذاب کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

''وہ بولا اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا۔ میں (برے کاموں کو) ضرور خوشنما بنا دوں گا ان کے لئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کو جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے۔ اور بے شک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لئے۔ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے''۔

ابلیس نے سرکشی اور نافرمانی اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا: بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ بعض نے یہاں ''باء'' کو قسمیہ بنایا ہے یعنی مجھے گمراہی میں ڈالنے کی قسم۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''باء'' سببیہ ہو یعنی اس سبب سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور زمین میں اولاد آدم کے لئے

1۔ تفسیر الطبری، جلد 14 صفحہ 31

گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کروں گا، گناہوں کو ان کے نزدیک محبوب بنا دوں گا، ان میں انہیں رغبت دلاؤں گا اور ان گناہوں پر ہی انہیں اکساؤں گا اور جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اسی طرح میں بھی انہیں گمراہ کروں گا بجز تیرے برگزیدہ اور مخلص بندوں کے، ایک اور مقام پر اس کا قول یوں بیان کیا: اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:62) ''مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے''۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ یعنی تم تمام کو میری طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں تمام نیک و بد اعمال کا بدلہ دوں گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر:14) '' بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے''۔ بعض نے اس آیت هٰذَا صِرَاطٌ...... کا معنی بیان کیا ہے کہ حق کا رستہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتا ہے اور اس تک ہی اس کی انتہاء ہوتی ہے۔ یہ مجاہد، حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل:9) ''اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا'' قیس بن عبادہ، محمد بن سیرین اور قتادہ نے ''عَلَيَّ'' کی بجائے ''عَلِيٌّ'' (بلند) پڑھا ہے(1) جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (الزخرف:4) '' اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز''۔ لیکن پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ...... یعنی اپنے جن بندوں کے لئے میں نے ہدایت مقدر کر دی ہے، ان تک پہنچنا تیرے لئے ممکن نہیں۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ میں استثناء منقطع ہے۔ ابن جریر میں ایک حدیث ہے: ''انبیاء کرام کی بستیوں سے باہر مساجد ہوا کرتی تھیں۔ جب کسی نبی کو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز دریافت کرنا مقصود ہوتی تو وہ اپنی مسجد میں آتا اور جس قدر مقدر ہوتا، نماز پڑھتا پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا جو اس کے دل میں آتا۔ دریں اثناء ایک نبی اپنی مسجد میں تھا کہ دشمن خدا ابلیس اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نبی نے تین بار کہا: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ''۔ شیطان نے کہا: مجھے بتائیے کہ آپ کس چیز کے سبب میرے وار سے بچتے ہیں؟ نبی نے فرمایا: بلکہ پہلے تو مجھے بتا کہ کس چیز کے سبب تو ابن آدم پر غلبہ پاتا ہے؟ آخر یہ طے ہوا کہ ہر ایک دوسرے کو صحیح بات بتا دے۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ...... ابلیس کہنے لگا کہ یہ بات تو میں نے آپ کی ولادت سے بھی پہلے کی سنی ہوئی ہے۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الاعراف:200) ''اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔ اللہ کی قسم! جب بھی تم کھٹکتے ہو تو میں ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھ لیتا ہوں۔ دشمن خدا (ابلیس) نے کہا کہ آپ نے سچ کہا، اسی وجہ سے آپ میرے داؤ سے بچ جاتے ہیں۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اب تم بتاؤ، کس طریقے سے ابن آدم پر غلبہ پاتے ہو؟ اس نے کہا کہ غصے اور خواہشات نفسانی کے وقت میں ابن آدم کو دبوچ لیتا ہوں(2)۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی ابلیس کے تمام پیروکاروں کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''، پھر فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے متبعین ابلیس کی ایک مخصوص مقدار داخل ہوگی اور اس سے فرار ممکن نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

1۔ روح المعانی، جلد 14 صفحہ 51 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 34

ہمیں اس سے محفوظ رکھے! ہر ایک اپنے عمل کے مطابق کسی دروازے سے داخل ہوگا اور عمل کے مطابق ہی اس میں اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جہنم کے سات دروازے ہیں جو اوپر نیچے ہیں، پہلا دروازہ پر ہوگا، پھر دوسرا، پھر تیسرا حتیٰ کہ تمام دروازے بھر جائیں گے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ سات دروازوں سے سات طبقات مراد ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جہنم کے سات دروازوں کے نام بالترتیب یہ ہیں: جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم اور ھاویہ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد باعتبار اعمال ان کی منزلیں ہیں(1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ایک دروازہ یہود کے لئے، ایک نصاریٰ کے لئے، ایک صابیوں کے لئے، ایک مجوسیوں کے لئے، ایک مشرکین کے لئے، ایک منافقین کے لئے اور ایک اہل توحید کے لئے۔ اہل توحید کو تو نجات کی امید ہے لیکن باقیوں کو بالکل نہیں(2)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کے سات دروازے ہیں، اس کا ایک دروازہ اس کے لئے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار اٹھائے''(3)۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کریمہ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ کے متعلق فرمایا: ''بعض جہنمیوں کے ٹخنوں تک آگ ہوگی، بعض کی کمر تک اور بعض کی گردنوں تک، اعمال کے مطابق ان کی منزلیں ہوں گی''(4)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

''یقیناً پرہیزگار اس دن باغوں اور چشموں میں (آباد) ہوں گے۔ (انہیں حکم ملے گا) داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ (وغیرہ) تھا وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تکلیف اور نہ انہیں اس سے نکالا جائے گا۔ بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔

جہنمیوں کے ذکر کے بعد اب جنتیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ باغات اور چشموں میں لطف اٹھائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، تم آفات سے محفوظ ہو، ہر ڈر اور خوف سے اطمینان تمہیں حاصل ہو گیا۔ اب تمہیں ایسی جنت میں قیام کا مژدہ ہو جو دائمی ہے، اس میں تمہارا قیام بھی دائمی ہوگا، نہ اس سے تمہیں نکالے جانے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی نعمتوں کے انقطاع اور اختتام کا خطرہ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ...... حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے دلوں میں دنیا میں رونما ہونے والی باہمی عداوت، بغض اور رنجش موجود ہوگی، لیکن جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ہر قسم کا کینہ اور رنجش نکال دے گا(5)۔ پھر اسی آیت کی انہوں نے تلاوت کی۔ حضرت ابو امامہ کا ہی کہنا ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہر مومن

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 35-36
2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 82
3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حجر، جلد 11، صفحہ 287
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2185
5۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 36

کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔ اس قول کی ہم معنی ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مومنین کو آگ سے نکال کر جنت اور دوزخ میں ایک پل پر روک لیا جائے گا، دنیا میں انہوں نے جو ایک دوسرے پر زیادتیاں کی تھیں، ان کا بدلہ لیا جائے یہاں تک کہ جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں پھر جنت میں جانے کی اجازت ملے گی'' (1)۔ اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کے لئے اجازت طلب کی۔ آپ کے پاس اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہوئے تھے، آپ نے اشتر کو روکے رکھا، پھر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہنے لگا کہ میرا خیال ہے آپ نے اس (ابن طلحہ) کی خاطر مجھے انتظار کروایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اشتر کہنے لگا کہ میرا خیال ہے اگر آپ کے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہوتے تو بھی آپ مجھے روکے رکھتے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ...... عمران بن طلحہ اصحاب جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمانے لگے کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارا باپ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں فرمان ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ...... وہاں چٹائی کے کنارے بیٹھے ہوئے دو آدمی کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر عادل ہے، کل تو آپ انہیں قتل کر رہے تھے اور پھر تم لوگ بھائی بھائی بن جاؤ گے (تعجب ہے)؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ، اگر میں اور طلحہ اس آیت سے مراد نہیں تو پھر اور کون لوگ ہیں؟(2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قبیلہ ہمدان کے ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا تھا۔ آپ نے غضبناک ہو کر اس قدر بلند آواز میں اسے جواب دیا تھا کہ محل ہل گیا، آپ فرمانے لگے کہ اگر ہم نہیں تو اور کون لوگ اس آیت کا مصداق ہیں؟(2)۔ روایت میں ہے کہ اس شخص کا نام حارث اعور تھا۔ اس کی بات سن کر آپ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ چیز اسے دے ماری جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا: اے اعور! اگر ہم نہیں تو اور کون ہیں؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کافی دیر اسے باہر منتظر رکھا پھر اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ کہنے لگا کہ آزمائش کے وقت کام آنے والوں کے ساتھ آپ بدسلوکی کرتے ہیں۔ مزید اس نے حضرت زبیر اور ان کے ساتھیوں کو برے لفظوں سے یاد کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے منہ میں خاک، مجھے امید ہے کہ میں، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ آیت ہم خصوصاً اہل بدر کے متعلق نازل ہوئی۔ کثیر النواء کہتے ہیں کہ میں ابوجعفر محمد بن علی کے پاس آیا اور کہا کہ میرا دوست آپ کا دوست ہے، میرا دشمن آپ کا دشمن ہے، میری مصالحت آپ کی مصالحت ہے اور میری جنگ آپ کی جنگ ہے۔ میں اللہ کے نام پر آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں ابوبکر اور عمر سے بری ہوں تو انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو میں بھی گمراہ ہوا اور ہدایت یافتہ نہ رہا۔ اے کثیر! ان دونوں بزرگوں سے محبت کر۔ اگر اس میں تجھے گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم (3)۔ حضرت ابوصالح اس فرمان اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دس شخصیات ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (4)۔ ''مُتَقٰبِلِيْنَ'' کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کئے ہوئے نہیں ہوں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 138، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 13-57
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 37
3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 85 بحوالہ ابن عساکر وغیرہ
4۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 85 بحوالہ ابن مردویہ وابن عساکر وغیرہ

حضرت زید بن ابی اوفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ اور فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے (1)۔ آیت کریمہ میں لفظ نصب کا معنی مشقت اور اذیت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ کو جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دینے کا حکم دیا ہے جو زبرجد کا بنا ہوا ہے، اس میں نہ شور وغل ہے اور نہ مشقت و تکلیف'' (2)۔ فرمایا: وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''کہا جائے گا: اے اہل جنت! تم ہمیشہ صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تم یہاں ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی، تم یہاں ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی تم پر بڑھاپا نہیں آئے گا، تم یہاں ہمیشہ مقیم رہو گے اور کبھی کوچ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی'' (3)۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (الکہف: 108) ''وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں''۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ میرے بندوں کو آگاہ کر دیں کہ میں رحم بھی کرتا ہوں اور عذاب بھی دیتا ہوں۔ اس آیت کریمہ جیسی متعدد آیات کا ذکر ہو چکا ہے جو خوف و رجاء پر دلالت کرتی ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں حضرت مصعب بن ثابت سے مروی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ کو یاد کرو'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنوشیبہ کے دروازے سے گزر کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا میں تمہیں ہنستا ہوا نہیں دیکھ رہا؟'' پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ حجر اسود کے پاس پہنچے تو پھر ہمارے پاس واپس لوٹ آئے اور فرمایا: ''میں یہاں سے نکلا ہی تھا کہ جبرئیل مجھے آ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو نا امید کیوں کر رہے ہیں، انہیں فرما دو: نَبِّئْ عِبَادِیْٓ...... (4)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کے عفو کی مقدار معلوم ہو جائے تو وہ حرام سے احتراز کرنا چھوڑ دے اور اگر بندے کو عذاب الٰہی کی مقدار معلوم ہو جائے تو خود کو ہلاک کر ڈالے'' (5)۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

''اور بتایئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوشخبری ہے۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جایئے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے

1۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 220-221، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86
2۔ صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 133-134 وغیرہ
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 124-125
4۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86 بحوالہ ابن منذر
5۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 39، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86

فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے"۔

حضور علیہ السلام کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ علیہ السلام لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ سنائیں۔ لفظ "ضَيْف" کا اطلاق واحد اور جمع پر یکساں ہوتا ہے جیسے "زَوْرٌ" (ملاقاتی) اور "سَفْرٌ" (مسافر)۔ فرشتوں کے بلا اجازت اندر آنے کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔ آپ علیہ السلام کے خوفزدہ ہونے کا سبب ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا لیکن جب انہیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے نہ دیکھا تو آپ کو خوف لاحق ہو گیا۔ فرشتوں نے کہا: "لَا تَوْجَلْ" آپ خوفزدہ نہ ہوں، اور انہوں نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ آپ نے اپنے اور اپنی زوجہ محترمہ کے بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے باعث تعجب کرتے ہوئے اور وعدے کے ثبوت کی خاطر کہا: اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ...... فرشتوں نے خوشخبری کو پختہ کرتے ہوئے تاکید کے ساتھ کہا:

بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ...... بعض نے "قَنِطِيْنَ" کی بجائے "قَنِطِيْنَ" پڑھا ہے(1)۔ آپ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں ناامید نہیں ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی نعمت ملنے کا یقین ہے اگرچہ میں اور میری بیوی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی بڑی چیزوں پر قادر ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾

"آپ نے کہا اے فرستادو! کس اہم کام کے لئے تم آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔ مگر لوط کے گھرانے والے، ہم ان سب کو بچا لیں گے۔ بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی"۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا اور آپ کو بیٹے کی خوشخبری مل گئی تو آپ فرشتوں سے ان کی آمد کا سبب پوچھنے لگے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں مجرم قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے اور مزید بتایا کہ ہم آل لوط کو بچا لیں گے سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے، وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگی، اس لئے فرمایا: اِلَّا امْرَاَتَهٗ......۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾

"پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں"۔

جب فرشتے خوبصورت جوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے انہیں

1۔ روح المعانی، جلد 14 صفحہ 62، تفسیر طبری، جلد 4 صفحہ 40، البحر المحیط، جلد 5 صفحہ 459

فرمایا کہ تم اجنبی لوگ دکھائی دیتے ہو۔ فرشتے کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس وہ چیز (عذاب اور ہلاکت) لے کر آئے ہیں جس کے وقوع میں آپ کی قوم شک کیا کرتی تھی، اور ہم حق کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ (الحجر:8) ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ''، فرشتے مزید کہنے لگے: وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اس میں آل لوط کی نجات اور قوم لوط کی بربادی کی خبر کے لئے تاکید ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

''تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی حصہ میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی، اور چلے جائیے جہاں (جانے کا) تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے''۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد اپنے اہل خانہ کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں اور ان کی حفاظت کی خاطر آپ ان کے پیچھے پیچھے رہیں۔ جب آپ لوگ قوم کی چیخ و پکار سنیں تو بالکل ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بلکہ عبرتناک عذاب کا سامنا کرتے ہوئے انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دینا اور جہاں آپ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے وہاں چلتے رہنا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کے ساتھ کوئی راستہ دکھانے والا موجود تھا۔ فرمایا: وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ...... جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (ہود:81) ''ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟''۔

وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

''اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انہیں) کہا (ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں ان کے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو)۔ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں''۔

جب قوم لوط کو معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے ہاں بہت خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ خوشیاں مناتے اور بغلیں بجاتے ہوئے چڑھ دوڑے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ...... وَلَا تُخْزُوْنِ یہ بات آپ نے اپنی قوم کو مہمانوں کی حقیقت (کہ وہ فرشتے ہیں) معلوم ہو جانے سے قبل کہی تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ یہاں یہ بات پہلے مذکور ہے کہ مہمان دراصل فرشتے ہیں لیکن قوم کے آنے اور حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کے مکالمہ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ''واؤ'' کے ذریعے دونوں چیزوں کا عطف کیا گیا ہے اور جیسا کہ

واضح ہے، "واؤ" ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی خصوصاً جب اس کے خلاف دلیل بھی پائی جائے۔ وہ بدبخت آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی کیا ہم نے تمہیں کسی کو اپنے ہاں بطور مہمان ٹھہرانے سے منع نہیں کر رکھا؟ آپ علیہ السلام نے ان کی توجہ قوم کی عورتوں کی طرف دلائی کہ ان کے ساتھ نکاح کر کے اپنی خواہشات پوری کرو۔ اس کا بیان گزر چکا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔ ان نابکاروں کے متعلق جو فیصلہ ہو چکا تھا، جو آزمائش انہیں گھیرے ہوئے تھی اور جو عذاب صبح کے وقت نازل ہونے کا منتظر تھا، وہ اس سے بالکل غافل اور بے خبر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے فرمایا: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھائی، اس میں آپ کی انتہائی عزت و تکریم اور عظیم جاہ و مرتبہ مضمر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے زیادہ معزز کوئی نہیں پیدا کیا اور آپ ﷺ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی (2)۔ "سَكْرَة" کا معنی ہے گمراہی اور "يَعْمَهُوْنَ" کا معنی ہے: "يَلْعَبُوْنَ" (کھیل رہے ہیں) اور "يَتَرَدَّدُوْنَ" (متردد ہیں)۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

"پس آلیا ان کو ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا۔ پس ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر کنکر کے پتھر بے شک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے۔ اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے۔ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لئے"۔

سورج طلوع ہوتے وقت ایک دلدوز اور جگر پاش کڑک نے انہیں آلیا۔ انہیں زمین سے اٹھا کر، آسمان کے قریب لانے کے بعد نیچے الٹ دیا۔ اس طرح انہیں زیر و زبر کر دیا گیا اور سخت پتھروں کی ان پر بارش کر دی گئی۔ "سِجِّيْلٍ" کے متعلق کافی بحث گزر چکی ہے (3)۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ یعنی ان کی بستیوں پر اترنے والے عذاب میں ایسے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور چشم بصیرت سے اسے دیکھتے ہیں۔ مجاہد نے "مُتَوَسِّمِيْنَ" کا معنی "مُتَفَرِّسِيْنَ" (فہم و فراست رکھنے والے) کیا ہے۔ حضرات ابن عباس اور ضحاک نے اس کا معنی دیکھنے والے بیان کیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: عبرت حاصل کرنے والے۔ کسی اہل مدینہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے: غور و فکر کرنے والے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ کی تلاوت فرمائی (4)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث کچھ تبدیلی کے ساتھ یوں مروی ہے: "مومن کی فراست سے محتاط رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور اور توفیق سے دیکھتا ہے"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو فراست سے پہچان لیتے ہیں" (5)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 80 و مابعد، تفسیر سورۂ ہود: 77 و مابعد
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 44، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 89
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 82
4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حجر، جلد 11 صفحہ 289، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 46
5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 243

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ یعنی سدوم کی بستی جسے ظاہری اور باطنی عذاب کے ذریعے الٹ دیا گیا اور پتھر برسائے گئے یہاں تک کہ اس نے بدبودار بحیرۂ مردار کی شکل اختیار کر لی، آج بھی آمدورفت کے واضح راستے پر موجود ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ۙ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ اِنَّ یُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ (الصافات: 139-137) ''اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں''۔ مجاہد اور ضحاک ''سَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ'' کا معنی نشان زدہ رستہ بیان کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ واضح رستہ اور ان سے یہ معنی بھی مروی ہے کہ زمین کے ایک کنارے پر۔ سدی اس کا معنی کتاب مبین کرتے ہیں یعنی اس فرمان کی طرح وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (یٰسین: 12) ''اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔ لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یعنی اس قوم کو برباد کرنے اور لوط کو بچا لینے میں اہل ایمان کے لئے واضح دلیل ہے۔

وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ۷۹﴾

''اور بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں''۔

اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ سے مراد قوم شعیب ہے۔ ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہا جاتا ہے۔ شرک، ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں کمی کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سخت چنگھاڑ، زلزلہ اور چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر کے ان سے انتقام لیا۔ ان کی بستی قوم لوط کی بستی کے قریب ہی واقع تھی اور زمانہ بھی دونوں کا تقریباً ایک ہی تھا۔ اس لئے فرمایا: وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ''اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ'' کا معنی ہے واضح رستہ اور کھلی شاہراہ (1)۔ اسی لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے فرمایا تھا: وَ مَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ بِبَعِیۡدٍ (ہود: 89) ''اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے کچھ دور نہیں''۔

وَ لَقَدۡ کَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿ۙ۸۰﴾ وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ اٰیٰتِنَا فَکَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿ۙ۸۱﴾ وَ کَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُصۡبِحِیۡنَ ﴿ۙ۸۳﴾ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿ؕ۸۴﴾

''اور بیشک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو۔ اور ہم نے عطا کیں انہیں اپنی نشانیاں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اور) وہ بے خوف وخطر رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اٹھ رہے تھے۔ پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے''۔

اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ سے مراد قوم ثمود ہے جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب کے مترادف ہے اس لئے فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی یعنی سب رسولوں کی تکذیب کا اطلاق ان پر کیا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اونٹنی کا معجزہ پیش کیا۔ وہ آپ کی دعا سے سخت چٹان سے پیدا ہوئی، وہاں وہ چرتی

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 49

تھی اور ایک دن اس کے لئے پانی پینے کی باری مقرر تھی اور ایک دن باقی سب کے لئے۔ جب انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو انہیں عذاب کا مژدہ یوں سنایا گیا: تَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَكۡذُوۡبٍ (ہود:65) ''فرمایا لطف اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن تک یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا''۔ ثمود کے بارے میں ایک جگہ فرمایا: وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَیۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی الۡهُدٰی (حم السجدۃ:17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر''۔ یہ ایسے لوگ تھے جو بغیر کسی خوف اور احتیاج کے محض فخر و تکبر اور نمود و نمائش کے اظہار کے لئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے وادیٔ حجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا، سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا: ''اس عذاب دی گئی قوم کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنالو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس جیسے عذاب سے دوچار ہو جاؤ'' (1)۔ چوتھے دن کی صبح سخت چنگھاڑ کی شکل میں ان پر عذاب الٰہی آپہنچا اور ان کی وہ کھیتیاں اور پھل ان کے کسی کام نہ آئے جن کو سیراب کرنے کی خاطر انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تھا تاکہ اس کی باری کے دن کا پانی بھی اپنے استعمال میں لائیں۔ جب امر الٰہی آ گیا تو ان کا مال و دولت انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکا۔

وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۶﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور بیشک قیامت آنے ہی والی ہے پس (اے حبیب!) آپ درگزر فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ یقیناً آپ کا رب ہی سب کا خالق (اور) سب کچھ جاننے والا ہے''۔

آیت کریمہ میں حق کا معنی عدل ہے۔ یعنی ہر چیز عدل کے ساتھ پیدا کی اور فرمایا کہ قیامت آنے والی ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے''۔ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَی اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِیۡمِ (المومنون:116-115) ''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا''۔ روز قیامت کی حتمی آمد کے متعلق بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مشرکین کی اذیت رسانیوں اور تکذیب پر درگزر کا حکم دیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ (الزخرف:89) ''پس (اے حبیب!) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو۔ وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے''۔ بقول مجاہد اور قتادہ یہ حکم فرضیت جہاد سے پہلے کا ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جہاد کا حکم ہجرت کے بعد ہوا۔ دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت قائم ہونے کی حقیقت کو پختہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ یعنی اللہ تعالیٰ خلاق ہے، کسی بھی چیز کو پیدا کرنے سے وہ عاجز نہیں اور روئے زمین پر بکھرے ہوئے

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 28، سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 451

اجسام کا اسے بخوبی علم ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین: 83-81) ''کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا''۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی۔ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے ان کے مختلف طبقوں کو اور رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں ان (کی گمراہی) پر اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم نے آپ کو قرآن عظیم جیسی لا فانی نعمت سے سرفراز کیا ہے، اس لئے آپ فانی دنیا، اس کی چمک دمک اور زیب و زینت پر نظر بھی نہ ڈالیں۔ ہم لوگوں کو آزمانے کے لئے انہیں دنیا، مال و دولت اور عیش و آرام سے نوازتے ہیں، اس لئے دنیا دار لوگوں پر رشک کرنے کی ضرورت نہیں، اور آپ قوم کی تکذیب اور مخالفت پر غمزدہ نہ ہوں اور نہ دل گرفتہ۔ بس یہ کیجئے کہ اپنے پیروکار اہل ایمان کے لئے اپنے پروں کو نیچا کر لیں یعنی ان کے ساتھ نرمی، تواضع اور خوش خلقی سے پیش آئیں جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ: 128) ''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا، بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اَلسَّبْعُ الْمَثَانِىْ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ حضرات ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد اور ضحاک وغیرہ اس سے مراد ''اَلسَّبْعُ الطُّوَلُ'' (سات لمبی سورتیں) لیتے ہیں، یعنی بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس، کیونکہ بقول شعبہ ان سورتوں میں خصوصاً فرائض، حدود، قصص اور احکام کا بیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں خصوصاً امثال، اخبار اور عبرتوں کا بیان ہے۔ ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ سفیان کا کہنا ہے: المثانی سے مراد یہ چھ سورتیں ہیں: بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف۔ ان کے نزدیک انفال اور برأت ایک ہی سورت ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں نبی کریم علیہ السلام کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ان میں سے صرف دو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھیں جبکہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ سورتیں عطا ہوئی تھیں، جب انہوں نے تختیاں گرا دیں تو دو اٹھ گئیں اور چار باقی رہ گئیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہی سات لمبی سورتوں کو قرآن عظیم کہا جاتا ہے۔ زیاد بن ابی مریم اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کو سات اجزاء عطا فرمائے ہیں۔ ان میں امر، نہی، بشارت، انذار، ضرب الامثال، نعمتیں اور خبریں موجود ہیں(1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''اَلسَّبْعُ الْمَثَانِىْ'' سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جو

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 52، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 96

سات آیات پر مشتمل ہے۔ حضرات علی، عمر، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ سورۂ فاتحہ میں شامل ہے اور یہ ساتویں آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مخصوص کیا ہے۔ ابراہیم نخعی، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ابن ابی ملیکہ، شہر بن حوشب، حسن بصری اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ چونکہ ہر فرض اور نفلی نماز میں ان سات آیات کو بار بار دہرایا جاتا ہے اس لئے انہیں "مَثَانِيَ" کہتے ہیں (1)۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے اور متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے جنہیں ہم سورۂ فاتحہ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں۔ امام بخاری نے یہاں دو حدیثیں وارد کی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ نے مجھے بلایا، میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی وقت آنے سے تمہیں کونسی چیز روکے ہوئے تھی؟" میں نے عرض کی کہ میں نماز میں مشغول تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ (الانفال:24) "اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں"، کیا میں مسجد سے نکلنے سے پہلے تمہیں قرآن کریم کی سب سے عظیم سورت نہ سکھاؤں؟ جب آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں نے وعدہ یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے" (2)۔ دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے" (2)۔ لیکن سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی لمبی سورتوں کا یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں بلکہ سارے قرآن کریم کا بھی یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ یہ صفت تو پورے قرآن میں موجود ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (الزمر:23) "اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں"، یعنی قرآن کریم ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے متشابہ اور قرآن عظیم بھی ہے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ فرمایا حالانکہ آیت مسجد قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں منافات اور تضاد کی کوئی بات نہیں کیونکہ ایک چیز کا ذکر دوسری چیز کے ذکر کی نفی نہیں کرتا جب کہ وہ دونوں اس صفت میں مشترک ہوں۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ...... یعنی آپ قرآن عظیم کی لازوال نعمت کے سبب فانی دنیا کے مال ومتاع سے بے نیاز ہو جائیں۔ اسی فرمان کی بناء پر ابن عیینہ نے اس حدیث شریف "لَيۡسَ مِنَّا مَنۡ لَّمۡ يَتَغَنَّ بِالۡقُرۡاٰنِ" (3)۔ (وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کے سبب بے نیاز نہ ہوا) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جو شخص قرآن کی دولت کو پالینے کے بعد غیر قرآن سے بے نیاز نہ ہوا۔ یہ تفسیر صحیح ہے لیکن حدیث سے یہ مقصود نہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مہمان آ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک یہودی کو پیغام بھیجا: "اللہ کے رسول محمد کہہ رہے ہیں کہ مجھے ہلال رجب تک آٹا ادھار دے دو۔" اس نے کہا کہ کوئی چیز رہن رکھے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ میں نے اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں آسمان والوں کے ہاں بھی امین ہوں اور زمین والوں کے ہاں بھی امین۔ اگر وہ مجھے ادھار دے دیتا یا بیچ دیتا تو میں ضرور ادائیگی کرتا۔" اس وقت آپ ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 56 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 101 3۔ تخریج کیلئے دیکھئے کتاب فضائل القرآن باب من لم یتغن بالقرآن

کی دلجوئی کے لئے یہ آیت لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ ..... اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کسی کے مال و دولت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی ممانعت ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد مالدار لوگ ہیں۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

''اور فرمائیے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ جیسے اتارا ہم نے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے بنا دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ۔ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں کہ میں دردناک عذاب سے واضح ڈرانے والا ہوں۔ اگر یہ لوگ تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں جیسا ہوگا جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی تھی اور ان جیسے عذاب سے یہ بھی دوچار ہوں گے۔ ''مُقْتَسِمِیْنَ'' کا معنی ہے حلف اٹھانے والے یعنی وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی مخالفت، تکذیب اور اذیت رسانی پر حلف اٹھا رکھا تھا جیسا کہ قوم صالح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (النمل: 49) ''انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے''۔ اسی طرح اور آیات میں ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ (النحل: 38) ''اور بڑی شد و مد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مرجاتا ہے''، اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ..... (ابراہیم: 44) ''(اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے.....''، اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ (الاعراف: 49) ''(اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے''۔ گویا کہ وہ دنیا کی جس چیز کو جھٹلاتے اس پر قسم کھاتے اس لئے انہیں ''مُقْتَسِمِیْنَ'' کہا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ''مقتسمون'' سے مراد قوم صالح کے لوگ ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: ''میری اور وہ پیغام ہدایت جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آکر کہتا ہے کہ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں واضح طور پر ڈراتا ہوں، اپنی نجات کا سامان کرلو۔ قوم کے کچھ لوگ اس کی بات کو مان لیتے ہیں اور مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راتوں رات کوچ کر جاتے ہیں اور نجات پا لیتے ہیں لیکن کچھ لوگ اس کی بات نہیں مانتے بلکہ اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔ صبح صبح لشکر حملہ آور ہو کر انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جو میری اطاعت کرتا ہے اور میرے لائے ہوئے پیغام کی اتباع کرتا ہے اور اس شخص کی مثال ہے جو میری نافرمانی کرتا ہے اور میرے لائے ہوئے حق کی تکذیب کرتا ہے''(1)۔

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ یعنی جنہوں نے آسمانی کتابوں کو پارہ پارہ کر دیا، بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔ بعض پر ایمان لے آئے اور بعض کے ساتھ کفر کیا(2)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ''عِضِیْنَ'' سے مراد جادو ہے یعنی جنہوں نے قرآن کو جادو

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 250، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1788-1789
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 102

کہا۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قریش کی زبان میں "عضة" (عضین کا مفرد) کا معنی جادو ہے(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن کو پارہ پارہ کرنے کا مطلب اس کی نسبت کفار کا یہ کہنا ہے کہ قرآن جادو، کہانت اور پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ بعض کفار نے صاحب قرآن کو جادوگر کہا، بعض نے مجنون اور بعض نے کاہن۔ یہی "عِضِیْنَ" (ٹکڑے ٹکڑے) کا مطلب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش کے کچھ سردار ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے، حج کا موسم قریب تھا۔ ولید انہیں کہنے لگا کہ حج کا موسم قریب ہے اور وفود عرب آنے والے ہیں۔ انہوں نے تمہارے اس صاحب (محمد ﷺ) کے اعلان نبوت کے متعلق سن رکھا ہے، اس لئے اس کے متعلق کوئی متفقہ رائے قائم کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر کوئی اپنی بات کہتا رہے، اس طرح باہر سے آنے والے تمہیں جھوٹا خیال کریں گے۔ انہوں نے کہا: اے ابوعبد شمس! تم ہی کوئی بات کرو اور ایسی رائے تجویز کرو جس پر ہم سب متفق ہو جائیں۔ اس نے کہا: نہیں، بلکہ پہلے تم اپنی اپنی رائے دو، میں سنتا ہوں، کہنے لگے کہ ہم کاہن کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ کاہن تو نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم مجنون کہیں گے۔ اس نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم شاعر کا نام دیں گے۔ ولید نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ کہنے لگے: پھر ہم جادوگر کہیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ جادوگر بھی تو نہیں ہے۔ تنگ آکر کہنے لگے کہ آخر ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں؟ ولید نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی گفتگو میں بڑی شیرینی ہے۔ تم جو بھی اسے نام دو گے، لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے۔ بس زیادہ سے زیادہ تم اسے جادوگر کہہ سکتے ہو۔ اس اتفاق پر ان کی مجلس برخاست ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ...... (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس آیت لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ...... کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام سے ضرور "لا اله الا الله" کے متعلق سوال کریں گے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں بھی یہی وارد ہوا ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ہر شخص تنہا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا جیسے چودھویں کی رات کوئی شخص تنہا چاند کو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! کس چیز نے میرے بارے میں تجھے دھوکے میں ڈال دیا؟ اے ابن آدم! تو نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ اے ابن آدم! تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام بندوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس کی عبادت کرتے رہے اور رسولوں کو کیا جواب دیا۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ عمل اور مال کے متعلق سوال ہوگا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! قیامت کے دن آدمی سے اس کے ہر ہر عمل کے متعلق سوال ہوگا حتیٰ کہ آنکھ کے سرمے اور انگلی کے ساتھ مٹی کو توڑنے کے متعلق بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا خداداد نعمتوں میں تجھ سے بڑھ جائے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ کی تلاوت کی اور پھر اس آیت کی: فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ (الرحمٰن: 39) "تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا"، ان دونوں آیات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سوال نہیں ہوگا کہ کیا تم نے یہ عمل کیا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ بذات خود ان سے زیادہ جانتا ہے بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تم نے یہ یہ عمل کیوں کیا؟۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۴ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝۹۵ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 270-272 دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 198-199 2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حجر، جلد 11، صفحہ 288

3۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 68

یَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔ ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔ سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے۔ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آ جائے آپ کے پاس الیقین''۔

حضور نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ برملا اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور کسی کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ بلا خوف و خطر فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔ ایک روایت میں ''اصْدَعْ'' کی بجائے ''اِفْعَلْ'' کا لفظ آیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ نماز میں بآواز بلند قرآن پڑھیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم ﷺ پوشیدہ دعوت دیا کرتے تھے لیکن اس آیت کے بعد علی الاعلان تبلیغ کا کام شروع کر دیا(1)۔

وَاَعْرِضْ...... الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یعنی آپ اپنے رب کا پیغام پہنچاتے رہیں اور ان مشرکین کی طرف توجہ ہی نہ دیں جو آپ کو آیات الٰہی کے بیان کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم:9) ''وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں''، آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے جیسا کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67) ''اے رسول ﷺ! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے کہ کفار میں کسی نے آپ کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ اسی وقت حضرت جبرئیل آئے اور وہاں موجود کافروں کو ایسا کچوکہ لگایا جو ان کے جسموں پر نیزے کی طرح لگا اور وہ تمام ہلاک ہو گئے(2)۔ یہ کفار کے رؤساء اور اشراف تھے جو آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ یہ پانچ بدبخت تھے جو سب عمر رسیدہ اور اپنی قوم کے معزز افراد تھے۔ بنو اسد میں سے اسود بن ابی زمعہ تھا، جب اس کی ایذاء رسانی اور استہزاء انتہاء کو پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اسے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! اسے اندھا اور بے اولاد کر دے، بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث تھا، بنو مخزوم سے ولید بن مغیرہ، بنو سہم سے عاص بن وائل اور بنو خزاعہ سے حارث بن طلاطلہ۔ جب یہ شرارت اور استہزاء میں حد سے تجاوز کر گئے تو یہ آیات فَاصْدَعْ...... يَعْمَلُوْنَ نازل ہوئیں۔ حضرت عروہ بن زبیر اور دیگر علماء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ بھی جبرئیل کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ اسی اثناء میں اسود بن عبد یغوث آپ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ فوراً استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ پھر ولید بن مغیرہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے گزرا تو جبرئیل نے اس کے ٹخنے کے نیچے موجود زخم کے نشان کی طرف اشارہ کیا، یہ زخم اسے دو سال قبل اس

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 99 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۂ حجر، جلد 3 صفحہ 54-55

وقت لگا تھا جب اس کا گزر بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے ہوا تھا جو اپنے تیروں کو پر لگا رہا تھا۔ اس کا ایک تیر ولید کی چادر میں پھنس گیا جس کے باعث اسے ٹانگ پر خراش آ گئی۔ اسی زخم کے دوبارہ خراب ہونے کے باعث اس کی موت آ گئی۔ پھر عاص بن وائل گزرا، جبرئیل علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر عازم طائف ہوا۔ رستے میں گر پڑا اور تلوے میں ایک کیل کے گھس جانے کے باعث ہلاک ہو گیا۔ پھر حارث بن طلاطلہ گزرا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا، اسے خون اور پیپ آنے لگی جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا سرغنہ ولید بن مغیرہ تھا جس نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا(1)۔ بقول مجاہد اور قتادہ یہ پانچ آدمی تھے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ سات تھے، مشہور پہلا قول ہے۔

الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ...... اس میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے شدید وعید اور دھمکی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ...... السّٰجِدِیْنَ یعنی اے میرے رسول! ہمیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ ان کی ایذاءرسانی پر دل گرفتہ اور تنگدل ہوتے ہیں لیکن یہ چیز آپ ﷺ کو دعوت وتبلیغ سے روک نہ دے۔ آپ ﷺ بےفکر رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں وہی آپ ﷺ کے لئے کافی اور حامی و ناصر ہے۔ آپ ﷺ ذکر، تحمید، تسبیح اور عبادت میں مصروف رہیں، اس لئے فرمایا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ اور جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ ہو، میں آخر دن تک تجھے کافی ہوں گا''(2)۔ جب کوئی مشکل معاملہ درپیش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے(3)۔ آیت کریمہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ...... میں بقول سالم بن عبداللہ بن عمر، یقین سے مراد موت ہے(4)۔ مجاہد، حسن، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، اس کی دلیل یہ فرمان ہے: لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ (المدثر: 47-43) ''ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزاء کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا''۔ ایک انصاریہ ام العلاء بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تجھ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت وتکریم سے نواز رکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت سے نوازا تھا؟'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! پھر اور کون ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے پاس تو یقین (موت) آ گیا، میں اس کے لئے خیر کی امید کرتا ہوں''(5)۔ اس آیت کریمہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ...... سے استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز یا کوئی اور اس جیسی عبادت انسان پر فرض ہے جب تک اس کی عقل باقی رہے۔ اپنی حالت کے مطابق نماز ادا کرے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر''(6)۔ بعض ملحد ''اَلْیَقِیْنُ'' سے مراد

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 410-408، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 70-69
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 28-27، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 286
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 35، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 388
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 102، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 74
5۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 91، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 436
6۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 60

معرفت لیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب انسان کو معرفت حاصل ہو جائے تو وہ مکلّف نہیں رہتا اور ہر قسم کی عبادت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا سراسر کفر، جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے کیونکہ انبیاء کرام اور ان کے صحابہ کو سب سے زیادہ معرفت حاصل تھی، اس کے باوجود وہ سب سے زیادہ عبادت اور احکام الٰہی کی پابندی کیا کرتے تھے۔ بہرصورت یہاں یقین سے مراد موت ہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کامل اور بہترین حالت پر موت دے۔ وہ بہت سخی اور کریم ہے۔

سورۂ نحل (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ①

''قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں''۔

یہاں قرب قیامت کی خبر دی جا رہی ہے۔ تحقق اور یقینی وقوع پر دلالت کرنے کے لئے ماضی کا صیغہ ''اَتٰی'' استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اور آیات میں ہے: اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ① (الانبیاء:1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''، اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ (القمر:1) ''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا''، فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ میں ضمیر مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے اور عذاب بھی۔ اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ (العنکبوت:54-53) ''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو''۔ ضحاک نے اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ امر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرائض اور حدود ہیں(1)۔ ابن جریر اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ فرائض اور شرائع کے وجود سے پہلے کسی نے ان کے لئے جلد بازی کی ہو، البتہ یہ ثابت ہے کہ کفار نے عذاب کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ یہ ان کا مطالبہ قبل از وقت تھا، ان کا مقصد جھٹلانا اور اسے محال سمجھنا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ (الشوریٰ:18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال جیسا ایک سیاہ بادل نمودار ہوگا۔ وہ آسمان کی طرف بلند ہوتا رہے گا، پھر اس میں سے ایک منادی ندا دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے: کیا تم نے سنا؟ بعض ہاں میں جواب دیں گے اور بعض شک کا اظہار کریں گے۔ پھر دوبارہ آواز آئے گی: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تم نے سنا؟ کہیں گے: ہاں۔ پھر تیسری بار ندا آئے گی: اے لوگو! اللہ کا حکم آ پہنچا، اب اس کی جلدی نہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 75

مچاؤ''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! دو آدمی (وقوع قیامت) کے وقت کپڑا پھیلائے ہوں گے لیکن لپیٹ نہ پائیں گے، ایک آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا لیکن پانی نہیں پلا سکے گا اور ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہنے میں مصروف ہوگا لیکن اسے پینا نصیب نہ ہوگا۔ تمام لوگ مشغول ہو جائیں گے۔'' آخر میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے اپنی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

''اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ خبردار کرو (لوگوں کو) کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے، پس مجھ سے ہی ڈرا کرو''۔

آیت کریمہ میں لفظ ''رُوْحِ'' سے مراد وحی ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (الشوریٰ:52) ''اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعے جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے''، اور اس آیت میں ''عِبَادِهٖ'' سے مراد انبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:124) ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''، اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج:75) ''اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول''، يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16-15) ''نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے۔ پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔

بعثت انبیاء کا مقصد لوگوں کو بروقت خبردار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مخالفت کرنے والے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اس نے پیدا فرمایا انسان کو نطفہ سے پس اب وہ برملا جھگڑالو بن گیا ہے''۔

عالم علوی (آسمان) اور عالم سفلی (زمین) کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، فضول نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ (النجم:31) ''تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان

کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غیروں کی عبادت کرنے والوں کے شرک سے اپنی پاک بیان فرمائی۔ ہر چیز کو اللہ وحدہ لاشریک نے پیدا کیا، اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ انسان کی حقیقت کے متعلق بتایا کہ اس کی تخلیق ایک حقیر سے قطرۂ آب (نطفہ) سے ہوئی لیکن جب ذرا پروان چڑھا تو اپنے رب کے ساتھ ہی جھگڑنے لگا، اس کی تکذیب اور اس کے رسولوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی حالانکہ اسے بندگی کے لئے پیدا کیا گیا نہ کہ مقابلہ کرنے کے لئے جیسا کہ فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (الفرقان: 55-54) "اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (ہمیشہ شیطان کا) مددگار رہتا ہے"، اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین: 79-77) "کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمایئے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے"۔ حضرت بشر بن جحاش سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے تمہیں درست کر دیا اور معتدل بنا دیا تو تو اپنی چادروں کے درمیان (تکبر سے) چلنے لگا اور پاؤں زور سے زمین پر مارنے لگا۔ تو مال جمع کرنے میں لگ گیا اور جب روح حلق تک آ پہنچی تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں، اب بھلا صدقہ کا وقت کہاں؟" (1)۔

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"نیز اس نے جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے ان میں گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے ہیں اور انہیں (کا گوشت) تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں زیب و زینت بھی ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح ان کو چرانے لے جاتے ہو۔ اور (یہ جانور) اٹھا لے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے۔ بے شک تمہارا رب بہت مہربان (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے انسان کے فائدے کے لئے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں جیسے جانور پیدا کئے، ان کی تفصیلات آٹھ اقسام میں سورۂ انعام میں گزر چکی ہیں (2)۔ ان جانوروں کے ساتھ انسان کے کثیر مفادات وابستہ ہیں، ان کی اون، صوف اور بالوں سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں، ان کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ جانور باعث زینت بھی ہیں، اسی لئے فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 210، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا: 903
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 143-144

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ...... شام کے وقت جب وہ چراگاہوں سے واپس آتے ہیں تو ان کی کوکھیں نکلی ہوتی ہیں، تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں اور کوہانیں بلند ہوتی ہیں اور اسی طرح جب انہیں چرانے کے لئے تم صبح کے وقت باہر لے جاتے ہو، صبح وشام کے ان اوقات میں یہ جانور کس قدر بھلے لگتے ہیں اور خوشی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ان کا فائدہ یہ ہے کہ جب بھاری بوجھ کو تم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے عاجز آ جاتے ہو تو یہ جانور نقل وحمل کا فریضہ انجام دیتے ہیں، عموماً حج، عمرہ، جنگ اور تجارت وغیرہ کے لئے یہ جانور مواصلات اور نقل وحمل کا کام دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (المومنون: 22-21) '' اور بیشک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور وفکر کا مقام ہے۔ ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے''، اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ (المومن: 81-79) '' اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو''، اس لئے یہاں ان نعمتوں کا شمار کرنے کے بعد فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ تمہارا پروردگار جس نے یہ جانور تمہارے لئے مسخر کر دیئے جیسا کہ فرمان ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰسین: 72-71) '' کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں''، وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ وَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: 14-12) '' تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لئے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ '' دِفْءٌ '' کا معنی لباس ہے اور '' مَنَافِعُ '' سے خورد ونوش کی چیزیں ہیں جو ان جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں۔ عکرمہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ '' دِفْءٌ '' اور '' مَنَافِعُ '' سے مراد ہر جانور کی نسل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ '' دِفْءٌ '' سے مراد وہ لباس ہے جو ان کی اون وغیرہ سے بنا جاتا ہے اور '' مَنَافِعُ '' سے مراد سواری، گوشت اور دودھ ہے(1)۔

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ۚ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

'' اور اس نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لئے ان میں) زینت ہے اور پیدا فرمائے گا ایسی سواریوں کو جو تم نہیں جانتے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 79

یہ جانوروں کی ایک اور صنف ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سواری اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ چیزیں ان عظیم مقاصد میں سے ہیں جو ان کی پیدائش کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چونکہ ان جانوروں کو دیگر جانوروں پر فضیلت دی اور الگ کر کے ذکر کیا، اس لئے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کی موافقت کرنے والے فقہاء کا مسلک ہے۔ ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ گھوڑے کا ذکر خچر اور گدھے کے ساتھ ہوا ہے، اس لئے ان دونوں کی طرح یہ (گھوڑا) بھی حرام ہے جیسا کہ یہ حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جانوروں کی حرمت منقول ہے۔ آپ نے اس آیت وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا...... تَاْكُلُوْنَ (النحل: 5) کی تلاوت کر کے فرمایا کہ یہ جانور کھانے کے لئے ہیں اور پھر اس آیت وَالْخَيْلَ...... کی تلاوت کر کے فرمایا کہ یہ سواری کے لئے ہیں (1)۔ اس کی تائید حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا" (2)۔ ایک اور سند سے یہ حدیث ذرا تفصیل سے مروی ہے۔ مقدام بن معدیکرب کہتے ہیں کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں شریک تھے۔ ہمارے ساتھی میرے پاس گوشت لائے اور مجھ سے ایک پتھر مانگا، میں نے انہیں دے دیا تو انہوں نے اسے رسی کے ساتھ باندھ لیا۔ میں نے انہیں کہا کہ یہیں ٹھہرو، میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت کرلوں۔ چنانچہ میرے دریافت کرنے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ لوگ جلد جلد آبادی سے متصل یہودیوں کے باغات میں داخل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے لوگوں کو نماز کے لئے نداء دینے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ صرف مسلمان آئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم جلدی جلدی یہود کے باغات میں داخل ہو گئے، یاد رکھو، معاہدین کے اموال بغیر حق کے حلال نہیں اور تم پر پالتو گدھوں، گھوڑوں، خچروں، ہر کچلی سے شکار کرنے والا درندہ اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کا گوشت حرام ہے" (3)۔ شاید یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد ایسا ہوا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر نص ہے لیکن یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی اس حدیث کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی جس میں آپ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے دن گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا اور گھوڑوں کے گوشت کھانے سے منع نہ فرمایا (4)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ اس وقت ہم مدینہ میں مقیم تھے (5)۔ یہ سب سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ جمہور علماء امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر سلف وخلف کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے گھوڑوں میں وحشی پن تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے انہیں مطیع کر دیا۔ وہب بن منبہ نے اسرائیلی روایات میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا کئے۔ اس آیت سے ان تینوں جانوروں پر سواری کرنے کا جواز ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا آپ اس پر سواری کیا کرتے تھے لیکن نسل منقطع ہونے کے خوف سے آپ ﷺ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 82
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 352، سنن نسائی، کتاب العید، جلد 7 صفحہ 202 وغیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 89-90
4۔ صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، جلد 7 صفحہ 123، صحیح مسلم، کتاب الصید: 1541
5۔ صحیح مسلم، کتاب الصید: 1541

گدھوں کو گھوڑوں پر چھوڑنے (جفتی کرنے) سے منع کر دیا تھا۔ حضرت دحیہ کلبی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے خچر نہ پیدا کرلیں جس پر آپ ﷺ سواری کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بے علم لوگ کرتے ہیں" (1)۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور ان میں غلط راہیں بھی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا"۔

حیوانات کے ذکر سے حسی راہوں کے بعد دینی معنوی رستوں پر آگاہ کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم اکثر امور حسیہ سے نافع معنوی امور دینیہ کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرۃ:197) "اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری ہے، يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:26) "اے اولاد آدم! بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے"، جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان حیوانات کا ذکر کیا جو سواری، نقل وحمل اور دیگر مفادات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کے ذکر کے بعد ان رستوں کا ذکر کیا جن پر لوگ گامزن ہیں اور یہ واضح کر دیا کہ ان میں صحیح اور حق رستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچائے، فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔ جیسا کہ فرمایا: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الانعام:153) "اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا، سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے"، هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (الحجر:41) "یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے"، مجاہد اس فرمان وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ طریق حق کو واضح کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے (2)۔ سدی قَصْدُ السَّبِيْلِ سے مراد اسلام لیتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بیان کرنا ہے یعنی ہدایت اور گمراہی کو وہی بیان کرتا ہے۔ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سیاق کے پیش نظر مجاہد کا قول یہاں زیادہ قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ متعدد رستے ہیں جن پر لوگ چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف صرف طریق حق ہی پہنچتا ہے اور یہ وہ رستہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور اس پر راضی ہوا۔ اس کے علاوہ باقی تمام رستے مسدود اور باطل ہیں اور ان پر چلنے والے لوگوں کے اعمال مردود ہیں اس لئے فرمایا: وَمِنْهَا جَآئِرٌ یعنی حق سے منحرف۔ ابن عباس وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ مختلف رستے، متفرق خواہشات اور متعدد آراء پر مبنی ہیں جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ سب چیزیں اس کی قدرت اور مشیت پر موقوف ہیں، فرمایا: وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس:99) "اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب"، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ہود:119-118) "اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانسان (دونوں) سے"۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 311
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 84

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے لئے اس کے ذریعے (طرح طرح کے) کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل۔ یقیناً ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور وفکر کرتی ہے“۔

جانوروں اور چوپاؤں کی نعمت ذکر کرنے کے بعد اب نعمت باراں کا تذکرہ ہو رہا ہے جس پر انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی کا انحصار ہے۔ اسی بارش سے پینے کے لئے شیریں، خوش ذائقہ اور صاف پانی میسر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے نمکین اور کڑوا نہیں بنایا۔ اسی بارش کے باعث سبزہ اور چارہ اگتا ہے جس میں جانور چرائے جاتے ہیں۔ سوم کا معنی ہے چرانا، اسی سے ہے ”اِبِلٌ سَائِمَةٌ“ (چرنے والے اونٹ)۔ رسول اللہ ﷺ نے طلوع شمس سے پہلے چرانے سے منع فرمایا ہے(1)۔

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ...... یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی پانی کے ساتھ زمین سے رنگ، ذائقہ، بو اور شکل میں مختلف طرح طرح کی چیزیں اگاتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ یعنی ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے واضح دلائل ہیں جیسا کہ فرمایا: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ (النمل: 60) ”بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔ اور جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات۔ تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت۔ کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں“۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝

”اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لئے رات، دن سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو دانشمند ہے۔ اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لئے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے ان کا رنگ وروپ۔ یقیناً ان میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ اپنی بڑی بڑی نعمتوں اور عظیم احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ دن اور رات، سورج اور چاند یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 744

اور یہ قانون قدرت کے پابند ہیں۔ آسمان کے گوشے گوشے میں ستارے ضیاء پاشی کر رہے ہیں تا کہ لوگ تاریکیوں میں ان کے ذریعہ راہ یاب ہو سکیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ مدار میں مقررہ رفتار کے ساتھ گردش میں مصروف ہے، مقررہ ضوابط سے یہ سر مو انحراف نہیں کر سکتے اور نہ کمی بیشی ممکن ہے، تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے تسلط، اقتدار، تقدیر، قہر اور تسہیل کے ماتحت اس کے سامنے سر افگندہ ہیں، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ یعنی ان چیزوں میں ایسی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت باہرہ اور سلطان عظیم کی نشانیاں اور دلائل ہیں جو عقل رکھتی ہے اور ان دلائل کو سمجھتی ہے۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ..... عالم علوی (آسمان) میں پائی جانے والی قدرت الٰہی کی نشانیاں اور دلائل ذکر کرنے کے بعد اب عالم سفلی (زمین) میں موجود امور عجیبہ اور اشیائے مختلفہ سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الوان و اشکال میں مختلف انواع و اقسام کے حیوانات، معدنیات، نباتات اور جمادات کی تخلیق کی جن کے ساتھ ہمارے مفادات وابستہ ہیں اور ہر چیز مختلف منافع اور خصوصیات کی حامل ہے۔ ان اشیاء میں ایسے لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

''اور وہی ہے جس نے پابند حکم کر دیا ہے سمندر کو تا کہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیر کر جا رہی ہوتی ہیں سمندر میں تا کہ (ان کے ذریعہ) تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تا کہ اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تا کہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ اور نہریں جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تا کہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو۔ اور (راستوں پر) علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعہ سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں۔ کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔ اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انہیں گن نہیں سکو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے تلاطم خیز سمندر کو مسخر کر کے انسان پر احسان عظیم فرمایا ہے، سمندری سفر کو انسان کے لئے نہایت آسان بنا دیا، اسی سے اس کی خوراک کے لئے تازہ مچھلیاں مہیا کیں، مچھلی زندہ ہو یا مردہ انسان کے لئے حلال ہے خواہ وہ حالت حلت میں ہو یا حالت احرام میں۔ سمندر میں نہایت نفیس اور قیمتی جواہرات اور موتی پیدا کر دیئے جنہیں انسان گہرائی سے بڑی آسانی کے ساتھ نکال کر بطور زیور استعمال میں لاتا ہے، ایک اور بڑا انعام یہ فرمایا کہ سمندر کو کشتیوں کے لئے پابند کر دیا۔ کشتیاں موجوں اور ہواؤں کو چیرتے ہوئے محو سفر رہتی ہیں اور یہ کشتیوں کے اگلے ابھرے ہوئے سرے کے طفیل ممکن ہوتا ہے جس کے بنانے کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ کشتی سازی کی صنعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا۔ سب سے پہلے آپ کشتی میں سوار ہوئے۔ آپ سے یہ فن دوسرے لوگوں نے سیکھ لیا۔ پھر نسل در نسل ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہوتا رہا تاکہ آمد و رفت اور نقل و حمل کا کام ان سے لیا جائے۔ اس لئے فرمایا: وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی اور مشرقی سمندر سے گفتگو کی۔ غربی سمندر سے فرمایا کہ میں اپنے کچھ بندوں کو تجھ پر سوار کرنے والا ہوں، تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اس نے کہا کہ میں انہیں غرق کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری تندی تیرے کناروں پر ہے، میں اپنے بندوں کو اپنے ہاتھوں پر اٹھالوں گا اور میں نے تمہیں زیور اور شکار سے محروم کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے شرقی سمندر سے فرمایا کہ میں اپنے کچھ بندے تم پر سوار کرنے والا ہوں، تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اس نے کہا: میں انہیں اپنے ہاتھوں پر اٹھالوں گا اور میں ان کے لئے اس قدر مہربان ہو جاؤں گا جس طرح والدہ اپنے بیٹے کے لئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے زیور اور شکار کی صورت میں بدلہ دیا(1)۔ سمندر کے بعد اب زمین اور پہاڑوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی اضطراری حرکت کو روکنے کے لئے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ ورنہ اگر یہ ڈولتی اور لرزتی رہتی تو جاندار سکھ کا سانس نہ لے سکتے اور ان کی زندگی مکدر ہو جاتی۔ اس لئے فرمایا: وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا (النازعات: 32)'' اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے''۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب زمین کو پیدا کیا گیا تو یہ ڈولنے اور حرکت کرنے لگی، فرشتے کہنے لگے کہ اس پر تو کوئی ٹھہر ہی نہیں سکے گا۔ جب صبح ہوئی تو پہاڑ پیدا کئے جا چکے تھے، فرشتوں کو معلوم ہی نہ ہوا کہ پہاڑ کس سے بنائے گئے ہیں(2)۔ قیس بن عبادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو وہ عرض کرنے لگی: اے پروردگار! تو مجھ پر بنی آدم کو آباد کرے گا جو مجھ پر گناہوں اور خباثتوں کا ارتکاب کریں گے؟ وہ کانپنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں نہیں دیکھتے۔ حرکت کرتے ہوئے گوشت کی طرح اس کو قرار دے دیا(2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے جو حصول رزق کا ذریعہ ہیں۔ پہاڑوں، ٹیلوں، میدانی علاقوں، صحراؤں اور جنگلوں میں ہر جگہ پانی بہتا رہتا ہے اور اس علاقے تک پہنچ جاتا ہے جہاں کے لوگوں کے لئے اسے مسخر کیا گیا ہوتا ہے، یہ نہریں، دریا اور چشمے زمین میں دائیں بائیں، شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً ہر طرف بہہ رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، کوئی تیز رفتار ہے اور کوئی سست رفتار یعنی جس طرح ہر ایک کا اندازہ مقرر ہے، اسی کے مطابق رواں دواں ہے۔ کچھ ایسی وادیاں ہیں جو کبھی جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی خشک۔ یہ سب اس ذات کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔ اسی طرح زمین میں رستے بنا دیئے جن پر چل کر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں یہاں تک کہ پہاڑوں میں بھی رستے اور درے بنا دیئے جیسا کہ فرمایا: '' وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا (الانبیاء: 31)'' اور بنا دیں

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 265-266، مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 281-282 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 90

ہم نے ان پہاڑوں میں کشارہ راہیں''، ''علامات'' کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بڑے پہاڑوں اور ٹیلوں کی صورت میں ایسی علامات مقرر کر دی ہیں جن کے ذریعہ بھٹکے ہوئے مسافر بحر و بر میں اپنی راہ تلاش کر سکتے ہیں، اور پھر رات کی تاریکی میں منزل کا پتہ بتانے کے لئے ستارے جگمگا رہے ہوتے ہیں۔ مالک رحمۃ اللہ نجوم سے مراد پہاڑ لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی عظمت بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے نہ کہ یہ معبودان باطلہ جو کچھ بھی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ یہ خود مخلوق ہیں، اس لئے فرمایا: اَفَمَنْ یَّخْلُقُ...... پھر اپنی کثیر نعمتوں اور عظیم احسانات سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِنْ تَعُدُّوْا...... یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، غلطیوں سے تجاوز فرماتا ہے اور گناہوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان سے تمام نعمتوں کے شکر کا تقاضا کرے تو انسان لازماً شکر بجالانے سے عاجز آجائے، اگر وہ اس کا حکم دیتا تو انسان کمزوری کا مظاہرہ کر کے اسے ترک کر دیتا اور اگر اللہ تعالیٰ عذاب دیتا تو لوگ اس کے مستحق تھے، لیکن وہ ظالم نہیں، غفور رحیم ہے۔ کثیر غلطیوں کو بھی معاف کر دیتا ہے اور معمولی نیکی پر بھی اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ جب تم توبہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے حصول کی طرف رجوع کر لو تو ادائیگی شکر میں کوتاہی کو وہ بخش دیتا ہے اور رحم فرماتا ہے، توبہ اور رجوع کے بعد کسی کو عذاب نہیں دیتا(1)۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (غیروں کو) وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں وہ زندہ نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انہیں اٹھایا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح باطن کو بھی۔ عنقریب قیامت کے دن وہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کی جزا دے گا۔ فرمایا کہ یہ بت، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت میں لگے ہوئے ہیں، کوئی چیز نہیں پیدا کر سکتے بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: 96-95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''، ان بتوں کے متعلق فرمایا: اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ...... یعنی یہ بت بے جان جمادات اور مجسمے ہیں، نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں۔ انہیں تو یہ شعور تک نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ جب ان کی بے بسی کی یہ کیفیت ہے تو ان سے نفع اور ثواب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ نفع اور ثواب کی توقع تو اس ذات سے کی جاتی ہے جسے ہر چیز کا علم ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

''تمہارا خدا (بس) خدائے واحد ہے۔ پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 92

اللہ تعالیٰ معبود حقیقی، یکتا اور بے نیاز ہے لیکن کفار کے دل اس کا انکار کرتے ہیں جس طرح وہ تعجب سے کہتے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (ص:5) ''کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔ بیشک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے''، وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (الزمر:45) ''اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے: وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ یعنی توحید کے انکار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بھی تکبر کا اظہار کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن:60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر''، اس لئے یہاں فرمایا: لَا جَرَمَ...... یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں یہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں اور ان کو اس پر پوری پوری جزا دے گا، کیونکہ وہ مغرور لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

''اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے۔ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ تاکہ (اس ہرزہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ، جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں''۔

جب ان جھٹلانے والے کفار سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا (قرآن) نازل کیا تو وہ اس جواب سے اعراض کر کے کہہ دیتے ہیں کہ بس کچھ نہیں نازل کیا، ہمیں تو دن رات پہلے لوگوں کے افسانے سنائے جاتے ہیں جو سابقہ کتب سے منقول ہیں جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (الفرقان:5) ''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح وشام (تاکہ ازبر ہو جائیں)''، یعنی یہ بدبخت رسول کریم ﷺ پر افتراء باندھتے ہیں اور آپ ﷺ کے متعلق ان کی باطل پر مبنی متضاد آراء ہیں جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا (الفرقان:9) ''دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر چل نہیں سکتے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق سے منحرف شخص جو بھی کہتا رہے وہ غلط ہوتا ہے۔ آپ کے متعلق وہ مختلف بولیاں بولتے تھے، کبھی جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی کاہن اور کبھی مجنون کہتے لیکن آخر کار ان کا اتفاق اپنے سرغنہ ولید بن مغیرہ مخزومی کی گھڑی ہوئی بے سروپا بات پر ہو گیا جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ (المدثر:24-18) ''اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے''، اس بات پر اتفاق کر کے انہوں نے

اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ فرمایا: لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ...... یعنی قرآن کریم کو افسانہ کہنے کی بات ہم نے انہیں اس لئے کرنے دی تا کہ یہ اپنے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائیں اور اپنے مقلدین اور متبعین کے گناہوں کا بوجھ بھی۔ خود گمراہ ہونے کا گناہ تو ان کے ذمے ہے ہی، دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال بھی انہی پر ہوگا اور اسی طرح آنکھیں بند کر کے ان کی اقتداء کرنے والوں کا بھی حشر ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''جس نے کسی کو ہدایت کی دعوت دی، اسے ہدایت کی اتباع کرنے والے جیسا اجر ملے گا لیکن اس (اتباع کرنے والے) کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر بھی گمراہی کی اتباع کرنے والے شخص جیسا گناہ لازم آئے گا لیکن اس کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی'' (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۙ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (العنکبوت: 13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے''، یعنی وہ اپنے گناہوں اور اپنے اطاعت گزاروں کے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور ان اطاعت کرنے والوں کے عذاب میں ذرہ بھر تخفیف نہیں ہوگی (2)۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ۞

''(دعوت حق کے خلاف) مکر وفریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے (فریب) کی عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی۔ پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آ گیا ان پر عذاب جہاں سے انہیں خیال وگمان بھی نہ تھا۔ اس کے بعد روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کرے گا اور (ان سے) پوچھے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے کہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لئے ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس مکار سے مراد نمرود ہے جس نے بلند عمارت تعمیر کی تھی۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا سرکش نمرود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کا دماغ درست کرنے کے لئے) ایک مچھر بھیجا جو اس کے نتھنے سے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال وہاں ڈیرہ جمائے رکھا اور اسے مضطرب رکھا۔ سکون حاصل کرنے کے لئے اس کے سر کو ہتھوڑوں سے پیٹا جاتا۔ جو شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اس کے سر پر ضربیں لگاتا وہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ رحمدل سمجھا جاتا۔ یہ بدبخت چار سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ پھر اتنی ہی مدت اللہ تعالیٰ نے اسے مبتلائے عذاب رکھنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا، یہی وہ مکار اور سرکش ہے جس نے آسمان تک عمارت کھڑی کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پیوند خاک کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس مکار سے مراد بخت نصر ہے، اس کے مکر کا یہاں بھی ذکر ہوا اور سورۂ ابراہیم میں بھی: وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ابراہیم: 46)

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 201، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ 75 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 96

''اگر چہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے''۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل کی بربادی کی مثال دی جارہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ (نوح: 22) ''اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے''، یعنی انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے میں ہر حیلہ استعمال کیا اور شرک کی طرف مائل کرنے کے لئے ہر وسیلہ بروئے کار لائے جیسا کہ ان کے پیروکار قیامت کے روز انہیں کہیں گے: بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا (سبا: 33) ''بلکہ تمہارے شب وروز کے مکر وفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کردیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں''۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان کے عمل کو بالکل باطل کردیا جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدۃ: 64) ''جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ''، فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر: 2) ''پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو''، یہاں فرمایا: فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ...... پھر ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ يُخْزِيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی حقیقت سے پردہ ہٹادے گا، ان کے دلوں کے بھید بھی ظاہر کردے گا اور سر عام انہیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق: 9) ''یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کردیئے جائیں گے''، اور جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر غدار کے لئے اس کی سرین کے پاس اس کے غدر کے مطابق ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور برملا کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کا غدر ہے''(1)۔ اسی طرح برسر عام ان لوگوں کے مکر وفریب کا پردہ چاک کردیا جائے گا اور سب کے سامنے اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کر کے زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ...... کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کی حمایت میں تم جھگڑتے اور میرے بندوں کے ساتھ الجھتے تھے۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح تمہاری مدد کرتے ہیں اور تمہیں عذاب سے چھٹکارا دلاتے ہیں۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (الشعراء: 93) ''کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں''، فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (الطارق: 10) ''پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا''، جب ان پر دلیل قائم ہوجائے گی، معذرت خواہی سے یہ سکوت اختیار کرلیں گے، فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی اور عذاب کے یہ مستحق ٹھہر جائیں گے تو اس وقت دین و دنیا میں نیک نام، حق کی تبلیغ کرنے والے اہل علم کہیں گے: اِنَّ الْخِزْيَ...... یعنی رسوائی اور عذاب آج کفار ومشرکین کو محیط ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

''وہ کافر جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کررہے ہیں۔ تب وہ سرتسلیم خم کرتے ہوئے کہتے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 127، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1359-1361

ہیں ہم تو کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ (اہل علم جواب دیں گے) نہیں نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (برے کام) تم کیا کرتے تھے۔ (اے کفار) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا وہاں۔ بیشک برا ٹھکانا ہے غرور و تکبر کرنے والوں کے لئے''۔

اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے مشرکین کی موت کے وقت کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لے آتے ہیں تو یہ کہہ کر مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ سر تسلیم خم کر لیتے ہیں اور پوری اطاعت کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ قیامت کے دن بھی وہ اسی طرح کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام:23) ''اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''، يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (المجادلۃ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں''، اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کی قلعی کھولتے ہوئے فرماتا ہے: بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ...... الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ آیات الٰہی سے تکبر کرنے اور اتباع رسل سے اعراض کرنے والوں کے لئے ذلت و رسوائی کا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ موت آتے ہی ان کی روحوں کو جہنم رسید کر دیا جاتا ہے اور ان کے اجسام قبروں میں دوزخ کی گرم اور جھلسا دینے والی ہوا سے دوچار ہوتے ہیں۔ جب قیامت آئے گی تو ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا، لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36) ''نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46) ''دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور (یونہی) پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا (سراپا) خیر! جنہوں نے اچھے کام کئے اس دنیا میں بھی ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر۔ (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں ان کے لئے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے''۔

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب سعادت مندوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ان کی کیفیت ان کے بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے تو قرآن کریم کو افسانہ کہا لیکن جب ان سعادت مند حضرات سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

سراپا خیر، رحمت اور برکت نازل فرمائی لیکن یہ ان کے لئے ہے جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے ساتھ اجر و ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے فرمایا: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (النحل:97) '' جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے''۔ پھر فرمایا کہ دارآخرت دار دنیا سے بہتر ہے اور اس میں ملنے والی جزاء دنیاوی جزا سے زیادہ مکمل اور دائمی ہے، جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ (القصص:80) '' اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے''، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران:198) '' اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لئے''، وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ:17) '' حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے''، نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:4) '' اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے''، پھر دارآخرت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ......۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ، دَارُ الْمُتَّقِیْنَ سے بدل ہے یعنی انہیں دارآخرت میں ہمیشہ رہنے والے باغات سے نوازا جائے گا، جن کے درختوں اور محلات کے درمیان نہریں جاری ہوں گی اور حسب خواہش ہر چیز میسر ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف:71) '' اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے''، حدیث شریف میں آتا ہے: '' اہل جنت کے اوپر ایک بادل اٹھے گا، وہ کچھ پینے میں مصروف ہوں گے، ان میں کوئی جس چیز کی خواہش کرے گا، وہ بادل فوراً اس (مطلوبہ) چیز کو اس پر برسا دے گا یہاں تک کہ اگر کوئی یہ خواہش کرے گا کہ ہم پر جواں سال ہم عمر کنواریاں برسیں تو یہ بھی ہوگا'' (1)۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اہل ایمان، اہل تقوی اور نیکوکاروں کو بدلہ دیتا ہے۔

پھر ان سعادت مندوں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی کہ اس وقت یہ خوش و خرم ہوتے ہیں، کیونکہ یہ شرک اور ہر برائی کی آلودگی سے محفوظ رہے اور موت کے وقت فرشتے انہیں سلام کرتے ہیں اور جنت کا مژدہ سناتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (حم السجدۃ:32-30) '' بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے''۔ مومن اور کافر کی ارواح کو قبض کرنے کے سلسلہ میں احادیث کا ذکر ہم اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... (ابراہیم:27) '' ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو......'' کے تحت کر چکے ہیں۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ

1۔ ابن ابی حاتم

قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾

''یہ مشرک کس کے منتظر ہیں بجز اس کے کہ آ جائیں ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے۔ یا آ جائے آپ کے رب کا (اٹل) حکم۔ یونہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے پیشرو تھے۔ اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے پس ملی انہیں سزا ان کے برے اعمال کی اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

مشرکین کو باطل پر ان کی سرکشی اور دنیا سے فریب کھانے پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ کیا انہیں قبض ارواح کے لئے فرشتوں کا انتظار ہے یا قیامت کا جب وہ خود اپنی آنکھوں سے قیامت کی ہولناکیوں کو ملاحظہ کر لیں گے۔ ان کی یہ سرکشی کوئی نئی اور انہونی بات نہیں۔ ان کے پیشرو بھی اسی طرح کفر و شرک پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک عذاب سے دوچار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کیونکہ اس نے تو اپنے رسولوں کو بھیج کر اور اپنی کتابیں اتار کر ان پر اتمام حجت کر دی، بلکہ رسولوں کی مخالفت اور ان کے پیغام کی تکذیب کے باعث وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے، اسی سبب سے وہ عتاب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور دردناک عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے اور عذاب الٰہی کی دھمکی پر ان کا تمسخر اڑانے کا خمیازہ انہیں ہر صورت بھگتنا پڑے گا، قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (الطور: 14) '' (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

''اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو۔ (اے سننے والے!) کیا رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں۔ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ پس سیر و سیاحت کرو

زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرت ناک انجام ہوا (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا"۔

مشرکین اپنے شرک میں فریب خوردہ ہیں اور تقدیر کو ڈھال بنا کر اپنے شرک کا عذر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو ہم بھی کسی غیر کی عبادت کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ جیسے جانور حرام قرار دیتے۔ یہ حرمت انہوں نے از خود بغیر کسی دلیل کے ایجاد کر لی تھی۔ ان مشرکین کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے افعال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتے تو وہ ضرور ہمیں ان کی سزا دیتا بلکہ ان کے ارتکاب کی قدرت ہی عطا نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، بڑی سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں ایسے پیغمبر مبعوث کئے جو عبادت الٰہی کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے رہے، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ جب سے اولاد آدم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے شرک میں مبتلا ہوئی، متواتر رسول آتے رہے۔ سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے جنہیں اہل ارض کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کی رسالت و دعوت مشارق و مغارب میں تمام جن و انس کو محیط اور شامل ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"، وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) "اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے"، یہاں فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا...... ان حقائق کو واضح کر دینے کے بعد کفار کا یہ کہنا: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ "کس طرح زیب دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت شرعی ان سے منتفی ہے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں کی زبانی انہیں شرک وغیرہ سے منع کیا لیکن مشیت کونی (کسی عمل کے کرنے اور اختیار کرنے کی قدرت) میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم اور جہنمی بھی تو پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ کفر اختیار کرنے پر اپنے بندوں سے راضی نہیں۔ اس میں بھی اس کی حجت بالغہ اور حکمت قاطعہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی آپ کی خواہش انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انہیں گمراہ کرنا ہو جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (المائدۃ:41) "اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی)، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: "وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود:34) "اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے"، یہاں فرمایا: اِنْ تَحْرِصْ...... جیسا کہ فرمان ہے: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الاعراف:186) "جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں"، اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى

یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:96) '' بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب'' ، وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے، جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا، اس لئے فرمایا: لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ جب وہ کسی کو ہدایت نہ دے تو اللہ تعالیٰ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے سکے؟ نہ اس کے لئے کوئی ہادی ہے اور نہ کوئی عذاب سے بچانے والا۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (الاعراف:54) '' سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

'' اور بڑی شدومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مر جاتا ہے ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اس کو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ واضح کر دے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے تاکہ خوب جان لیں کافر کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے''۔

مشرکین بڑے شدومد سے تاکیدی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا محال ہے اور پیغمبر جس قیامت سے ڈراتے ہیں، وہ کبھی بھی وقوع پذیر نہیں ہوگی، بس یہی دنیاوی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زعم باطل کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ...... یعنی عنقریب ضرور ایسا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اس کا وقوع یقینی ہے لیکن یہ کفار و مشرکین اپنی جہالت کے باعث پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں اور کفر میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: لِیُبَیِّنَ لَهُمُ...... اسی طرح فرمایا: لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ (النجم:31) '' تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا''۔ دوسری حکمت یہ بیان فرمائی: وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا...... تاکہ کفار یہ جان لیں کہ وہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی، لہٰذا قیامت کے دن انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا تو جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور:31) '' (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرماتا ہے، وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو صرف '' کُنْ '' کہتا ہے، وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ قیام قیامت اور دوبارہ زندہ کر کے لوٹانا بھی اس کے تحت داخل ہے، بس اس کے '' کُنْ '' کہنے کی دیر ہے، قیامت برپا ہو جائے

گی جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (القمر:50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''، مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''، اور یہاں فرمایا: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ...... شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

إِذَامَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

اللہ تعالیٰ کو اپنے حکم میں تاکید کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے، وہ واحد، قہار اور عظیم ہے جس کا اقتدار، جبروت اور عزت ہر چیز پر غالب اور حاوی ہے، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ رب۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا اس کا یہ قول ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ لیکن میں کہتا ہوں: بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا...... اس کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے: اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدۃ:73) ''کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے''، لیکن میں کہتا ہوں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:1-4) ''(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے''۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت موقوفاً مروی ہے، البتہ صحیحین میں دوسرے لفظوں کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے (1)۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾

''اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے) ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ جان لیتے۔ جنہوں نے (مصائب میں) صبر کیا اور (مشکلات میں اب بھی) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

ان مہاجرین کا اجر بیان کیا جا رہا ہے جنہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنا گھر بار، مال ومتاع اور دوست واحباب چھوڑے اور اجر وثواب کی امید پر ہجرت کی۔ ممکن ہے کہ یہ آیات حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہوں جنہیں مکہ میں شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تا کہ وہاں بلاخوف وخطر اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔ ہجرت کرنے والا یہ گروہ تقریباً اسی افراد پر مشتمل تھا، یہ قدسی صفات سب مرد اور عورتیں صدیق اور صدیقہ تھے۔ اشراف قریش میں سے یہ شخصیات حامل تھیں۔ حضرت عثمان، آپ کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول ﷺ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسود رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو دنیا وآخرت میں عمدہ اجر کا مژدہ سناتے ہوئے فرمایا: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا...... حضرات ابن عباس، شعبی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قیام مدینہ کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ رزق طیب۔ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے گھر اور اموال چھوڑے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں نعم البدل عطا فرما دیا، جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے کسی چیز کو ترک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عوض عطا فرماتا ہے اور اسی طرح ہی ہوا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 28

اللہ تعالٰی نے ان نفوس قدسیہ کو سلطنت واقتدار سے نوازا، لوگوں پر تسلط عطا فرمایا اور یہ امراء اور حکام بن گئے۔ ان میں سے ہر ایک متقین کا امام ہے اور ان ماجرین کو آخرت میں ملنے والا اجر وثواب دنیاوی عوض سے کہیں بڑھ کر ہے، فرمایا: وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ...... یعنی اجر آخرت اجر دنیا سے سے بڑا ہے، اگر ہجرت سے پیچھے رہ جانے والے لوگ ان مہاجرین کے ساتھ ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے کے لئے اللہ تعالٰی نے کیسا عمدہ اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اس کا حصہ عطا فرماتے تو کہتے، لو، اللہ تعالٰی تمہارے لئے اس میں برکت ڈالے، یہ تو وہ حصہ ہے جس کا اللہ تعالٰی نے تمہارے ساتھ اس دنیا میں وعدہ کر رکھا ہے اور آخرت میں جو تمہارے لئے اجر تیار ہے وہ اس سے افضل ہے، پھر آپ اسی آیت لَنُبَوِّئَنَّهُمْ...... کی تلاوت کرتے(1)۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ صَبَرُوْا...... یعنی ایذاء پر صبر کرنا اور اس اللہ پر بھروسہ کرنا ان کا شیوہ رہا جس نے جنہیں دنیا وآخرت میں عمدہ اجر عطا فرمایا۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ۭ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔ (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا۔ اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور وفکر کریں“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت محمد ﷺ کو رسول مبعوث فرمایا تو عرب کہنے لگے کہ یہ بات اللہ تعالٰی کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالٰی نے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس:2) ”کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو“۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا...... اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں یعنی اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ ان کی طرف آنے والے پیغمبر بشر تھے یا فرشتے؟ اگر تو وہ فرشتے تھے تو پھر تمہارے انکار کا کوئی جواز بنتا ہے اور اگر وہ بھی بشر تھے تو محمد ﷺ کی رسالت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:109) ”اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے“۔ یعنی پہلے پیغمبر جس طرح تم کہتے ہو، آسمان کے فرشتے نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن کریم ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9) ”بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں“۔ ان کی یہ بات تو درست ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں کیونکہ قرآن کریم

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 107

کا مخالف انکار کے بعد اہل قرآن کی طرف کیسے رجوع کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوجعفر باقر کا قول ہے کہ ہم (یہ امت) اہل ذکر ہیں، یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کیونکہ یہ امت تمام سابقہ امتوں سے زیادہ علم وفہم رکھتی ہے، خصوصاً علمائے اہل بیت، جب وہ سنت مستقیمہ پر قائم رہیں، تمام علماء سے بہتر ہیں مثلاً حضرات علی، ابن عباس، حسن، حسین، محمد بن حنفیہ، امام زین العابدین، علی بن عبداللہ بن عباس، ابوجعفر باقر، ان کے بیٹے جعفر اور ان نفوس قدسیہ جیسے دیگر حضرات جو صراط مستقیم پر گامزن رہیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، ہر صاحب حق کا حق پہنچائیں، ہر ایک شخص کو وہ مقام دیں جو اسے اللہ و رسول نے عطا کر رکھا ہوا اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کے لئے عزت و تکریم کے جذبات موجزن ہوں۔ الغرض یہ آیت کریمہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے پیغمبر بھی بشر ہی تھے، اسی طرح آپ ﷺ بھی بشر ہیں جیسا کہ فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل:94-93) ''آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔ اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا)''، وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''، وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (الانبیاء:8) ''اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے''، قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:9) ''آپ کہئے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں''، قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ (الکہف:110) ''(اے پیکر رعنائی وزیبائی!) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف''۔ رسولوں کی بشریت میں شک کرنے والوں سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب سے ان کے انبیاء کے متعلق دریافت کریں کہ کیا وہ بشر تھے یا فرشتے، اس کے بعد بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو دلائل و براہین اور کتب کے ساتھ بھیجا۔ ''زُبُر'' زبور کی جمع ہے۔ زبر کا معنی ہے لکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ (القمر:5) ''اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے''، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پندوموعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''، پھر فرمایا: وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ...... یعنی ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا کیونکہ آپ اس کے معانی و مطالب کو خوب سمجھتے ہیں، اس کتاب کے آپ بہت حریص ہیں، آپ ہی سب سے زیادہ اس پر عمل کرتے ہیں اور آپ ہی افضل الخلق اور سید اولاد آدم ہیں۔ اس کے اجمال کی تفصیل اور اشکال کی وضاحت آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آخر میں فرمایا: وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ غور وفکر کر کے ہدایت یافتہ ہو جائیں اور دارین میں فلاح پالیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٤٥ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٤٦ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٤٧

''کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہوں۔ پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں حلم اور ان نافرمانوں کو مہلت دینے کی خبر دے رہا ہے جو نہ صرف خود برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح یہ خود گناہ کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی برائیوں پر اکسا کر نہایت مکر و فریب سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرما رہا ہے اور انہیں ڈھیل دے رہا ہے حالانکہ وہ انہیں زمین میں دھنسا دینے یا اچانک کسی اور عذاب سے دوچار کر دینے پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۞ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (الملک:17-16) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھرتھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں چلتے پھرتے، رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرتے یا سفر کرتے ہوئے پکڑ لے خواہ دن ہو یا رات۔ جیسا کہ فرمایا: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۞ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (الاعراف:98-97) ''تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سورہے ہوں یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں''، وہ کسی حالت میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ انہیں پکڑنے پر پوری طرح قادر ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا، پھر فرمایا: اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوفزدہ کر کے پکڑ لے،(1) یہ زیادہ سخت عذاب ہے کیونکہ اس سے پہلے خوف ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ساتھی کی موت سے خوفزدہ کرنے کے بعد اسے پکڑ لے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی پکڑ پر پوری قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''کسی ناروا بات سننے پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق اور عافیت سے نوازتا ہے''(2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یہاں تک کہ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا''(3)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود:102) ''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے''، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ (الحج:48) ''اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 113 2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 511، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ: 2160

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8، صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر: 1997-1998

طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے"۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں۔ اور اللہ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلالت اور کبریائی کے سامنے ہر چیز سرافگندہ ہے اور تمام مخلوقات جمادات ہوں یا حیوانات، مکلّف (جن و انس) ہوں یا غیر مکلّف (فرشتے)، تمام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار غلام ہیں۔ فرمایا کہ ہر سایہ دار چیز صبح و شام دائیں بائیں جھک کر نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے۔ سائے کا دائیں بائیں جھکنا ہی ان کا سجدہ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کا یہ بھی کہنا ہے کہ پہاڑوں بلکہ ہر شے کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔ ابو غالب شیبانی کہتے ہیں کہ سمندر کی موجیں اس کی نماز ہے۔ ہر چیز (خواہ وہ غیر قابل اور بے جان ہو) کی طرف سجدہ کی نسبت کی حالانکہ سجدہ تو عاقل ہی کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اہل عقل کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ ان سے بھی عاقلوں جیسا فعل سرزد ہو رہا ہے، فرمایا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ (الرعد:15) "اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی"، پھر فرشتوں کے متعلق فرمایا: وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ...... یعنی ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے بلکہ اپنے رب سے لرزاں و ترساں محو سجود رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر پوری طرح کاربند رہتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ بناؤ دو خدا۔ وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا) پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے تو کیا اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب

میں گڑگڑاتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں ان نعمتوں کی جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو چندروز تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عبادت کے لائق صرف وہی وحدہ لاشریک ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور رب ہے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت لازمی ہے۔ ''وَاصِبًا'' کا مطلب بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہے۔ ایک اور روایت میں آپ واجب اور لازم بتاتے ہیں اور مجاہد اس کا معنی خالص بتاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران:83) ''کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے اور اس کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے''، حضرات ابن عباس اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ باب خبر سے ہے جبکہ مجاہد کے قول کے مطابق یہ باب انشاء سے ہے یعنی تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے ڈرو اور میرے لئے ہی خالص اطاعت کرو جیسا کہ فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر:3) ''خبردار! صرف اللہ کے لئے ہے دین خالص''، پھر اس بات سے آگاہ کیا کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندوں کو ملنے والا رزق، نعمت، عافیت اور نصرت سب اس کے فضل و احسان کا کرشمہ ہے، فرمایا: ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ...... تکلیف پہنچنے پر تم اسی کے حضور گڑگڑا کر التجائیں کرتے ہو کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ تکلیف کو دور کرنے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے۔ اس لئے ضروریات کے وقت تم اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہو، اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہو، اور اسی سے عجز و نیاز کے ساتھ مدد مانگتے ہو۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۗ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل:67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''، اور یہاں فرمایا: ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ...... لِيَكْفُرُوْا میں لام عاقبت کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے یعنی ہم نے یہ خصلت ان کے لئے مقدر کر دی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپائیں اور ان کا انکار کریں، حالانکہ نعمتیں عطا کرنے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَتَمَتَّعُوْا...... یعنی جو چاہو کرو اور موجودہ زندگی اور نعمتوں سے فائدہ اٹھا لو، عنقریب اس کا انجام تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۗ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۗ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۗ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

''اور مقرر کرتے ہیں ان کے لئے جن کو یہ جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم سے ضرور

باز پرس ہوگی اس کے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو۔ اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں سبحان اللہ! اور ان کے لئے تو وہ (بیٹے) ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں۔ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے۔ (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں۔ آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے اور وہی سب پر غالب بڑا، دانا ہے''۔

مشرکین کی قبیح روش کا ذکر ہو رہا ہے جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ حصہ اپنے بتوں کے نام کر دیتے ہیں، کہتے ہیں: هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الانعام:136) '' یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے۔ تو وہ (حصہ) جو ان کے شریکوں کے لئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے معبودان باطلہ کے لئے بھی حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر یہ باور کرا دیا کہ وہ ضرور ان کی افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں کے متعلق ان سے باز پرس کرے گا اور انہیں جہنم رسید کر کے ان کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا، فرمایا: تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ ..... ان مشرکین کی ایک اور زیادتی یہ ہے کہ انہوں نے ملائکہ کو عورتیں سمجھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں گردان کر ان کی بھی عبادت کرتے ہیں حالانکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ یہ کس الٹی کھوپڑی کے لوگ ہیں جنہوں نے یہ یقین کر کے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس مقام پر ان سے تین جرم سرزد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ٹھہرانا حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، پھر اولاد میں سے کمتر اور نکمی قسم اللہ تعالیٰ کے لئے تجویز کرنا یعنی بیٹیاں حالانکہ وہ انہیں اپنے لئے پسند نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم:22-21) '' کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''، یہاں فرمایا: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ یعنی ان کا یہ قول سراسر بہتان ہے'' اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (الصافات:154-151) '' غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے۔ اور وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لئے) بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو''، فرمایا: وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ یعنی اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور ان بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت برتر ہے۔ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو بچی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو فرط غم سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم واندوہ سے شکستہ خاطر ہو جاتا ہے اور غم وحزن سے بھرا ہوا ہونے کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور اس بری خبر کے باعث لوگوں سے چھپا چھپا رہتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اگر اسے باقی رکھے تو ذلت کا سامنا کرنا ہوگا۔ باقی رکھنے کی صورت میں نہ وہ اسے وارث بنانے پر آمادہ ہوتا ہے اور نہ حسن سلوک کرنے پر بلکہ اس پر اپنے بیٹوں کو فضیلت دیتا ہے یا اس کے ذہن میں ایک اور ترکیب آتی ہے کہ اسے زندہ درگور کر دے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا۔ کیسا ظلم اور اندھیر ہے کہ وہ خود لڑکیوں

سے اس قدر نفرت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں منسوب کرتے وقت انہیں ذرا شرم نہیں آتی! فرمایا: اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ کیسا برا فیصلہ اور کیسی بری تقسیم ہے ان کی! جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ (الزخرف: 17) ''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے''، اور یہاں فرمایا: لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے لئے بری حالت اور نقصان ہے جبکہ ہر طرح کا کمال مطلق اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔

وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

''اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے باعث تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک پس جب آ جاتی ہے ان کی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔ اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے (بیٹیاں) جنہیں وہ (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ (جب وہ کہتی ہیں کہ) فقط انہیں کے لئے بھلائی ہے۔ یقیناً ان کے لئے تو آتش (جہنم) ہے اور انہیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائے گا''۔

مخلوق کے ظلم اور گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور لطف و کرم کا مظاہرہ فرماتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کے باعث پکڑ لیتا تو کوئی جاندار سطح زمین پر نظر نہ آتا بلکہ اولاد آدم کے ساتھ ساتھ زمین پر بسنے والے جانوروں کو بھی ہلاک کر دیتا لیکن وہ درگزر اور پردہ پوشی کرتا ہے۔ ایک مقررہ میعاد تک مہلت دیتا ہے، اس معینہ مدت سے پہلے وہ کسی کو سزا نہیں دیتا، اگر وہ ایسا کرتا تو کسی چیز کو باقی نہ رکھتا۔ ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ بہت ممکن ہے اولاد آدم کے گناہوں کے سبب کیڑے مکوڑے بھی عذاب سے نہ بچیں، پھر انہوں نے یہ آیت وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ...... پڑھی۔ حضرت عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ قریب ہے سیاہ بھنورا اپنی بل میں اولاد آدم کی خطاؤں کے باعث ہلاک کر دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف خود کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: نہیں نہیں، بلکہ اس کے ظلم کی وجہ سے پرندے بھی گھونسلوں میں ہلاک ہو جاتے ہیں(1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی چیز کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی چیز کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پھر مہلت نہیں دیتا۔ عمر کی زیادتی نیک اولاد کے باعث ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا فرماتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کے لئے دعائیں کرتی ہے جو قبر میں اس تک پہنچتی رہتی ہیں، پس یہی عمر کی زیادتی ہے''(2)۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ...... یعنی یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں اور شرکاء تجویز کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں لیکن اپنے مال میں کسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 126
2۔ ابن ابی حاتم

کو شریک کرنا گوارا نہیں کرتے، اور ان کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کہ دنیا کی راحتیں بھی ہمارے لئے ہی ہیں اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اخروی راحتیں بھی ہمارے ہی نصیب میں ہوں گی، انہی کے متعلق فرمایا: وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ہود: 10-9) ''اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونے والا، اترانے والا ہے)، وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (حم السجدة: 50) ''اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کئے، اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب''، اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (مریم: 77) ''کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے''، دو آدمیوں میں سے ایک کے متعلق فرمایا: وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (الکہف: 36-35) ''اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بفرض محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ''۔ یہ مشرکین برے اعمال کا بھی ارتکاب کر رہے ہیں اور باطل تمناؤں کا بھی سہارا لئے ہوئے ہیں کہ انہیں برے اعمال کی بھی اچھی سزا ملے گی حالانکہ یہ محال ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت مشرکین کو کعبہ کی بنیادوں سے ایک پتھر ملا جس پر یہ تحریر تھا: تم برائیاں کرتے ہو اور نیک اجر کی خواہش رکھتے ہو؟ یہ تو کانٹوں سے انگور چننے کے مترادف ہے(1)۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى سے مراد لونڈی غلام ہیں، جبکہ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں قیامت کے دن عمدہ اجر ملے گا، یہی بات درست ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور ان کی آرزو کو خاک میں ملاتے ہوئے فرمایا: لَا جَرَمَ ...... یعنی یقیناً قیامت کے دن ان کے لئے آتش جہنم ہے اور وہاں انہیں فراموش اور برباد کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (الاعراف: 51) ''سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے اس دن کی ملاقات کو''۔ قتادہ ''مُفْرَطُوْنَ'' کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہیں پہلے جلد ہی آگ میں دھکیل دیا جائے گا، لیکن ان اقوال میں تضاد والی کوئی بات نہیں کیونکہ قیامت کے دن انہیں جلد جہنم رسید کر دیا جائے گا اور وہاں انہیں فراموش بھی کر دیا جائے گا یعنی ہمیشہ وہاں ہی رہیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 196

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾

''بخدا! ہم نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا ان کے شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی اور ان کے لئے عذاب الیم ہے اور نہیں اتاری ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لئے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں ان کے لئے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد۔ بے شک اس میں (کھلی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے سابقہ امتوں کی طرف بھی رسول مبعوث کئے اور انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، اس لئے اے ہمارے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے لئے پہلے رسولوں کی مثالیں موجود ہیں، اس لئے ان مشرکین کی تکذیب سے آپ دل گرفتہ نہ ہوں۔ پہلے پیغمبروں کی تکذیب پر شیطان نے مشرکین کو اکسایا، کیونکہ شیطان نے ان کے اعمال خوشنما بنا کر پیش کئے۔ شیطان ہی ان کا دوست ہے اور یہ عبرت ناک عذاب سے دوچار ہونے والے ہیں لیکن ان کا دوست شیطان نہ ان کی مدد کر سکتا ہے اور نہ فریاد رسی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ لوگوں کی اختلافی باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیں۔ قرآن کریم لوگوں کے تمام تنازعات کا فیصلہ کرنے والا ہے، یہ دلوں کے لئے ہدایت اور اسے مضبوطی سے تھامنے والے اہل ایمان کے لئے رحمت ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسی طرح کفر کے باعث مردہ ہو جانے والے دلوں کو زندگی بخشتا ہے جس طرح بارش کے پانی کے سبب بنجر زمین کو۔ اس میں ان لوگوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں جو کلام الٰہی کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

''اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ دیکھو! ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے۔ اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق۔ بلاشبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھدار ہیں''۔

یہاں ''اَنْعَام'' (مویشی) سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ ان مویشیوں میں ان کے خالق کی حکمت، قدرت اور لطف و کرم کی نشانیاں موجود ہیں۔ ''بُطُوْنِهٖ'' کی ضمیر مفرد ذکر کی، یا تو نعمت کے معنی کو مرجع بناتے ہوئے یا حیوان کو کیونکہ مویشی بھی حیوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس میں سے جو ان کے شکموں میں ہوتا ہے، نہایت خالص اور خوش ذائقہ دودھ پلاتے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا (المومنون:21) ''اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے''، یعنی ایک جگہ مذکر ضمیر ذکر کی اور دوسری جگہ

مونث۔ یہ دونوں جائز ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (عبس: 12) ''ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے''، حالانکہ ''ھا'' اور ''ہ'' ضمائر کا مرجع ایک (قرآن) ہی ہے۔اسی طرح اس آیت میں بھی ہے: وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ ... (النمل: 36-35) ''اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا.....''، اس میں ''جآء'' مذکر لایا گیا ہے یعنی ''جآء المال''۔فرمایا: مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا ۔ یعنی حیوان کے شکم میں دودھ گوبر اور خون کے اثرات سے بالکل پاک ہوتا ہے اور اپنی سفیدی، ذائقہ اور حلاوت میں نہایت عمدہ اور خالص۔غذا ایک ہی ہوتی ہے جو معدے میں جاتی ہے۔غذا کے ہضم ہو جانے کے بعد خون رگوں کی طرف دوڑ جاتا ہے، دودھ تھنوں میں، پیشاب مثانہ میں اور گوبر اپنے مخرج کی راہ لیتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ وہ دوسرے کے ساتھ مل جائے۔حلق میں آرام سے اترنے والا خالص اور خوش ذائقہ دودھ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔اس نعمت کی یاد دہانی کے بعد پھلوں سے کشید کئے گئے رس کا ذکر ہو رہا ہے۔کھجور اور انگور کے رس سے لوگ نبیذ اور شراب بنا لیتے ہیں۔یہ تحریم خمر سے پہلے کی بات ہے، یہاں اس احسان کا ذکر کرنا شراب کی حرمت سے پہلے شرعی طور پر اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کھجور سے کشید کی جانے والی شراب اور انگور سے کشید کی جانے والی شراب دونوں کا یکساں حکم ہے جیسا کہ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کا مذہب ہے، اسی طرح یہی حکم ان شرابوں کا ہے جو گندم، جو، مکئی اور شہد سے حاصل کی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث میں ان کا تفصیلی حکم موجود ہے۔ان کی شرح وبسط کا یہ مقام نہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان (کھجور، انگور) کے پھلوں سے کشید کی جانے والی جو چیز حرام ہے وہی شراب ہے اور رزق حسن وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حلال کیا گیا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ان سے شراب بنا کر پینا حرام ہے جبکہ ان پھلوں کو کھانا حلال ہے اور یہی رزق حسن ہے یعنی جب کھجوریں اور انگور خشک ہو جائیں تو ان سے شیرہ، سرکہ اور نبیذ بنانا جائز ہے۔نبیذ حلال ہے بشرطیکہ وہ گاڑھا نہ ہو اور نہ جوش مارے، آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ یہاں عقل کا ذکر نہایت مناسب اور موزوں ہے کیونکہ یہ انسان میں سب سے افضل اور اعلیٰ جوہر ہے، اسی لئے عقول کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر نشہ آور چیزیں حرام کر دی ہیں، فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ۝ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (یٰسین: 36-34) ''اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

''اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں)

میں اوران چھپروں میں جولوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک شربت مختلف رنگوں والا، اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔

یہاں وحی سے مراد الہام (دل میں کوئی بات ڈالنا)، ہدایت اور ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ بات رکھ دی کہ وہ پہاڑوں، درختوں، چھپروں اور چھتوں پر اپنے چھتے بنائے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس کمزور مخلوق کا چھتہ نہایت محکم، پختہ، منظم اور مسدس خانوں میں مرتب ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھلوں کے رس چوس کر لانے کی طرف اس کی رہنمائی کی اور اس کی آمد ورفت کے لئے اس عظیم فضاء، دور دراز جنگلوں، وادیوں اور بلند پہاڑوں میں رستے آسان بنا دیئے۔ جس رستے یہ مکھی جاتی ہے، اسی رستے سے واپس آجاتی ہے اور رستہ نہیں بھٹکتی۔ چھتے میں موم بھی بنتا ہے، شہد بھی تیار ہوتا ہے اور بچے بھی جنم لیتے ہیں۔ اپنے پروں سے موم بناتی ہے، منہ سے شہد نکلتا ہے اور دبر سے بچے۔ قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید نے ''ذُلُلًا'' (مطیع) کو ''اسْلُكِي'' کی ضمیر سے حال بنایا ہے(1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰسین: 72) ''اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں''، اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ مکھیوں کو چھتوں سمیت ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیتے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ موزوں ہے یعنی ''ذُلُلًا''، ''سُبُل'' (رستے) سے حال ہے یعنی مکھی کو ان رستوں پر چلنے کا حکم ہوا جو اس کے لئے آسان کر دیئے گئے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قول صحیح ہیں(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکھیوں کی عمر چالیس دن ہوتی ہے، بجز شہد کی مکھیوں کے تمام مکھیاں آگ میں ہیں''(3)۔

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا... یعنی شہد کی مکھیوں کے شکم سے سفید، زرد، سرخ اور دیگر خوشنما رنگوں کا مشروب نکلتا ہے یعنی بچوں، پھولوں، کونپلوں اور پتوں کے مطابق رنگوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ شہد سے شفا نصیب ہوتی ہے۔ طب نبوی پر گفتگو کرنے والے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر یہاں فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کہا جاتا تو اس سے یہ لازم آتا کہ شہد ہر بیماری کی دوا ہے لیکن فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ یعنی شفاء نکرہ ذکر فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہد چونکہ گرم ہے، اس لئے یہ سرد بیماریوں کی دوا ہے اور علاج ہمیشہ ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مجاہد اور ابن جریر کہتے ہیں کہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے یعنی قرآن کریم میں شفاء ہے۔ یہ قول اپنی جگہ درست تو ہے لیکن یہاں مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس آیت کریمہ میں ذکر شہد کا ہو رہا ہے، اس لئے مجاہد کے قول کو تسلیم نہیں کیا گیا، البتہ قرآن کریم کے شفا ہونے کا ذکر ان آیات میں ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: 82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے''، آیت کریمہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ میں شہد مراد لئے جانے کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگے کہ میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ''۔ وہ شخص چلا گیا، اپنے بھائی کو شہد پلانے کے بعد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اسے شہد پلایا تو اس کے اسہال میں اضافہ ہو گیا۔ آپ ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 140 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 140 — 3۔ مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 230

نے فرمایا: "جاؤ اور اسے شہد پلاؤ" وہ چلا گیا، شہد پلانے کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! شہد نے تو اسہال میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاؤ اور اسے شہد دو" اب کی بار شہد پلانے سے وہ بالکل صحت یاب ہو گیا(1)۔ بعض طبیبوں کا کہنا ہے کہ اس شخص کے پیٹ میں فضلے کی زیادتی تھی۔ گرم شہد پلانے سے فضلہ تحلیل ہو کر تیزی سے باہر نکلنے لگا اور دست بڑھ گئے۔ اعرابی یہ سمجھا کہ شہد اس کے بھائی کے لئے مضر ہے حالانکہ اس کے لئے وہی موزوں تھا۔ دوسری مرتبہ شہد پلانے سے فضلے کی تحلیل اور اسہال میں مزید اضافہ ہو گیا، پھر تیسری مرتبہ پلانے سے بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تمام فاسد اور مضر بدن فضلہ خارج ہو گیا تو دست رک گئے، اس کا معدہ اور مزاج درست ہو گیا اور حضور ﷺ کے تجویز کردہ علاج کے باعث مکمل طور پر شفاء یاب ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حلوا (ہر میٹھی چیز) اور شہد بہت پسند تھا"(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین چیزوں میں شفاء ہے: پچھنے لگوانے میں، شہد پینے میں اور بذریعہ آگ داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امتی کو دغوانے سے منع کرتا ہوں"(3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری دواؤں میں سے اگر کسی میں شفاء ہے تو پچھنے لگوانے میں، شہد پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں ہے جو بیماری کے مناسب ہو۔ البتہ داغ لگوانا مجھے پسند نہیں"(4)۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کسی چیز میں شفاء ہے تو تین چیزوں میں: پچھنے لگوانے، شہد پینے اور تکلیف کی جگہ بذریعہ آگ داغ لگوانے میں، لیکن دغوانا مجھے ناپسند ہے، میں اسے پسند نہیں کرتا"(5)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو شفاؤں کو لازم پکڑو: شہد اور قرآن"(6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شفاء کا خواہش مند ہو تو وہ کسی کاغذ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھو لے اور اپنی بیوی کے مال میں سے اس کی رضا مندی سے کچھ پیسے لے کر شہد خرید لے اور بارش کے پانی کی طرح اسے بھی پی لے، اس میں کئی اعتبار سے شفاء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: 82) "اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے"، وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق: 9) "اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی"، فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓــًٔا (النساء: 4) "پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے"، اور شہد کے متعلق فرمایا: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر مہینے تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لے، وہ کسی بڑی بلا میں مبتلا نہیں ہوتا"(7)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنا (سنا مکی) اور سنوت (زیرہ، شہد یا پنیر) استعمال کیا کرو۔ ان میں بجز سام ہر بیماری کی شفاء ہے" عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! سام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "موت"(8)۔ ابن ابی عبلہ نے سنوت کا معنی ثبت (سوئے کا ساگ) بتایا ہے جبکہ دوسرے لوگ اس سے وہ شہد مراد لیتے ہیں جو گھی کے مشکیزے میں رکھا ہوا ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ...... یعنی شہد کی مکھی جیسی کمزور مخلوق کو بذریعہ الہام

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، جلد 7 صفحہ 165، صحیح مسلم، کتاب السلام: 1736-1737

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، جلد 7 صفحہ 143 صحیح مسلم، کتاب الطلاق: 1101

3۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، جلد 7 صفحہ 159

4۔ کتاب الطب صحیح مسلم، کتاب السلام: 1729-1730

5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 146

6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1142

7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1142

8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1144

شہد بنانے کی تدبیر سے آگاہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت، علم اور حکمت کی نشانیاں موجود ہیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تمہیں پھر جان قبض کرے گا تمہاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے''۔

اللہ تعالیٰ بندوں میں اپنے تصرف سے باخبر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام لوگوں کو عدم سے وجود بخشتا ہے۔ پھر ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے۔ بعض لوگوں کو طویل عمر عطا کرتا ہے اور وہ پیرانہ سالی، کمزوری اور عجز کا شکار ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً (الروم:54) ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا''، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اَرْذَلِ الْعُمُرِ'' (نکمی عمر) پچھتر سال کی ہے۔ اس عمر میں انسان ضعف اعضاء، فساد عقل، سوء حفظ اور قلت علم کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا: لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا یعنی عالم ہونے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ عجز اور فساد عقل کی وجہ سے کوئی چیز نہیں جانتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَاَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ(1)۔ ''میں تجھ سے بخل، کاہلی، بڑھاپے، نکمی عمر، عذاب قبر، فتنہ دجال اور فتنہ موت وحیات سے پناہ مانگتا ہوں''۔ زہیر بن ابی سلمی نے بھی اپنے مشہور معلقہ میں اس عمر کی تکالیف کا تذکرہ کیا ہے۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے۔ پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنہیں برتری بخشی گئی ہے وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں؟ (ہرگز نہیں) تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں''۔

مشرکین کی جہالت اور کفر کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لئے ہیں حالانکہ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ شرکاء اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جیسا کہ وہ حج کے موقعہ پر اپنے تلبیہ میں کہتے: ''ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جسے تو نے خود بنایا ہے۔ اس کا بھی اور اس کے مملوک کا بھی تو مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اپنے رزق میں اپنے غلاموں کی مساویانہ شرکت کو پسند نہیں کرتے تو بھلا اللہ تعالیٰ کس طرح اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ اس کے غلام الوہیت اور تعظیم میں مساوی طور پر اس کے شریک ہوں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ (الروم:28) ''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نحل، جلد 8 صفحہ 387-388

تمہارے ہی حالات میں سے۔ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرانے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے'' حضرت ابن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہ بات گوارہ نہیں کہ ان کے غلام ان کے اموال اور عورتوں میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں تو پھر یہ لوگ میرے غلاموں کو کس طرح میری خدائی میں میرے ساتھ شریک کرتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لئے وہ کیوں پسند کرتے ہو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے (1)۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں معبودان باطلہ کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اے نادانو! کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنے غلاموں کو اپنی بیویوں اور بستروں میں شریک کر لو تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شرک کرنے کا دعویٰ کر سکو؟ اگر تم اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بدرجہ اولیٰ اس سے منزہ ہے۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو کھیتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کر لیتے ہیں اور بتوں کے لئے بھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اس سے بڑھ کر کفران نعمت کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا: دنیا میں اپنے رزق پر قناعت کرو، کیونکہ رحمٰن نے رزق میں بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے، یہ ایسی آزمائش ہے جس کے ذریعے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ آزماتا ہے۔ کسی کو وہ رزق کی فراوانی سے آزماتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس حق کی ادائیگی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں اس پر فرض ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور رزق عطا فرمایا تمہیں پاکیزہ۔ تو کیا (یہ لوگ) باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی ناشکری کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے انعامات کی یاددہانی کرا رہا ہے کہ اس نے لوگوں کے لئے ان کی جنس اور شکل کی عورتیں پیدا کیں (2)۔ اگر یہ کسی اور جنس سے ہوتیں تو باہمی الفت، محبت اور رحمت مفقود ہوتی لیکن یہ اس کی خصوصی رحمت ہے کہ اس نے اولاد آدم کو مذکر و مونث میں تقسیم کر دیا۔ یہی ہم جنس مذکر و مونث رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں اور پھر ان سے اللہ تعالیٰ بیٹوں اور پوتے پوتیوں کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ ''حَفَدَةً'' کا معنی ہے اولاد کی اولاد، اور اس کا دوسرا معنی ہے خادم، تابعدار اور مددگار۔ لڑکے اور پوتے بھی تابعدار، مددگار اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ مجاہد اس لفظ کا معنی بتاتے ہیں، اعوان، انصار اور خدام۔ طاؤس وغیرہ کے نزدیک بھی اس کا معنی خادم ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ''حَفَدَةٌ'' وہ بیٹے، پوتے اور پوتیاں ہیں جو خدمت کریں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ عربوں میں یہ رواج تھا کہ ان کے بیٹے ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مرد کے سوتیلے بیٹے اس میں شامل نہیں۔ ''حفدة'' اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کے سامنے اس کا کام کرے۔ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ يَحْفِدُنَا یعنی فلاں ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ بعض حضرات نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 142 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 146

اس کا معنی سسرالی رشتہ دار (سسر، سالا وغیرہ) کیا ہے۔(1) علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی سسرال والے ہی نقل کرتے ہیں۔ بہرصورت تمام اقوال میں "حفدۃ" کا بنیادی معنی خدمت ہے۔ دعائے قنوت میں آتا ہے: وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ "ہم تیری طرف ہی کوشاں ہیں اور تیری ہی خدمت بجالاتے ہیں)۔ چونکہ اولاد، خدام اور سسرال والوں سے خدمت حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ سب نعمت میں شامل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جن کے نزدیک "حفدۃ" کا تعلق ازواج سے ہے انہوں نے تو اس سے مراد اولاد، اولاد کی اولاد، داماد اور بیوی کی اولاد لی ہے کیونکہ یہ عموماً آدمی کی زیر کفالت اور خدمت گزار ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان وَالْوَلَدُ عَبْدٌ لَّكَ (2)۔ "اولاد تیری غلام ہے" کا مطلب بھی یہی ہو۔ جنہوں نے "حفدۃ" کا معنی "خدام" لیا ہے ان کے نزدیک اس کا عطف اس فرمان وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا پر ہو رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بیوی اور اولاد کو خادم بنایا۔ بیویوں اور اولاد کی نعمت کے علاوہ خورد ونوش کی پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ پھر مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اَفَبِالْبَاطِلِ...... کیا وہ باطل (بتوں) پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں اور غیروں کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں بیوی نہ دی تھی؟ کیا میں نے تمہیں عزت نہیں دی تھی؟ کیا میں نے اونٹ اور گھوڑے تیرے لئے مسخر نہیں کر دیئے تھے، کیا میں نے تمہیں سروری اور عیش وآرام میں نہیں چھوڑا تھا؟" (3)۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

"اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو نہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی، خالق، رازق اور وحدہ لاشریک ہے لیکن اس کے باوجود مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے اصنام و اوثان کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں جو آسمان اور زمین سے رزق مہیا کرنے پر قادر نہیں، نہ وہ بارش برسا سکتے ہیں اور نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کے لئے کچھ کریں، وہ تو اپنے لئے بھی کچھ کرنے کی استعداد اور صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ کے مدمقابل، مثیل اور مشابہ نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم محض اپنی جہالت کے باعث شرک کرنے پر تلے ہوئے ہو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

"بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (اس کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 146
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 241-242
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد: 2279-2280، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 492، وغیرہ

مقابلہ میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر۔ (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں۔ الحمد اللہ! (حقیقت حال واضح ہوگئی) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (اس حقیقت) کو نہیں جانتے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافر اور مومن کی مثال دی ہے۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ عبد مملوک جو کسی چیز پر قادر نہیں، کافر کی طرح ہے، اور جسے عمدہ رزق دیا گیا ہو اور وہ اس میں سے خرچ بھی کرے وہ مومن ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ بت اور حق تعالیٰ کی مثال ہے، کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ جب ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہے جس سے کوئی غبی شخص بھی ناواقف نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ......

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال، دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر۔ جہاں کہیں وہ اس (نکمے) کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی کے ساتھ۔ کیا برابر ہوسکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہ راست پر گامزن ہے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں بھی بت اور حق تعالیٰ مراد ہے یعنی بت گونگا ہے جو نہ بات کرسکتا ہے اور نہ بھلائی کا کوئی لفظ بولنے پر قادر ہے بلکہ کسی بھی قول اور فعل کو انجام دینے کی اس میں قدرت نہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مالک پر بوجھ اور اس کا محتاج ہے۔ فرمایا: اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ یعنی وہ اپنی مساعی میں کبھی بامراد نہیں ہوا۔ کیا ان صفات کا حامل حق تعالیٰ کے مساوی ہوسکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے۔ جس کا قول حق اور فعل مستقیم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گونگا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی کافر اور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے۔ عبد ابکم سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ گونگا غلام مراد ہے جس پر آپ خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ آپ کا دست نگر ہونے کے باوجود اسلام سے نفرت کرتا تھا اور آپ کو صدقہ اور احسان کرنے سے منع کرتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو۔ اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 151

شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل۔ تا کہ تم (ان بیش بہا نعمتوں پر) شکر ادا کرو کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں فضاء آسمانی میں۔ کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان فرما رہا ہے۔ علم غیب اسی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے آگاہ کئے بغیر کوئی از خود غیب نہیں جان سکتا۔ اس کی قدرت اتنی بے پایاں اور مکمل ہے کہ نہ اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے اور نہ اسے روکا جاسکتا ہے اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو لفظ ''کُن'' کی کرشمہ سازی سے وہ چیز ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (القمر: 50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''، یہاں فرمایا: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ...... جیسا کہ فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''، پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک اور احسان کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ وہ اپنی ماؤں کے شکموں سے نکلے تو انہیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اصوات کا ادراک کرنے کے لئے کان، مرئیات کو محسوس کرنے کے لئے آنکھیں اور نفع ونقصان کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے عقلیں عطا فرمائیں۔ ''اَفْئِدَة'' (دل) سے عقول مراد ہیں جن کا مرکز دل ہے اور بعض نے اس سے دماغ مراد لیا ہے۔ عقل سے ہی انسان نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یہ قویٰ اور حواس انسان کو بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔ جوں جوں بچہ پروان چڑھتا ہے توں توں اس کی قوت سماعت، بصارت اور عقل میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ انسان میں ان ساری چیزوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں، صلاحیتوں اور اعضاء کو اپنے مولا کی اطاعت اور خدائے حقیقی کی عبادت میں بروئے کار لائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے دوست سے دشمنی رکھتا ہے وہ میرے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی سے بہتر کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، جب میں اسے اپنا محبوب بنا لوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن کے ذریعے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگے تو میں ضرور اسے قبول کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ مجھے کسی کام کے کرنے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جس قدر اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی ناراضگی کو ناپسند کرتا ہوں لیکن موت سے مفر نہیں'' (1)۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مومن خلوص دل سے اطاعت کرتا ہے تو اس کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتے ہیں۔ وہ سنتا ہے تو اللہ کے لئے، دیکھتا ہے تو اللہ کے لئے یعنی شریعت الٰہی اس کے پیش نظر رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اسی سے مدد طلب کرتے ہوئے وہ پکڑتا اور چلتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''وہ میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے، میرے سبب سے پکڑتا ہے اور میرے طفیل چلتا ہے'' اس لئے فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ...... اسی طرح

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 340-341

ایک اور آیت میں فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ؀ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (الملک: 24-23) ''آپ فرمایئے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔ آپ فرمایئے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے''، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فضا میں مسخر اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف توجہ دلائی۔ کس طرح یہ اپنے پروں کے ساتھ زمین و آسمان کے درمیان فضاء آسمانی میں اڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کے باعث انہیں فضا میں تھامے ہوئے ہے۔ پرندوں کو ایسے اعضاء عطا فرما دیئے جو پرواز میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور پھر ہوا بحکم الٰہی پرندوں کو اپنے دوش پر اٹھائے رکھتی ہے۔ یہ قوت پرواز اسی کی عطا کردہ ہے، جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ (الملک: 19) ''کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے۔ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''، اور یہاں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ؀ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ؀ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ؀ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ؀

''اور اللہ تعالیٰ نے ہی (اپنے فضل و کرم سے) بنا دیا ہے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ اور بنائے ہیں تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو سفر کے دن اور اقامت کے دن۔ اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے (آرام) کے لئے ان چیزوں کے سائے جن کو اس نے پیدا فرمایا اور اسی نے بنائی ہیں تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لئے ایسے لباس جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔ اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم سر اطاعت خم کر دو۔ اے محبوب! گر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیریں تو (فکر مند نہ ہو) آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے۔ وہ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو (اس کے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر لوگ کافر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے مزید انعامات کا ذکر فرما رہا ہے، اس نے اولاد آدم کو رہنے سہنے، سر چھپانے اور راحت و آرام کے حصول کے لئے مکانات عطا فرمائے، اسی طرح مویشیوں کی کھالوں سے بنے ہوئے خیمے بھی مرحمت فرمائے، جنہیں دوران سفر اٹھانا اور سفر و حضر میں

اقامت کے وقت نصب کرنا بہت آسان ہے، اس لئے فرمایا: تَسْتَخِفُّوْنَهَا...... "پھر اونٹوں اور بکریوں کے بال، بھیڑوں اور دنبوں کی اون سے ایک مقررہ میعاد تک کے لئے گھریلو سامان مثلاً چٹائیاں اور کپڑے وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور یہ مال تجارت بھی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے درختوں کے سائے اور رہنے سہنے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں میں غاریں اور قلعے عطا کئے۔ اسی طرح موسم کی شدت سے بچاؤ کرنے کے لئے اونی، سوتی اور بالوں سے بنے ہوئے کپڑے مرحمت فرمائے اور حالت جنگ میں اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے قسم قسم کی زرہیں اور خود وغیرہ دیئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کی تکمیل کرتا ہے اور تمہیں ایسی چیزیں عطا فرماتا ہے، ضروریات کے وقت جنہیں تم اپنے کام میں لاسکو۔ ان نعمتوں کا مقصد تمہیں راحت وسکون بہم پہنچانے کے علاوہ یہ ہے کہ تم اپنے خالق کی اطاعت کرو اور اسی کی عبادت میں مشغول رہو۔ "تُسْلِمُوْنَ" (تم سر تسلیم خم کرلو) اور "تَسْلَمُوْنَ" (تم سلامت رہو) دونوں قرأتیں منقول ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے یعنی نعمتوں والی سورت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأتیں میں "تَسْلَمُوْنَ" سے معنی یہ ہوگا: تاکہ تم زخموں سے سلامت رہو (1)۔ عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عربوں کی معلومات کے مطابق نازل ہوا، بلاشبہ میدانی علاقے ایک بہت بڑی نعمت ہیں لیکن یہاں پہاڑوں کی نعمت اس لئے بیان کی کہ وہ پہاڑوں کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے بالوں اور اون اور ان کے ملبوسات کا ذکر فرمایا حالانکہ ان کے علاوہ اس قسم کی بے شمار نعمتیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں صرف یہی چیزیں میسر تھیں۔ ان کے تعجب کے پیش نظر فرمایا: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ (النور: 43) " اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے"، حالانکہ برف باری تو ہوتی رہتی ہے لیکن عربوں کے ہاں یہ معروف چیز نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے گرمی سے بچانے والے ملبوسات کا ذکر کیا ہے حالانکہ سردی سے بچاؤ کے لئے ملبوسات زیادہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں گرمی ہی پڑتی تھی، اور سردی سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا...... یعنی اس وضاحت اور اظہار نعمت کے باوجود یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں تو اے میرے پیارے رسول! آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ آپ نے حق تبلیغ ادا کردیا۔ ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فضل وکرم کرنے والا اور نعمتیں ارزانی فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں، غیروں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی طرف ہی نصرت اور رزق کی نسبت کرتے ہیں ان کی اکثریت کافر ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی روایت میں آتا ہے کہ ایک بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اسے یہ آیت وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا تلاوت فرمائی۔ بدو نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے اسے آیت کا یہ حصہ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا سنایا تو اس نے کہا: ہاں۔ اسی طرح آپ آیات پڑھتے گئے اور وہ ہر نعمت کا اقرار کرتا رہا۔ جب آپ اس مقام كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ تک پہنچے تو وہ بدو منہ پھیر کر چل دیا، اس پر یہ آیت يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ...... اتری۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 156

اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىٕذِ ﹰالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

”اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ تب ان لوگوں کو اجازت نہیں ہوگی جنہوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عذاب (آخرت کو) تو اس وقت وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔ اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک جنہیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر۔ تو وہ شریک انہیں جواب دیں گے یقیناً تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ پیش کر دیں گے بارگاہ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے انہیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے“۔

قیامت کے دن مشرکین کی حالت زار کا بیان ہو رہا ہے۔ ہر امت کا نبی اس پر گواہی دے گا کہ اس کی امت کے لوگوں نے دعوت و تبلیغ کا کیا جواب دیا پھر انہیں کوئی عذر اور بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ انہیں بھی معلوم ہوگا کہ یہ محض جھوٹ اور باطل ہے، جیسا کہ فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: 36-35) ”یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں“، اس لئے فرمایا کہ عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ملنے کے ساتھ ساتھ ان کی توبہ کا مطالبہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا، اور جب ظالم مشرک عذاب کو دیکھ لیں گے تو ایک لحظہ کے لئے بھی اس میں تخفیف نہیں ہوگی اور نہ انہیں مزید مہلت ملے گی بلکہ انہیں اچانک دھر لیا جائے گا۔ جب جہنم کو لایا جائے گا تو اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ ان کی ایک جماعت مخلوقات پر جھانک کر ایسی چیخ مارے گی کہ ہر ایک گھٹنوں کے بل گر جائے گا۔ جہنم کہے گی کہ مجھے ہر اس سرکش اور منکر حق پر مسلط کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کرتا رہا۔ اس طرح وہ کئی اقسام کے گنہگاروں کا ذکر کرے گا جیسا کہ حدیث میں ہے(1)۔ پھر جہنم ان تمام لوگوں پر لپٹ جائے گی اور انہیں میدان حشر سے اس طرح اچک لے گی جس طرح پرندہ دانہ اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (الفرقان: 12) ”جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں“، وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (الکہف: 53) ”اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ“، لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 43-45، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 336، جلد 3 صفحہ 40، جلد 6 صفحہ 110

لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۞ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (الانبیاء:40-39) '' کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں کو) اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں سو انہیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے رد کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی''، سخت ضرورت اور مشکل کے وقت ان کے معبودان باطلہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ لوگ ہمیں مورد الزام ٹھہرانے کے اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، ہم نے تو انہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۞ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5) '' اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۞ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81) '' اور انہوں نے بنالئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''، ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ (العنکبوت:25) '' پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور ''، وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ '' اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو''۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ اپنے سر جھکا دیں گے اور مکمل عاجزی کا اظہار کریں گے۔ ہر ایک سامع اور مطیع ہوگا جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38) '' (اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس''، وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدۃ:12) '' اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا''، وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ:111) '' اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حیی وقیوم کے سامنے''، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن تمام مشرکین اللہ تعالیٰ کے حضور عجز ونیاز کا اظہار کریں گے اور ان کی سب افتراء بازیاں اور معبودان باطلہ مفقود ہو جائیں گے، نہ ان کا کوئی حامی وناصر ہوگا اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ پھر ان لوگوں کے متعلق فرمایا:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا...... ان بدبختوں کو ایک عذاب تو کفر پر ہوگا اور ایک عذاب اتباع حق سے منع کرنے پر جیسا کہ فرمایا: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ (الانعام:26) '' اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے''، وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (الانعام:26) '' اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا جیسا کہ جنت میں اہل ایمان کے مقامات اور درجات میں تفاوت ہوگا، جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38) '' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آتش جہنم کے علاوہ انہیں ایسے بچھوؤں کا بھی عذاب دیا جائے گا جن کے دانت لمبے لمبے کھجور کے درختوں کی طرح ہوں گے، یہ ہے عذاب کے اوپر عذاب۔ حضرت ابن عباس اس زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل:88) متعلق فرماتے ہیں کہ عرش تلے پانچ نہریں ہیں جن میں سے بعض

کے ساتھ رات کو اور بعض کے ساتھ دن کے وقت جہنمیوں کو عذاب دیا جائے گا۔

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

''اور وہ دن (بڑا ہولناک ہوگا) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انہیں میں سے اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیل سے بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لئے''

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَيَوْمَ نَبْعَثُ..... هَٰؤُلَاءِ سے مراد آپ ﷺ کی امت ہے یعنی آپ قیامت کے ہولناک دن کو یاد کریں جب اللہ تعالیٰ آپ کو شرف عظیم اور مقام رفیع سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: 41) ''تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب ﷺ!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''، رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سورۂ نساء سن رہے تھے، جب وہ مذکورہ بالا آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا...... پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس، کافی ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو اس وقت آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں (1)۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے قرآن کریم میں ہر چیز اور تمام علوم بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہر حلال وحرام اور دنیا، آخرت، معاش اور معاد میں درپیش ضروریات کا بیان ہے۔ مزید برآں قرآن کریم قلوب کے لئے ہدایت اور مسلمانوں کے لئے رحمت اور بشارت ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ سنت رسول ﷺ کو ملا کر ہر چیز کا بیان ہے۔ اس فرمان وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ...... کا اوپر والے فرمان وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ سے غالباً تعلق یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ پر اس کتاب کی تبلیغ فرض کی ہے، وہ قیامت کے دن آپ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت بھی کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: 6) ''سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے''، فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر: 93-92) ''پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے''، يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (المائدۃ: 109) ''جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا''، إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ (القصص: 85) ''یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں''، یعنی جس نے آپ پر تبلیغ قرآن فرض کی ہے، وہ ضرور آپ کو قیامت کے دن اپنے پاس لوٹا کر اس فرض کی ادائیگی کے متعلق دریافت کرے گا۔ یہ اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال میں سے ایک ہے اور یہ عمدہ اور معقول قول ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 41

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور حسن سلوک اور احسان کی ترغیب دلاتا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (النحل: 126) ''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے''، وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 6) ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے''، وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ: 45) ''اور زخموں کے لئے قصاص، تو جو شخص معاف کر دے تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا'' اور بھی ایسی آیات ہیں جو عدل و انصاف کی فرضیت اور فضل و احسان کے مستحسن ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عدل سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا ہے(1)۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر عدل سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جانے والے ہر عمل میں ظاہر اور باطن کی یکسانیت، اور احسان یہ ہے کہ باطن ظاہر سے عمدہ ہو۔ فحشاء اور منکر یہ ہے کہ ظاہر باطن سے اچھا ہو۔ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى سے صلہ رحمی مقصود ہے جیسا کہ فرمایا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل: 26) ''اور دیا کرو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو''، فواحش سے مراد محرمات اور منکرات سے مراد ظاہری برائیاں ہیں، اس لئے ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف: 33) ''آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں''۔

الْبَغْيِ سے مراد ہے لوگوں پر زیادتی کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''ظلم و زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی اخروی پکڑ کے علاوہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اسے جلد سزا دیتا ہو''(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: يَعِظُكُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں خیر کا حکم دیتا ہے اور شر سے منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کر لو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ جامع آیت سورۂ نحل کی یہ آیت إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ...... ہے(3)۔ قتادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ جن اخلاق حسنہ پر عمل پیرا تھے اور انہیں مستحسن خیال کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا حکم دیا اور جن اخلاق سیئہ کا وہ باہم ارتکاب کرتے تھے، ان سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ گھٹیا اور مذموم اخلاق کی ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا اخلاق کو ناپسند کرتا ہے''(4)۔ اکثم بن صیفی کو جب نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے آپ کی خدمت میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 162
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1408، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 36-38
3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 163
4۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 131، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 188

حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن قوم نے جانے سے روک دیا اور کہنے لگے کہ تم ہمارے سردار ہو اور تمہارا خود وہاں جانا مناسب نہیں۔ اس نے کہا کہ پھر آپ ﷺ کے پاس ایک قاصد بھیج دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو میری بابت بتائے اور مجھے آپ ﷺ کی بابت۔ چنانچہ دو قاصد تیار ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے کہ ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں، وہ آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ آپ کون اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کون ہوں؟ سنو، میں محمد بن عبداللہ ہوں اور جہاں تک تمہارا یہ سوال ہے کہ میں کیا ہوں تو سن لو، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے ان پر اسی آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ...... کی تلاوت کی۔ وہ کہنے لگے کہ اسے دہرائیے۔ آپ اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے یاد کر لیا۔ جب وہ لوٹ کر اکثم کے پاس گئے تو اسے بتانے لگے کہ اس (حضور ﷺ) نے اپنے نسب پر فخر نہیں کیا۔ لیکن اس کے نسب کی بابت دریافت کرنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے اور وہ شریف النسب ہے۔ اس نے ہمیں کچھ کلمات بھی سکھائے ہیں۔ جب اکثم نے ان کلمات اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ...... کو سنا تو کہنے لگا: وہ تو مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور گھٹیا اخلاق سے منع کرتے ہیں، اے میری قوم کے لوگو! اسلام کو قبول کر کے سر (سردار) بن جاؤ اور دمیں (تابع) نہ بنو'(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا بیٹھو گے نہیں؟'' وہ کہنے لگا: کیوں نہیں۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ دریں اثناء آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ ﷺ نے عثمان کے سامنے سے ہٹ کر اپنا رخ بھی کر لیا۔ اس دوران آپ ﷺ اپنا سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں جو وہ کہہ رہا ہے۔ عثمان بن مظعون اس کیفیت کو دیکھتا رہا۔ اس سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پہلے کی طرح پھر اپنی نگاہیں آسمان کی طرف بلند کر لیں اور آسمان میں اس شخصیت (جبرئیل علیہ السلام) کے چھپ جانے تک آپ ﷺ کی نگاہیں اس کے تعاقب میں رہیں۔ پھر آپ ﷺ پہلے کی طرح عثمان کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ آپ ﷺ سے پوچھنے لگا کہ جس طرح آج آپ ﷺ نے کیا ہے، اس طرح کرتے ہوئے آپ ﷺ کو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے مجھے کیا کرتے دیکھا ہے؟'' اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے نگاہیں آسمان پر جما دیں، پھر نگاہیں نیچی کر کے آپ اپنی دائیں طرف متوجہ ہوئے اور میری طرف سے رخ پھیر لیا۔ پھر آپ اپنا سر ہلانے لگے گویا آپ وہ بات سمجھ رہے ہیں جو کوئی آپ سے کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس منظر کو غور سے دیکھا؟'' اس نے کہا: ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی جب تو بیٹھا ہوا تھا، خدا کا فرستادہ (فرشتہ) میرے پاس آیا تھا۔'' وہ تعجب سے پوچھنے لگا: خدا کا فرستادہ؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا کہ پھر اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ...... حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی وقت میرے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا ور حضور ﷺ کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا(2)۔ ایک اور حدیث میں عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور فرمایا: ''میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور انہوں نے اس آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ...... کو اس سورت کے اس مقام پر رکھنے کے لئے کہا(3)۔

1۔ الاصابۃ، ترجمہ اکثم بن صیفی، جلد 1 صفحہ 113-114 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 318 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 218

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو (اپنی) قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے۔ صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے۔ اور واضح فرما دے گا تمہارے لئے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے''۔

ایفائے عہد اور قسموں کی پابندی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا، ایک اور جگہ فرمایا: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ (البقرۃ: 224) ''اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ اس کی قسم کھا کر''، ایک اور مقام پر فرمایا: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ (المائدۃ: 89) ''یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی''، یعنی اپنی قسموں کو بلا کفارہ نہ چھوڑو۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں جس چیز پر قسم اٹھا لوں، پھر کسی اور چیز میں بہتری دیکھوں تو میں ان شاء اللہ وہ بہتر چیز بجا لاؤں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا'' (1)۔ مذکورہ بالا تین آیات اور اس حدیث شریف کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس فرمان وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ...... میں وہ قسمیں مراد ہیں جو عہد و پیمان کے حکم میں ہیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے، نہ کہ وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی کو برانگیختہ کرنے یا منع کرنے کے لئے اٹھائی جاتی ہیں کیونکہ ایسی قسموں کو کفارہ دے کر توڑا جا سکتا ہے، اسی لئے مجاہد اس آیت سے مراد زمانہ جاہلیت جیسی قسمیں لیتے ہیں (2)۔ اس کی تائید حضرت جبیر بن مطعم سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں (امداد و اعانت کے لئے) قسم کوئی چیز نہیں۔ جاہلیت میں جو ایسی قسمیں ہو چکی ہیں، اسلام انہیں مزید پختہ کرتا ہے'' (3)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ اسلام کے ہوتے ہی اہل اسلام کو باہمی تعاون کی خاطر جاہلیت جیسے معاہدوں اور قسموں کی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام کا رشتہ اخوت ہی کافی ہے، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھروں میں مہاجرین اور انصار کے درمیان قسم دلوائی'' (4)۔ اس قسم سے مراد اخوت اور بھائی چارہ قائم کرانا ہے جس کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ حضرت بریدہ اس فرمان وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ...... کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا نزول حضور ﷺ کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کے متعلق ہوا۔ جو لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام پر کاربند رہنے کی بیعت کرتے تھے انہیں حکم ہو رہا ہے کہ وہ اس عہد (بیعت) کو پورا کریں اور بیعت کرنے کے بعد اسے مت توڑیں۔ اہل حق کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 563، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 1270
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 164
3۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1961، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 83
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7 صفحہ 183

قلت اور اہل شرک کی کثرت کو دیکھ کر اس بیعت کو نہ توڑیں جو انہوں نے اسلام پر کاربند رہنے کے لئے تھی (1)۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ یزید بن معاویہ کی بیعت توڑنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گھر والوں کو جمع کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کے بعد فرمایا: ''ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر اس شخص (یزید) کی بیعت کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''قیامت کے دن غدار کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے، شرک کے بعد سب سے بڑا غدر یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر کسی شخص کی بیعت کر کے توڑ دے، تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ کو پیچھے نہ ہٹائے اور نہ اس معاملہ میں زیادتی کرے، ورنہ میرے اور اس کے درمیان جدائی ہے'' (2)۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کے لئے ایسی شرط لگائی جسے وہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو کسی کو پناہ دینے کے بعد بے پناہ چھوڑ دے'' (3)۔ آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو قسموں کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ...... سدی کہتے ہیں کہ یہاں مکہ میں مقیم ایک احمق عورت کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی عادت یہ تھی کہ جب بھی سوت کاتتی، کاتنے کے بعد اسے پارہ پارہ کر دیتی (4)۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو عہد و پیمان کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دے۔ یہ قول زیادہ واضح اور راجح ہے۔ عورت کوئی بھی ہو سکتی ہے جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے خواہ مکہ میں رہنے والی ہو یا کسی اور جگہ۔ ''اَنْكَاثًا'' کا معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے۔ ممکن ہے یہ ''نَقَضَتْ غَزْلَهَا'' کا اسم مصدر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''لَا تَكُوْنُوْا'' کی خبر سے بدل ہو یعنی انکاث نہ بنو۔ یہ نکث کی جمع ہے۔ اس لئے بعد میں فرمایا: تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ...... یعنی اپنی قسموں کو دھوکہ دہی اور مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ تا کہ ایک قوم دوسری سے زیادہ فائدہ حاصل کر لے۔ یہ نہ ہو کہ تم کسی قوم کی کثرت کو دیکھ کر ان کے سامنے انہیں اطمینان دلانے کے لئے قسمیں اٹھانے لگو اور جب بس چلے تو غداری اور بے وفائی پر اتر آؤ، اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کر دی ہے تا کہ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جب اس حالت میں عہد شکنی حرام قرار دی گئی ہے تو کثرت، قدرت اور غلبہ کے وقت تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوئی۔ سورۂ انفال میں ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے اور شاہ روم کے درمیان ایک مدت کے لئے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ حضرت معاویہ مدت کے اختتام کے قریب لشکر لے کر اہل روم کی طرف روانہ ہوئے تا کہ مدت ختم ہونے تک وہ ان کے ملک کے قریب پہنچ جائیں اور پھر جونہی مدت ختم ہو، ان پر بے خبری کے عالم میں حملہ کر دیں۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ اکبر، اے معاویہ، عہد کا پاس کرو، بدعہدی نہ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس قوم کے ساتھ کسی کا معاہدہ ہو تو وہ مقررہ مدت کے ختم ہونے تک اس کی گرہ نہ کھولے'' یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر کو واپس لے آئے (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''اَرْبٰی'' کا معنی ''اَكْثَرُ'' بیان کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی کے ساتھ معاہدہ کرتے، پھر اگر کوئی زیادہ کثرت اور قوت والے لوگ مل جاتے تو پہلے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر ان کے ساتھ معاہدہ کر لیتے۔ اس سے اہل ایمان کو منع کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ میں ''بِهٖ'' کی ضمیر سے مراد کثرت ہے یعنی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 104 2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 563، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359-1361

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 404 4۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 166 5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انفال: 58

تعالیٰ تمہیں کثرت کے ساتھ آزماتا ہے (1)۔ یا اس سے مراد ایفائے عہد کا حکم ہے، یعنی ایفائے عہد کے حکم کے ذریعہ آزماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو قیامت کے دن اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

''اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تمہیں ایک امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور ضرور تم سے باز پرس کی جائے گی ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ۔ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑے گا (اس کا) برا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا اور تمہارے لئے بڑا (دردناک) عذاب ہوگا۔ اور مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض۔ بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال وزر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے۔ اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا جیسا کہ فرمان ہے: ''وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس: 99)'' اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب''، یعنی سب کو متحد کر دیتا اور اختلاف، بغض اور عداوت رونما نہ ہوتی، وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود: 119-118)'' اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے''، اور یہاں فرمایا: وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام چھوٹے بڑے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا اور ان کی جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی قسموں کو دھوکہ بازی اور مکر وفریب کا ذریعہ نہ بنائیں ورنہ قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو راہ استقامت پر قائم ہونے کے بعد اس سے ہٹ جائے اور ایسی قسموں کے باعث راہ ہدایت سے پھسل جائے جو اسے گناہ میں مبتلا کر دیں اور دوسروں کو اللہ کے رستے سے دور کرنے کا سبب بنیں کیونکہ کافر جب یہ دیکھے گا کہ مومن نے اس کے ساتھ عہد شکنی کی ہے تو اسے دین اسلام کے ساتھ وثوق اور اعتماد نہیں رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 168

ہوگا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے باز رہے گا، اس لئے فرمایا: وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ...... پھر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر کئے گئے عہد و پیمان کے عوض دنیاوی مال و متاع نہ خریدو کیونکہ دنیا قلیل اور حقیر ہے اگر چہ یہ سب کی سب ابن آدم کو مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب ایفائے عہد کرنے والے اہل ایمان کے لئے بہت بہتر اور غیر منقطع ہے۔ اس لئے فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ...... یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ فانی اور ختم ہو جانے والا ہے کیونکہ اس کی ایک مدت مقرر ہے لیکن جنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب باقی اور دوائی ہے، نہ اس میں انقطاع ہوگا اور نہ اختتام۔ پھر قسم کھا کر فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا...... اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گناہوں سے درگزر کی جائے گی۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

”جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے“۔

ہر اعمال صالحہ کرنے والے شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) سے پاکیزہ زندگی اور عمدہ اجر و ثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے بشرطیکہ اس کے اعمال کتاب و سنت کے مطابق ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور عمل کرنے والے کا دل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو۔ حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) ہر قسم کی راحت اور سکون کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے اس کی تفسیر پاکیزہ حلال روزی سے بیان کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد قناعت لی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر سعادت نقل کی ہے۔ حضرات حسن، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ زندگی تو جنت میں ہی ممکن ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد رزق حلال اور عبادت ہے۔ ان سے یہ معنی بھی منقول ہے: اطاعت اور اس پر انشراح صدر (1)۔ صحیح بات یہی ہے کہ حیات طیبہ ان تمام سعادتوں اور راحتوں کو شامل ہے، جیسا کہ حضرت فضالہ بن عبید سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص (دارین کی) فلاح پا گیا جسے اسلام کی طرف ہدایت نصیب ہوئی، بقدر ضرورت روزی ملی اور اس نے اسی پر قناعت کر لی“ (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص فلاح پا گیا جو مسلمان ہوا، اسے بقدر ضرورت رزق عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر اس نے قناعت کر لی“ (3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا اجر دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ لیکن کافر اپنے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی پا لیتا ہے، جب وہ آخرت کی طرف جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے اجر دیا جائے“ (4)۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 170-171
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 730، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 168
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 211-212
4۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ 2162، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 123

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾

''سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔ یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کرنا چاہیں تو پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھ لیا کریں۔ یہ امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ ابن جریر اور دیگر ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ استعاذہ کے بارے میں احادیث ہم بڑی تفصیل کے ساتھ تفسیر کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔ تلاوت شروع کرتے وقت استعاذہ کی حکمت یہ ہے کہ قاری پر قرأت مشتبہ اور خلط ملط نہ ہو جائے اور تدبر و تفکر میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اس لئے جمہور کا یہ موقف ہے کہ استعاذہ تلاوت سے قبل ہونا چاہئے۔ حمزہ اور ابوحاتم بحستانی کہتے ہیں کہ استعاذہ تلاوت کے بعد ہونا چاہئے (کیونکہ قرأت ماضی کا صیغہ ہے یعنی جب قرأت کر چکو تو استعاذہ پڑھو)، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ امام نووی نے شرح المہذب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کیونکہ ایسی احادیث موجود ہیں جو تلاوت پر استعاذہ کو مقدم کرنے کی دلیل ہیں۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ ...... ثوری اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ شیطان کو اہل ایمان پر اتنا زور حاصل نہیں کہ وہ انہیں ایسے گناہ میں مبتلا کر دے جس سے وہ توبہ نہ کر سکیں۔ دوسرے حضرات نے سلطان کا معنی حجت بیان کیا ہے یعنی شیطان کی کوئی حجت ان پر کارگر نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص:83) ''سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے''، پھر فرمایا: اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ ...... مجاہد ''يَتَوَلَّوْنَهٗ'' کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ میں ''باء''، ''في'' کے معنی میں بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ عبادت الٰہی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ ''باء'' سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ شیطان کی اطاعت کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ سے شرک کرنے والے ہیں، بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے اموال اور اولاد میں اسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

''اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم صرف افتراء پرداز ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے۔ فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ ثابت قدم رکھے انہیں جو ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے''۔

مشرکین کی کم عقلی، حماقت، قلت ثبات اور قلت ایقان کا ذکر ہو رہا ہے، ان کے ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان پر شقاوت مسلط کر دی گئی ہے، جب بذریعہ نسخ احکام میں تغیر و تبدل کو وہ دیکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیتے ہیں: اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ یعنی تم افتراء پرداز اور جھوٹے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کے فرمان بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ایک آیت کو اٹھا لیتے ہیں اور دوسری اس کی جگہ ثابت کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرۃ:106) ''جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی''، اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے جواب میں فرماتا ہے: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ...... یعنی قرآن کریم کو روح القدس (جبریل علیہ السلام) حق، صدق اور عدل کے ساتھ لے کر اترتے ہیں تاکہ اہل ایمان کو ثابت قدمی نصیب ہو، جب بھی قرآن اترے، اس کی تصدیق کریں اور ان کے دل وحی الٰہی کے سامنے جھک جائیں۔ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والے ایسے ہی مسلمانوں کے لئے قرآن حکیم ہدایت اور بشارت ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔''

مشرکین کے جھوٹ، افتراء بازی اور بہتان تراشی کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد (ﷺ) جو قرآن ہمیں سناتے ہیں وہ انہیں کوئی بشر سکھاتا ہے۔ اس وقت کسی قریشی کا ایک عجمی غلام تھا جو کوہ صفا کے نزدیک چیزیں بیچا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کبھی کبھار اس کے پاس بیٹھ کر گفتگو کر لیتے۔ یہ دیکھ کر مشرکین کہنے لگے کہ یہ عجمی آپ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، حالانکہ اس کی زبان عجمی تھی، عربی زبان سے اس کی واقفیت بہت کم تھی اور بقدر ضرورت عربی زبان میں گفتگو کرنا بھی اس کے لئے بہت دشوار تھا، کہاں وہ اور کہاں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بہتان کے جواب میں فرمایا: لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ...... یعنی یہ مشرکین جس غلام کی طرف قرآن کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی زبان بولتا ہے اور یہ قرآن کریم فصیح عربی زبان میں ہے۔ یہ تو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے اور ایسے جامع معانی و مطالب پر مشتمل ہے جو تمام سابقہ آسمانی کتب سے کہیں زیادہ کامل ہیں، بھلا ایسی کتاب کے حامل رسول ﷺ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ شکستہ عربی بولنے والے عجمی غلام سے قرآن سیکھیں۔ جس شخص میں عقل نام کی ایک رتی بھی موجود ہے، وہ ایسی بے سروپا بات نہیں کہہ سکتا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مروہ کے قریب حضرمی قبیلے کے کسی شخص کے جبر نامی نصرانی غلام کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے، اس پر مشرکین کہنے لگے کہ یہ قرآن اسی غلام کا سکھایا ہوا ہے(1)۔ عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا نام یعیش تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں بلعام نامی ایک عجمی لوہار تھا، رسول اللہ ﷺ اسے تعلیم دیتے تھے۔ جب قریش نے آپ ﷺ کو اکثر اس کے پاس آتے جاتے دیکھا تو کہنے لگے کہ بس یہی بلعام آپ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، اس پر مذکورہ بالا آیت

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 393

نازل ہوئی(1)۔ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت سلمان فارسی ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں اسلام لائے۔عبید اللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمارے دو رومی غلام تھے جو اپنی زبان میں اپنی کتاب پڑھا کرتے تھے۔جب کبھی رسول اللہ ﷺ کا ان کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ ان سے سن لیتے اس پر مشرکین نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ ان دونوں غلاموں سے قرآن سیکھتے ہیں، اس وقت یہ آیت اتری(2)۔حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جس نے یہ بات کہی تھی وہ مشرکین میں سے ایک شخص تھا۔جو کاتب وحی تھا لیکن بعد میں وہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور یہ بات گھڑ لی۔اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔وہی لوگ تراشا کرتے ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر۔اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں، قرآن کریم سے تغافل برتتے ہیں اور وحی پر ایمان لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اس قماش کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات اور رسالت رسل پر ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں بخشتا اور آخرت میں ان کے لئے نہایت دردناک اور اذیت رساں عذاب ہے۔پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا رسول ﷺ نہ افتراء پرداز ہے اور نہ کذاب کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ گھڑنے والے وہ بدترین لوگ ہیں جو آیات الٰہیہ پر ایمان نہیں رکھتے۔یہ لوگ کافر، ملحد اور جھوٹے ہیں جبکہ حضرت محمد ﷺ سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ نیکی اور حسن سلوک کرنے والے، علم، عمل، ایمان اور ایقان میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ان مشرکین کے ہاں بھی صادق اور امین کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔کسی کو بھی آپ ﷺ کی صداقت اور امانت میں شک نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے گفتگو کرتے ہوئے آپ ﷺ کے متعلق پوچھا تھا کہ کیا تم نے اسے (محمد ﷺ) کبھی اعلان نبوت سے قبل جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں تو ہرقل کہنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص لوگوں کے ساتھ تو جھوٹ نہ بولے لیکن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے(3)۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

''جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان

1۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 177
2۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 178-179
3۔فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 32، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1395

کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا) لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ (جس کا سینہ) تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اوران کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کرلیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر اور یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔ ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیں، ہدایت کی روشنی دیکھ لینے کے بعد اس سے آنکھیں بند کرلیں اور کفر پر خوش اور مطمئن ہو جائیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان سے عدول کرنے کے باعث غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرتے ہیں، ان کے لئے دار آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے کیونکہ یہ آخرت کی بجائے دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہوگئے اور دنیا کی خاطر متاع گراں بہا (ایمان) کو چھوڑ کر مرتد ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو ان کے دلوں کو ہدایت عطا فرمائی اور نہ انہیں دین حق پر ثابت قدم رکھا بلکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اس لئے یہ کسی نافع چیز کو نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح ان کی قوت سماعت اور قوت بصارت پر بھی مہر لگا دی، ان سے بھی وہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے اور نہ یہ اعضاء انہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہ بدبخت اپنے انجام سے بے خبر ہیں، ایسی صفات بد کے حامل لوگ یقیناً روز قیامت اپنا اور اپنے گھر والوں کا نقصان کرنے والے ہیں۔ لیکن وہ سعادت مند ان لوگوں کے حکم سے خارج ہیں جو مجبوراً کفریہ کلمہ زبان پر لائے حالانکہ ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا، ان کے متعلق فرمایا: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اس میں ایسے لوگوں کی استثناء کی جارہی ہے جو مار پیٹ اور اذیت رسانی کے باعث مجبور ہوکر مشرکین کی موافقت میں اپنی زبان پر کفریہ عبارت لے آتے ہیں لیکن ان کے دل اس پر راضی نہیں ہوتے، دل سے وہ کفر کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ وہ بالکل مطمئن ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہوئی جب مشرکین نے آپ کو بہت تکلیفیں دیں اور آپ کو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے مجبور اور ناچار ہوکر ان کی موافقت کرلی۔ پھر آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عذر پیش کرتے ہوئے حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ شعبی، قتادہ اور ابومالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابوعبیدہ محمد بن عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ مشرکین حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر شدید تکلیفیں دینے لگے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی خواہش کے قریب ہوگئے۔ بعد میں آپ نے اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے پوچھا: ''تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟'' عرض کی کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو بھی ایسا ہی کرنا''(2)۔ بیہقی میں یہ روایت ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو (مجبور ہوکر) برا بھلا کہا اور ان کے بتوں کا ذکر خیر سے کیا۔ پھر شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! جب تک میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ دیا اور ان کے بتوں کا ذکر خیر نہ کرلیا، اس وقت تک انہوں نے مجھے عذاب دینا ترک نہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمہارے دل کی کیفیت کیا ہے؟'' عرض کی کہ وہ تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی ایسا کر لینا''۔ اس وقت یہ فرمان اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ نازل ہوا(3)، اس لئے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفر پر مجبور کئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 181 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 182 3۔ سنن بیہقی، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 357

جانے والے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کی خاطر کفریہ کلمات زبان پر لے آئے اور ایسے موقعہ پر صبر وعزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفریہ عبارت زبان پر لانے سے انکار کر دینا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے حالانکہ مشرکین آپ پر سختیوں اور ایذاء رسانیوں کی انتہاء کر دیا کرتے تھے، ظلم وستم کے پہاڑ آپ پر توڑے جاتے اور سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں لٹا کر آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا لیکن پھر بھی آپ شرک پر آمادہ نہ ہوتے بلکہ ''احد احد'' کا نعرہ بلند کرتے اور کفار سے کہتے کہ اگر اس ''احد'' سے بھی زیادہ تمہیں غضبناک کرنے والا کوئی کلمہ مجھے معلوم ہوتو میں وہ کہنے سے بھی باز نہ آؤں۔ اسی طرح حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ مسیلمہ کذاب نے ان سے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ فرمایا: میں نہیں سنتا۔ اس پر اس ظالم نے آپ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ ایمان پر ثابت قدم رہے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد ہو جانے والے چند لوگوں کو آگ میں جلوا دیا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں انہیں آگ میں نہ جلاتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم اللہ کے عذاب سے عذاب نہ دو'' بلکہ میں آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرتا: ''جو اپنے دین کو بدلے، اسے قتل کر دو''۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابن عباس کی ماں پر صد حیف! (2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ یہودی تھا، پھر مسلمان ہو گیا، اب پھر اس نے یہودیت اختیار کر لی ہے، ہم دو ماہ سے اسے اسلام کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک تم اس کی گردن نہیں اڑا دیتے۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے کہ دین سے پھرنے والے کو قتل کر ڈالو، آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو اپنے دین کو بدل ڈالے، اسے قتل کر دو'' (3)۔ بہرصورت افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم اور قائم رہے اگرچہ اسے قتل کر دیا جائے، جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے عزیمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ رومی آپ رضی اللہ عنہ کو قید کر کے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ سے کہا کہ نصرانیت قبول کر لو، میں تمہیں اقتدار میں بھی شریک کر لوں گا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دوں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو اپنی تمام بادشاہت بلکہ اس کے ساتھ عربوں کی ملکیت میں جو کچھ ہے، وہ بھی مجھے دے دے، پھر بھی میں پلک جھپکنے کی دیر بھی دین محمدی سے نہیں پھروں گا۔ بادشاہ نے کہا: پھر میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہو کرو۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے آپ رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور تیر انداز آپ کے ہاتھ اور پاؤں پر قریب سے ضربیں لگانے لگے، اس دوران بادشاہ برابر آپ پر نصرانیت پیش کرتا رہا لیکن آپ صبر واستقلال کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ڈٹے رہے۔ پھر بادشاہ کے حکم سے آپ کو سولی سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے تانبے کی ایک دیگ تپانے کا حکم دیا اور ایک مسلمان اسیر کو آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تپتی ہوئی دیگ میں ڈلوا دیا۔ وہ اسی وقت جل بھن گیا۔ پھر بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کے لئے کہا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آخر بادشاہ نے آپ کو بھی گرم دیگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 466-467 2۔ صحیح بخاری، کاباب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 18، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 217

3۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 18، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: 1458-1457

دیگ میں ڈالنے کے لئے چرخی پر اٹھایا گیا تو بے ساختہ آپ رونے لگے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو کچھ امید پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے آپ کو بلا لیا۔لیکن آپ نے اسے یہ بتا کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ مجھے رونا اس بات پر آیا ہے کہ میری صرف ایک جان ہے جسے اب رضائے الٰہی کی خاطر آگ میں پھینکا جانا ہے۔ میری تو یہ خواہش ہے کہ میرے جسم کے ہر ہر بال کے برابر مجھے جان ملتی جسے میں راہ خدا میں نثار کر دیتا۔بعض روایات میں آتا ہے کہ بادشاہ نے آپ کو چند دنوں کے لئے قید میں ڈال دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ بادشاہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کھایا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ اس اضطراری حالت میں یہ میرے لئے حلال ہو چکا ہے لیکن میں تمہیں اپنی اس حالت پر خوش ہونے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا۔ بادشاہ نے آپ سے کہا کہ میرے سر کو بوسہ دو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میرے ساتھ میرے مسلمان ساتھی قیدیوں کو بھی رہا کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو بادشاہ نے حسب وعدہ آپ کے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارا ماجرا سن کر فرمایا: ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دے اور میں پہل کرتا ہوں۔ آپ اٹھے اور حضرت عبداللہ کے سر کو چوم لیا۔ رضی اللہ عنہما۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جٰهَدُوا وَصَبَرُوٓا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

''پھر بیشک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام لیا۔ بیشک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد (ان کے لئے) بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا (صرف) اپنے متعلق اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

یہاں ایک اور صنف کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں مکہ میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا، یہ کمزور لوگ تھے جو کفار مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار تھے۔ آخر کار جب ہجرت کا حکم ہوا تو انہیں مشرکین کی ستم رانیوں سے رہائی ملی۔ انہوں نے اپنے گھر بار، اہل وعیال، مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہہ کر ہجرت کر لی۔ ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ پھر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر کفار و مشرکین کے خلاف مصروف جہاد ہو گئے اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان عظیم اعمال کے باعث ان پر بہت مہربان ہوگا، اور یہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جس میں ہر شخص اپنے بارے میں ہی جھگڑے گا، اس کی طرف سے کوئی بھی جھگڑنے والا نہ ہوگا، نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا اور نہ بیوی۔ ہر ایک کو اپنی فکر دامنگیر ہوگی۔ ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی کے ثواب کو کم کر کے یا کسی کو برائی سے زیادہ عذاب دے کر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور آیا ان کے پاس رسول انہی میں سے پس انہوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انہیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ ظلم وستم کیا کرتے تھے''۔

اس مثال سے مراد اہل مکہ ہیں۔ مکہ پرامن اور پرسکون شہر تھا، اس کے اردگرد لوگوں کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا لیکن اس پرخطر اور پرفتن دور میں بھی اگر کوئی مکہ میں داخل ہو جاتا تو اسے امن مل جاتا اور وہ ہر خطرے سے بے خوف ہو جاتا جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (القصص:57) ''اور انہوں نے کہا اگر ہم اتباع کریں ہدایت کی آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے۔ کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے''، اسی طرح یہاں فرمایا: يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا...... یعنی ہر طرف سے ان کے پاس عمدہ اور خوشگوار رزق بکثرت آتا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا اور سب سے بڑی نعمت حضرت محمد ﷺ کی ان کی طرف تشریف آوری تھی جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ (ابراہیم:29-28) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے''، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر کی گئی دو نعمتوں کو دو زحمتوں میں بدل دیا۔ امن کی بجائے خوف مسلط کر دیا گیا اور خوشحالی کی بجائے بھوک نے اپنے ڈیرے جما لیے حالانکہ ہر طرف سے رزق اور پھل بکثرت ان کے پاس آتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے باعث انہیں تنگدست کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے عہد یوسف علیہ السلام جیسے سات سالہ قحط کی بددعا کی جس کے نتیجے میں قحط سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہاں تک کہ یہ اونٹ کے خون آلود بال کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ امن رخصت ہوا اور خوف کے سیاہ بادل ہر وقت ان پر چھائے رہنے لگے۔ ہجرت کے بعد انہیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رعب و دبدبہ، سطوت و ہیبت اور لشکر اسلامی کے حملوں کا دھڑکا لگا رہتا۔ انہوں نے اپنا تمام مال و متاع جنگوں میں جھونک دیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطا فرمائی اور مشرکین مکہ کو اپنی کارستانی، بغاوت اور تکذیب رسول ﷺ کا خمیازہ بھگتنا پڑا حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو ان کے لئے بہت بڑی اور گراں بہا نعمت تھے جس کا احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ...... (آل عمران:164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے............''، فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ڃ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ڜ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا (الطلاق:10) ''پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول''، كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ:151) ''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول ﷺ تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے

تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی حالت کو برعکس حالت سے بدل دیا اور وہ امن کے بعد خوف سے اور خوشحالی کے بعد بھوک سے دوچار ہو گئے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی خستہ حالت کو بھی تبدیل کر دیا۔ خوف کے بعد انہیں امن سے نوازا اور اس فقر و تنگدستی کے بعد کشادہ رزق عطا فرمایا، صرف یہی نہیں بلکہ انہیں لوگوں پر امراء، حکام، سردار، قائد اور امام بنا دیا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ یہ مثال اہل مکہ کے لئے بیان ہوئی ہے، یہ قول حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید اور زہری رحمہم اللہ کا ہے (1)۔ جبکہ ابن جریر کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آیت میں مذکور بستی سے مراد مدینہ ہے۔ یہ روایت سلیم بن عتر بیان کرتے ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حج سے لوٹ رہے تھے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں محصور تھے۔ حضرت حفصہؓ اکثر راہگیروں سے حضرت عثمانؓ کی بابت دریافت کرتیں کہ ان کا کیا حال ہے؟ ایک دن آپؓ نے دو سواریوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں بلوا لیا۔ ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سن کر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ مدینہ ہی وہ بستی ہے جس کا ذکر اس آیت وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً...... میں ہوا ہے۔ عبید اللہ بن مغیرہ کے شیخ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس سے مراد مدینہ شریف ہے (2)۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

''پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے۔ اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت۔ پس جو مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر بشرطیکہ) وہ لذت کا جویا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افتراء باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ (وہ) تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں (انجام کار) ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو رزق حلال کھانے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے کیونکہ منعم حقیقی اور فضل و احسان کرنے والا صرف وہی ہے اس لیے عبادت کا مستحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہے۔ پھر ان حرام چیزوں کا ذکر کیا جو اہل ایمان کے لئے دین و دنیا دونوں اعتبار سے ضرر رساں اور نقصان دہ ہیں یعنی مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ لیکن اضطراری حالت میں اگر ان میں سے کسی چیز کو کھانے کی ضرورت پیش آ جائے تو رخصت ہے بشرطیکہ ضرورتمند نہ سرکشی کرے اور نہ حد سے تجاوز

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 185-186 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 186

کرے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اس قسم کی آیت سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکی ہے۔ چونکہ وہاں وضاحت ہو چکی ہے اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین جیسی روش اختیار کرنے سے منع فرمایا جنہوں نے حلال وحرام کے خود ساختہ قوانین بنا لیے اور اپنی آراء سے ہی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ نام دے کر جانور اپنے او پر حرام کر لیے، اس کے متعلق فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ...... اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جواز خود بغیر کسی شرعی دلیل کے کوئی بدعت ایجاد کرے یا محض اپنی رائے اور خواہش کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اللہ تعالیٰ کی مباح کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرائے۔ ''لِمَا تَصِفُ'' میں ''ما'' مصدر یہ ہے یعنی تم اپنی زبانوں کے بیان کرنے کی وجہ سے جھوٹ نہ بولو پھر ایسے لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ...... یعنی یہ افتراء پرداز نہ دنیا میں بامراد ہوں گے اور نہ آخرت میں۔ بس دنیا میں تھوڑا سا عیش و آرام اور لطف اٹھا لیں، آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا ہوگا جیسا کہ فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ (لقمان:24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''، اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ (یونس:70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چندروزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۹﴾

''اور یہودیوں پر ہم نے حرام کر دیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کر چکے ہیں۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بے شک آپ کا رب ان کے لئے جنہوں نے غلطی کی (لیکن) نادانی سے پھر انہوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا۔ بے شک آپ کا پروردگار اس کے بعد (ان کے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم کرنے والا ہے''۔

قبل ازیں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کی حرمت اور اضطراری حالت میں رخصت کو بیان فرمایا، اس سے مقصود اس امت کے لئے آسانی ہے، نہ کہ تنگی۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے جو یہود پر ان کی شریعت منسوخ ہونے سے پہلے حرام تھیں۔ یہ حرمت ان کے لئے بھاری بوجھ اور باعث ضیق و حرج تھی، فرمایا: وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا...... ''مِنْ قَبْلُ'' یعنی سورۂ انعام میں جہاں فرمایا: وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ...... (الانعام:147) ''اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں نے ......''، اس لیے یہاں فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ...... یعنی جو تنگی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ:173

ہم نے ان کے اوپر کی، اس میں ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمارے احکام کو نظر انداز کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا جیسا کہ فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (النساء:160) ''سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو''، پھر گنہگار اہل ایمان پر اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے جو توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرمائے گا۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ..... '' کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہر نافرمان جاہل ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾

''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔

اللہ تعالیٰ امام الحنفاء، ابوالانبیاء اور اپنے رسول حضرت خلیل علیہ السلام کی مدح و توصیف فرما رہا ہے اور آپ کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے بیزار اور بری الذمہ ظاہر فرما رہا ہے۔ ''اُمَّةً'' سے مراد یہاں وہ امام ہے جس کی اقتدا کی جائے یعنی پیشوا۔ ''قَانِتٌ'' سے مراد مطیع و فرمانبردار اور حنیف کا مطلب ہے شرک سے منہ موڑ کر توحید کی طرف مائل ہونے والا۔ اس لیے فرمایا: وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''اُمَّةً قَانِتًا'' کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: امت کا معنی ہے لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والا اور قانت کا معنی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امت سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کو دین سکھائے۔ ابوالعبید ین حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ سے نہیں دریافت کریں گے تو اور کون ہے جس سے دریافت کریں؟ امت کے معنی سے آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے (1)۔ فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قانت، امت اور حنیف تھے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے غلط کہا ہے کیونکہ یہ صفات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا: جانتے ہو ''امۃ اور قانت'' کا کیا مفہوم ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: امت کا معنی ہے معلم خیر اور قانت کا معنی ہے اللہ و رسول کا مطیع، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ تنہا امت اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 191

مطیع تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا مومن تھے اور اس وقت باقی تمام لوگ کافر تھے۔ قتادہ امت کا معنی امام ہدایت اور قانت کا معنی مطیع بیان کرتے ہیں۔ مزید برآں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار بھی تھے جیسا کہ فرمایا: وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی (النجم: 37) ''اور ابراہیم (علیہ السلام) جو پوری طرح احکام بجالائے''، یعنی تمام احکام الٰہی بجالائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ انہیں چن لیا اور اپنا برگزیدہ اور مقرب بندہ بنالیا جیسا کہ فرمان ہے: وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ (الانبیاء: 51) ''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے''، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی صراط مستقیم یعنی پسندیدہ طریقے کے مطابق اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف رہنمائی فرمائی اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ان کے لئے جمع کر دیں اور آپ کی ذات کو تمام صفات حسنہ اور اوصاف جلیلہ کا مرقع بنا دیا۔ مجاہد اس فرمان وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذکر خیر ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ...... یعنی ان کے کمال، عظمت، صحت توحید اور کمال طریق کے باعث، اے سید الانبیاء اور خاتم الرسل ﷺ! ہم نے آپ کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام: 161) ''آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم علیہ السلام ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے''۔ پھر یہود پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

''صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی تھی جنہوں نے اختلاف کیا تھا اس میں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روز قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں ایک ایسا دن مقرر کیا جس میں وہ جمع ہو کر عبادت کریں۔ اس امت کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا کیونکہ یہ ہفتے کا چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کا کام مکمل کر دیا۔ اس دن تمام مخلوقات جمع ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمت تمام ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہی (جمعہ کا) دن مقرر کیا تھا لیکن انہوں نے روگردانی کر کے سنیچر کا دن اختیار کر لیا کیونکہ جمعہ کے دن مخلوقات کے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے جب تورات کو اتارا تو یہی دن ان پر لازم کر دیا اور اسے مضبوطی سے تھام لینے کی تاکید کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دے دیا کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت تک اس کی پابندی کریں، لیکن جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہو جائے تو پھر آپ ﷺ پر ہی ایمان لانا ہوگا اور صرف آپ ﷺ کی ہی پیروی کرنا ہوگی۔ اس پر ان سے عہد و پیمان بھی لے لیا، اسی لیے فرمایا: اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے جمعہ چھوڑ کر ہفتے کا دن اختیار کر لیا(1)۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک وہ اس کی پابندی کرتے رہے۔ آپ نے انہیں اتوار کے دن کی طرف منتقل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ بعض منسوخ احکام کے سوا شریعت

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 193

تورات کی پابندی کرتے رہے اور اسی طرح سنیچر کے دن کو بھی آسمان پر اٹھائے جانے تک اختیار کئے رکھا۔ اس کے بعد نصاریٰ نے قسطنطین کے عہد میں یہودیوں کی مخالفت کرتے ہوئے اتوار کا دن منتخب کرلیا اور صخرہ کی شرقی جانب کو اپنے لیے قبلہ بنالیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم (تخلیق میں) آخر اور قیامت کے دن اول ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ دن (جمعہ) ان پر فرض ہوا لیکن اس کے متعلق وہ اختلاف میں پڑ گئے (اور اسے کھو بیٹھے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی طرف ہماری رہنمائی کی، پس اس میں لوگ ہمارے پیچھے ہیں، یہود ایک دن اور نصاریٰ دو دن''(1)۔ حضرات ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی امتوں کو یوم جمعہ سے محروم کر دیا۔ یہود کے لیے سنیچر کا دن تھا اور نصاریٰ کے لیے اتوار۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوم جمعہ کی طرف ہدایت دی۔ جس طرح جمعہ، ہفتہ اور اتوار ہیں اسی طرح وہ روز قیامت ہمارے پیچھے ہوں گے۔ ہم اہل دنیا میں آخر لیکن قیامت کے دن اول ہوں گے اور سب سے پہلے ہمارے فیصلے ہوں گے''(2)۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝١٢٥

''(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد کتاب وسنت ہے اور موعظہ حسنہ سے مراد وہ تمام نواہی اور واقعات ہیں جنہیں یاد دلا کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے خبردار کیا جائے(3)۔ پھر فرمایا وَ جَادِلْهُمْ...... یعنی اگر کسی سے بحث ومناظرہ تک نوبت پہنچ جائے تو اس کے لیے بھی نرم لہجہ اور عمدہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (العنکبوت:46) ''اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ان سے''، اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت حکم دیا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ:44) ''اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے''۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ...... یعنی ہر شقی اور سعید کے متعلق اسے پہلے سے ہی علم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھ کر فراغت پالی ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہیں اور گمراہوں پر آپ دل گرفتہ اور غمزدہ نہ ہوں کیونکہ ہدایت دینا آپ کا فریضہ نہیں۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور حساب ہم لیں گے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:56) ''بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں''، لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ:272) ''نہیں ہے آپ کے ذمے ان کو سیدھی راہ پر چلانا،

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 8 صفحہ 159، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ:586

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ:586 3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 194

ہاں اللہ سیدھی راہ چلاتا ہے جسے چاہتا ہے"۔

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۝۱۲۶ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ لَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۷ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝۱۲۸

"اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔ اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ قصاص میں عدل اور حق حاصل کرنے میں مماثلت کا حکم دے رہا ہے جیسا کہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تم سے کوئی چیز لے لے تو تم اس کی مثل لو(1)۔ مجاہد، ابراہیم، حسن بصری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ درگذر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب صاحب حیثیت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم ان کتوں (کفار) سے انتقام لیں۔ اس وقت یہ آیت اتری پھر جب جہاد کا حکم ہوا تو یہ بھی منسوخ ہو گئی۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ سورۂ نحل تمام کی تمام مکی ہے، سوائے آخری تین آیات کے جو مدینہ میں غزوۂ احد کے بعد اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا تو میں ان (مشرکین) کے تین آدمیوں کا مثلہ کروں گا" مسلمان یہ سن کر کہنے لگے کہ اگر ہمیں ان پر فتح نصیب ہو گئی تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ عربوں میں کسی نے کسی کا اس طرح نہ کیا ہو گا۔ اس وقت یہ آخری تین آیات نازل ہوئیں (2)۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں ایک شخص مبہم ہے البتہ ایک اور سند سے یہ روایت متصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور انتہائی دردناک منظر دکھائی دیا۔ ان ظالموں نے آپ ﷺ کے چچا کے مختلف اعضاء کاٹ کر حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا! (چچا جان!) آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں، جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ صلہ رحمی اور نیک کام کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے لوگوں کے غم واندوہ کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی طرح چھوڑ دیتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو درندوں کے پیٹ سے نکالتا۔ اللہ کی قسم! میں اس کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر اترے۔ چنانچہ آپ ﷺ قسم پوری کرنے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا(3)۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی صالح بن بشیر ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ شعبی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ آیات احد کے دن ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی مشرکین کا مثلہ کر کے اپنے شہداء کا انتقام لیں گے۔ حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن ساٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ صحابہ کرام کہنے لگے کہ اگر ہمیں مشرکین پر فتح حاصل ہوئی تو ہم ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 197
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 195-196
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الہجرۃ والمغازی، جلد 2 صفحہ 326-327

کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن ایک آدمی کہنے لگا کہ (ہم قریش کا یوں حلیہ بگاڑیں گے) آج کے بعد وہ پہچانے بھی نہیں جائیں گے۔ اسی دوران منادی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر گورے کالے کو امن دے دیا ہے، بجز فلاں فلاں کے۔ اس وقت یہ تین آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے" (1)۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں جو عدل کی مشروعیت اور فضل واحسان کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں، فرمایا: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:40) "اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے"، پھر فرمایا: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:40) "جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ پر ہے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدۃ:45) "اور زخموں کے لیے قصاص"، اس کے بعد فرمایا: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ:45) "تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا"، یہاں فرمایا: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ...... پھر فرمایا: وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ......۔

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ...... یہاں صبر کے حکم کی تاکید ہے اور اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق، مشیت اور اعانت سے ہی ممکن ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ ﷺ ان کی مخالفت، عداوت، مکر و فریب اور شرارت پر غمزدہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، وہی آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو ان پر فتح عطا فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت، تائید و نصرت اور ہدایت، تقویٰ، شعار اور احسان کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آخری آیت میں معیت خاصہ کا ذکر ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الانفال:12) "یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو اہل ایمان کو"، حضرات موسیٰ و ہارون سے فرمایا: لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى (طٰہٰ:46) "ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں"، حضور ﷺ نے اپنے یار غار سے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40) "مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"، یہ تو تھی خاص معیت (ساتھ)۔ باقی رہی معیت عامہ تو یہ سمع، بصر اور علم کے ساتھ ہوتی ہے جو ہر چیز کو حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید:4) "اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے"، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (المجادلۃ:7) "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں"، وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا (یونس:61) "اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں"، اللہ تعالیٰ کے فرمان الَّذِيْنَ اتَّقَوْا کا معنی ہے جنہوں نے محرمات کو ترک کیا اور وَ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ کا معنی ہے جو اطاعت بجا لائے۔ یہی وہ سعادت مند ہیں جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور مخالفین اور دشمنوں پر فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت محمد بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان متقی اور نیکوکار لوگوں میں شامل ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 135